فتاویٰ حصاریہ
و
مقالات علمیہ
مصنف
www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاوی حصاریہ

و

مقالات علمیہ

مصنف

محقق العصر حضرت مولانا عبد القادر حصاری رحمہ اللہ

جلد دوم

کاوش و پیشکش
شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ
بانی دار الحدیث راجووال اوکاڑہ

جمع و ترتیب
حضرت مولانا ابراھیم خلیل حفظہ اللہ
آف حجرہ شاہ مقیم اوکاڑہ

ناشر
عبد اللطیف ربانی مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی بالمقابل جلال دین ہسپتال
اردو بازار، لاہور

نام کتاب .... فتاویٰ حصاریہ ومقالات علمیہ

نام مصنف .... محقق العصر حضرت مولانا عبدالقادر حصاری رحمۃ اللہ

کاوش وکوشش .... شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف (راجووال)

نام مرتب .... مولانا ابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم

طبع اوّل 2012ء

مطبع .... العربیہ پرانی انارکلی لاہور

قیمت مکمل سیٹ .... سات ہزار روپے

تعداد 600

حافظ پلازہ، مچھلی منڈی بالمقابل جلال الدین ہسپتال، اردو بازار، لاہور

042-37321823 - 0301-4227379

فہرست عنوانات جلد دوم

مسئلہ تکفیر

حنفی اہل رائے ہیں!

"الفقیہ" کو جواب

اخبار "الفقیہ" کا نامہ نگار "فیاض" لکھتا ہے۔ "احناف کا یقین ہے کہ قرآن و حدیث پہلے نمبر پر واجب التسلیم ہیں۔ تیسرے نمبر پر اجماع اہل اسلام اور چوتھے نمبر پر شرعی قیاس کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر وہابی پہلے تین نمبر کا ذکر نہیں کرتے صرف چوتھے کا ذکر کر کے احناف کو یہ الزام دیتے ہیں کہ معاذ اللہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر حنفی مذہب پہلے امام کی ذاتی رائے کو واجب التعمیل سمجھتے ہیں۔ اور اللہ سے نہیں ڈرتے کہ حنفی مذہب سے لوگوں کو بہکانے کی خاطر کتنے بڑے بہتان عظیم کے مرتکب ہو کر ایسی بدعت پھیلا رہے ہیں کہ جس کا ثبوت خیرالقرون کے بعد کسی عہد اسلامی میں نہیں ملتا۔" (پرچہ الفقیہ جلد ۲۱ نمبر ۱۵، ۱۶ مطبوعہ ۲۱، ۲۸/ اپریل سنہ ۱۹۲۸ء)

ناظرین! عجیب بات ہے کہ چور چوری بھی کرتا ہے اور پھر سینہ زوری بھی کرتا ہے ؎

یہ کیا اندھیر ہے اے دشمن مہر و وفا تجھ سے
ہوس نے کام جل پایا محبت شرمسار آئی

کتب فقہ، کتب اصول، کتب تواریخ اور کتب اسماء الرجال میں صاف لکھا ہے کہ عراق کے علماء اہل رائے ہیں۔ چنانچہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص ۳۷۰ میں ہے: انقسم الفقه فيهم الى طريقين طريقة اهل الرائى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اصل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قد مناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فللنلک قيل اهل الرائى ومقدم جماعتهم الذى استقر المذاهب فيه واصحابه ابو حنيفة یعنی "ان حنفیوں میں فقہ دو طریقہ کی تھی۔ ایک طریقہ اہل رائے و قیاس کا تھا اور وہ عراق والے تھے۔ دوسرا طریقہ اہل حدیث کا تھا اور وہ حجاز (مکہ مدینہ) والے تھے۔ اہل عراق میں حدیث کم تھی۔ جس کی وجہ پہلے لکھی جا چکی ہے۔ انہوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور قیاس ہی میں خوب ماہر ہوئے۔ اسی وجہ سے انکو اہل رائے کہا گیا۔ اہل رائے کی جماعت کے سردار جن میں اور جن کے شاگردوں اور مقلدوں میں یہ مذہب

قائم ہوا' ابوحنیفہ ہیں۔"

کتاب الملل والنحل مطبوعہ مصر ص-۴۲ میں ہے: اصحاب الرائی وھم اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت ومن اصحابہ محمد بن حسن وابو یوسف یعقوب بن القاضی وزفر بن ھذیل والحسن بن زیاد اللؤلؤی وابن سماعۃ وعافیہ القاضی وابو مطیع البلخی وبشر المریسی وانما سموا وبذلک بما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار۔ یعنی "اصحاب رائے عراق والے جو ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن حسن' ابویوسف قاضی' زفر بن ہزیل' حسن بن زیاد لولوئی' ابن سماعہ' عافیہ قاضی' ابو مطیع بلخی' بشر مریسی ان کا نام اصحاب الرائے اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ ان کی توجہ قیاس کے حاصل کرنے پر تھی اور معانی مستنبط پر کہ جن کا تعلق روزمرہ کے احکام پر ہے۔ بارہا انہوں نے قیاس جلی کو ان احادیث پر مقدم کیا ہے جو خبرواحد ہیں۔"

میزان الاعتدال مصری جلد-۳' ص-۲۳۷ میں ہے: النعمان بن ثابت ابن زوطی ابوحنیفۃ الکوفی امام اھل الرائی۔ یعنی "نعمان بن ثابت بن زوطی ابوحنیفہ کوفی قیاس والوں کے امام ہیں۔"

شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ کے ص-۱۴۹ میں فرماتے ہیں: المراد من اھل الرائی قوم توجھوا بعد المسائل المجمع علیھا بین المسلمین او بین جمھور ھم الی تخریج اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرھم حمل النظیر والرد والی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار۔ یعنی "اہل رائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے متفقہ مسائل کے بعد کسی شخص متقدم کے قواعد پر تخریج مسائل کی طرف توجہ کی ان کا دستور یہی رہا کہ مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ کا جو حکم ہوتا وہی حکم اس مسئلہ پر لگا دیتے۔ اور مسئلہ کو انہی قواعد کی طرف پھیرپھار کر لے جاتے۔ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کی تلاش نہ کرتے۔ یعنی محض قیاس سے فتوے دیتے۔ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کی جستجو نہ کرتے تھے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ انصاف میں اہل حدیث اور اہل الرائی کا طرز عمل اور ان کی روش بیان کی ہے۔ اہل الرائے کا ذکر کرتے ہوئے ص-۳۳ میں فرماتے ہیں: ذلک انہ لم یکن عندھم من الاحادیث والاثار ما یقدرون بہ علی استنباط الفقہ علی

الاصول التی اختصھارھا اھل الحدیث۔ یعنی "علمائے اہل الرائے نے فقہ وغیرہ کی تدوین اہل حدیث کے خلاف (انوکھے) طریقہ سے اس لیے کی کہ ان کے پاس احادیث نبویہ و اقوال صحابہ نہ تھے کہ اہل حدیث کے اصول کے مطابق استنباط کر سکتے۔"

پھر آگے ص-۳۴ میں لکھتے ہیں: وربما استدل بعض المخرجین من فعل ائمتھم وسکوتھم ونحو ذلک فھو التخریج ویقال له القول المخرج لفلان کذا ویقال علی مذھب فلان او علی اصل فلان وعلی قول فلان جواب المسئلة کذا وکذا ویقال لھم المجتھدون فی المذھب۔ یعنی "ان اہل رائے میں سے بعض مسائل نکالنے والوں نے اپنے اماموں کے فعل اور سکوت وغیرہ سے بھی بارہا استدلال کیا ہے۔ پس یہ تخریج ہے' اسی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ فلاں کا قول مخرج ہے اور یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں کے مذہب یا فلاں کے اصل یا فلاں کے قول کے مطابق مسئلہ کا جواب یہ ہے اور یہ لوگ مسائل نکالنے والے مجتہد فی المذہب کہلاتے ہیں۔"

ان تصریحات سے مندرجہ ذیل امور صاف طور پر ثابت ہو گئے ہیں:

(۱) اہل رائے حنفیہ کے علماء اہل عراق ہیں جن کے بڑے سردار امام ابوحنیفہ ہیں۔

(۲) ان کے پاس علم حدیث اور علم اقوال صحابہ و تابعین بہت کم تھا۔

(۳) بناء بریں انہوں نے قیاس اور رائے سے بہت کام لیا تھا اور اہل رائے مشہور ہوئے۔

(۴) ان کی عادت تھی کہ مسئلہ سے مسئلہ نکالتے تھے اور ہر مسئلہ کے متعلق حدیث نبوی اور آثار صحابہ تلاش نہیں کرتے تھے۔

(۵) ان کی احادیث اور علم فقہ کی تدوین انوکھے طریق پر ہے جن کی نہ سند ہے نہ دلیل۔ کیونکہ علم حدیث نہ ہونے کے سبب سے وہ علمائے اہل حدیث کے خلاف چلتے رہے۔

(۶) قیاس جلی کے مقابلہ میں حدیث نبوی کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس وجہ سے کہ وہ خبر واحد ہوتی تھی۔

(۷) دو طریقے قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اہلحدیث کا اور اہل رائے کا۔

(۸) اہلحدیث کا تعلق ملک حجاز سے ہے' جہاں شریعت کا نزول ہوا اور اہل رائے کا تعلق عراق سے ہے جہاں رائے و قیاس کی اشاعت ہوئی ہے۔

(۹) اہل حدیث اور اہل رائے کا فرق علمائے دین اور متقدین محققین نے کر دیا ہوا ہے جو کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ کسی اہلحدیث نے بہتان نہیں باندھا بلکہ وہ خود اپنے طرز عمل سے اہل رائے کہلائے۔

(۱۰) حنفی مذہب کے لوگ قرآن و حدیث کے سوا صرف اماموں کے فعل' ان کے سکوت اور ان کے اقوال سے بھی مسائل نکالتے رہے۔ ان میں مجتہد مطلق تو ایک امام ابوحنیفہ تھے' باقی مجتہد فی المذہب بہت تھے جو اماموں کے قول و فعل بلکہ سکوت سے بھی مسئلہ نکالتے رہے۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ یہ بدعت اہل حدیث نے نکالی ہے یا حنفیہ اہل رائے نے؟ الفقیہ کا نامہ نگار تو جو بات کرتا ہے اختراعی کرتا ہے اور وہ بے بنیاد ہوتی ہے اور صاف ضد اور تعصب پر مبنی ہوتی ہے۔ ہم اللہ کے فضل سے جو بات کرتے ہیں وہ عقل و نقل سے مدلل ہوتی ہے' فللّٰہ الحمد۔

بھلا واقعات کہیں بدل سکتے ہیں؟ حنفیوں کی تمام اصولی کتابیں' اصول شاشی' نور الانوار' حسامی وغیرہ نکال کر ملاحظہ فرمایئے وہاں صاف لکھا ہوا موجود ہے کہ جس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ' انس' عقبہ اور سعید رضی اللہ عنہم اور مدینہ کے اردگرد بستیوں میں رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے اور وہ حدیث قیاس امام کے خلاف ہو گی تو اس وقت عمل حدیث پر نہ کیا جائے گا بلکہ ان پر قیاس مقدم ہو گا اور حدیث متروک!

بھلا جو مذہب اپنے امام کے قیاس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم کرتا ہے اور فقہاء صحابہ کو سفہاء تصور کرتا ہوا اپنے اماموں سے بھی کم سمجھتا ہے اور ایسا مردود اور گندا اصول مقرر کرتا ہے اور پھر اس اصول کو درس میں دن رات پڑھاتا ہے' کیا وہ عامل بالحدیث اور اہل سنت کہلانے کا مستحق ہے؟ کیا وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوئم درجے پر جانتا ہے؟ کتب اصول میں تو صاف لکھا ہے کہ حدیث نبوی مقابلہ قیاس ترک کی جائے گی اور زبان سے منافقانہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم حدیث کو دوسرے نمبر پر جانتے ہیں۔ یہ تو "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور" والی مثل ہے ؎

بنتے ہیں وفادار' وفا کر کے دکھاؤ!
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

پھر اس پر افسوس یہ ہے کہ جو بدعت مذہب حنفی میں قدیم سے چلی آتی ہے' وہ آج اہل حدیث کے ذمے لگا رہے ہیں ~

بنتی نہیں ہے بات بناوٹ کی بال بھر
کھل جاتی ہے اخیر کو رنگت خضاب کی

لطیفہ : کہتے ہیں کوئی چور مہاجن کے مکان میں چوری کرنے گیا' رات کا وقت تھا۔ اس وقت بنیا سویا ہوا تھا' آہٹ سن کر جاگ پڑا لیکن خائف ہو گیا۔ اس وقت شوروغل نہ کر سکا۔ چور کو اور تو کوئی چیز نہ ملی' اپنی دستار اتار کر روئی باندھنے لگا۔ بنیا نے اس کی دستار جو پاس ہی بچھی ہوئی تھی' اٹھا کر اپنے لحاف میں کر لی۔ چور روئی ڈالتا رہا' جب باندھنے لگا تو دستار نہ ملی۔ اس نے سمجھا کہ روئی کے اندر مل گئی ہے۔ جھٹ اپنی دھوتی اتار کر اس میں روئی ڈال دی۔ لیکن دھوتی بڑی تھی اور روئی تھوڑی معلوم ہوئی۔ اس لیے اور روئی لانے گیا' پیچھے سے بنیا نے دھوتی بھی اٹھا کر اپنے لحاف میں کر لی۔ چور روئی ڈالتا رہا' جب باندھنے لگا تو دھوتی نہ ملی۔ وہ گھبرایا اور اس نے جان لیا کہ بنیا جاگتا ہے اور اس نے ہی کپڑے اٹھائے ہیں۔ اس لیے نکل جانا چاہیے۔ جب نکلنے لگا تو پیچھے سے بنئے نے شور مچا دیا' جس سے اردگرد کے دکاندار جاگ اٹھے۔ چور ایک کونے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو ایک ہاتھ آگے اور ایک پیچھے کئے ہوئے کھڑا ہے۔ لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگا بھائیو! ذرا انصاف کرنا چور میں ہوں یا یہ بنیا ہے۔ میرے کپڑے اتار لیے اور اب مجھے چور بتلاتا ہے۔

یہی بات آج کل کے بریلوی مقلدین کی ہے کہ اہل رائے ہیں اور اکثر مسائل رائے ہی سے نکالتے ہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں تو تمام بدعات کا وجود رائے سے نکالا گیا ہے اور جب اہلحدیث لوگوں نے تمام لباس کھوس لیا تو اب صاف ننگے ہو کر شرم کے مارے اہلحدیث ہی کو کہتے ہیں کہ یہ قصور تو ان کا ہے' ہم تو بیچارے حدیث نبوی کے عاشق ہیں جو ان سے ڈرتے ہوئے ایک کونے میں کھڑے ہیں۔

سو میاں فیاض صاحب! ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ تمہاری ہی کتابوں سے کہتے ہیں۔ ~

اے باد صبا! ایں ہم آوردہ تست

تمہارا دعویٰ ہے کہ قرآن و حدیث کا تمام مغز کتب فقہ میں ہے۔ اب مقلدین کا حق نہیں ہے کہ قرآن و حدیث سے استدلال کریں۔ ان کا فرض تو یہ ہے کہ کتب فقہ پر عمل

کریں۔ تم تو مقلد ہو' قرآن و حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے۔ محض نمبر شماری سے کیا فائدہ ہے؟

نامی شرح حسامی میں ہے: انما الاستدلال فعل المجتهد۔ یعنی "قرآن و حدیث سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے۔"

سرسہ میں خواجہ ابوشکور صاحب کی خانقاہ ہے جس کی بریلوی حنفی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب تمہید باب سابع قول ثانی میں لکھتے ہیں: فالتقليد ضد الاستدلال وحد التقليد اخذ قول الغير من غير دليل۔ (ص۔۱۰۰) یعنی "تقلید استدلال کی ضد ہے کیونکہ تقلید کی تعریف یہ ہے کہ کسی غیر کا قول بغیر دلیل کے لے لینا۔"

توضیح مصری ص۔۸۱ میں ہے: قول المجتهد دليلا له۔ یعنی "مقلد کی دلیل تو مجتہد کا قول ہے۔"

اسی کتاب کے ص۔۳۵ میں ہے: ليس دليل المقلد منها یعنی "قرآن حدیث وغیرہ سے مقلد دلیل نہیں لے سکتا۔"

اب ان اصولی کتابوں سے صاف واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث سے استدلال کرنا مقلد کا کام نہیں۔ مجتہدین اور اہل حدیث کا کام ہے۔ مقلد کا طرز عمل یوں بیان کیا گیا ہے: هذا الحكم واقع عندى لانه ادى اليه راى ابى حنيفة وكل ما ادى اليه رايه فهو واقع عندى۔ یعنی "یہ حکم میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے۔ ہر مسئلہ میں جو ان کی رائے ہو گی وہی میرے نزدیک صحیح ہے۔"

تاریخ الخلفاء مصری ص۔۱۶۱ میں ہے: وصنف ابن اسحاق المغازى وصنف ابوحنيفه الفقه والرائى۔ یعنی "امام ابن اسحاق نے تو مغازی تصنیف کی اور ابوحنیفہ نے فقہ و رائے کو تصنیف کیا۔"

تاریخ خمیس جلد۔۲' ص۔۳۲۸ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: قولنا هذا الرائى یعنی "ہمارا قول رائے ہے۔"

علامہ شہرستانی علی ہامش کتاب الفصل لابن حزم جلد۔۲' ص۔۳۶ میں فرماتے ہیں: قال ابوحنيفة علمنا هذا الرائى۔ یعنی "امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں ہمارا یہ علم رائے ہے۔"

(پہلے ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر چکے ہیں کہ میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔ سو یہ

اس کے خلاف نہیں۔ تطابق یوں ہے کہ امام ابوحنیفہ کو علم حدیث کم تھا' جس قدر حدیث ملی اس قدر اہل حدیث رہے۔ باقی قیاس سے کام لیا۔ اس لیے اہل رائے مشہور ہوئے۔ ہاں باقی لوگوں کو اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول الصحابۃ کہہ گئے)

مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ سیرۃ النعمان میں نقل کیا ہے: ھذا الذی نحن فیہ رائی یعنی "ہم جس کام میں مشغول ہیں وہ رائے ہے۔"

ان تصریحات سے دو طرح کی باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ مقلد کا فرض ہے کہ اپنے امام کا قول پیش کرے اور اسی کا پابند رہے۔ قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کا اسے کوئی حق نہیں۔ دوسرا یہ کہ مقلدین جس امام کی تقلید کرتے ہیں' اس کا علم اکثر رائے اور قیاس تھا۔ پس مقلدین کو اس بناء پر اہل رائے کہا جاتا ہے اور ان کو اہل رائے کہنا بالکل حق ہے۔ جب سے انہوں نے اس بدعت کو اختیار کیا ہے' علماء نے ان کو اہل رائے کا خطاب دیا ہے۔ یہ ان کا بہتان ہے کہ اہل حدیث نے یہ ناجائز تہمت لگائی ہے۔ اہلحدیث تو کہتے ہیں کہ آیئے! اول نمبر قرآن' دوم نمبر حدیث' سوم نمبر اجماع امت کو لیجئے لیکن یہ سب ان کی منہ کی باتیں ہیں۔ مقلدین کا یہ منصب قرار نہیں دیا گیا کہ قرآن و حدیث سے دلیل پکڑیں۔ یہ نمبر شماری تو مجتہدین کے لیے ہے' نہ کہ مقلدین کے لیے' فتذکر۔

توضیح میں ہے: فالادلۃ الاربعۃ انما یتوصل بھا المجتھد لا المقلد۔ یعنی "ادلہ اربعہ (قرآن' حدیث' اجماع' قیاس) سے احکام کا جاننا مجتہد کا کام ہے' مقلد کا نہیں۔"

بس اب فیاض صاحب کی نمبر شماری باطل ہوئی بلکہ فرقہ بریلویہ کا بدعات مروجہ کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے استدلال کرنا بھی باطل ہوا۔ اور اس پر امام کا قول پیش نہ کرنا بلکہ ازخود استنباط کرنا بھی باطل ہوا اور یہ پابند امام نہ ہوئے بلکہ اپنی رائے کے پابند ہوئے یعنی اہل ہوئی اور یہ ایک قسم ہے اہل رائے کی۔ فافھم وتدبر ولا تکن من الغافلین۔

بریلوی اہل سنت کی حقیقت

"الفقیہ کو جواب"

اہلحدیث فرقہ ناجیہ قدیم سے چلا آتا ہے جو اس نام سے کتب شریعت میں موسوم ہے۔ اہل بدعت بریلوی ضد میں آکر اس فرقہ کو "وہابیہ" کا خطاب دیتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں کو ما انا علیہ واصحابی کہہ کر فرقہ ناجیہ قرار دیا تھا جب اسی روش پر اہل حدیث ہیں تو پھر سب کو ہی "وہابی" کہنا چاہیے۔

اہل بدعت نے سلف صالحین کے خلاف چار شاخیں بنا کر چار درسگاہیں' چار مصلے قرار دیئے۔ اس مصنوعی درسگاہ کے تعلیم یافتہ اطراف عالم میں پھیل گئے اور تقلید کی اشاعت میں چہارم زیست مصروف رہے اور حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی کہلاتے رہے۔ لیکن اہلحدیث ان سے الگ اسی قدیمی روش سلف پر چلے آئے مگر آج دریدہ دہنی سے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ وہابیہ جدید نکلا ہے۔ اس بہتان بازی اور غلط بیانی کا جواب صرف یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات بدعت ہیں اور تخیل کرنے والے بدعتی' کذاب مفتری ہیں اور زیادہ تر بریلوی دماغوں کے اختراعی اور نو پیدا کردہ وسواس ہیں ورنہ اہل حدیث کی حقانیت و صداقت کی تائید و تصریح تیرہ سو سال سے چلی آتی ہے۔ البتہ ان مقلدوں کا وجود قرون ثلاثہ میں نہیں ملتا۔ بلکہ یہ چہارم صدی میں پیدا ہوئے ہیں جیسے ہم نے ثابت کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل حدیث کے اسمائے متعارفہ کی بنیاد ہی قرآن و حدیث کی تصریحات پر ہے اور مقلدین کے ناموں کی بنیاد خیال غیر پر ہے۔ اب اہل حدیث کو برا خیال کرنا یہ اہل بدعت بریلویوں کی بدظنی اور غلط فہمی ہے۔ کہ ہر نام مسنون اور مشروع چھوڑ کر سارا زور نئے نام تراشنے پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پہلے صرف حنفی مقلد کہلاتے تھے' اب کوئی رضائی ہے' کوئی علوی ہے' کوئی قادری ہے' کوئی چشتی ہے' کوئی نوشاہی ہے' کوئی نقشبندی ہے' کوئی سنی ہے' کوئی شیعہ حنفی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تو ان حنفیوں کو مرجیہ قرار دیتے ہیں۔ اب اپنے منہ سے کہتے رہیں۔ ویسے تو اہل سنت اور اہل حدیث بھی بننے لگتے ہیں۔ ان کے یہ غلط دعاوی

ہیں۔ اصلی ان کی شناخت دو طرح سے ہے۔ کتب فقہ کے پابند ہوئے تو دیوبندی حنفی اور اگر بدعات سیئہ کے عامل ہوئے تو بریلوی بدعتی حنفی۔ مگر ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

اہل سنت والجماعتتو صرف منہ سے بنتے ہیں' ثابت کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ ان کا ضمیر خود ان کو ایسا بننے سے ملامت کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عنوان تو سنت اور طاعت کی پابندی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ مدعی تقلید شخصی کے ہیں۔ پھر اپنی خواہشات اور بدعات جو بعد کی مروجہ ہیں' اس لیے اب اس نام سے کچھ نفرت کر کے احمد رضا خان یا جماعت علی شاہ یا دیدار علی شاہ کی طرف اپنی نسبت کرنے لگے ہیں۔ اور یہی وجہ ہمارے نزدیک درست ہے کہ قرون ثلاثہ کے لوگ اہلسنت تھے جو سنت کے عاشق اور بدعات سے سخت متنفر تھے اور یہ جاہل فرقہ کہ جس کو سنت سے نفرت اور احادیث سے ضد ہے۔ سنت سے کوسوں دور اور بدعات سے بھرپور ہے۔ ان کی جہالت یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ ان میں سے بعض لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حنفی اور جناب رسول کریم ﷺ کو بھی حنفی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حنفی' یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حنفی کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ علمی اور عرفی طور پر حنفی وہ ہے جو امام ابوحنیفہ کی تقلید میں گرفتار ہے اور یہ اندھا دھند تمام اولیاء' صحابہ کرام بلکہ انبیاء علیہم السلام تک کو امام ابوحنیفہ کا مقلد بنا کر ان کی توہین کر کے کفر کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ پھر صرف نام حنفی اور مذہب حنفی پر صبر نہیں ہے بلکہ باعتبار عقیدہ و عمل کے باہم مختلف ہیں۔

حنفیوں کی اقسام: حنفیوں کی کئی قسمیں ہیں جو مختلف پیشوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ چنانچہ کنجر بے حیائی کرنے کرانے والے بھی حنفی' ڈوم میراثی حنفی' راگی سروردی حنفی' بھنگی پوستی حنفی' بھنڈ منڈیے حنفی' قطلنے قوال حنفی' قبر پرست خانقاہی حنفی' تعزیہ پیٹنے والے شیعہ حنفی' ڈگڈی بجانے والے قلندری حنفی' نوشاہی حنفی' چشتی حنفی سہروردی حنفی' قادری حنفی' نقشبندی حنفی' مجددی حنفی' گیروے کپڑوں والے فقیر حنفی' بریلوی اہل بدعت حنفی' دیوبندی اہل فقہ حنفی وغیرہ وغیرہ بیسیوں حنفیوں کے گروہ ہیں جو اپنے پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور اپنے نام کے ساتھ تقلیدی دم چھلا لگا دیتے ہیں۔

بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدائی کی دکان کھول رکھی ہے۔ وہ ہر قسم کی مشکل کشائی کے مدعی ہیں۔ جو اپنے آپ کو سجدۂ تعظیم کرواتے ہیں اور اپنی شکل کا تصور دلاتے ہیں اور مریدوں کو اپنے حاضر ناظر جاننے کا سبق دیتے ہیں۔ اور بعض نبوت ظلی میں داخل ہو کر اپنی امت "احمدی فرقہ" کے نام سے جاری کر گئے ہیں۔ غرضیکہ اس بدعتی فرقہ نے اپنے آپ کو اس قدر مقدس سمجھا ہوا ہے کہ توحید و سنت سے نفرت کرنے اور شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کے نائب بنتے ہیں۔ اور جنت کے اپنے آپ کو وارث سمجھتے ہیں اور پھر باوجود فرقہ بندی کے کہتے ہیں کہ ہم تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارا سب کا اتفاق ہو جائے اور ایک امام کی تقلید سے یکجہتی پیدا ہو جائے حالانکہ خود متفرق ہو رہے ہیں اور باہم مخالف ہیں۔ باوجودیکہ باہم مختلف الحیل اور مختلف الاعمال ہیں لیکن اپنی اپنی جگہ سب کو قابل احترام جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں اختلاف رائے اور تقلید شخصی اور انسان پرستی صریح طور پر موجود ہے' اس لیے اہل سنت تو یہ لوگ قطعاً نہیں۔ البتہ محققین علمائے دین نے ان کے اعتقادی اور عملی حالات کا مطالعہ کر کے یہ نام رکھے ہیں۔ معتزلہ' مرجیہ' جہمیہ' مقلد' اہل بدعت' اہل ہویٰ' اہل رائی۔ پس ان کو اہل سنت کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اہل مسلک جدید کے معنوں میں لے کر "اہل سنت جدیدہ" کہا جائے تو مناسب ہے یعنی بدعتی نئے طریقہ والے۔

بہرکیف باوجود اہل بدعت ہونے کے اہل سنت کہلانا ان کی خوش فہمی کا مظاہرہ ہے۔ بھلا نام رکھ لینے سے کچھ بنتا ہے؟ کتے کا نام "موتی" رکھ لیا' زن فاجرہ کا نام "سعادت" رکھ لیا۔ ضلالت کا نام "ہدایت" رکھ لیا تو اس سے کون سی تبدیلی ہو سکتی ہے؟ اور کیا شان بڑھ سکتی ہے؟ قرآن مجید میں جبکہ یہ حکم وارد ہے کہ فلا تزکوا انفسکم یعنی "اپنی صفیاں نہ چھانٹا کرو۔" کیونکہ اس سے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے اور خود ستائی ظاہر ہوتی ہے تو پھر اپنے منہ سے اہل سنت کیوں بنتے ہیں؟

("الفقیہ" کے نامہ نگار نے اہلحدیث کی قرآن دانی پر اعتراض کرتے ہوئے حنفیوں کی بڑی علمیت ظاہر کی ہے لیکن یہاں آیت کے ایک ہی جملہ نے ان کی "علمیت" آشکارا کر دی۔ قرآن میں ہے فلا تزکوا انفسکم۔ ملاحظہ ہو سورہ نجم پارہ-۲۷ اور حنفیوں بریلویوں نے اس جملہ کو یوں لکھا ہے لا تزکوا لانفسکم (الفقیہ نمبر-۱۵' ۲۱ جلد-۲۱) اصل قرآن سے فا کم کر

دی اور لام بڑھا دیا۔ اپنی بدعتی اور اختراعی عادت قرآن کریم میں بھی جاری کر دی۔ تف!)
اور دوسرے گروہ اہل حق کو اہل حدیث کہلانے پر بھی آیت پیش کر کے اس نام سے موسوم ہونے سے روکتے ہیں ؂

ایں چہ ابو العجبی است؟

قرآن میں ہے: کبر مقتا عنداللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ یعنی "جو کہہ کر عمل نہ کرے اس پر اللہ غصہ کرتا ہے۔" خود باوجود بدعتی ہونے کے اہل سنت بنتے ہیں اور باقی مسلمانوں کی خواہ وہ حنفی بھی کہلاتے ہوں مگر بدعات مروجہ نہ کرتے ہوں جیسے لامذہب' گلابی حنفی' گلابی وہابی' غیر مقلد' آزاد لوگ وغیرہ وغیرہ نام رکھ کر توہین کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ امت محمدیہ کے تمام لوگ جو بدعات بریلویہ نہیں کرتے کسی نہ کسی آلائش سے ملوث ہیں اور ہم رضائی بریلوی ہی (جو طرح طرح کے شرک و بدعات میں مبتلا ہیں) تمام قسم کی آلائشوں سے پاک ہیں۔ (تف)

مذہب کی ضرورت' بریلویوں کی بدعت: ہم ان بریلوی بدعتیوں سے پوچھتے ہیں کہ تم جو اہل حق کا نام "وہابی" رکھتے ہو' اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ عبدالوہاب کے مقلد' تو یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ ہم تقلید کو بالکل ناجائز جانتے ہیں۔ اگر یہ مراد ہے کہ جس طرح محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک و بدعت کی بیخکنی کی ہے' اسی طرح موحدین اہل سنت کرتے ہیں۔ اس مناسبت کی وجہ سے وہابی ہو تو یہ تمہارا غلط استدلال ہے۔ کیونکہ ہم اہل توحید قرآن و حدیث کے رو سے تمہارے باطل عقائد اور مشرکانہ اعمال کی تردید کرتے ہیں نہ کہ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے سے۔ پھر یہ الزام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر صرف مناسبت ہی مراد ہے تو پھر تم کو قبروں' خانقاہوں کے پوجنے سے سناتن دھرمی یا یہودی کہا جائے تو مناسب ہے یا نہیں؟ یا مشرکین مکہ کا خطاب دیا جائے کیونکہ تمہاری ان سب سے مناسبت ہے۔

اگر "وہابی" سے مراد رحمان والا ہے یعنی وہاب اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کی طرف توحید کی وجہ سے نسبت کرتے ہو تو پھر تمہیں وہابی بننے سے کیوں عار ہے؟ اور وہابی کا نام سن کر تمہارے وضو کیوں ٹوٹ جاتے ہیں؟ اور وہابیوں کے نماز پڑھنے سے تمہاری مسجدیں کیوں پلید ہو جاتی ہیں؟ اور لوٹے کیوں ٹوٹ جاتے ہیں؟ اور ان کی "آمین" کی آواز سے

تمہاری نمازیں کیوں باطل ہو جاتی ہیں؟ پھر جسمانی دنیا میں بھی تم صرف انسان کہلاؤ' بریلوی' رضائی' پنجابی' دیداری' علوی وغیرہ کیوں بنتے ہو؟ بریلوی' رضائی کی پابندی کیسی ہے؟ شہر اور پیروں کے نام سے تعلق کیوں پیدا ہو گیا؟ اور ہندوؤں کی طرح "وہاب" نام الٰہی سے کیوں چڑاتے ہو؟ اگر اللہ کی طرف نسبت بری ہے تو ملک کی نسبت' قومیت کا لحاظ' نسل کی پابندی' پیروں' اماموں کی طرف منسوب ہونا سب ہی چھوڑ دو۔ تم کسی گوت اور خصوصیت کا اظہار ہی نہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم مذہبی دنیا میں اللہ اور نبی کا واسطہ نہیں رکھتے صرف بریلوی' رضائی' حنفی کہلانے کو فخر جانتے ہو تو قومی دنیا میں صرف انسان کیوں کہلاتے ہو؟ یہ کہلاؤ کہ "بریلوی بندے" "رضائی بندے" "قادری انسان" علیٰ ہذا القیاس۔ جب سکونت کے لحاظ سے' مذہب کے لحاظ سے تم نے اپنے آپ کو پابند کر رکھا ہے تو "وہاب" نام الٰہی کی طرف کیوں نسبت نہیں کرتے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی توحید سے ضد ہے تو جاؤ خدائی ملک' زمین و آسمان کو چھوڑ کر کسی اور جگہ بسیرا کر لو۔

پس اگر سکونتی پابندی تم کو ایشیائی کہلانے سے' علی پوری کہلانے سے' بریلوی کہلانے سے رکاوٹ پیدا نہیں کرتی یا اگر قومی خصوصیات تم کو انسان کہلانے سے نہیں روکتیں تو اسلامی اسمائے متعارفہ اہل حدیث' محمدی' موحد تم کو مسلمان کہلانے سے کب روک سکتے ہیں؟ وہابی کہلانے سے تمہاری کون سی انسانیت بگڑتی ہے؟

اے بریلویو! ذرہ دماغ پر زور ڈالو' ذرا غور سے کام لو تو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا پہلا نام تو مسلمان ہی تھا۔ بعد میں جوں جوں واقعات پیش آتے گئے' عنوانات بدلتے گئے۔ مثلاً ہجرت کا واقعہ پیش آیا تو مہاجر اور انصار کہلانے لگے۔ جہاد شروع ہوا تو مجاہدین بن گئے۔ سکونت کے لحاظ سے مکی' مدنی وغیرہ کہلائے۔ بعد میں جب رائے' قیاس پر جمود اختیار کیا تو اہل رائے کہلائے پھر جب غیر نبی کے اقوال و افعال کی بے دلیل پیروی شروع کر دی تو اس کی طرف منسوب ہوئے۔ مثلاً ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد حنفی' مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مالکی مقلد اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حنبلی مقلد۔ جب یہ امام ہوئے اور ان کے اقوال سے تعلق پیدا کیا' تب سے ان کی طرف منسوب ہونا شروع ہو گئے۔ ورنہ ان سے پہلے دو مذہبی فرقے اہل سنت اور شیعہ بالمقابل تھے۔ پھر اہل سنت سے مسخ ہو کر کئی فرقے جدا ہو گئے جیسے شیعہ فرقہ منقسم ہو کر

غالیہ ہوا۔ جس کے بارہ فرقے ہوئے اور زیدیہ ہوا جس کے چھ فرقے ہوئے اور رافضہ ہوا جس کے چودہ فرقے ہوئے۔ ان سب کے اعتقاد اور اعمال مختلف ہیں۔ اسی طرح اہل سنت سے بگڑ کر حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی ہوئے جن کے اعتقاد اور عمل میں باہم اختلاف ہے۔ بالخصوص حنفی مذہب تینوں مذہبوں سے الگ ہے پھر حنفیوں سے بگڑ کر اہل بدعت کے کئی فرقے ہو گئے۔ جن کے نام اوپر لکھ چکے ہیں۔ سو یہ سب مردود ہیں۔ صرف ایک فرقہ ناجیہ ہے جو اہل حدیث ہے اور اہل سنت کے نام سے بلا تقلید کسی غیرنبی کے محض روش قرون ثلاثہ کے مطابق قرآن و حدیث پر عامل ہو کر مشہور ہے۔ باقی سب فرقے قرون ثلاثہ کے بعد کی پیداوار ہیں اور ان کے نام بھی بعد میں مشہور ہوئے ہیں' جو سب گمراہ ہیں۔

غرضیکہ ان ناموں کے پیچھے اسلامی تاریخ کے چند سنہری واقعات مضمر ہیں جو ہر فرقہ کے باطل پر ہونے اور ایک فرقہ کے حق پر ہونے کے لیے دلائل بینہ ہیں۔ جن سے فرقہ ہائے ضالہ بالخصوص اہل بدعت بریلویہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ مگرہاں اس دور حاضر میں جبکہ حکومت اہل کتاب کی ہے جس میں ہر قسم کی آزادی حاصل ہے' نام کے مسلمان جو نام اپنے لیے تجویز کریں کوئی روکتا نہیں۔ مشرک مسلمان کہلائے' بدعتی سنی کہلائے کوئی ٹوکتا نہیں۔ اس میں کوئی سنہری کارنامہ مضمر نہیں ہوتا صرف اہل حق مسلمانوں کی اس سے توہین لازم آتی ہے۔ کیونکہ اسلام توحید اور سنت سکھاتا ہے اور اہل بدعت شرک و بدعات جاری کر کے ان کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جس سے دین اسلام کی توہین ہوتی ہے۔

یہ مشرکین مسلمان کہلانے والے جب باوجود عامل شرکیہ بات کے توحید بیان کریں یا توحید کا دعویٰ کریں تو بالکل عبث ہے۔ کیونکہ خود ان شرکوں میں مبتلا ہیں۔ اور جو لوگ توحید پر قائم ہیں' الٹا یہ لوگ ان کو مشرک کہتے ہیں۔ یہ کیسا صریح ظلم ہے۔ پھر جن پیروں کی پوجا کرتے ہیں' ان کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ اس قسم کے عنوانی مذہب اور شریعت و طریقت کے جدا جدا نام پہلے نہ تھے۔ صرف آج اہل بدعت میں نظر آتے ہیں۔ جو ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی صرف لفظ ہی لفظ ہیں۔ نہ ان پیروں' بزرگوں' اماموں کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ان کا فیصلہ مانتے ہیں۔ نہ ان جیسا علم ہے' نہ ان جیسا عمل ہے۔ صرف ان کی طرف منسوب ہونے کو موجب نجات جانتے ہیں۔ نہ اس گمراہ فرقہ میں خدا ترسی ہے اور نہ نیک عمل۔ بلکہ بزرگوں کے ناموں اور اماموں کے ناموں کو اپنی

بداعمالی اور شرارت اور شرکی و بدعی رسومات پر پردہ ڈالنے کا وسیلہ بنایا ہوا ہے ورنہ؎

مَن خوب مے شناسم پیران پارسا را

ہم ان اہل بدعت کی حقیقت خوب جانتے ہیں کہ شرک و کفر اور ہر قسم کی بدعات میں دن رات مستغرق ہیں اور توحید و سنت کے مخالف ہیں۔ اور اماموں اور اولیاء اللہ کے فیصلوں کے منکر ہیں اور قرآن و حدیث سے روگرداں ہیں اور اپنے مصنوعی پیروں اور پیٹ پرست ملانوں کے تابعدار ہیں۔ تمام مرد اور عورتیں ان کی' ان پیروں کے پاؤں پر سربسجود ہیں اور ان کے وہ کارنامے اخباروں میں دن رات چھپتے ہیں۔ جن کو غیرت مند سن کر انگشت بدندان ہو جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب نے نظارہ دیکھنا ہو تو ان خانقاہوں پر جا کر دیکھے۔ جہاں سالانہ عرس پر مرد اور عورتیں جمع ہو کر پیروں کے تبرک حاصل کرتے ہیں' فاعتبروا یااولی الابصار۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری غفرلہ الباری

تنظیم اہل حدیث روپڑ جلد ۸' شمارہ ۲۹' ۳۰' ۳۱' ۳۲ مورخہ ۹' ۱۶' ۲۳' ۳۰ جون سنہ ۱۹۳۹ء

مسئلہ تکفیر

قابل توجہ علماء مکفرین و غیر مکفرین

یہ واضح ہو کہ جماعت غرباء اہلحدیث اور دیگر فرقوں مقلدین وغیرہم بلکہ دیگر جماعت اہلحدیث کا باہم اس امر میں اختلاف رہتا ہے کہ اگر ایک شخص کوئی ایسا ناجائز فعل کرتا ہے جس پر اطلاق کفر کا شارع نے کیا ہے یا ایمان کی نفی اس سے کی ہے تو جماعت غرباء اس کو کافر خارج از اسلام قرار دیتی ہے اور دیگر اسلامی فرقے اس کو ایسا کافر نہیں کہتے بلکہ عملی کافر یا کسی اور طرح سے تاویل کر کے سخت گنہگار قرار دیتے ہیں۔ میں نے خود بعض افراد جماعت غرباء سے "کفر مضاد — ایمان" کا اطلاق سنا ہے جس میں ایسا کفر کہتے سنا جس کو قرآن و حدیث و اقوال صحابہ کے رو سے کافر' مرتد' خارج عن الاسلام کہنا ضروری تھا بلکہ بعض علمائے اہلحدیث کی زبان سے یہ سنا کہ قبرپرستوں اور نذر لغیر اللہ دینے والے کلمہ گو لوگوں کو کافر' خارج من الملتہ نہ کہنا چاہیے۔

غرض یہ کہ کفر کے اطلاق میں مذاہب اسلام میں اختلاف دیکھ کر اور اس اختلاف میں افراط تفریط ملاحظہ کر کے خیال پیدا ہوا کہ اس کے متعلق ایک مضمون لکھ کر ہدیہ فریقین کیا جائے تاکہ فریقین کو تحقیق حق کا موقعہ ملے۔

کمترین ہر دو فریق میں خطا سمجھتا ہے یعنی ان بعض خشک مولویوں سے بھی متنفر ہے جو ایک گناہ پر کسی شخص کو ابوجہل' ابولہب' فرعون جیسا کافر کہہ دیتے ہیں اور برہمن' رام چندر' لچھمن کا خطاب دے رہے ہیں۔ اور ان مولویوں کو بھی بدعقیدہ سمجھتا ہوں جو کفر صریح اور شرک قبیح کرنے والے کلمہ گو لوگوں کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہر دو کے مابین ہے جو عین اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ ذیل میں اس کی تفصیل کی جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو تین فصلوں میں بیان کیا جائے گا اور تین ہی اس کے عنوان ہیں۔

ایمان اور کفر کی حقیقت اور ان کی اقسام: ایمان کی حقیقت یہ ہے ھو التصدیق مستلزم للطاعة والانقیاد۔ یعنی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو تمام احکام میں سچا اعتقاد رکھ کر پورے طور پر تابعداری اور فرماں برداری کرنے کا نام ایمان ہے۔

اگر محض تصدیق ہو اور طاعت اور انقیاد نہ ہو تو ایمان کا وجود قائم نہ ہو گا۔ چنانچہ ابوطالب اور بعض مشرکین اور یہود آنحضرت ﷺ کو سچا جانتے تھے اور سرا اور جہراً اقرار کرتے تھے کہ آپ کاذب نہیں ہیں۔ بیشک اللہ کے رسول ہیں ولکن لا نتبعه یعنی ہم آپ کی پیروی نہیں کرتے۔ کیونکہ کسی کو تو براوری کی عار تھی اور کسی کو خوف تھا۔ یہ سب واقعات قرآن مجید اور تفسیروں اور احادیث میں موجود ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مجرد تصدیق ایمان نہیں ہے۔ ہاں تصدیق ایمان کا وہ رکن اعظم ہے جو مومن سے کسی وقت ساقط نہیں ہو سکتا۔ عمل اور اقرار تو بصورت اکراہ و جبر ساقط ہو جاتے ہیں لیکن آیت قلبه مطمئن بالایمان سے ثابت ہوتا ہے کہ تصدیق کسی وقت بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔

اسی لیے حنفیہ کے نزدیک اصل ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ عمل کو تو وہ مستکمل ایمان جانتے ہیں' اصل ایمان میں داخل نہیں سمجھتے۔ اسی لیے ان کے نزدیک ملائکہ اور انبیاء' اولیاء اور مومنین' فساق اور فجار کا ایمان مساوی ہے۔ کہتے ہیں کہ تصدیق سب کی یکساں ہے اور اقرار لسان کو وہ تصدیق قلبی کا ترجمان جانتے ہیں' حقیقتاً رکن نہیں سمجھتے۔ لیکن اصل مذہب اہلحدیث کا ہے کہ وہ تصدیق قلبی کے ساتھ طاعت اور انقیاد کو بھی رکن

جانتے ہیں۔ کیونکہ مجرد تصدیق شارع نے اہل کتاب اور مشرکین کی قبول نہیں کی۔ حالانکہ ان کے متعلق یعرفونه کما یعرفون ابناء هم وارد ہے۔ ہاں یہ ہمارے نزدیک ضرور ہے کہ ہم تصدیق قلبی کو رکن بعینہ جانتے ہیں اور طاعت اور انقیاد کو رکن لغیرہ سمجھتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ حقیقت ایمان قول اور عمل سے مرکب ہے۔ قول دو قسم کا ہے۔ قول قلب' جس کو شرع اور عرف میں اعتقاد بھی کہتے ہیں اور قول لسان' جس کو شرع اور عرف میں اقرار بھی کہتے ہیں۔

اسی طرح عمل دو قسم کا ہے۔ پہلی قسم عمل قلب جیسے محبت الٰہی' محبت نبوی' اخلاص' نیت وغیرہ۔ دوسری قسم عمل جوارح جیسے نماز' حج' زکوۃ' جہاد وغیرہ۔ اگرچہ چاروں اقسام قول قلب' قول لسان' عمل قلب' عمل جوارح زائل ہو جائیں تو باتفاق اہل اسلام' ایمان بالکلیہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور اگر تصدیق یعنی قول قلب زائل ہو جائے تو باقی اقسام یعنی اقرار اور عمل اعضاء کے منافع نہیں ہو سکتے۔ یہ مسئلہ بھی اتفاقی ہے کیونکہ تصدیق قلبی کا عمل کی قبولیت کے لیے اور اقرار کی منظوری کے لیے ہونا لابدی ہے۔ اگر اعتقاد صادق کے ہوتے ہوئے باقی اجزاء یعنی عمل' قلب' اخلاص وغیرہ اور عمل جوارح نماز وغیرہ زائل ہو گئے تو ایمان زائل ہو گا یا نہیں؟ اس میں مرجئہ اور اہل سنت کا باہم اختلاف ہے۔ اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان زائل ہو جائے گا اور تصدیق نافع نہ ہو گی۔ چونکہ حنفیہ اس مسئلہ کے قائل نہیں ہیں' اس لیے حنفیہ کو پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجئہ قرار دیا ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جس طرح ایمان عمل قلب کے زوال سے زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تصدیق کی صحت بغیر عمل کے نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا خواب دیکھا تو اس پر عمل کیا تب اللہ عزوجل نے فرمایا قد صدقت الرؤیا۔ یعنی "اے ابراہیم تو نے خواب کی تصدیق کر دی۔" اس تصدیق سے مراد خواب پر عمل کرنا ہے یعنی تو نے عمل سے خواب کی تصدیق کو صحیح ثابت کر دیا۔ ورنہ نفس تصدیق تو پہلے بھی تھی۔ کیونکہ نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس میں نفس اور شیطان کا حصہ نہیں ہوتا۔ کما لا یخفی علی اهل العلم۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ آنکھ کا زنا ہے' کان کا زنا ہے' ہاتھ کا زنا ہے' زبان کا زنا ہے' دل کا زنا ہے پھر فرمایا والفرج یصدق ذلک او یکذبه۔ یعنی "شرمگاہ اس دل کے زنا کی

تصدیق کر دے گی یا تکذیب کر دے گی۔" یعنی اگر شرمگاہ سے زنا کیا تو اس دل کا زنا بھی سمجھا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس حدیث میں دل کی آرزو نے زنا کو فرج کے عمل سے تصدیق یا تکذیب قرار دیا ہے۔ جس سے یہ مسئلہ صاف ثابت ہوا کہ تصدیق بغیر عمل کے صحیح نہیں ہے۔

حدیث سے بھی یہ ثابت ہے: عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یقبل ایمان بلا عمل ولا عمل بلا ایمان رواہ طبرانی فی الکبیر باسناد حسن کما قال العزیزی فی شرح الجامع الصحیح۔ یعنی "ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں قبول کیا جاتا ایمان بغیر عمل کے اور نہ عمل بغیر ایمان کے۔"

اس حدیث سے بھی تصدیق کی صحت عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے۔ قرآن و حدیث میں جزء اعظم پر کل کا اطلاق کئی جگہ ہوا ہے۔ قرآن میں ہے: وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم۔ یعنی "نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ضائع کرے نماز تمہاری کو۔" اس کلام پاک میں بالاتفاق ایمان سے مراد نماز ہے۔ حالانکہ صرف نماز کل ایمان نہیں ہے بلکہ اعظم اعمال جوارح سے ہے۔ اس لیے اس پر ایمان کا اطلاق ہوا۔

اسی طرح حدیث قدسی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں جو بالفاظ قسمت الصلٰوۃ بینی وبین عبدی وارد ہے۔ فاتحہ پر نماز کا اطلاق آیا ہے کیونکہ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔

الغرض حدیث طبرانی میں ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے۔ جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ بغیر عمل یہ قبول نہیں ہے۔ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ دلائل بسیار ہیں کہ تصدیق قلبی بغیر عمل کے قبول نہیں ہے۔ پس عمل ایمان شرعی کی جزو ہے۔ اسی واسطے حدیث میں متعدد اعمال پر ایمان کا اطلاق آیا ہے بلکہ ایک حدیث میں تمام اعمال کو ایمان کی شاخیں قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الہ الا اللّٰہ وادناھا اماطۃ الاذٰی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان۔ (رواہ مسلم) یعنی "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں۔ افضل ان میں لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور کمتر درجہ ان میں ایذاء کی چیز کا راہ سے دور کرنا ہے۔ حیا بھی ایمان کی شاخ

ہے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمان کی شاخیں متعدد ہیں اور ہر شاخ کو ایمان کے نام سے پکار سکتے ہیں۔

زکوۃ بھی ایمان ہے' حج بھی ایمان ہے' روزہ بھی ایمان ہے' نماز بھی ایمان ہے۔ اعمال باطنہ میں سے حیاء' توکل' خشیت الہی' انابت الی اللہ بھی ایمان ہیں۔ غرض تمام شاخیں احادیث میں شمار کرتے جائیں تو اماطۃ الاذی پر منتہی ہوں گی۔ ان میں سے بعض شاخیں تو اعظم ہیں جن پر تمام شجر ایمان کا دارومدار ہے۔ جیسے شاخ کہنا لا الہ الا اللہ کا ہے اور پڑھنا ہمیشہ پانچ نمازوں کا ہے۔ اگر یہ زائل ہو جائیں تو ایمان زائل ہو جائے گا۔ اور بعض شاخیں ایسی ہیں کہ ان کے زائل ہونے سے ایمان زائل تو نہ ہو گا البتہ ناقص ہو جائے گا۔ جیسے ترک حیاء' جھوٹ بولنا یعنی ترک صدق' ماں باپ سے ترک احسان وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شاخ ترک ہوئی وہی باعث عصیان اور گناہ ہے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر گناہ کفر کی شاخ ہے یعنی نافرمانی کرنا کافروں کا کام ہے اور طاعت مومنوں کا کام ہے۔ ہر طاعت ایمان کی شاخ ہو گی اور ہر عصیان کفر کی شاخ ہو گی۔

اب یہاں کفر کی حقیقت سمجھنا چاہیے کہ کفر دو قسم کا ہے۔ کفر عباد اور کفر باللہ۔ کفر عباد سے مراد یہ ہے کہ ان بندوں کی نافرمانی کرنا جن کی اطاعت اور خدمت ہم پر واجب ہے۔ مثلاً والدین کی اطاعت اولاد پر۔ پس جس شخص نے ماں باپ سے روگردانی کی' اس نے اس کا کفر کیا۔ چنانچہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا من رغب عن ابیہ فقد کفر۔ (رواہ مسلم) یعنی "جس شخص نے روگردانی کی ماں باپ اپنے سے پس تحقیق وہ کافر ہوا۔" یعنی اس نے اپنے ماں باپ کا کفران نعمت اور کفران احسان کیا۔ جو بچپن میں اس کی پرورش کرتا رہا تھا۔ پس یہ کفر یعنی ناشکری والدین کی ہوئی۔

اسی قبیل سے ہے' استاد فن جہاد کی ناشکری۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ من ترک الرمی بعد ما علمہ فقد کفر الذی علمہ۔ (رواہ الدارمی) یعنی "جس شخص نے چھوڑ دی تیر اندازی بعد سیکھنے کے پس تحقیق کفر کیا اس نے اس شخص کا جس نے سکھلایا اس کو۔" یعنی نافرمانی اور ناشکری کی اپنے استاد کی۔

اسی قبیل سے ہے حدیث یکفرن العشیر جس کی تفسیر خود حدیث کا یہ جملہ ہے

یکفرن الاحسان یعنی "عورتیں خاوند کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔" جس سے مراد یہ ہے کہ اس کے احسان کی ناشکری کرتی ہیں۔

اسی طرح حدیث میں ہے: ایما عبدابق من موالیہ فقد کفر حتی یرجع الیہ یعنی "فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو غلام بھاگا اپنے مالکوں سے تحقیق وہ کافر ہوا یہاں تک کہ پھر کر آئے ان کی طرف۔" پس یہ ناشکری و نافرمانی مالک کی ہوئی۔ یعنی اس کا یہ کفر کفر مالک ہوا۔

اس تصریح سے ثابت ہو گیا کہ کفر عباد بھی احادیث میں وارد ہے جو باتفاق علماء دین ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ لیکن چونکہ اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے' اس لیے اس کفر سے اصل ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔ جیسے حقوق العباد میں ہے کہ کسی بندہ کا حق لینے سے اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب وہ حق ادا کر کے مالک کو راضی کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح کفر عباد ہے۔

دوسری قسم کفر باللہ ہے۔ یہ دو قسم کا ہے۔ ایک کفر جحود وعناد یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور ماجاء بہ الرسول کو نہ ماننا خواہ ایک ہی حکم کا انکاری ہو' یہ کفر باتفاق علماء اسلام دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ضد ایمان ہے۔ پس اجتماع ضدین محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا صفت یا فعل یا حکم یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت یا معجزہ یا فعل یا حکم کا انکار کرنے والا کافر خارج از اسلام ہے۔ والتفصیل فی المطولات۔

دوسرا کفر عملی ہے یعنی زبان اور دیگر بدن سے ایسا عمل کرنا جس سے کفر لازم ہو۔ اس کی آگے دو قسمیں ہیں۔ ایک مضاد ومخرج الایمان' دوم غیر مضاد ایمان۔ مضاد ایمان جیسے اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ ﷺ یا فرشتوں یا صحابہ کو گالی دینا اور غیر اللہ کو سجدہ کر دینا' قرآن مجید کی اہانت کرنا یا کسی گناہ پر اعلانیہ بے خوف ہو کر اصرار کرنا یا کسی اعظم عمل جوارح کو چھوڑ دینا جیسے نماز ہے کہ اس کا ترک کفر ہے۔

غیر مضاد ایمان کی مثال جیسے حدیث میں ہے وقتالہ کفر یعنی "مسلمان کا قتل کرنا کفر ہے۔" یہ گناہ مضاد ایمان نہیں ہے۔ قرآن میں ہے: وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اگر دو گروہ مومنوں کے مقاتلہ کریں پس صلح کرا دو درمیان ان کے۔"

ایسا ہی فرمایا آنحضور ﷺ صادق مصدوق ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اعیرتہ بامہ انک

امرء فیک جاھلیة- (رواہ البخاری وغیرہ) یعنی "اس کو تو نے اس کی ماں کے ساتھ عار دی ہے تو وہ شخص ہے جس میں جاہلیت ہے-"

جاہلیت سے مراد اسلامی اصطلاح میں اسلام سے پہلے کا زمانہ کفروالا ہے- جس سے ثابت ہوا کہ کسی کو ماں باپ کی عار دینا یا دلانا رسم کفر کی ہے-

رفتار نجوم کے ساتھ بارش طلب کرنا اور نسب میں طعن کرنا اور نوحہ کرنا بھی جاہلیت کی رسمیں ہیں یعنی کفر کی- فرمایا آنحضرت ﷺ نے ثلاث من فعل الجاھلیة لا یدعھن اھل الاسلام یعنی "تین چیزیں جاہلیت کے کاموں سے ہیں جن کو مسلمان ترک نہ کریں گے-" پھر ان کو شمار کیا جو اوپر بیان ہوئی ہیں-

معلوم ہوا کہ یہ کفردون کفر ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے- اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان رسوم کو کفر کی رسوم قرار دینے کے باوجود فاعلین کو اہل اسلام ہی کہا ہے- اور "میری امت" فرمایا ہے-

اسی قبیل سے ہے یہ فرمان نبوی لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مومن- یعنی "نہیں زنا کرتا زانی جب زنا کرتا ہے درآنحالکہ وہ مومن ہو اور نہیں چوری کرتا چور جب چوری کرتا ہے درآنحالیکہ وہ مومن ہو اور نہیں شراب پیتا شرابی جس وقت شراب پیتا ہے درآنحالیکہ وہ مومن ہو-"

اس حدیث سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ زنا' شراب' چوری مومن نہیں کرتا- جو شخص کرے گا وہ مومن نہیں- لیکن دیگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نور ایمان خارج ہو جاتا ہے- اصل ایمان کم ہو جاتا ہے' بالکلیہ اس سے زائل نہیں ہوتا-

اسی طرح حدیث میں ہے: من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک- یعنی "جس نے غیراللہ کے ساتھ قسم کھائی وہ مشرک ہوا-" یہ کم درجہ کا کفر ہے- کہا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حجت اس پر حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عمر وھو یقول وابی وابی فقال فلا ان اللّٰہ ینھاکم ان تحلفوا باباآتکم- یعنی "سنا نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہ وہ کہتے تھے مجھے باپ کی قسم! مجھے باپ کی قسم! فرمایا آنحضور ﷺ نے کہ خبردار! اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو کہ قسم کھاؤ تم اپنے باپوں کی-"

اس سے معلوم ہوا کہ حلف بغیر اللہ ایمان سے کلیتاً خارج نہیں کرتا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ جاری کیا جاتا اور تجدید ایمان کی ضرورت ہوتی بلکہ اگر عادت کے طور پر بلا ارادہ تعظیم غیر اللہ کے ہو تو درجہ اباحت میں ہے۔ ایک اعرابی کے متعلق جو نماز کے متعلق سوال کرتا تھا کہ آنحضور ﷺ نے یوں فرمایا افلح وابیہ ان صدق یعنی "خلاصی پائی اس نے قسم اس کے باپ کی اگر سچ کہا اس نے۔"

یہ بطور عادت اہل عرب ہوا' قصداً نہ تھا۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیوی کو دبر کے راستے آئے' اس کے حق میں فقد کفر بما انزل علی محمد وارد ہے۔ یعنی "اس نے کفر کیا ساتھ اس چیز کے جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے۔" یہ کفر بھی دون کفر ہے ورنہ اس گناہ کبیرہ سے کفر مضاد ایمان کسی عالم باسنت کے نزدیک بھی نہیں ہے۔

اسی قبیل سے ہے یہ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون۔ یعنی "جو شخص حکم کرے بغیر اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے وہ کافر ہوا۔" یہ کفر بھی دون کفر ہے۔ چنانچہ طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا خیر الامت نے ھو فیھم کفر ولیس کمن کفر باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔ (رواہ عبدالرزاق) یعنی "یہ ان میں کفر ہے لیکن یہ ایسا کفر نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر ہوتا ہے۔" یعنی عملی کفر ہے جو مضاد ایمان نہیں ہے۔ ایسے کفر سے بالکلیہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی نے سنن میں اور حاکم نے اور ابن ابی حاتم نے اور ابن المنذر نے اور سعید بن منصور نے اسی آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے قال انہ لیس بالکفر الذی یذھبون الیہ انہ لیس کفرا ینقل عن الملۃ دون کفر۔ یعنی "یہ ویسا کفر نہیں ہے جس کی طرف عام لوگ جاتے ہیں بلکہ اس سے وہ کفر مراد ہے جو کم درجہ کا ہے' جس سے ملت سے خارج نہیں ہوتا۔"

الغرض اس تصریح سے بخوبی یہ امر ثابت ہو گیا کہ کفر عملی غیر مضاد ایمان بھی ہوتا ہے جس کو محدثین کفر دون کفر کہتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کا باب منعقد کیا ہے اور احادیث لا کر اس امر کو ثابت کیا ہے اور رد کیا ہے اس گمراہ فرقہ کا جو ہر گناہ کبیرہ سے کافر مطلق قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن اور حدیث میں کفر دون کفر' شرک دون

شرک، فسق دون فسق، ظلم دون ظلم بہت وارد ہے جن سے یہ صاف ثابت ہوا کہ کفر دو قسم کا ہوتا ہے۔ اعتقادی اور عملی۔ شرک بھی دو قسم کا ہوتا ہے، اعتقادی اور عملی۔ ظلم بھی دو قسم کا ہوتا ہے اعتقادی اور عملی۔ اسی طرح فسق اور اسی طرح نفاق۔

چنانچہ حدیث میں امانت میں خیانت کرنے کو اور جھوٹ بولنے کو اور گالی دینے کو اور وعدہ خلافی کو نفاق کی خصلتیں قرار دیا ہے۔ خواہ وہ مسلم کہلاتا ہو اور نماز، روزہ کرتا ہو۔ لیکن کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جس شخص میں یہ کبائر موجود ہوں، وہ منافق اعتقادی کی طرح ہے یعنی اس شخص کی طرح ہے جو زبان سے کلمہ پڑھتا ہے مگر دل سے نہیں مانتا بلکہ کفار سے میل جول رکھتا ہے اور کہتا ہے انا معکم انما نحن مستھزئون یعنی "ہم تو تمہارے مذہب پر ہیں، ہم تو صرف مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہیں۔" البتہ اس کا تو کوئی عالم بھی قائل نہ ہو گا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جس شخص میں یہ علامتیں کامل طور پر پائی گئی ہیں اور وہ ان پر مصر ہے اور خوف الٰہی ضائع کر چکا ہے تو پھر اس پر دیگر دلائل اور قرائن سے نفاق اعتقادی کا فتویٰ جاری ہو گا۔

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے تتبع و استقراء سے یہ امر ثابت ہوا کہ ایمان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کامل اور ناقص۔ کفر بھی دو قسم کا ہوا، اعتقادی اور عملی۔ پھر عملی دو قسم ہے۔ مضاد ایمان اور غیر مضاد ایمان۔ پس جو شخص اس سے انکار کرتا ہے وہ قرآن و حدیث سے بے خبر اور شارع کے مقصد سے ناواقف ہے۔ پس ہر عالم کا فرض ہے کہ جہاں قرآن و حدیث میں کفر کا لفظ یا شرک کا یا نفاق کا لفظ وارد ہو یا ایمان کی نفی کی گئی ہو، وہاں بہت غور و فکر کرے کہ کیسا کفر مراد ہے۔ اعتقادی ہے یا عملی؟ مثلاً ایک حدیث میں وارد ہے:

واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن من لا یامن جارہ (او کما قال) یعنی "اللہ کی قسم، نہیں مومن ہوتا، اللہ کی قسم نہیں مومن ہوتا، اللہ کی قسم نہیں مومن ہوتا وہ شخص جس سے اس کا ہمسایہ بے خوف نہ ہو۔"

دیکھئے اس حدیث میں ہمسایہ کو ایذا دینے والے سے مطلقاً ایمان کی نفی کی گئی ہے اور وہ بھی معمولی طور سے نہیں بلکہ حلفیہ طور پر مگر پھر بھی کفلا لا یؤمنون کی طرح ہمسایہ کے موذی کو قرار نہیں دیا جائے گا۔ جبکہ وہ توحید و سنت کا قائل و فاعل ہے اور صرف تکلیف ہمسایہ کا مرتکب ہے۔ یہ شارع نے تہدید اور تنبیہہ کے طور پر فرما دیا ہے اور اس گناہ سے

عبرت دلائی ہے۔

پس میں تو ان علماء متشددین کو نہایت بری نگاہ سے دیکھتا ہوں جو حدیث کے محض ظاہری الفاظ کو سطحی نظر سے دیکھ کر جھٹ کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ظاہر بینوں کی کئی مثالیں تلبیس ابلیس میں دی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعض نے یہ روایت بیان کی نھی ان یسقی الرجل ماء ۃ ذرع غیرہ یعنی "رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے پانی کو دوسرے کی کھیتی میں دے۔" حاضرین مجلس نے کہا کہ ہم تو ایسا کرتے تھے کہ جب پانی ہمارے باغوں سے زیادہ ہوتا تھا تو ہم اپنے پڑوسیوں کو دے دیتے تھے۔ اب اس فعل سے توبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ حالانکہ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں سے وطی کرنا جائز نہیں لیکن بیان کرنے والا اور حاضرین نہ سمجھے۔

کشف بزدوی میں ہے کہ ایک ظاہر بین استنجاء کر کے وتر پڑھا کرتے تھے۔ ان سے دریافت ہوا تو جواب دیا کہ حدیث میں ہے: من استنجی فلیوتر۔ یعنی "جو شخص استنجا کرے وہ وتر کرے۔" حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پاخانہ کے وقت ڈھیلہ سے استنجاء کرے تو وتر سے یعنی طاق ڈھیلے سے۔

غرض ایسے ظاہر بینوں کی بہت مثالیں ہیں۔ انہی میں سے ہیں وہ بدعتی ملاں جو والفجر ولیال عشر سے گیارہویں کا کرنا مشروع جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی ظاہریت سے ان متکلمین کی ناجائز تاویل سے بچائے۔ افراط و تفریط ہر امر میں منع ہے۔ وہ ملاں اور نیم عالم ظلم کرتے ہیں جو ذرہ سا کسی مسئلہ پر جھگڑا ہو جائے تو مخالف کو فرعون' شداد' بے ایمان' کافر' چوہڑے چمار' بھنگڑ وغیرہ مکروہ اور ناجائز الفاظ کہنے لگ جاتے ہیں۔ اور معمولی معمولی جرائم میں کفر مفسد ایمان کا فتویٰ لگانے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے اگر وہ کافر نہ ہوا تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ نیز ایسے فاضلوں کو اگر سمجھایا جائے کہ فلاں حدیث میں کفر عملی غیر مفسد ایمان ہے تو وہ ضد سے جواب دیتے ہیں کہ یہ کہاں حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے کون سی جگہ کہا ہے؟ کہ ایک کفر اعتقادی ہوتا ہے اور ایک عملی ہوتا ہے۔ یہ تو بے دینوں کی تاویلیں ہیں۔" تو ایسے لوگوں پر بہت تعجب آتا ہے۔ بھلا اگر ایسے شخصوں سے کہا جائے کہ وضو فرض ہے' فاتحہ نماز میں

پڑھنا فرض ہے لیکن حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ یہ فرض ہے؟ فرض کا لفظ دکھاؤ۔ آمین بالجہر سنت ہے۔ جوتی سے نماز پڑھنا سنت ہے لیکن کوئی کہے کہ لفظ سنت دکھاؤ' کہاں ہے؟ تو ایسے کو بے وقوف کہا جائے گا۔

ہر فن کے عالم اور نقاد جب کسی علم میں مہارت حاصل کرتے ہیں تو وہ اس کے محاورات پر غوروفکر کر کے تتبع اور استقراء سے اس کے الفاظ اور معانی کے متعلق چند قوانین اور اصطلاحات مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً علم عربی سے ماہر ہو کر کوئی یوں کہے کہ فاعل مرفوع ہو گا اور مفعول منصوب ہو گا تو اس کو کوئی یوں نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کوئی آیت یا حدیث پیش کرو' تب ہم مانیں گے ورنہ نہیں۔ محدثین کرام نے اصول حدیث جو وضع کیے ہیں وہ بھی اسی طرح ہیں۔ اب کوئی کہے کہ یہ حدیث میں دکھاؤ کہ یہ حدیث مرسل ہے' فلاں ضعیف ہے' فلاں موضوع ہے' تب ہم تسلیم کریں گے تو ایسے شخص کو جاہل و دیوانہ کہا جائے تو بجا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص کسی کو اسی فن کے کسی قاعدہ سے یا دلیل سے جواب دے تو یہ اس کی علمیت ہے۔ مثلاً تارک الصلوٰۃ کے متعلق احادیث میں کفر کا لفظ وارد ہے۔ ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ بے نماز کافر مطلق ہے اور اس حدیث میں کفر مضاد ایمان مراد ہے۔ لیکن ہمارا مخالف اس کو کفر عملی غیر مضاد ایمان کہے تو ہم اس کو دلیل سے ساقط کریں گے اور یہ کہیں گے کہ صلوٰۃ احادیث میں مقرون بشھادتین واقع ہے۔ پس جس طرح ایمان کا باطل ہونا اور عملوں کا فاسد ہونا کلمہ شہادت پر موقوف ہے' ایسا ہی نماز پر موقوف ہے۔ کیونکہ ہردو اسلام کے رکن ہیں۔

اگر ترک کلمہ شہادت مضاد ایمان ہے تو ترک صلوٰۃ بھی مضاد ایمان ہے۔ دوم کل اصحاب نبی کا اجماع ہے کہ بے نماز کافر ہے۔ اب اجماع کفر عملی غیر مضاد ایمان پر تو مراد ہے ہی نہیں کیونکہ وہ تو دیگر افعال و اعمال میں بھی ہے۔ پھر صلوٰۃ کی خصوصیت کیا؟ تو ضرور اس سے اس کفر پر اجماع مراد ہے جو مضاد ایمان ہے۔ سوم یہ کہ تارک صلوٰۃ کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا ہے' ملاحظہ ہو حدیث عبادہ جس کو ابن ابی حاتم اور طبرانی نے باسنادین لا باس بھما روایت کیا ہے۔ چہارم یہ کہ تارک صلوٰۃ کی معیت جہنم میں اعلیٰ درجہ کے کافروں فرعون وغیرہ سے ہے۔ ان مشرکین کا کفر مضاد ایمان ہے تو بے نماز کا کفر

بھی وہی ہو گا۔ پنجم یہ کہ جیسے کفر مضاد ایمان کے متعلق قرآن میں فقد حبط عملہ وارد ہے۔ یعنی "اس کا عمل برباد ہوا۔" اسی طرح بے نماز کے متعلق لقد حبط عملہ وارد ہے' ملاحظہ ہو بخاری۔ ششم یہ کہ بے نماز کے متعلق کفر اور شرک ہر دو لفظ آئے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کے متعلق ہر دو لفظ شارع استعمال کرے تو کفر مضاد ایمان ہی مراد ہوتا ہے۔

الغرض اسی طرح کئی قرائن اور دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بے نماز کا کفر عملی مضاد ایمان ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بے نماز کا اعتقاد تو اللہ' رسول' ملائکہ' احکام ربانی اور روز حشر وغیرہ پر بدستور ہوتا ہے پھر مضاد ایمان کیسے ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے بت اور سورج کو سجدہ کرنا عدم تصدیق بما جاء به النبی صلی اللہ علیه وسلم قرینہ ہے' اسی طرح ترک صلوٰۃ قرینہ ہے۔

صاحب مقاصد اور مواقف لکھتے ہیں من صدق بما جاء به النبی صلی اللہ علیه وسلم ومع ذلک سجد للشمس ینبغی ان یکون مومنا والاجماع علی خلافه قلنا هو دلیل عدم التصدیق۔ یعنی "جو شخص تصدیق کرتا ہے کہ جو احکام آنحضور ﷺ لائے ہیں وہ سب صحیح ہیں پھر باوجود اس کے بت اور سورج کو سجدہ کرتا ہے تو چاہیے کہ وہ مومن اعتقادی ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سجدہ کرنا دلیل عدم تصدیق کی ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا یا قتل کرنا یا قرآن کو قاذورات میں پھینک دینا بھی عدم تصدیق پر مبنی ہیں۔ بس نماز خمسہ کو جس کی بڑی تاکید اور ترک پر وعید شدید آئی ہے' ترک کرنا بھی دلیل عدم التصدیق ہے۔ کیونکہ یہ اعظم اعمال جوارح سے ہے' جس کا تعلق دین سے وہی ہے جو سر کا تمام بدن سے ہے۔ پس یہ کفر مضاد ایمان ہے' فتذکر۔

اسی طرح ان لوگوں کی بھی بڑی غلطی ہے جو بعض افعال شرکیہ مضاد ایمان کے مرتکب پر کفر کا اطلاق بشکل کفار نہیں کرتے۔ مثلاً سجدہ تعظیمی' نذر لغیر اللہ' ندا لغیر اللہ' بوسہ دینا قبر کو وغیرہ وغیرہ۔ بدعات شرکیہ جو عموماً اہل بدعت کرتے ہیں یا تقلید کو فرض جان کر اس پر جمود کرنے والے جیسے عموماً مقلدین ہیں۔ وہ ان کو مطلق کافر نہیں کہتے اور نہ ہی ان سے معاملہ کفار کا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور بے عملی اور بد اعتقادی ہے۔ کیونکہ جب یہ امر مسلم ہے کہ وہ افعال شرکیہ مضاد ایمان ہیں' جیسا کہ کتب علماء دین اہل توحید میں یہ

مندرج ہے تو پھر ان کو کافر مطلق کیوں نہ کہا جائے۔ شاید یہ لوگ ان کے زبانی منافقانہ کلمہ سے دھوکا کھاتے ہیں۔ اور ظاہری نماز روزہ سے فریب کھاتے ہیں۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ افعال شرکیہ مضاد ایمان ہیں اور وہ شعبہ ہائے ایمان جو ان میں پائے جاتے ہیں وہ سب برباد اور مردود ہیں۔ اور ایسے لوگ غضب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ ایسے تو ہنود اور مشرکین میں بھی شعبہ ایمان پائی جاتی ہیں۔ کیا وہ مومن ہیں؟ جب وہ مومن نہیں تو یہ مسلم نما کافر کس طرح شرعی مومن ہو سکتے ہیں' فتذکر۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیات ہیں: افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ یعنی "کیا تم ایمان رکھتے ہو ساتھ بعض کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے۔" وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ یعنی "اکثر ان کے مومن نہیں کہلاتے ولیکن درآنحالیکہ وہ مشرک ہیں۔" اس آیت اور دیگر آیات میں ایمان کا وجود ثابت کر کے ساتھ اس کے ان کا مشرک ہونا بھی ثابت کیا ہے۔ پس جیسے اہل کتاب اور مشرکین کو ان کا ایمان نفع نہ دے گا' اسی طرح ان اہل بدعت قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں کو ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ اور ان کے یہ افعال شرکیہ دلیل عدم تصدیق احکام ربانی کی ہے۔

رسالہ "صحیفہ اہلحدیث" دہلی میں "اشارات" کے ماتحت صفحہ-۲ پر لکھا ہے۔ ایک صاحب دریافت کرتے ہیں آیا حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بے نماز مسلمان ہے اور کافر بھی؟ مولوی ثناء اللہ صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا مسلمان ہے جس میں کفر بھی ہے۔ کیا ایک ہی شخص مسلمان اور کافر بھی ہو سکتا ہے؟

حدیث شریف میں تو بے نماز کو چٹا کافر فرمایا ہے۔ من ترک الصلٰوۃ متعمدا فقد کفر۔ باقی رہا مولانا صاحب کا فتویٰ' سو آپ نے کسی منطقی قاعدے کی رو سے فرمایا ہو گا اور دو متضاد وصفوں کا ایک ذات میں جمع ہونا عقل سے کوئی بعید نہیں۔ چنانچہ "شتر مرغ ملاحظہ فرمایئے اونٹ بھی ہے اور پرند بھی۔" انتہی۔ (صحیفہ ماہ جماوی الثانی سنہ-۱۹۵۵ء جلد-۲' نمبر-۴)

مولانا ثناء اللہ صاحب مفتی امرت سری کا یہ فتویٰ ازروئے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ و اجماع صحابہ واقعی غلط ہے کہ بے نماز کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ ہم اس فتویٰ پر "تنظیم اہلحدیث روپڑ میں تعاقب کر چکے ہیں۔ جس کا کوئی جواب مولوی صاحب موصوف نے نہیں دیا۔ خواہ بطریق غمط الناس کی بناء پر خواہ عجز کی وجہ سے' واللہ اعلم بالصواب۔

اور کچھ بے نماز کے کفر پر مضمون ہذا میں بالاختصار درج ہو چکا ہے کہ بے نماز مسلمان نہیں ہے۔ اس کا کفر عملی مضاد ایمان ہے۔

اب مدیر "صحیفہ" کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ آپ کا مولوی ثناء اللہ صاحب کو بطور مذاق یہ فرمانا کہ آپ نے کسی منطقی قاعدہ کی رو سے فرمایا ہو گا اور دو متضاد وصفوں کا ایک ذات میں جمع ہونا عقل سے کوئی بعید نہیں۔" پھر اس پر شتر مرغ کی مثال مذاقانہ طور پر پیش کی ہے اور آپ نے بطور استفہام یہ بھی فرمایا ہے کہ کیا ایک ہی شخص مسلمان اور کافر بھی ہو سکتا ہے؟ یہ ازروئے قرآن و حدیث علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔ یعنی اسلام اور کفر میں اجتماع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ جس کی تفصیل ہمارے گزشتہ مضمون میں ہو چکی ہے۔ مزید یہ ہے کہ کفر اعتقادی اور ایمان شرعی میں تو اجتماع محال ہے۔ لیکن کفر علی مضاد ایمان تو ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ کے نزدیک بے نماز کا کفر کفر عملی ہے' اعتقادی نہیں ہے۔ اس لیے وہ من وجہ مسلمان اور من وجہ کافر قرار دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں مولوی ثناء اللہ متفرد نہیں ہے۔ حنفیہ اور بعض محدثین کا بھی یہ مذہب ہے۔

علامہ ابن القیم نے کتاب الصلوٰۃ میں فرمایا ہے: وترک الصلوٰۃ فھو من الکفر العملی قطعا۔ یعنی "نماز چھوڑنا قطعاً کفر عملی ہے۔" پھر لکھتے ہیں: وھذا الکفر لا یخرجه من الدائرة الاسلامیة والملة بالکلیة۔ یعنی "یہ عملی دائرہ اسلامیہ اور ملت سے بالکلیہ خارج نہیں کرتا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن القیم بے نماز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مسلمان اعتقادی بھی۔ ترک نماز کے علاوہ دیگر اعمال خلاف شرع میں کفر کا لفظ وارد ہے۔ جس سے محدثین نے کفر دون کفر مراد لیا ہے۔ حدیث میں ہے: "جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھائے پس چاہیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔" اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولم ینسبه الی الکفر۔ یعنی "آنحضرت ﷺ نے اس کو صراحتاً کافر نہیں فرمایا۔"

امام الدنیا فی الحدیث کی اس کلام سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا جب تک کہ غیر اللہ کی تعظیم مثل اللہ کے اس کے دل میں نہ ہو' کافر نہیں ہوتا۔ ہاں حرام ہے اور اس کا کفارہ لا الہ الا اللہ ہے۔ ہاں اگر غیر اللہ کی تعظیم اس غیر اللہ کی قسم کھانے والے کے

دل میں مثل تعظیم اللہ عزوجل کے ہو گی تو پھر وہ کافر اعتقادی ہے' فتذکر۔
اور اگر بے اختیاری ہو تو درجہ اباحت میں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: وابیک لانبئنک اولا
حلفنک۔ یعنی قسم ہے تیرے باپ کی میں البتہ تجھے خبر دوں گا۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے کہا وابیک ما بملک بلیل سارق۔ لیکن ایسی احادیث عادات اہل عرب پر مبنی ہیں۔ جس
میں قصد کو دخل نہیں ہے۔

بہرکیف حلف بغیر اللہ کے متعلق جو کفر اور شرک کا حکم ہے' یہ عمل ہے۔ کوئی اللہ اور
رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے کے ساتھ غیر اللہ کی تعظیم مثل اللہ عزوجل کے اعتقاد
نہیں رکھ سکتا البتہ جن میں دیگر رسوم شرکیہ ہوں تو ان کی حلف بغیر اللہ کفر حقیقی پر ہی
محمول ہو گی۔ قرائن سے کام لینا چاہیے۔

اسی طرح ریاء اور سمعہ میں شرک کا لفظ وارد ہے۔ جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ
کا فیصلہ ہے کہ یہ شرک اصغر ہے جو کہ شرک خفی ہے۔ یعنی مضاد ایمان نہیں ہے اور اس
کا حکم مثل شرک اکبر کے نہیں ہے۔ اگر اس کا حکم مثل شرک اکبر کے ہوتا اور وہ مطلقاً
کافر ہو جاتا تو پھر شرک کی تقسیم اکبر اور اصغر کی بالکل فضول ہوتی۔ ہاں گو یہ ہم کہہ سکتے
ہیں کہ من صلی یرائی به الناس فقد اشرک یعنی "جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز
پڑھی اس نے شرک کیا اور وہ مشرک ہے۔" مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شرک مضاد ایمان
باللہ ہے اور اس کے مرتکب کو تجدید ایمان کی ضرورت ہے اور اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ
جائے گا۔ ولم یقل به احد۔

اسی طرح آنحضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا لا ترجعوا بعدی کفار ایضرب
بعضکم اقاب بعض۔ یعنی "میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ تمہارا بعض بعض کی گردنیں
مارتا پھرے۔" یہ بھی کفر عملی ہے۔ جو کہ مضاد ایمان نہیں ہے۔ گویا کہ قتل مقاتلہ کو مشابہ
فعل کفار قرار دیا ہے۔ اسی طرح نفاق اور فسوق اور ظلم کے مدارج ہیں کہ بعض مضاد ایمان
ہیں اور بعض نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کفر اور ایمان کا بعض صورتوں پر اجتماع صحیح ہے۔ مولوی ثناء اللہ
صاحب نے قاعدہ منطقی کی رو سے نہیں فرمایا بلکہ اس قاعدہ کے رو سے فرمایا ہے اور اس پر
شتر مرغ کی مثال بالکل صحیح ہے۔ گو آپ نے مذاقیہ طور پر دی ہے لیکن اس قاعدہ کی بناء پر

صحیح ہے۔ بیشک شتر مرغ من وجہ اونٹ بھی ہے اور مرغ بھی۔ کیونکہ دونوں وصف اس میں پائے جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کا نام مرکب ہے۔ پس جو شخص عملی کافر ہے۔ وہ اعتقاد کی وجہ سے مومن اور ظاہری عمل کی وجہ سے کافر ہے۔ فافهم فتدبر ولا تكن من القاصرين۔

اسی طرح مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں خطا فی الاعتقاد واقع ہو جائے تو گو وہ صورت کفر کی ہو لیکن اس کو مطلقاً کافر نہ کہا جائے گا۔ اعتقادی مومن اور عملی کافر کہا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی کا واقعہ بروایت ابوداؤد مشکوۃ میں موجود ہے:

ان عبداللّٰه راى في عنقي خيطا فقال ما هذا فقد فقلت خيط رقي لي فيه قالت فاخذه فقطعه ثم قال انتم اٰل عبداللّٰه لاغنياء عن الشرك سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول ان الرقي والتمائم والتولة شرك فقد فقلت لم تقول هكذا لقد كانت عيني تقذف وكنت اختلف الى فلان اليهودى فاذ ارقاها سكنت فقال عبداللّٰه انما ذلك عمل الشيطان كان ينخسها بيده فاذا رقي كف عنها انما كان يكفيك ان تقولي كما كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافي لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقما۔ (كتاب الطب والرقي —)

(ترجمہ) ”حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا۔ پس کہا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ دھاگا ہے' منتر پڑھا گیا ہے۔ اس میں واسطے میرے۔ پس کہا زینب رضی اللہ عنہا نے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر توڑ دیا اور کہا کہ اے آل عبداللہ! البتہ تم بے پرواہ ہو شرک سے۔ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ منتر اور منکے اور ٹوٹکے شرک ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے کہا کہ کیوں اس طرح کہتے ہو؟ میری آنکھ ایک دفعہ سخت درد کرتی تھی گویا شدت درد سے نکلتی تھی۔ میری آمدورفت فلاں یہودی کے پاس تھی۔ جب اس نے منتر کیا تو آنکھ کو آرام ہوا۔ پس کہا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہ نہیں تھا یہ درد آنکھ کا مگر کام شیطان کا تھا۔ شیطان آنکھ کو چوکتا تھا' جب اس پر منتر پڑھا گیا تو شیطان چوکنے سے رک گیا۔ صرف یہ کافی تھا کہ یوں کہتی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اذهب الباس رب الناس الخ۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے شرکیہ دھاگا یہود سے لیا

جس کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شرک قرار دیا اور اس پر حدیث پیش کی پھر اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نفع حاصل ہونے کا اعتراض کیا۔ جس کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شیطانی حرکت فرمایا اور دعاء نبوی سکھائی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آمدورفت دم جھاڑا کے لیے یہودی کے پاس رہتی تھی۔ بایں ہمہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خیر الامت مفتی صحابہ کرام نے تکفیر نہیں کی اور فتویٰ کفر حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر نہیں لگایا۔ حالانکہ منتر کرانا اور اس سے انتفاع کا عقیدہ ان کا تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ خطاء فی الاعتقاد واقع ہوئی۔ جس کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کر دفع کیا اور دعاء سکھلائی۔ لیکن زینب رضی اللہ عنہا کو کافرہ مطلق کہہ کر تجدید ایمان پر مامور نہیں کیا۔ حالانکہ شرک سے ایمان چلا جاتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ ماشاء اللہ وشئت یعنی "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استفہام یہ فرمایا ماشاء اللہ وحدہ یعنی "جو اللہ اکیلا چاہیے۔ (نسائی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جہال کو عدم علم کی وجہ سے مشرکانہ کلمات اور افعل شرکیہ پر فی الفور کافر نہیں کہنا چاہیے۔ درآنحالیکہ ان کا دعویٰ اسلام ہو۔ ملاحظہ کیجئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی تکفیر نہیں کی البتہ مسئلہ سمجھا دیا۔ تکفیر اس صورت میں ہو گی۔ ان اصر علی ذلک الفعل او القول واستکبر وصمم علی عیه وضلاله کان ما وقع فیه وجادل عنه من الشرک الاکبر الذی یخرج صاحبه من فریق المسلمین الی زمرة المشرکین۔ یعنی "اگر وہ شخص بعد اظہار مسئلہ کے اڑا رہے اسی بات پر اور تکبر کرے اور اپنی گمراہی پر جما رہے تو وہ کام ہو جائے گا جس میں وہ پڑا ہوا ہے شرک اکبر جو نکال دے گا اس کو مسلمین میں سے اور داخل کر دے گا مشرکین میں۔"

غرض بعد سمجھانے کے مدعیان اسلام پر فتویٰ جاری کرنا چاہیے کیونکہ جہل عذر ہے۔ قرآن میں ہے: فلا تجعلوا للہ اندادا و انتم تعلمون۔ یعنی "جان بوجھ کر تم اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔" تو معلوم ہوا کہ عدم علم عذر ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص نے کبھی کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ مرنے

لگا تو یہ وصیت کی کہ مجھے جلا دینا ہو گا۔ پھر نصف راکھ دریا میں اور نصف جنگل میں پھینک دینا ہو گا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر قدرت پائی تو اس کو ایسا عذاب کرے گا جو کہ جہان میں کسی کو نہیں کرے گا۔ جب وہ مرگیا تو اس کے اہل نے اسی طرح کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے دریا اور جنگل کو حکم دیا کہ ان میں جو راکھ ہے' سب جمع کر دیں۔ انہوں نے جمع کر دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ فرما کر کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ یااللہ! تیرے خوف سے کیا ہے اور تو دل کے حال کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (موطا)

میں کہتا ہوں اس حدیث سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے: عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یقول اللّٰہ جل ذکرہ اخرجوا من النار من ذکرنی یوما او خافنی فی مقام۔ (مشکوٰۃ) یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کو) فرمائے گا کہ نکالو آگ میں سے اس شخص کو کہ یاد کیا ہے اس نے مجھ کو ایک دن یا ڈرا ہے مجھ سے ایک دن کسی جگہ۔" بس اسی بناء پر وہ شخص بخش دیا گیا۔

اس حدیث سے بے عملوں کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اختیاری طور پر اعمال صالحہ کو ترک کیا جائے اور فرائض کو ادا نہ کیا جائے تو نجات ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مسئلہ دیگر ہے اور شخص جلائے گئے کی صورت دیگر ہے۔ اس شخص کا آخر وقت اپنی بد عملی پر نادم ہو کر خائف ہو جانا توبہ کا حکم رکھتا ہے۔ پس اس کا خاتمہ توبہ پر ہوا جو موجب نجات ہے۔ ہاں یہ مسئلہ اس سے ثابت ہو گیا کہ خطاء فی الاعتقاد کی معافی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر کچھ گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اس شخص کا یہ خیال کہ مجھے جلا کر میری راکھ کو جنگل اور دریا میں پھینک دینا تاکہ لا یمکن اعادتہ یعنی "اس کا لوٹنا غیر ممکن ہو جائے۔" غلط تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ سوال نہیں کیا۔ صرف اس کے دلی خوف پر رحمت کی بارش برسا دی اور اس خطاء کو جہالت کی وجہ سے درگذر کر دیا۔ یہ کوشش اس کی عذاب ربانی سے بچنے کی تھی گو غلط بناء پر تھی۔

معلوم ہوا کہ خطاء فی الاعتقاد معاف ہے۔ اس پر جھٹ فتویٰ تکفیر جاری نہ کرنا چاہیے۔ ایسا کفر ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ آپ لوگ جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بابت اعادہ پر عدم قدرت کا اعتقاد کفر ہے۔ جو عموماً ہنود کا اعتقاد ہے لیکن وہ شخص موحد اس خیال فاسد کا بوجہ جہالت مرتکب ہوا' فتامل فانہ دقیق۔

امام ابن ابی حاتم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں بخار کی وجہ سے دھاگا بندھا ہوا ہے۔ فقطعه وتلی قوله تعالٰی وما یؤمن اکثرهم باللّٰه الا وهم مشرکون۔ یعنی "اس کو توڑ ڈالا اور یہ آیت پڑھی کہ نہیں ایمان لاتے اکثر ان کے ساتھ اللہ کے مگر وہ شرک کرتے ہیں۔"

اس آیت کا مطلب اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ ایمان بھی ساتھ اللہ کے ثابت ہے لیکن وہ شرک بھی کرتے ہیں یعنی ظاہری عمل ان کا مشرکانہ ہے گو عقیدہ مومنانہ ہے یعنی من وجہ مومن اور من وجہ کافر ہیں۔ چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل اسلام میری امت جاہلیت کے تین افعال نہ چھوڑیں گے۔ منجملہ ان کے استسقاء بالکواکب بھی ہے۔ اب اس کے ساتھ اس حدیث کو بھی ملا لینا چاہیے جس میں یہ وارد ہے:

قال اصبح من عبادی مومن بی وکافر فاما من قال مطرنا بفضل اللّٰه ورحمته فذلک مومن بی وکافر بالکواکب واما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذلک کافر بی مومن بالکواکب۔ یعنی "فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ صبح کی بندوں میرے نے' بعض ایمان لائے ساتھ میرے اور بعضوں نے کفر کیا۔ پس جس شخص نے کہا کہ مینہ برسائے گئے ہم ساتھ اللہ اور رحمت اس کی کے' وہ تو میرے ساتھ مومن اور ستاروں کے ساتھ کافر ہے اور جو شخص یہ کہے کہ مینہ برسائے گئے ہم بہ سبب ڈوبنے فلاں ستارے کے اور نکلنے فلاں ستارے کے تو وہ میرے ساتھ کافر ہے اور ستاروں کے ساتھ مومن ہے۔"

اس حدیث سے استسقاء بالنجوم والکواکب کفر ثابت ہوا۔ الغرض کفر اور ایمان بعض صورتوں میں جمع ہو سکتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ جو رئیس الموحدین اور قدوۃ المحدثین اور امام المتقین اور زبدۃ المجتہدین ہیں' اپنے بعض رسائل میں فرماتے ہیں:

واما سوالکم هل هذا فی المسلم الذی لم یصدر منه شرک بالکلیه فنقول اما مجتهد انی اتباع امر اللّٰه تعالٰی ورسوله صلی اللّٰه علیه وسلم فارجعوا ان لا یخرجه هذا من الوعد وقد صدر من الصحابة اشیاء من هذا الباب کحلفهم بآباء هم وحلفهم بالکعبة وقولهم ما شاء اللّٰه وشئت وشاء محمد وقولهم اجعل لنا ذات انواط لکن اذ ابان لهم الحق اتبعوه

ولم یجادلوا فیه حمیة الجاهلیة لمذهب الاباء والعادات واما الذی یدعی الاسلام وھو یفعل من الشرک الامور العظام فاذا تلیت علیه أیات اللّٰہ استکبر عنھا لھذا لیس بالمسلم واما الانسان الذی یفعلھا بالجھالة ولم تیسر له من ینصحه ولم یطلب السلم الذی انزل اللّٰہ علٰی رسوله بل اخلد الی الارض واتبع ھواہ فلا ادری ما حاله انتھٰی۔ (مجموعة الاقاویل فی رد اھل الشرک والتاویل ص-۲۷)

(ترجمہ) "تمہارا سوال کیا ہے اس مسلمان کے حق میں کہ جس سے بالکل شرک صادر نہیں ہوا؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جو شرک کہ صادر ہوتا ہے مومن سے حالانکہ وہ نہیں جانتا باوجودیکہ وہ اجتہاد کرنے والا ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری میں۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ یہ نہیں نکلتا اس کو شفاعت کے وعدہ سے تحقیق صادر ہو چکی ہیں صحابہ سے اس باب میں کئی باتیں۔ جیسے ان کا قسم کھانا اپنے باپوں کے ساتھ' اور قسم کھانا ساتھ کعبہ کے اور جیسے ان کا کہنا کہ جو چاہے اللہ اور تم اور محمد نے چاہا اور جیسے ان کا کہنا مقرر کرو ہمارے لیے ذات انواط (یعنی وہ چیز جس سے اوزار وغیرہ لٹکائے جائیں) لیکن جب صحابہ کو حق ظاہر ہو جاتا تو اس کی تابعداری کرتے اور نہ جھگڑتے اس میں' جیسے ان کے اپنے باپ دادوں کے مذہب اور ان کی عادتوں اور حمایت کرنے جاہلیت کے جھگڑتے ہیں اس پر--- جو شخص دعویٰ کرے اسلام کا اور وہ کرتا ہے بڑے بڑے کام شرک کے پس جب پڑھی جائیں اس پر آیتیں اللہ تعالیٰ کی تو تکبر کرتا ہے ان سے۔ پس یہ تو مسلمان ہی نہیں ہے (جیسے موجودہ زمانہ کے گمراہ فرقوں کا طریقہ ہے) اور اسے پر جو شخص کرے یہ کام نادانی سے اور نہیں ملا اس کو وہ شخص جو نصیحت کرے اور اس نے نہیں طلب کیا وہ علم جو اتارا اللہ نے اپنے رسول پر بلکہ گرا رہا زمین کی طرف اور پیروی کرتا رہا اپنی خواہش کی۔ پس اس کا حال میں نہیں جانتا (یعنی کافر ہے یا مومن' جنتی ہے یا دوزخی ہے)"

میں کہتا ہوں کہ آخر الذکر کے بارے میں یہ حکم یعنی توقف اس وقت کیا جائے گا جب اس کو آنحضرت ﷺ کی بعثت اور رسالت کا علم نہیں ہوا اور دین اسلام کی اس کو خبر نہیں ملی ورنہ علم ہونے پر اور سننے پر تو اس کو تحقیق کرنا اور ایمان لانا واجب ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ

الامة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بما ارسلت به الا كان من اصحاب النار۔ (مصابيح بروايت ابوهريره) یعنی "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ جس شخص نے اس امت میں (اجابت) سے مجھ کو سن لیا' خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی پھر بغیر ایمان لائے وہ مرگیا تو وہ دوزخیوں میں ہو گا"

اس حدیث میں سن لینے کی قید ہے تو معلوم ہوا کہ جس شخص نے نہیں سنا وہ سپرد الٰہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان اور کفر غیر مضلو ایمان محض عملی یا خطاء فی الاعتقاد یا عدم علم کی بناء پر جو صادر ہوتا ہے جمع ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص کی مثال شترمرغ یا مچھر کی ہے جو من وجہ ہر طرف شمار ہو سکتا ہے۔ امید وار نجات ہے' فتذکر۔

اور یہ مذہب تو حنفیہ کا ہے کہ ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کی وصیت سے شرح فقہ اکبر میں نقل کیا ہے:

ثم الايمان لا يزيد ولا ينقص ولا يتصور زيادة الايمان الا بنقصان الكفر ولا يتصور نقصان الايمان الا بزيادة الكفر فكيف يجوز ان يكون الشخص الواحد فى حالة واحدة مؤمنا وكافرا والمؤمن مومن حقا وليس فى ايمان المومن شک كما ان ليس فى كفر الكافر شک لقوله تعالٰى اولئک هم المؤمنون حقا اى فى موضع واولئک هم الكافرون حقا اى فى محل أخر والعاصون من انه محمد صلى الله عليه وسلم كلهم مومنون حقا وليسوا بكافرين اى حقا انتهٰى فاشار الامام الاعظم بهذا الكلام الى ان العصيان لا ينافى الايمان كما هو مذهب اهل السنة والجماعة انتهٰى۔

(ترجمہ) "ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا کیونکہ زیادتی ایمان کی متصور نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ کفر کی کمی ہو۔ اسی طرح ایمان کی کمی نہیں ہو سکتی مگر بایں طور کہ کفر کی اس میں زیادتی ہو اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی حال میں مومن اور کافر دونوں ہو۔ مومن کے ایمان میں شک نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کافر کے کفر میں' جیسے حق تعالٰی فرماتا ہے۔ وہ لوگ مومن برحق ہیں اور وہ لوگ کافر بیشک ہیں گنہگار امت محمدی کے لوگ

یقیناً مسلمان ہیں کافر نہیں ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں اس کلام سے امام اعظم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ گناہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اہل سنت کا مذہب ہے۔"

راقم الحروف کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصدیق اور اقرار کا نام ایمان ہے۔ چنانچہ وصیت میں ہے: العمل غیر الایمان والایمان غیر العمل۔ یعنی "عمل ایمان کا غیر ہے اور ایمان عمل کا غیر ہے۔"

پس اس بناء پر انہوں نے یہ کہا کہ تصدیق اور اقرار میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو گی تو کفر لازم آئے گا یعنی ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں مومن بھی ہو گا اور کافر بھی حالانکہ یہ محال ہے۔ کیونکہ کافر کے کفر اور مومن کے ایمان میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔

کیا مدیر "صحیفہ اہل حدیث" دہلی اس بات کا اقبال کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صحیح بخاری کا کتاب الایمان ملاحظہ کر کے جواب دیں۔ ہم اس کے متعلق ابتداء مضمون میں اپنا خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ اب مزید اس مسئلہ پر بحث نہیں کرتے۔ صرف محبوب سبحانی پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی غنیہ سے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ سے کچھ بیان نقل کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔

پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیہ میں فرماتے ہیں: نعتقد ان الایمان قول باللسان ومعرفة بالجنان وعمل بالارکان یزید بالطاعة وینقص بالعصیان یقوی بالعلم ویضعف بالجهل وبالتوفیق یقع کما قال اللّٰه عزوجل فاما الذین اٰمنوا افزادتهم ایمانا وهم یستبشرون وما جاز علیه الزیاد فجاز علیه النقصان وقال اللّٰه تعالٰی واذا تلیت علیهم اٰیاته زادتهم ایمانا وقوله عزوجل لیستیقن الذین اوتوا الکتاب ویزداد الذین اٰمنوا ایمانا وبما روی عن ابن عباس وابی هریرة وابی الدرداء انهم قالوا الایمان یزید وینقص انتهٰی کلامه"

یعنی "ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ تحقیق ایمان اقرار کرنا ہے زبان سے اور پہچاننا ہے دل سے اور عمل کرنا ہے ارکان سے۔ بڑھتا ہے عبادت سے اور گھٹتا ہے گناہ سے اور قوی ہوتا ہے علم سے اور ضعیف ہوتا ہے جہالت سے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے واقع ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو لوگ کہ ایمان لائے پس زیادہ کیا ان کو ایمان میں اور وہ خوش ہوں جس چیز پر بڑھنا جائز ہو تو اس پر گھٹنا بھی جائز ہو گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب پڑھی جاتی ہیں اوپر ان کے آیتیں اس کی زیادہ کرتی ہیں ان کو ایمان میں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تاکہ یقین کر لیں لوگ

جو کہ دیئے گئے کتب اور تاکہ زیادہ ہوں وہ لوگ ایمان جو لائے ایمان میں۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا بھی ہے۔"

پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس کلام مبارک سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید سے بعبارۃ النص ثابت ہو گیا کہ ایمان کم و بیش ہوتا ہے اور طاعت موجب زیادت ایمان اور عصیان موجب نقصان ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ اہل سنت میں بھی اس کی یہی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: فکان قولھم ان الایمان قول و عمل ونیۃ وتمسک بالسنۃ والایمان یزید وینقص انتھٰی۔ یعنی "اہل سنت کا یہ مذہب تھا کہ ایمان نام ہے قول اور فعل اور نیت اور سنت کے ساتھ عمل کرنے کا اور ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔"

پھر یہ لکھا ہے: ومن زعم ان الایمان لا یزید ولا ینقص فقد قال بقول المرجئۃ۔ یعنی "جس شخص نے یہ گمان کیا ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں ہے' اس نے مرجیہ والی بات کہی ہے۔"

ایک نسخہ میں یوں ہے: ومن زعم ان الایمان قول بلا عمل فھو مرجئی ومن زعم ان الایمان ھو القول والاعمال فشرائع فھو مرجئی۔ یعنی "جس شخص نے یہ کہا کہ ایمان فقط قول کا نام ہے بغیر عمل کے' وہ مرجیہ ہے اور جس نے کہا کہ ایمان فقط قول اور اعمال اور طریقوں کا نام ہے وہ بھی مرجیہ ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے بلکہ وہ عقیدہ ہے جو پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ یہ صاحبین بلاتفاق اہل سنت سے ہیں۔ برخلاف امام ابوحنیفہ اور ملا علی قاری کے بیان کردہ عقیدہ کے کیونکہ یہ مرجیہ کا عقیدہ ہے۔ والتفصیل فی المطولات۔

اس تشریح سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ ایمان کم و بیش ہوتا ہے۔ عبادت سے بڑھتا ہے اور عصیان سے گھٹتا ہے۔ جب بڑھنا گھٹنا تسلیم ہوا تو ایمان اور کفر کا اجتماع شخص واحد میں وقت واحد میں لازم آگیا سو یہی مطلوب ہے اور یہی محدثین کا مذہب ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ رئیس المحققین کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں: وھاھنا اصل اٰخر وھو ان الرجل قد یجتمع فیہ کفر و ایمان وشرک وتوحید وتقویٰ وفجور ونفاق وایمان

وهذا من اعظم اصول اهل السنة وخالفهم فيه غيرهم من اهل البدع كالخوارج والمعتزلة والقدرية ومسئلة خروج اهل الكبائر من النار وتخليدهم فيها مبينة علی هذا الاصل وقد دل عليه القرآن والسنة والفطرة واجماع الصحابة انتهٰی۔ یعنی "اس جگہ اصل دیگر ہے اور وہ یہ ہے کہ تحقیق ایک آدمی میں کفر اور ایمان' شرک اور توحید' تقویٰ اور فجور' نفاق اور ایمان جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اہل سنت کے بڑے اصولوں سے ایک اصول ہے۔ اہل بدعت کے فرقے خارجی' معتزلہ' قدریہ وغیرہم اہل سنت کے مخالف ہیں۔ کبیرے گناہ والوں کا دوزخ سے نکلنا یا دوزخ میں ہمیشہ رہنا اسی اصول پر مبنی ہے۔ اور اسی پر قرآن و حدیث و فطرت و اجماع صحابہ دلالت کرتے ہیں۔"

اب جو شخص اس کے مخالف ہے وہ اہل سلف نہیں ہے' جیسے گمراہ فرقے ان سے خارج ہیں' وہ بھی خارج ہے۔

ہم مدیر "صحیفہ اہل حدیث" دہلی سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ منطقی قاعدہ ہے یا شرعی قاعدہ ہے۔ جس پر قرآن حدیث و اجماع صحابہ دلیل ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایمان اور کفر مضاد ایمان جمع نہیں ہو سکتے اور کفر عملی جمع ہو سکتے ہیں تو یہ عین ہمارا مذہب ہے۔

اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اسی بناء پر یہ کہا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ کوئی کفر بھی مضاد ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے اور اہل سنت کے اس قاعدہ کے خلاف ہے۔ امید اغلب ہے کہ آپ دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر کے اپنا مقصد واضح کریں گے۔

فافهم فتدبر ولا تكن من الخاسرين۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

تنظیم اہل حدیث روپڑ جلد ۶' شمارہ ۱' ۳' ۶ بتاریخ ۲۵ دسمبر ۸' ۱۵ جنوری سنہ ۷-۱۹۴۳ء

مسئلہ تکفیر- قابل توجہ علماء مکفرین وغیر مکفرین

اہل بدعت مرتکبین رسومات شرکیہ کا کفر

○—○

کفر عملی ہے یا جحودی؟

بعض علماء سے جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتے ہیں' میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے بیان کیا کہ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ ہم کسی خاص شخص یا خاص فرقہ کو کافر نہیں کہتے' سب کو ملت اسلامیہ میں داخل سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ خواہ کوئی نذر غیر اللہ دے' گیارہویں کرے' سجدہ تعظیمی کرے' قبروں کو بوسہ دے' غیر اللہ کے نام کا ورد کرے' علم غیب کلی کا غیر حق کے حق میں قائل ہو' تب بھی؟ انہوں نے کہا' تب بھی۔ میں نے کہا یہ افعال و عقائد شرکیہ ہیں یا نہیں؟ انہوں نے کہا شرکیہ ہیں' پھر کرنے والوں کو آپ مشرک کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا' ان کو غلطی لگی ہوئی ہے۔ میں نے کہا' ہنود' یہود' نصاریٰ وغیرہ کو بھی غلطی لگی ہوئی ہے؟ مختصر یہ کہ وہ فرقہ بریلویہ وغیرہ کو ملت اسلامیہ میں داخل جانتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا چاہیے' مشرکین کا سا نہیں' آخر یہ مدعیان اسلام ہیں' کلمہ گو ہیں۔

مجھے ان سے گفتگو کرنے پر سخت تعجب ہوا۔ میں نے وحید اللغات کا پارہ نمبر-۱۸' صفحہ-۱۵۰ ملاحظہ کیا تو وہاں یہ لکھا ہوا پایا کہ "قلندریہ ایک فرقہ ہے ملاحدہ میں سے' جن کو شریعت کی پابندی کا مطلق خیال نہیں ہے' بلکہ آزادی اور بے دینی اور صلح کل ان کا مسلک ہے' ان کے نزدیک مومن اور کافر' نیک اور بد سب برابر ہیں اور وہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ایک فرقہ نیچریہ ہے وہ بھی قلندریہ سے ملتا جلتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ ان بعض اہلحدیث نما عالموں کا مسلک بھی مثل ملحدوں کے ہے وہ بھی نیچریہ خیال کے ہیں۔ دراصل پولیٹیکل آدمیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جس کا

ثبوت یہ ہے کہ وہ انجمنوں، جلسوں، کمیٹیوں، کانفرنسوں وغیرہا میں ان سے شراکت
رکھتے ہیں اور وہی برتاؤ کرتے ہیں جو مسلمانوں سے کرنا چاہیے، حالانکہ ان کے شرکاء
ممبر سیکرٹری صدر وغیرہ اہل بدعت و مشرکین ہوتے ہیں۔ مزید افسوس یہ ہے کہ ایسے
گندے مسلک کے لوگ "تنظیمی جماعت" میں بھی پائے جاتے ہیں، جو واعظ اور
لیکچرار، امام اور مفتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جماعت اسلامیہ کے باہم منظم ہونے کا یہی مطلب نہیں ہے کہ وہ مل کر جلسہ وعظ
کریں اور ایک مدرسہ میں طلباء کو پڑھا لیا کریں، اور ایک فہرست چھاپ دیا کریں کہ
ہماری جماعت میں فلاں فلاں لوگ شامل ہو گئے ہیں، بس، بلکہ تمام جماعتوں کے علماء
اور امراء کا عموماً" اور امیر جماعت کا خصوصاً" اہم فرض ہے کہ اپنی جماعت کے عقائد
مذہبی اور مسائل پر غور کریں کہ ان میں باہم اتفاق ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو فبہا المراد، ورنہ
متفق و متحد کرنے کی کوشش کریں، بلکہ جماعت میں شامل ہونے کی شرط کریں تاکہ
کلمۃ اللہ مختلف نہ ہو اور فرقہ ناجیہ کی ہیئت تبدیل نہ ہو۔ وہ علیم خبیر ہر ایک مامور
سے امیر کے حقوق اور امیر سے مامور کے حقوق پوچھنے والا ہے، جس کی کمی و بیشی ہو
گی وہی پکڑا جائے گا۔ "فانما علیهم ما حملوا وعلیکم ما حملتم"

بعض ثنائی ہیں، بعض غزنوی، بعض لکھوی، بعض حنفیہ کے موید، بعض نیچریہ کے
موید، بعض امامیہ کے موید، بعض مرزائیہ کے موید وغیرہ وغیرہ۔ میں اگر ان افراد کے
عقاید اور اصولی اور فروعی مسائل کا موازنہ کروں تو تفصیل کی ضرورت ہے جس کی اس
مضمون میں گنجائش نہیں۔ نیز مناسب نہیں ہے اور جماعت بغیر امارت کے منعقد نہیں
ہے اور امارت بغیر طاعت کے فضول ہے، تو پھر عقائد اور اصول مذہبی میں امیر جماعت
کی اطاعت کیوں نہیں؟ اگر کہیں کہ امیر کی اطاعت سیاسی امور میں ہے، دینی امور میں
نہیں ہے، دین میں آزادی ہے جو کچھ چاہے کوئی خیال رکھے تو یہ سراسر غلط ہے۔
حدیث میں تو یہ حکم ہے: "یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا واطیعوا" یعنی "اگر تمہارا
امیر اللہ جل ذکرہ کی کتاب پر چلائے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔" لیکن
ہماری جماعت کا یہ حال ہے کہ ایک مفتی بریلویوں کو کافر مطلق کہہ رہا ہے اور دوسرا
کافر عملی۔ ایک مولوی ثناء اللہ کو ان کے عقائد میں حق پر کہہ رہا ہے، دوسرا باطل پر۔

ایک حنفیہ مقلدین کو بوجہ التزام تقلید شخصی اور ترک احادیث صحیحہ مشرک کہہ رہا ہے' دوسرا مسلمان اہل سنت قرار دے رہا ہے۔ ایک بے نماز کو کافر کہہ کر جنازہ سے کنارہ کر رہا ہے' دوسرا پڑھ رہا ہے۔ ایک اراضی مرہونہ کے نفع کو حلال کہہ رہا ہے' دوسرا حرام' یہ عجیب تفاوت ہے۔

جب مسائل میں بھی امیر کی ماتحتی نہ ہوئی اور سیاست میں بھی بوجہ حکومت انگریزی اطاعت نہ ہوئی تو پھر کون سے امور میں ہوئی؟ اور جن امور میں ہو رہی ہے کیا وہ تمام شہروں میں ایک صدر یا امیر کے ماتحت لوگ نہیں کر رہے؟

غرض میری سمجھ میں موجودہ امارت اور مامورین کی اطاعت نہیں آئی۔ ایک مناظرہ ضلع جھنگ میں ثنائی جماعت اور تنظیمی جماعت کا امامیہ سے ہوا تو امامیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ تم نے بھی امارت قائم کی ہوئی ہے' مولوی نور حسین وغیرہ نے صاف انکار کر دیا کہ ہم تو اس امارت میں شامل نہیں ہیں۔ کہا گیا کہ آپ کا نام لکھا ہوا ہے' انہوں نے کہا' ویسے لکھ لیا ہے۔

اب دیکھیے' اس انکار اور شمولیت اسمی اور تفرقہ سے کس قدر نقصان اور خرابی لازم آئی۔

غرض یہ ہے کہ جماعت تنظیم میں مختلف العقائد والمسائل آدمی ہیں۔ ان سے امامیہ اس لحاظ سے اچھے ہوئے کہ ان کے افراد مسائل میں متفق ہیں' لیکن ان میں ایک یہ خرابی محسوس ہوتی ہے کہ ان کی طاعت تقلید کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ دونوں جماعتوں کی مختلف حالت اور برعکس منظر دیکھنے سے بہت جزع فزع کمترین کو لاحق ہے۔ انا للہ پڑھنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

جلسہ کوٹ کپورہ میں اب تو عجیب حالت تھی' کوئی تو ثنائی تھا' کوئی تنظیمی' کوئی لکھوی۔ سب افراد اپنے اپنے خیالات ظاہر کرتے رہے' تردیدی تقریریں بھی باہم ہوئیں۔ اس سے سامعین پر برا اثر ہوا کہ یہ کئی قسم کے اہلحدیث کیا کرتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ ان اہلحدیث علماء کا یہ خیال کہ بریلویہ فرقہ متبدعہ کو جن کی بدعتیں مکفرہ ہیں' کافر مطلق نہ کہنا چاہیے اور ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا چاہیے' نہایت غلط ہے اور ملحدین کا سا عقیدہ ہے' کیونکہ فرقہ متبدعہ قبرپرستوں کی

رسومات و عقائد' اقوال و افعال تمام شرکیہ ہیں اور ان کا کفر کفر عملی نہیں ہے' بلکہ اعتقادی ہے اور باوجود وعظوں اور مناظروں کے ان کا اپنے عقائد و اعمال مردودہ پر جمود ہے اور ہمارے عقائد اور اعمال جو سلف صالحین کے مطابق اور قرآن و حدیث سے مدلل ہیں' ان سے وہ انکاری ہیں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ کفر عنادی اور عناد ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فان قلت قد جعل بعض ---- كفر هولاء القبوريين الذين يعكفون على قبور من يعتقدونه من الاموات يعكفون اهل الجاهلية على اصنامهم فيدعونهم مع الله عزوجل او من دونه ويستغيثون ويطلبون منهم مالا يقدر عليه الا الله عزوجل من الكفر العملى لا الكفر الجحودى واستدل على ذلک بما ورد فى الصحاح من كفر تارک الصلوٰة وتارک الحج وامثال ذالک ومن ذلک ما عقد البخارى فى صحيحه من كتاب الايمان من كفر دون الكفر وجعل هذا من الكفر الذى لايضاد الايمان من كل وجه وروى عن ابن القيم نحوا مما قاله قلت ليس هذا بصحيح ولا مستقيم فان من يدعوا الاموات ويهتف بهم عندالشدائد ويطوف بقبورهم ويطلب منهم مالا يقدر عليه الا الله منه الاعلى اعتقاد كاعتقاد اهل الجاهلية فى اصنامهم هذا ان اراد من الميت الذى اعتقده ماكان تطلبه الجاهلية من اصنامهم من تقربهم الى الله عزوجل فلا فرق بين الامرين وان اراد استقلالا من يدعوه من الاموات بان يطلب منه مالايقدر عليه غير الحق تعالىٰ فهذا امر تبلغه الجاهلية فانهم قالوا ماحكاه الله عنهم مانعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ ولم يدعو لاصنامهم انهم يستقلون بالايصال الى الطالب بل يقرون فى جاهليتهم وقبل بعثة الرسل عليهم الصلوٰة والسلام باستقلال الله تعالىٰ بالخلق والرزق والموت والحياة ونحوها كما لايخفى على قارى القرآن ومانقله ذلک القائل عن ابن القيم فغير صحيح فان كلامه فى كتبه مصرح بخلاف ذلک فقد صرح فى شرح المنازل بان هذا الذى يفعله اهل القبور هو من الشرک الاكبر قال بعد تقسيم الشرک الى الاكبر والاصغرما لفظه ومن انواعه اى الشرک الاكبر

طلب الحوائج من الموتی والاستغاثة بهم والتوجه الیهم وهذا اصل شرک العالم الی اخر کلامه وقد اطلنا الکلام فی الدر النفید بنقل اقوال ابن القیم وسائر اهل العلم من مؤلفاتهم المشهورة واتفاقهم علی ماقدمنا ذکره انتهٰی" (مجموعة الاقاویل فی رد اهل الشرک والتاویل)

"پس اگر تو کہے کہ یہ قبرپرست جو مردوں کی قبروں پر جم کر بیٹھے ہیں جیسے اہل جاہلیت اپنے بتوں پر بیٹھے تھے' وہی یہ مردوں پر اعتقاد رکھ کر بیٹھے ہیں' پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا نیچے سمجھ کر پکارتے ہیں اور فریاد رسی چاہتے ہیں اور ان سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جن پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی قادر نہیں ہے۔ ان کو بعض عالموں نے کافر عملی کہا ہے' کافر انکاری نہیں۔ اور دلیل لی ہے اس پر ان احادیث سے جو صحاح میں تارک نماز اور تارک حج کے کفر پر وارد ہیں اور مثل ان کی دیگر افعال پر ایسا کفر وارد ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان میں کفر دون کفر کا باب باندھا ہے یعنی بعض کفر چھوٹے ہیں بعض سے' اور ان عالموں نے اہل بدعت کے اس کام کو اس کفر میں داخل کیا ہے جو مضاد ایمان نہیں ہے' کسی وجہ سے بھی اور ابن القیم رحمہ اللہ سے بھی اسی کے مانند روایت کیا ہے۔ میں (شوکانی) کہتا ہوں کہ یہ صحیح اور ٹھیک نہیں ہے' کیونکہ جو شخص مردوں کو پکارتا ہے اور سختیوں کے وقت ان کو آواز دیتا ہے اور قبروں پر طواف کرتا ہے اور ان سے وہ چیز مانگتا ہے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی قدرت نہیں رکھتا' سو نہیں صادر ہوتا اس سے یہ کام مگر بہ سبب اعتقاد کے جو مثل اہل جاہلیت کے اعتقاد کے ہے۔ جو وہ اپنے بتوں سے رکھتے ہیں۔ یہ جب ہے کہ ارادہ کرے نیت سے' جس کے متعلق مقرب خدا کو دینے کا اعتقاد ہے' وہ چیز کہ اس کو جاہلیت والے اپنے بتوں سے اسی اعتقاد کی بناء پر مانگتے تھے۔ پس ان دونوں امروں میں کوئی فرق نہیں ہے اگر جن مردوں کو پکارتا ہے' مستقل جانے بایں طور کہ طلب کرے ان سے وہ چیزیں جن پر سوائے اللہ کے کوئی قادر نہیں ہے تو یہ وہ امر ہے جس کو جاہلیت والے بھی نہیں پہنچے' کیونکہ انہوں نے تو یہ کہا' جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ "نہیں پوجتے ہم ان کو مگر صرف اس لیے کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں' مرتبہ میں" اور ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ یہ بت ان کو مطلب

پہنچانے میں مستقل ہیں بلکہ وہ جاہلیت کے زمانہ میں اور پیغمبروں علیہم الصلوۃ والسلام کے آنے سے پہلے اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستقل ہے وہی پیدا کرتا ہے اور روزی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید پڑھنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے اور یہ جو قائل نے علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے یہ غلط ہے' کیونکہ ان کی کلام ان کی کتابوں میں ان ــــــ کے خلاف بیان کر رہی ہے۔ انہوں نے شرح منازل میں خوب بیان فرمایا ہے کہ یہ جو گور پرست کلام کرتے ہیں۔ بڑے شرک میں سے ہے۔ شرک کی تقسیم اکبر اور اصغر کی تقسیم کرنے کے بعد انہوں نے یہ کہا ہے کہ بڑے شرک میں سے ہے کہ مردوں سے حاجتیں مانگنا اور فریاد رسی چاہنا اور ان کی طرف تصور کرنا۔ یہ تمام جہان کے شرک کی جڑ ہے۔ آخر کلام تک ہم نے اپنی کتاب درنضید میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ ہم نے علامہ ابن القیم اور تمام علماء کے اقوال ان کی مشہور کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ اور ان کا اس مسئلہ پر اتفاق بیان کیا ہے۔"

علامہ شیخ الاسلام تقی الدین امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واما زیارة البدعیة فھی زیارة اھل الشرک من جنس زیارة النصاری الذین یقصدون دعاء المیت والاستغاثة به وطلب الحوائج عنده فیصلون عند قبره ویدعون به" یعنی "زیارت بدعت والی زیارت شرک والوں کی ہے جو نصاریٰ کی زیارت کی جنس سے ہے۔ جو قصد کرتے ہیں' مردوں کی دعاء اور فریاد رسی' ان کے پاس حاجتیں مانگنا' پس قبر کے پاس نماز پڑھتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے نماز پڑھتے ہیں۔"

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ زادالمعاد میں تحریر فرماتے ہیں:

"واشرکت فسجدت لغیرالله ورکعت وقامت بین یدیه قیام الصلوٰة وحلفت بغیره ونذرت لغیره وطافت لغیر بیته وعظمته بالحب والخوف والرجاء والطاعة کما یعظم الخالق بل اشد وسوت من یعبده من المخلوقین برب العالمین وھؤلاء ھم المضادون لدعوة الرسل وھم الذین بربھم یعدلون وھم الذین یقولون وھم فی النار مع الھتھم یختصمون تالله ان کنا لفی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین وھم الذین قال فیھم ومن الناس من یتخذ من دون الله

انداد" یحبونهم کحب اللّٰہ والذین امنوا اشد حب للّٰہ وهذا کله من الشرک واللّٰہ لا یغفر ان یشرک به انتهٰی"

یعنی "گمراہ نفسوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ان لوگوں کو شریک کیا جن کو بزرگ جانا' غیراللہ کو سجدہ کیا' رکوع کیا' اسی طرح ان کے سامنے کھڑے ہوئے جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور غیراللہ کی قسم کھائی' نذر مانی اور ان کے واسطے سرمنڈایا اور کعبہ کے سوا دیگر گھروں کا طواف کیا اور محبت' خوف اور امید اور فرمانبرداری میں غیراللہ کی اس طرح تعظیم کی' جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مخلوق میں سے سب کی پوجا کی' اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر کر دیا۔ یہی لوگ پیغمبروں کی ہدایت کے مخالف ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دوزخ میں اپنے معبودوں کے ساتھ جھگڑتے ہوئے کہیں گے اللہ کی قسم ہم ظاہر گمراہی میں تھے' جب برابر کرتے تھے ہم تم کو ساتھ رب العالمین کے اور یہی ہیں جو فرمایا اللہ نے ان کے حق میں کہ بعضے لوگوں سے وہ لوگ ہیں جو پکڑتے ہیں سوائے اللہ کے شریک دوست رکھتے ہیں ان کو مانند دوست رکھنے اللہ تعالیٰ کے اور جو لوگ مومن ہیں وہ محبت میں اللہ کے ساتھ ہی مضبوط ہیں۔ یہ سب باتیں ہی شرک ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔"

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ تمام محدثین' موحدین' محققین' علماء کا یہ متفقہ خیال ہے کہ اہل بدعت گور پرست یا جو افعال و عقائد شرکیہ کے مرتکب ہیں اور وہ شرک و کفر اختیار کیے ہوئے ہیں جو مضاد ایمان ہے' یہ سب کافر مطلق ہیں۔ ان کا کفر جحودی اور عنادی ہے' عملی نہیں ہے' پس ان سے وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو یہود' نصاریٰ' ہنود وغیرہم سے کیا جاتا ہے' یعنی سلام' مصافحہ' مناکحت' اقتداء نماز' جنازہ وغیرہ امور میں شراکت جائز نہیں ہے۔

جو لوگ ان کو کافر مطلق جان کر کافروں کا سا برتاؤ نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ غرض یہ ہے کہ افراط و تفریط مسئلہ تکفیر و عدم تکفیر میں جو فی زمانہ جاری ہے' اس سے بچ کر خیرالامور اوسطہا پر غور کر کے درمیانی روش اختیار کرنی چاہیے' جو سلف صالحین کی ہے۔ "هذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔"

کتبہ ابوالشکور عبدالقادر الحصاری۔

تنظیم اہل حدیث روپڑ جلد-۴' شمارہ-۴' بمطابق ۱۵ جنوری ۱۹۴۳ء

مسئلہ تکفیر کی تحقیق

مسئلہ تکفیر میں آج کل بہت افراط اور تفریط ہو رہی ہے مسئلہ تکفیر میں حق و صواب پر بہت قلیل لوگ ہیں عوام بہت پریشان ہیں کہ کس کو کافر سمجھا جائے اور کس کو نہ سمجھا جائے' انگریزی مسلمان اور جہلا کالانعام تو ہر کلمہ گو کو مسلمان تصور کرتے ہیں خواہ وہ مرزائی ہو یا چکڑالوی' قدریہ ہو یا جبریہ' اہل بدعت تعزیہ پرست ہو یا قبر پرست' نیچری ہو یا پرویزی' مشرک فی الالوہیت ہو یا مشرک فی الرسالت۔ نماز کا تارک ہو یا آزاد خیال ملحد وغیرہ سب کو مسلمان کہتے ہیں' کیونکہ یہ سب کلمہ گو ہیں۔ حالانکہ یہ سب گروہ قرآن و حدیث کی رو سے کافر اور مشرک ہیں اور علمائے اہل حق ان کے کفر پر متفق ہیں اور بعض گمراہ فرقے اور گروہ ایسے ہیں جو اہل حدیث اور اہل سنت کو جو بروئے کتاب و سنت عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کے پابند ہیں کافر کہتے ہیں جو صرف غلو اور باطل عقیدہ اور جھوٹا مسلک ہے۔ چنانچہ قبرپرست اور تعزیہ پرست فرقہ کا یہی مذہب ہے۔ بندہ نے اس گروہ کے بعض مبلغوں سے اپنے کانوں سے یہ سنا ہے کہ وہ اہل حدیث خاندانوں کے اکابر علماء کا نام لے کر کافر کہتے تھے۔ ثنائی کافر' غزنوی کافر' لکھوی کافر' روپڑی کافر' ملتانی کافر' دہلوی اہل حدیث کافر' نعوذ باللہ جب سے ان گمراہ فرقوں کی یہ تکفیر سنی بندہ ان سے سخت متنفر ہوا۔ ان کی تردید شدید شروع کر دی ——— جب تکفیر میں یہ افراط و تفریط قائم ہے تو اس میں راہ حق و صواب معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بندہ راقم الحروف اپنی استعداد علمی کے مطابق اپنی تحقیق پیش کرتا ہے اور حضرات علماء کرام کی خدمت عالیہ میں یہ عرض کرتا ہے کہ اس پر تائیدی یا تنقیدی نظر فرما کر ممنون فرمائیں اور اپنی محققانہ تحقیق سے شرف بخشیں۔

بغیر تحقیق کے کسی کو کافر نہ کہو ⇐ قرآن کریم پارہ۔۵' رکوع۔۱۰ میں ہے:

"یاایها الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولو لمن القیٰ الیکم السلام لست مومنا" (الآیہ) یعنی اے مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کو جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تم کو سلام کہے اس کو یہ مت کہو کہ تو مومن مسلمان

نہیں ہے۔ (کافر ہے)

قرآن مترجم ثنائی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کے لشکر کے مقابل ایک شخص سلام کہتا ہوا آیا اس کی غرض یہ تھی کہ چونکہ میں مسلمان ہوں ان کو (سلام کہہ کر) خبر کر دوں تاکہ غلطی سے مجھے قتل نہ کر ڈالیں' صحابہ میں سے ایک شخص نے اس خیال سے کہ یہ صرف ظاہرداری کرتا ہے اسے قتل کر ڈالا چونکہ یہ قتل اسلامی قانون کے خلاف تھا اس لیے یہ آیت (مذکورہ) نازل ہوئی۔ موضح القرآن میں بھی یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے وقت میں مسلمانوں کی فوج پہنچی ایک بستی پر وہاں ایک مسلمان تھا اپنے مویشی کنارے کر کے اس نے مسلمانوں سے سلام علیک کی۔ لوگوں نے سمجھا کہ اپنی غرض سے مسلمانی جتاتا ہے اس کو مارا اور مویشی چھین لیے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اھ اس آیت سے یہ اصول قائم ہوا کہ جس شخص کا پورا حال معلوم نہ ہو اور اس میں کوئی شعار اور علامت اسلام کی پائی جاتی ہو مثلاً کلمہ پڑھتا ہے' سلام مسنون لیتا ہے' مسنون داڑھی اس کے چہرے پر ہے' نماز پڑھتا ہے تو اس کو مسلمان سمجھو اور جب تک اس کے عقیدہ یا زبان پر عمل سے صریح کفر معلوم نہ کر لیں اس کو کافر نہ کہیں بلکہ خوب تحقیق کرنی چاہیے اور جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیے کہ اس کو قتل کریں یا اس کا مال لوٹیں۔

بلا تحقیق کافر سمجھنے کا انجام ⇦ بلا تحقیق کافر سمجھنے کا ایک انجام تو اوپر ظاہر ہوا کہ ایک مسلمان ناحق قتل کیا گیا' دوسرا انجام بھی اسی طرح کا ظاہر ہوا کہ حدیث میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر بنی جذیمہ (ایک قبیلہ) کی طرف بھیجا کہ ان کو اسلام کی طرف دعوت دیں اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ ان سے جہاد کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پہنچ کر ان کو اسلام کی طرف دعوت دی ان کو اسلام ظاہر کرنے کا طریقہ نہ آیا' انہوں نے بجائے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کہنے کو یہ کہہ دیا "صبانا' صبانا" ہم صابی ہیں' ہم صابی ہیں۔ (صابی ایک گمراہ فرقہ کا نام تھا اور جاہلیت کے لوگ مسلمانوں کو بھی صابی کہہ دیتے تھے) حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ تحقیق نہ کی کہ صابی کہنے سے ان کی کیا مراد ہے؟ جاہلیت والوں کا محاورہ مراد ہے یا ایک کافر فرقہ صابی مراد ہے؟ پس ان

سے لڑائی شروع کر دی، بعض قتل ہوئے اور بہت قید کر لیے اور ہر سپاہی مجاہد کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا اور صبح کے وقت یہ حکم کہ ہر سپاہی غازی اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ قسم اللہ کی میں تو اپنے قیدی کو قتل نہ کروں گا' اور نہ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ یہاں تک ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کریں گے پھر جو کچھ ارشاد ہو گا۔ اس پر عمل کیا جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر قصہ بیان کیا تو آپ نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور دو دفعہ یہ فرمایا: "اللّٰھم انی ابرء الیک مما صنع خالد" اے اللہ! خالد نے جلد بازی سے جو کام کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔ (رواہ احمد والبخاری)

اس سے ثابت ہوا کہ بغیر تحقیق اور غور و فکر کے کسی کو کافر کہنا یا سمجھنا اور اس غلط فہمی پر کوئی عمل درآمد کرنا باعث شرمندگی اور ندامت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فعل اور فاعل سے بری ہیں۔

کسی جاہل سے خطا فی الاعتقاد ظاہر ہو تو کافر نہ کہو ⇦ عوام جو جاہل ہیں ان سے کئی باتیں کفر یا شرک کی ظاہر ہوتی ہیں ان کو سمجھانا چاہیے وہ "جہالت اور بے خبری سے ایسا کرتے ہیں جب وہ کلمہ پڑھتے ہیں ایمان باللہ و ایمان بالرسول رکھتے ہیں اور قیامت' جنت' دوزخ کو مانتے ہیں۔ اسلام کے مدعی ہیں لیکن ان سے کسی وقت بے علمی کی وجہ سے کوئی کفریہ بات یا عقیدہ ظاہر ہو جاتا ہے اس کو دلائل شرعیہ سنا کر اچھی طرح سمجھانا چاہیے کافر کہہ کر اس سے دور نہ ہو جانا چاہیے' کیونکہ لزوم کفر سے کافر نہیں ہوتا۔ التزام کفر سے کافر ہوتا ہے۔ لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ مولانا عبدالعلی بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں یہ فرماتے ہیں: "التزام الکفر کفر دون لزومه" یعنی کفر کا التزام کفر ہے لزوم کفر نہیں ہے۔ چنانچہ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک شخص بڑا گنہگار تھا جس کی حالت یہ تھی "لم یعمل حسنة قط" اس نے کوئی نیک عمل نہ کیا تھا (صرف توحید الٰہی کا معتقد تھا) جب اس پر حالت نزع طاری ہونے لگی تو اس نے اپنے اہل کو بلا کر یہ وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر

میری راکھ کے دو حصے کر کے ایک حصہ دریا میں ڈال دینا اور دوسرا جنگل میں جا کر ہوا میں اڑا دینا' کیونکہ "واللہ لئن قدر اللّٰہ علی لیعذ بنی عذابا لا یعذب احدا من العالمین" یعنی قسم واللہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قدرت پائی تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب کرے گا جو جہانوں میں کسی کو نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ مرگیا۔ اس کے پسماندگان نے جو اس کے اہل تھے' اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کہ جلا کر راکھ دریا برد کر دی اور کچھ ہوا میں اڑا دی۔ تب اللہ تعالیٰ نے دریا اور ہوا کو حکم دیا کہ اپنی اپنی راکھ جمع کریں۔ جب سب جمع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے حساب لیا اور یہ ارشاد فرمایا "لم فعلت" کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ ملزم متوفی نے یہ جواب دیا "من خشیتک یا رب وانت اعلم" یااللہ! یہ معاملہ تیرے خوف سے اور عذاب سے ڈر کر کیا ہے اور میرے دل کی کیفیت کو تو خوب جانتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا "فغفر لہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی عامی مسلمان جاہل تھا لیکن موحد تھا جو اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا تھا۔ اس کو جہالت سے یہ کام کرنا پڑا جس سے عدم قدرت احیاء کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔ اعادہ عدم قدرت کا عقیدہ صریح کفر ہے جو "وھو علیٰ کل شئی قدیر" کے بالکل خلاف ہے۔ یہ لزوم کفر ہے جو خطا فی الاعتقاد سے ظاہر ہے۔ چونکہ اس کو علم نہ تھا اور یہ کوشش اس نے عدم علم کی بنا پر کی ورنہ وہ ایسا نہ کرتا تو یہ التزام کفر نہ ہوا اس لیے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا چونکہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب پر یقین تھا اس لیے اس کو خوف پیدا ہوا۔ اس خوف پر اس کا خاتمہ ہوا تو اس کے گناہ معاف کیے گئے اور خوف الٰہی اور گناہوں پر ندامت کا نام توبہ ہے۔ یہ توبہ اس گنہگار سے صادر ہوئی اور خطا فی الاعتقاد جہالت سے صادر ہوئی۔ وہ معاف ہوئی۔ موطا کی شرح مسوی میں اس حدیث پر یہ لکھا ہے:

"خطا فی الاعتقاد ان ما اذری نصفہ فی الصحراء و نصفہ فی البحر لا یمکن اعادتہ" یعنی اس شخص نے اعتقاد میں خطا کی کہ جب نصف راکھ جنگل میں اڑا دی گئی اور نصف دریا میں۔ اس سے سمجھا میری ذات کا اعادہ غیر ممکن ہو گا' مگر نفس قدرت پر اس کو ایمان تھا۔ چنانچہ لکھا ہے: "بل کان مومنا بقدرۃ اللّٰہ علی مایجوز وجودتک" یعنی اللہ کی قدرت پر اس کو ایمان تھا جس حد تک اس کا وجود جائز سمجھا

لیکن تجویز کردہ صورت میں قدرت کا امکان نہ سمجھا جو سراسر غلط تھا۔ پس یہ بوجہ کم عقلی کے معذور سمجھا گیا۔ اس لیے معاف کیا گیا۔ شرح فقہ اکبر ص-۱۹۰ میں ہے: "فقد صرح قاضیخان فی فتاواہ بان الخاطئی اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا لم یکن کفرا عند الکل" یعنی فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ خطا سے (سبقت لسانی سے کلمہ کفر منہ سے نکلے تو قائل کافر نہیں) کلمہ کفر زبان پر جاری ہوا تو یہ سب علماء کے نزدیک کفر نہیں ہے۔

یہ لزوم کفر سے کافر نہ ہونے کی دوسری دلیل ہے کہ دل سے ارادہ کر کے کلمہ کفر نہ کہا اور نہ اس پر عقیدہ رکھا' لیکن بولتے وقت خوشی کے جوش سے یا غصہ کے جوش سے یا سبقت لسانی سے کوئی کلمہ کفر منہ سے نکل گیا اور اس پر اصرار اور التزام نہ کیا تو یہ شخص بھی کافر نہ ہوا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان کے حوالے سے ذکر ہوا اور حدیث میں اس کا ثبوت یہ ہے کہ مشکوۃ کے باب الاستغفار والتوبہ میں ایک حدیث اللہ تعالیٰ کی اشد فرح کے بیان میں ہے جس میں بطور مثال کے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جس کا اونٹ مع سامان کھانے پینے کے گم ہو گیا جس کی تلاش میں وہ مایوس ہو کر کسی درخت کے سائے میں لیٹ گیا۔ جب اس نے اچانک دیکھا تو اس کے پاس اس کی سواری مع سامان کھڑی ہے جس سے وہ نہایت خوش ہوا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہی تو وہ دل سے یہ کہنا چاہتا تھا "اللّٰھم انت ربی وانا عبدک" اے اللہ! تو میرا مالک ہے اور میں غلام ہوں تو نے مجھ پر نہایت رحم کیا کہ میری سواری لا کر میرے پاس کھڑی کر دی لیکن شدت فرح میں سبقت لسانی سے یہ کلمہ کفر منہ سے نکل گیا "اللّٰھم انت عبدی وانا ربک" اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ آنحضور ﷺ اس پر فرماتے ہیں "اخطا من شدۃ الفرح" کہ یہ خطا اس سے بوجہ سبقت لسانی انتہائی خوشی میں آکر سرزد ہوئی کہ طبیعت اس کی بے اختیار ہو گئی تھی۔ مرعاۃ المفاتیح جلد-۳' ص-۲۷۴ میں ہے "فبق لسانہ عن نہج الصواب ولخطا ...... من غایۃ الفرح" یعنی شدت فرح سے زبان راہ صواب سے نکل کر خطا میں پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہے' پھر قاضی عیاض سے نقل کیا ہے "ان ماقالہ الانسان من مثل ھذا فی حال دھشۃ وذھول لہ لا یؤاخذ

یعنی اگر کسی انسان سے بحالت دہشت و ذہول ایسا کلمہ کفریہ بلا ارادہ منہ سے نکل جائے تو اس سے مواخذہ نہ ہو گا' واللہ اعلم بالصواب۔

کسی اتفاقی حرام کو حلال سمجھے یا اس پر خوش ہو تو وہ کافر ہوا ⇦ شرح فقہ اکبر ص-۲۲۸ میں ہے: "من استحل حراما وقد علم فی دین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تحریمہ کنکاح ذوی المحارم او شرب الخمر او اکل میتۃ او دم او لحم خنزیر من غیر ضرورۃ فکافر" یعنی جس شخص نے حرام کو حلال کیا حالانکہ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ کام دین نبی' شریعت محمدی میں حرام ہے جیسے محرم عورتوں سے نکاح کر لینا یا شراب پی لینا یا مردار کھا لینا یا خون سرخ یا گوشت خنزیر بلا لاچاری کے کھا لیا اور اس کو حلال سمجھا تو وہ کافر ہوا۔ اسی طرح جنھوں نے راگ باجہ گانا بجانا اپنا پیشہ ٹھہرا لیا اور ان کا سننا عادت بنا لیا اور راگ باجہ کی تحسین کی اور اس گناہ میں ندامت اور خوف الٰہی نہ رہا ایسے لوگوں کے متعلق حنفی نقطہ نظر دیوبندیوں کے ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی مطبوعہ ۲ر رمضان ۱۹۷۹ء میں مولانا عبدالرشید صاحب مفتی دارالعلوم نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

فقہاء کرام تو اس سے کمتر صورتوں میں کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ حماویہ میں ہے:

"حکو عن ابی نضر الدبوسی عن القاضی ظهير الدين الخوارزمی رحمۃ اللّٰہ علیہ من سمع الغنا من المغنی او من غیر المغنی او یری فعلا حراما فیحسن ذالک باعتقاد او غیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال بناء علی انه ابطل حکم الشریعۃ لایکون مومنا عند کل مجتهد ولایقبل اللّٰہ تعالیٰ طاعته واحبط اللّٰہ تعالیٰ کل حسناته وبانت منه امراته"

یعنی ابونصر دبوسی کے واسطے سے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے منقول ہے جس شخص نے کسی گویئے سے یا غیر گویئے سے راگ سنا' کوئی حرام فعل ہوتے دیکھ کر زبان سے اس کی تحسین کی خواہ اس پر عقیدہ ہو یا نہ ہو۔ وہ اسی وقت مرتد ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل قرار دے دیا اور ایسا شخص تمام مجتہدین کے نزدیک مومن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت قبول نہ کرے گا۔ اور اس کی تمام

نیکیاں برباد کر دے گا۔ اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔"

عبارت مذکورہ میں فعل حرام کی (خواہ وہ راگ باجہ ہو یا شراب نوشی) تحسین کرنے پر فتوی ارتداد ہے۔ حدیث میں آیا ہے: "ماامن بالقرآن من استحل محارمه" یعنی جس شخص نے قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ (مشکوۃ) مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری مرعاۃ المفاتیح جلد۔۳' ص۔۲۷ میں لکھتے ہیں: "یعنی ھو کافر لا ستحلا له الحرام المنصوص علیه فی القرآن" علامہ طیبی سے نقل کیا ہے: "قال الطیبی من استحل ماحرمه الله فقد کفر مطلقا" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لے وہ کافر ہوا۔ یہ روایت گو سندا" ضعیف ہے مگر نصوص صریحہ کی تائید قابل حجت ہے۔

لہذا قطعی حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ٹھہرے گا۔ استحلال کی تفسیر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں یہ لکھی ہے:

"باید دانست کہ استباحت معصیت کفراست ومعنی استباحت آن است کہ دردل خوف برآں نہ ماند وقبحیے آن از اعتقاد زائل شد گو بداند کہ ایں معصیت رادر شرع حرام کردہ اند وازاں منع شدید نمودہ اند و بزبان ہم اقرار نماید کہ ایں معصیت معصیت است زیرا کہ معنی استباحت مباح دانستن است نہ مباح گفتن وچوں خوف عقاب از معصیت دور شد۔ وآن معصیت در اعتقاد قبیح نہ ماند مباح گردید د معاملہ مباحات برآن معصیت بوقوع آمد و ظاہر بیناں فقہ می فہمند کہ انکار حرمت او درشرع نیز لازم استباحت است و ایں معنی نادر الوقوع است ازروئے آیات و احادیث در تحقیق استباحت ہمیں قدر کافی است"

یعنی جاننا چاہیے کہ گناہ کو مباح جاننا کفر ہے اور مباح جاننے سے مراد یہ ہے کہ اس گناہ پر دل میں خوف الٰہی نہ رہے۔ اور اس کی برائی عقیدہ سے نکل جائے گو یہ جانے کہ یہ گناہ شرع میں حرام ہے اور اس سے سخت مخالفت کی گئی ہے۔ اور گو زبان سے بھی یہ اقرار کرلے کہ یہ کام گناہ ہے کیونکہ استباحت کا معنی مباح جاننا ہے۔ مباح کہنا نہیں ہے۔ جب خوف عذاب اس گناہ سے دور ہوا اور گناہ اعتقاد میں قبیح نہ رہا تو مباح کے درجہ میں آگیا اور اس سے مباحات کا معاملہ ہوا۔ اور ظاہربین فقہ کے یہ

سمجھتے ہیں کہ استباحت کے لیے حرمت کا انکار لازم ہے یہ معنی نادر الوقوع ہے۔ ازروئے آیات و احادیث کے استباحت کی یہ تحقیق کافی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لا یامن مکراللّٰہ الا القوم الخاسرون" یعنی اللہ کی گرفت سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو خسارہ پانے والی ہے۔

جو قوم گناہوں سے خوش ہو اور عذاب الٰہی سے بے خوف تو وہ گناہوں کو مباح جاننے لگتی ہے۔ جس کی علامت یہ ہے کہ اگر ان کو گناہ سے روکا جائے تو وہ ناراض ہو کر برا مانیں اور الٹا سلٹا بکنے لگیں اور حیلہ بہانہ ' ہیر پھیر سے اس گناہ کو جائز کریں اور ندامت ظاہر نہ کریں تو یہ حالت عین کفر کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اپنا پیشہ بنانے والی قومیں جو اپنے گناہوں پر خوش ہیں' وہ مومن نہیں کافر ہیں۔

حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "اذا سرتک حسنتک وساتک سیئتک فانت مومن" (مشکوۃ) یعنی جب کسی مسلمان کو نیکی کرنے سے خوشی ہو اور برائی بری لگے تو وہ "مومن ہے" مثلاً داڑھی رکھنا اور بڑھانا نیکی ہے اور کٹانا اور منڈانا برائی ہے۔ پس جس شخص کو داڑھی اچھی لگے اور وہ رکھ لے اور منڈانا کٹانا برا لگے اور وہ داڑھی نہ کٹائے اور نہ منڈائے تو وہ مومن ہے۔ اس طرح ہر نیکی اور بدی کو قیاس کرلیں اور جو شخص داڑھی کو برا سمجھے کہ اس کو سکھوں کی شکل کہے اور داڑھی والوں کو بے ایمان قرار دے اور خود داڑھی سے نفرت کرکے اس کو منڈا دے اور شیشہ دیکھ کر اس داڑھی منڈی کو اچھی سمجھے تو وہ مومن نہیں' یہ علامات کفر ہیں۔ اسی طرح ہر برائی اور برائی کرنے والے کو قیاس کرلیں۔

شرح فقہ اکبر میں ہے: "وقص الشارب من سنن الانبیاء فتقبحه کفر بلا اختلاف بین العلماء" یعنی مونچھ کٹانا سب انبیاء کی سنت ہے' جس نے اس کو برا سمجھا وہ کافر ہوا' اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے فقہاء نے کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں اور عادت بنا لینے والوں کو کافر کہا ہے کہ جن میں خوف الٰہی نہ رہا۔

احادیث نبویہ کا منکر کافر ہے ⇦ کسی خاص روایت یا حدیث کو اس میں جرح قدح جان کر نہ ماننے تو یہ اور بات ہے لیکن حدیث کا مطلقاً" انکار کرنا کفر ہے۔ اور اس پر علماء اسلام کا اجماع ہے' کیونکہ حدیث نبوی کے انکار اور ترک سے تمام اسلام بیکار

ہو کر عمل سے رہ جاتا ہے اور اس سے واجبات ظاہرہ متواترہ اور محرمات ظاہرہ کا انکار لازم آتا ہے۔ چنانچہ منکرین حدیث (چکڑالوی' نیچری' پرویزی) ایسے واجبات اور محرمات کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے بالبداہتہ کافر اور مرتد ہیں۔ شرح فقہ اکبر ص-۱۹۶ میں ہے: "فلا خلاف بین المسلمین ان الرجل لو اظھر انکار الواجبات الظاھرة المتواترة والمحرمات الظاھرة المتواترة فانه یستتاب فان تاب فبھا والاقتل کافرا" مرتدا" یعنی اس بات میں اہل حق مسلمانوں کا اجماع ہے کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی شخص نے واجبات ظاہرہ متواترہ اور محرمات ظاہرہ متواترہ کا انکار کیا تو اس سے فوراً توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر جائے اور واجبات اور محرمات کا قائل ہو جائے تو بہتر ہے' ورنہ اس کو کافر اور مرتد جان کر قتل کر دیا جائے۔ اگر اسلامی حکومت اور خلافت راشدہ قائم ہوتی اور اصول دین اور ضروریات اجماعیہ شرعیہ سے کوئی انکار کرتا تو اس کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا پھر یہ گمراہ فرقے پیدا نہ ہوتے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر وغیرہ میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون کے سامنے یہ ذکر ہوا کہ نبی کریم ﷺ کدو کو بہت دوست رکھتے تھے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ میں تو کدو کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اس پر قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ چرمی دسترخوان (جس پر کدو رکھا ہو) اور تلوار لاؤ کہ اس شخص کا فیصلہ کریں' تب اس شخص نے فوراً کلمہ پڑھا اور یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے میری اس سے خالص توبہ ہے' تب اس کو چھوڑ دیا گیا۔ میں کہتا ہوں بعض علماء نے یہ واقعہ امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے' کیونکہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ عہد خلیفہ مامون میں زندہ نہ تھے۔ فتفکروا فیہ

شرح فقہ اکبر ص-۱۹۹ میں ہے: "وفی المحیط من انکر الاخبار المتواترة فی الشریعة کفر" یعنی جس شخص نے احادیث متواترہ شرعیہ کا انکار کیا وہ کافر ہوا جیسے ـــــ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی حیات کا انکار کفر ہے کہ نزول اور حیات احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

<u>قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرنے والے</u> ⇦ بریلویہ فرقہ کے پیشوا اور ان کے مسلمہ مجدد جن کو وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں وہ اپنی کتاب الزبدة الزکیتہ فی تحریم سجود التحیہ میں چالیس احادیث نبویہ اور ڈیڑھ سو نصوص فقہ پیش کر کے

سجدہ عبادت لغیر اللہ کو شرک اور سجدہ تحیت کو قطعی حرام سور سے بدتر اور اس کو مباح جاننے والے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ کتاب فرقہ غالیہ بدعیہ قبرپرست پر پوری حجت ہے۔ اس کے ص-۴۲ پر ایک حدیث لکھی ہے کہ بہائم کو سجدہ کرنے پر قوم اہل اسلام نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی: "افلا تاذن لنا فی السجود لک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان السجود لیس لی الا للحی الذی لایموت ولوانی امر احد الھذہ الامۃ السجود لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا" یعنی کیا حضور ہم کو اجازت نہ دیں گے کہ ہم حضور ﷺ کو سجدہ کیا کریں' نبی ﷺ نے فرمایا بے شک سجدہ میرے لیے نہیں ہے وہ تو اسی زندہ کے لیے ہے جو کبھی نہ مرے گا اگر میں امت میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرتی۔

ص-۴۲ میں بحوالہ تفسیر مدارک حدیث لکھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "لا ینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد" اور بحوالہ تفسیر کبیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ کا سفیر حاضر ہوا' اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سجدہ کرنا تھا' آپ نے فرمایا مجھے سجدہ نہ کر خاص اللہ ہی کو سجدہ کر اور ص-۳۶ میں ترجمہ حدیث لکھا ہے "رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات اقدس کے مرض میں فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محل سجدہ بنا لیا اور فرمایا ایسا کرنے والے اللہ عزوجل کے نزدیک روز قیامت بدترین مخلوق ہیں۔" اور ص-۴۳ میں بحوالہ جامع الرموز ص-۵۳۵ میں ہے:

"من سجد لغیر اللہ تعالٰی علٰی وجہ التعظیم کفر" غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔ اور ص-۴۴ میں شرح فقہ اکبر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "میں کہتا ہوں کہ زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے بھی بدتر ہے تو چاہیے کہ اسی میں کفر ہو نہ اور میں کہ یہ سجدہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے۔

بحوالہ شامی جلد-۵' ص-۳۸ جامع الرموز سے "یکفر بالسجدۃ مطلقا" غیر اللہ کو سجدے سے مطلقاً کافر ہو جائے گا۔ اھ اور ص-۵۶ میں لکھا ہے: "پس اگر اسے اپنے پیر کے لیے جائز جانے تو کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کرکے اس پر راضی ہوا تو وہ خود بھی کافر ہوا۔" اھ نیز ص-۵۶ پر

لکھا ہے یعنی ایسے متکبر خدا فراموش' خود پسند اپنے لیے سجدے کے خواہشمند غالباً شرع سے آزاد بے قیدوبند ہوتے ہیں' یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ تھے تو حرام قطعی اجماعی کو اچھا جان کر اب ہوئے۔" اھ خلاصہ ان تمام احادیث اور عبارات فقہ اور عبارات رسالہ زبدۃ الزکیہ کا یہ ہے کہ سجدہ ذات الٰہی کے ساتھ مختص ہے کسی غیر کو کرنا حرام ہے جو انبیاء' اولیاء کی قبروں پر یا کسی پیر کو سجدہ کرتے ہیں بطور تنظیم کے یہ کفر ہے اور جو اس اجماعی اور قطعی حرام کو جائز جان کر کرائے وہ کافر ہے اور بد ترین خلق ہے جیسے یہود و نصاریٰ ہیں۔

مدعیان نبوت اور ان کی امت مرزائی احمدی وغیرہ ⇦ مدعی نبوت مرزا قادیانی وغیرہ اور ان کی امت احمدی مرزائی وغیرہ کے کفر پر مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مقدمہ بہاولپور کا فیصلہ جو علماء اسلام کی مدلل شہادتوں کے بعد جناب محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر ریاست بہاول پور نے ۱۹۳۰ء میں صادر کیا ہے وہ کافی ہے اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں جن کے دلائل مسل مقدمہ میں قرآن و حدیث سے پیش کر کے درج کیے گئے ہیں۔ فیصلہ مقدمہ بہاول پور شائع ہو چکا ہے اس کے ص-۱۴۸ میں لکھا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بایں معنیٰ نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے اور کہ عقائد اسلامی کی رو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' پھر ص-۱۴۸ میں لکھا ہے' اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں' تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ نیز یہ لکھا ہے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں اس لیے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تنقیحات جو ۴ر نومبر ۱۹۲۶ء کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں بحق مدعیہ ثابت قرار دی جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے' لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔" نیز بطور فیصلہ یہ حکم لکھا ہے ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ

صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔(۱۰) اور ص ۲۵ میں یہ لکھا ہے۔ ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جائے گا" اھ اس تصریح اور فیصلہ سے ظاہر ہوا کہ فرقہ مرزایہ کافر خارج از اسلام ہے جن سے نکاح، جنازہ وغیرہ اسلامی برتاؤ کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی حکومت پاکستان کا یہ خیال ہے کہ سب کلمہ گو مدعیان اسلام اس ملک اسلامی کی رعایا ہیں یہ سب ہی مسلمان ہیں سو یہ ملکی قانون ہے شرعی نہیں ہے۔ ملکی امور میں سب کو مل کر ملک کی خیر خواہی رکھنی چاہیے۔

---

(۱۰) یہ مدعیہ عدت گزارنے کے بعد حضرت استاذ شیخ سلطان محمود محدث جلال پوری رحمہ اللہ کے حبالہ عقد میں آئیں، حماد)

ایسے ہی رافضی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن خلفاء راشدین کا جمع کردہ محرف ہے اور اصلی قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جو امام مہدی غائب کے پاس ہے وہ صحیح ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم خلافت کے غاصب اور کافر تھے اور یہ لوگ تعزیہ نکالتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اور یاحسین رضی اللہ عنہ کے نعرے لگاتے اور وظیفہ کرتے ہیں اور ان سے حاجات مانگتے اور ان کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ان کے یہ عقائد و افعال اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف صریح کفر ہیں، اس لیے ایسے لوگوں کے پیچھے نہ نماز جائز ہے اور نہ ان سے مناکحت جائز ہے اور نہ ان کا جنازہ کرنا جائز ہے کہ ان کے مشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ فتاویٰ عزیزی جلد ۱، ص ۱۲ میں سنی شیعہ مناکحت پر یہ فتویٰ درج ہے، فقہ حنفی موافق روایات مفتی بہا حکم فرقہ شیعہ حکم مرتدان است چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است پس نکاح کردن از زن کہ دریں فرقہ باشد درست نیست اھ پس سنی شیعہ مناکحت سے احتراز واجب ہے۔

فرقہ غالیہ متبدعین ⇦ فرقہ غالیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو عقائد کفریہ و شرکیہ رکھتا ہے اور اعمال و رسومات شرکیہ کا مرتکب ہے اور بدعات مروجہ ہمیشہ کرتا ہے اور

علماء اہل حق مثلاً حضرت مولانا محمد اسماعیل مرحوم شہید وغیرہ کی تکفیر کرتا ہے۔ علماء اہلحدیث و علمائے دیوبند و علماء عرب نجد و حجاز وغیرہ کو کافر کہتا ہے اور قبروں پر سجدے کرتا ہے ان کو اپنے اسلام کی فکر کرنی چاہیے۔ ایسے لوگوں کے کفر میں اہل حق میں سے کسی کو بھی شک نہیں ہے' بلکہ اصول شرعی یہ ہے کہ جو شخص دستور شرعی کی رو سے مومن ہے اس کو مومن کہنا اور اعتقاد رکھنا فرض ہے اور جو شخص بروئے قاعدہ کتاب و سنت کافر ہو اس کو کافر کہنا اور جاننا فرض ہے اور جو شخص مومن کو بلا وجہ بغیر شرعی دلیل کے کافر کہے یا جانے وہ کافر ہے اور جو شخص کسی قطعی کافر کو مومن کہے یا جانے وہ بھی کافر ہے پس کتب عقائد میں جو قواعد کتاب و سنت سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں ان کی بنا پر یہ لکھا گیا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جو صفات الٰہیہ مخصوصہ ہیں اور جو عبادات الٰہیہ مخصوصہ ہیں ان میں کسی مخلوق خدا کو شریک کرنا شرک ہے' مثلاً آسمان و زمین اور کائنات کے تمام مقامات میں عرش سے تحت الثریٰ تک حاضر و ناظر ہونا' اور تمام کائنات و موجودات کے امور و حالات "ماکان وما یکون" کا جاننا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اپنی تمام مخلوقات میں تصرفات کلی رکھنا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور تمام امور مافوق الاسباب کو سرانجام دینے کی قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے اب کسی نبی یا ولی یا فرشتہ کو ان باتوں میں شریک کرنا شرک ہے پھر ان عقیدوں کی بنا پر جو غیر اللہ کو پکارے گا اور اس سے استغاثہ کرے گا اور استعانت چاہے گا وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔

زندیق و لامذہب ⇦ بعض ملحد و زندیق اور بے دین ایسے ہیں جن کا کوئی خاص مذہب اور شریعت نہیں ہے وہ کہتے ہیں ۔

نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا نہ جا مسجد نہ دے سجدہ
وضو کا توڑ دے کوزہ شراب شوق پیتا جا

اور کوئی بھنگ پیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ۔

جنہاں بھنگ بوٹیاں پیتیاں
اونہاں اللہ نال گلاں کیتیاں

نہ ان لوگوں کی کوئی کتاب ہے اور نہ خاص مذہب ہے' اپنی خواہش نفسانی و القاء

شیطانی سے جو چاہتے ہیں بکتے رہتے ہیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ عبادات الٰہیہ سے فارغ ہیں اور احکام شرعیہ کے علانیہ منکر ہیں ان کے کفر میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے۔

فرقہ اسماعیلیہ ⇦ ایک فرقہ اسماعیلیہ ہے ان کا قائداعظم ایک مشہور پیر حسن بن صباح تھا' یہ صاحب جب گدی پر بیٹھے اور ان کو اپنے بزرگوں کی خلافت ملی تو انہوں نے ایک دن منبر پر بیٹھ کر یہ اعلان کیا کہ ہم نے آج کے دن تمام تکلیفات شرعیہ (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ) کو اللہ کی مخلوق سے اٹھا دیا۔ احکام شریعت نابود کر دیئے ہیں' یہ زمانہ قیام قیامت کا ہے اب لوگوں کو چاہیے کہ باطن میں اللہ تعالیٰ کی محبت رکھیں ظاہر میں جو چاہیں کریں۔ آج کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس خطبہ کے اس کے ساتھ سب لوگ روزہ سے تھے' کیونکہ رمضان کا مہینہ تھا' منبر سے اتر کر آپ نے روزہ توڑ دیا سب مریدوں نے آپ کی پیروی کی اور روزے توڑ دیئے' تمام قیود شرعی اٹھا دیئے۔ شراب' زنا حلال ہو گئے' فسق و فجور شراب خوری' زناکاری مریدوں کے گھروں میں پھیل گئی اور اس دن عید منائی گئی اور اب بھی ہر سال اسی خوشی میں عید منائی جاتی ہے جس کا نام عیدالقیام ہے اس پر ایک مرید نے یہ شعر کہا ہے ؎

برداشت غل شع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکر والسلام

یہ فرقہ بھی بروئے احکام شرع صریح کافر ہے' جن کے کفر میں کسی کو شبہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خبر سچی ہو گئی کہ آخر زمانہ میں میری امت مشرکوں سے مل جائے سو وہ یہی دور ہے جس میں طوفان کفر کا برپا ہے' مسلمانوں کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

کتبہ ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف الحصاری

(الاعتصام) لاہور جلد۔۱۹' شمارہ۔۷' ۸' ۹۔ بمطابق ۱۵ و ۲۲ و ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء

کفر و ایمان کی حدود پر تبصرہ

اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں

مولانا ساجد صاحب ایم۔اے سیالکوٹی نے اخبار الاعتصام کی جلد۔۱۹ کے تین شماروں نمبر۔۲۱، ۲۴، ۲۵ میں کفروایمان کی حدود پر بحث کی ہے اور اس میں بے نماز کو مومن کامل الایمان ثابت کیا ہے اور اس کے کافر و مشرک ہونے سے انکار کر کے ان احادیث کی تکذیب کی ہے جن میں جناب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے تارک الصلوۃ کو کافر قرار دیا ہے۔ مولانا ساجد صاحب کی بحث بالکل ناقص اور ناکمل ہے اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کتاب و سنت میں مہارت حاصل نہیں باقتضائے "لکل فن رجال" کہ ہر فن کے لیے آدمی جدا جدا ہوتے ہیں سو آپ مسلک اہل حدیث سے واقف نہیں ہیں کیونکہ آپ اعمال صالحہ اور ارکان اسلام نماز روزہ وغیرہ کو ایمان کا جز نہیں سمجھتے اور صرف تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہی کو ایمان کے اجزاء اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ مذہب مرجیہ کا ہے اور اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ تصدیق بالقلب اقرار باللسان و عمل بالارکان ایمان کے اجزاء ہیں۔ چونکہ راقم الحروف اور ساجد صاحب کا اصولی اختلاف ہے۔ اس لیے بے نماز کے مومن اور کافر ہونے میں بھی اختلاف ہونا ناگزیر امر ہے۔ اب یہاں تین امر تنقیح طلب ہیں۔ ایک یہ کہ اعمال صالحہ یعنی اوامر شرعیہ کی تعمیل اور ترک منہیات ایمان شرعی میں داخل ہیں یا نہیں؟ دوم بے نماز مومن ہے یا کافر؟ سوم اصول ایمان میں ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالقرآن وغیرہ سے کیا مراد ہے؟

اعمال صالحہ اجزاء ایمان میں داخل ہیں ⇐ پہلے اس امر پر بحث کی جاتی ہے کہ اعمال صالحہ اور ترک منہیات ایمان میں داخل ہیں۔ سو جاننا چاہیے کہ ایمان اور اسلام کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی اور دوم شرعی، ایمان کا لغوی معنی ہے یقین کرنا اور تصدیق کرنا، اعتماد کرنا، بے خوف کرنا، لیکن تصدیق کا معنی اس وقت ہو گا جب اس کا صلہ لام ہو گا، جیسے قرآن میں ہے: "انؤمن بشرین مثلنا" یعنی کیا ہم اپنے جیسے دو

آدمیوں ہارون اور موسیٰ کی تصدیق کریں۔ اور پسران حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: "وما انت بمؤمن لنا" یعنی اگرچہ ہم اپنے بیان میں سچے ہوں' آپ ہماری بات پر تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ جب ایمان کا صلہ باء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی اقرار اور اعتراف کرنے کا ہو گا۔ جیسے "آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون" (الآیۃ) یعنی رسول اور مومنین جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔ "آمنت باللّٰہ" کہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتا ہوں۔ شرعی معنی اور تعریف ایمان کی یہ ہے جو تاریخ اہلحدیث مصنفہ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ص-۶۵ میں بحوالہ فتح الباری سلف صالحین سے منقول ہے: "فالسلف قالوا ھو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان" یعنی سلف امت کا قول ہے کہ ایمان اعتقاد قلبی اور شہادت زبانی اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "والمرجئۃ قالوا ھو اعتقاد ونطق فقط" یعنی مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف اعتقاد اور شہادت کا نام ہے۔ پھر ص-۶۵ پر حنفیہ کا مذہب نقل کیا ہے' "ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل کی معرفت کا نام ہے اور یہ قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اور عام فقہاء کا اور متکلمین کا" حضرت مولانا المحترم عبدالجبار مرحوم محدث کھنڈیلوی اپنے رسالہ البیان ص-۱۵ میں رقم طراز ہیں: ونحن اھلحدیث نذھب کما اشرنا الیہ ان الایمان عبارۃ من التصدیق والعمل بالجوارح" یعنی اہلحدیث کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور عمل بالجوارح کا نام ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ عمل جوارح سے مراد یہ ہے کہ طاعات الٰہی اور فرائض بجا لائے اور کہا ہے کہ حنفیہ کے ساتھ ہمارا دو طرح سے اختلاف ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان سے الگ چیز ہے اور اہل حدیث کہتے ہیں کہ ایمان کم و بیش ہوتا اور بڑھتا گھٹتا ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ یہی مرجیہ کا مذہب ہے اور اسی سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ایمان اہل السماء اور اہل ارض کا برابر ہے۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین ص-۲۰۴ مطبوعہ لاہور میں حضرت شیخ المشائخ پیر جیلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ: "ان الایمان قول بلا عمل" یعنی ایمان زبانی تصدیق کا نام ہے بغیر عمل کے اور اعمال احکام شرعیہ کی تعمیل کا

نام ہے اور لکھا ہے کہ تمام مومن ایمان میں برابر ہیں اور ایمان میں تمام مومنین انسان اور فرشتے اور انبیاء برابر ہیں اور ایمان کسی کا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے۔ فقہ اکبر' کتاب الوصیۃ' سیرۃ النعمان وغیرہ میں لکھا ہے کہ ایمان تصدیق اور اقرار کو کہا جاتا ہے۔ "والعمل غیر الایمان والایمان غیر العمل" یعنی عمل ایمان سے جدا ہے اور ایمان عمل سے جدا ہے اور تمام مومن ایمان میں برابر ہیں اور ایمان آسمان والوں یعنی فرشتوں کا اور زمین والوں انبیاء' اولیاء' عامہ مومنین کا برابر ہے نہ کسی کا گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اسی بناء پر حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیہ میں حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے اور حضرت شیخ الاسلام نے کتاب الایمان ص-۲۷۹ میں تمام اہلحدیث کا یہ مذہب قرار دیا ہے کہ ایمان قول باللسان یعنی اقرار اور اعتقاد بالقلب اور عمل بالجوارح مع الاخلاص کا نام ہے اور جو اعمال طاعت الہٰی میں فرائض اور نوافل ادا کیے جاتے ہیں وہ سب ایمان میں داخل ہیں اور ایمان طاعت اور اعمال صالحہ سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔ تمام اہل علم فقہاء جو حجاز' عراق' شام' مصر وغیرہ میں ہوئے' اسی عقیدے کے قائل تھے' مگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مقلد اس کے خلاف ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا میر سیالکوٹی نے عقیدہ طحاویہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام طحاوی حنفی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ جو امام حماد بن زید محدث کے ساتھ ہوا حکایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حماد نے امام صاحب کے پاس حدیث "ای الاسلام" روایت کی اور کہا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ سائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "ای الاسلام افضل؟" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الایمان" پھر جہاد اور ہجرت کو بھی امور ایمان میں شمار کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ آپ کے ایک شاگرد نے کہا کہ آپ اس کو جواب کیوں نہیں دیتے' تو آپ نے فرمایا وہ مجھ کو اس بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہے' میں اس کو کیا جواب دوں؟ مولانا سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں کہ "حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے اور یہ بھی کہ آپ نے از روئے شرع اعمال کو داخل ایمان تسلیم کر لیا" اس سے ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بالآخر ہمارے مسلک سے متفق ہو گئے تو اب سوائے مرجیہ اور مقلدین حنفیہ

کے کسی کا یہ مذہب نہ رہا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور حق مذہب یہ قرار پایا کہ ایمان کی ماہیت اور حقیقت میں اعمال صالحہ خصوصاً ارکان اسلام نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ داخل ہیں۔ چنانچہ مولانا میر سیالکوٹی تعریف اہلحدیث کے ص-۲۹ کے حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں: "ایمان بحسب لغت تو تصدیق کو کہتے ہیں جو دل کا کام ہے اور زبان سے اس کی شہادت ہوتی ہے اور اعمال اس کے علامات و ثمرات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ہر سہ پر نجات کا وعدہ کیا ہے۔ پس ایمان کی شرعی ماہیت میں یہ تینوں امر داخل ہیں اور اس صورت میں سب دلائل جمع ہو جاتے ہیں" اس صراحت سے مولانا ساجد میر صاحب کا اعتراض ختم ہو گیا اور ان کا یہ جھوٹ بھی ظاہر ہو گیا جو کہ انہوں نے پہلے بیان میں یہ لکھا ہے کہ: "بحمد اللہ! مسلک سلف دل و جان سے عزیز ہے۔" اگر سلف کا مسلک دل و جان سے عزیز ہوتا تو اعمال خصوصاً ارکان اسلام کو ایمان سے خارج اور مغائر قرار نہ دیتے۔ مولانا میر سیالکوٹی نے جس کتاب شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ کا حوالہ دیا ہے' بندہ راقم الحروف حصاری نے اس کتاب کو پڑھا تو اکثر اعتقادی مسائل میں حنفیہ کی تردید کر کے سلف صالحین کا مسلک بیان کیا گیا ہے اور اس کو حق اور صواب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اعمال کو جزو ایمان ثابت کرتے ہوئے ص-۲۷۲ میں فرماتے ہیں: "وای دلیل اعلی ان الاعمال داخلة فی مسمی الایمان فوق هذا الدلیل کانه فسرالایمان بالاعمال" یعنی اس دلیل سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو گی جو اعمال کو ایمان کی حقیقت میں داخل ہونا ثابت کرے کہ اس حدیث میں ایمان کی تفسیر اعمال کے ساتھ کی گئی ہے۔" میں کہتا ہوں کہ وہ یہ حدیث ہے جس کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب الایمان ص-۶ میں ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ وفد عبدالقیس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ایک اللہ پر ایمان لاؤ' پھر فرمایا کہ: "اتدرون ما الایمان بالله وحده؟" یعنی کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ پھر خود ہی بیان فرمایا: "شهادة ان لا اله الا الله وحده لاشریک له واقام الصلوة وایتاء الزکوة وان تردو الخمس ماغنمتم" یعنی ایمان یہ ہے کہ گواہی اس بات کی کہ سوائے ایک اللہ کے کوئی معبود نہیں اور وہ لاشریک ہے اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا

اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اس حدیث سے صریح طور پر ثابت ہوا کہ نماز پڑھنا' زکوٰۃ دینا وغیرہ اعمال داخل ایمان ہیں' جیسے کلمہ پڑھنا اور اللہ کی توحید کا اقرار کرنا ایمان میں داخل ہے۔ کتاب الایمان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کی تعریف قول اور عمل بیان فرمائی اور تصدیق کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ تصدیق بالقلب بھی عمل دل کا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب المناسک میں یہ حدیث وارد ہے جو متفق علیہ ہے۔ "سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل؟" یعنی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تب آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا: "ایمان باللہ ورسولہ" (الحدیث) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان اور یقین رکھنا بہترین عمل ہے۔ ان ہر دو احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ ظاہر اور باطن کے اعمال عین ایمان ہیں پس میر ساجد صاحب کا عمل کو ایمان کے مغائر اور خارج سمجھنا درست نہیں ہے۔ ان کو اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام نے کتاب الایمان کے ص-۱۶۵ میں یہ فرمایا ہے: "واھل سنۃ والحدیث یقولون جمیع الاعمال الحسنۃ ومستحبھا من الایمان" یعنی تمام اعمال صالحہ خواہ واجب ہوں یا مستحب ایمان میں داخل ہیں۔ پھر ایمان کے دو نوع بیان کیے ہیں: ایک ایمان واجب' دوم ایمان کامل۔ فرائض و واجبات کے ادا کرنے سے ایمان واجب قائم ہوتا ہے اور سنن اور مستحبات کے ادا کرنے سے ایمان کامل ہوتا ہے اور کتاب الایمان ص-۲۷۹ میں فرماتے ہیں: "اجمع اھل الفقہ والحدیث علی ان الایمان قول وعمل" یعنی اہل فقہ اور اہلحدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ "والطاعات کلھا عندھم ایمان" یعنی سب بندگیاں اور طاعتیں ایمان ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ارکان اسلام ایمان ہیں تو نماز عین ایمان قرار پائی۔ پس اس کا تارک ایمان کے رکن اعظم کا تارک ہے' جس سے باقی ایمان کے اجزاء بھی ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آیت ـــــــ' پارہ-۲ "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" میں نماز کو ایمان فرمایا ہے اور یہ حقیقت شرعیہ کا اظہار ہے۔ مجاز کا یہاں دخل نہیں ہے۔ سیاق و سباق سے بھی ایمان کا معنی نماز صحیح ہوتا ہے اور حدیث شریف میں بھی اس آیت میں ایمان کی تفسیر نماز سے کی

گئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث مذکور ہے، جس میں اس آیت کے شان نزول کا ذکر ہے کہ بیت المقدس کی طرف جنہوں نے تحویل قبلہ سے پہلے نمازیں پڑھیں وہ ضائع نہیں گئیں۔ ترمذی جلد۔۲، ص۔۱۲۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے پھیر کر بیت اللہ قبلہ ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ "یارسول اللّٰہ کیف بلخواننا الذین ماتوا وھم یصلون الی البیت المقدس" یعنی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہے جو فوت ہو گئے، درآں حالیکہ وہ بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے۔" "فانزل اللّٰہ تعالٰی وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ علامہ شوکانی جلد۔۱، ص۔۱۳۰ اپنی تفسیر فتح القدیر میں نقل کرتے ہیں: "قال القرطبی اتفق العلماء علٰی انھا نزلت فیمن مات وھو یصلی الی بیت المقدس ثم قال سمی الصلوٰۃ ایمانا لاجتماعھا علی نیۃ وقول و عمل" یعنی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے اور اسی حال میں فوت ہو گئے اور یہ فرمایا کہ نماز کا نام ایمان اس لیے رکھا کہ نماز میں نیت، اخلاص جو تصدیق کو متضمن ہے اور قول اور عمل پائے جاتے ہیں اور یہ تینوں ایمان کے اجزاء ہیں، پھر دوسرا قول بھی امام شوکانی نے صیغہ تمریض سے نقل کیا ہے لیکن پھر فرماتے ہیں: والاول یتعین القول بہ والمصیر الیہ لما سیاتی من تفسیرہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بذالک" یعنی پہلا قول ہی متعین ہے کہ ایمان سے مراد نماز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر مروی ہے۔ اب یہاں ہم اس آیت کی تفسیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے شائع کردہ پارہ نمبر۔۲ سے نقل کرتے ہیں۔ ان کی یہ تفسیر ہمارے نزاع میں فیصلہ کن ہے جس سے ساجد صاحب کسی صورت انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ ان کے پورے مقلد ہیں۔ چنانچہ پارہ نمبر۔۲ صفحہ۔۱۱، حاشیہ نمبر۔۱۳ میں لکھتے ہیں "شان نزول صحیح بخاری اور تفسیر ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کعبہ کی

طرف رخ کرنا شروع کیا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور اسی حالت میں فوت ہو گئے' ان کی نمازوں کا کیا حال ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا: **"وما کان اللہ" (الایۃ)** یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کے کام یعنی نماز کو جو تم اس تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کرتے رہے ہو' ضائع کر دے۔ (حاشیہ نمبر۔۱۵ میں لکھتے ہیں) **ایمانکم** اس آیت میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ (صحیح بخاری) جس کا تعلق قبلہ سے ہے۔ تفسیر روح المعانی میں بھی ایسا ہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت میں ایمان میں تین چیزیں داخل ہیں' تصدیق قلبی جو اصلی اصول ہے' اقرار زبانی جو ضمیر کی پوشیدہ بات کا اظہار و اعلان و شہادت ہے اور اعضائے بدن سے اعمال صالحہ بجا لانے جو تصدیق قلبی کے ثمرات یا نتائج ہیں یا علامات ہیں جن کو امتحان سے ٹسٹ کیا جاتا ہے۔ حدیث وفد عبدالقیس میں جو صحیح بخاری میں ہے نماز' روزہ' وغیرہ فرائض کو ایمان باللہ میں شمار کیا ہے' پھر ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں بتائی ہیں جن کی اعلیٰ شاخ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اس میں تصدیق قلبی و اقرار زبانی ہر دو کو شمار کیا ہے۔ ادنیٰ یہ کہ ایذا والی چیز لوگوں کے راستے سے ہٹا دی جائے اور یہ ایک عمل ہے۔ نیز حدیث میں وارد ہے کہ صحابہ نے سوال کیا: **"ای الاعمال افضل؟"** آپ نے جواب میں فرمایا: **"الایمان باللہ وحدہ"** (بلوغ المرام) یعنی حضور! ﷺ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ واحد پر ایمان لانا۔ یہاں ایمان کو عمل میں داخل کیا ہے' کیونکہ ایمان بمعنی تصدیق بھی ایک عضو یعنی دل کا کام ہے' **"خذہ فانہ نفیس جدا"** یعنی آخر میں مولانا نے میر ساجد کو سمجھایا کہ میری اس بات کو لے لو۔ یہ بہت نفیس ہے' اب دیکھیے ساجد صاحب اس بات کو لے کر حق بات کی طرف رجوع کرتے ہیں یا نہیں؟ مولانا میر رحمہ اللہ نے ساجد میر کے عقیدے کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر کچھ کسر باقی ہے تو مزید مولانا میر سیالکوٹی سے اور سبق لے لیں کہ ــــــ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وہ حکایت جو ہم تعریف اہل سنت سے نقل کر چکے ہیں۔ آپ نے اس بارہ کے ص۔۱۳ پر نقل کر کے پھر یہ لکھا ہے "اس حکایت نے فیصلہ کر دیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تسلیم کر لیا...... پس ازروئے شرع ایمان ایک ماہیت

مرکبہ کا نام ہے جس کے اجزاء تصدیق قلبی اور اقرار و شہادت زبانی اور اعمال بدنی ہیں اور جو ماہیت مرکب ہو اس کے ذکر سے اس کا کوئی جزو مراد لے سکتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ اس کے لفظ کو اس کی کسی جزو کی بجائے استعمال کر سکتے ہیں' کیونکہ ماہیت مرکبہ بوقت تصور اور اسی طرح بوقت واقعہ اپنے سب اجزاء پر شامل اور متضمن ہو گی اور اسی کو منطق میں دلالت تضمنی کہتے ہیں اور حدیث میں اس کی مثالیں بہت ہیں' مثلاً حضرت عمرو بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا حضور! صلی اللہ علیہ وسلم "ماالاسلام؟" اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "طیب الکلام واطعام الطعام" پھر عرض کیا "ای الایمان؟" آپ نے فرمایا "الصبر السماحۃ" یعنی صبر اور سخاوت' پھر فرمایا "ای الاسلام افضل؟" کہ کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں' پھر عرض کیا "ای الایمان افضل؟" کہ کون سا ایمان افضل ہے؟ فرمایا خلق حسن' (مشکوۃ کتاب الایمان) اسی طرح دیگر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان میں تاویل یا طوالت کلام کی گنجائش نہیں۔ مفردات راغب میں زیر مادہ آمن لکھا ہے:

> "ویقال لکل واحد" الخ' اور اعتقاد حق اور سچے قول اور صالح عمل میں سے ہر ایک کو ایمان کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم صلوتکم وجعل الحیا واما طۃ الاذی عن الطریق من الایمان" (ص-۲۵)

یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے یعنی نماز۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا اور تکلیف کی چیز کو راستے سے ہٹانے کو بھی ایمان میں سے فرمایا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے اس آیت کو اس امر کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ اعمال صالحہ جو شریعت کے مقرر کردہ ہیں' جزو ایمان ہیں۔ (کتاب الایمان) کیونکہ اس میں نماز کو ایک عمل صالح کی نسبت سے ایمان کہا گیا ہے۔ ثم الحمدللہ اور پارہ نمبر۱' ص-۳۲ کے حاشیہ نمبر-۲۳ میں یہ لکھا ہے:

> "ایمان لغت میں تصدیق قلبی کو کہتے ہیں لیکن عرف شرع میں تصدیق قلبی اور اقرار زبانی اور عمل صالح اور ان کے خلاف سے پرہیز کرنے پر

مشتمل ہے۔ جیسا کہ انہی آیات سے واضح ہے کہ یہ سب امور متقین کی صفات میں بیان کیے ہیں اور ان پر نجات کی بشارت سنائی ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے اور محدثین کا مذہب بھی یہی ہے کہ اعمال صالحہ جزو ایمان ہیں ...... حضرت امام صاحب نے محدثین کی طرف رجوع کر لیا۔"

مولانا میر سیالکوٹی کی تشریح نے میر ساجد سیالکوٹی کی تحریر کا ستیاناس کر دیا اور

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میر ساجد نے چند آیات متعلقہ اعتقادات کا ذکر کر کے عبادات اور افعال خیر کو ان کا غیر بنا دیا اور کہہ دیا کہ ان کی حیثیت مترادفات کی نہیں کہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر ایمان و عمل صالح بطور عطف بیان کیا گیا ہے۔ پھر ساجد صاحب نے امن الرسول وغیرہ بعض آیات ذکر کی ہیں جن میں ایمان باللّٰہ' ایمان بالرسول' ایمان بالملائکہ' ایمان بما انزل وغیرہ کا ذکر ہے اور ان سے ایمان کامل مراد رکھا ہے اور اعمال شرعی کو ایمان سے خارج بتایا ہے۔ مولانا سیالکوٹی نے ان کا رد کر دیا ہے کہ یہ ایمان کے شرعی اجزاء ہیں اور دیگر آیات اور احادیث میں ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر بھی آیا ہے تو ان کے مجموعے کا نام ایمان شرعی ہے احکام شرعیہ میں ایمان لغوی پر بحث نہیں ہے۔ ایمان شرعی پر بحث ہے کہ اعمال صالحہ اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ سو ہم نے اور مولانا سیالکوٹی نے صالح اعمال خصوصاً نماز کو ایمان شرعی کا جزو ثابت کر دیا ہے۔ پس میر ساجد کا عقیدہ ہے کہ جو مرجیہ سے ملتا ہے باطل ثابت ہوا اور ان کی بیان کردہ حدود ناقص ہیں کہ ان میں ایمان کامل کا ذکر نہیں ہے بلکہ بعض اجزاء کا ذکر ہے۔

فتذکر

اب امید ہے کہ مولانا میر ساجد ہماری تصریحات کو پڑھ کر اپنے قصور علم کا اعتراف کریں گے جیسا کہ انہوں نے شمارہ نمبر۔۲۴ میں وعدہ کیا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض آیات میں آمنوا سے زبانی اقرار مراد ہوتا ہے۔ بعض جگہ صرف قلبی ایمان مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یہ ارشاد ہے: "یاایھا الذین آمنوا امنوا (الآیۃ) یعنی اے ایمان والو! تم ایمان لاؤ۔ اب بتاؤ کہ ایمان والے کہہ کر ایمان کا حکم کیوں دیا

گیا؟ اور سورہ حدید میں یہ ارشاد ہے: "یاایھا الذین امنوا اتقواللّٰہ وامنو برسولہ (الآیۃ) یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اس آیت میں اہل کتاب کے انبیاء سابقین پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کی وجہ سے مومن کہا گیا' اور ان کو ایمان حقیقی لانے کا حکم دیا گیا۔ پس کسی مجمل ذکر سے تمام تفصیلی حکم نہ سمجھ لینا چاہیے! آپ پارہ نمبر۔۱۸ کے شروع کی آیات پر غور کریں کہ مومنوں کی تعریف میں نماز میں خشوع کرنے والوں' لغو باتوں سے اعراض کرنے والوں' شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والوں' زکوٰۃ ادا کرنے والوں اور عہد اور امانت کی نگرانی کے کرنے والوں اور سب نمازوں کی حفاظت کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ مومن ہیں اور سورہ حجرات میں اعراب کے آمنا کہنے کو غلط قرار دے کر پھر یہ بتایا کہ جو لوگ بغیر شک و شبہ کے اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور اپنی جانوں اور مالوں سے عملی کوشش کرتے ہیں وہ سچے مومن ہیں۔ اس آیت میں مومنین کی تعریف میں مجاھدین بالاموال والانفس کا ذکر کر کے ان کو سچے مومن بتایا گیا ہے اور جو زبانی اقرار کر کے عملی جہاد نہ کرتے تھے ان کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ انفال میں مومنوں کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔ اس پر غور فرمائیے:

"انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقناھم ینفقون' اولئک ھم المومنون حقا" (الآیۃ)

یعنی "مومن وہ لوگ ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں ان کے اوپر پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو مال ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' یہ لوگ پکے مومن ہیں۔"

اس آیت سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ ایمان بڑھتا گھٹتا ہے اور دوسرا یہ ثابت ہوا کہ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ امام بخاری نے کتاب الایمان میں متعدد باب باندھ کر اعمال کا ایمان میں داخل ہونا ثابت کیا ہے اور نماز کا ایمان میں داخل ہونے کا ثبوت آیت "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" سے پیش کیا ہے اور یہ

فرمایا ہے کہ میں نے ہزار سے زیادہ علماء سے شہروں میں ملاقات کی ہے۔ کسی نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ ایمان قول و عمل ہے اور وہ کم و بیش ہوتا ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ جملہ سلف صالحین کا یہی مسلک ہے اور امام زہری تا۔جی کا بیان مشکوۃ باب قسمۃ الغنائم میں منقول ہے' وہ فرماتے ہیں:

"فنری ان الاسلام الکلمۃ والایمان العمل الصالح"

یعنی اسلام تو زبانی اقرار کا نام ہے اور عمل صالح ایمان ہے۔ ہم اہل علم یہی کہتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ایک رسالہ عقیدۂ اہل سنت لکھا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جملہ اہل علم اور اہل حدیث اور اہل سنت جو سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں' جن کی اقتداء کی جاتی ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج ہمارے زمانے تک یہ عقیدہ ہے جو اس رسالہ میں درج ہے' حجاز' شام اور دیگر شہروں کے علماء کو میں نے اسی عقیدہ پر پایا ہے۔ پس جو شخص ان عقائد میں سے کسی عقیدہ کے خلاف کرے گا وہ بدعتی' گمراہ اور اہل سنت اور اہلحدیث سے خارج ہے۔ پھر لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے وہ مرجیہ ہے اور یہ لکھا ہے:

"وان من امن بلسانہ ولم یعمل فھو مومن حقا ھذا قول المرجئۃ وھوا خبث الاقاویل۔" (ص۔۱۲' ۱۳) یعنی جو شخص زبان سے ایمان لایا' کلمہ پڑھا اور اس کو یہ کہا جائے کہ یہ پکا مومن ہے یہ مذہب مرجیہ کا ہے اور یہ بڑا خبیث عقیدہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کا بھی یہی عقیدہ تھا جو انہوں نے اخبار اہلحدیث مطبوعہ ۲۷ر مئی ۱۹۳۲ء میں لکھا کہ نماز ایمان میں داخل نہیں فرع ہے۔ (ص۔۹۳) اور پھر اس آیت سے استدلال کیا: "قل لعبادی الذین آمنوا یقیمو الصلوۃ" (الآیۃ) یعنی اے میرے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم ایماندار بندوں سے کہہ دیجئے کہ نماز قائم کریں۔ پھر یوں استدلال کیا کہ اس آیت میں اللہ نے بندوں کو ایمان دار کہہ کر پھر نماز کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ نماز ایمان میں داخل نہیں۔ میں نے مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں ان پر اخبار "تنظیم" روپڑ مطبوعہ یکم نومبر ۱۹۳۲ء میں تعاقب کیا جس میں نماز کو ایمان میں داخل ثابت کیا اور یہ بتایا کہ قرآن میں بعض جگہ آمنوا سے صرف اقرار اور تصدیق کرنے والے مراد ہیں' مثلاً: یاایھا الذین آمنوا آمنوا (الایۃ) یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وامنوا

برسولہ (الآیۃ)

ایسی آیات میں کامل شرعی ایمان مراد نہیں ہوتا۔ لغوی اور عرفی ہوتا ہے ورنہ آمنوا کہہ کر آمنوا کہنا اور آمنوا کہہ کر امنو برسولہ کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے میرے تعاقب کا کوئی معقول جواب نہ دیا بلکہ ہمارے مسلک کی طرف جھک گئے۔ چنانچہ اخبار اہلحدیث مطبوعہ ۲۶ رجب ۶۲ھ میں کسی نے سوال کیا کہ بے نماز کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ؟ تو اس کا جواب مولانا فاضل امرتسری نے یہ دیا کہ بے نماز کے جنازے کا سوال اس کے کفر کی فرع ہے جن علماء کے نزدیک بے نماز کافر ہے، اس کی نماز جنازہ بھی وہ جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت پیر صاحب بغدادی اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ بھی اسی گروہ میں ہیں اور جو اس کو کافر نہیں بلکہ فاسق سمجھتے ہیں، وہ نماز جنازہ جائز سمجھتے ہیں۔ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ پہلے مذہب کی دلیل قوی ہے اور اس میں تنبیہہ بھی ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد۔۱، ص۔۵۵۶)

اس فتویٰ میں مولانا نے ہمارے مسلک کفر بے نماز کی دلیل قوی تسلیم کر لی، فللہ الحمد جس مسلک کی دلیل قوی ہو وہ قوی ہوتا ہے اور قوی کی ضد ضعیف ہے تو مولانا میر ساجد کا مذہب ضعیف قرار پایا۔ اچھا میر ساجد صاحب اگر آپ کے نزدیک ان تمام چیزوں کی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کوئی شخص رکھتا ہے جو اپنے امن الرسول وغیرہ آیتوں میں اور بعض احادیث میں ذکر کی ہیں لیکن وہ ان لوگوں سے دل، زبان، ہاتھ سے جہاد نہیں کرتا جن کا ذکر بروایت مسلم، مشکوۃ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے کہ "یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یومرون" یعنی ایسے نالائق لوگ ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے جن پر خود عمل نہ کریں گے اور وہ کام کریں گے جن کا حکم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے نہیں دیا۔ کیا وہ شخص جو ان سے جہاد نہیں کرتا مومن ہے یا نہیں؟ اگر مومن ہے کیونکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان رکھتا ہے تو پھر اس حدیث میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل" کہ ایسے شخص میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

بس اس کا جواب جو کچھ دو گے ہمیں

ہماری طرف سے ہو گی مبارک تمہیں

قاعدہ عطف پر بحث ⇦ گزشتہ بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ یہی مسلک حق اور اس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے عقیدہ اہل سنت میں یہی لکھا ہے: **"فکان قولھم ان الایمان قول و عمل ونیة وتمسک بالسنة والایمان یزید وینقص"** یعنی علمائے اہل حق کا یہ مسلک ہے کہ ایمان قول اور عمل اور نیت مخلصانہ اور سنت و حدیث کو مضبوط پکڑنے کا نام ہے اور وہ بڑھتا گھٹتا ہے۔

مولانا میر ساجد نے عمل کو ایمان سے خارج سمجھ کر اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن میں **آمنوا** پر لفظ **عملوا** کا عطف آیا ہے اور بیضاوی وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے۔ لہٰذا عمل صالحہ ایمان کا غیر ہے۔ سو یہ استدلال نصوص قطعیہ کے مقابلے میں بالکل غلط ہے اب قاعدہ عطف کی تفصیل سنئے کہ کتاب و سنت اور کلام اہل عرب میں معطوف علیہ اور معطوف میں جو مغائرت واقع ہوتی ہے' اس کے کئی مراتب ہیں۔ اعلیٰ مرتبہ تو یہی ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں تباین ہوتا ہے۔ جیسے جبرائیل و میکائیل کہ یہ دونوں فرشتے ایک دوسرے کا غیر ہیں۔ **"انزل التوراة والانجیل"** تورات اور انجیل' دو کتابیں علیحدہ علیحدہ ہیں ان میں مغائرت لفظی و معنوی موجود ہے .... یہ مغائرت کلی ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عطف **بعض الشئی علی الشئی** یعنی کسی چیز کے جزو کا عطف اس چیز کے کل پر ہو جیسے **"حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطٰی"** یعنی تم سب نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیان والی نماز کی بھی حفاظت کرو۔ لفظ صلوات میں صلوۃ وسطی داخل ہے لیکن اس کی خصوصیت اور اہمیت کی وجہ سے اس کو الگ ذکر کر دیا۔ اسی طرح ملائیکہ پر جبرائیل اور میکائیل ہر دو ناموں کا عطف قرآن میں وارد ہے' حالانکہ جبرائیل' میکائیل ملائیکہ میں داخل ہیں' لیکن خاص وجہ سے ان کو واؤ عاطفہ سے الگ ذکر کر دیا۔ یہ عطف بعض شئی کا اسی شئی پر ہے۔ ایسا ہی قرآن میں **"ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوٰۃ وآتو الزکوٰۃ (الآیہ)"** وارد ہے۔ اس میں عمل صالح اور اقامتہ صلوۃ اور ایتاء الزکوۃ کے درمیان عطف ہے۔ حالانکہ نماز قائم کرنا

اور زکوۃ دینا عظیم الشان عمل صالح ہیں۔ پھر یہ عطف شئی کا شئی پر کیوں ہوا۔ اس لیے نماز اور زکوۃ کی اعمال صالحہ میں اہمیت اور عظمت زیادہ ہے۔

پس اس مثال سے ہمارا اور میر ساجد کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ آمنوا پر عملوا کا عطف اسی نوعیت کا ہے جو عملوا اور اقاموا اور آتوا میں ہے۔ اگر ایمان اور عمل صالحہ میں مغائرت ہے تو پھر عمل صالحہ اور اقامت نماز اور ایتاء الزکوۃ میں بھی مغائرت ہونی چاہیے۔ ماهو جوابکم فهو جوابنا یعنی ۔

اس کا جواب جو کچھ دو گے ہمیں!
ہماری طرف سے ملے گی مبارک تمہیں

اچھا سنئے قرآن میں ہے: "واذا اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح و ابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ" (الآیہ) اس آیت میں نبیین کے لفظ پر الفاظ منک اور نوح کا اور ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ کا عطف موجود ہے۔ تو بتلایئے ان میں مغائرت ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ مغائرت ہے تو نبی کریم ﷺ اور حضرت نوح وغیرہ انبیاء علیہم السلام نبیوں سے خارج ہو گئے۔ تو یہ کہنا کفر ہے اور اگر مغائرت جزوی ہے تو پھر آمنوا اور عملوا میں بھی وہی سمجھ لیں کہ کل پر جزو کا عطف آجاتا ہے اور اس میں کوئی خاص وجہ ہوتی ہے اور سنئے کہ عطف صفت کا صفت پر بھی آتا ہے اس میں ذات ایک ہی ہوتی ہے جیسے قرآن کی دو صفتیں اس آیت میں ہیں: "نور و كتاب مبين" اور آیت میں ہے: "ولقد آتيناك سبعا من المثانى والقرآن العظيم" کہ دونوں معطوف علیہ و معطوف ایک ہی سورہ فاتحہ کی صفت میں وارد ہیں۔ اور جگہ ہے "تلك آيات القرآن وكتاب مبين" قرآن اور کتاب ایک ہی چیز ہے۔ یہ صرف لفظی فرق سے عطف آگیا ہے اور ایسا کلام عرب میں بامحاورہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مفتاح الجلالین صفحہ۔۹۳ میں ہے۔ "جاز العطف وحصلت المغائرة فى اللفظ كقول الشاعر فالفى قولها كذبا وميناه" کذب اور مین ایک ہی چیز ہے کہ دونوں کا معنی جھوٹ ہے۔

شیخ الاسلام نے کتاب الایمان میں عطف کے مراتب لکھے ہیں۔ چنانچہ صفحہ نمبر۔۱۴۸ میں فرماتے ہیں: "وقد جاء فى الشعر ماذكر انه عطف لاختلاف اللفظ

فقط کقولہ ۔ والفٰی قولھا کذبا ومینا" یعنی عطف لفظی مغائرت سے بھی آجاتا ہے۔ جیسے شاعر کے شعر میں لفظ کذب و مین میں آیا ہے۔

میں حضرت پروفیسر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ بیضاوی والے سے یہ پوچھیں کہ سورہ بقرہ کے شروع میں متقین کی صفات اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی ایمان بالغیب رکھنے کی ہے۔ دوسری اقامت نماز کی ہے اور تیسری ادائے زکوٰۃ اور انفاق مال کی ہے اور چوتھی ایمان بما انزل اللہ کی اور پانچویں آخرت پر یقین رکھنے کی' پھر مجموعہ پر ہدایت کا حکم اور فلاح کی بشارت ہے' یہ عطف شی کا شی پر ہے۔ صرف اختلاف لفظی' صفتی اور معنوی ہے۔ شرعی ایمان میں یہ سب امور داخل ہیں تو کیا یہ مغائرت حقیقی اور ذاتی ہے یا نہیں؟ اگر مغائرت ذاتی ہے تو پھر ایمان میں ایمان بما انزل اللہ وایمان بالاخرۃ داخل نہ رہا۔ سو ایسا جاننا کفر ہے تو یہ مغائرت کا قاعدہ کلیہ محال ہے اگر مغائرت یہاں ایسی نہیں جس میں اساس کلی ہو تو پھر اس قاعدہ سے استدلال باطل ہوا۔ نیز میں مولانا ساجد صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایمان بالغیب پر ایمان بما انزل اللہ اور ایمان بالآخرۃ کا ہے۔ تو یہ دونوں ایمان بالغیب کی جزو ہیں یا نہیں؟ اگر نفی کرو گے تو وہی الزام عائد ہو گا اور اگر جواب اثبات میں ہے تو اقامت نماز اور ایتاء الزکوۃ بھی ایمان کی جزو مان لیں' اگر مان لیں گے تو ترک نماز سے ایمان زائل ہو جائے گا' یہی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بے نماز مومن نہیں ہے۔ دیگر عطف اللزوم بھی ہوتا ہے۔ یعنی معطوف علیہ اور معطوف میں تلازم پایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: "یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم" یعنی اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ اس آیت میں معطوف علیہ اور معطوف میں تلازم ہے۔ اگر رسول کی اطاعت نہ کرے گا تو اللہ کی اطاعت نہ پائی جائے گی اور اگر اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت نہ کرے گا تو اس کے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

عطف اللزوم کی کئی مثالیں قرآن میں ہیں۔ چنانچہ بروایت ترمذی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث آئی ہے جس میں عطف اللزوم کا ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں کہ ان میں تین حکم دوسرے تین حکموں کے ساتھ

ذکر کیے گئے ہیں۔ جب تک ان میں سے کسی ایک پر عمل نہ ہو گا تو دوسرا بھی قبول نہ ہو گا۔ چنانچہ وہ یہ ہیں' پہلا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول' پس جو شخص اطاعت اللہ کی کرے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرے تو اطاعت الٰہی بھی قبول نہ ہو گی۔ اسی طرح اقیموا الصلٰوۃ وآتوا الزکٰوۃ دو حکم ہیں جو شخص نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو نماز بھی قبول نہ ہو گی۔

اسی طرح تیسری آیت میں ہے' ان اشکرلی ولوالدیک پس جس نے اللہ کا شکر کیا اور اپنے والدین کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ کا شکر بھی قبول نہ ہو گا۔ اس طرح معطوف علیہ اور معطوف کا تلازم ہو تو اس کو اہل علم عطف اللزوم کہتے ہیں جیسے قرآن میں اتبعوا ماانزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء یعنی تم ان احکام کی پیروی کرو جو تمہاری طرف نازل کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور ان کے سوا دیگر اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت میں معطوف علیہ اور معطوف میں تلازم ہے کہ اگر اتباع احکام شرعیہ نہ کی گئی تو اولیاء کی اتباع پائی جائے گی' یعنی ایک حکم کی فرماں برداری سے دوسرے کی فرماں برداری لازم آئے گی۔ اور ایک حکم کی نافرمانی سے دوسرے حکم کی نافرمانی لازم آئے گی۔

پس ایسا ہی اس آیت میں سمجھ لیں۔ واتقوہ واقیموا الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان تینوں حکموں میں تلازم ہے۔ خوف الٰہی اور تقویٰ نہ رہا تو وہ نماز بھی قائم نہ کرے گا۔ چنانچہ بے نماز وہی ہیں جو بے خوف ہیں۔ اور اگر نماز کماحقہ ادا کرے گا تو نماز کی یہ تاثیر ہے کہ وہ گذشتہ گناہ کو دھو دیتی ہے اور آئندہ گناہ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ اگر کوئی نمازی نہیں رکتا تو شرعاً" اس کی نماز قبول نہیں۔ کیونکہ تقویٰ نہ رہا۔ جس کا واتقوہ میں حکم تھا۔ اسی طرح نماز کما ینبغی بمطابق حکم صلوا کما رأیتمونی اصلی پڑھے گا تو مشرک نہ ہو گا' کیونکہ نماز میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت پائی جاتی ہے۔ جس نے نماز پر عمل نہ کیا اس کی نماز نہیں ہے کہ نماز میں خشوع کی شرط ہے۔ جب نماز ترک کر دی اور اس پر عمل نہ کیا تو شرک لازم آگیا۔

پس ترک نماز اور شرک میں تلازم ہے۔ جس قدر آیات کے معطوف علیہ و معطوف میں عطف اللزوم بتایا گیا ہے۔ ان میں لزوم کسی قاعدہ کی رو سے نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ خارجی دلائل سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول میں تلازم اس دلیل سے ثابت ہے۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ یعنی جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اور حدیث میں ہے من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ یعنی جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی اور جس نے رسول کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ ٹھیک اسی طرح واقیمو الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین کو سمجھ لیں کہ اس میں اقامت نماز اور مشرکوں میں نہ ہونے کا حکم ہے۔ اب اگر کوئی شخص نماز ترک کر دے گا تو وہ مشرکوں سے ہو جائے گا۔ اس کی دلیل کہ جس سے ترک نماز اور مشرک ہونے کا تلازم ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح مسلم جلد-۱، ص-۶۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلٰوۃ" امام نووی اور دیگر ائمہ نے اس حدیث کا یہ معنی اور مطلب لکھا ہے۔ ای الذی یمنع من کفرہ کونہ لم یترک الصلٰوۃ فاذا ترکھا لم یبق بینہ وبین الشرک حائل بل دخل فیہ یعنی آدمی کو کفر سے روکنے والی چیز نماز ہے جب نماز ترک کر دے گا تو بندہ اور کفرو شرک کے درمیان روکنے والا کوئی حائل نہ رہے گا، بلکہ وہ شرک و کفر میں داخل ہو جائے گا۔

اس سے ترک نماز اور کفرو شرک میں صاف طور پر تلازم ثابت ہو گیا۔ پس یہ حدیث آیت اقیمو الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین کی صحیح تفسیر ہے کہ نماز قائم کرو اور اس کو چھوڑ کر شرک و کفر میں داخل ہو کر مشرکوں میں سے نہ بنو۔ اول تو اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ ایمان و اسلام سے نکل کر کفر و شرک میں داخل ہو گیا اور وہ کافروں، مشرکوں میں شمار ہے، لیکن مزید وضاحت کے لیے دوسری حدیث صریح پیش کرتا ہوں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:
"سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم الصلٰوۃ فمن ترکھا فقد کفر" یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ وہ عہد جو ہمارے اور کفر کے درمیان ہے وہ نماز کا ہے۔ پس جس نے نماز ترک کر دی وہ کافر

ہو کر کفار میں شمار ہوا۔ (رواہ احمد' ابوداؤد والنسائی' الترمذی و ابن حبان و الحاکم وغیرہ)

پس آیت اور حدیث دونوں بے نماز کے کافر ہونے پر ,عبارۃ النص دلیل ہیں' جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مزید بحث آئندہ آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ یہاں تو عطف کے مسئلہ کا جواب مولانا میر ساجد کو دیا گیا ہے کہ عطف کی وجہ سے معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت کلی نہیں ہوا کرتی۔ جزوی اور لفظی مغایرت بھی ہوتی ہے اور یہ کہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں بے ربط نہیں ہوتے' ضرور ان میں کچھ تعلق ہوتا ہے۔ بلکہ بعض وقت دونوں میں لزوم ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے: "وان اقم وجهک للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین" یعنی دینوں سے الگ ہو کر دین حنیف پر اپنا منہ قائم رکھ اور مشرکوں میں مت ہو۔ باتفاق تمام اہل علم اس آیت کے ہر دو حکموں میں تلازم ہے کہ اگر دین حنیف پر قائم نہ رہا تبع ہوئی ہوا تو وہ مشرک ہوا۔ یہی بات ہماری پیش کردہ آیت میں ہے کہ نماز ترک کر دی تو وہ مشرک ہوا۔ چنانچہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے: "عن ثوبان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بین العبد وبین الکفر والایمان الصلٰوۃ فاذا ترکها فقد اشرک" (رواہ هبة اللہ الطبری وقال اسنادہ صحیح علی شرط مسلم) یعنی ثوبان نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ یہ فرماتے تھے کہ بندہ اور کفر اور ایمان کے درمیان نماز حائل ہے' جب بندہ نماز چھوڑ دے گا تو مشرک ہو جائے گا۔ یعنی نماز ترک کر دی تو ایمان بھی نہ رہے گا' کیونکہ قرآن نے نماز کو عین ایمان فرمایا ہے کہ اس میں ایمان کے تینوں اجزاء جمع ہیں۔ تصدیق' اقرار' عمل۔ اور تصدیق سے مراد صرف احکام شرعیہ پر اعتقاد رکھنا نہیں' بلکہ شرعی تصدیق کی تعریف یہ ہے: "انما هو التصدیق المستلزم الطاعة والانقیاد (کتاب الصلٰوۃ لابن القیم ص ۔۷۔۴۳) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی اس طرح تصدیق اور یقین کرے جو اس کو ان کے احکام کی تعمیل پر آمادہ کر دے۔ وہ تصدیق ایمان کا جزو ہے اگر اس شخص نے نماز ترک کر دی تو اس کو اللہ اور رسول و قرآن کی تصدیق نہ رہی۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ویلزم من عدم طاعة وانقیادہ عدم التصدیق

المستلزم للطاعة" یعنی جب اس شخص نے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے بعد طاعت اور اتباع نہ کی تو اس سے ثابت ہو گیا کہ اس شخص کے دل میں وہ تصدیق نہ تھی جو مستلزم طاعت و فرماں برداری ہے۔ ورنہ یہ حکم نماز کی تعمیل کرتا اور اہم فرض کو ہرگز نہ چھوڑتا کہ نماز حقیقت ایمان میں داخل ہے۔ چنانچہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن وغیرہ کو ایمان قرار دیا جائے تو بھی عبادت الٰہی بدنی' لسانی' مالی اس میں داخل ہے۔ چنانچہ مولانا میر سیالکوٹی رحمہ اللہ پارہ نمبر۔ا' ص۔۱۴۲ میں یہ لکھتے ہیں کہ' یہ سب امور شرعیہ ایمان باللہ میں داخل ہیں۔ جیسا کہ وفد عبدالقیس والی حدیث سے ظاہر ہے جو صحیح بخاری کے کتاب الایمان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان باللہ کی تشریح میں یہ سب امور اور دیگر کئی ایک دینی فرائض بھی بتائے تھے (تا آخر)

پس ایمان بالاخرۃ اور اعمال صالحہ کے ضمن میں ایمان بالرسول اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب سب امور آجاتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے یوں عرض کرتا ہوں کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن اور ایمان بالاخرۃ کا یہ مطلب ہے کہ میں اللہ اور رسول اور قرآن اور آخرت کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ حق ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ حق ہیں اور اللہ کی اطاعت کروں گا اور عبادت کروں گا کہ وہ اسی کا مستحق ہے اور مجھ پر اس کا حق فرض ہے۔ اور قرآن کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں گا اور آخرت کا حساب برحق ہے۔ اس کا سامان کروں گا۔ اگر ایمان سے مراد تصدیق پہلی اور صرف دل سے سچا سمجھ لینا مراد ہے۔ تصدیق مع الانقیاد مراد نہیں تو ایسا ایمان باطل ہے اور بالکل مردود ہے اور کتاب و سنت میں ایسے ایمان کا بالکل کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ یہ مراد لینا کفر ہے اور اگر ایمان باللہ وغیرہ سے مراد تصدیق' مع الطاعة والانقياد مراد ہے تو مامورات نماز وغیرہ کا بجا لانا اور شرک وغیرہ منہیات کا ترک کرنا ایمان کے ضمن میں آگیا۔ پس جو اعمال بالجوارح نہ کرے گا اس کی تصدیق پائی نہیں گئی۔ لہٰذا اس کا ایمان معدوم ہے اور جو اعمال کرے گا اس کی تصدیق صحیح اور حق ثابت ہو گئی۔ چنانچہ اس آیت میں اسی کا بیان ہے: "والذين يؤمنون بالاخرة يؤمنون به وهم على صلوٰتهم

یحافظون" یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کو بھی مانتے ہیں۔ اور نماز کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع آمن الرسول میں اہل ایمان کا سمعنا واطعنا کہنا مذکور ہے۔ جس سے تصدیق مع الانقیاد کا اظہار ہے اور یہود کا سمعنا وعصینا قول قرآن میں منقول ہے جس پر ان کا ایمان مردود قرار دیا گیا۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے: لایؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به" (مشکوۃ) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری لائی ہوئی شریعت کی تابعداری نہ کرے۔

بس یہاں تک عمل ایمان میں داخل ہونے کی بحث ختم ہے۔ اب آئندہ بے نماز کے کفر پر بحث ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

تنظیم اہلحدیث لاہور

اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں

مولانا ساجد میر سیالکوٹی اور فیصلہ نبوی ﷺ

"ناظرین کرام کو معلوم ہو گا کہ بندہ عارف حصاری اور مولانا میر ساجد سیالکوٹی کی اس مسئلہ پر اخبار "الاعتصام" لاہور میں بحث جاری ہے کہ اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں یا نہیں؟ بندہ کا مسلک وہی ہے جو محدثین محققین کا ہے اور اس پر اہل حق کا اجماع ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں۔ اس پر بندہ نے کتاب و سنت سے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ پیش کیے، جن کو مولانا میر ساجد نے تسلیم نہیں کیا اور حق مسلک قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

راقم الحروف نے آیت: "واقیموا الصلوٰة ولا تکونوا من المشرکین" نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ میں عطف تلازم بتلا کر اس کو حدیث نبوی سے ثابت کیا تھا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بین العبد والشرک الا ترک الصلوٰۃ فاذا ترکھا فقد اشرک" (رواہ ابن ماجہ باسناد صحیح) نہیں ہے ملاپ درمیان بندے کے اور شرک کے مگر ترک کرنا نماز کا جب اس نے نماز ترک کر دی وہ مشرک ہو گیا۔ اس حدیث شریف کو آیت مذکورہ سے ملایا جائے تو یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ آیت میں عطف تلازم ہے، جیسے آیت: "اطیعوا اللہ واطیعو الرسول" میں ہے۔ جس کا تلازم آیت: "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" سے ثابت ہے۔

پس مولانا میر ساجد کا عطف مغایرت کا احتمال بغیر دلیل شرعی کے عطف تلازم کو ٹھکرا دینا دراصل فیصلہ نبوی کو ٹھکرا دینا ہے۔ اس عطف تلازم کی تائید و تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو ہبۃ اللہ طبری نے باسناد صحیح روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "بین العبد وبین الکفر والایمان

الصلوٰۃ فاذا ترکھا فقد اشرک" فرمایا رسالت مآب ﷺ نے کہ بندہ کے اور کفرو ایمان کے درمیان حد فاصل نماز ہے' جب بھی اس نے نماز کو ترک کیا یقیناً وہ مشرک ہو گیا۔

اس مرفوع حدیث صحیح سے ظاہر ہوا کہ آیت مذکورہ میں عطف تلازم ہے اور اس حدیث میں کفر حقیقی اور ایمان حقیقی کا مقابلہ ہے پس مولانا میر ساجد کی کوئی تاویل کار آمد نہیں ہو سکتی ہے۔ اور عطف تلازم کی تائید و تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مشکوٰۃ وغیرہ میں ہے: "جو نماز کی محافظت نہ کرے گا وہ دن قیامت کے فرعون' قارون اور ہامان وغیرہ حقیقی کفار کے ساتھ ہو گا۔"

جب بے نماز کی رفاقت و معیت حقیقی کفار کے ساتھ ثابت ہو گئی' تو اس سے ظاہر ہوا کہ حدیث تارک نماز میں جو کفر کا اطلاق بے نماز پر آیا ہے' وہ کفر حقیقی پر دال ہے' جو آیت میں عطف لازم کی دلیل ہے۔ اور اس کی تصدیق و تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر" (رواہ احمد)

"ہمارے اور کفار کے درمیان نماز کا عہد ہے کہ جو شخص نماز چھوڑ دے گا وہ کافروں میں شمار ہو گا۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بے نماز کا کفر حقیقی ہے اور آیت مذکورۃ الصدر میں عطف تلازم ہے۔ اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے: "وان اقم وجھک للدین حنیفا ولاتکونن من المشرکین" یعنی دین حنیف پر قائم رہو اور مشرکوں سے نہ ہو۔ پس اس آیت میں عطف تلازم ہے کہ جو شخص دین حنیف ترک کر دے گا وہ مشرک ہو جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح آیت:

"واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین" میں عطف تلازم ہے کہ جو شخص نماز ترک کر دے گا وہ مشرکوں میں ہو جائے گا۔ پس ان دلائل سے مولانا میر ساجد کا عطف مغائرت ظاہر کر کے عطف تلازم کے استدلال کو ساقط کرنا سراسر باطل ہے۔ مولانا میر ساجد نے یہ لکھا ہے کہ:

"تارک نماز غفلت سے نماز ترک کرتے ہیں۔" یہ حصر بھی غلط ہے۔ بے نمازوں کی کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں ؎

نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا نہ جا مسجد نہ دے سجدہ
وضو کا توڑ دے کاز شراب شوق پیتا جا

یعنی ہم ظاہری نماز نہیں پڑھتے' باطنی پڑھتے ہیں' کہتے ہیں کہ تم فرش پر نماز پڑھتے ہو' ہم عرش پر نماز پڑھتے ہیں۔

اسی طرح اور بھی کئی قسم کے بے نماز ہیں۔ یہاں تفصیل مقصود نہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جو بے نماز تھا نماز پڑھنی شروع کر دی تو تقدیر الٰہی سے اس کی بھینس مر گئی' تو اس کے گھر والوں نے کہا جو سب بے نماز تھے کہ یہ نماز ہمارے خلاف پڑی' اس کو چھوڑ دو۔ اس نے نماز چھوڑ دی۔ ایسے بے نمازوں کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں' ہر کہ شک آرد کافر گردد' اور جو غفلت سے ہمیشہ نماز کے تارک ہیں' وہ بھی بے خوف ہو چکے ہیں۔ ان کے کافر ہونے میں بھی شبہ نہیں ہے اور جو کبھی پڑھتے ہیں' کبھی غفلت سے چھوڑ دیتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ جس پر یہ حدیث دلیل ہے:

"عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بكروا بالصلوة في يوم الغيم فانه من ترك الصلوة فقد كفر" (رواه ابن حبان في صحيحه) یعنی آپ کا فرمان ہے کہ ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو۔ (ابر کی وجہ سے سستی نہ کرو) بے شک جس نے نماز ترک کی وہ کافر ہو گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی دن غفلت سے بھی نماز چھوڑ دینا کفر ہے' کیونکہ ابر والے دن نماز کے وقت کا خیال نہ کرنے سے یا بارش کی وجہ سے نماز چھوڑی جاتی ہے جو نتیجہ غفلت کا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ غفلت سے نماز ترک کر دینا بھی کفر ہے۔ اور یہ کفر مخرج عن الملة ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: **"فمن تركها عمداً فقد خرج عن الملة" (رواه ابن ابى حاتم فى سننه والطبرانى باسنادين لا باس بهما)** یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہ چھوڑ' جس شخص نے عمداً نماز چھوڑ دی وہ ملت سے خارج ہوا۔ ایسی صحیح دلیلوں کے مقابلے میں کفر کی کوئی تاویل صحیح نہیں ہو سکتی۔

مولانا ساجد میر نے اس موضوع خاص اور اس کے دلائل خاصہ کے معارضہ میں جو دلائل عامہ پیش کیے' وہ قابل سماعت نہیں ہیں' کیونکہ موضوع خاص کے معارضہ میں دلائل عامہ پیش کرنا اصول کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے شہادت القرآن کے حصہ دوم ص-۹۲ پر یہ دو اصول لکھے ہیں جو اہل علم میں مسلم ہیں۔

قاعدہ نمبر-۱: کہ ایک امر صراحت کے ساتھ منطوق عبارت سے ثابت ہو تو اس کے خلاف کسی عبارت میں سے بطور اشارہ یا دلالت استدلال کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ مقابلہ کے وقت منطوق کا اعتبار مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر-۲: یہ ہے کہ کوئی امر کسی خاص دلیل سے ثابت ہو' تو اس کے خلاف عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں۔

یہ دونوں قاعدے نہایت معقول ہیں۔ مولانا میر سیالکوٹی نے یہ دو قاعدے مرزائیوں کی تردید میں بیان کیے ہیں' جو کہ وہ ختم نبوت کے مقابلہ میں دلائل عامہ اجرائے نبوت میں پیش کرتے تھے کہ ان کا ایسا کرنا اصولاً" غلط تھا۔ پس اسی طرح مولانا میر ساجد کی تمام بحث ان قاعدوں کی رو سے باطل ہو گئی' کیونکہ ایک تو ہمارے دلائل کی عبارت کے منطوق سے بے نماز کو کافر ثابت کر رہے ہیں اور مولانا میر ساجد کے دلائل عام ہیں' جن سے بے نماز کا مومن ہونا ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس یہاں خاص عام پر مقدم ہے اور مولانا میر ساجد کا دلائل عامہ سے تمسک کرنا جائز نہ ہوا۔

دوسرا ہمارے دلائل کی عبارت کے منطوق سے بے نماز کا کفر ثابت ہے اور مولانا میر ساجد کے دلائل کی عبارت کے مفہوم سے بے نماز کا مومن ہونا ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس منطوق مفہوم پر مقدم ہے۔ پس ان کا استدلال اپنے دلائل پیش کردہ سے جائز نہ ہوا' تو اس سے ان کی تمام بحث بیکار ہو گئی اور ہمارا دعویٰ ثابت رہا کہ "بے نماز کافر و مشرک ہے۔" پس دلائل خاصہ کو دلائل عامہ کے مقابلہ میں ٹھکرا دینا' فیصلہ نبوی ﷺ کے ٹھکرا دینے کے مترادف ہے' جو سراسر گمراہی ہے' جس سے توبہ کرنی واجب ہے۔ قاعدہ عطف تلازم کے مقابلے میں عطف مغائرت کا احتمال پیش کر کے یہ کہنا کہ محتمل سے حجت قائم نہیں ہو سکتی' سراسر نادانی ہے' کیونکہ کسی دلیل میں دوسرا

احتمال اس وقت مضر استدلال ہوتا ہے جبکہ پہلا احتمال کسی دلیل سے متعین نہ ہو۔
ہماری پیش کردہ دلیل میں شق اول عطف تلازم والے قرائن اور دلائل شرعیہ سے متعین ہو چکی ہے۔ لہٰذا دوسری شق باطل ہوئی ۔

مسیحا! تیری کوئی بات پوری نہ ہوئی
نامرادی میں ہوا تیرا آنا جانا!

مولانا میر ساجد نے دوسرا فیصلہ نبوی ﷺ یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہے کہ دوسرے پارے کی آیت کا یہ جملہ: "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" میں ایمان کی تفسیر بروئے حدیث نبوی ﷺ یہ کی گئی تھی کہ اس سے مراد صلوۃ ہے۔ اس تفسیر کا ثبوت ہم نے اپنے مضمون میں احادیث صحیحہ سے دے دیا تھا' جس کو مولانا میر ساجد نے تسلیم کر لیا ہے کہ تفسیر حدیث میں آئی ہے' مگر اس فیصلہ کو دو طرح سے رد کر دیا ہے۔ ایک اس احتمال سے کہ ایمان کا معنی نماز بھی ہے اور ایمان عرفی بھی ہے' جو تصدیق وغیرہ کو کہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ ایمان کا معنی نماز مجازی ہے اور ایمان کا عرفی و شرعی معنی حقیقی ہے۔ یہ دونوں وجہیں اس جگہ باطل ہیں' کیونکہ حدیث نبوی ﷺ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ایمان سے مراد یہاں صلوۃ ہے۔ لہٰذا فیصلہ نبوی ﷺ کے مقابلہ میں دوسرا احتمال رفع ہوا' اور کتاب و سنت میں کسی لفظ کا تفسیر نبوی سے معنی ثابت ہو جائے تو عین حقیقت ہوتی ہے۔ جو لغت اور عرف پر مقدم ہے' اس کو مجاز کہہ کر رد کر دینا درست نہیں۔ مجازی اصطلاح متاخرین کی ہے' جس سے وہ صفات الٰہیہ اور نصوص قطعیہ میں مجاز ظاہر کر کے احادیث نبویہ کو ٹھکراتے رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت العلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب الایمان ص ۲۴۱ میں فرماتے ہیں:

"ینبغی ان یعلم ان الالفاظ الموجودۃ فی القرآن والحدیث اذا عرف تفسیرھا ومااریدبھا من جھۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایحتج فی ذالک الی الاستدلال ماقال اھل اللغۃ ولا غیرھم" یعنی "یہ بات معلوم کرنی لائق ہے کہ تحقیق جو الفاظ قرآن و حدیث میں موجود ہیں' جب ان کی تفسیر نبی کریم ﷺ کی طرف سے پائی جائے تو اس کے مقابلہ میں اہل لغت وغیرہ کے اقوال سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔"

پس تفسیر نبوی ﷺ کو مجاز بنانا اور بیضاوی کے حواشی پر ایمان رکھ کر اس کے معنی کو حقیقی بنانا اور تفسیر نبوی ﷺ کو اس کے مقابلہ میں رد کر دینا اور مجاز حقیقت کے دو احتمال پیدا کر کے فیصلہ نبوی ﷺ کو ساقط کرنا سینہ زوری ہے' جو مولانا میر ساجد صاحب کو زیب نہیں دیتی۔

علمائے محدثین نے تمام نصوص شرعیہ کے پیش نظر ایمان کی تعریف یہ کی ہے:
"تصدیق بالقلب' قول باللسان' عمل بالارکان۔"

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے تصدیق قلبی کو عمل قلب قرار دے کر ایمان کی تعریف' قول و فعل سے کی ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملاقات کی' کسی نے اس بارے میں اختلاف نہیں کیا کہ: "ایمان قول و فعل کا نام ہے۔" اور امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" میں ایمان سے مراد نماز لے کر' جامع صحیح بخاری میں یوں باب باندھا ہے: "باب الصلوٰۃ من الایمان" کہ نماز ایمان میں داخل ہے۔ پھر اس کے ثبوت میں آیت مذکورہ پیش کی اور یوں تفسیر لکھی ہے: "صلوتکم عند البیت" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری وہ نماز ضائع نہ کرے گا جو بیت اللہ کے پاس پڑھی گئی تھی' بیت المقدس کی طرف منہ کر کے۔ پھر اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کا شان نزول از روئے حدیث بیان فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس کلام الٰہی میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ جب نماز کو ایمان قرار دیا تو نماز کا ایمان میں داخل ہونا ثابت ہو گیا اور یہ حقیقت ہے' کیونکہ نماز تصدیق و اخلاص قلبی و زبانی شہادتیں و فعل بدنی کا مجموعہ ہے۔ اور یہ عین ایمان کی ماہیت ہے جس کا منکر کافر ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایمان باللہ وحدہ' کی یہ تفسیر کی ہے جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے:

"شهادة ان لا اله الا اللّٰه وان محمدا رسول اللّٰه واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وقيام رمضان" (الحديث) "ایمان باللہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا اور نماز پڑھنا' زکوٰۃ دینا اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

مولانا میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حضرت شیخ الاسلام نے کتاب الایمان میں اسی حدیث سے دلیل لی ہے اور مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی

مرحوم وغیرہ نے مسلک اہلحدیث کے علمائے کرام کی اسی حدیث سے دلیل لے کر ایمان کی ماہیت میں داخل کیا ہے' لیکن مولانا میر ساجد صاحب نے اس فیصلہ نبوی ﷺ کو ٹھکرا کر دراصل تین فیصلے ٹھکرائے ہیں جو بروئے حکم قرآنی سخت جرم ہیں۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے:

"فلا وربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک" (الآیہ) "قسم ہے تیرے رب کی اے نبی! یہ لوگ کبھی مومن نہ بنیں گے جب تک تجھے اپنے تنازعات میں تجھے اپنا حکم نہ بنا لیں اور جو تم فیصلہ کرو اس کو دل و زبان سے بخوشی تسلیم نہ کر لیں۔"

چنانچہ آیت "واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین" کی تفسیر اور آیت "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" کی تفسیر اور ایمان کی تفسیر میں مولانا میر ساجد نے فیصلہ نبوی تسلیم نہیں کیا اور فیصلہ کو ہیر پھیر کر کے ٹھکرا دیا ہے۔

دوسری آیت میں ہے: "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلا مبینا" "جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو مومن مرد اور عورت کا اپنا کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا' اس فیصلہ کے بعد جو شخص اس فیصلہ کی نافرمانی کرے گا' وہ ظاہر باہر گمراہ ہوا۔"

مولانا میر ساجد نے اپنے مضمون میں کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو کہ "اعمال صالحہ ایمان سے خارج ہیں۔"

میں نے آیات و احادیث صریحہ پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ایمان تصدیق و اقرار و عمل کا نام ہے اور ایمان کی کئی شاخیں ہیں۔ اعلیٰ شاخ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور ادنیٰ "اماطۃ الاذی عن الطریق" چنانچہ ان شاخوں کو اداء مامورات و ترک منہیات کی صورت میں مولانا محمد شریف صاحب لائل پوری صاحب اپنے طویل مضمون میں بیان کر چکے ہیں' جو "الاعتصام" میں چھپ چکا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں بھی ان شاخوں کا ذکر کیا ہے۔ اور امام الدنیا فی الحدیث نے اپنی جامع صحیح بخاری میں بھی ان شاخوں کو "من الایمان" کہہ کر ایمان کے اجزاء ثابت کیے ہیں۔ اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی ایمان کی مثال درخت سے دی

ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے' جس کو عامی شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ درخت کی جڑیں' پیڑ' شاخیں' پھل اور پتے اس درخت کے اجزاء ہوتے ہیں' درخت سے خارج نہیں ہوتے۔ تو اس مثال سے اعمال کا ایمان کے اجزاء ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ اور مولانا میر ساجد صاحب کا اعمال کو ایمان کے مغائر قرار دینا اور کبھی لازم ملزوم ٹھہرانا باطل ہوا' کیونکہ لازم ملزوم کا جزء نہیں ہوتا' بلکہ اس سے خارج ہوتا ہے۔

لازم ملزوم اور شرط و مشروط ٹھہرانا ایک ہی بات ہے' لیکن لازم ملزوم کے مسلک سے بھی حضرت میر ساجد صاحب کا دعویٰ کہ صرف کلمہ سے نجات ہو جائے گی باطل ہو جاتا ہے' کیونکہ لازم کے عدم سے ملزوم کا عدم اور شرط کے عدم سے مشروط کا معدوم ہونا مسلّم کل ہے' جس سے مولانا میر ساجد ناواقف ہیں۔ ہم اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں' لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی عمل کے انتفاء سے ایمان منتفی ہو جائے گا' بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے مدارج ہیں اور ایمان مثل درخت کے ہے۔

بعض اعمال اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان کے انتفاء سے ایمان منتفی ہو جائے گا۔ خصوصاً اس عمل سے جس کو شارع نے ایمان اور کفر کے درمیان حد فاصل ٹھہرایا ہے۔ جیسے نماز کہ اس کے ترک سے کافر و مشرک ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر معصیت سے ایمان بالکلیۃ تو منتفی نہ ہو گا' ہاں ناقص ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے: "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ" یعنی (ایمان کے ساتھ کفر کیا) یعنی "اس کے ضروری ارکان و اجزاء کو نہ مانا تو اس کے تمام اعمال برباد ہوئے۔" اسی طرح یہ بھی حدیث صحیح میں آیا ہے: "من ترک صلوٰۃ العصر فقد حبط عملہ" "جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال برباد ہوئے۔"

بہرحال اعمال' نماز وغیرہ ایمان کے اجزاء ہیں۔ کتاب و سنت کا یہی فیصلہ ہے' جس کی میرے اس مضمون میں جو اخبار الاعتصام کی کئی قسطوں میں بعنوان "اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں" کا شائع ہو چکا ہے۔ اس میں کتاب و سنت کا جو فیصلہ درج کیا گیا تھا' اس سے مولانا میر ساجد نے انحراف کیا ——— ان کی یہ دلیل کہ ایمان پر عمل صالح کا عطف آیا ہے یہ مغائرت کو چاہتا ہے۔ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ عطف کے کئی اقسام ظاہر کر کے یہ بتا دیا تھا کہ جزء کا کل پر اور کل کا جز پر عطف جاری و

ساری ہے۔ عمل کا عطف ایمان پر عطف جزء کا کل پر ہے' یا ایمان سے شرعی ایمان کامل مراد نہیں' بلکہ صرف تصدیق مراد ہے۔

کتاب و سنت میں ایمان کا اطلاق بلحاظ عرف بھی آیا ہے جو زبان سے مومن کہلاتے ہیں' شرعاً" مومن نہیں ہیں۔ مثلاً سورہ حدید میں آیا ہے:

"یاایها الذین آمنوا اتقوا الله وامنوا برسوله" (الآیه) "اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لاؤ' تم کو دوگنا اجر ملے گا۔"

یہ خطاب اہل کتاب کو ہے جو شرعی مومن نہ تھے' زبانی مومن تھے۔ تفسیر تبصیر الرحمٰن پارہ۔ا میں ـــــ مولانا میر سیالکوٹی نے آیت "ان الذین امنوا والذین هادوا" کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے:

"جن لوگوں نے یقین قلبی کے سوا صرف زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور صرف تصدیق پر بھی ایمان کا اطلاق باعتبار لغت کے آیا ہے۔ کماهو الظاهر۔ اور صرف اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق آیا ہے۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں ثابت کیا ہے اور ایک باب یوں باندھا ہے: "باب من قال ان الایمان هوالعمل" "یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایمان عمل کا نام ہے۔"

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دلائل کتاب و سنت سے دیئے ہیں۔ ان سب اطلاقات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ سب ایمان کے اجزاء ہیں۔ اور ایمان شرعی تصدیق قلبی و اقرار لسانی اور اعمال بدنی کے مجموعہ کا نام ہے۔ میرے مضمون میں کہیں لفظ تصدیق پر ایمان کا اطلاق مل گیا۔ بس مولانا میر ساجد اسی ایک لفظ کو لے کر ڈھنڈورا پیٹنے لگے کہ عبدالقادر حصاری نے تصدیق کو ایمان مان لیا۔ حالانکہ اس سے نہ پہلے انکار تھا نہ اب ہے۔ نزاع تو یہ ہے کہ "صرف تصدیق قلبی کا نام یا زبانی اقرار کا نام ایمان یا دونوں اجزاء کا نام ایمان شرعی ہے یا نہیں؟ اور اعمال ایمان کے جزء ہیں یا نہیں؟" مولانا میر ساجد صرف تصدیق و اقرار کو ایمان کی ماہیت میں داخل سمجھتے ہیں اور اعمال کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ یہ مذہب مرجیہ کا ہے۔

بندہ کا دعویٰ یہ ہے کہ: ایمان تین اجزاء سے مرکب ہے۔ تصدیق و اقرار اور ادائے ماموارت و ترک منہیات۔ یعنی اعمال داخل حقیقت ایمان میں ہیں۔ یہی مسلک

امام احمد رحمہ اللہ نے عقیدہ اہل سنت میں بیان کیا ہے' جسے اہل حق کا اجتماعی عقیدہ قرار دیا ہے اور یہی شیخ الاسلام نے کتاب الایمان میں بیان کیا ہے اور اس کے مخالف کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

مولانا میر ساجد نے وکیلوں کی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی بعض عبارتوں کو کانٹ چھانٹ کر کے عوام کو مغالطہ دیا ہے۔

بندہ میر صاحب کو چیلنج کرتا ہے کہ میر ساجد صاحب ایک مسئلہ وسیلہ اموات جو کہ وہ اصحاب کہف اور ان کے کتے کے نام کے تعویذ سیالکوٹ اور اس کے نواح میں نفع و دفع ضرر کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اور دوسرا مسئلہ ایمان کے اجزاء کتنے ہیں؟ اور اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں یا نہیں؟ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی ہر دو کتابوں "الوسیلہ" اور "کتاب الایمان" کے پیش نظر کسی جید عالم کو ثالث بنا کر فیصلہ کرا لیں' ورنہ ان کے نام سے عوام کو مغالطہ نہ دیں۔ مولانا میر ساجد صاحب نے اپنے مضامین میں دلائل کتاب و سنت سے انحراف کر کے فیصلہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکراتے ہوئے اقوال رجال کا سہارا لیا ہے' یہ حق سے روگردانی ہے۔ چنانچہ طحاوی میں حدیث ہے:

> "عروہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا' اے ابن عباس رضی اللہ عنہ تم نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا' اے عروہ! یہ کیسے؟ عروہ نے کہا کہ تم لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو کہ جب وہ بیت اللہ کا طواف کر لیں تو احرام کھول دیں۔ حالانکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دسویں تاریخ تک لبیک کہتے ہوئے محرم رہتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تم خود ایسا کہنے سے گمراہ ہو گئے' کیونکہ میں تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور اس کے مقابلے میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بیان کرتے ہو۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صریح حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول و رائے کا سہارا لینا یا کسی قاعدہ سے احتمال پیدا کر کے فیصلہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکرانا گمراہی ہے۔ میں نے بخاری رحمہ اللہ کی حدیث سے ایمان کی تشریح پیش کی تھی۔ جس کو مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے تو مان لیا ہے۔ چنانچہ تیسیر الرحمان پارہ ۱' ص ۱۲۲

میں ہے۔ صحیح بخاری کے کتاب الایمان میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایمان باللہ کی تشریح میں یہ سب امور اور دیگر کئی ایک دینی فرائض بھی بتائے تھے۔ اس فیصلہ نبوی ﷺ کو مولانا میر ساجد نے ٹھکرا دیا۔ وہ فرائض الٰہی نماز وغیرہ کو ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں سمجھتے' بلکہ ان کو ایمان کے مشاعر سمجھتے ہیں جو صریح گمراہی ہے۔ مولانا میر ساجد نے جو دلائل منجملہ پہلے مضمون میں بیان کیے ہیں وہ دعوئی پر منطبق نہیں اس لیے ان پر علیحدہ تبصرہ کیا گیا ہے۔

مسلک مرجیہ ⇦ فرقہ مرجیہ کی کئی شاخیں ہیں جن کو شیخ جیلانی عالم ربانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ذکر کیا ہے اور فرقہ حنفیہ کو ان کا ایک فرقہ قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مرجیہ لکھا ہے' جو ان کے ابتدائی عقیدہ کی بنا پر تھا۔ جس سے انہوں نے آخر میں رجوع کر لیا۔

حنفیہ کا عقیدہ ایمان کے متعلق شرح عقائد نسفی میں درج ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عقیدہ فقہ اکبر وغیرہ میں درج ہے جو یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب والمعرفۃ باللہ و اقرار باللسان کا نام ہے۔ بس یہی عقیدہ مرجیہ فرقوں کا ہے۔ جن کی شہرستانی وغیرہ نے تفصیل کی ہے۔ ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ ایمان تصدیق و اقرار کا نام ہے۔ کسی نے اعمال کو ایمان کو حقیقت میں داخل نہیں کیا۔

مولانا میر سیالکوٹی نے علامہ عینی سے تاریخ اہلحدیث ص-۶۵ میں یہ نقل کیا ہے:

"ان الایمان اقرار باللسان ومعرفة بالقلب وھو قول ابی حنیفة وعامة الفقھاء وبعض المتکلمین" "ایمان اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کا نام ہے یہ مذہب ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور عام فقہاء اور بعض متکلمین کا ہے۔" یہی مسلک مرجیہ کا ہے کہ ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے' کیونکہ گھٹنا بڑھنا اعمال پر موقوف ہے۔ اعمال ایمان سے علیحدہ چیز ہیں اور اقرار اور تصدیق میں گھٹنا بڑھنا شک و شبہ کی بنا پر ہوتا ہے۔ وہ تصدیق کے منافی ہے۔ اس لیے یہ ثابت ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔ یہ مسلک مرجیہ کا ہے۔ جس پر ایمان کی بحث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سب کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے: "وھو قول وفعل یزید وینقص" "ایمان قول و عمل کا نام ہے اور وہ بڑھتا اور گھٹتا ہے۔" ——— اس پر حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے: "فالسلف قالوا ھو اعتقاد

"سلف کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ایمان یہ بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان" ہے کہ دل کے ساتھ ضروریات ایمان کا اعتقاد رکھنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا اور اللہ اور رسول کی بیان کردہ شریعت پر عمل کرنا۔"

مولانا میر سیالکوٹی نے تمام شرعیات کو ایمان شرعی میں داخل ہونا ذکر کیا ہے۔ اور مولانا میر ساجد نے ان کی اس مسئلہ میں متابعت نہیں کی۔ اور اصحاب کہف اور ان کے کتے کے نام سے تعویذ لکھنے میں ان کی تقلید کر رکھی ہے۔ جو تفسیر سورہ یوسف میں درج ہے۔ اصحاب کہف کے نام کا تعویذ شرک و بدعت ہے۔ جس کی کوئی دلیل شرعی کتاب و سنت اور تعامل سلف سے پائی نہیں گئی۔ یہ اصل تقلید ہے اور ایمان کی تعریف میں اعمال کا داخل ہونا مولانا میر سیالکوٹی نے تاریخ اہلحدیث اور تفسیر تبصیر الرحمان میں احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اس سے انکار کیا جا رہا ہے۔

ع   ایں چہ ابو العجبی است

ان کے اس عقیدہ کا آخری انجام یہی ہے کہ معصیت کلمہ گو کو مضر نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا میر ساجد نے اپنے سابقہ مضمون کے آخر میں اپنا یہ عندیہ ظاہر کر دیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث لکھی ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ابن عمرؓ سے یہ روایت کی ہے کہ لا الہ الا اللہ اور محمد عبدہ ورسولہ کا اقرار کرنے والے ایسے شخص کی مغفرت بھی ہو گی۔ جس کی برائیوں کے ننانوے دفتر ارحم الراحمین کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ اور دفتر بھی ایسے کہ ان کا ایک ایک ورق حد نگاہ تک پھیلا ہوا نظر آئے گا۔" (الاعتصام ۱۲/ جنوری ۱۹۶۸ء ص۔۷) یہی دلیل مرجیہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ کلمہ گو مومن کو معصیت مضر نہیں۔ وہ کلمہ ہی کے اقرار اور تصدیق سے نجات پا جائے گا۔ میر ساجد بھی ایسی ہی احادیث پیش کر کے ان لوگوں کو محض کلمہ کا ٹکٹ دکھا کر نجات کا سرٹیفکیٹ دے رہے ہیں' ــــــــ فقط

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری۔

ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور جلد۔۲۱' شمارہ۔۲۹' ۳۰' ۴۰' ۴۱' بمطابق ۸ و ۱۵/ نومبر ۱۹۶۸ء و ۲۴/ جنوری و ۳۱/ جنوری ۱۹۶۹ء

عمل اور ایمان کی عالمانہ بحث

عمل' ایمان میں داخل ہے یا نہیں؟ ⇦ بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے' کیونکہ قرآن میں: "امنوا وعملوا الصالحات" آیا ہے۔ یعنی ایمان اور عمل جدا جدا وارد ہیں' اس واسطے کہ معطوف اور معطوف علیہ مغائر ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض حنفیہ اور مرجیہ کا یہی مذہب ہے اور بعض متکلمین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ حالانکہ عمل' ایمان میں داخل ہے بلکہ عمل کے سبب جنت ملے گی۔ قال اللہ تعالیٰ "تلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون" یعنی بہ سبب عمل کرنے کے تم جنت کے وارث بنائے گئے۔

دوسری جگہ قرآن میں حکم ہے: "فلیعمل العاملون" یعنی چاہیے کہ عمل کریں' عمل کرنے والے۔ سورہ ذاریات میں فرمایا ہے: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" یعنی جن اور انسان کو میں نے بندگی کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

بندگی کی تین قسم کی ہے:

۱۔ قولی' ۲۔ بدنی ۳۔ مالی' ——— سو یہ سب اقسام بغیر عمل ممکن نہیں ہیں۔ اگر عمل نہ کیا جائے تو عبادت نہ ہو گی۔ حالانکہ غرض پیدائش کی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اعراب نے آمنا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انما المومنون الذین امنوا باللّٰہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولئک ھم الصادقون" یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے' پھر شک نہ کیا اور اللہ کے رستے میں اپنی جانوں اور مالوں سے کوشش کرتے رہے' وہ سچے ہیں۔

اس آیت میں "جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللّٰہ" جو کہا گیا ہے اس سے عمل ایمان میں داخل ثابت ہوا۔ گویا ایمان کے تین اجزاء اس سے ثابت ہو گئے: اقرار' تصدیق اور جان و دل سے اللہ کی راہ میں کوشش کرنا' یعنی عمل! بس یہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔

فتح الباری میں امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے: "قال لقیت اکثر من الف رجل

من العلماء بالامصار فما رایت احدا منهم یختلف فی ان الایمان قول و عمل ویزید وینقص۔" (انتہی) یعنی میں ہزار سے زیادہ علماء کو شہروں میں ملا ہوں' کسی نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ ایمان قول و عمل ہے اور کم و بیش ہوتا ہے۔ فتح الباری کو غور سے مطالعہ کریں جملہ سلف صالحین کا یہی مذہب ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ عظیم الشان تابعی ہیں۔ مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم والغلول فیھا میں ہے:

"قال الزھری رحمۃ اللہ علیہ فنری ان الاسلام الکلمۃ والایمان العمل الصالح" (انتہی) یعنی زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تابعین یہ کہتے ہیں کہ اسلام کلمہ ہے اور ایمان عمل صالح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں مرجیہ فرقہ کا جو عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے' باب مستقل باندھ کر تردید کی ہے اور احادیث صحیحہ لا کر ثابت کیا ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہے۔ چنانچہ بخاری میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کا فرمان جو انہوں نے عدی بن عدی کی جانب لکھا تھا' یوں منقول ہے:

"ان الایمان فرائض و شرائع وحدودا وسننا فمن استکملھا استکمل الایمان ومن لم یستکملھا لم یستکمل الایمان" یعنی تحقیق واسطے ایمان کے اعمال اور عقائد مفروضہ ہیں اور منہیات ممنوعہ ہیں اور مسنون باتیں ہیں۔ پھر جو شخص ان کو پورا کرے اس نے ایمان کو پورا کیا اور جس نے نہ پورا کیا' اس نے ایمان کو پورا نہ کیا۔

یہی حدیث مرفوع میں وارد ہے' فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "الایمان بضع وسبعون شعبۃ والحیاء شعبۃ من الایمان" یعنی ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔" ان شاخوں کی تعداد شعب الایمان اور فتح الباری میں ملاحظہ فرمائیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہے اور بخاری شریف میں امامنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آیات اور احادیث سے ثابت کیا ہے۔ مفصل بحث مطولات میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہلحدیث کا اس میں اتفاق ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہے۔

ایمان کم و بیش ہوتا ہے یا نہیں؟ ⇦ اس سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہوا کہ ایمان بڑھتا گھٹتا ہے یا نہیں؟۔

جو لوگ ایمان میں عمل داخل جانتے ہیں وہ تو کمی و بیشی کے قائل ہیں۔ چنانچہ اہلحدیث کا یہی مذہب ہے۔ جو لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں جانتے جیسے فرقہ مرجیہ اور بعض حنفیہ اور بعض متکلمین تو وہ بڑھنے اور گھٹنے کے بھی قائل نہیں ہیں بلکہ جملہ انبیاء عظام و اولیاء کرام و مومنین صالحین و فرشتگان کا ایمان اور فاسقین و فاجرین و تارکین ارکان اسلام جو زبانی کلمہ گو ہیں' ان کا ایمان یکساں جانتے ہیں۔ فقہ اکبر وغیرہ ملاحظہ ہو۔ اسی واسطے شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے حنفیہ کو فرقہ مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ایمان کا کم و بیش ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سلف صالحین حضرت ابن عباس و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہ سے صاف منقول ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا ہے بلکہ سلف کا اس پر اجماع ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ عقیدہ اہل سنت میں فرماتے ہیں:

"هذه مذاهب اهل العلم واصحاب الاثر واهل السنة المتمسكين بعروتها المعروفين بها المقتدى بهم فيها من لدن اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا وادركت من علماء الحجاز والشام وغيرهم عليها فمن خالف شيئا من هذه المذاهب او طعن فيها اوعاب قائلها فهو مخالف مبتدع وخارج من الجماعة زائل من منهج السنة وسبيل الحق فكان قولهم ان الايمان قول وعمل ونية وتمسک بالسنة والايمان يزيد وينقص يستثنى فى الايمان غير ان لا يكون الاستثناء شكا انما هو سنة ماضية عن العلماء فاذا سئل الرجل امومن انت فانه يقول امنت بالله وملئكته وكتبه ورسله ومن زعم ان الايمان لايزيد ولا ينقص فقد قال بقول المرجئة ومن زعم ان ايمانه كايمان جبرائيل اوالرسول صلى الله عليه وسلم اوالملئكة فهو جهمى ومن زعم ان الايمان قول بلا عمل فهو مرجئى۔ انتهى" (ص-۴۰۳)

یعنی جملہ اہل علم اور اہلحدیث اور اہل سنت کا جو کہ سنت کی رسی کو مضبوط پکڑنے والے ہیں۔ اور اس کے ساتھ مشہور ہیں جن کی اس بارہ میں اقتداء اور پیروی کی جاتی ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک یہ مذہب ہے اور اسی مذہب پر میں نے حجاز اور شام اور دوسری جگہ کے علماء کو پایا ہے' پس جو کوئی شخص ان

عقیدوں میں سے کسی ایک کا بھی خلاف کرے یا اس پر طعنہ دے یا اس کے قائل پر عیب گیری کرے وہ مخالف بدعتی اور اہل سنت والجماعت اور اہلحدیث سے خارج ہے ان کا مذہب یہ تھا کہ ایمان نام ہے قول اور عمل اور نیت اور عمل بالسنۃ کا اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور ایمان میں انشاء اللہ کہہ سکتے ہیں اور یہ شک کے لیے نہیں ہوتا بلکہ علماء سلف کا طریقہ ہے کہ جب کسی شخص سے سوال کیا جائے کہ تو مومن ہے؟ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ ہاں میں انشاء اللہ مومن ہوں یا مجھے امید ہے کہ میں مومن ہوں اور کہے کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور جو شخص کہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں' اس نے مرجیہ کی بات کہی اور جو شخص یہ کہے کہ اس کا ایمان' جبرائیل یا رسول ﷺ یا ملائکہ کے ایمان کے برابر ہے وہ بھی ہے اور جو شخص کہے کہ ایمان فقط قول کا نام ہے بغیر عمل کے وہ مرجیہ ہے۔

نیز صفحہ۔۱۲' ۱۳ پر فرمایا ہے:

"والمرجية وهم الذين يزعمون ان الايمان مجرد التصديق وان الناس لا يتفاضلون فى الايمان وان ايمانهم وايمان الملائكة والانبياء صلوات الله عليهم واحد وان الايمان لا يزيد ولا ينقص وان الايمان ليس فيه استثناء وان من امن بلسانه ولم يعمل فهو مومن حقا هذ اكله قول المرجئة وهو اخبث الاقاويل- انتهٰى"

یعنی مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور لوگ ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتے اور ان کا ایمان اور فرشتوں اور نبیوں کا ایمان یکساں برابر ہے اور ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اور ایمان میں انشاء اللہ نہیں کہہ سکتے اور جو شخص زبان سے ایمان لائے اگرچہ کوئی عمل نہ کرے وہ پکا مومن ہے۔ یہ کل مرجیہ کا عقیدہ ہے اور یہ بڑا خبیث عقیدہ ہے۔

نماز ایمان میں داخل ہے یا نہیں؟ ⇦ اگر عمل داخل ایمان ہے تو نماز سب سے اول نمبر پر داخل ہو گی' کیونکہ یہ سب عملوں سے عظیم الشان ہے۔ جو بندہ اور کفر کے درمیان فرق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کو ایمان میں داخل قرار دیا ہے اور ثبوت میں آیت ـــــ' پارہ نمبر۔۲ "وما كان الله ليضيع ايمانكم" پیش کی ہے جس

کی حدیث براء سے تفسیر کی ہے کہ ایمان سے نماز مراد ہے۔

اب غور کریں کہ اس آیت میں نماز کو ایمان کیوں قرار دیا۔۔۔۔۔؟

دیگر علماء اہل حدیث تو یہی کہتے ہیں کہ نماز چونکہ ایمان کی جزو اعظم ہے اس لیے کل کہہ کر جزء مراد لیا گیا ہے۔ جیسے سورہ فاتحہ نماز کا جزء اعظم ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس واسطے حضور ﷺ نے حدیث "قسمت الصلوة" میں فاتحہ کو نماز قرار دیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاتحہ کو ایمان کہہ سکتے ہیں' کیونکہ فاتحہ نماز ہے اور نماز ایمان ہے۔ نتیجہ صاف ہے کہ فاتحہ ایمان ہے' کیونکہ اس میں تمام اجزائے ایمان کا مجملا" ذکر ہے۔ جس کی تفصیل تمام قرآن ہے' اسی واسطے اس کو ام القرآن کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ صاف ارشاد ہے:

"انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم ایاتہ زادتہم ایمانا وعلی ربہم یتوکلون الذین یقیمون الصلوة ومما رزقنہم ینفقون اولٰئک ہم المومنون حقا۔" (الآیہ)

یعنی "مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈرتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ کرتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ پکے مومن ہیں۔"

اس آیت میں مومنوں کی صفت اقامت نماز وغیرہ قرار دی گئی ہے۔

پارہ نمبر۔۱۸ میں ہے: **"قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون"** یعنی خلاصی پائیں گے مومن جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اس آیت سے آگے ایمانداروں کے دیگر اعمال شمار کر کے پھر فرمایا:

"والذین ہم علی صلوتہم یحافظون" یعنی وہ مومن نجات پائیں گے جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

پس ان تینوں آیتوں میں نماز ہی کو دو دفعہ ایمان داروں کا وصف قرار دیا گیا ہے۔

سورہ حجرات میں صاف وارد ہے:

"انما المومنون اخوۃ" یعنی سب مومن بھائی ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین" یعنی اگر توبہ کر کے نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے بھائی ہیں۔

آیت اولیٰ میں جملہ مومنین کو بھائی قرار دیا ہے اور دوسری آیت میں توبہ اور اقامت نماز اور ادائگی زکوۃ پر اخوت کو معلق کیا ہے۔

اب صریح طور پر سنئے سورہ سجدہ میں ہے:

"انما یومن بایاتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون" یعنی ہماری آیتوں پر ایمان وہی رکھتے ہیں جب ان کو نصیحت کی جائے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

اور اس سے آگے دوسری آیت بھی ملالیں اور پھر سوچیں کہ ایمان کون سا معتبر ہے؟ اور ایمان دار کی کیا صفت ہے؟ اور کیا بے نماز ایماندار ہو سکتا ہے؟

اس کے علاوہ سنئے۔ حدیث وفد عبدالقیس میں یوں وارد ہے:

"قال اتدرون ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس" (الحدیث)

یعنی حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ جانتے ہو تم اللہ پر ایمان لانا کس طرح ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور رسول ﷺ خوب جانتے ہیں' ۔۔۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا' گواہی دینا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ دینا۔

اس حدیث میں ایمان کی تعریف جو کی گئی ہے' اس میں اقامت نماز بھی داخل ہے اور یہی اسلام کی تعریف ہے۔

اسلام اور ایمان کا استعمال شرع میں عموماً ایک ہی چیز ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے:

"لا یدخل الجنة الا نفس مسلمة" یعنی جنت میں مسلمان ہی جائے گا۔

دوسری جگہ وارد ہے: "لا یدخل الجنة الا المومنون" یعنی جنت میں مومن ہی جائیں گے۔

اور جاننا چاہیے کہ بے نماز بمنطوق آیات قرآنی و احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کافر ہے۔

جو صاحبان بے نماز کو مومن بنانا چاہتے ہیں اس کے ایمان پر کوئی دلیل نہیں رکھتے' جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سب مفہوم ہے اور مفہوم پر منطوق مقدم ہوتا ہے' واللہ اعلم۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث جلد-۱۴' شمارہ-۱۶' بمطابق ۲۷ر اکتوبر' ۳ر نومبر سنہ-۱۹۶۱ء

دو سوالات اور ان کے جوابات

میاں عبدالرشید صاحب! وعلیکم السلام

آپ کا مکتوب متضمن بہ سوالات موصول ہوا۔ آپ کے شہر میں بڑے علماء کرام موجود ہیں، جن کو میں بخوبی جانتا ہوں۔ خصوصاً مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی مدظلہ العالی جو میرے مذہبی اخوان اور خاص مہربان احباب سے ہیں۔ آپ ان سے مل کر بالمشافہ گفتگو کریں اور اپنے سوالات و شبہات حل کروالیں اور ان سے فیوض علمیہ حاصل کریں۔ ہاں جس مسئلہ میں ان کا مسلک میرے خلاف، اس کا جواب میرے ذمے ہے۔ آپ ضرور حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب موصوف سے مل کر میرا ہدیہ سلام پیش کریں۔

——— سوالات کے جوابات نمبروار درج ذیل ہیں ———

سوال نمبر ۱: آپ نے ایک مضمون میں بے نماز مشرک سے مناکحت ناجائز قرار دی ہے۔ اور اس کو کافر خارج از اسلام لکھا ہے۔ اس پر سوال ہے کہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ کلمہ گو اور ذرہ بھر ایمان والے کو دوزخ سے آنحضرت ﷺ نکالیں گے۔ بے نماز کلمہ گو امتی ہے، جس کی شفاعت ہو گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کافر مخلد فی النار نہیں ہے۔ (عبدالرشید، سیالکوٹ)

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مشکوٰۃ باب الشفاعۃ میں ہے: "**فاخترت الشفاعة وهی لمن مات لایشرک بالله شیئا**" (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ نصف امت جنت میں لے جاؤ، یا شفاعت کو اختیار کر لو۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا ہے۔ یہ اس شخص کے لیے ہو گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا ہے۔"

پس بے نماز مشرک اور کافر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "**کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لایرون شیئا من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوٰة**" (رواہ الترمذی) (ترجمہ) "نبی ﷺ کے صحابہ اعمال میں سے کسی شے کے ترک کو کفر نہیں

سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو کفر جانتے تھے۔"

پس جب بے نماز کافر و مشرک ٹھہرا اور اس کے کفر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے تو حدیث شفاعت اس کو شامل نہیں ہے۔ اس کا کلمہ ایمان اعمال حبط ہیں۔ دوسری حدیث شفاعت یہ ہے: "قال شفاعتی لاهل الکبائر من امتی" (ترجمہ) "میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے کبیرہ گناہ کیے ہیں۔"

بے نماز ان میں شامل نہیں ہے' کیونکہ وہ کافر و مشرک اور خارج از اسلام ہے۔ اہل کبائر جو کافر نہیں ان کے لیے شفاعت ہے۔

تیسری حدیث شفاعت میں یہ ہے: کہ اللہ تعالیٰ جن کلمہ گو گنہگاروں کو دوزخ سے نکال کر آب حیات کی نہر میں ڈالے گا ان کی صفت یہ ہے: "ان یخرجوا من کان یعبداللّٰہ فیخرجونهم ویعرفونهم باثار السجود وحرم اللّٰہ تعالٰی علی النار ان تاکل اثر السجود فکل ابن آدم تاکله النار الا اثر السجود فیخرجون من النار" (ترجمہ) "فرشتوں کو حکم ہو گا کہ ان کو نکالیں جو اللہ کی عبادت کرتے تھے' مگر دیگر گناہ کی سزا پا رہے ہیں۔ چنانچہ ان کو سجدہ کی نشانیوں سے پہچان کر دوزخ سے نکالیں گے۔ اللہ تعالیٰ آگ پر حرام کر دے گا کہ جن اعضاء سے سجدہ کیا ہے' ان کو جلائے۔ پس آگ تمام ابن آدم کو کھا جائے گی' مگر نشان سجود کو نہ کھا سکے گی۔"

اس سے ظاہر ہے کہ نمازی گنہگار شفاعت سے دوزخ سے باہر نکالے جائیں گے جن کی نشانیاں ہوں گی' بے نماز کافر مشرک نہیں نکالے جائیں گے' کیونکہ یہ کفار فرعون' ہامان وغیرہ کے ساتھ بے نشان پڑے ہوں گے۔ ان کا نکالنا ثابت نہیں ہے۔

اگر بے نماز کافر کا صحیح طور پر سے نکالنا ثابت ہو تو پھر تسلیم کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ کفار کے ہمراہ ہیں' ان کا نکالنا ثابت نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ اگر کلمہ گو بے عمل کی روایات کو سامنے رکھا جائے تو اس سے زمانہ کے لوگ مراد ہوں گے جو ایسی جہالت کی جگہ میں رہے کہ ان کو کلمہ پڑھا کر کسی نے نماز نہ سکھلائی اور نماز کی اہمیت ظاہر نہ کی پھر وہ اپنے اخلاقی اور عرفی مظالم کی سزا میں دوزخ میں داخل ہوئے تو وہ نکالے جائیں گے۔ جس کو نماز کا پورا حکم پہنچ گیا اور نماز سکھلائی گئی یا سکھلانے اور سیکھنے کا حکم دیا

گیا اور اس کی اہمیت جتائی گئی' پھر اس نے عمداً نماز کو ترک کیا یا نہ سیکھا اور نہ پڑھا تو وہ کافر خارج از اسلام ہو کر دائمی جہنم کے مستحق ہوئے۔ ان کے لیے شفاعت نہ ہو گی۔ اس طرح اور صورتیں بھی ہیں جن پر یہ روایات محمول ہو سکتی ہیں' کیونکہ یہ روایات مجملہ ہیں اور احادیث کفر بے نماز صریحہ ہیں کہ وہ کافر ہے دوزخ میں' فرعون' قارون وغیرہ کے ہمراہ ہو گا۔ جس طرح منافق کے کلمات ایمان کا اعتبار نہیں ہے۔ بے نماز کے کلمہ اور ایمان کا بھی اعتبار نہیں ہے کہ کفر بواح ہے جس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ بے نماز کو مرتد قرار دیا گیا ہے۔ عبداللہ بن ابی کلمہ گو مسلمان تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس کا جنازہ بھی اسی بنا پر پڑھا تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو کافر قرار دے کر جنازہ سے آئندہ کے لیے ممانعت فرما دی' فافہم۔

سوال نمبر۔۲: دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ وہ کافر و مشرک ہیں تو بے نماز کافر و مشرک سے نکاح کیوں جائز نہیں ہے؟

جواب: اہل کتاب کی عورتیں نکاح سے مسلمانوں پر حلال ہیں۔ ان کا ذبیحہ بھی درست ہے۔ یہ قرآن میں آچکا ہے۔ حکم خاص ہے' جس میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

دیکھو کتے کا جوٹھا پلید اور حرام ہے' مگر بلی کا پاک اور حلال ہے' حالانکہ دونوں حرام اور مردار خور ہیں۔ کتے اور ...... خنزیر کا بیچنا حرام ہے مگر گدھے کا بیچنا حلال اور درست ہے۔ اسی طرح حائضہ و نفاس والی عورت کو نماز معاف ہے' مگر روزہ اور حج معاف نہیں ہے۔

اسی طرح بہت احکام ہیں کہ ان میں فرق رکھے گئے ہیں اور کئی احکام ہیں کہ وہ یکساں ہیں مگر حکم جدا جدا ہے اور قیاس کے خلاف ہے۔ ہمیں شرع کی پابندی کرنی فرض ہے۔ مرزائی کافر مشرک سے مناکحت حرام ہے۔ اہل کتاب نصاریٰ' یہود سے حلال ہے۔ بے نماز مشرک و کافر و مرتد ہے۔ اس سے مناکحت حرام ہے۔ یہ اس امت کا ہے اور اہل کتاب گو کافر و مشرک ہے مگر دوسرے نبیوں کی امت سے ہے اس لیے اس سے شرع نے مناکحت جائز قرار دی ہے۔ نکاح میں ہو تو اس کو تبلیغ کرو' لیکن جبر نہ کرو کہ قرآن میں لا اکراہ فی الدین وارد ہے۔

حضرت لوط اور نوح علیہم السلام کی بیویاں کافرہ تھیں۔ ان کو نبیوں کے نکاح میں رکھا گیا تھا' مگر ہماری شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ولا تنکحوا المشرکات اور ولا تنکحوا المشرکین وغیرہ آیات عامہ قرآن میں ہیں۔ ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر اہل کتاب بسم اللہ کہہ کر جانور ذبح کر دے تو ذبیحہ حلال ہے۔ اگر آریہ' سناتن' دھری بسم اللہ کہہ کر جانور ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہے۔ اسی طرح بے نماز کافر ہے اور اسلام میں مرتد ہے اور اس سے مناکحت اور نیز اس کا ذبیحہ اور جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدالقادر الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد۔۔۔' شمارہ۔۔۔ بمطابق ۹ر دسمبر ۱۹۶۵ء

فرقہ مبتدعین کی اختراعی شریعت

شریعت کیا چیز ہے؟ ⇐ اس کے متعلق نورالانور میں ہے "والاولی ان یکون الشرع اسما للدین فلا یحتاج الی التاویل" (یعنی شریعت دین کا نام ہے جو تاویل کا محتاج نہیں ہے) (ص-۶) توضیح تلویح میں ہے "الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع" (یعنی شریعت وہ ہے جو خطاب شارع ہی سے معلوم ہو اور بغیر اس کے معلوم نہ ہو سکے۔) بغیر خطاب شارع اور اذن الٰہی کے کسی کو اپنی طرف سے شریعت بنانا شرک ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "ام لہم شرکاء شرعوا لہم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" (یعنی کیا ان منکرین شرع الٰہی کے لیے کوئی ایسے شریک ہیں جنہوں نے بغیر حکم الٰہی کے ان کے لیے شریعت بنا دی ہے۔) کیونکہ شریعت مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک (الآیہ) (یعنی ہم نے تمہارے لیے اسی دین کو شریعت بنایا ہے جس کی ہم نے نوحؑ کو وصیت کی اور وہ جو آپ کی طرف وحی کی۔) پس جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے شریعت مقرر کی اس کا آنحضرت ﷺ کو پابند کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے "ثم جعلناک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لایعلمون" (یعنی ہم نے آپ کو شریعت اسلامیہ پر قائم کر دیا ہے آپ اسی کی اتباع کرتے کراتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو اس شرح کے علم سے جاہل ہیں) حکم چونکہ اللہ تعالیٰ کا نافذ ہے اور نبی اکرم ﷺ اس حکم کے مبلغ ہیں جیسے "بلغ ماانزل الیک من ربک" میں امر وارد ہے اس لیے اور کوئی اپنا حکم شرع الٰہی میں جاری کرنے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ "ولا یشرک فی حکمه احدا" (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا) فرما کر اسی شراکت کی نفی کی گئی ہے۔ اس لیے آنحضور ﷺ نے بزبان قرآن فرمایا کہ "ان اتبع الا مایوحی الی" (یعنی میں تو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں) اور خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ "وما ینطق عن الهوی ○ ان هو الا وحی یوحی" (یعنی ہمارا رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہی بیان کرتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے) اور ہم کو بھی یہی حکم ہے کہ جو ہمارے نبی کے ذریعہ ہم پر

وحی کی گئی ہے' اس کی پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے "اتبعوا ماانزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء" اب آنحضور ﷺ کو جو شریعت بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے وہ کہاں ہے؟ اور کس جگہ سے اس کو تلاش کریں؟ اس کے متعلق یہ ارشاد نبوی ہے کہ ..... "اوتیت القرآن ومثله معه" (یعنی میں قرآن اور قرآن جیسی اس کے ساتھ دوسری چیز دیا گیا ہوں) اس سے دو چیزیں ظاہر ہیں اور دونوں کی آپ امت کو تعلیم دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے "یعلمهم الکتاب والحکمة" (یعنی وہ رسول لوگوں کو قرآن اور حکمت سکھاتا تھا) قرآن کا منزل ہونا تو ظاہر ہے حکمت کی بابت بھی یہ ارشاد ہے "ذالک مما اوحیٰ الیک ربک من الحکمة" (یعنی یہ اسی حکمت کا مسئلہ ہے جس کی آپ کو خدا نے وحی کی ہے۔) ان دلائل سے جن دو چیزوں کا وحی کے ذریعہ نازل ہونا اور نبی اکرم ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعلیم و علم میں آکر ان کا معمول بہا ہونا ثابت ہوا' وہی آنجناب ﷺ اپنی تمام امت کو ترکہ میں گویا ورثہ میں دے گئے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب الله وسنة نبیه الحدیث" (رواہ الحاکم و قال صحیح الاسناد) (یعنی میں نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی حدیث ہے۔) اس واسطے محدثین نے حکمت کی تفسیر حدیث سے کی ہے۔ پس شریعت الٰہی کتاب و سنت میں ہے' جس پر تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ محدثین و مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین و علما اہل حدیث قائم رہے اور آج بھی بفضلہ تعالیٰ قائم ہیں اور یہ شریعت کامل و مکمل ہے' نہ اس میں سے کوئی چیز کم کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں کوئی چیز بڑھائی جا سکتی ہے۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ کے بعد جب افتراق شروع ہوا تو ہر نئے فرقہ نے اس سے کوئی چیز کم کر دی یا بڑھا دی لیکن اہل حدیث ہمیشہ سے یہ کہتے رہے ہیں ۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

مذاہب اربعہ اور احادیث کا بٹوارہ ⇦ چہارم صدی میں ائمہ اربعہ کے نام پر

باوجود ان کی ممانعت کے چار فرقے مقرر ہو گئے جس سے دین میں رخنہ پڑ گیا ؎

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی اند اختند

اس فرقہ بندی کا یہ انجام ہوا کہ احادیث نبویہ کا بٹوارہ کر لیا گیا جو حدیث کسی فرقہ کے موافق تھی اس کو اس نے لے لیا اور مخالف کو چھوڑ دیا' جس سے ہر فرقہ پوری شریعت پر عمل نہ کر سکا اور اس کو حدیث نبوی کے ساتھ اپنے امام اور ان کے شاگرد اور شاگردان کے شاگردوں کے اقوال اور آراء کو ملا کر نئی شریعت بنانی پڑی۔ امام شعرانی نے کشف الغمہ ص۔۱۳ میں یہ صحیح شہادت دی ہے کہ "والمذهب الواحد بلا شک لا يحتوى علىٰ كل احاديث الشريعة" (یعنی ایک مذہب بلاشبہ تمام احادیث شرعیہ پر حاوی نہیں ہو سکتا۔) میزان کے ص۔۲۳ میں صاف طور پر یہ فرماتے ہیں "لايكمل لمؤمن العمل بالشريعة كلها وهو متقلد بمذهب واحد ابدا" (یعنی اگر ایک مذہب کا التزام کرے اور تقلید شخصی کا پابند ہو تو کوئی مومن تمام شریعت الٰہی پر عمل نہیں کر سکتا۔) یہ اس وقت ہو گا جب ایک امام مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمہ اللہ کا تو اس پر ہمیشہ قائم رہنا اس کو لازم ہوا وہ کسی ایک مسئلہ میں بھی کسی غیر کی تقلید نہیں کر سکے گا۔ تفسیر احمدی میں بھی اسی طرح ہے پس یہ پابندی اور تقلید تشریع شرع جدید ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت مع شرح بحرالعلوم مطبوعہ نو لکشور ص۔۴۲۸ میں ہے۔ "اذ لا واجب الا ما اوجبه الله تعالىٰ والحكم له ولم يوجب علىٰ احد ان يتمذهب بمذهب رجل من الائمة فايجابه تشريع شرع جديد" (یعنی نہیں واجب ہے مگر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا کیونکہ حکم اسی کا ہے۔ اللہ نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا ہے کہ وہ اماموں میں سے کسی ایک امام کا مذہب لازم کر لے پس اس کا واجب کرنا ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔)

اول تو مقلدین نے تقلید شخصی اور التزام مذہب واحد سے شرع جدید بنائی پھر طریقت کے لحاظ سے کئی گروہ ہو گئے مجددی' نقشبندی' قادری' چشتی' نوشاہی اپنے اپنے سلسلے قائم کر لئے اور طریقت کا طرز عمل شریعت ظاہرہ کے خلاف ہر سلسلہ کا شروع ہو کر فرقہ بندی کا موجب ہوا پھر ان میں کئی متجدد اور مجتہد ایسے پیدا ہوئے کہ انہوں نے

اپنے اپنے مذہب میں تجدید کر کے ایک نئی شریعت بنا لی۔ چنانچہ ایک مجدد البدعات بریلی میں پیدا ہوئے تو انہوں نے تکفیر کی مشین گن ایسی چلائی کہ سب مسلمانوں کو کافر بنا کر اسلام سے خارج ٹھہرایا اور اپنی نئی شریعت بنائی۔ اب جو شخص اس شریعت کا پابند ہے وہ مسلمان ہے' دوسرا اس کے خیال میں کافر ہے۔ اس لیے اس تمہید کے بعد ہم اس شریعت کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ عوام کو اس شریعت کی پوری حقیقت ظاہر ہو جائے۔ ان ارید الا الاصلاح۔

"میری کتابوں میں جو میرا مذہب ہے اس کو لازم پکڑو"

آج تک جس قدر ائمہ دین ہوئے ہیں کسی نے یہ اعلان یا حکم نہیں کیا کہ میرا مذہب جو میری کتابوں میں ہے اس کو لازم پکڑو کیونکہ یہ اصول مسلم ہے کہ انبیاء کے بغیر کوئی معصوم نہیں ہے۔ ہر مجتہد امت سے غلطی کا امکان ہے۔ "المجتھد قد یخطی ویصیب" مقولہ مشہور ہے یعنی مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی درست کہتا ہے بلکہ نبی بھی اپنی رائے میں بوجہ بشریت کبھی غلطی کرتا ہے مگر اس کی خدا تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے اس لیے اس کا غلطی پر استقرار نہیں رہتا۔ یہی معصوم ہونے کا معنی ہے اور غیر نبی سے غلطی ہو تو وہ ہمیشہ اس پر قائم رہ سکتا ہے یہی غیر معصوم ہونے کا مطلب ہے۔ چنانچہ نور الانوار ص۔ ۲۱۴ میں ہے۔ "وان کان اخطا فی الرای ینزل الوحی للتنبیه علی الخطاء وما تقرر علی الخطاء قط بخلاف سائر المجتھدین فانہم ان اخطاؤ ایبقی خطاؤھم الی یوم القیامۃ" (یعنی اگر رسول رائے میں خطا کرے تو وحی نازل ہو کر اس خطا پر تنبیہہ کر دیتی ہے جس سے رسول خطا پر برقرار نہیں رہ سکتا اس کے برخلاف اگر دنیا کے تمام مجتہدین خطا کریں تو ان کی خطا قیامت تک باقی رہ سکتی ہے) (کیونکہ ان کی حفاظت تبلیغ کا ذمہ خدا تعالیٰ نے نہیں لیا ہے۔)

اس بناء پر تمام مجتہدین نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ ہمارے اقوال کی جب تک دلیل معلوم نہ کرلیں ان پر ہرگز فتویٰ نہ دیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی" (یعنی جو شخص میرے کلام کی دلیل معلوم نہ کرے اس کو میری کلام سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے) اور کلمات طیبات سے منقول ہے کہ میرا مذہب صحیح حدیث ہے اور میزان شعرانی ص۔ ۳۳ میں ہے کہ لوگو!

اس بات سے بچو کہ دین میں کوئی بات رائے سے کہو تم حدیث کی پیروی کو لازم پکڑو کیونکہ جو حدیث سے باہر گیا وہ گمراہ ہوا۔ اسی طرح سب آئمہ نے فرمایا ہے لیکن مجدد البدعات اور ان کی امت کا مذہب اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم حنفی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں' اس لیے ان کے فرمان پر اکتفا ہے۔ ملفوظات مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی حصہ دوم ص-۲۴ میں ہے۔ "اگرچہ کتب فقہ حنفیہ میں قول صاحبین پر بھی فتویٰ ہے مگر اصح و احوط و اقدم قول سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ ہے اور فقیر کا معمول ہے کہ کسی مسئلہ میں بے خاص مجبوری کے قول امام سے عدول گوارا نہیں کرتا (تا آخر) ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی نہ شیبانی۔" اس سے ظاہر ہے کہ خان صاحب حنفی ہیں اور مقلد ہیں مجتہد نہیں ہیں۔ اصول فقہ میں یہ لکھا ہے کہ مقلد کے لیے اس کے امام کا قول سند ہوتا ہے اس کی اپنی رائے کچھ وقعت نہیں رکھتی اور امام صاحب کا فرمان یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب تک میرے قول کی دلیل معلوم نہ کرو تو اس پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ لیکن بایں ہمہ خان صاحب کی لوگوں کو یہ وصیت ہے کہ "میرا دین و مذہب جو میری کتاب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصایا شریف ص-۱۰)

یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے جو آج تک کسی مجتہد نے نہیں کیا چہ جائیکہ ایک مقلد شخص کرے جو مجتہدین کے مقابلہ میں ایک عامی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ میزان کبریٰ مصری جلد-۱' ص-۸۸ میں ہے۔ "**فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على العامي لا لا يضل في دينه**" (یعنی علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ عامی پر تقلید واجب ہے تاکہ وہ دین میں گمراہ نہ ہو) جب خان صاحب بریلوی عامی مقلد ہیں تو ان کو اپنے امام سے بڑھ کر یہ وصیت کرنے کا کیا اختیار ہے کہ لوگوں کو اپنی کتابوں کے مذہب کا مقلد بنانے کے لیے کہے کہ ہر فرض سے اہم فرض ہے کہ جو مذہب میرا میری کتابوں سے ظاہر ہو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہو گا۔ سب سے اہم فرض تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ اس کے برابر غیر کی اطاعت کس طرح ہو سکتی ہے؟ یہ وصیت بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ خان صاحب بالکل معصوم نہیں ہیں۔ ان کی کتابوں میں خطا کا امکان کیا خطا در خطا موجود ہے اور انہوں نے جملہ عقائد اور اعمال

اور اقوال میں اپنی جدید شرع بنائی ہے پھر ان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو ایک اختراعی اور بدعی شرع کی طرف دعوت دیں ؂

یہ دین خدا کی غیر کو دعوت کریں گے کیا
خود گم ہیں غیروں کو ہدایت کریں گے کیا

حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق مرد اور عورت ساٹھ برس تک عبادت کریں پھر ان کو موت حاضر ہو اور وہ مرتے ہوئے ایسی وصیت کر جائیں جو مضر ہو تو ان کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہے۔ اس لحاظ سے یہ وصیت موجب عذاب ہے کیونکہ خان صاحب کی کتابوں میں کفروشرک کے علاوہ دیگر مسائل باطلہ قیاسیہ اور تکفیر مسلمین کی بھرتی ہے جو ان کتابوں پر عمل کرے گا وہ بدترین قسم کا گمراہ ہو گا۔ چنانچہ ہم کچھ مسائل مشتے از خروارے بطور نمونہ ان کی تصنیفات سے پیش کرتے ہیں اور پھر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ شرع محمدی ﷺ کے مسائل نہیں ہیں' شریعت بریلوی کے ہیں۔

مشینی تکفیر کا ایک حملہ ⇦ دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے زیادہ خبیث تر مرتد منافق' رافضی' وہابی' قادیانی' نیچری' چکڑالوی کہ کلمہ پڑھتے ہیں' اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں بلکہ وہابی قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں اور دیوبندی کتب فقہ کے ماننے میں شریک ہوتے ہیں ان کی اس کلمہ گوئی اور ادعائے اسلام اور افعال و اقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارنے ہی نے ان کو اخبث اور ہر کافر اصلی' یہودی' نصرانی' بت پرست' مجوسی سب سے بدتر کر دیا ہے۔ (احکام شریعت ج ۱' ص ۶۹)

یہ مجدد البدعات کا مہذبانہ فتوئی ہے۔ اس میں یہ باتیں قابل غور ہیں کہ وہابی اور دیوبندی قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں' کلمہ گو ہیں۔ ادعائے اسلام بھی رکھتے ہیں اور افعال اور اقوال میں مسلمانوں کی نقل بھی اتارتے ہیں پھر بایں ہمہ وہ اصلی کافر (ہندو) یہودی' نصرانی' بت پرست' مجوسی سے بدتر کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خان صاحب کی اس شریعت کے انکاری ہیں جو انہوں نے شریعت اسلامیہ کے خلاف گھڑی ہوئی ہے۔ جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں اور کوئی وجہ نہیں

اچھا! ؎

کر لیں یہ گمراہ گمراہی کی اپنی دھوم دھام
جب تلک مہدی کے لشکر کا پتہ لگتا نہیں

مشین تکفیر کا دوسرا حملہ ⇦ تجانب اہل السنہ من اہل الفتنہ جس کو خان صاحب نے بذریعہ مولوی حشمت علی صاحب بریلی سے شائع کیا تھا اور اس سے حکومت انگریزی کو خوش کیا تھا' اس کے صفحہ-۲۵۴ میں ہے "وہابیہ' دیوبندیہ' قادیانیہ و روافض و نیاچرہ و خاکساریہ و چکڑالویہ و احراریہ و جٹوھاریہ (جماعت حسن نظامی دہلوی) آغاخانیہ و وہابیہ غیر مقلدین (اہل حدیث) وہابیہ نجدیہ (حکومت سعود) و لیگیہ غالیہ (قائداعظم کی سیاسی جماعت) و صلح کلیہ غالیہ اپنے عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بناء پر بحکم شریعت قطعاً" یقیناً اسلام سے خارج اور کفار و مرتدین ہیں جو مدعی اسلام ان میں سے کسی کے قطعی یقینی کفر پر یقینی اطلاع رکھتے ہوئے بھی اس کو مسلمان کہے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا ان کو مرتد کہنے میں توقف کرے وہ بھی یقیناً کافر مرتد ہے اور بے توبہ مرا تو مستحق نار ابد۔

اس حملہ میں سیاسی اور مذہبی جماعتیں سب نشانہ میں آگئی ہیں' کوئی باقی نہیں رہا۔ اس سے انگریز تو بہت خوش ہو گئے ہوں گے مگر تمام اہل اسلام عرب و عجم کے ان مجدد البدعات اور ان کی امت سے سخت متنفر ہو گئے ہیں اور اس تکفیر عامہ سے یہ مکفرین جو اس تکفیر کو اپنا رہے ہیں اور ان کے رئیس المکفرین خود اس حدیث نبوی ﷺ کے گولہ آسمانی سے تباہ ہو کر مستحق نار ابدی ہو گئے ہیں کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے "لایری رجل رجلا بالفسق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک" (رواہ البخاری) (یعنی جب کوئی شخص کسی شخص کی طرف فاسق ہونے یا کافر ہونے کا تیر پھینکتا ہے تو اگر وہ اس کا مصداق نہ ہوا تو کفر یا فسق کا تیر پھینکنے والا خود اپنے تیر کا شکار ہو جاتا ہے۔) پس یہ مکفرین اپنے تکفیر کے تیروں کا خود شکار ہو گئے ہیں ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بہرکیف خود ساختہ شریعت کفریہ کے مرکز سے صدر و ناظم و ارکان انجمن تکفیر نے

جب جملہ اہل اسلام کی تکفیر کر دی تو ملک کو مذہبی فضا میں وہ فساد و خرابی پیدا ہو گئی جو آج تک درست نہیں ہوئی کیونکہ اس میں پیروں اور مشائخ طریقت محدثہ کا عوام پر بڑا اثر تھا اور حکومت انگریزی کا تعاون تھا اس لیے فساد کفر کی آندھی چاروں طرف پھیل گئی ؎

گر بہ میرو سگ وزیرو موش را دیواں کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

خدا بھلا کرے فوجی حکومت کا کہ اس نے ملک پر سیاسی دباؤ ڈال کر امن قائم کر دیا، جس سے تکفیر کے جان بازوں نے مجبور ہو کر جھنڈے تکفیر کے ڈال دیئے، فللہ الحمد۔ مگر عقلمند اور ذی علم یہ تو سمجھ گئے کہ یہ تکفیر شریعت اختراعیہ کی معصبانہ تھی کیونکہ اسلام نے بھی کفر کے درجے رکھے ہیں جو مشرکین کفار کا کفر ہے وہ بہ نسبت کفر اہل کتاب کے بدترین ہے کہ وہ کسی نبی اور رسول اور کتاب الٰہی کے قائل نہیں۔ اس لیے نہ اس سے مناکحت جائز ہے اور نہ ہی ان کی ذبیحہ درست ہے لیکن اہل کتاب کفار کا ذبیحہ بھی درست ہے جبکہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی درست ہے کیونکہ وہ توراۃ، انجیل وغیرہ کتب الٰہی کو مانتے ہیں اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ گو اہل بدعت کی طرح ان کے ایمان کی کیفیت غلط ہے اس نفس ایمان کی بناء پر ان کے کفر کا درجہ منکرین کے مقابلہ میں کم رکھا گیا ہے۔ اس طرح عذاب بھی کم و بیش ہو گا۔ گو سب کفار دائمی جہنمی ہیں مگر بدعتی شرع کا فیصلہ انوکھا ہے کہ کتاب و سنت کی تدریس کرنے والے کلمہ پڑھنے والے اور اقوال و افعال میں مثل مسلمانوں کے عمل کرنے والے بت پرستوں، مجوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں، مرتدوں سے کفر میں بدترین ہیں۔ یہ صریح گالیاں تھیں کوئی فتویٰ نہیں تھا۔ اس کے نظائر میں اور فتوے بے ہودہ بھی ملاحظہ کریں۔

اختراعی شریعت کی معصبانہ نکاح خوانی ⇦ فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح ص۔۲۰ میں ہے "اگر کوئی ہندو مشرک زوجین کا ایجاب و قبول روبرو گواہان کرا دے اور شرائط صحت متحقق ہوں، نکاح ہو جائے گا اگر کوئی غیر مقلد کسی مقلد کا نکاح بموجب شریعت مصطفوی کے پڑھائے تو بحکم فقہ اصلا" مطلق نکاح نہ ہو گا۔"

احکام شریعت حصہ دوم ص-۱۲۴ میں ہے "نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے۔ اگرچہ برہمن پڑھا دے چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہذا احتراز لازم ہے۔" چونکہ ہندو پنڈتوں کی رسومات مجدد البدعات کی شرح سے مشابہت رکھتی ہیں جو مندروں میں کام ہوتے ہیں' انہی نمونہ پر خانقاہوں اور بیاہوں اور ماتموں پر ہوتے ہیں' اس لیے ہم جنس باہم جنس کند پرواز کہ برہمن کا پڑھایا ہوا نکاح روا رکھ لیا اور اگر کوئی غیر مقلد اس شرع بدعیہ کے مقلدین مرد عورتوں کا نکاح پڑھا دے تو ناجائز ہو گا کیونکہ غیر مقلد تو خطبہ مسنونہ پڑھے گا حمدوثنا و درود ـــــ وغیرہ کام کرے گا اور پنڈت اپنے وید منتر پڑھے گا تو برہمن کی تعظیم اس بناوٹی شرع میں جائز ہے اور کلمہ گو موحد مسلمان کی تعظیم جائز نہیں ہے حالانکہ پنڈت اور غیر مقلد دونوں بریلوی شریعت اختراعیہ کے منکر ہیں پھر ایک کی تعظیم حرام اور دوسرے کی مباح کیوں؟ اس لیے کہ ان سے مشابہت ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ یہ تعصب کے عجیب نمونے ہیں' اس لیے آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ "**لیس منامن دعا الی عصبیة ولیس منامن قاتل علی عصبیة ولیس منامن مات علی عصبیة**" (مشکوۃ) (یعنی جو عصبیت کی طرف بلائے وہ بھی ہماری جماعت سے خارج ہے اور جو عصبیت پر مقابلہ کرے وہ بھی ہماری جماعت سے خارج ہے اور جو عصبیت پر مر گیا وہ بھی ہماری جماعت سے باہر ہے۔)

جناب مجدد البدعۃ میں تینوں عصبیتیں کامل تھیں اس لیے وہ آنحضور ﷺ کی جماعت موحدہ سے خارج ہوئے' خارج تو پہلے ہی تھے مگر نفس شرکیہ و بدعیہ عقائد و اعمال سے جو حکم اخراج ہے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے جرائم پر بھی حکم اخراج مزید شامل ہوتے جائیں تو اس طرح قیامت کو سزا بھی مجموعہ کے لحاظ سے زیادہ ہو گی اور داخلہ کی کوئی دلیل بھی باقی نہ رہے گی۔ مثلاً ابلیس کو بروز حشر سب شعبہائے کفر کے لحاظ سے سزا دی جائے گی' تذکرہ دیکھئے! ہم بھی اگر اس تعصب کے معاوضہ میں اس کے برعکس کہہ دیں تو ہم کو بھی اختیار حاصل ہے لیکن تعصب بری چیز ہے ؎

تعصب سے تمیز حق و باطل ہو نہیں سکتی
تعصب میں کوئی مشکل آسان ہو نہیں سکتی

نکاح معاملات کی قسم سے ہے، محض عبادات سے نہیں ہے۔ اس لیے کفار کے باہمی نکاح شرع نے جائز رکھے ہیں پس اگر ہندو مشرک یا بریلوی مشرک کسی اہل سنت مسلمان کا نکاح کرا دے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن کسی بدکار، فاسق، کافر، مشرک بدعتی کو نکاح خوانی کے لیے بلانا اور شامل کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ سوچنے کی چیز ہے اسے بار بار سوچ

متعصبانہ فتویٰ کا مظاہرہ ⇦ ملفوظات حصہ دوم ص-۱۰۵ میں لکھا ہے کہ وہابی دیوبندی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہو گا مسلم ہو یا کافر اصلی، انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہو گا اور اولاد ولد الزنا۔ یہ فتویٰ تعصب سے بھرپور اور نہایت غلیظ ہے اور کوئی عقلمند ان سے دریافت کرے کہ اے شریعت سازو! عقل کے دشمنو! بھلا کسی انسان کا نکاح حیوان سے بھی ہوا ہے؟ نہی اس چیز سے ہوتی ہے جس کا پہلے وجود ہو۔ شائد ان کی اختراعی شریعت میں اس کا رواج ہو گا۔ اچھا سنو! اول تو وہابی دیوبندیوں کو مرتد قرار دینا خود باصول حنفیہ مرتد و کافر ہوتا ہے کیونکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے فتاویٰ عبدالحی جلد-۱، ص-۱۱ تا ص-۱۲ میں کتب فقہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے، گو عقائد اور اعمال فاسد ہوں۔ چنانچہ امام ابن ہمام سے نقل کیا ہے کہ "اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اهل الهواء مع ماثبت عن ابی حنیفه والشافعی رحمهما الله من عدم تکفیر اهل القبلة من المبتدعة کلهم محمدية ان ذالک المعتقد فی نفسه کفر" (یعنی اہل ہویٰ فرقوں کی بابت یہ جان لینا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ اہل ہویٰ کی عدم تکفیر کے قائل ہیں کہ مبتدعین اہل ہویٰ سب محمدی امت ہیں ان کے تکفیر اور کفر کا اعتقاد خود کفر ہے۔)

پھر خواجہ ابوشکور سالمی رحمہ اللہ کی تمہید سے یہ نقل کیا ہے کہ "من قال للمومن یاکافر او شهد بالکفر علی مومن فانه یصیر کافر اوروی عن النبی صلعم انه قال من شهد علی امتی بالکفر فهو اولی به" (یعنی جو مومن کو کافر کہے وہ خود کافر ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری امت میں سے کسی کو کافر کہے وہ خود اس کفر کا مستحق ہے۔) اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے جو یہ فرمایا

ہے کہ میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی جن میں سے بہتر دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے۔ اس حدیث میں امتی کا لفظ ہے جس سے امت اجابت مراد ہے تو یہ اپنی گمراہی اور بدعت کے سبب دوزخی تو ہیں جیسے دیگر اہل کبائر دوزخی ہیں لیکن کافر خارج از اسلام نہیں ورنہ ان کو امتی نہ فرمایا جاتا۔ پس امتی اہل قبلہ کی تکفیر باجماع فقہاء باطل ہے کیونکہ ضروریات دین کا کوئی منکر نہیں ہے اور سب کتاب الٰہی اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے اپنے مذہب کے مطابق نصوص سے استدلال کرتے ہیں اور سب تاویل کرتے ہیں کہ کوئی التزام کفر نہیں کرتا۔ اچھا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ رافضی' دیوبندی' نیچری' مرزائی وغیرہ فرقوں میں کفری اعتقادات ہیں پھر بھی ان کو مرتد کہنا باطل ہے گو کسی کفر کی بناء پر کافر کہنا درست ہو۔ پھر یہ فرقے مثل اہل کتاب کے فرقوں کے ہوں گے جن کی شرع نے تکفیر تو کی ہے مگر ارتداد کا حکم نہیں لگایا۔ مرتد تو اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمان تھا پھر آریہ ہو گیا یا عیسائی ہوا یا یہودی بن گیا یا مثلاً فرقہ مبتدعیہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر یوں خیال کرے کہ کوئی بریلوی تھا پھر دیوبندی ہو گیا تو یہ اصطلاحا" ارتداد قرار دے کر اس کو مرتد کہا جا سکتا ہے لیکن جو مستقل فرقے مدت سے بن چکے اور ان پر پشت در پشت کئی زمانے گزر گئے۔ ان کی کتابیں الگ' ان کے مذہب الگ' ان کے عقائد الگ' ان کے اعمال الگ ہیں جن پر وہ قدیم سے قائم چلے آئے ہیں تو ان کو مرتد کون سی شرعی اصطلاح کی بناء پر کہا جاتا ہے؟ مگر جیسے ان کی شریعت نئی ہے ان کی اصطلاحات بھی نئی ہیں کہ جو ان کے مذہب کا منکر ہو وہ مرتد ہے اس کا نکاح کسی حیوان سے بھی جائز نہیں اور جو ان کی شرع کو مان لے اس کا جائز ہے ؎

نہ پیروی قیس و فرہاد کریں گے
طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اچھا اگر وہابی دیوبندی مرتد ہیں تو پھر ان کے آپس میں نکاح حرام ہونے پر کیا دلیل شرعی ہے؟ یہ تو تم کہہ سکتے ہو کہ ہماری عورتوں سے نکاح حرام ہیں تاکہ تمہارے گھروں کا بندوبست قائم رہے لیکن یہ تم کو کیا حق ہے کہ دوسرے کے نکاحوں پر زبان درازی کرو ؎

مگر آج تم پر کشادہ ہیں راہیں
کہ جن پر چاہیں فتوے لگائیں

نئی شریعت کی متعصبانہ طہارت ⇦

تعصب وہ ہے دشمن نوع انسان
بھرے گھر کئے سینکڑوں جس نے ویراں

فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارت ص-۱۹۱ میں شریعت ساز مجتہد کا فتویٰ یہ ہے کہ "وہابی شیطان، کذابی (دیوبندی) سے بدن لگ جائے تو وضو کی تجدید مستحب ہے۔" حکم استحباب احکام شرع سے ہے اس قیاسی فتویٰ پر کوئی دلیل شرعی ناطق نہیں ہے قیاس کرنا معلم الملکوت کی سنت ہے۔ امام جعفر صادقؒ کا فرمان ہے کہ "اول من قاس ابلیس" یعنی دین میں قیاس نہ کرو کہ اول قیاس شیطان نے کیا تھا۔ البتہ ہندو دھرم کا یہ مسئلہ ہے کہ ملیچھ کا سایہ پڑ جائے تو اشنان کرو۔ ان سے مشابہت تامہ کی بناء پر یہ اصول نافذ کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن استحباب کا تعلق شارع علیہ السلام کے قول و فعل سے ہے، اس عہد میں دیوبندی اور بریلوی کا وجود نہ تھا کہ یہ مسئلہ پیش آیا ہو۔ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ "فما فعله النبی صلعم ولم یواظب علیه مندوب ومستحب وکذا مارغب فیه ولم یفعله کذا فی التحریر وحکمه الثواب بالفعل وعدم اللوم بالترک" (یعنی جو کام نبی ﷺ نے کیا ہو اور اس پر ہمیشگی نہ کی ہو وہ مستحب اور مندوب ہے یا کیا نہ ہو مگر ترغیب دی تو وہ بھی اسی طرح ہے) حکم مستحب کا یہ ہے کہ اس کا کرنا ثواب اور ترک سے عذاب و ملامت نہیں ہے۔ وہابی سے بدن لگ جانے پر نہ نبی نے وضو کیا اور نہ حکم فرمایا تو یہ شارع اصلی پر شارع جعلی نے بہتان لگایا ہے۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں جان لے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر ایک بریلوی وہابی کا جھوٹا پانی بڑے مزے سے پی سکتا ہے اگرچہ وہ اس کی شرع میں کافر ہے اور شریعت الٰہی میں مسلمان ہے کوئی جرح نہیں ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے: "سور الادمی طاهر لا فرق بین الجنب والطاهر والحائض والنفساء والصغیر والکبیر والمسلم والکافر والذکر والانثی یعنی ان الکل طاهر

وطہور من غیر کراھۃ" انتہٰی۔ (یعنی آدمی کا جھوٹا پاک ہے اس میں جنبی اور پاک اور حیض والی عورت اور نفاس والی عورت' بڑے چھوٹے' مسلمان کافر' مرد عورت سب یکساں ہیں کوئی فرق نہیں یعنی وہ جھوٹا پانی بلا کراہت پاک اور پاک کنندہ ہے۔)

امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ "فاذ اثبت طہارۃ الآدمی مسلما کان او کافرا فعرقہ ولعابہ و دمعہ طاہرات سواء کان محدثا او جنبا او حائضا او نفساء وھذا کلہ باجماع المسلمین" (یعنی جب جنس انسان کی طہارت ثابت ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ اور منہ کا لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں خواہ بے وضو ہو یا جنبی ہو یا حائض ہو یا نفاس والی ہو' یہ سب مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ ہے) میں کہتا ہوں کہ خارق اجماع سخت گمراہ اور مجرم ہے لیکن مبتدعین کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔ بہرحال تجدید وضو کے استحباب کا فتویٰ بے دلیل ہے۔ علامہ نووی شرح مسلم ج ۱' ص ۱۴۷ میں فرماتے ہیں کہ "فان المنع والاستحباب یحتاج الی دلیل ظاہر۔ الخ"

اختراعی شریعت کا نمونہ تہذیب ⇦ فتاویٰ افریقیہ ص ۱۴۴ میں مجتہد فی البدعات کا ارشاد بدعت یہ ہے "کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند آتا ہے کہ اس کی لڑکی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے' تم اسے برا مانو گے۔ سنیوا سنیوا اگر سنی ہو تو بگوش ہوش سنو ہمارے لیے بری مثل نہیں۔ جو عورت کسی بدمذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہے جیسے کسی کتے کی تصرف میں آئی۔" کیسی عمدہ تہذیب ہے؟ اگر کوئی بریلوی اپنی لڑکی کسی دیوبندی حنفی بھائی کو دے گا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے اپنی لڑکی کتے کے نیچے بچھا دی' نعوذ باللہ منہ و منہم۔

اگر یہ شریعت ساز مہذب ہوتا تو صرف یہ فتویٰ دے دیتا کہ میری شریعت ماننے والا کسی دوسرے مذہب سے مناکحت نہ کرے ورنہ نکاح باطل ہو گا۔ کسی کو کتا بنانے اور کسی کی لڑکی کتے کے نیچے بچھانے کی مثال دینے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر ایسی تہذیب سے کام نہ لیتے تو یہ خانہ ساز شریعت فروغ نہ پا سکتی تھی۔

اب ایسے مجتہدوں سے کوئی شرعی دلیل طلب کرنی تو بیکار ہے۔ مگر یہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ انسان کی مثال کتے سے کیوں دی ہے؟ کتے کا جھوٹا تو ناپاک ہے اور وہ

نجس العین ہے لیکن انسان پاک ہے اور وہ اس کا جھوٹا بھی پاک ہے خواہ وہ کافر ہو۔ چنانچہ تمام کتب فقہ میں یہ درج ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اب اگر ایک شخص بریلوی دیوبندی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے اور دوسرا بریلوی کتے سے کر دے اور دونوں طرف سے حقوق خاص ادا ہوں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دونوں یکساں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ کتا جس چیز میں منہ ڈال دے اس کو سات بار دھوؤ اور ایک بار مٹی سے۔ تو جس لڑکی نے دیوبندی سے نکاح کیا اس کو ایک بار غسل کر لینا کافی ہو گا اور جس سے کتے نے ملاپ کیا اس کو سات بار غسل اور ایک بار مٹی سے' پھر شرعی نقطہ نگاہ سے انسانی نجاست حکمی ہے۔ اس لیے قیاس کس طرح صحیح ہو سکتا ہے مگر جس کی شرع میں کتا نجس العین نہیں اس کو اٹھا کر نماز پڑھے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اس کو ایسی مثال سے کیا شرم اور غیرت آسکتی ہے۔

ہماری جماعت کے مفتی اعظم حضرت العلام روپڑی مدظلہ کا یہ فتویٰ ہے کہ کسی اہل حدیث موحد کو اپنی لڑکی کسی مشرک تعزیہ پرست' قبر پرست اور مرزائی وغیرہ سے نہ بیاہنی چاہیے اور اگر وہ کلمہ گو بدعتی مشرک گمراہ فرقوں کے لوگ اپنی لڑکی کسی اہل سنت موحد کو دیں تو اس کو نکاح میں لے لینی چاہیے۔ کیونکہ اہل بدعت فرقوں کا حکم مثل اہل کتاب کے ہے کہ اہل اسلام کو ان سے لڑکی نکاح میں لینی جائز ہے لیکن دینی حرام ہے مگر مجھے اس مسئلہ میں تردد ہے۔ اس لیے توقف ہے مگر نابالغہ سے نکاح بلاشبہ جائز ہے کہ بالغہ ہونے تک اس کو مسلمان کیا جا سکتا ہے اور بلوغت سے پہلے وہ اصل فطرت پر ہے۔ فتدبروا ولا تکونوا من الغافلین۔

شریعت اختراعیہ کی حیا سوز نماز ⇦ فتاویٰ رضویہ ص-۶۷ میں ہے کہ "نمازی اپنی نماز میں اپنی یا بیگانی عورت کے فرج کے اندر کی طرف نظر کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔" یہ مسئلہ شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ ہندو دھرم کے ایک فرقہ حرام ملوگ سے یہ اخذ کیا گیا ہے جو ستیارتھ پرکاش اردو ص-۳۰۳ میں درج ہے۔ ان میں عورت کے لیے مرد کی اور مرد کے لیے عورت کی شرمگاہ دیکھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ بھکبہ پوجا اس کا نام ہے۔ مگر اسلام نے نامحرم کے ستر کو تو کیا چہرہ کی طرف بھی نظر کرنا حرام قرار دیا ہے۔ چہ جائیکہ غیر محرم عورت کی فرج اور پھر اندر کی طرف دیکھنا جو حرام در حرام

اور گناہ در گناہ ہے' نماز میں کس طرح غیر مفسد ہو سکتا ہے' پھر اتفاقیہ اور ناگہانی نظر کا کچھ اور حال ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ "نظر کرے" یعنی عمداً ایسا کرے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ نعوذ باللہ منہ ۔

شرم و حیا قصہ پارینہ بنے ہیں
اشرار و اباطل نے عجیب جال بنے ہیں

حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے آنحضور ﷺ کی زوجیت میں جس قدر زندگی گزاری ہے اس میں ہم نے باہم کسی کی شرمگاہ نہیں دیکھی۔ سبحان اللہ! یہ حدیث الحیاء شعبۃ من الایمان کا ظہور ہے مگر ادھر نئی شریعت کا فتور ملاحظہ کریں کہ وہ قصور سے بھرپور ہو کر کیسا بے نور فتویٰ دیتے ہیں۔ احکام شریعت حصہ سوم ص۔۱۵۳ میں ہے کہ "زن و شوہر کا باہم ایک دوسرے کو چھونا مطلقاً" جائز ہے حتیٰ کہ فرج اور ذکر کو بہ نیت صالح دیکھنا موجب ثواب و اجر ہے۔"

شارع نے تو اس کا اجر بیان نہیں کیا ورنہ وہ خود اس پر عمل کرتے البتہ آنجناب نے جب یہ جعلی شرع تیار کی تو شیعہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہو گا کہ فروع کافی جلد دوم کتاب النکاح ص۔۲۱۴ میں ہے کہ روایت ہے ابوالحسن علیہ السلام سے کہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ ایک جوان اپنی عورت کی فرج کو بوسہ دے تو کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: "لاباس" کہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

حلیۃ المتقین ص۔۷۷ میں بھی بوسہ فرج کا جائز لکھا ہے۔ اسی طرح اس نئی شرع کی رافضی کے عقائد و اعمال سے بہت مشابہت ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ کمال حیا کے خلاف ہے۔ اجروثواب کی اس سے توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ان پیرو مشائخ کے لیے یہ مسائل اختراع کئے گئے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل ہوتا ہے۔

مریدوں کی بیویوں سے ہم بستری اور ان پر ان کے پیروں کی حاضری ⇦

مجدد البدعات کے ملفوظات ج۔۲ کے ص۔۴۳۶ میں ہے کہ سیدی احمد سجلماسی کی دو بیویاں تھیں' ان کے مرشد سیدی عبدالعزیز دباغ نے فرمایا کہ رات کو تم نے ایک بیوی سے ہم بستری کی ہے یہ نہیں چاہیے۔ فرمایا حضورا وہ اس وقت سوتی تھی' فرمایا سوتی

نہ تھی سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور بھی پلنگ تھا؟ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب انسان پاخانہ بیٹھے یا عورت سے صحبت کرے تو فرشتے "کراما" کاتبین شرمساری کرتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں مگر متبدعین کے مشائخ اپنے مریدوں کے پاس ہروقت حاضر ناظر رہتے ہیں حتیٰ کہ پاخانہ اور صحبت کے وقت بھی دور نہیں ہوتے کہ سب کچھ معائنہ کرتے رہتے ہیں۔ مگر ایسے جھوٹے افسانوں کو نہ اہل علم مانتے ہیں اور نہ اہل دانش تسلیم کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مرتد اور کافر کہا جاتا ہے۔ ایسے موضوع افسانوں کی اشاعت میں کئی فائدے مضمر ہیں۔ ایک یہ کہ مرید اپنے مرشد کو ہروقت حاضر ناظر سمجھے اور کوئی بات گھر کی اور راز کی چھپا نہ رکھے کہ وہ سب معاملات میں شریک حال ہے۔ دوسرا یہ کہ مرید کی بیوی پیر کے پاس چلی جائے یا پیر اس کے پاس براجمان ہو تو اپنے مرشد پر کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ وہ مختار کل ہے' جس کو سب اختیارات حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مریدوں کی عورتیں اور لڑکیاں خانقاہوں' خلوت خانوں' حجروں میں پیروں کے پاس رہتی ہیں اور پیران کے مکانوں میں عیش و آرام کرتے ہیں تو مرید کوئی غیرت نہیں کرتے بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم سب اپنے مرشد کے برکات و فیاضات سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ اس خوش عقیدگی کا انجام یہ ہوا کہ کئی مریدوں کی عورتیں اور کئی لڑکیاں ان مشائخ کے عشق کا شکار ہو گئیں جو عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ اس عہد کے مشائخ طریقت نہ خدا سے شرم کرتے ہیں اور نہ لوگوں سے بلکہ شرع اور تصوف کے پردہ میں خواہشات نفسانیہ کو پورا کر رہے ہیں ؎

جس کو خدا سے شرم ہے وہ بزرگ دین ہے
دنیا سے جس کو شرم ہے وہ مرد شریف ہے
جس کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

ملفوظات نمبر۔۳' ص۔۲۵ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدی عبدالوہاب اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ حضرت سیدی احمد بدوی کے مزار پر بہت بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا۔ اس مجمع میں چلے آتے تھے۔ تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی' فوراً نگاہ پھیرلی۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیرلی مگر وہ آپ کو پسند آئی۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا عبدالوہاب وہ کنیز تمہیں پسند ہے؟ عرض کی ہاں۔ اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔ ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کی۔ اب آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں۔ معاً" وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کر دی۔ خادم کو ارشاد ہوا' اس نے آپ کی نذر کر دی۔ ارشاد فرمایا عبدالوہاب اب دیر کاہے کی؟ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو" (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

یہ کس قدر شرمناک جھوٹا افسانہ گھڑا گیا ہے۔ ایسے افسانے ہی عرسوں اور میلوں پر سنائے جاتے ہیں جن سے تاثرات لے کر عشق کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ داتا گنج بخش لاہور کے حوادث اور ان کے انجام ایسے افسانوں ہی سے ظہور پذیر ہوئے ہیں ؎

لیا عقل و دیں سے نہ کام انہوں نے
کیا دین حق کو بدنام انہوں نے

اسی بناء پر آج بہت سی خانقاہیں چکلے بنی ہوئی ہیں اور عیاش پیر اور مجاور بزرگوں کے ناموں سے بے وقوف مریدوں کی مستورات کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ جن کے واقعات اخبارات میں آچکے ہیں اور بہت سے راز میں رکھے گئے ہیں۔ کوئی گدی اور خانقاہ ایسی نہ ہو گی جہاں عورتیں نذر نیازوں کے بہانہ سے نہ جاتی ہوں اور پیروں کے خلوت خانوں اور مجاوروں کے حجروں میں نہ پہنچی ہوں۔ ان عقیدت مند مریدنیوں کو بزرگوں کے نام سے ایسے افسانے اور قصے سنا کر کہا جاتا ہے کہ تمہارے بارے میں اس بزرگ نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ وہ ان ہٹوں کٹوں کی باتیں سن کر گرویدہ ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں ؎

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں تو محبت آہی جاتی ہے

یہ عبدالوہاب اور احمد بدوی کی کہانی مجدد البدعات نے خود گڑھی ہے یا گھڑی گھڑائی کہیں سے مل گئی ہے۔ مذہب حنفی کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس سے مندرجہ ذیل

امور ظاہر ہوتے ہیں۔ اول احمد بدوی اپنی قبر میں اہل اموات سے ہے' اس کا سننا۔ دوم احمد میت کا کلام کرنا۔ سوم اس کو عبدالوہاب کے کنیز پسند کرنے کا علم ہونا۔ چہارم قبضہ سے پہلے اس کو ہبہ کرنا۔ پنجم قبل از استبراء رحم کی عدت گزرنے کے حجرہ میں خلوت کرنے کا حکم دینا۔ ششم شیخ میت کا زندہ سے معاملہ کرنا۔ ہفتم عورت کو پیر کی نذر کرنا۔ یہ سات امور ایسے ہیں جو شرع اسلامیہ خصوصاً حنفی مذہب کے سراسر خلاف ہیں۔ ان پر عقیدہ رکھ کر حنفی ہونے کا دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسے یہودی' عیسائی' قریش کفار مکہ ملت ابراہیمی پر ہونے کے مدعی تھے۔ ہر ایک کی تفصیل کروں تو مضمون بڑھ جائے گا۔

مختصر یہ عرض ہے کہ تمام کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ علامہ تفتازانی حنفی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں کہ **"لانزاع ان المیت لایسمع"** (یعنی کسی اہل علم کو نزاع نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے) غایتہ الاوطار میں مولانا خرم علی صاحب نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور فتح القدیر کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ میتی کو سماع نہیں تو فہم بھی نہیں اور جنگ بدر کے مقتولین کی لاشوں کا آنحضور ﷺ کا کلام زجر سننا آپ کا معجزہ تھا۔

کتب فقہ میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا پھر بعد مرگ اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ میت کو افہام ممکن نہیں ہے۔ جب افہام و تفہیم کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ کلام آپس میں کیسے کرتے رہے کہ ایک لونڈی ہبہ کر دی اور دوسرے نے قبول کر لی۔ یہ سب باطل قصے ہیں جو پیروں اور مجاوروں نے زائرین سے بخششیں اور نذرانے بٹورنے کو وضع کیے ہیں۔ اسی طرح یہ خیال شرک ہے کہ احمد بدوی نے معلوم کر لیا کہ میرے مرید عبدالوہاب کو کنیز پسند ہے اور اس سے ذکر کرنے لگے کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن ناطق ہے: **"من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر"** (یعنی جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ بزرگوں کے ارواح حاضر ہیں اور وہ ہمارے حالات جانتے ہیں وہ کافر ہے۔) فقہا حنفیہ ان مبتدعین کی تکفیر کر رہے ہیں اور یہ ان کی تو تکفیر کر نہیں سکتے۔ دیوبندیوں کی کر رہے ہیں جو ان کتابوں کے مسائل کی اشاعت کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ کہنا بھی باطل ہے کہ احمد بدوی نے وہ لونڈی ہبہ کر دی کیونکہ اول تو اموات کو دنیا میں کسی امر کا تصرف حاصل نہیں ہے جو ایسا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ بحر الرائق میں صاف لکھا ہے کہ "ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللّٰہ اعتقادا بہ ذالک کفر" (یعنی یہ عقیدہ کہ میت کو تصرفات کا حق حاصل ہے کفر ہے) اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیں کہ ان کو تصرف کا اختیار ہے تو پھر زائرین جو نذر بغیر اللہ کرتے ہیں یہ حرام ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں یہ لکھا ہے کہ مزارات علماء پر جو نذر کرتے ہیں یہ باطل ہے۔ بالاجماع اس لیے مخلوق کی نذر جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر کی حرام ہے اور دوسری وجہ حرام ہونے کی یہ ہے کہ یہ نذر جس کے لیے کی گئی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور جو شخص یہ عقیدہ کرے کہ میت کو کاروبار میں تصرف حاصل ہے' یہ صریح کفر ہے (انتھی مترجما مافی البحر)

دلیل الصالحین میں ہے کہ نذر اللہ ہی کے لیے ہے' اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔ جس نے ولی' نبی کے نام پر نذر مانی وہ حرام ہے۔ اگر ذبیحہ ہے تو مردار ہے' اگر طعام ہے تو کھانا حرام ہے۔ اس نذر کا لینا کسی کو جائز نہیں جو منذورشی پر بسملہ پڑھیں گے وہ کافر ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ کنیز جس تاجر نے مزار کی نذر کی وہ اس طرح حرام ہوئی۔ ایک غیر اللہ کی نذر ہونے کی وجہ سے۔ دوم وہ ملک نہ ہوئی کیونکہ مزار والا میت ہے۔ اور شامی میں ہے۔ "والمیت لیس اھلا للتملیک" (کہ میت مالک بننے کے اہل نہیں ہے) جب ..... احمد بدوی کے ملک نہ ہوئی اور وہ نذر لغیراللّٰه کی ہے تو وہ عبدالوہاب پر حرام ہوئی پس اس کو حجرہ میں لے جانے کا حکم کرنا زنا کرنے کا حکم ہے اور عبدالوہاب کا حجرہ میں حاجت روائی کرنا زنا کرنا ہے۔ جب خانقاہوں میں ایسے کام ہوں تو خدا کی پناہ ہے پھر قبضہ بھی احمد بدوی کا ثابت نہیں ہوا اور نہ خادم کا کیونکہ خادم کو ہبہ نہیں ہوا تو یہ ہبہ باطل ہوا اور اس سے ملک مالک زائل نہیں ہوئی' لہذا اس سے صحبت حرام ہے۔

قدوری میں ہے کہ "الھبۃ تصلح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض" (یعنی ہبہ ایجاب و قبول کے ساتھ صحیح ہوتا ہے اور قبض کے ساتھ پورا ہوتا ہے) پس صورت

مذکورہ میں مزار کی نذر سے قبول اور قبضہ دونوں صحیح نہیں ہے۔ اگر کہیں کہ یہ نذر خدا کے لیے تھی اور احمد بدوی کو ثواب تھا تو پھر بھی عبدالوہاب کو کنیز کا ہبہ کرنا باطل ہے کیونکہ ایصال ثواب سے کنیز آزاد ہو گئی تو پھر اس کا ہبہ کرنا باطل ہو گا۔ اگر کہو کہ تاجر نے خادم کو بخش دی تھی' اس نے عبدالوہاب کو ہبہ کر دی تو پھر مزار والے کی طرف سارا قصہ منسوب کرنا باطل ہے۔ پھر اگر ہبہ صحیح مان لیا جائے تو اسی وقت اس سے صحبت کرنا حرام ہے کیونکہ مشکوۃ میں ہے کہ جب کنیز ہبہ کی جائے یا بیچ کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو حکم ہے کہ استبراء رحم کرے یعنی ایک حیض آ کر پاک ہو جائے تو وہ قابل جماع ہے۔ تاجر کی کنیز بالغہ تھی جس سے اس نے صحبت کی ہو گی یا کسی سے خریدی ہو گی تو بائع نے صحبت کی ہو گی۔ بہر حال اس پر عدت استبراء رحم تھی جس کو کنیز نے پورا نہیں کیا تو اس سے جماع کرنا حرام تھا۔ پھر احمد بدوی کا اس کو حجرہ میں لے جانے کا حکم دینا اور عبدالوہاب کا اس کو حجرہ میں لے جانا حرام تھا جو خانقاہ میں سراسر گناہ ہوا۔ یہ اس جعلی شریعت کی حقیقت ہے جس کے منکرین کو مرتد کہا جا رہا ہے۔ **فتعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔**

یہ بحث تو کنیز کے متعلق ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کنیزوں کو مزاروں پر چڑھانے والے کیا دیگر عورتوں کو جو آزاد ہیں چڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً کوئی شخص فنا فی الشیخ اپنی لڑکی کو مزار کی نذر چڑھا دے تو کیا وہ کسی گدی والے پیر یا کسی خانقاہ کے مجاور کی ملک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا کوئی اپنی بہن یا بیوی کو نذر کر دے تو کیا وہ صدقہ یا ہبہ ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ بعینہٖ تو ان کی کتابوں میں نہیں ملا مگر یہ اہل ہویٰ اسی قصہ کو سنا کر اپنی کسی مطلوبہ کو حاصل کر لیں تو کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ ان کی من مانی شریعت سے آگے طریقت ہے اور اس طریقت سے وراء الوراء حقیقت ہے جہاں سب گناہ معاف ہیں۔ چنانچہ یہاں ایک حیرت انگیز واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے دور حاضر کے مشائخ کی معرفت' طریقت حقیقت کا اندازہ لگائیں۔ ہم تو سیدھے سادھے آدمی ہیں جو صرف شریعت محمدیہ کو ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حیرت افزاء شہر اور بھان متی کا سانگ ⇦ تذکرہ غوثیہ بحوالہ "الانسان فی القرآن" مصنفہ پیر نورالحسن کیلیانوالہ ص-۲۵۳ میں ہے کہ "حضرت غوث علی شاہ

صاحب پانی پتی نے فرمایا کہ ہمارے پیرومرشد حضرت میر اعظم علی شاہ فرماتے ہیں کہ کسی ہم سے دہلی سے واپس آ رہے تھے کہ اثنائے راہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ میں گاڑی ٹھہرا دی تاکہ ذرا آرام لے کر اور نماز ظہر پڑھ کر بعد فرو ہونے تمازت آفتاب کے آگے کو چلے گے۔ تھوڑی دیر بعد ایک فقیر صاحب وارد ہوئے' ہم نے روٹی پانی کی تواضع کی۔ کھا پی کر وہ بھی سو گئے اور ہم بھی۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری گاڑی ایک سرائے میں کھڑی ہے' بیل گھاس کھا رہے ہیں' بھٹیاری کھانا پکا رہی ہے اور فقیر صاحب پڑے سوتے ہیں۔ ہماری حالت سکتہ کی سی ہو گئی کہ الٰہی! یہ سرائے کیسی؟ اور کون سا شہر ہے؟ اور ہم یہاں کیونکر پہنچے۔ بھٹیاری سے دریافت کیا کہ اس شہر کا نام کیا ہے؟ کہا کہ حیرت افزا" پوچھا کہ ارے نیک بخت یہ سرائے کس کی ہے؟ کہا انہی فقیر صاحب کی اور جتنے روز تم یہاں ٹھہرو گے سب خرچ بھی ان کے ذمے ہے۔ آٹھ روز تک ہم اسی شہر میں رہے' نہ اس کی ابتداء معلوم ہوئی نہ انتہا۔ حقیقت میں وہ شہر حیرت افزا تھا۔ آدمی وہاں کے پاکیزہ سیرت' نیک صورت' مرفہ حال' مکانات خوش قطع اور مصفیٰ' اشیاء رنگا رنگ موجود' بازار نہایت مکلف پربہار جدھر جاتے صورت تصویر بن جاتے' جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ اسلام کا زور و شور پایا' ہر شخص کو یاد خدا میں مشغول دیکھا۔ قال اللہ وقال الرسول کے سوا کچھ ذکر نہ تھا۔ غرض آٹھویں رات کو جب ہم سو کر اٹھے تو گاڑی اس درخت کے تلے کھڑی ہے اور وہی وقت ہے فقیر صاحب بھی سوتے ہیں۔ ہم نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ فقیر صاحب بھی ہمارے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں جس شخص سے پوچھا وہی تاریخ وہی دن وہی مہینہ بتلایا ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آٹھ دن کہاں گئے' آخر بہادر گڑھ پہنچے وہاں ایک مکان میں ٹھہرے۔ فقیر صاحب نے فرمایا کہ بعد از نماز عشا ہماری روٹی اس مسجد میں لے آنا۔ جب ہم روٹی لے کر مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ میاں صاحب ایک گدھی سے مصروف ہیں۔ میں نے منہ پھیر لیا پھر جو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہیں۔ بعد فراغت کھانا کھایا' باتیں کرنے لگے۔ جب آدھی رات گئی تو فرمایا کہ شہر کے دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں جاؤ ہمارا لنگوٹ دھلوا لاؤ۔ میں نے کہا کہ حضرت آدھی رات ادھر' آدھی رات ادھر بھلا اس وقت کون کپڑے دھوتا ہو گا۔ فرمایا کہ ذرا

تم لے تو جاؤ میں چلا اور شہر کے دروازے سے باہر نکلا تو دیکھتا ہوں کہ دو گھڑی دن چڑھا ہے اور دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں۔ جب دروازے کے اندر آتا ہوں تو نصف شب معلوم ہوتی ہے اور جب باہر جاتا ہوں تو وہی دو گھڑی دن چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ غرض دھوبیوں کے پاس پہنچے۔ دھوبی نے کہا لاؤ میاں صاحب کا لنگوٹ میں دھو دوں۔ اس نے دھویا' صاف کیا' دھوپ میں سکھا کر حوالے کیا۔ میاں صاحب کی خدمت میں لے آیا۔ مجھ کو ان باتوں کا نہایت تعجب تھا۔ فرمایا کہ تعجب نہ کرو یہ بھان متی کا سانگ ہے اور ایسے شعبدہ ہم بہت دکھا سکتے ہیں لیکن فقیری کچھ اور چیز ہے۔ ان باتوں کا خیال مت کرو۔ صبح کے وقت ہم دہلی کو روانہ ہوئے اور فقیر صاحب غائب ہو گئے۔ جب ہم دہلی میں پہنچے تو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رطیحہ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا وہ شخص خضر وقت یا ابوالوقت ہے۔ انتہیٰ" اس رام کہانی کو پڑھ سن کر علماء اہل حدیث تو بالکل موضوع قرار دیں گے کہ اس کی کوئی سند نہیں۔ یہ ظاہر شریعت کے خلاف ہے اور نئی روشنی والے اس کو الف لیلہ کی کہانی قرار دے کر دلچسپی لیں گے اور دانشمند لوگ اس کو اکپ من اکلپائپ کہیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ اس کی کچھ اصل ہے کیونکہ اس روایت کے راوی غوث علی شاہ اور میر اعظم علی شاہ صاحبان ہیں جو بظاہر ثقات سے ہیں جب ہمہ خانہ آفتاب است تو پھر روشنی کیوں نہ ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو عالم بالا کی طرف تو رسائی نہیں ہے اس لیے ان میں سے کسی خاص الخاص کو معراج ارضی ہو جاتا ہے۔

اس قصہ سے ظاہر ہے کہ جناب میر اعظم علی صاحب کو معراج زمینی ہوا ہے کہ عدو مبین لنگوٹیا فقیر بن کر آیا اور اس نے شعبدہ دکھایا ہے کہ جنوں اور شیاطین کو ایسے تصرفات کی قدرت ہے۔ اس پر ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس نے خود کہا ہے کہ یہ شعبدہ ہے اور بھان متی کا سانگ ہے۔ دوم اس نے یہ کہا ہے کہ یہ بات کچھ اور ہے جو شعبدہ کی قسم سے ہے اور فقیری کچھ اور چیز ہے۔ سوم گدھی سے بدفعلی کرنا اور پھر نماز پڑھنا بھی شیطان کا کام ہے۔ گدھی سے بدفعلی کا شیطانی کام ہونا تو ظاہر ہے اور نماز پڑھنا اسی وقت بھی شیطانی فریب ہے کہ وہ کسی وقت نماز پڑھ کر بھی دیکھا دیتا ہے۔ برصیصا بزرگ کو نماز دکھا کر گمراہ کیا تھا جس کا قصہ بعض کتابوں میں لکھا ہے اور

ملفوظات حصہ اول کے ص-۱۳ پر خان صاحب بریلوی نے اپنی ایک مریدنی پری کے واقعہ میں لکھا ہے کہ پری نے عرض کیا حضور! میرے ایک عزیز کا ہندوستان میں انتقال ہو گیا تھا وہاں گئی تھی- راہ میں میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا ہے" اس سے ظاہر ہے کہ اس طریقت کے مریدوں کو معلم الملکوت کئی حالتوں میں ہو کر اپنے طریق کار کی تعلیم دیتا ہے جسے یہ لوگ جن کے عقائد میں ظلمت پہچان نہیں سکتے- بہرکیف گدھی سے صحبت کر کے فی الفور نماز شروع کر دی تاکہ یہ پیروں کو ماننے والے اس کو ولی اللہ سمجھ لیں اور پھر جا کر عام لوگوں کو سنائیں کہ ولی اللہ فقیر جو شریعت سے گزر کر معرفت اور طریقت کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے حقیقت پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ کسی انسان یا حیوان سے کسی خانقاہ یا حجرہ یا خلوت خانہ میں بدفعلی کر رہے ہوں تو ان کو برا نہ جاننا چاہیے اور نہ ان کو ملامت کرنی چاہیے اور نہ کسی سے شکایت کرنی چاہیے- ان کا یہ کام بظاہر بدفعلی ہے حقیقت میں عبادت ہوتی ہے- جب یہ شیطانی تعلیم جو خوابوں' شعبدوں اور الہاموں کے ذریعہ پیروں مجاوروں مریدوں میں پھیل کر عقیدہ اور ایمان بن جاتی ہے تو بس پھر شیطان خود تو فارغ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور یہ پیرومشائخ' مجاور خانقاہوں' حجروں' خلوت خانوں میں مستورات اور مرد لڑکوں یا حیوانوں سے اپنی حاجت روائی کرتے رہیں تو یہ سب عشق مجازی کے حالات عشق حقیقی کے وسائل تصور کیے جاتے ہیں- وسیلہ عبادت کا عبادت ہوتا ہے' اس قاعدہ سے یہ بدفعلیاں بندگیاں کہلاتی ہیں- جن کو وہابی' غیر مقلد نہیں مانتے تو یہ لوگ اس معلم الملکوتی شرع کے نزدیک کافر اور مرتد ہیں اور دیوبندی اس لیے نہیں مانتے کہ وہ اصلی حنفی ہیں جو اپنی کتاب درمختار جلد-۱' ص-۱۳ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ شریعت حقیقت سے باہر نہیں اور جو باہر جائے وہ گمراہ ہے- اگر کوئی دیوبندی اس لنگوٹیا فقیر کو حیوان سے شہوت رانی کرتے دیکھ لیتا تو روٹی نہ کھلاتا بلکہ اس کی ڈنڈوں سے حجامت کرتا مگر یہ شاہ صاحب خوش عقیدہ تھے' جو ان کی جنابت کا آلودہ لنگوٹ دھوبیوں سے دھلاتے رہے ہیں- یہ دھوبی اور سرائے کی بھٹیاری سب اس "معلم الملکوت کی ذریت تھی جو معراج دیکھنے والے کو اس گدھی والے کا معتقد بنا رہے تھے اور اس شہر میں قال للہ وقال الرسول والے اہل حدیث تھے جن سے کچھ تاثر نہیں لیا گیا اور گدھی والے پر

سب ایمان جما لیا اور یہ مشہور کر دیا کہ اہل اللہ بظاہر برے فعل کرتے ہیں مگر اندر ان کا صاف ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم نے بھی پورا غور نہ فرمایا کہ اس گدھی والے کو خضر کہہ کر حضرت خضر کی توہین کر دی بلکہ وہ ابن الوقت ابلیس تھا جو اعظم علی شاہ کو معراج ارضی کرا رہا تھا' واللہ اعلم بالصواب۔

ایک بزرگ کے کئی جگہوں میں حاضر ہونے کا ثبوت عجیبہ ⇦ ملفوظات

حصہ اول کے ص-۱۳۸ میں مجدد البدعات نے لکھا ہے کہ (عرض) حضور اولیا ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں (ارشاد) اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں' پھر اس پر بطور ثبوت یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی۔ حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا۔ شیخ نے فرمایا کہ کرشن کنھیا لال کافر تھا اور ایک وقت میں سو جگہ موجود ہو گیا۔ فتح محمد اگر چند جگہ ایک دن میں ہو گیا تو تعجب ہے؟ کیا خوب علمیت ہے کہ اپنے دعوئ پر فتح محمد کا قول و فعل دلیل شرعی بتایا اور فتح محمد نے کرشن کنھیا کا فعل بے دلیل دلیل شرعی بنا لیا اور کئی مجلسوں اور لنگروں کی دعوتیں اور مٹھائیاں اس فریب کاری سے مارنے کے لیے یہ شریعت گھڑ لی ہے۔ اسی طرح ایک کتاب میں یہ کہانی لکھی ہے کہ ایک پیر کی کئی مریدوں نے دعوت کی جو باری باری آتے رہے۔ پیر صاحب نے سب کی دعوت منظور کر لی اور پھر سب کے گھر جا کر کھالی' پھر ایک دن وہ سب داعی جمع ہوئے تو ہر ایک کہنے لگا کہ پیر صاحب نے میرے گھر دعوت کھائی ہے۔ اس پر باہم نزاع ہوا اور وہ ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔ آخر پیر صاحب سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم سب سچے ہو' میں نے ہر گھر کی دعوت کھائی ہے۔ وہ حیران ہوئے تو ان کو کہا کہ یہ سامنے کون سا درخت ہے؟ انہوں نے کہا کہ املی کا ہے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ تم سب آنکھیں بند کر لو۔ سب نے آنکھیں بند کر لیں پھر کہا کہ اب کھول دو اور اس درخت کی طرف دیکھو۔ جب دیکھا تو ہر ہر پتہ پر پیر صاحب بیٹھے ہیں۔ اس کا نام پیر پتا مشہور ہوا۔ ایسی جعلی کرامتوں سے پیٹ پرستی کا کام بنا لیا۔ ان کے پاس شرعی ثبوت تو

ہوتا نہیں' گھڑی گھڑائی کہانیاں ہوتی ہیں۔

شامی میں ہے کہ ابن مقاتل کے نزدیک ایسی کرامتوں کا ماننا کفر ہے کہ یہ کہے کہ فلاں بزرگ فلاں دن مکہ میں تھا اور اسی دن وہ بصرہ میں تھا یہ شرعاً" اور عقلاً" محال اور بے ثبوت ہے اور کئی گھروں کی دعوت قبول کرنی ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "اذا اجتمع الداعیان فاجب اقربهما بابا وان سبق احدهما فاجب الذی سبق" (مشکوٰۃ) (یعنی جب دو دعوت کرنے والے آئیں تو پہلے اس کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ قریب ہے۔ اگر یکے بعد دیگرے آئیں تو جو پہلے آئے اس کی دعوت قبول کرو۔ معلوم ہوا سب کی دعوت قبول کرنا پیٹ پرستی ہے۔

اہل اسلام کو خدا و رسول نے حکم دیا ہے کہ "نصوص منزل من اللّٰه" کے پابند رہیں۔ سو اس کے اہل حق پابند ہیں لیکن یہ مبتدعین شریعت ساز یا تو کہنیا کرشن سے ثبوت لاتے ہیں جن کے ساتھ ان کے عقائد کی مشابہت ہے یا جھوٹی کہانیوں سے لاتے ہیں کہ فلاں مریدوں نے آنکھیں بند کیں تو پیر صاحب ہر پتہ پر حاضر ہیں جس کو ماننے کے لیے ہم تیار نہیں تو یہ جعلساز ہماری تکفیر کرتے ہیں کہ تم پیروں کے منکر ہو' اس لیے مرتد ہو۔ یہ باطل طریقہ ہے۔

غیر اللّٰہ کی پکار سے عبور دریائے دجلہ کی کہانی ⇦ ملفوظات حصہ اول ص-۱۲۷ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ دریا دجلہ پر بمثل زمین چل رہے تھے اور یااللہ کہتے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے ایک شخص آیا' اس کو پار جانے کی ضرورت تھی۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں کس طرح آؤں؟ فرمایا یاجنید یاجنید کہتا چلا آ۔ اس نے بھی کہا تو دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا' جب بیچ دریا کے پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یااللہ کہیں اور مجھ سے یاجنید کہلواتے ہیں' میں بھی یااللہ کیوں نہ کہوں۔ اس نے یااللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا۔ فرمایا وہی کہو یاجنید یاجنید۔ جب کہا تو دریا سے پار ہوا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی؟ آپ اللّٰہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں۔ فرمایا ارے نادان' ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللّٰہ تک رسائی کی ہوس ہے۔"

یہ کیسا صریح شرک گھڑا ہے۔ اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کو پکارنا' نماز

روزہ اور عبادت کرنا سب فضول ہے' اس کی قبولیت نہیں۔ بس اپنے پیروں کے نام کا وظیفہ کرنا چاہیے۔ حالانکہ قرآن ناطق ہے۔ "ادعونی استجب لکم" فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم مجھے پکارو میں قبول کروں گا۔ نیز ارشاد ہے۔ "وللّٰہ الاسماء الحسنٰی فادعوہ بہا" (یعنی اللہ کے نام بہت اچھے ہیں تم ان کے ساتھ اس کو پکارو۔) اور یہ فرمایا کہ "فلا تدعوا مع اللّٰہ احدا" (خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو نہ پکارو) حدیث میں ہے "الدعا مخ العبادۃ" (کہ پکارنا عبادت کا گودا ہے) مگر یہ مشرکین خدا کے نام کی توہین کرنے والے غیر کے نام کو بلند کر رہے ہیں کہ اس کا نام لینے والا غرق ہونے لگا تھا' جب غیر کا نام پکارا تب وہ بچا اور خدا کے نام لینے کا شیطان نے وسوسہ ڈالا' تب اس نے ذکر الٰہی کیا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

ذکر الٰہی کی بروئے قرآن و حدیث بڑی فضیلت ہے خصوصاً لفظ اللہ اسم ذات ہے جس کو اسم اعظم قرار دیا گیا ہے' ہمیشہ مسلمان اللّٰھم یااللہ کہہ کر ذات الٰہی کو پکارتے ہیں۔ فرمایا "فاذکرونی اذکرکم" (کہ مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار کی بابت کہ "اذا غشیہم موج کالظلل دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین" (یعنی جب ان مشرکین کو دریا کی طغیانی پر اس کی موجیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو خالص ہو کر پکارتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نجات دے دیتا ہے تو پھر غیروں کو پکارنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ مشرکین جو اسلام کے مدعی ہیں یہ ان سے بھی بدترین ہیں کہ یہ دریا کے شدائد میں بھی غیراللہ کو نہیں چھوڑتے حالانکہ خالق بحر کا فرمان ہے کہ "وان نشاء نغرقہم فلا صریخ لہم ولاھم ینقذون" (یعنی ہم اگر اہل کشتی کو غرق کرنا چاہیں تو ان کو ہمارے سوا کوئی بچانے والا اور نکالنے والا نہیں ہے) لیکن ان مشرکین نے یہ گھڑنت گھڑی ہے کہ اللہ ڈبوتا ہے اور غیر کا نام لینے سے غیر غوطہ اور غرق سے بچاتا ہے۔ "وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ" (کہ ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا) بقول "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹ" ے کہ خود شریعت اسلامیہ کی رو سے مشرک ہو کر ان مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں جو غیر اللہ کی شریعت نہیں مانتے اور وہ خالص اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

وہابیوں کی مسجد کا حکم شریعت خانہ ساز میں ⇦ ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۸

میں مجدد البدعات کا فتویٰ یہ ہے کہ (عرض) وہابیوں کی بنوائی ہوئی مسجد' مسجد ہے یا نہیں؟ (ارشاد) کفار کی مسجد مثل گھر کے ہے۔"

اگر تمام فرقے اسلامی اس طرح ایک دوسرے کی تکفیر کر کے مسجدوں پر حکم لگائیں تو کوئی مسجد بھی مسجد کا حکم نہیں رکھے گی اور پھر سکھوں کا قبضہ مسجدوں پر صحیح تسلیم کیا جائے گا مگر یہ خانہ ساز شریعت کا حکم ہے جو سب کے نزدیک مردود ہے۔ کیونکہ بیت اللہ کفار مکہ نے تعمیر کیا تھا جس کو خدا و رسول نے مسجد تسلیم کیا اور جب مسلمان صحابہ کرام بمع رسول اللہ ﷺ کے اس کا حج کرتے رہے اور اس میں نمازیں پڑھتے رہے جبکہ اس فتویٰ کو خود مبتدعین نے پیشاب کے برابر نہیں سمجھا کہ اہل حدیث اور دیوبندیوں کی مسجدوں پر غاصبانہ طور پر قابض ہوتے اور اب تک ان میں نمازیں پڑھ رہے ہیں' پھر ملک عرب میں بھی وہابیوں کا تسلط ہے حتیٰ کہ مسجد نبوی بھی انہوں نے بنائی ہے اور بیت اللہ بھی۔ لہٰذا ان کو اب حرمین شریفین میں جانا بھی حرام ہو گا کیونکہ وہ ان کے گمان فاسد میں کفار کی تعمیر ہے۔ "قال اللہ تعالیٰ کبرت کلمۃ تخرج من افواھم ان یقولون الا کذبا" (یعنی یہ بری بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے نہیں کہتے مگر جھوٹ۔ ؎

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو!
اگرچہ ہو چکے ہیں تم سے ہزاروں فتنہ گر پہلے

نئی شریعت میں گمشدہ مال برآمد کرنے کا طریقہ ⇦ مولوی حکیم نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اطیب البیان ص۔۵۲ بحوالہ ردالمختار شامی جلد۔۳' ص۔۳۲۴ گم شدہ چیز کی تلاش کا طریقہ بتایا ہے جس کو بہار شریعت حصہ دہم صفحہ۔۱۷ میں نقل کیا گیا ہے اور وہاں سے ہی مولوی محمد شفیع اکاڑوی نے تقلیداً" نقل کیا ہے۔ چنانچہ راہ حق میں جو حقیقت میں راہ باطل ہے یہ لکھتے ہیں کہ "فقیہ اعظم حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ حنفیوں کے مسلم امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زیادی نے بیان کیا کہ جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اس کو واپس لائے تو ایک بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کر کے سید احمد بن علوان رضی اللہ عنہ کو پہنچائے اور کہے یاسیدی احمد علوان! اگر تم نے میری چیز واپس دلا دی تو

خیر ورنہ میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹوا دوں گا۔ اس عمل سے بہ برکت ان ولی اللہ کے اللہ تعالیٰ وہ گئی ہوئی چیز واپس دلا دے گا۔ یہ ترجمہ مولوی نعیم الدین کا ہے جو نقل در نقل ہوتا چلا آرہا ہے اور ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ شامی کے اصل الفاظ یہ ہیں "یاسیدی احمد یاابن علوان رد علی ضالتی والا نزعتک من دیوان الاولیاء" اصل ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اے احمد اے ابن علوان! میری گم شدہ چیز آپ واپس کر دیں ورنہ میں تجھے ولیوں کے دفتر سے خارج کر دوں گا۔ واپس پکڑا دیں یا دلا دیں' کٹوا دوں گا لکھنا سراسر غلط ہے۔ یہ بریلوی شریعت کا عمل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گم شدہ مال سب احمد بن علوان کے مکان میں جا کر جمع ہوتا ہے۔ اب یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ خود اٹھاتے پھرتے ہیں اور کسی مال خانہ خفیہ میں جمع کرتے ہیں یا انہوں نے اپنے چیلے ایسے مقرر کر رکھے ہیں کہ ملک کی گم شدہ چیزیں جمع کر کے لائیں جو ہمارے نام کوئی فاتحہ خوانی کا ثواب بھیجے گا۔ اس کو ہم چیز واپس دیں گے ورنہ نہیں۔ تو یہ قرآن خوانی' فاتحہ خوانی کی اجرت میں مال آئے گا اس سے فاتحہ خوانی کی مٹھائی کھانی جائز نکل لی۔ حالانکہ اجرت قرآن کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ علماء متقدمین حنفیہ نے حرام لکھی ہے۔ خیر احمد بن علوان کا یہ محکمہ تو بڑا وسیع ہے اور جو فرض ان کے ذمے سپرد ہے وہ بھی بڑا اہم ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ ان گم شدہ چیزوں پر داروغہ ان کو خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے یا کسی نبی ولی نے متعین کیا ہے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو یہ عمل ہی جہالت ہے اور خواہ مخواہ ابن علوان کو دھمکی دے کر زور دیا جا رہا ہے۔ پھر جب اولیاء اللہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں جیسا ان کا عقیدہ ہے اور ان کو علم غیب ہے جیسے ان کا خیال ہے تو پھر بلند مقام پر چڑھ کر ان کو پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب پکارے بغیر ان کو علم نہیں ہوتا تو پھر حاضر ناظر اور عالم الغیب کیوں کہتے ہو۔ یاابن علوان کو علم نہیں ہو گا تو پھر وہ بلند مکان پر کیسے سن سکیں گے کہ ہوا پر ان کا تخت ہے جو آواز پہنچا دے گا۔ خیر یہ بھی چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ اگر ابن علوان نے گم شدہ چیز اس داعی کو دے دی تو فھو المراد ...... ورنہ وہ اس بیچارے کا نام رجسٹر اولیاء سے کاٹ دے گا۔ یہ کیا بات؟ یہ اچھا فاتحہ کا ثواب پہنچایا کہ بیچارے کی پگڑی اچھال پھینکی کہ چیز واپس دے دے تو اچھا ورنہ اس کی خیر نہیں ہے۔ اس منادی کرنے والے کے اختیار میں ہے

کہ اس غریب کا نام رجسٹر اولیاء سے کاٹ دے گا یا کٹوا دے گا۔ اس کاٹنے کٹوانے کا اختیار اس کو کیسے حاصل ہوا؟ اور پھر یہ ایسا کون سا گناہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے اعمال سے اولیاء میں داخل ہوا پھر بموجب حدیث "اذا مات الانسان انقطع عمله" (یعنی انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے) جب اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہے تو پھر تم کو اولیاء سے نام کاٹنے اور کٹوانے کا کیا حق حاصل ہے یا اولیاء کی تعریف یہ ہے کہ جو لوگوں کی گم شدہ چیزیں تلاش کر کے لا دے وہ ولی ہے دوسرا اولیاء سے خارج ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ اس عمل غیر شرعی کے جواز پر کون سی دلیل ہے؟ شامی کی تعریف کر کے اس موضوع روایت کو لکھ دیا جو کسی نے رائے سے گھڑی ہے لیکن کتاب و سنت سے کوئی دلیل پیش نہ کی اور نہ قول امام پیش کیا ہے پھر کیا اعتبار ہے؟ علامہ شامی نے تو یہ لکھا ہے کہ "وهى كون المقلد ليس من اهل النظر فى الاولة لاستنباط الاحكام الظنية فيقلده فى العمل فقط" (یعنی مقلد کا اولہ میں استنباط و احکام کے لیے غور و فکر کا حق نہیں ہے اس کو فقط اپنے امام کی تقلید کرنی چاہیے) پھر تم کو کتاب و سنت اور اقوال غیر سے مسائل استنباط کرنے کا کیا حق ہے تم ہر مسئلہ میں اپنے امام کا قول پیش کرو مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ سب اہل بدعت بدعات کے ثبوت میں اپنی رائے سے استنباط کر رہے ہیں جو شامی کے خلاف ہے۔ نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اموات نہیں سنتے مگر اہل بدعت ان کی بات نہیں مانتے پھر کسی اور عالم کی دریوزہ گری کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال گم شدہ کا یہ عمل جو ردالمختار سے نقل کیا گیا ہے شرک پر مبنی ہے جو عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ چنانچہ مجمع الزوائد جلد۔۱۰، ص۔۱۳۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی معاجم ثلاثہ میں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "اذا ضاع له شئى او ابق فليقل اللهم راد الضالة وهادى الضلالة انت تهدى من الضلالته اردد على ضالتى بقدرتك وسلطانك فانها من عطائك وفضلك" (یعنی جب کسی کی کوئی شے گم ہو یا غلام بھاگ جائے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! گم شدہ چیز کے لوٹانے والے گمراہ کے ہدایت کرنے والے تو ہی گمراہی میں ہدایت فرماتا ہے مجھ پر میری گم شدہ چیز اپنی قدرت اور حکومت سے لوٹا دے پہلے بھی تو نے ہی اپنے فضل

و کرم سے عنایت فرمائی تھی اب بھی کر دے)

کیسا عمدہ عمل ہے جس میں نتھری ہوئی توحید بھری ہوئی ہے عبادت ہی عبادت ہے اور گم شدہ چیز کا عمل بھی ہے لیکن شرک پسندوں کو جاہلیت نے اپنی لپیٹ میں ایسا لیا ہوا ہے کہ ان کو توحید پسند نہیں شرک اور اقوال غیر کی اطاعت بڑی پسند ہے۔ اب ناظرین شریعت اسلامیہ اور شریعت اختراعیہ کا فرق معلوم کر کے حق کی داد دیں۔

نئی شریعت میں علم غیب کا اعتقاد ⇦ مجدد البدعات اپنی کتاب خالص الاعتقاد ص۔۵۰ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تعین وقت قیامت کا بھی علم ہوا تھا۔ حضور ﷺ کو بلااستثناء جمیع جزئیات خمس کا علم تھا جملہ مکنونات قلم و مکتوبات لوح بالجملہ روز اول سے روز آخر تک تمام ماکان وما یکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے۔ یہ عقیدہ صریح شرکیہ اور کفریہ ہے اور نئی شریعت کی ایجاد ہے۔ تفسیر مدارک جلد۔۳' ص۔۳۱۹ میں ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میری کتنی عمر ہے؟ فرشتے نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا جس کی معبرین نے مختلف تعبیریں دیں۔ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فرشتہ نے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ کے بغیر ان کو کوئی نہیں جانتا۔ "فان هذه العلوم الخمس لا يعلمها الا الله" مذہب حنفی کا دعویٰ کرنا اور امام صاحب کے خلاف اعتقاد گھڑنا یہ حنفی دنیا کو صریح دھوکہ دینا ہے۔ محبوب سبحانی پیر جیلانی مراۃ الحقیقتہ مطبوعہ مصر ص۔۱۸ میں فرماتے ہیں۔ "من يعتقد ان محمدا صلعم يعلم الغيب فهو كافر لان علم الغيب صفة من صفات الله سبحانه" (یعنی جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ محمد ﷺ غیب جانتے تھے وہ کافر ہے کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفتوں سے ایک صفت ہے) (جس میں اس کا کوئی شریک نہیں) لو جس پیر بزرگ کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں اور جس کے نام کی گیارہویں دیتے ہیں اور جس کے بغداد کی طرف گیارہ قدم چلتے ہیں وہ ان سب کو کفر کا فتویٰ عنایت فرما رہے ہیں اور وہ ان سے سخت بیزار ہیں مگر ان کا یہ حال ہے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان.....

فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ جو نکاح میں خدا اور رسول کو گواہ کرے اس کا

حکم کیا ہے؟ فرماتے ہیں "قالوا یکون کفر لانه اعتقدان رسول الله صلعم یعلم الغیب وهو ماکان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت" (قاضی خاں جلد۔۷، ص۔۲۶۸) (یعنی فقہا حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو موت کے بعد کس طرح جانتے ہیں)

سورہ اعراف میں ارشاد ہے: "یسئلونک عن الساعة ایان مرساها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو" (یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کس وقت ہے تو کہہ کہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے، دکھا دے گا اس کو اپنے وقت پر) اس آیت میں کلمہ حصر واقع ہے جو قیامت کے علم کو خدا کے لیے خاص کر کے باقی تمام سے نفی کرتا ہے اور وہ کلمہ "انما" ہے (شرح مسلم ج۔۲، ص۔۱۳۱) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی بخاری میں یہ اعلان ہے کہ جو شخص یہ کہے نبی ﷺ کو اشیاء خمسہ کا علم ہے وہ جھوٹا ہے۔ ابن کثیر ج۔۴، ص۔۲۷۳ میں مسند احمد کی حدیث معراج میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء سے میری ملاقات ہوئی تو وہاں قیامت کا تذکرہ ہوا، سب نے عدم علم ظاہر کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "فلا یعلم بها احد الا الله" (یعنی قیامت کے وقت کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں) پس یہ جملہ انبیاء کا اجماعی عقیدہ ہے، اب اس کے خلاف جو عقیدہ رکھے گا وہ اکفر الکافرین شمار ہو گا۔

شریعت ساز کا جھوٹ اور حقہ نوشی بے بسملہ" ⇦ مجدد البدعات کا فرمان ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ جب اس سے حقہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو اسے مباح ہی بتائے، خواہ آپ پیتا ہو یا نہ۔ جیسے میں اور میرے گھر میں جس قدر لوگ ہیں کہ ہم میں کوئی نہیں پیتا مگر فتویٰ اباحت پر دیتا ہوں۔ (احکام شریعت حصہ سوم ص۔۱۴۹) دوسرے مقام پر اس کے خلاف ہے کہ میں حقہ پیتا ہوں مگر ہاں حقہ پیتے وقت بسملہ نہیں پڑھتا۔ (ملفوظات ج۔۲، ص۔۱۰۰ ـــــ ۱۰) اور ان کے دادا صاحب کا پینا ملفوظات حصہ سوم، ص۔۶۸ سے ظاہر ہے اور ساتھ ہی حصہ دوم کے حوالے مذکور میں یہ تسلیم کیا ہے کہ "جو بغیر بسملہ کھائے پیئے اس کے کھانے میں شیطان

شریک ہوتا ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ آنجناب کے ساتھ شیطان حقہ پینے میں شریک تھا۔ اسی تاثیر سے اہل حق کے ساتھ وہی عناد اور مخالفت رہی جو ان کے شریک حق کو ہے۔ شیطان بھی جھوٹ بولتا ہے اور آپ کا جھوٹ ظاہر ہے۔ پھر حقہ کو مباح کہنا بھی اپنے حقہ باز مریدوں کی دلجوئی ہے۔ ورنہ جمہور حنفیہ اس کے مکروہ تحریمہ ہونے کے قائل ہیں اور حقہ پینا تقویٰ کے سراسر خلاف ہے۔

درمختار میں ہے۔ "قال شیخنا النجم والتتن الذی حدث وکان حروثه بدمشق فی سنة خمس عشرة بعد الالف یدعی شاربه انه لایسکروان سلم له فانه مفتر وهو حرام لحدیث احمد عند ام سلمة رضی اللّٰه عنها قالت نهی رسول اللّٰه صلعم عن کل مسکرو مفتر ولیس من الکبائر تناوله مرة او مرتین ومع نهی ولی الامر عنه حرام قطعا علی ان استعمال مثله ربما اضر علی البدن نعم الاصرار علیه کبیرة کسائر الصغائر۔" (یعنی ہمارے شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ تمباکو جو دمشق میں سنہ ۱۰۱۵ھ میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا شارب مدعی ہے کہ یہ مسکر نہیں ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ مسکر نہیں ہے تو یہ مفتر ضرور ہے اور مفتر حرام ہے کیونکہ رسول خدا ﷺ نے ہر مسکر اور مفتر سے منع فرمایا ہے۔ ایک دوبار پینا کبیرہ گناہ نہیں' صغیرہ ہے) اگر اس سے حکومت منع کر دے تو پھر قطعاً حرام ہے۔ علاوہ اس کے ایسی چیز کا استعمال بسا اوقات بدن کو مضر ہے۔ ہاں ہمیشہ تمباکو پینا کبیرہ گناہ ہے جیسے دیگر صغیرے گناہ اصرار سے کبیرے ہو جاتے ہیں ایسے ہی یہ ہے)

نیز فتاویٰ مولانا عبدالحی میں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے۔ "من البدع العادیة استعمال التتن والقهوه" (یعنی بدعات عادیہ سے ہے پینا تمباکو اور قہوہ کا) مولوی حکیم مسیح الزماں ایک حنفی عالم نے بنام صدریہ ایک کتاب ادویہ کے متعلق لکھی ہے۔ اس کے آخر میں تمباکو اور حقہ نوشی پر ایک مضمون ملحق ہے جس کے حاشیہ پر قاطع البدعت کی فصل چہارم کسی حنفی کی کتاب سے نقل کی ہے۔ انہوں نے اپنی مذہبی کتابوں کی فہرست لکھی ہے جو ۲۸ تک ہے اور کہا ہے کہ ان سب میں حقہ نوشی حرام لکھی ہے اور اس کا بیچنا بھی حرام ہے۔ شامی میں اس پر اختلاف کا ذکر کیا ہے اور شرح وهبانیہ شربلالی سے یہ شعر لکھا ہے ؎

یمنع من بیع الدخان و شربه
وشاربه فی الصوم لا شک یفطر

صاحب رسالہ لکھتے ہیں کہ تمباکو کی پیدائش بول ابلیس سے ہے' واللہ اعلم۔ پھر لکھتے ہیں کہ "هذه الشجرة لم یحل فی الاسلام ولا یظهر لنا استحلاله لامن المتقدمین ولا من المتاخرین من سلف الائمة ومن استحل شرب هذه الشجرة فقد كفر بكل كتاب نزل من السماء علی جمیع الانبیاء ولیس فیه رخصته فی دین الاسلام (هذا نقل من تفسیر منقع الكبیر السید محمد بن غزالی)" (یعنی تمباکو کو کبھی اسلام میں حلال نہیں ہوا اور ہم کو اس کی حلت علماء متقدمین اور متاخرین سے ظاہر نہیں ہوئی' جو شخص اس تمباکو کا پینا حلال قرار دے گا وہ تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کافر ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی رخصت نہیں ہے)

فتاویٰ تاتارخانی جس کو چالیس مجتہدوں نے مرتب کیا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ "الدخان حرام كالتراب ومن اكلها فهوا اكل حرام وهو ملعون" (یعنی دھواں پینا حرام ہے جیسے مٹی کھانا حرام ہے جو دھواں پیتا ہے وہ حرام کھانے والا اور ملعون ہے) پھر صاحب رسالہ نے ص-۵۹ پر لکھا ہے کہ "وبقول الائمة الدخان وکشیدن او بوجه متعارف معصیت وموجب افساد روزه وقضا وکفارت است ومستحل او کافر گردد و زنی او طلاق وامامتی او مکروه بلکه ناجائز باشد ومستعمل او مستحق العزل باشد و گواهی او ناجائز باشد وبر بادشاه اسلام واحکام ذوالاحترام منع وقلع لازم و واجب است"

قلع البدعۃ برحاشیہ ص-۵۹ میں ہے کہ "آنچہ شریعت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام دود تمباکو حرام است و مستحل او کافر و تجدید نکاح زوجہ اش لازم وکشیدن این دود در رمضان مفسد صوم و موجب قضا و کفارت" اور فتاویٰ کبیریٰ سے نقل کیا ہے۔ "الدخان حرام مطلقاً" وعلیہ الفتویٰ" اور شرح الوصول اور مقدمہ العلوم سے نقل کیا ہے کہ "لایجوز بیعه اصلا کالخمر والخنزیر والادمی او مثل ذالک" ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حقہ پینا گناہ ہے۔ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے۔ جو شخص حقہ پینا مباح کہے وہ کافر ہے اس کی عورت سے نکاح فسخ

ہوا' امامت اس کی ناجائز ہے اور حقہ نوش امام معزولی کا مستحق ہے اور گواہی حقہ باز کی جائز نہیں' بادشاہ اور حکام پر اس کا انسداد ضروری ہے اور اس کا بیچنا حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ کا بیچنا حرام ہے۔

نیز ص۔۴۳ پر لکھا ہے کہ "**والماء اذا وصل اليه دخان التعمير تنجس لتغير اللون والريحة والطعم**" اور پانی میں جب حرام تمباکو کا دھواں بار بار پہنچتا ہے تو وہ پلید ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا رنگ اور بو اور مزا بدل جاتا ہے۔ مجالس الابرار میں بھی حقہ نوشی حرام لکھی ہے۔ وہ بھی حنفی مذہب کی کتاب ہے اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے نقل کیا ہے کہ حقہ پینے میں کراہت کی تین وجہیں ہیں۔(ا ب)

(۱) بوجہ پینے حقہ کے منہ میں بو رہتی ہے۔

(۲) **تشبه باهل النار** ہے۔

(۳) اس کے پینے میں مسلمان ملابس بہ نار رہتا ہے اور یہ **تشبہ** اہل مجوس سے ہے۔

(ا۔ب) فتاوٰی عبدالحی جلد۔۲' ص۔۲۵۲ نیز ج۔۲' ص۔۲۷۰ میں ہے کہ حقہ پینے کے کراہت کی عمدہ وجہ شبہ با لکفار اور استعمال مابہ العذاب ہے)

اب ذرا حضرت مجدد البدعۃ کا غلو سن لیں کہ حقہ کا پانی قطعاً" پاک ہے اس سے وضو بھی کرے تو ہو جائے گا۔ (فتاوٰی رضویہ کتاب الطہارت ص۔۳۳۴) نیز دوسری کتاب احکام شرعیہ حصہ سوم ص۔۱۵۷ میں لکھتے ہیں کہ جب آب مطلق نہ ملے تو یہ پانی (حقہ کا) بھی آب مطلق ہے اس کے ہوتے ہوئے تیمم ہرگز صحیح نہیں اور اس تیمم سے نماز باطل ہے۔ بس ایسی شریعت کو ماننے والوں کو چاہیے کہ حقوں میں پانی ڈال کر اپنے ساتھ رکھا کریں اور وضو پر **بسمله** نہ پڑھا کریں کہ حقہ پر ان کے حضرت اعلیٰ **بسمله** نہ پڑھتے تھے جب بسملہ نہ پڑھی گئی تو وضو نہ ہوا پھر شیطان کا اس وضو والے نمازی پر سوار ہونا آسان ہے۔ جب شیطان سوار ہوا تو اس نمازی کو احتلام ہو گا۔ اس لیے اب نمازی محتلم کے لیے شریعت بنائی' جو درج ذیل ہے۔

جب تین کراہتیں مجتمع ہوئیں تو یہ منجر کراہت تحریمی ہیں۔ نیز مولانا عبدالحی صاحب حنفی نے شیخ عبدالخالق مزجاجی سیدی حنفی سے نقل کیا ہے کہ "**قد تكلم المتاخرون فى ذالک لانه لم يكن فى القرون السالفة فمن مفرط فى ذمه حتى**

جزم بالحرمة ومن مفرط طفی مدحه ومنهم من توسط وقال انه مکروه تحریماً وهذا عندی احسن الاقوال واعدلها" (یعنی حقہ پہلے زمانوں میں نہ تھا' بعد میں پیدا ہوا تو علماء متاخرین نے اس میں بحث کی ہے۔ بعض تو اس کی برائی کرنے میں حد سے گزر گئے (کہ یہ بول ابلیس سے پیدا ہوا جہاں بویا جائے وہ زمین چالیس سال تک ناپاک ہے) اور بعض تعریف میں حد سے گزر گئے (کہ حقہ نوشی باعث ثواب ہے۔ اس میں بہت سے فوائد ہیں) اور بعض متوسط حال رہے اور یہ کہا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔) میں کہتا ہوں کہ مجدد البدعات بھی حنفی ہیں اور یہ علماء جو مفتیان مذہب ہیں' سب حنفی ہیں ؎

تو اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

نماز رضائی میں احتلام سودائی ⇦ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ ص-۱۱۸ میں ہے کہ (مسئلہ نمبر-۵) "نماز میں احتلام ہوا اور منی باہر نہ آئی کہ نماز تمام کر لی۔ اس کے بعد اتری تو غسل واجب ہو گا مگر نماز ہو گئی۔"

اہل علم اور عقلاء یہ خوب جانتے ہیں کہ احتلام تو نیند میں شہوت آکر منی خارج ہو جانے کو کہتے ہیں۔ یہ نئی شریعت کے رضائی بھائی بیداری میں محتلم کیسے ہو رہے ہیں اور پھر نماز تو عاجزی اور خشوع کا مقام ہے محل شہوت نہیں ہے پھر ان کو نماز میں احتلام ہونے اور مسئلہ گھڑنے کی کیسے سوجھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کے ص-۶۷ سے یہ صورت موجب احتلام ظاہر ہوئی ہے کہ مجدد جو موجد مسائل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنی نماز میں اپنی یا بیگانی عورت کے فرج کے اندر کی طرف نظر کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔"

اب یہ ظاہر بات ہے کہ ایسے نمازی کو جس کے سامنے برہنہ عورت پڑی ہے اور وہ اس کی اندام نہانی کے اندر کی طرف نظر لے جا رہا ہے اور اس نے گرم گرم حقہ پیا ہے اور پھر حقہ کے پانی سے وضو کیا ہے جس میں بسملہ نہیں ہے اور اس پر شیطان سوار تو اس کو احتلام ہو جانا لابدی امر ہے۔ اس لیے مسئلہ پر مسئلہ گھڑا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایسے مسائل نہیں ہیں کہ مسلمانوں اور نمازیوں کے لیے ایسے افعال فاحشہ موزوں نہیں' یہ ان مفتیوں کو شرع بنانی پڑی' جن کے پیر مشائخ عورتوں

کو مرید کرتے ہیں اور وہ بکثرت ان کے پاس رہ کر فیوض حاصل کرتی ہیں اور وہ روحانی اور جسمانی انوار سے ان کو منور کرتے رہتے ہیں اور بعض وقت جب طوائف میلاد کراتی ہیں تو اپنے پیروں اور مولودی مولویوں کو دعوت دیتی ہیں تو یہ صاحبان وہاں جاتے ہیں تو وہ شیرینی اپنے مال حرام (آمدنی زنا کاری) سے خرید کر اس پر فاتحہ خوانی کراتی ہیں تو ایسے موقعوں پر نماز کا وقت ہو گیا تو یہ مولودیئے وہاں نماز پڑھنے لگے۔ پس طوائف خانہ میں احتلام ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لیے موجد شرع نے یہ مسئلہ گھڑ کر ان کے لیے پیش کر دیا ہے جیسے شیرینی کی بابت مندرجہ ذیل مسئلہ گھڑ کر تیار کر دیا ہے۔

حرام شرینی کا استحلال ⇦ احکام شریعت ص-۵۹ مسئلہ نمبر-۳۱ یوں ہے "کیا قول ہے علماء حقانی کا اس مسئلہ میں کہ ناجائز روپیہ یعنی سود' شراب' رشوت وغیرہ اگر نیک کام مسجد' مدرسہ' چاہ' نیاز' فاتحہ' عرس وغیرہ میں لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں اور جو شخص اس مسجد میں نماز' مدرسہ میں علم اور چاہ کا پانی اور فاتحہ و عرس کا کھانا کھائے تو جائز ہے یا نہیں؟"

(الجواب) مسجد و مدرسہ وغیرہ میں بعینہ روپیہ نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ اس سے اشیاء خریدتے ہیں۔ خریدنے میں اگر یہ نہ ہوا بلکہ حرام دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں چیز دے اور اس نے قیمت میں زر حرام دیا تو جو چیز خریدیں وہ خبیث نہیں ہوتی' اسی صورت میں فاتحہ و عرس کا کھانا بھی جائز ہے اور اکثر یہی صورت ہوتی ہے۔ مسجد میں نماز اور مدرسہ میں تحصیل علم جائز ہے۔"

اسی طرح احکام شریعت حصہ اول کے ص-۸۲ پر سوال ہے کہ "طوائف جس کی آمدنی صرف حرام پر ہے اس کے یہاں میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ص-۸۳ پر ہے کہ اس مال کی شیرینی پر فاتحہ حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ جب کوئی کار خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس لیے کوئی شہادت کی حاجت نہیں اور اگر وہ کہے کہ میں نے یہ مجلس قرض لے کر کی ہے اور وہ قرض مال حرام سے ادا کیا ہے تو اسی کا قول مقبول ہو گا بلکہ

اگر شیرینی اپنے مال حرام سے بھی خریدی اور خریدنے میں اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے یعنی حرام روپیہ دکھا کر اس کے بدلے خرید کر وہی حرام روپیہ دیا اگر ایسا نہ ہو تو بھی مذہب مفتی بہ پر وہ شیرینی حرام نہ ہو گی انتھی۔ مجدد البدعات نے حرام کہہ کر آخر حیلہ بہانہ اور اپنی اختراعی تدبیر سے اس حرام کو حلال بنا ڈالا' یہی مسخ اہل کتاب کا تھا جن کے نقش قدم پر اہل بدعات چل رہے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "**قاتل الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فجملوها فباعوها**" (یعنی یہود کو اللہ مارے کہ ان پر چربیاں کھانی حرام کی گئیں تھیں' انہوں نے اصل چربیوں کو تو نہ کھایا ان کو پگھلا کر گھی کی طرح بنا کر فروخت کر دیا اور ان کی قیمت کھا لی۔ یہ ان کا حیلہ تھا حرام کو حلال کرنے کا۔ اسی طرح ہفتہ میں شکار کا حیلہ کیا تھا جس کی تردید قرآن میں ہے تو اس سے یہ اصول ثابت ہوا کہ "**فيه ابطال الحيل والوسائل التى يتوصل بها الى المحذورات**" (یعنی ایسے حیلے اور تدبیریں باطل ہیں جن سے انسان ممنوع چیزوں کو حاصل کرے اسی وجہ سے نکاح حلالہ حرام ہے کہ وہ بھی عورت حرام کو حلال کرنے کی تدبیر ہے جو ان اہل بدعت کے نزدیک جائز ہے۔

الغرض حرام چیز جس طرح خود حرام ہے اس کا عوض بھی اور قیمت بھی حرام ہے۔ اس کی حرمت کا ازالہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کتب فقہ ردالمختار شامی وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ مال حرام جن سے لیا ہے ان کو واپس کرنا چاہیے۔ اگر ان کو واپس کرنا مشکل ہو تو بہ نیت فراغ عن الذمہ کسی کو صدقہ کر دے لیکن ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی کے لیے نہ کرے اگر ایسا کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں ہے "**فى شرح الرهبانيته عن البزارية انما يكفر اذا تصدق بالحرام القطعى**" یعنی شرح رہبانیہ میں بزاریہ سے نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ جب حرام قطعی کو صدقہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا یعنی ثواب کی امید رکھ کر کیونکہ یہ استحلال حرام کا ہے جو کفر ہے اور جو مال فراغ عن الذمہ کے صدقہ ہوتا ہے اس سے تحصیل ثواب مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے ذمہ سے مال حرام نکال دینا ہوتا ہے۔ یہ فاتحہ خوانی اور میلاد والی لونڈیاں' طوائف حصول ثواب کے لیے اس مال حرام کمائی زنا سے شیرینی اور کھانے کھلاتی ہیں لہٰذا یہ کفر ہے اور ان کا کھانا بھی پیروں' مجاوروں' مولودی مولویوں کو حرام

ہے۔

درمختار میں ہے کہ "الحرمة تنتقل بالعلم" (یعنی جب علم ہو کہ ان کا مال حرام ہے تو آکل پر بھی حرام ہے) چونکہ حرام پیشہ قومیں اکثر اہل بدعت ہیں اور وہ مبتدعین' مشائخ اور اہل بدعت مولویوں کی مرید ہیں۔ اس لیے ان کے مال حرام کھانے کے لیے یہ حیلے تراشے گئے ہیں۔ کھانے والے سب گناہ کے مرتکب ہیں۔ سائل نے جن علماء حقانی سے مسئلہ پوچھا ہے اس سے مراد حقہ باز علماء ہیں جو حقہ کو حلال اور اس کے پانی سے وضو مثل آب مطلق کے جائز رکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے۔ "نھی رسول اللہ صلعم عن اجابة دعوة الفاسقین" (یعنی رسول اللہ ﷺ نے بدکاروں اور حرام پیشہ والوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

اہل بدعت کا کرامتی بچہ ⇦ احکام شریعت ص-۱۱۰ میں موجد شرع نے لکھا ہے کہ "اگر زید اقصیٰ مشرق میں ہے (مثلاً جاپان میں) اور ہندہ منتہائے مغرب میں اور بذریعہ وکالت ان میں نکاح منعقد ہوا' ان میں بارہ ہزار میل سے زیادہ فاصلہ ہو اور صدہا دریا پہاڑ سمندر' حائل ہوں۔ (ریل' جہاز وغیرہ جانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو) اور اسی حالت میں اس وقت شادی سے چھ مہینے بعد ہندہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ زید کا ہی ٹھہرے گا اور مجہول النسب ولد الزنا نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ درمختار سے لیا گیا ہے جس میں قیاس سے گھڑ کر شریعت بھر دی گئی ہے اور اس کو موجد شرع نے اپنا کر اور بڑھایا ہے حالانکہ یہ شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے کہ ایک فرضی صورت اپنے پاس سے بنا لی گئی ہے تاکہ ہماری جماعت میں زنا ہو اور اس سے ناجائز حمل ہو کر حرامی بچے پیدا ہوتے رہیں تو وہ سماتے رہیں اور ان کو کوئی حرامی نہ کہہ سکے کہ وہ کرامتی بچے ہیں جو ولد الحلال ہیں' اس سے بڑھ کر اور کرامت کیا ہو گی کہ عورت مذکور نے خاوند کو نہیں دیکھا اور نہ خاوند نے اپنی عورت کی شکل دیکھی۔ ملنا جلنا ملاپ کرنا تو درکنار خاوند بیوی ایک دوسرے کی صورت سے بھی آشنا نہیں اور دور بھی اتنے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو ملنا چاہے تو سال بھر میں ہی مل سکتے ہیں۔ اس سے پہلے ملنے کا ریل یا ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ کوئی امکان نہیں۔ اگر امکان ہو تو کرامت نہ رہے گی' پھر بایں ہمہ چھ مہینہ کے بعد اس ہندہ مذکور نے بچہ جن دیا تو موجد شرع فرماتے ہیں وہ بچہ حلالی ہے۔ جس

کو مغربی باپ کی گود میں بالجبر ڈالا جائے گا کہ لو' اس کی ضرور پرورش کرو۔ اب اس کے ثبوت کے لیے بہت قیاسی بحث کی جس کے چند احتمالی اور امکانی دلائل یہ ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ طی ارضی پر قدرت رکھتا ہو۔ ایک قدم میں دس ہزار کوس جائے اور آجائے' ممکن ہے کہ جن اس کے تابع ہوں (وہ اسے اٹھا لے گئے اور اس کا بیوی سے جماع کرا کر پھر واپس لے آئے ہوں) ممکن ہے کہ صاحب کرامت ہو' ممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل جانتا ہو' ممکن ہے کہ روح انسانی کی طاقتوں سے کوئی باب اس پر کھل گیا ہو۔ وغیرہ (احکام شریعت ص۔۱۳) میرے خیال میں ان سب احتمالوں اور امکانی باتوں کا مآل کرامت ہی کی طرف جاتا ہے کیونکہ ایک قدم میں دس ہزار کوس طے کرنا یا کوئی روحانی عمل کر کے جانا یا روحانی طاقت کا باب کھلنا یا جنوں کا تابع ہونا یہ سب خرق عادت ہے جو کرامت پر دال ہے۔ اصل میں یہ نئی شریعت اور نئی کرامت والوں کا کرامتی بچہ ہے جو کسی دلیل شرعی اور عقلی کی رو سے علماء ظاہر کی عقلوں میں نہیں سما سکتا' یہ امکانی اور خیالی دلیلیں ہیں جن کا وجود ضروری نہیں ہے اور نہ یہ صورت محال کسی ملک میں پائی گئی ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ کرامتی ولی جو چوری سے چھپ کر ایک قدم میں ہزاروں میل طے کر کے بیوی سے ملاپ کر کے پھر فوراً واپس آجاتا ہو یا وہ کرامت سے اپنا نطفہ ہزاروں کوس پھینک سکتا ہے' وہ غیرت کر کے اپنی بیوی کو ہی اپنے گھر میں لا کر آباد کیوں نہیں کر لیتا کہ بچہ پیدا ہو تو اس میں حرامی ہونے کا شبہ نہ کیا جائے۔ جب اس طرح بیوی کو اغوا کرنے سے اس پر کوئی سزا نہیں تو پھر اس کو کسی کا کیا خوف ہے کہ وہ اپنے خاندان کے سامنے بیوی کی خانہ آبادی نہیں کرتا اور وہ اس طرح مشکوک بچے پیدا کر رہا ہے۔

ایسی کرامت میں اول تو یہ بحث ہے کہ جو امور عظیمہ ہیں مثلاً بدوں والد کے اولاد پیدا کرنا یا کسی جملو کا حیوان بنانا یا ملائکہ کا اس سے باتیں کرنا وغیرہ ان میں صدور کرامت جائز ہے یا ممتنع ہے۔ اہل حق کا خیال ہے کہ کرامت کی قوت ایک خاص حد تک معین ہے' اس سے باہر نہیں۔ ورنہ کل کو کسی کنواری یا بیوہ کو بچہ پیدا ہو گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ کرامت ہے اور اس کی معجزات میں نظیر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ کرامت کی کوئی حد نہیں

ہے۔ جیسے خدا کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے' ولی مختار کل ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ دوسری یہ بحث ہے کہ کرامت اختیاری امر ہے کہ یا قدرتی اور اتفاقی امر ہے جس میں ولی کے قصد کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میوؤں کا آجانا ہوا ہے۔ اہل حق صورت ثانیہ کے قائل ہیں اختیاری کے نہیں۔ تیسری یہ بحث ہے کہ کسی کو ولی کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض نے کسی کو ولی کہنے سے انکار کیا ہے کیونکہ ولایت قرب خاص اور مقبولیت کا نام ہے اور یہ امر مخفی ہے۔ اس کا دعویٰ شہادت من غیر علم میں داخل ہے۔ اس لیے محدثین انا مؤمن ان شاء اللہ کہنے کے قائل ہیں کیونکہ اصل حقیقت کا علم اللہ عالم الغیب کو ہے ممکن ہے کہ ہم جس کو اس کے افعال ظاہرہ کی بناء پر ولی خیال کر رہے ہیں اس کا باطن خراب ہو یا احتمال ہے کہ اعمال ظاہرہ میں کوئی ایسی شرط جو مفقود ہو جس سے وہ اعمال قبول نہ ہوں اور ہم کو اس کا علم نہ ہو' پھر اعتبار خاتمہ کا ہے' اس لیے زندہ کو ولی تصور کر کے اس کی کرامتوں کا قائل ہونا اور ان پر حکم مرتب کرنا جدید شریعت والوں کا صحیح ہے۔

حدیث میں ہے "لایزکی علی اللّٰہ احدا ویقول واللّٰہ حسیبہ" (یعنی کسی کو یقیناً پاک نہ کہو یہ کہو کہ میرے علم میں بہ ظاہر الحال اچھا ہے' حقیقت کا علم اللہ کو ہے) چنانچہ صحابہ نے بعض کو جنتی کہا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ بہرحال حکم ولائت کا جو باطنی امر ہے کسی پر لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ٹھیک ہے تو پھر کرامت کو ایک امر مستبعد ٹھہرانا درست نہیں کیونکہ احکام شرع ظاہر اور امور عادیہ اور اتفاقیہ پر ہیں۔ جب خاوند بیوی کی خلوت صحیحہ بظاہر نہیں ہوئی اور اس کا ہونا امر بعید ہے تو حمل سے زنا ثابت ہو جائے گا۔ الولد للفراش کا ظہور اس وقت ہے جب خاوند کا فراش ہونا ثابت ہو ورنہ نہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ فراش مجرد عقد سے ثابت ہوتا ہے یا وطی کے محقق ہونے سے یا امکان وطی سے۔ جمہور امکان وطی کے قائل ہیں اور یہ عورت کو خاوند کے حوالے کر دینے سے امکان ہو گا اور امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمہما اللہ تعالیٰ دخول محقق کی معرفت سے فراش ثابت کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ امام احمد کا بھی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ مجرد عقد سے فراش ثابت کرتے ہیں' یہ مذہب باطل ہے جس پر نئی شرع بنانے والوں نے

مدار رکھا ہے کیونکہ اس میں مدت حمل میں خاوند کا منکوحہ کے پاس پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ مگر نئی شریعت والوں نے زناکاری کا خفیہ سلسلہ مضبوط کرنے کو اس ضعیف بلکہ باطل قول پر مدار رکھا ہے۔ چنانچہ اس سے مندرجہ ذیل صورتیں احکام شریعت میں جائز رکھی گئی ہیں۔

(۱) کسی سائل کا سوال ہے کہ زید کی منکوحہ عورت خالد کے ساتھ بھاگ گئی اور آٹھ دس برس کے بعد چند لڑکے اور لڑکیاں لے کر آئی زید کا انتقال ہو گیا وہ اولاد زید کی متصور ہو کر زید کی وارث ہو گی یا ولد الزنا ہو کر ترکہ سے محروم رہے گی؟ اس کے جواب میں بحث کر کے دس برس کی اولاد الزنا کو زید کی وارث بنا دیا ہے اور دلیل میں وہی کرامتی احتمالات پیش کر کے اس زید کو ولی ٹھہرایا گیا ہے جو خالد سے اپنی بیوی واپس لینے کی قدرت نہیں رکھتا تھا بلکہ ایسا بے غیرت تھا کہ وہ عورت کو واپس کرائے بغیر اپنی کرامت سے خالد کے گھر میں ہی جماع کر جاتا تھا یا نطفہ کرامت کے ذریعے وہاں بھیج دیتا تھا۔ اسی ظن پر ایسے ولیوں کو مختار کل اعتقاد رکھ کر دن رات پوجا جا رہا ہے تاکہ اگر ان مریدوں کی عورتوں کو کوئی بھگا لے جائے اور وہ اولاد پیدا کرتا رہے تو یہ مرید معتقدین اپنے ان مختار کل ولیوں کے ذریعے اپنے نطفے ان مغویہ بیویوں کے پاس بھیج کر اولاد پر قابض رہیں۔ ان کو صرف نطفوں کے پہنچانے کا پورا اختیار ہے۔ یہ اختیار نہیں کہ ان کو ان کی بیویاں واپس لا دیں کیونکہ واپس تو وہ اپنی بیویاں نہیں لا سکے تھے کہ یہ عورتوں کو اغوا کرنے والوں کے حال پر مہربانی ہے کہ وہ حاجت مند ہیں' اپنی حاجتیں پوری کرتے رہیں۔ اصل اولاد پر تو ان کا حق ہے۔ یہاں نہ دیں گے تو قیامت کو اپنا حق کرامتی ظاہر کر کے تمام اولاد بمع بیویاں لے لیں گے۔

(۲) پھر ص-۱۱ احکام شریعت میں اپنے اس قانون شرعی کی نئی شرع کے اعلیٰ حضرت وضاحت کرتے ہیں کہ "بالجملہ ان میں سے جو بچے زید کی زندگی میں پیدا ہوں یا زید کی موت کے بعد عدت کے اندر یا چار مہینے دس دن پر عورت نے عرصہ گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو زید کی موت کے دو برس کے اندر یا اقرار انقضاء عدت کر چکی ہو تو اس دن سے چھ مہینے کے اندر (کل دس مہینے اور دس دن بعد وفات زید) پیدا ہوئے ہیں' وہ سب شرعاً" اولاد زید قرار پائیں گے۔ اور زید کا ترکہ پائیں گے۔ ہاں جو موت

زید کے دو برس بعد ہوں گے ..... وہ نہ اولاد زید ہیں نہ اس کا ترکہ پائیں گے۔"

کس قدر شرم و حیا کا مقام ہے کہ جو مسائل ہم ہندوؤں کو سنا کر ان کی تردید کرتے تھے کہ نیوگ وغیرہ اور .... پوجا تمہارے دھرم کے گندے مسائل ہیں جو شرم و حیا و غیرت کے منافی ہیں اور رافضیوں پر طعن کرتے تھے کہ تمہارے مذہب میں متعہ کی ایسی حیا سوز صورتیں ہیں جن کو کوئی غیور انسان قبول نہیں کرتا' یہ صرف شہوت رانی پر مبنی ہے۔ ویسے بلکہ ان سے بدترین مسائل یہ اہل بدعت اپنی نئی شریعت میں ایجاد کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور یہ فریب دے رہے ہیں کہ یہ شریعت اسلامیہ کے مسائل ہیں۔ تمام اہل سنت کو ان پر عقیدہ و عمل رکھنا چاہیے حالانکہ بالکل غلط ہے۔ کتاب و سنت میں ایسے مسائل کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور نہ اہل شریعت ایسوں کو ولی مانتے ہیں کہ جو کرامت سے ہزاروں میلوں پر اپنا نطفہ تو پھینک سکتا ہے لیکن اس اغوا کرنے والے کو کوئی سزا نہ خود دے سکتا ہے اور نہ دلا سکتا ہے اور نہ فقہ کی کسی کتاب میں یہ صورتیں لکھی ہیں بلکہ درمختار میں یہ لکھا ہے کہ "جو ولی کے لیے طی مسافت کا قائل ہو وہ جاہل کافر ہے۔" (جلد-۲' ص-۵۲۹) یہ مسائل اس لیے گھڑے گئے ہیں کہ اگر ان کے مذہب کا کوئی آدمی کسی غیر ملک میں چلا جائے اور وہ وہاں کئی برس رہے پھر اس کے بعد اس کی بیوی کسی سے میل جول کر کے اولاد پیدا کرتی رہے تو یہ اولاد اس پردیسی خاوند کی متصور کر کے اس کو دی جائے گی۔ اسی طرح اگر خاوند فوت ہو گیا تو اس کی عورت بیوہ ہو کر دو برس تک اولاد پیدا کراتی رہے تو یہ متوفی کی وارث بنا دی جائے گی۔ اس سے مردوں' عورتوں' پیروں' مجاوروں کی شہوت رانی اور نفس پرستی کے دروازے کھلے رہیں گے' نہ زنا قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا الزام لگا سکے گا۔ فحش کاری کی گاڑی آرام سے چلتی رہے گی' مسافر ملکی کی عورت یہ کہہ دے گی کہ میرا خاوند کرامت سے میرے پاس آتا رہا ہے اور متوفی کی بیوہ کہہ دے گی کہ ہر جمعرات کو میرا خاوند میرے ساتھ اپنی حاجت روائی کرتا رہا ہے۔ بس اس سے یہ کرامتی مذہب اپنی زناکاری جاری رکھے گا۔

چنانچہ ایک معتبر عالم نے کسی گدی نشین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے لڑکے کی شادی کی' لڑکا کسی ایسے محکمہ میں ملازم تھا کہ اس کو سال بھر چھٹی نہ مل

سکی۔ ادھر سال سے پہلے ہی اس گدی والے پیر کی کرامت سے پوتے کی آمد شروع ہو گئی۔ تب اس اہل کرامت بزرگ نے ایک ماہ پہلے ہی ایسی کرامتوں کے واقعات اپنے مریدوں اور ماحول میں سنانے شروع کیے کہ جب ان کے پوتے صاحب تشریف لے آئے تو اس پر کوئی مرد و عورت چوں و چرا نہ کر سکا کہ سب کے دلوں اور زبانوں پر کرامتوں کی مہر لگا دی گئی اور اپنے بیٹے کو خوشی اور بشارت کی چٹھی لکھ دی اور لوگوں میں اس کرامت کا اظہار کر دیا گیا۔ ان مذہب والوں کی کرامتیں ظاہر کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور اکثر پیر گدیوں کے ایسی ہی کرامتوں کے پیدا وار ہیں۔ اگر سال بھر دوروں میں رہیں اور ان کے اہل بیت میں مجاور اور خدام خبر گیری کرتے رہیں۔ اس حال میں جو حمل ہوں گے اور پیر صاحب کے آنے پر ان کے صاحبزادے بنیں گے۔ وہ سب کرامتی اولاد ہو گی کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے پیر مردہ اور زندہ سب ہر جگہ حاضر و ناظر رہتے ہیں اور اپنی کرامت سے ہر جگہ تصرف کرتے رہتے ہیں لیکن اسلام میں ایسی بے ہودہ کرامتوں اور حاضری ناظری اور تصرفات کا ذکر نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر اتہام ⇦ جس طرح یہ لوگ اپنے بزرگوں کی شہوت رانیوں کو کرامتوں کے پردوں میں ظاہر کرتے ہیں اور اپنی نفس پرستیوں کو کرامتوں کے لباس میں چھپاتے ہیں ایسی باتوں کے الزام و اتہام وہ سچے ولیوں نبیوں پر لگاتے رہتے ہیں تاکہ ان کے نام سے ہماری جعلی کرامتیں حقیقی اور صحیح متصور ہو جائیں۔ چنانچہ ان کے مجدد اعلیٰ کے ملفوظ نمبر۱، ص۸۰ میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں زندہ ہیں اور ان پر ان کی بیویاں پیش کی جاتی ہیں، وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔"

یہ بات تو سب کو مسلم ہے کہ آپ برائے کتاب و سنت "من وجه" میت بھی ہیں کہ آیت "انک میت" میں اس کا ذکر ہے اور برزخی زندگی بھی رکھتے ہیں کہ آپ کی روح مبارک جنت میں راحت فرما ہے اور وہ اپنے جسم سے تعلق رکھتی ہے جیسے سورج کا مستقر آسمان ہے اور اس کا اثر اشراق زمین میں ہے۔ روح المعانی جز۔۱۵، ص۔۲۱۱ میں ہے "فمستقر ارواح الانبیاء علیہم السلام فی اعلٰی علیین" اور جز۔۱۵، ص۔۲۱۲ میں ہے کہ "اما ارواح الانبیاء فتخرج من جسدھم وتصیر مثل صورتھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنة تاکل وتشرب وتنعم وتاوی الی تناویل

معلقة تحت العرش" (یعنی ارواح انبیاء کے اپنے اجساد مبارکہ سے نکل کر اجساد مثالی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو کستوری و کافور سے ہے جنت میں رہتے ہیں وہاں کھاتے پیتے ہیں اور نعمتیں حاصل کرتے ہیں پھر قندیلوں میں جو عرش کے تحت معلق ہیں شب باشی ہوتے ہیں) پس ان کا اصل مستقر اعلیٰ علیین ہے اور یہی آپ نے عندالموت فرمایا تھا۔ "اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ" پس یہ کہنا کہ آپ اپنی قبر میں اپنی بیویوں سے شب باشی کرتے ہیں اور آپ پر آپ کی بیویاں پیش کی جاتی ہیں' صریح جھوٹ اور اتہام ہے۔ خواہ خود لگایا ہے یا کسی سے نقل کر دیا' شرع سے ثابت نہیں۔ یہ لوگ آنحضور ﷺ کو بھی اپنے ایسا شہوت راں تصور کر کے یہ تہمت اس لیے گھڑ رہے ہیں کہ خانقاہوں اور قبروں میں جو انہوں نے سرنگیں اور خلوت خانے بنا رکھے ہیں ان میں ان پیروں' گدی نشینوں کی جو مریدنیاں آتی ہیں ان کو مجاور ان پر پیش کرتے ہیں اور وہ ان سے شب باش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے نبی بھی قبروں میں یہ کچھ کر رہے ہیں۔ ہم یہ کام کیوں نہ کریں' نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد الفاسد۔ پہلے عبدالوہاب اور ایک کنیز کا قصہ گزر چکا ہے' اس کو اس کے ساتھ ملا لیں تو بس چار چاند لگ جائیں گے۔

ان کے ولی نماز پڑھتے نظر نہیں آتے ⇦ سچے اولیاء کی تعریف تو اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہے کہ "الذین آمنوا وکانوا یتقون" (یعنی وہ ایمان لا کر تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں) اور متقین کے اوصاف میں ایمان کے بعد نماز کا نمبر اول ہے اور یہ کفر اور اسلام کے درمیان فارق ہے۔ آنحضور ﷺ اور خلفاء نمازیں پڑھتے رہے اور سب کو نظر آتے رہے بلکہ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے "صلو کما رائیتمونی اصلی" (کہ تم نمازیں اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔) ولائت نبوت کی فرع ہے تو تمام سچے اولیاء نمازیں پڑھتے اور نیک اعمال کرتے رہے کیونکہ انبیاء اولیاء سب بشر اور انسان تھے' وہ غائب اور پوشیدہ اس طرح نہیں ہو سکتے تھے جس طرح فرشتے اور جن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہم لوگوں کو یہ اصول اہل شرع نے بتلایا ہے کہ جس کے عقائد و اعمال و اخلاق شرع کے مطابق ہوں اور وہ متبع سنت اور کامل التقویٰ ہو تو وہ مسلمان اور ظاہر الحال میں ولی ہے۔ باطن اس کا خدا تعالیٰ کے سپرد ہے اور اگر شرع کا پابند نہ

ہو بے نماز ہو یا بھنگ شراب خوری یا کسی حیوان گدھی وغیرہ یا انسان مرد عورت سے بدکاری کرتا ہوا دیکھو تو وہ ولی نہیں ہے' بدکار ہے۔ خواہ ہوا میں اڑتا ہوا' پانی پر چلتا ہوا' آگ میں کودتا ہوا نظر آئے۔ اگر شرع کے خلاف مخالف ہے' بے دین ہے۔

فتاویٰ مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی نے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تصریح کرتے ہوئے علامہ محمد برکلی رومی کے طریقہ محمدیہ سے عربی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ نقل کیا ہے کہ "ہمارے زمانے کے بعض متصوفین کی یہ علامت ہے کہ جب ان کے بعض افعال خلاف شرع پر اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی حرمت علم ظاہر کے اعتبار سے ہے اور ہم اصحاب علم باطن ہیں اور علم باطن میں یہ حلال ہے اور تم لوگ کتاب سے اخذ کرتے ہو اور ہم صاحب کتاب یعنی حضور سرور عالم ﷺ سے اخذ کرتے ہیں۔ تو ان کی یہ سب باتیں الحاد و ضلالت ہیں کیونکہ اس میں شریعت محمدیہ کی ہتک ہے۔ پس جو شخص اس قسم کی باتوں کو سنے اسے لازم ہے کہ تردید کر دے اور ان باتوں کے جھوٹ ہونے کا یقین رکھے اور اس میں کوئی شک یا تردد اور توقف نہ کرے ورنہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں داخل کیا جائے گا اور اس کے بھی زندیق ہونے کا حکم کیا جائے گا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تمام راستے بند ہیں مگر اس کے لیے جو حضور سرور کائنات ﷺ کی اتباع کرے اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض اصحاب سے کہا کہ آؤ چلیں فلاں شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کیا ہے اور اس شخص کی ولایت واقعی مشہور تھی۔ پس ہم لوگ گئے اور جیسے ہی پہنچے دیکھا کہ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا ہے۔ پس حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے آئے اور اس سے سلام علیک بھی نہیں کی اور کہا کہ یہ شخص آداب نبوی ﷺ میں سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ یہ جو اپنی کرامتیں بیان کرتا ہے ان میں سچا ہو گا اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا میں اڑتا ہے۔ پس اس کے دھوکے میں نہ آؤ جب تک یہ معلوم نہ کر لو کہ وہ امرونواہی پر عامل ہے اور حدود شرع کی حفاظت کرتا ہے۔

عقلاء اور طالبان حق کو جان لینا چاہیے کہ بڑے بڑے مشائخ اور علمائے طریقت اور ارباب سلوک و حقیقت سب شریعت محمدیہ کی تعظیم کرتے ہیں اور علوم باطنی کی

بناہی سیرت احمدیہ اور ملت حنیفیہ پر کرتے ہیں پس تم کو جہلاء اور مفسدین گمراہوں کے قول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ یہ لوگ شرع شریف سے باہر اور راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے اور مراتب علمائے شریعت سے خارج ہیں۔ ایسے لوگوں اور ان کے متبعین کے لیے سخت ہلاکت ہے کیونکہ یہ لوگ خدا کے راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہیں' حق کو باطل سے پوشیدہ کرتے ہیں اور دیدہ دانستہ سچ کو چھپاتے ہیں" (جلد-۲' ص-۲۷) اس کے بعد مولونا لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ جو شرع کا پابند نہ ہو اس کی بیعت نہ کرنا چاہیے اور اس سے اعتقاد نہ رکھنا چاہیے بلکہ وہ خود گمراہ اور خلق اللہ کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ہم سب کو بچائے" آمین۔

میں کہتا ہوں کہ ان دیوبندیوں اور بریلویوں کی اپنے مذاہب کے اولیاء کی برتری حسن ظن ہے کہ خواہ وہ نماز پڑھتے بالکل نظر نہ آئیں تب بھی ان کو اولیاء ہی شمار کرنا چاہیے۔ چنانچہ دیوبندی گروہ کے حکیم الامت نے اپنی آخری کتاب بوادر النوادر جلد-۲' ص-۳۹۹ میں ایک سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے' اس سے بھی ظاہر ہے۔ ایک سائل نے کسی کتاب لطائف قدوسی سے لطیفہ ص-۲۹ واقعہ ص-۵۷ لکھا ہے کہ مشرب قلندراں ترک فرائض ہے۔ ہم نے قلندریہ کو دیکھا ہے اور سنا ہے کہ ان کو ترک فرائض میں ذرا باک نہیں تھا جیسے کہ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی و خواجہ کرک کریئی قلندر وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ شیخ حسین سرہرپوری ثم جونپوری قلندر سارے فرائض کے تارک تھے باوجودیکہ بڑے زبردست عالم تھے اور حضرت قطب العالم نے فرمایا کہ شیخ محمد فخرالدین جونپوری سے ہم نے کہا کہ شیخ محمد حسین نماز نہیں پڑھتے۔ شیخ مذکور نے فرمایا کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ حسین نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ شیخ حسین راہ خداوندی کے ایک مرد شاہسوار ہیں لیکن ان کا طریقہ قلندریہ ہے اور ہمارا طریقہ تصوف۔ پھر سائل نے مولانا اشرف علی صاحب سے اس اشکال کا حل دریافت کیا ہے تو آنجناب نے اس کا حل یوں فرمایا ہے کہ عزیز من! قلندر کا بظاہر ترک فرائض کرنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو مرتبہ روحی عطا فرمایا ہے اور قدرت دی ہے کہ بہ سبب بجسد ارواح کے ایک حالت میں اور ایک وقت میں چند جگہ ظاہر ہوں پس اگر کبھی کسی مقام میں ترک فرائض ان

سے معلوم ہو تو ممکن ہے کہ اسی وقت میں دوسرے مقام میں دوسرے جسد سے ادا کر لیتے ہیں"

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے ڈیرہ نواب کے ایک مقدمہ میں یہ بیان دیا تھا کہ ہم حنفی دو بھائی ہیں دیوبندی اور بریلوی ہمارے میں بعض متشددین ایک دوسرے کو کافر کہہ دیتے ہیں ورنہ ہم سب حنفی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بات بھی ٹھیک ہے کہ جب حنفی مذہب کی اکثریت ثابت کی جاتی ہے تو فریقین تکفیر کی مشینوں پر قفل لگا کر تمام گمراہ فرقوں کو شمار کر کے اپنے میں داخل کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سب حنفی بھائی ہیں۔ اس میں سب گمراہ فرقے وجودیہ' حلولیہ' مرجیہ' قدریہ' شیعہ' معتزلہ وغیرہ سمائے ہوئے ہیں جیسے مولانا عبدالحی لکھنوی نے الرفع والتکمیل میں اس کی تفصیل کی ہے۔ سو ان کا ایک بھائی فرقہ قلندریہ ہے جو تارک فرائض ہے' ان کے عالم جاہل سب بے نماز تارک صوم ہوتے ہیں پھر جب ان پر اہل شرع اعتراض کرتے ہیں کہ تم ان کو ولی اور قطب کہتے ہو یہ تو بے نماز وغیرہ تارک فرائض ہیں تب یہ کہتے ہیں کہ ان کو کئی جسم حاصل ہیں جو جسم تم کو نظر آ رہا ہے یہ تو نماز نہیں پڑھتا' بے نماز ہے لیکن اس کا دوسرا جسم اسی وقت میں دوسرے مقام (مکہ یا مدینہ' بصرہ یا کوفہ) پر پڑھ رہا ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب (دیوبندی) ایک انسان کے کئی جسموں کے قائل ہیں اور بے نماز ولیوں کی ولایت کو اس تاویل سے قائم دائم رکھ رہے ہیں۔ اب بریلوی مذہب کے قائداعظم کی سنئے! جو ان کا بڑا بھائی ہے وہ ملفوظات نمبر۔۲' ص۔۸۲ میں فرماتے ہیں کہ "نماز نماز نہیں سچے مجاذیب بھی نماز نہیں چھوڑتے۔ اگرچہ لوگ انہیں پڑھتے نہ دیکھیں' کسی نے حضور سیدنا (پیر عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ) سے حضرت سیدی خیب البان موصل قدس سرہ کی شکایت کی کہ ان کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو' اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ میں سجود میں ہے" دیکھا اس بڑے بھائی نے حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ پر افتراء اور بہتان باندھ کر کیسا گل کھلایا۔ حالانکہ وہ بے نماز کو کافر قرار دے کر مقابر مسلمین میں دفن کرنے سے منع کرتے ہیں اور وہ پانچ وقت کی نماز علانیہ جماعت سے پڑھنے کو فرض کہتے ہیں لیکن ان پر الزام لگا کر یہ کہہ دیا کہ وہ یہ

کہتے ہیں کہ سید خسیب الباں کو گو تم نماز پڑھتے نہ دیکھو وہ تمہاری نظر میں بے نماز ظاہر ہوں لیکن تم ان کو کچھ نہ کہو کیونکہ وہ خانہ کعبہ میں دوسرے جسم کے ساتھ سجود میں ہر وقت رہتے ہیں۔ اب دونوں بھائیوں کا عقیدہ ایک ہو گیا صرف چھوٹے بڑے کا فرق ہے بس جب انہوں نے حنفی نام سے یہ شریعت بنائی جو شریعت محمدیہ سے الگ ہے تو پھر یہ مذہب بہت پھیلا اور لوگ مجذوبوں اور قلندروں میں داخل ہو کر بے نماز رہنے لگے۔

چنانچہ دیہات میں بعض پیر اور فقیر ایسے آئے جو نماز نہ پڑھتے تھے اور گاؤں کے لوگ نمازی ہوتے تھے' جب لوگوں نے ان پیروں سے پوچھا کہ آپ صاحبان بڑے بزرگ ہیں اور ہر وقت ھوھو کا ذکر کئے جاتے ہیں لیکن نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز' مسجدیں' کعبہ وغیرہ۔ وضو' غسل طہارت کے مسائل ہیں یہ لوگوں اور عام آدمیوں کے لیے ہیں جو قرآن کے ورقوں کو اٹھاتے پھرتے ہیں۔ ہم باطن کا علم رکھتے ہیں' شریعت سے گزر کر معرفت کو عبور کر کے حقیقت کو پہنچ گئے ہیں۔ یہ ملا مولوی فرش پر نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم عرش پر پڑھتے ہیں۔ یہ ظاہر میں پڑھتے ہیں ہم باطن میں پڑھتے ہیں' جو کسی کو نظر نہیں آتے۔ یہ وضو' غسل کرتے ہیں ہم ہمیشہ دن رات وضو طہارت پر ہی رہتے ہیں' ہمارا وضو بالکل نہیں ٹوٹتا۔ یہ مرجاتے ہیں ہم ہمیشہ زندہ رہتے ہیں' یہ سو جاتے ہیں ہم ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔ تم جو ہم کو ظاہر میں کچھ کرتے دیکھتے ہو یہ تمہاری نظروں کا قصور ہے۔ ہم حقیقت میں کچھ اور خدائی کام کر رہے ہوتے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے۔

ناظرین! غور کریں کہ یہ کیسا مذہب ہے جو اسلام اور کتاب و سنت اور تعامل نبوی اور صحابہ اور ائمہ دین کے سراسر خلاف ہے جن کے ایسے عقائد باطلہ کا کوئی ذکر شریعت محمدیہ میں نہیں ہے کہ ایک شخص قوت روحی سے کئی جسم اختیار کر کے ایک ہی وقت میں کئی مقاموں پر حاضر ناظر ہو جائے پھر کسی جگہ بے نماز رہے اور کسی جگہ نماز پڑھتا رہے۔ کسی جگہ نظر آجاتے ہیں اور کسی جگہ جنوں کی طرح غائب ہوتے ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ دینی اور دنیاوی اعمال میں ان کا کون سا جسم معتبر ہے؟ جسم عنصری یا جسم مثالی؟ اگر جسم مثالی ہے تو ہم جسم عنصری کو بے نماز کہیں گے جو ہم کو

نظر آرہا ہے۔ اگر جسم عنصری نماز پڑھتا ہے تو اس کا نظر آنا ضروری ہے ورنہ اہل اسلام اس کو بے نماز کافر قرار دے کر جنازہ ہرگز نہ پڑھیں گے خواہ وہ تمام کرامتوں سے بھرپور ہو۔

چنانچہ ان کے مذہب کے ایک ولی کا اخبار تنظیم اہل حدیث لاہور میں ذکر شائع ہوا ہے جو بہت عجیب ہے کہ سائل کہتا ہے کہ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی مہر شاہ گزرا ہے جس کی کرامات بین طور پر آج بھی مشہور ہیں جن کا شیطانی اولیاء سے ظہور ہونا ناممکن ہے۔ یہ شخص شریعت کا سخت دشمن تھا' شراب نوشی کا عادی تھا' افیون کا رسیا' کل منشیات اس کا معمول تھا۔ نماز روزہ ادا کرنا کجا بلکہ اس کی مخالفت کرتا تھا۔ کتوں کے ساتھ ہمیشہ کھانا کھاتا تھا اور کتوں کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا' خواہ اس کو فاقہ کشی کرنی پڑے لیکن بایں ہمہ وہ کرامتوں سے بھرپور تھا۔ مثلاً ایک گاؤں میں دو عورتوں نے دورہ پر جاتے ہوئے گھیرا کہ ہم کو اولاد نہیں ہوتی' تعویز دے دو تو کوئلہ اٹھا کر ایک کاغذ پر تعویز لکھا تو وہ پھٹ گیا مگر اکٹھا کر کے دونوں کو ایک ایک دے دیا اور کہا کہ سال کے اندر اندر تم کو لڑکے پیدا ہوں گے مگر وہ ایک ایک آنکھ سے اندھے ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ لڑکے آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح ایک کمہار کے پاس چند گدھیاں تھیں جو جنگل میں چرتی پھرتی تھیں۔ پیر صاحب نے جا کر ایک کو پکڑا اور اس سے برا فعل کیا۔ کمہار نے بھی دیکھ لیا' وہ دوڑ کر قریب آیا تو پیر صاحب نے فارغ ہو کر اس کو یہ دعا دی کہ "جاؤ او تانی دلیاں نہ جائیں" یعنی اس میرے مبارک کام سے تم کو اس قدر گدھیاں حاصل ہوں گی کہ تو اس کو گھیر نہ سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اتنی گدھیاں بڑھیں کہ کمہار کو گاؤں سے نکل کر جنگل میں بسیرا کرنا پڑا۔

ایک شخص پیر صاحب کو کسی شخص کے پاس رشتہ کرنے کے لیے سفارشی لے گیا۔ پیر صاحب نے لڑکی والے سے سفارش کی کہ اس کو لڑکی دے دو۔ اس نے نہ مانا تو پیر صاحب نے یہ بددعا دی کہ تمہاری لڑکی بے صبری ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لڑکی بازاروں میں جابجا پھرتی ہے اور زنا سے سیراب نہیں ہوتی۔" یہ چند سطور خلاصہ ہیں۔ سائل نے کئی ذکر کئے ہیں اور کہا ہے کہ واقعات خارق عادات کے بہت ہی ہیں۔

قرآن نے تو اولیاء کی صفت "الذین آمنوا وکانوا یتقون" بیان کی ہے کہ اولیاء

وہ لوگ ہیں جو ایمان لا کر تقویٰ اختیار کریں یعنی اوامر شرعیہ کو بجا لائیں اور نواہی کو جان کر محرمات و منہیات سے بچیں مگر اس نئی شریعت کے اولیاء عجیب ہیں جو عجائب خانہ میں رکھنے کے قابل ہیں کہ اسلام کے دشمن ہو کر گدھیوں سے بدفعلی کر کے دعائیں کرتے ہیں تو وہ قبول ہوتی ہیں اور سچے اولیاء نمازیں پڑھ کر دعائیں کرتے تھے کہ کوئی قبول ہو جاتی تھی اور کوئی نہ ہوتی کہ وہ قیامت پر امانت رہتی تھی مگر ان بے نمازوں اور زانی ولیوں کی کوئی خالی نہیں جاتی تھی۔ تو یہ افواہیں یا تو سراسر جھوٹ اور موضوع کہانیاں اہل بدعت کی مشہور کردہ ہیں یا شیطانی یا دجالی اثرات تھے کہ دجالی کافر ان پیروں سے بھی زیادہ خوارق عادت ظاہر کرے گا یہ آزمائش الٰہی ہوتی ہے کہ اس کو اہل شرع استدراج کہتے ہیں۔ کرامت کی تعریف شرح عقائد میں یہ لکھی ہے کہ "ظهور امر خارق للعادة بالايمان والعمل الصالح يكون استدراجا" (یعنی کرامت اس امر خلاف عادت عامہ کو کہتے ہیں جو کسی مومن صالح کی طرف سے صادر ہو جو نہ نبی ہو اور نہ کافر ہو۔) نبی سے جو صادر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو کافر سے ایسی چیز صادر ہو یا بدعمل سے تو وہ استدراج ہے۔ پس کرامت کا منشا قوی الٰہیہ اور ملائکہ ہوتے ہیں یا بصورت بسط معہود کے خلاف کر دیا جائے جس سے ولی کا اکرام سمجھا جائے اور استدراج کا منشا اور مصدر قوئ انسانی اور شیطانی ہوتے ہیں مگر سب میں قدرت الٰہی کام کرتی ہے کہ اس کی حکمت کا مظاہرہ اور بندوں کے ایمان و عقائد کا امتحان ہے کہ کون شرع پر قائم رہ کر تابع رحمان ہوتا ہے اور کون تابع شیطان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دجال ظاہر ہونے کے وقت جب امتحان ہو گا تو خالص موحد ہی توحید پر قائم رہ جائیں گے۔ یہ بت پرست' انبیاء پرست' اولیاء پرست سب ہی دجال کی امت ہو جائیں گے کیونکہ یہ لوگ ایسی خوارق عادات کے عاشق ہیں جو دجال ظاہر کرے گا۔ پس ہر زمانہ میں اور ہر فتنہ کے وقت حق و باطل کے پہچان کا معیار شریعت الٰہی ہے جو اس کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اور جو خلاف ہو وہ باطل ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ کی خدمت میں ایک شخص دس سال رہا اور دس سال بعد عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ سے کسی کرامت کا ظہور نہیں دیکھا۔ حضرت موصوف نے فرمایا کہ کیا تم نے اتنی مدت میں مجھ سے کوئی گناہ صادر

ہوتا بھی دیکھا ہے؟ عرض کیا نہیں! تو فرمایا پھر اس سے بڑھ کر کرامت کیا ہو گی۔
یہ آپ نے ٹھیک فرمایا کیونکہ کرامت کے معنی بزرگی ہے اور قرآن میں ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (یعنی بڑی کرامت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر شریعت الٰہی کا پابند ہے۔)
بعض جہلا نے کرامت بمعنی خرق عادت کے ظہور کو ولایت کا معیار قرار دیا ہے کہ جس میں کرامت ہو وہ ولی ہے خواہ ملحد زندیق اور بے دین ہو اور جس سے کرامت ظاہر نہ ہو وہ ولی نہیں خواہ وہ کتنا ہی متقی' پرہیزگار اور متبع سنت ہو' یہ سراسر باطل ہے اور قرآن کے خلاف ہے جیسے کہ بیان ہو چکا ہے۔ خرق عادات شیاطین کے تصرفات سے ساحروں' کاہنوں' فقیروں' ریاضت کرنے والوں سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض مجنوں' دیوانوں سے بھی صدور ہو جاتا ہے حالانکہ وہ عندالشرع مکلف نہیں اور نہ ہی ان کے جنتی اور دوزخی ہونے پر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ شرح طحاویہ فی عقیدہ السلفیہ کے ص-۴۳۶ میں ہے کہ "لما راہ من بعض المجانین من نوع مکاشفة اوتصرف عجیب خارق للعادة ویکون ذالک سبب ماالفتون بہ من الشیاطین کما یکون للسحرة والکھان فیظن ھذا الضال ان کل من خیل --- اور خرق للعادة کان ولیا ومن اعتقد ھذا فھو کافر" (یعنی بعض پیر پرست دیوانوں میں کوئی تصرف عجیب خارق عادت دیکھ کر اعتقاد رکھ لیتے ہیں کہ یہ ولی ہے حالانکہ وہ شیاطین کے اقتران کے سبب سے ظہور ہوا ہے جیسے جادوگروں' کاہنوں وغیرہم سے عجائبات صادر ہو جاتے ہیں جو پیر پرست غیر متشرع کی خرق عادت کو دیکھ کر اس کو کرامت کہتے اور اس غیر شرع تصرف کرنے والے کو ولی کہے وہ گمراہ اور کافر ہے۔
نیز یہ لکھا ہے کہ "اذا رائیتم الرجل یمشی علی الماء فلا تغروا بہ حتی تعرضوا امرہ علی الکتاب والسنة" (یعنی جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پانی پر چل رہا ہے تو اس سے اور اس کے اس فعل سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ ممکن ہے یہ شیطانی اثر یا کسی نفسانی ریاضت سے ہو تم اس کا حال اعتقادی اور عملی کتاب و سنت پر پیش کر کے جانچ کرو) اگر مطابق ہے تو ظاہر الحال میں ولی ہے ورنہ کوئی کاہن وغیرہ ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ ان متجددین نے شرع کو بدل کر اپنی نئی شرع بنا لی ہے' اس

سے مسلمانوں کو بچنا واجب ہے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۴۰' شمارہ۔۳' ۴' ۵' ۶' ۷' ۸' ۹' ۱۰' ۱۱' بمطابق یکم صفر ۱۶ صفر یکم و ۱۶ ربیع الاول یکم ربیع الثانی و ۱۶ ربیع الثانی یکم و ۱۶ جمادی الاول و یکم جمادی الثانی سنہ۔۱۳۹۹ھ

عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے کا مسئلہ

اور اس کا انجام

اہل بدعت عشاق ایک موضوع حدیث حدیث پیش کیا کرتے ہیں کہ "العشق من غیر ریبة کفارة للذنوب" یعنی عشق بلا ریب گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک یہ روایت ملاتے ہیں کہ من عشق فعف فکتم فصبر فمات فهو شهید یعنی جو شخص کسی پر عاشق ہوا پس وہ پاک دامن رہا اور اس نے عشق کو چھپایا اور صبر کیا پھر مر گیا تو وہ شہید ہوا۔
امام حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ محدث شہرہ آفاق نے اس حدیث کو باطل ثابت کیا ہے اور روایت اور درایت کی رو سے اس کی سخت تردید فرمائی ہے۔ اور یہ فرمایا کہ فلو کان اسناد هذالحدیث کالشمس کان غلطا او وهما (زاد المعاد جلد۔۲ ص۴۲) یعنی اگر بالفرض اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تب بھی وہ (درایتاً) غلط اور وہم ہوتی۔ لیکن سند

اس کی صحیح نہیں ہے اور آئمہ حدیث میں سے کسی نے اس کے صحیح یا حسن ہونے کی شہادت نہیں دی- بلکہ امام ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے- امام حاکم نے اس روایت کا دارومدار سوید بن سعید پر ٹھہرا کر یہ کہا ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ لو کان لی فرس و رمح غزوت سویدا- اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہو تو میں اس روایت کی وجہ سے سوید سے جنگ کرتا-

علامہ طاہر نے تذکرہ الموضوعات کے ص-۱۲۹ میں لکھا ہے کہ قد انکر علٰی سوید بن سعید وروی من غیر طریقة فیه نظر یعنی سوید پر جرح کی گئی ہے اور سوید کے علاوہ اور طریق سے بھی یہ روایت مروی ہے مگر وہ بھی مخدوش ہے-

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی نے اس روایت کو سند اور متن کے لحاظ سے صحیح بنانے کی بوادر النوادر میں بہت کوشش کی ہے مگر سب فضول ظاہر ہوئی اور بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "غضب یہ ہے کہ بعض اس کو ذریعہ قرب الٰہی سمجھتے ہیں اللہ کی پناہ اگر معصیت ذریعہ قرب الٰہی ہو تو سارے رنڈی' بھڑوے کامل ولی ہوا کریں- (بوادر النوادر جلد-۲ ص-۷۰۲) اور ص-۷۰۲ میں یہ فرمایا کہ بعض نے اس طریق مجاز کو اختیار کرایا مگر چونکہ اس زمانہ میں اس طریق کے اندر خطرہ شدید ہے کیونکہ نفوس میں شہوت پرستی و لذت جوئی زیادہ ہے' اس لیے قصداً ایسے طریق کا بتلانا جائز نہیں ہے-"

میں کہتا ہوں کہ بدعتی مولوی' گمراہ ملا اور ملحد پیر اس بے اصل روایت پر اپنا عقیدہ رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ عشق مجازی موصل الی الحقیقت ہے یعنی عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل ہوتا ہے- پہلے کسی خوبصورت عورت' حسین دوشیزہ' خوبصورت امرد لڑکے پر عاشق ہونا چاہیے کہ اس سے دل میں سوز و گداز پیدا ہو کر خیال میں یکسوئی پختہ ہو جاتی ہے اور باقی تعلقات دل سے دفع ہو جاتے ہیں پھر اس عاشقانہ تعلق کو محبوب مجازی سے ہٹا کر محبوب حقیقی اللہ کی طرف پھیر دیا جاتا ہے- یہ عشق مجازی سے عشق حقیقی کا حصول ہے- پھر اس پر یہ شعر پڑھتے ہیں کہ"

متاب از عشق او گرچہ مجازی است
کہ آن بہر حقیقت کارسازی است

بس پھر اس اصول اختراعی کی بناء پر عورتوں کو مرید بناتے ہیں اور پھر ان میں سے جو

بہت حسینہ ہوتی ہیں' ان پر عاشق ہو جاتے ہیں اور بعض امرد خوبصورت لڑکوں کے عاشق بن جاتے ہیں۔ بعض جوان کے شیخ المشائخ ہیں۔ وہ عورتوں کو اپنے خلوت خانوں میں رکھتے ہیں۔ ان سے مٹھیاں بھراتے ہیں' معانقہ کرتے ہیں۔ ان کے مرید اپنی غیرت طبعی و ایمانی کو حسن عقیدت پر قربان کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ والے بزرگ ہیں' ان کے نفس مرچکے ہیں اور یہ موتوا قبل ان تموتوا کے پورے عامل ہیں۔

یہ لوگ ہیر وارث شاہ' سوہنی مہینوال' فضل شاہ' غزلیں' عشقیہ نعتیں بڑی خوش الحانی سے پڑھ کر اپنی مریدنیوں کے شیشہ دل کو زخمی کر کے عشق کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ جس کا انجام واقعات سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ کئی عورتوں' کنواری لڑکیوں کو لے کر دنیا کے عالم برزخ میں چلے گئے ہیں۔ پھر قیامت کو یہ سب عاشق اور معشوق دربار الٰہی میں پیش ہو کر اس عشق کا حساب دیں گے۔ ان عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے والوں کے چند واقعات برائے عبرت درج ذیل ہیں جو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ مطبوعہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۵۳ء میں یہ خبر چھپی تھی کہ لاہور ریلوے چنگڑ محلہ میں مسمی معراج الدین اور اس کی بیوی کو پیر فضل الدین نے قتل کر دیا جس کا واقعہ یوں ہوا کہ پیر ان کو اپنا مرید سمجھ کر ان کے گھر میں کھلم کھلا آیا کرتا تھا۔ جس سے ان کی لڑکی منور سے محبت ہو گئی اور وہ پیر عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے لگا۔ ایک بار معراج الدین نے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ لیا تو اس کو غیرت آگئی اور اس نے پیر کو گھر سے نکال کر پھر دوبارہ آنے کی ممانعت کر دی۔ پیر جو عشق مجازی میں بے خود ہو کر مسمات منور کے نور سے پورا منور ہو چکا تھا' اس رکاوٹ سے سخت بے چین ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس نے موقعہ پا کر اپنی مطلوبہ کے والدین کو جو اس کی مواصلت میں سد راہ تھے' قتل کر دیا اور لڑکی منور کو اغوا کر کے عشق مجازی کی منزل طے کر گیا۔ آخر حکومت نے اس کو عشق مجازی کی غار سے نکال کر گرفتار کیا پھر اس کا انجام معلوم نہ ہوا کہ وہ عشق حقیقی کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اگر نہ پہنچا ہو تو بھی پریشان نہ ہو۔

مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں "تاخیر ہو جائے تو پریشان نہ ہوں۔ اس کوشش میں بھی اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے حتیٰ کہ اگر اسی میں جان بھی جاتی رہے تو شہادت کا

ثواب ملتا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ قول بالکل باطل ہے۔ کیونکہ شہادت درجہ عالیہ ہے جس کے حصول کے لیے کئی اعمال شرط ہیں جو دو قسم ہیں۔ ایک عامہ' دوم خاصہ۔ خاصہ تو مجاہدین اور غازیوں کے لیے مخصوص ہے اور عامہ پانچ اعمال ہیں۔ ان میں عشق داخل نہیں ہے بلکہ یہ بحکم یحبونہم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ - شرک فی الحب ہے' جس سے بچنا واجب ہے۔ پس اصل محبت اللہ تعالیٰ کی ہے جس کے حصول کا ذریعہ محبت نبوی اور اتباع سنت ہے۔

حدیث میں ہے کہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین یعنی کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد' والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں گا۔ اور پھر فرمایا من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ یعنی "جس شخص نے میری سنت کو محبوب رکھا' اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھے محبوب رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔" جب جنت میں داخل ہوا تو وہاں دیدار الٰہی میسر ہو گا۔ پس یہ محبت الی الحقیقت ہے جس کا قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم یعنی "اگر تم اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب بنانا چاہتے ہو تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم میری ہر دینی کام میں اتباع کرو اور مجھے اپنا اسوہ حسنہ سمجھو تم کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لے گا اور اس عمل سے تمہارے سب گناہ معاف کر دے گا' وہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

لیکن اہل بدعت کی الٹی چال ہے جو نہ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں پائی جاتی ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل میں اس کی نظیر ہے بلکہ یہ خلاف تعلیم رسول ہے کہ وہ کسی پر عاشق ہو کر اللہ سے ملنا چاہتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

واقعہ نمبر۲ لاہور کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ داتا گنج بخش کے مزار سے تہ خانہ میں سے تین لڑکیاں افسران پولیس نے برآمد کیں جو مقامی مجاوروں' پیروں کے قبضہ میں تھیں۔ جن کا مقدمہ عدالت میں چلا اور حکومت نے اسی سرکشی اور بدکاریوں' بے ایمانیوں کے باعث اس

خانقاہ اور اس کی تمام جائیداد کو اپنی تحویل میں لے کر سرکاری انتظام قائم کر دیا ہے۔ جس سے عشق مجازی کے ذریعہ عشق حقیقی حاصل کرنے کا ایک اڈہ ختم ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ حکومت نے مغربی پنجاب کے شہر پاک پتن کی طرف پوری توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ حالانکہ یہ عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے کا بہت مشہور اڈہ ہے۔

واقعہ نمبر۔۳ اخبار امروز مطبوعہ ۶/ مئی سنہ ۱۹۵۸ء جلد ۱۱ نمبر ۲۵ میں یہ خبر درج ہے جس کی سرخی یہ ہے۔ "پیر اپنے مریدوں کی بیویاں اغوا کر کے لے گئے" اس کے نیچے یہ واقعہ لکھا ہے۔ "واقعات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ لیہ ضلع مظفر گڑھ کے تین پیر حسین شاہ، بخش شاہ اور منن شاہ گذشتہ چار ماہ سے علاقہ کچی محمد خان (تھانہ ترنڈہ پناہ) میں اپنے ایک مرید الٰہی بخش کے ہاں مقیم تھے۔ مرید کی دو جوان عورتیں تھیں جو ہر وقت ان کی خدمت پر مامور تھیں اور ان کا حکم بجالانا سعادت سمجھتی تھیں۔ پیر بھی ان کی خدمت سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ان کی مہربانیوں کے دائرہ وسیع ہوتے گئے۔ (جس سے عشق مجازی کے دروازے کھلتے گئے) اور انہوں نے دونوں نوجوان عورتوں کو اپنی ہوس کے جال میں پھانس لیا (عشق مجازی شروع ہوا) اور مرید کو اس پورے ڈرامہ کا کوئی علم نہ ہو سکا (وہ بے وقوف اپنی حسن عقیدت کے جال میں پھنسا رہا) ایک روز جب صبح آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ عورتوں سمیت تینوں پیر غائب ہیں۔ (عشق مجازی کی منزل طے کر گئے) اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ (پھر حسن عقیدت کا کنڈ توڑ کر اٹھا)

وہ سیدھا تھانہ پہنچا اور اپنے مقدس پیروں کے خلاف رپورٹ درج کرا دی (بے ادبی تو ہوئی) سب انسپکٹر نے ان پیروں کا تعاقب کیا اور لیہ سے ایک پیر کو گرفتار کر لیا جس کے قبضہ سے دونوں مغویہ برآمد کر لی گئیں۔ (عشق مجازی کی منزل ختم ہو گئی) عورتوں نے پیروں کے خلاف بیان دے دیئے۔" (ص۔۵، اخبار مذکور کالم۔۳) اب وہ عشق حقیقی کی منزل پر پہنچ رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم

ایسے واقعات دو چار نہیں بلکہ بیسیوں ـــ سے گذر کر سینکڑوں تک پہنچ رہے ہیں مگر یہ پیری مریدی کا مرض جذام دن بدن پھیل رہا ہے اور لوگ اس قدر احمق اور بے وقوف ہیں کہ ان واقعات سے کچھ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ہمیشہ اپنی مستورات کو عرسوں، خانقاہوں پر بدستور بھیج رہے ہیں اور جب ان کے پیر مشائخ ان کے گھروں میں جلوہ افروز ہوتے ہیں

تو اپنی حسن عقیدت سے اپنی بہو' بیٹیوں اور بیویوں کو ان کے حوالہ کر دیتے ہیں اور وہ ان کی خدمت پر مامور ہو جاتی ہیں- حلوہ' گوشت مرغن غذا سے ان کی خدمت بجالاتی ہیں- جب گرم غذا سے شہوانی جذبات مشتعل ہوتے ہیں تو بس اس موضوع روایت کے پیش نظر عشق مجازی کے دروازے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں- جن میں طالب و مطلوب داخل ہو کر ہلاک ہوتے چلے جاتے ہیں- لہٰذا گزارش ہے کہ عشق مجازی سے عشق حاصل کرنے والوں کے شر سے بچو' والسلام

عبدالقادر عارف حصاری

الارشاد جدید جلد-۸' شمارہ-۷ بابت ماہ جولائی سنہ-۱۹۹۰ء

امت محمدیہ کے گروہ مطیعہ و غیر مطیعہ کا تذکرہ

امت محمدیہ کے فضائل و مناقب و درجات کتب سابقہ اور کتاب و سنت میں بہت وارد ہیں- قرآن کریم میں اس امت کو امت عادلہ قرار دے کر قیامت کے روز اس کو باقی تمام امتوں پر گواہ ٹھہرایا گیا ہے اور دنیا میں بھی جس میت کے حق میں اس امت کے شہداء اللہ فی الارض میں سے دو شخص خیریت اور صالحیت کی شہادت دے دیں گے' وہ عنداللہ مغفور قرار دیا جائے گا اور ان معبودی گواہوں کا شرعی اور سیاسی عدالتوں میں بھی اعتبار کیا گیا ہے جس میں شرک و کفر' بدعت و غلو نہیں پایا جاتا اور وہ افراط و تفریط سے مبرا ہے اور گناہائے کبائر کی عادی نہیں ہے بلکہ ان سے اجتناب رکھتی ہے- اگر گناہ ہو جائے تو فی الفور توبہ و استغفار کر لیتی ہے اور فرائض و ارکان اسلام کی پابند اور احکام و سنن شرعیہ کی مطیعہ ہے-

اسی کو کتاب اللہ میں خیر الامت بتا کر احادیث میں گروہ ناجیہ قرار دیا گیا ہے اور اس خیر الامم کو عمل یسیر پر ثواب کثیر عنایت کرنے کا وعدہ دیا گیا ہے اور انہی غر محجلون کا آثار وضو سے آنحضور ﷺ کو تعارف حاصل ہو گا اور یہی وہ منظم اور مستحکم گروہ ہے جن کو حدیث میں لا یجمعھم علی ضلالۃ کی بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور انہی میں سے یوم الحساب کو چار ارب نوے کروڑ ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائیں گے اور انہی میں سے وہ علماء اور اولیاء اور صلحاء ہوں گے جو اپنے مجرم بھائیوں کی

درگاہ الٰہی میں باذن اللہ شفاعت کرائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو حمادون ہیں کہ ہر خوشی و غمی، خوشحالی و بدحالی، صحت و بیماری، تنگدستی اور غنا میں، مصیبت اور راحت میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور صابرین و شاکرین کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ بڑے سخی اور منفقین اموال فی سبیل اللہ ہیں اور مستغفرین بالاسحار یعنی اپنے گناہوں کی سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے والے ہیں اور فرائض کے علاوہ لیل و نہار میں نوافل پڑھنے کے عادی ہیں۔ غصہ کا گھونٹ نوش کر کے اہل تقصیر لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اخلاق حسنہ سے موصوف اور معاملات میں تقویٰ و ورع اختیار کرتے ہیں۔ اور کثیر الذکر اور لغو و بیہودہ باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور علماء و صلحاء کے متجالسین و متزاورین ہیں۔ یہ وہ امت مطیعہ ہے جو جنت کی وارث ہو گی جس کو بارگاہ الٰہی سے یہ فرمان صادر ہو گا کہ ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون مزے سے اپنے نیک کاموں کے بدلہ میں بہشت میں جاؤ۔ ادخلوا الجنة انتم وازواجکم تحبرون۝ یعنی تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ، وہاں تمہاری خاطر اور عزت ہو گی۔ پس یہ متقین و مجاہدین انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ جنت میں عیش و آرام کریں گے۔

اس امت اجابت میں سے ایک گروہ غیر مطیعہ ہے جن کو ہادی امت اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی جماعت سے خارج فرما دیا ہے۔ وہ اپنی بد اعمالی اور شقاوت کی وجہ سے ناکارہ ہیں جو خیر اور ثواب کثیر سے محروم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کاملہ سے پورے فائز المرام نہ ہوں گے۔ گو یہ اسلام سے بالکل خارج نہیں لیکن جماعت عظیمہ اور سواد اعظم سے علیحدہ کئے گئے ہیں کہ وہ دربار الٰہی میں جاتے ہی انعام الٰہی نہ پائیں گے بلکہ اپنے اعمال شنیعہ کی سزا پا کر پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا، وہ نجات حاصل کر کے جنت میں جائیں گے۔ اعاذنا اللّٰہ من جھنم واھلھا۔

جو لوگ اس جماعت مطیعہ اہل جنت سے خارج کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جن کے حق میں احادیث نبویہ میں لیس منا یا لیس منی کا حکم صادر فرمایا گیا ہے۔ اہل شرع کی یہ اصطلاح ہے کہ جس شخص کو لیس منی یا لیس منا کہہ دیا جائے وہ اس جماعت شرعیہ مطیعہ سے خارج متصور ہوتا ہے جس کو دربار الٰہی میں جاتے ہی انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اس میں وہ شمار نہیں کیا جاتا۔ گو اس کو بشرطیکہ ایمان باللہ رکھتا ہو بالآخر رہائی ہو جاتی ہے۔

شرح مسلم جلد ۱' ص ۷۰ا میں امام نووی فرماتے ہیں کہ معناه عند اهل العلم انه ليس ممن اهتدى بهدينا واقتدى بعلمنا وعملنا وحسن طريقتنا كما يقول الرجل لولده اذا لم يرض فعله لست منى وهكذا القول فى كلك الاحاديث الواردة یعنی "احادیث میں جو لیس منا کا کلمہ آیا کرتا ہے' اس کا معنی علماء کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ہمارے طریقہ کے پابند اور ہمارے علم و عمل کے تابعدار ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کی نافرمانی سے ناراض ہو کر یہ کہے کہ تو مجھ سے نہیں ہے (نہ تو میرا نہ میں تیرا) ایسے ہی یہ مقولہ نبویہ ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ محاورہ قرآن سے خوب سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام اسلامی بادشاہ کا جنگ جب جالوت راجہ کفار سے ہوا ہے تو مسلمان اسی ہزار (۸۰۰۰۰) بھرتی ہو کر حضرت طالوت کی فوج بن کر تیار ہوئے اور لڑائی کے لیے چلے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس دستور کی رو سے کہ "ما كان الله ليذر المؤمنين علىٰ ما انتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب" یعنی "اللہ تعالیٰ مدعیان ایمان کو صرف ان کے دعویٰ پر ہی نہیں چھوڑتا جب تک کہ ان کا امتحان لے کر خبیث کو طیب سے جدا نہ کر دے۔" ان کا امتحان لیا' چنانچہ طالوت نے تمام لشکر کو عام اعلان کر کے یہ سمجھایا کہ ان الله مبتليكم بنهر "تحقیق اللہ تعالیٰ ایک نہرپانی والی کے ساتھ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔" یعنی جنگ سے پہلے تمہاری آزمائش یوں ہو گی کہ ایک نہر آئے گی۔ فمن شرب منه فليس منى جس شخص نے اس نہر سے خوب سیر ہو کر پانی پی لیا' وہ ہماری جماعت مجاہدین سے خارج ہے۔ وہ میرے تابعداروں' حکم برداروں سے نہیں ہے۔ ومن لم يطعمه فانه منى الا من اغترف غرفة بيده اور جو شخص نہ پیئے گا وہ میری فوج میں شمار ہو گا مگر شدت پیاس میں صرف ایک چلو بھر پانی پینے کی اجازت ہے۔

اس امتحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ فشربوا منه الا قليلا منهم اکثر لوگوں نے اس نہر سے سیر ہو کر پانی نوش کیا مگر ان میں سے تھوڑے تابعدار ثابت ہوئے کہ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باوجود شدت پیاس کے ایک چلو کے سوا پانی نہ پیا اور وہ تعداد میں تین سو تیرہ نکلے جو مجاہدین بن کر حضرت طالوت کی جماعت مطیعہ ثابت ہوئے۔ باقی سب خارج ہو کر ناکارہ ہو گئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے کار خیر سے محروم ہوئے۔ پس اس محاورہ کی رو سے

کتاب و سنت میں اللہ اور رسول کی طرف سے جملہ فلیس منا کا مطلب سمجھ لیں اور اب وہ احادیث سنیں جن میں یہ جملہ وارد ہوا ہے۔

(۱) کتب حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مرفوعاً وارد ہے کہ من حمل علینا السلاح فلیس منا یعنی "جس شخص نے ہم مسلمانوں پر ہتھیار اٹھایا' وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔" اس سے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی حرام اور گناہ کبیرہ ثابت ہوئی۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو دو مسلمان آپس میں تلوار اٹھا کر لڑتے ہیں' وہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔

(۲) مشکوٰۃ شریف میں بروایت ابوداؤد یہ مرفوع حدیث ہے کہ لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة یعنی جو شخص ناجائز حمایت کرنے کی طرف لوگوں کو بلائے وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے اور جو شخص خاندانی اور قومی پچ کر کے لڑے وہ بھی ہماری جماعت سے نہیں ہے اور جو شخص عصبیت پر عمل کرتا ہوا مرگیا وہ بھی ہمارے میں سے نہیں ہے۔ عصبیت کہتے ہیں کہ اپنے خاندان اور قوم کے ظلم اور زیادتی پر مدد کرنا' یہ گناہ ہے۔

(۳) کتب حدیث مسلم و ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ من ادعی ما لیس له فلیس منا ولیتبوا مقعده من النار یعنی جو شخص کسی ایسی چیز پر دعویٰ دائر کرے جو اس کا حق نہیں ہے تو ایسا جھوٹا مدعی ہماری جماعت سے نہیں ہے بلکہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھ لے۔ پس آج کل عدالتوں یا پنچائتوں میں فریب کاری یا عداوت و عناد سے لوگوں پر ان کا مال یا زمین یا عورت حاصل کرنے کے لیے بہت جھوٹے دعوے کر رہے ہیں۔ یہ امت مسلمہ ملیہ سے خارج ہیں۔

(۴) جامع صغیر میں بروایت طبرانی یہ حدیث وارد ہے کہ من فرق فلیس منا جس شخص نے مسلمانوں کی جماعت میں یا اپنے قریبیوں' دوستوں میں یا خاوند بیوی میں یا والدین اور ان کی اولاد میں یا دو بھائیوں میں پھوٹ اور تفرقہ ڈالا وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔

(۵) ابوداؤد وغیرہ میں یہ حدیث ہے کہ من حلف بالامانة فلیس منا یعنی جس شخص نے امانت' ایمان دھرم کی قسم کھائی' وہ ہم مسلمانوں سے نہیں ہے یعنی اللہ کی ذات اور صفات کے سوا تعظیماً کسی غیر اللہ کی قسم کھانا شیوہ کفار ہے۔ اس لیے دوسری حدیث میں یہ

وارد ہے کہ من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ مشرک ہوا۔ جب غیر اللہ کی حلف اٹھانے والا مشرک ہوا تو مسلمانوں سے خارج ہوا۔ اب یہ شرک عام پھیل رہا ہے۔

(۶) ترغیب و ترہیب منذری میں بروایت طبرانی وبزاریہ حدیث وارد ہے کہ لیس منا من تطیر ولا من تطیر لہ اوتکھن اوتکھن لہ او تسحر او تسحر لہ یعنی جو شخص شگون لیتا ہے یا جس کے لیے شگون لیا جاتا ہے یا جو کاہنوں' جوشیوں کا کام کرتا یا جس کے لیے یہ غیبی خبروں کا کام و پیشہ کیا جاتا ہے یا جو جادوگری کرتا ہے یا جس کے لیے جادو کیا جاتا ہے' یہ سب ہماری جماعت مسلمہ سے خارج ہیں کہ یہ سب افعال شرکیہ ہیں' اسلامیہ نہیں۔

(۷) کنزالعمال میں بحوالہ طبرانی و مستدرک یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ لیس منا من انتھب وسلب او اشارہا لسلب یعنی جس شخص نے لوٹ مار کی ڈاکہ ڈالہ یا مال چھین لیا یا اس کام کرنے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۸) مسلم و ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من غشنا فلیس منا یعنی جس شخص نے ہم مسلمانوں کو دھوکہ' فریب دیا وہ ہم لوگوں میں سے نہیں ہے یعنی یہ فریب کاری اور دھوکہ کرنا کافروں کا شیوہ ہے' مسلمانوں کا نہیں ہے۔ یہ حکم اس وقت ماخذ کیا جبکہ ایک شخص مسلمان کا غلہ بازار میں آنحضرت ﷺ نے دیکھا پھر اس میں ہاتھ ڈال کر اس کو ملاحظہ کیا تو وہ اندر سے نمدار تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ یہ ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا یارسول اللہ یہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے اس بھیگے ہوئے اناج کو اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے' سب کو معلوم ہو جاتا۔ جو شخص دھوکہ فریب کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔

(۹) مسلم وغیرہ کتب حدیث میں حدیث وارد ہے کہ لیس منا من ضرب الخدود او شق الجیوب او دعا بدعوی الجاھلیۃ یعنی جو شخص رخساروں پر طمانچے مارے' پیٹے اور کپڑے پھاڑے اور جاہلیت کے بین کرے' دوہائی دے' وہ ہماری جماعت مسلمہ سے خارج ہے' اس سے نہیں ہے۔

پس نوحہ کرنے والے اور سینہ کوبی کرنے والے جماعت مطیعہ میں داخل نہیں ہیں۔

(۱۰) درمنثور میں بروایت طبرانی' ابن مردویہ وابن عساکر یہ حدیث مذکور ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا لیس منا ذو حسد ولا نمیمة ولا خیانة ولا اھانة یعنی جو شخص حسد کرنے والا ہے اور چغلی کرنے والا ہے اور مومن کی توہین کرتا ہے وہ جماعت سے خارج ہے۔

(۱) مشکوٰۃ وغیرہ کتب حدیث میں یہ حدیث آئی ہے کہ من رغب عن سنتی فلیس منی اور ابن ماجہ میں یوں آیا ہے کہ من لم یعمل بسنتی فلیس منی اور کنزالعمال میں یہ روایت ہے کہ لیس منا من عمل لسنة غیرنا ان سب کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ میری سنت سے نفرت کر کے اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ غیر اسلامی دستور اور فیشن پر عمل کرتے ہیں وہ ہماری جماعت سے خارج ہیں۔

آج عام طور پر حجامت غیر اسلامی ہے اور مسنون حجامت سے نفرت ہو رہی ہے اور نماز وغیرہ بھی خلاف سنت ادا کر رہے ہیں اور بیاہ شادی' ماتم بھی سنت سے خالی ہے۔ اس لیے اصلی اہلسنت نایاب ہیں۔ اکثر رواج پرست' مذہب پرست پائے جاتے ہیں۔

(۲) مشکوٰۃ میں یہ حدیث وارد ہے کہ من دخل علیھم فصدقھم بکذبھم واعانھم علی ظلمھم فلیسوا منی ولست منھم یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو ظالم حاکموں' افسروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے ظلم اور باطل باتوں اور غیر عادلانہ قانونوں' فیصلوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جھوٹی کارروائیوں میں ان کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کی ظالمانہ روش میں ان کی حمایت کرتے ہیں وہ میری جماعت سے نہیں ہیں اور نہ میرا ان سے کوئی علاقہ (تعلق) ہے اور جو ایسے کاموں سے محفوظ ہیں وہ میرے ساتھی ہیں۔

(۳) تفسیر درمنثور میں بروایت احمد' طبرانی اور ابن ابی شیبہ یہ حدیث آئی ہے کہ لیس منا من وطئی حبلٰی جو شخص ایسی عورت سے صحبت کرے جس کو غیر کا حمل ہے اور وہ حاملہ ہے تو وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ اسی طرح اس سے نکاح بھی حرام ہے۔ کیونکہ نکاح مستلزم وطی ہے۔ اس لیے عدت حاملہ کی وضع حمل ہے' فتفکروا۔

(۴) مشکوٰۃ اور کنزالعمال میں یہ حدیث ہے کہ لیس منا من خصی واختصی یعنی جو شخص کسی دوسرے کو خصی کر دے کہ وہ نکاح یا عورت سے صحبت کرنے کے قابل نہ رہے یا خود خصی ہو جائے کہ مجھے نکاح کی ضرورت نہ رہے' شہوات نفسانیہ رفع ہو جائیں تو ایسے لوگ ہمارے سے علیحدہ ہیں' ہمارا ان سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔

(۱۵) کنزالعمال میں بروایت طبرانی' بیہقی اور مناوی میں بحوالہ بزازیہ یہ حدیث وارد ہے کہ من کان موسرا لان ینکح فلم ینکح فلیس منا یعنی جو شخص مالی وسعت رکھ کر پھر نکاح نہ کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔ پس مجرد لوگوں کو فوراً شادی کرنی چاہیے۔

(۱۶) کنزالعمال میں بروایت ترمذی وغیرہ حدیث میں آیا ہے لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ویامر بالمعروف وینھی عن المنکر یعنی "جو شخص چھوٹے پر رحم نہیں کرتا اور اپنے بڑے کا احترام نہیں کرتا اور نیکی کا کسی کو حکم نہیں کرتا اور برائیوں سے کسی کو روکتا نہیں ہے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔" کیونکہ ہماری جماعت محمدیہ کا یہ شیوہ نہیں ہے۔

(۱۷) کتب حدیث بخاری' دارمی' ابوداؤد وغیرہ میں یہ حدیث آئی ہے من لم یتغن بالقرآن فلیس منا یعنی جو شخص قرآن کا علم حاصل کر کے دنیا اور اس کی چیزوں سے بے پرواہ نہ ہوا بلکہ اس عطیہ الٰہی سے بے پرواہ ہو کر دنیا کی حرص و ہوئی میں پھنس گیا تو وہ ہماری جماعت قرآنیہ سے خارج ہوا۔ بعض علماء نے اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ جو شخص غیر کی کلام اور شعروسخن سے بے پرواہ نہ ہوا۔ اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ جس نے قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ تینوں معانی لغوی اور شرعی لحاظ سے درست ہو سکتے ہیں۔ تینوں کو دیگر دلائل سے تائید حاصل ہے۔

(۱۸) ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ مسئلہ تقدیر کا آنحضور ﷺ نے ذکر فرمایا کہ اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ ہر شے کی تقدیر قیامت تک کی لکھ۔ قلم نے لکھا۔ اب ہر کام اسی کے مطابق ہو رہا ہے' یہی عقیدہ رکھنا چاہیے۔ من مات علی غیر ھذا فلیس منی یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر خیروشر پر ایمان نہ رکھے گا وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

(۱۹) ابوداؤد وغیرہ میں یہ حدیث ہے کہ اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثارھن فلیس منا یعنی تم سب قسم کے سانپوں کو قتل کرو جو شخص اس خوف سے سانپ کو نہ مارے گا کہ اس کا ساتھی اور جوڑا اس کا مجھ سے انتقام لے لے گا تو وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔
مسند احمد میں حدیث ہے کہ جس نے سانپ قتل کر دیا اس نے گویا مشرک قتل کر دیا۔ کیونکہ مشرک دشمن ایمان ہے اور سانپ دشمن جان ہے۔ دونوں کا مقابلہ میں قتل واجب

ہے۔

(۲۰) کنزالعمال میں بروایت طبرانی یہ حدیث مذکور ہے کہ من رمی باللیل فلیس منا یعنی جو شخص رات کو نشانہ بازی' تیر اندازی کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ رات کو نشانہ بازی کرنے سے کسی انسان یا حیوان کا نقصان لازم آتا ہے۔

(۲۱) کنزالعمال میں بحوالہ طبرانی یہ حدیث آئی ہے کہ من جلب علی الخیل یوم الرھان فلیس منا یعنی جو شخص گھوڑ دوڑ کے دن شرط کر کے قمار بازی کی صورت بنائے' وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔ آج کل ٹانگوں والے روپیوں کی شرط لگا کر گھوڑ دوڑ کر رہے ہیں جو حرام ہے۔

(۲۲) صحیح ابو عوانہ جلد-۱' ص-۲۳ میں یہ مرفوع حدیث وارد ہے کہ من ادعی الی غیر ابیہ فلیس منا یعنی جو شخص اپنے اصلی باپ سے اعراض کر کے دوسرے کی طرف دعویٰ کرے کہ میں اس کا بیٹا ہوں تو وہ حرام زادہ بننے والا ہماری جماعت سے خارج ہے۔ پس فرضی سید' قریشی' فرضی راجپوت' پٹھان وغیرہ بننے والے فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔ دیگر حدیث صحیح میں ہے کہ فالجنۃ علیہ حرام ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔ نیز وہ ملعون ہے۔

(۲۳) ابوداؤد' مستدرک' بیہقی وغیرہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ لیس منا من خبب امراۃ علی زوجھا یعنی جو شخص کسی عورت کو بہکا کر اس کے خاوند سے بد راہ کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ کئی عیاش عشق بازی کرنے والے یا زن فروش یا پارٹی بند معاند وغیرہ لوگ ایسی حیا سوز حرکتیں کرتے ہیں جو گمراہ ہیں۔

(۲۴) ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالکف یعنی جو لوگ غیر مسلموں کی مشابہت کرتے ہیں وہ ہماری جماعت سے خارج ہیں۔ تم نہ یہودیوں کی مشابہت کرو اور نہ عیسائیوں کی۔ یہود انگلیوں کے اشارہ سے سلام کرتے ہیں اور عیسائی اپنی ہتھیلیوں کے اشارہ سے کرتے ہیں۔ (تم مصافحہ کرو) اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہی میں شمار ہو گا۔ ہاں عذر ہو تو اشارہ سے سلام جائز ہے۔ مثلاً نماز میں ہو یا دور ہو یا بیمار ہو یا بہرہ ہو یا گونگا ہو تو ان کو

اشارہ کرنا جائز ہے۔

(۲۵) مجمع البحار اور نہایہ میں یہ حدیث مذکور ہے کہ من لم یتعز بعزاء اللّٰہ فلیس منا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی تعزیت کے مطابق تعزیت نہ کرے بلکہ جاہلیت کے طریق سے کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

(۲۶) طبرانی میں یہ حدیث آئی ہے کہ من لبس الحریر وشرب فی الفضۃ فلیس منا یعنی جو شخص ریشمی لباس پہنے یا چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے' وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ امت محمدیہ کے مردوں پر ریشم حرام ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔

(۲۷) مشکوۃ میں یہ حدیث وارد ہے کہ من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا یعنی جو شخص لبوں اور اپنی مونچھوں کو نہیں کترواتا وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔ داڑھی بڑھانا اور لبیں کترواتا ملت اسلامی کا شعار ہے جو داڑھی کٹائے یا منڈائے اور مونچھیں بڑھائے یا دونوں کا صفایا کر کے عورتوں کی مثل چہرہ رکھے وہ جماعت سے خارج ہے۔ اس کی تفصیل رسالہ داڑھی مونچھ میں کی گئی ہے' فتذکروا۔

(۲۸) یہ حدیث طبرانی صغیر میں موجود ہے کہ من توضا بعد الغسل فلیس منا یعنی جو شخص غسل کے بعد وضو کرے تو وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے کیونکہ ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ غسل کے بعد وضو نہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل سے پہلے آپ وضو کر لیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح غسل فرضی اور مسنونہ کا طریقہ ہے۔ اب جو شخص بغیر وضو کے غسل کرے گا تو اس کا غسل شرعی نہ ہو گا اور جو شخص وضو کر کے پھر غسل کرے گا تو اس کا غسل درست ہو گا لیکن اگر وہ اپنے خیال خام میں باوجود مسئلہ واضح ہونے کے سابقہ وضو کو کافی نہ سمجھتے ہوئے دوبارہ وضو کرے گا تو ایسا وہمی شخص جماعت سے نہیں ہے۔ جماعت میں وہ شخص رہ سکتا ہے جو احادیث نبویہ کے مطابق پختہ عقیدہ اور عمل رکھنے والا ہے۔ ہاں اگر غسل میں شرمگاہ کو قصداً ہاتھ لگا لیا یا ہوا خارج کر دی تو پھر دوبارہ وضو کر سکتا ہے' فتدبروا۔

(۲۹) امام ابن السنی کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ کے باب التغلیظ فی ترک رد السلام کے ص۵۹ میں حدیث ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا سوار تو پیدل شخص کو سلام کہے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو کہے اور کم تعداد کے اشخاص زیادہ تعداد کے لوگوں کو سلام کہیں۔ پس جو

شخص سلام کا جواب دے گا' اس کا ثواب اس کو مل جائے گا اور جو غرور اور تکبر کی بناء پر جواب نہ دے گا یا ناحق کے کینہ بغض کی رو سے جواب نہ دے گا وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے- حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ ومن لم یجب السلام فلیس منا-

(۳۰) کنزالعمال جلد-۵' ص-۲۰۵ میں بروایت دیلمی وابن النجار ایک حدیث یوں آئی ہے لیس منا الا عالم او متعلم اور مناوی ص-۱۴ میں بروایت طبرانی یہ حدیث ان لفظوں سے ہے لیس منی الاعالم او متعلم- مطلب دونوں کا ایک ہے کہ جو شخص کتاب و سنت کا عالم نہیں یا کتاب و سنت کے احکام کی تعلیم لینے والا نہیں ہے صاف دین سے جاہل ہے' وہ ہماری جماعت سے خارج ہے- چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث اس حدیث کی موید ہے اور وہ یہ ہے کہ العالم والمتعلم شریکان فی الاجر ولا خیر فی سائر الناس یعنی عالم اور علم سیکھنے والا دونوں اجروثواب میں شریک ہیں اور ان کے علاوہ جو جہالت اور جاہلیت میں مست اور دینی علم سے غافل ہیں' ان میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے-

(۳۱) مسند الفردوس اور ابن عساکر کی ایک روایت یہ آئی ہے کہ من استنجی من الریح فلیس منا یعنی جو شخص پاد مار کر' ہوا خارج کرنے پر استنجا کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے- کیونکہ گوز مارنے اور ہوا خارج کرنے سے استنجا کرنے کا شارع نے کوئی حکم نہیں دیا- اب جو شخص استنجا کرتا ہے اور اس کو شرع کا حکم قرار دیتا ہے وہ بدعتی ہے جو جماعت سے خارج ہے- فتاوٰی عالمگیری جلد-۱' ص-۱۸ میں استنجاء کی پانچ قسمیں لکھی ہیں- پانچویں یہ ہے والخامسة بدعت وھو الاستنجاء من الریح یعنی پانچویں قسم یہ ہے جو ہوا خارج ہونے پر استنجاء کرتے ہیں' یہ بدعت ہے-

بس یہ اکتیس اشخاص بطور مثال پیش ہیں جو گروہ مطیعہ سے خارج ہیں- ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کو ملعون اور جہنمی قرار دیا گیا ہے- سب کی تفصیل کی اب گنجائش نہیں ہے-

والسلام

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

الارشاد جدید جلد-۹' شمارہ-۴ بابت ماہ ۲۹ فروری سنہ ۱۹۷۱ء

گیارہویں

یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ شریعت الٰہی کے احکام منقول اور منزل من السماء ہیں جن کی تکمیل بذریعہ وحی جلی و خفی حضرت صادق و مصدوق رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں کر دی گئی اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتار کر اس کی بشارت دی گئی ہے۔ اب کسی کو کوئی مسئلہ اپنی رائے اور عقل سے ایجاد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں عقل اور تدبر اور تفکر سے احکام شرع کو سمجھنے کا حق بلکہ حکم ہے۔ جب نفس مسئلہ شرع سے ثابت ہو تو پھر اس کے نقلی اور عقلی فضائل اور علل اور فوائد معلوم کرنے اور بیان کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً پانچ نمازیں شرع سے ثابت ہیں تو اب عقلی طور پر یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ پانچ کی گنتی اور پانچ کا عدد کیوں مقرر ہے؟ اس سے کم نمازیں یا کچھ زیادہ کیوں مقرر نہیں ہیں؟ اس کی حکمت اور فوائد اپنے ایک مضمون گیارہویں اور پانچ کے مقابلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ مزید یہ عرض ہے کہ بموقعہ معراج نبوی عدالت الٰہی سے اول پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر تخفیف کی استدعاء پر پانچ کے عدد پر استقرار اس لیے ہوا کہ قانون الٰہی یہ مقرر ہونا تھا کہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشرا مثالھا کہ جو شخص ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ پس اس بنا پر پانچ نمازوں کے ادا کرنے سے ۵۰ نماز کا اجر ملتا ہے اور یہ وہی عدد ہے جو اول میں نمازوں کے لیے فرمایا گیا تھا۔ جس کو ثواب میں قائم رکھا گیا۔ گویا وہی پچاس کی پچاس قائم ہیں۔ صرف ظاہرداری اور پڑھنے میں پانچ ہیں کہ آنحضور ﷺ کی شفاعت سے محنت میں تخفیف ہو گئی لیکن ثواب میں وہی پچاس ہیں۔ یہ مولا کی نکتہ نوازی ہے کہ پانچ کے عدد سے نکتہ یعنی صفر کو اپنی رحمت سے اٹھا کر اپنے بندوں پر رحم بھی کر دیا اور اجر و ثواب میں وہی نکتہ لگا کر دوبارہ رحمت برسا دی اور اس کو راحت جان بنا کر سابقہ حکم کی یادگار بھی قائم رکھ دی اور قانون عدالت من جاء بالحسنۃ جو روز ازل سے قرار پا چکا تھا وہ بھی نافذ کر دیا۔ یہ سب کچھ پانچ کے عدد سے ہی ہو سکتا ہے۔ اگر پانچ نمازیں شرع سے ثابت نہ ہوتیں تو پانچ کے عدد کا کمال اور اس کی حکمتیں سب بیکار اور فضول ہو جائیں۔ اس لیے ہم

گیارہویں کرنے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جب نفس مسئلہ "پیر جیلانیؒ کے نام کی ماہ ربیع الثانی کی گیارہویں تاریخ کو نذر نیاز دینا اور پیر صاحبؒ سے نفع کے حصول کے لیے اور دفع ضرر کی خاطر کھانے پکانا اور اس کا نام گیارہویں رکھنا اور اس کا خاص طور پر التزام کرنا اور واجب العمل سمجھنا اور اس کے انکار کرنے والے کو ملامت کرنا اور بے دین قرار دینا شرع سے ثابت نہیں ہے۔ نہ ہی احکام شرع نازل ہونے کے وقت پیر جیلانیؒ کا وجود تھا اور نہ ہی ان کی گیارہویں کرنے کا حکم بذریعہ وحی جلی یا خفی حضور ﷺ پر نازل ہوا تو پھر گیارہویں کے عدد کے فضائل بیان کرنا اور اس کی تقرری کی حکمتیں ظاہر کرنا بیہودہ اور فضول ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس کے معقولی اور منقول دلائل پیش کریں۔ نبؤنی بعلم ان کنتم صدقین ○

مثلاً شب قدر کا رمضان میں ہونا اور رمضان کے آخری ہفتہ میں ہونا منصوص ہے جو نص حدیث سے ثابت ہے۔ کما لا یخفٰی علٰی اھل العلم۔ اب شب قدر کی دو چیزیں تلاش میں ملحوظ ہیں۔ ایک سات کا عدد کہ وہ رمضان کے آخری ساتے میں ہے۔ یہ سات کا عدد مخصوص کیوں ہوا؟ طاق کا جواب تو یہ ہے کہ طاق وتر ہے اور اللہ کی ذات بھی وتر ہے اور حدیث میں ہے اللّٰہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ وتر ہے اور وتر کو وہ دوست رکھتا ہے۔

اور سات کی تخصیص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر یوں ظاہر فرمائی کہ دنوں کا دور سات پر ختم ہے۔ انسان کی تکمیل تخلیق سات مراحل تک ختم ہوتی ہے اور اس کے رزق کی تخلیق بھی سات پر ہے۔ افلاک کی گنتی بھی سات ہے اور زمینیں بھی سات ہیں اور سورہ افضل القرآن کی آیات بھی سات ہیں اور حرام رشتے نسب سے بھی سات ہیں اور صہرے بھی سات ہیں اور میراث کی تقسیم بھی سات حصوں پر ہے اور نماز میں سجدہ جو قرب الٰہی کا زیادہ باعث ہے وہ سات اعضاء پر کیا جاتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف بھی سات چکروں سے ہوتا ہے اور صفا مروہ کی سعی بھی سات دوروں میں ہوتی ہے اور حج میں جمروں کو جو کنکر مارے جاتے ہیں وہ بھی سات ہیں۔ اس لیے لیلۃ القدر سات راتوں میں دائر ہے اور وہ عشرہ آخر کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔

یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فہم کے بہت رسا ہونے کی شہادت دی۔ (کنزالعمال ج۔۷' ص۔۵۴)

ان تیرہ عدد مناسبتوں کو لیلۃ القدر کے سات راتوں میں ہونے پر بیان کیا جو بالکل صحیح اور درست ہے اور اس سے سات کے عدد کا فلسفہ ظاہر ہوا۔ ٹھیک اسی طرح بریلوی فرقہ غالیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ پہلے پیر جیلانیؒ کے نام سے گیارھویں کرنا کسی نص سے ثابت کریں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر گیارھویں کے عدد کی مناسبتیں دوسرے کاموں سے جو گیارھویں کو ہوئے اور اس عدد کی حکمت اور فلسفہ بیان کریں ورنہ تمہارے بیانات بالکل لغو اور بیہودہ ہیں۔ جب بانس کا وجود ثابت نہ ہو گا تو بانسری کی فضیلت اور ثبوت آپ لوگ کیسے دے سکیں گے۔

پھر یہ بھی بتانا ہو گا کہ گیارھویں کے عدد کو ثابت کرنے پر جب اتنا زور ہے کہ گویا یہ منصوص ہے تو بغداد میں جہاں اصل پیر جیلانی کا وجود مبارک ہے وہاں سترھویں کیوں جاری ہے؟ اصل مرکز میں سترھویں کے نفاذ نے ہندوپاک کی گیارھویں کو بیہودہ اور بالکل فضول کر دیا اور گیارھویں کے فضائل سب بیکار ہو کر ہباء" منثورا ہو گئے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جس کیفیت سے یہ گیارھویں اور سترھویں رائج ہیں شرک اور بدعت ہیں۔ خود حضرت جیلانی امام ربانی رحمہ اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اذا رکنت الی غیرہ فقد اشرکت یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی طرف جھکے تو مشرک ہو گئے۔

اور شامی جلد ثانی ص۔۳۹ مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب نیاز کرنے والا یہ سمجھتا اور عقیدہ رکھتا ہے کہ میت کچھ نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے تو یہ کفر ہے۔

مگر اس کے برعکس گیارھویں والے پیر جیلانی رحمہ اللہ کے مناقب میں یہ لکھتے ہیں کہ برہان پور کے ایک ہندو' مشرک' بت پرست نے پیر صاحبؒ کی نیاز دی تو اس کو آگ نے نہ جلایا جب کہ وہ مر گیا تھا اور اس کا جنازہ اولیاء کرام نے پڑھلیا۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات' فلعنة الله على الكاذبين○

مسلمانوں پر لازم ہے کہ گیارھویں کے کھانے اور اس کے کرنے سے بچتے رہیں۔ یہ حرام اور شرک و بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بدعتوں اور شرک و کفر سے بچائے۔

نہ رب رسول دی خبر ایہناں کردے دین نوں چوڑ چپٹ ملاں؟
محض پیٹ خاطر دین وگاڑن بھکھے لوگ تے لٹیرے چٹ ملاں

حررہ العاجز عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد۔۳۷، شمارہ۔۷، مورخہ یکم ربیع الثانی سنہ۔۷۶ ۱۳ھ

گیارہویں یا سترہویں

شریعت الٰہی کے احکام منقول اور منزل من السماء ہیں جن کی تکمیل بذریعہ وحی جلی و خفی حضرت صادق و مصدوق رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں کر دی گئی اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتار کر اس کی بشارت دی گئی ہے۔ اب کسی کو کوئی مسئلہ اپنی رائے اور عقل سے ایجاد کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں عقل اور تدبر اور تفکر سے احکام شرع کو سمجھنے کا حق بلکہ حکم ہے۔ جب نفس مسئلہ شرع سے ثابت ہو تو پھر اس کے نقلی اور عقلی فضائل و علل اور فوائد معلوم کرنے اور بیان کرنے مناسب ہوتے ہیں۔ مثلاً پانچ نمازیں شرع سے ثابت ہیں تو اب عقلی طور پر یہ معلوم کرنا نامناسب ہے کہ پانچ کی گنتی اور پانچ کا عدد کیوں مقرر ہے' اس سے کم نمازیں یا کچھ زیادہ کیوں مقرر نہیں ہیں۔ اس میں کیا حکمت اور فلسفہ ہے؟ تو عقلی طور پر اس کی حکمت معلوم کرنا ہمارا حق ہے۔ سو بندہ نے اس کی حکمت اور فوائد اپنے ایک مضمون گیارہویں اور پانچ کے مقابلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ مزید یہ عرض ہے کہ بموقعہ معراج نبوی عدالت الٰہی سے اول پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ پھر تخفیف کی استدعا پر پانچ کے عدد پر استقرار اس لیے ہوا کہ قانون الٰہی یہ مقرر ہونا تھا کہ من حباء بالحسنة فله عشرا مثالها کہ جو شخص ایک نیکی کرے گا' اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ پس اس بنا پر پانچ نمازوں کے ادا کرنے سے پچاس نماز کا اجر ملتا ہے اور یہ وہی عدد ہے جو اول میں نمازوں کے لیے فرمایا گیا تھا جس کو ثواب میں قائم رکھا گیا۔

گویا وہی پچاس کی پچاس قائم ہیں۔ صرف بظاہر پڑھنے میں پانچ ہیں کہ آنحضور ﷺ کی شفاعت سے محنت میں تخفیف ہو گئی لیکن ثواب میں وہی پچاس ہیں۔ یہ مولا کی نکتہ نوازی ہے کہ پانچ کے عدد سے نکتہ یعنی صفر رحمت سے اٹھا کر اپنے بندوں پر رحم بھی کر دیا اور اجروثواب میں وہی نکتہ لگا کر دوبارہ رحمت برسا دی اور اس کو راحت جان بنا کر سابقہ حکم کی یادگار بھی قائم کر دی اور قانون عدالت من جاء بالحسنة جو روز ازل سے قرار پا چکا تھا' نافذ کر دیا۔ یہ سب کچھ پانچ کے عدد سے ہی ہو سکتا تھا۔ اگر پانچ کے عدد کا کمل اور اس کی حکمتیں نہ ہوتیں تو پانچ کے عدد کا کمل اور اس کی حکمتیں سب بیکار اور فضول ہو جاتیں۔ اس لیے ہم گیارہویں کرنے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جب نفس مسئلہ "پیر جیلانی

کے نام کی ماہ ربیع الثانی کی گیارہویں تاریخ کو نذر و نیاز دینا اور پیر صاحب سے نفع کے حصول کے لیے اور دفع ضرر کی خاطر کھانے پکانا اور اس کا نام گیارہویں رکھنا اور اس کا خاص طور پر التزام کرنا اور واجب العمل سمجھنا اور اس سے انکار کرنے والے کو ملامت کرنا اور بے دین قرار دینا" شرع سے ثابت نہیں ہے' نہ ہی احکام شرع نازل ہونے کے وقت پیر جیلانی کا وجود تھا اور نہ ہی ان کی گیارہویں کرنے کا حکم بذریعہ وحی جلی یا خفی آنحضور ﷺ پر نازل ہوا تو پھر گیارہویں کے عدد کے فضائل بیان کرنا اور اس کے تقرر کی حکمتیں ظاہر کرنا بے ہودہ اور فضول ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس کے معقولی اور منقولی دلائل پیش کریں- ودونہ خرط القتاد نبئونی بعلم ان کنتم صادقین- مثلاً شب قدر کا رمضان میں ہونا اور رمضان کے آخری ہفتہ میں ہونا منصوص ہے جو نص حدیث سے ثابت ہے- کما لا یخفی علٰی اھل العلم- اب شب قدر کی تلاش میں دو چیزیں ملحوظ ہیں- ایک سات کا عدد کہ وہ رمضان کے آخری ساتے میں ہے- یہ سات کا عدد مخصوص کیوں ہوا؟ اور دوم سات میں ایک رات ہے اور وہ طاق راتوں میں ہے- یہ طاق عدد کیوں رکھا گیا؟ طاق کا جواب تو یہ ہے کہ طاق وتر ہے اور اللہ کی ذات بھی وتر ہے- اور حدیث میں ہے واللّٰہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ وتر ہے اور وتر کو وہ دوست رکھتا ہے- اور سات کی تخصیص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر یوں ظاہر فرمائی کہ دونوں کا دور سات پر ختم ہے- انسان کی تخلیق سات مراحل تک ختم ہوتی ہے اور اس کے رزق کی تخلیق بھی سات پر ہے- افلاک کی گنتی بھی سات ہے اور زمینیں بھی سات ہیں اور سورۂ افضل القرآن کی آیات بھی سات ہیں اور حرام رشتے نسب سے بھی سات ہیں اور صہر سے بھی سات ہیں اور میراث کی تقسیم بھی سات حصوں پر ہے اور نماز میں سجدہ جو قرب الٰہی کا زیادہ باعث ہے' وہ سات چکروں سے ہوتا ہے اور صفا و مروہ کی سعی بھی سات دوروں میں ہوتی ہے اور حج میں جمروں کو جو کنکر مارے جاتے ہیں وہ بھی سات ہیں- اس لیے لیلۃ القدر سات راتوں میں دائر ہے اور وہ طاق رات میں آئے گی- یہ سن کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فہم بہت رسا ہونے کی شہادت دی- (کنزالعمال جلد-۷' ص-۵۴)

ان تیرہ عدد کی مناسبتوں کو لیلۃ القدر کے سات راتوں میں ہونے پر بیان کیا جو بالکل صحیح اور درست ہے اور اس سے سات کے عدد کا فلسفہ ظاہر ہوا- ٹھیک اسی طرح بریلوی فرقہ غالیہ

کا یہ فرض ہے کہ وہ پہلے پیر جیلانی کے نام سے گیارھویں کرنا کسی نص سے ثابت کریں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر گیارھویں کے عدد کی مناسبتیں دوسرے کاموں سے جو گیارھویں کو ہوئے اور اس عدد کی حکمت اور فلسفہ بیان کریں ورنہ یہ تمام بیانات بالکل لغو اور بیہودہ ہیں۔ جب بانس کا وجود ثابت نہ ہو گا تو بانسری کی فضیلت اور ثبوت آپ لوگ کیسے دے سکیں گے۔ پھر یہ بھی بتانا ہو گا کہ گیارھویں کے عدد کو ثابت کرنے پر جب اتنا زور ہے کہ گویا یہ منصوص ہے تو بغداد میں جہاں اصل پیر جیلانی کا وجود مبارک ہے' وہاں سترھویں کے نفاذ نے ہندوپاک کی گیارھویں کو بے ہودہ اور بالکل فضول کر دیا اور گیارھویں کے فضائل سب بیکار ہو کر ھباء منشوا ہو گئے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کیفیت سے یہ گیارھویں اور سترھویں رائج ہیں' سب بدعت ہیں۔ خود حضرت جیلانی امام ربانی کا یہ فرمان ہے کہ اذا رکنت الی غیرہ فقد اشرکت یعنی جب تم اللہ کے سوا غیر کی طرف جھکے تو مشرک ہوئے۔

اور شامی جلد ثانی ص ۳۳۹ مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب نیاز کرنے والا یہ سمجھتا اور عقیدہ رکھتا ہے کہ میت کچھ نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے تو یہ کفر ہے۔ مگر اس کے برعکس گیارھویں والے پیر جیلانی کے مناقب میں یہ لکھتے ہیں کہ برہان پور کے ایک ہندو مشرک بت پرست نے پیر صاحب کی نیاز دی تو اس کو آگ نے نہ جلایا جبکہ وہ مرگیا تھا اور اس کا جنازہ اولیاء نے پڑھا۔ فلعنت اللہ علی الکاذبین۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ گیارھویں کے کھانے اور اس کے پکانے سے بچتے رہیں۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۸' شمارہ ۳۳' مورخہ یکم ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء

گیارہ تراویح اور گیارھویں

مبتدعین کے پاس گیارھویں پکانے کی کوئی شرعی دلیل تو ہے نہیں۔ کما لا یخفی علی اھل العلم۔ وہ اس پر ذوقی' وجدانی' تخمینی دلائل پیش کر کے عوام کالانعام کو فریب دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ گیارہ کے عدد کی بڑی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔ قرآن میں ہے والفجر ولیال عشر یعنی قسم ہے فجر اور دس راتوں کی۔ یہ گیارہ ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ

السلام نے جس خواب کی تعبیر سے اپنے بھائیوں پر کمال حاصل کیا ہے وہ بھی گیارہ تھے
روایت احد عشر کوکبا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جب توبہ قبول ہوئی ہے تو گیارہویں
تھی۔ جب فرعون کے غرق ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح ہوئی ہے تب بھی
گیارہویں تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب شہادت ملی ہے تب بھی گیارہویں تھی'
وغیرہ من الخیالات والمقالات۔

اسی طرح لندن کے قریب مقام منواڑ میں ایک پادری حمیرالسیس فریکلن انگریزی کے
گیارہویں مہینہ نومبر کی گیارہ تاریخ کو ٹھیک گیارہ بج کر دو منٹ گیارہ سیکنڈ پر فوت ہوا تو
عیسائی اس پادری کی گیارہویں کرنے لگے۔ ہر سال گیارہویں مہینہ کی گیارہویں تاریخ کو بڑا
میلہ لگتا ہے۔ گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر اس کے حق میں دعا کی جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۵۴ء کو اس کا
گیارہواں عرس ہوا تو انہوں نے اس پادری کی یہ کرامت اخباروں میں شائع کی کہ اس کی
گیارہویں پر حاضری کا اجتماع ہوا۔ ان کی تعداد گیارہ ہزار گیارہ سو گیارہ تھی اور نذرونیاز نقدی
جو مجاوروں کو وصول ہوئی وہ گیارہ ہزار پونڈ تھی' مٹھائی اور کھانے کی چیزوں کا وزن کیا گیا تو
گیارہ من ہوا۔ اس سے اس کی گیارہویں اور بھی پختہ ہو گئی اور اس عدد کا اس قدر لحاظ رکھا
گیا کہ اخباروں کے ایڈیٹروں نے اس خبر کو اخبار کے گیارہویں صفحہ پر گیارہ سطروں میں لکھا۔
اسی طرح اہل بدعت بھی گیارہ کے عدد کا بڑا لحاظ رکھتے ہیں۔

چنانچہ گذشتہ سال گیارہویں پر ایک جگہ اجتماع ہوا تو وہاں کی خانقاہ کے مجاوروں کی تعداد
گیارہ رکھی گئی اور اس تقریب میں گیارہ نوجوان مردوں نے گیارہ عدد بوتل شراب منگوا کر
نوش کی۔ الغرض بدعتی لوگ ہر نیکی اور بدی میں گیارہ کے عدد کو بہت محبوب جانتے ہیں۔
لیکن نماز تراویح وتر گیارہ رکعت مسنونہ ہے۔ اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح جنگلی گدھا
شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ کم از کم گیارہ رمضان تک گیارہ
رکعت تو ضرور پڑھتے رہتے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے کہ ما کان یزید فی رمضان
ولا فی غیرہ علی احد عشرۃ رکعۃ یعنی ہمارے مدنی سرکار رمضان اور غیر رمضان میں
گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہ کرتے تھے۔ خلیفہ ثانی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو دو امام
حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما مدینہ میں تراویح پر مقرر فرمائے تو ان کو
گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا (موطا)

حنفی مذہب کی کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول' ص-۳۳۴ میں ہے: ان قیام رمضان سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فعله علیه السلام یعنی "رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح معہ وتر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھی ہے-" علامہ سیوطی اپنے رسالہ المصابیح میں یہ لائے ہیں کہ حضرت سائب کہتے ہیں ہم عہد فاروقی میں گیارہ رکعت مع الوتر تراویح پڑھا کرتے تھے- بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: وقد ثبت ان ذالک کان احدیٰ عشرة رکعة بالوتر یعنی "ثابت شدہ امر گیارہ رکعت تراویح ہے- (جلد-۲' ص-۶۷ مصری)

علامہ سیوطی ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس تعداد پر لوگوں کو جمع کیا تھا وہ مجھے پسند ہیں اور وہ گیارہ رکعت ہیں- یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی- مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری جامع الصحیح بخاری کی جلد اول' ص-۱۵۴ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں فتحصل من هذا کله ان قیام رمضان سنة احدی عشرة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام وترکه لعذر یعنی حاصل بحث کا یہ ہے کہ رمضان میں تراویح بمع وتر گیارہ رکعت سنت ہے جس کو آنحضور ﷺ نے جماعت سے ادا کیا اور پھر عذر سے پڑھنا چھوڑ دیا- پس گیارہ عدد کو محبوب جاننے والے گیارہ تراویح کو لازم کر لیں- یہ عدد ان کی گیارہویں کے موافق ہے اور یہ عدد کو تراویح کتب حدیث اور فقہ سے ثابت ہے- بیس کا عدد نہ تو پسند کیا گیا ہے اور نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے- بلکہ اس بارہ میں جو روایت آئی ہے وہ ضعیف ہے اور وہ ہے حدیث ابن عباس انه علیه الصلوٰة والسلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبه متفق علی ضعفه مع مخالفة الصحیح یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں آنحضور ﷺ کا تراویح بیس عدد پڑھنا مذکور ہے' وہ ابوشیبہ راوی کی وجہ سے بالاتفاق ضعیف ہے اور بایں ہمہ صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں گیارہ رکعت مع الوتر پڑھنے کا ذکر ہے' فتذکر-

افسوس ہے کہ جس عدد گیارہ کی مسنون نماز صحیح حدیث سے ثابت ہے' اس پر عمل نہیں کرتے اور جس گیارہویں کا ثبوت نہیں ہے' اس کو رائے قیاس اور اپنے ذوق سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں-

گزشتہ ہفتہ' میں نے اپنے مضمون "گیارہویں اور گیارہ تراویح" میں یہ ذکر کیا تھا کہ اکثر

احناف گیارہ کے عدد سے گیارہویں کا جواز مہیا کرتے ہیں ورنہ ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں جی چاہا کہ انہی گیارہ کی بجائے پانچویں کی طرف توجہ دلاؤں کہ پانچ کا عدد اسلام میں بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ مگر قطع نظر اس سے کہ میں انہیں یہ دعوت دوں محض احکام و مسائل کی صراحت کے لیے پانچ پانچ شرعی امور و مسائل قلم بند کیے دیتا ہوں تاکہ احباب ان سے فائدہ اٹھائیں۔

(۱) دین اسلام کے پانچ رکن ہیں جن پر تمام دین کا دارومدار ہے۔ (۱) توحید و رسالت کی شہادت (۲) نماز (۳) زکوۃ (۴) روزہ (۵) حج۔ ان پانچ رکنوں پر اسلام کی تعمیر کی گئی ہے۔

(۲) نمازیں دن رات میں پانچ فرض ہیں جو اسلام اور کفر کے درمیان فارق اور مابہ الامتیاز ہیں۔ (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب (۵) عشاء۔ یہ ہر مرد و عورت پر ہمیشہ فرض ہیں۔

(۳) حدیث میں آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان لو۔ ایک جوانی کو بڑھاپا سے پہلے' دوم صحت کو بیماری سے پہلے' سوم مالداری کو فقیری سے پہلے' چہارم فراغت کو شغل سے پہلے' پنجم زندگی کو موت سے پہلے۔ یعنی جو اعمال صالح کرنے ہوں' پہلی پانچ حالتوں میں دوسری پانچ حالتوں سے پہلے پہلے کر لو۔ دوسری پانچ حالتیں ایسی ہیں کہ ان میں اعمال صالح کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہے۔

(۴) قیامت کے روز میدان حشر میں پانچ سوال ہوں گے جب تک ان کا جواب نہ دیا جائے گا کسی کو قدم ہلانے کی اجازت نہ ہو گی۔ (۱) جو تم کو عمر دی گئی تھی' یہ کہاں اور کس کام میں صرف کی ہے؟ (۲) عمر میں سے جوانی کا حصہ کن کاموں میں گذارا ہے؟ (۳) مال و متاع کن ذرائع سے کمایا تھا؟ (۴) جو مال کمایا گیا وہ کن کاموں پر خرچ کیا تھا؟ (۵) جن مسائل اور احکام دین کا تجھے علم حاصل ہوا تھا' ان پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ کیا تھا تو کیا عمل کیا؟ یہ پانچ سوال حقیقت میں ہر شخص کی تمام زندگی کا حساب ہے۔

(۵) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے عوض میں ملتی ہیں۔ (۱) جو قوم عہد شکنی اور غداری کرتی ہے' اس پر دشمن مسلط اور غالب کر دیا جاتا ہے۔ (۲) جو لادینی حکومت قائم کر کے غیر شرعی فیصلے کرتے ہیں' ان میں تنگ دستی اور افلاس پھیلتا ہے۔ (۳) جس قوم میں بے حیائی اور فحش پھیل جائے' ان میں موت کثرت سے وارد ہوتی ہے۔ (۴) جو لوگ تول اور ماپ میں بددیانتی اور فریب کاری کرتے ہیں ان پر قحط سالی اور زراعت کے

نقصانات وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ سیلاب اور اولوں سے جو نقصانات زراعات اور باغات کے ہوئے ہیں، اسی سبب سے ہیں۔ (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، ان سے بارش روک لی جاتی ہے یعنی قحط وارد ہو جاتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ پانچ چیزیں میری جانب سے ہیں اور پانچ چیزیں تمہاری جانب سے ہیں۔ (۱) الوہیت میری جانب سے ہے اور عبودیت تمہاری جانب سے ہے۔ (۲) جنت میری طرف سے ہے اور عبادت تمہاری جانب سے ہے۔ (۳) نعمت میری جانب سے ہے اور شکر تمہاری طرف سے ہے۔ (۴) قضاء میری جانب سے ہے اور رضا و تسلیم تمہاری جانب سے ہے۔ (۵) قبول کرنا میری طرف سے ہے اور دعا کرنا تمہاری طرف سے ہے۔

(۷) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ اپنے امیر شریعت کا حکم غور سے سنو۔ دوسرا یہ کہ اس کی تعمیل کرو۔ تیسرا یہ کہ اللہ کے رستہ میں جہاد کرو۔ چوتھا یہ کہ کفر کے مقام سے جہاں اپنے ایمان کا خطرہ ہو، ہجرت کرو۔ پانچواں یہ کہ جماعت کی صورت میں ہمیشہ منظم ہو کر رہو۔

(۸) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو مجھ سے پانچ نصائح حاصل کر کے ان پر عمل کر لے اور آگے عمل کرنے والوں کو سکھلا دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور! بندہ حاضر ہے۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ اول یہ کہ حرام کاموں سے بچو، تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ گے۔ دوم یہ کہ جو قسمت سے ملا اور نصیب ہوا اس پر خوش رہو۔ تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ سوم یہ کہ اپنے ہمسائیوں پر احسان کرو، مومن ہو جاؤ گے۔ چہارم یہ کہ لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے نفس کے لیے پسند رکھتے ہو، مسلمان ہو جاؤ گے۔ پنجم یہ کہ زیادہ قہقہ لگا کر ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

(۹) حضرت شقیق بلخی جو مشہور بزرگ اور صوفی ہو گذرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزوں کو تلاش کیا تو پانچ چیزوں میں پایا۔ اول روزی کی برکت چاشت کی نماز میں۔ دوسرا یہ کہ قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں۔ تیسرا یہ کہ منکر و نکیر کا جواب باصواب تلاوت قرآن میں۔ چوتھا پل صراط سے آسانی سے گذرنا روزہ میں۔ پانچواں عرش کا سایہ تخلیہ میں۔ پس پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے لیے اختیار کر لو۔

(۱۰) حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کر کے وعظ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ ان پر خود بھی عمل کروں اور تم کو بھی بتا کر ان پر عمل کرنے کی ترغیب دوں- اول یہ کہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور عبادت کے کاموں میں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو- دوم یہ کہ نماز پڑھو اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو- سوم یہ کہ روزہ رکھو' روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری سے زیادہ محبوب ہے- چہارم یہ کہ صدقہ خیرات کرو یہ گناہوں کا فدیہ ہے- پنجم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو' ذکر الٰہی سے انسان حفاظت کے قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے' شیطان سے بچ جاتا ہے-

(۱۱) حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں ایک زاہد گذرے ہیں- ان کا یہ فرمان ہے کہ دنیا میں صادق کی پہچان پانچ باتوں سے ہے- اول یہ کہ اس کا قول فعل کے مطابق ہو گا- دوم یہ کہ اس جہان میں اپنی تعریف کی خواہش چھوڑ دے گا- سوم یہ کہ دنیا میں ریاست اور دباؤ اختیار نہ کرے گا- چہارم یہ کہ تمام کاموں میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دے گا- پنجم یہ کہ عقل اور ریاضت سے اپنے نفس کو مغلوب رکھے گا- جس شخص میں یہ پانچ امور ہیں' وہ مومن صادق ہے-

(۱۲) جن بزرگوں کا مشترکہ طریقہ اور ان کی سنت تمام امت پر لازم ہے وہ پانچ ہیں- اول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' دوم حضرت ابوبکر صدیق' سوم حضرت عمر فاروق' چہارم حضرت عثمان غنی' پنجم حضرت علی رضی اللہ عنہم- صراط مستقیم ان پانچوں کے عقائد و اعمال پر قائم رہنے سے میسر ہوتا ہے-

(۱۳) بزرگان صاحب الرداء پانچ ہیں- محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت فاطمہ' حضرت امام حسن' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم- عرف عام میں ان کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے- یہ آیت تطہیر میں شامل ہیں-

(۱۴) ولی وہ ہے جس میں پانچ باتیں جمع ہوں- اول علم شرع' دوم عمل یا تقویٰ' سوم حلم و حسن اخلاق' چہارم کثرت عبادت یعنی نوافل و ذکر الٰہی' پنجم زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی- جس میں یہ پانچ امور ہوں' وہ ولی اللہ ہے-

(۱۵) ولی میں پانچ باتیں نہیں ہونی چاہیے- اول صحبت بد' دوم جھوٹ' سوم لذات نفسانی' چہارم نشہ کی چیزیں کھانی پینی' پنجم بدعات کہ وہ موجب عدم قبولیت عبادت و باعث قہر الٰہی

ہیں۔

(۱۶) زواجر میں ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ جو شخص پانچ نمازیں ہمیشہ پڑھتا رہے گا' اسے اللہ تعالیٰ پانچ سختیوں سے بچائے گا۔ اول موت کی سختی سے' دوم قبر کے عذاب سے' سوم میدان حشر کی سختی سے اس کو امن ملے گا اور اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ہو گا۔ چہارم پل صراط کی سختی سے کہ بجلی کی طرح گذر جائے گا۔ پنجم حساب غیر سے کہ بلا حساب جنت میں جائے گا۔

(۱۷) انسان کے ہر ہاتھ اور ہر پاؤں میں انگلیاں پانچ ہیں' جس کو پنجہ کہتے ہیں۔

(۱۸) انسان کے ظاہری حواس پانچ ہیں۔ لامسہ ہاتھ' باصرہ آنکھ' شامہ ناک' سامعہ کان' ذائقہ زبان۔ ہر قوت حاسہ کے لحاظ سے ایک نماز تو پانچ حواس پر پانچ نمازوں کا عدد مطابق رہا۔

(۱۹) اصل بنیادی نعمتیں پانچ ہیں۔ (۱) کھانا پینا (۲) لباس (۳) مکان (۴) بیوی (۵) سواری۔

(۲۰) انسان کی حالتیں پانچ ہیں۔ (۱) لیٹنا (۲) بیٹھنا (۳) سونا (۴) جاگنا (۵) قیام۔ (چلنا قیام کے ضمن میں ہے)

(۲۱) غسل واجب پانچ ہیں۔ (۱) جنابت کا (۲) حیض کا (۳) نفاس کا (۴) میت کا (۵) کفر کا۔

(۲۲) قبلے جو عبادت میں توجہ کے لیے ہیں' پانچ ہیں۔ (۱) بیت المقدس (۲) بیت اللہ (۳) بیت المعمور (۴) عرش الٰہی (۵) محض ذات الٰہی۔ نمبر ایک اہل کتاب کا ہے۔ نمبر دوم اہل اسلام کا ہے۔ نمبر سوم فرشتوں کا ہے۔ نمبر چہارم ملائکہ حاملین عرش کا ہے۔ نمبر پنجم سفر میں بھولے ہوئے نمازیوں کا ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ۔

(۲۳) دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد پانچ مصیبتیں انسان کے لیے بھاری ہیں۔ اول موت کی' دوسری قبر کی' تیسری میدان حشر کی' چوتھی پل صراط کی' پانچویں دوزخ کی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان گھاٹیوں سے محفوظ رکھے' آمین ثم آمین۔

(۲۴) انسان کے ظاہری اعضاء جن سے اعمال کرتا ہے پانچ ہیں۔ (۱) سر (۲'۳) دو ہاتھ (۴'۵) دو ٹانگیں۔

(۲۵) معراج پر نمازیں فرض ہونے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ پانچ بار دربار الٰہی میں حاضر ہوئے تھے کہ نمازیں کم ہونے کی دو درخواستیں کریں۔ اس لیے امت کو دربار الٰہی میں پانچ وقتوں کی حاضری فرض ہے۔ فجر' ظہر' عصر' مغرب' عشاء۔

(۲۶) بڑی پانچ سورتوں کے مجموعہ کو پنجسورہ کہتے ہیں جو الگ شائع شدہ ہے اور پڑھا جاتا ہے۔

(۲۷) پاک و ہند میں پانچ اولیاء مشہور ہیں جن کو خلفاء سے تعبیر کر کے پنجتن کہا جاتا ہے۔ اول حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ' دوم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی رحمۃ اللہ علیہ' سوم حضرت خواجہ فرید الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ' چہارم حضرت خواجہ نظام الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ' پنجم حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲۸) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آپ کی والدہ نے نمرود ظالم سے خائف ہو کر ایک غار میں چھپایا تھا تو آپ وہاں اپنی انگلیوں کو چوستے رہے۔ پانچ انگلیوں سے پانچ نعمتیں میسر ہوتی رہیں اور وہ یہ ہیں۔ ایک سے پانی' دوسری سے دودھ' تیسری سے گھی' چوتھی سے شہد' پانچویں سے کھجور (خازن)

(۲۹) آسمان سے جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں' ان سب کے علیحدہ علیحدہ نام کہیں مذکور نہیں۔ البتہ پانچ نام بایں طور سب علماء ذکر کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں۔ قرآن' انجیل' زبور' تورات اور صحف۔ ان پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ لفظ صحف ماسوا کتب اربعہ سب کو شامل ہے۔

(۳۰) علامہ جلال الدین سیوطی نے پیغمبران اولوالعزم پر بڑی بحث کے بعد صحیح تر قول یہ بتایا ہے کہ وہ پانچ ہیں جن کو کسی بزرگ نے یوں نظم کیا ہے ؎

اولوا العزم نوح والخلیل المجید

وموسیٰ وعیسیٰ والحبیب محمد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض ائمہ اہل بیت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بروایت ابن عساکر یہ بتلاتے ہیں کہ جن اولوالعزم رسل کی طرح آپ کو صبر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ وہ یہ پانچ ہیں۔ نوح' ہود' ابراہیم' شعیب' موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

پس اسی طرح پانچ کا عدد بہت مہتم بالشان امور تک پہنچتا ہے۔ جہاں تک گیارہویں کا عدد نہیں پہنچتا لیکن ہم اسی پر کفایت کرتے ہیں اور اہل بدعت کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اب آپ اپنی وجدانی دلیل کی رو سے گیارہویں ترک کر کے پانچویں شروع کر دیں۔ کیونکہ یہ عدد فائق ہے۔ اور اصل حکم یہ ہے کہ کسی روز یا وقت کی فضیلت سے کوئی

مخصوص کام جس کا اس روز یا اس وقت میں کرنا شرعاً ثابت نہ ہو، معین اور مقید کرنا اپنی طرف سے شریعت بنانا ہے جو ناجائز ہے اور شرعاً بدعت ہے۔

عبدالقادر عارف الحصاری سلمہ الباری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۸، شمارہ ۱۹، ۲۰، ۲۱، مورخہ ۲، ۲۴ مئی و یکم جون سنہ ۱۹۵۶ء

گیارھویں والے پیر حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

ایمان کی حقیقت

غنیۃ الطالبین ص ۱۴۰ میں ہے: ونعتقد ان الایمان قول باللسان ومعرفة بالجنان وعمل بالارکان یزید بالطاعة وینقص بالعصیان ویقوی العلم ویضعف بالجهل۔ یعنی "ہمارا اعتقاد ہے کہ ایمان زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور دل کے ساتھ پہچاننے اور ارکان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ بندگی سے بڑھتا ہے اور گناہ سے گھٹتا ہے۔ علم سے قوی ہوتا ہے اور جہالت سے ضعیف ہوتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت محبوب سبحانی شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان میں عمل داخل ہے اور اس کی جزء ہے اور وہ کمیت و کیفیت قوت و ضعف ہر طریق سے بڑھتا۔ پھر پیر صاحب نے قرآن و حدیث اور اقوال سلف سے اپنا عقیدہ ثابت کیا ہے۔

<u>مرجیہ کا عقیدہ:</u> پھر پیر صاحب نے فرقہ مرجیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وان الایمان قول بلا عمل والاعمال الشرائع والایمان قول مجرد والناس لا یتفاضلون فی الایمان وان ایمانهم وایمان الملائكة والانبیاء واحد ولا یزید ولا ینقص ولا یستثنی فیه فمن اقر بلسانه ولم یعمل فهو مومن۔ یعنی "مرجیہ کے نزدیک ایمان اقرار کا نام ہے، سوائے

عمل کے اور اعمال احکام ہیں مقرر کئے گئے۔ ایمان صرف کلمہ توحید کہہ لیتا ہے۔ لوگ ایمان میں ایک دوسرے سے زیادتی نہیں رکھتے۔ سب کلمہ گو لوگوں کا ایمان اور فرشتوں اور نبیوں کا ایمان ایک ہے۔ نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے اور نہ ایمان میں انشاء اللہ کہنا روا ہے۔ جو شخص اقرار کرلے اور عمل نہ کرے وہ مومن ہے۔"

غرض یہ ہے کہ ایمان میں مرجیہ کے نزدیک عمل داخل نہیں ہے۔

حنفیہ کا عقیدہ : فقہ اکبر میں ہے: والایمان ھو الاقرار والتصدیق وایمان اھل السماء والارض لا یزید ولا ینقص۔ یعنی "ایمان اقرار اور تصدیق کا نام ہے اور ایمان آسمان والوں (یعنی ملائکہ اور اہل جنت) اور ایمان زمین والوں (یعنی انبیاء' اولیاء' ابرار' فجار) کا ایک ہی ہے۔ نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے یعنی ملائکہ اور انبیاء اور ابرار اور فجار اور فساق کا ایمان باہم مساوی ہے کسی کا بھی بڑھتا گھٹتا نہیں ہے۔"

شرح فقہ اکبر میں ہے: وحاصله ان العمل مغائر الایمان عند اصول السنة والجماعة لا انه جزء منه ورکن له من الارکان۔ یعنی "حاصل اس کا یہ ہے کہ عمل ایمان کے مغائر ہے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ نہ عمل ایمان کی جزء ہے نہ رکن ہے۔"

ایمان میں "انشاء اللہ" کہنے کی بابت لکھا ہے: فان صاحب التمھید والکفایة وغیرھما من العلماء الحنفیة کفروا القائل به وحکموا ببطلان قولھم انا مومن انشاء اللہ۔ یعنی "صاحب تمہید اور کفایہ وغیرہ علماء حنفیہ نے اس شخص کو کافر کہا ہے جو یہ کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔"

پھر لکھا ہے: وکثیر من السلف حتی الصحابة والتابعین ذھبوا الی الجواز وھو المحکی عن الشافعی واتباعه (الی قوله) فقد منعه الاکثرون وعلیه ابوحنیفة واصحابه انتھی۔ "اور بہت سلف صالحین صحابہ کرام اور تابعین عظام انشاء اللہ کہنا جائز جانتے تھے۔ یہی امام شافعی اور ان کے اتباع سے منقول ہے۔ اور اکثر حنفیہ نے اس سے منع کیا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا مذہب تھا۔"

ناظرین خیال فرمائیں کہ پیر صاحب نے جو ایمان کی حقیقت بیان فرمائی ہے وہ کیا ہے اور حنفیہ نے جو شرح عقاید نسفی اور فقہ اکبر اور اس کی شرح میں بیان کیا ہے وہ کیا ہے؟ عموماً

حنفیہ کا یہی عقیدہ ہے۔ بس جس بندہ میں اقرار اور تصدیق پائی گئی وہ پکا مومن ہو گا۔ جس کا ایمان سب انبیاء اور اولیاء کے مساوی ہوا پھر اس کو انشاء اللہ کہنا روا نہیں ہے!

شرح عقاید نسفی میں ہے: اذا وجد من العبد التصدیق والاقرار صح له ان یقول انا مومن حقا لتحقق الایمان عنه ولا ینبغی ان یقول انا مومن ان شاء اللّٰه۔ مندرجہ بالا عبارت کا حاصل مطلب اوپر بیان ہوا۔ اب پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سب کو اپنے پاؤں میں کچلتے ہیں۔ کیونکہ ان کا قدم سب بزرگوں کی گردنوں پر ہے۔

غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: لا یجوز للمومن ان یقول انا مومن حقاً بل یجب ان یقول انا مومن ان شاء اللّٰه خلاف ما قالت المعتزلة انه یجوز ان یقول انا مومن حقا وانما قلنا ذلک لما روی عن عمر بن الخطاب انه قال من زعم انه مومن فهو کافر۔ یعنی "مومن کے لیے یوں کہنا جائز نہیں ہے کہ میں پکا سچا مومن ہوں بلکہ واجب ہے کہ یوں کہے کہ اگر اللہ چاہے میں مومن ہوں۔ اس کے خلاف معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ یہ کہنا جائز رکھتے ہیں کہ میں سچا مومن ہوں۔ ہم نے انشاء اللہ کہنا اس لیے واجب کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں پکا سچا مومن ہوں' وہ کافر ہے۔"

اے فرقہ مبتدعیہ! اہل حدیث کو پیروں کے منکر کہنے والو! اور خود سب پیروں کو عموماً اور پیر بغداد کو خصوصاً مشکل کشا جاننے والو! بغداد کی طرف گیارہ قدم اٹھانے والو! پیر صاحب کی صلوٰۃ غوثیہ پڑھنے والو! ان کو عالم الغیب اور مختار کل جاننے والو! ذرا غور کرو' پیر صاحب تمہاری حاجت روائی کے لیے پیدا ہوئے تھے یا تمہاری تکفیر کے لیے؟ یا تو پیر صاحب کے عقائد پر آجاؤ اور کتب حنفیہ کو چھوڑ دو کیونکہ کوئی ان میں معتزلہ ہوا ہے اور کوئی مرجیہ' یا پیر صاحب کی تکفیر سے متاثر ہو کر ان کی نماز' ان کے نام کا وظیفہ اور ان کی نذر نیاز اور ان کے شہر کی طرف گیارہ قدم چلنا ترک کر دو۔ اور کچھ غیرت کرو جو تم کو بات بات پر کافر کہہ کر تمہاری کتابوں کی تردید کر رہا ہے۔ وہ تمہارا حاجت روا پیر کیا ہے جگر میں زہریلا تیر ہے۔ ابھی کچھ کسر باقی ہے تو کچھ اور سن لو۔

حنفیہ فرقہ مرجیہ ہے: پیر صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی والی حدیث جو تہتر فرقوں کے متعلق آئی ہے' ذکر فرما کر اہل حدیث کو اہل سنت کا مصداق قرار دیتے ہوئے فرقہ ناجیہ ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ فرقہ بندی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور

تابعین عظام کے ہوئی ہے اور بہت پھیل گئی ہے۔ صرف تھوڑی سی جماعت فرقہ ناجیہ اہلحدیث کے نام سے رہ گئی ہے۔ پھر جناب محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرقوں کی گنتی شروع کی ہے اور حنفیہ کو گمراہ فرقوں میں اہل سنت سے خارج شمار کیا ہے۔ چنانچہ مرجیہ کے بارہ فرقے قرار دے کر فرمایا ہے والحنفیۃ یعنی ایک ان میں فرقہ حنفی ہے۔ (غنیہ ص-۲۰۶)

پھر حنفیہ کی تفصیل کی ہے: واما الحنفیۃ فھو اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللّٰہ ورسولہ وبما جاء من عندہ جملہ۔ یعنی "حنفیہ سے مراد ابوحنیفہ کے مقلدین ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ ایمان معرفت ہے اللہ کی اور اقرار کرنا ہے ساتھ اللہ اور رسول کے اور ساتھ اس کے جو آئی ہے اللہ کے پاس سے اجمالی طور پر۔"

بس یہی عقیدہ کتب حنفیہ میں درج ہے' کما تقدم۔ اس سے غرض پیر صاحب کی یہ ہے کہ حنفیہ ایمان میں عمل کو داخل نہیں جانتے بلکہ اس کے مغائر جانتے ہیں۔ بس یہی فرقہ مرجیہ کی بنیاد ہے۔ اسی واسطے علماء محدثین نے کئی ایک جگہ اس مسئلہ کی تردید کی ہے اور حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی (حنفی) بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے کئی حنفی مرجیہ ہوئے ہیں اور کئی معتزلہ اور کئی رافض۔ غرضیکہ حنفی مذہب گمراہ فرقوں کی کھچڑی ہے۔ اسی واسطے اب بھی دیوبندی اور بریلوی جن کے اعتقاد متضاد ہیں' سب حنفی ہیں۔

ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق: فقہ اکبر میں ہے: والایمان والکفر فعل العباد یعنی "ایمان اور کفر یہ بندوں کا فعل ہے۔"

شرح فقہ اکبر ص-۱۷۲ میں ہے: قال ابن الھمام فی المسامرۃ ونص کلام ابی حنیفۃ فی کتابہ الوصیۃ صریح فی خلق الایمان حیث قال نقربان العبد مع جمیع اعمالہ واقرارہ ومعرفۃ مخلوق فلما کان الفاعل مخلوقا اولی ان یکون فعلہ مخلوقا' انتھٰی۔ یعنی "علامہ ابن الہمام نے مسامرہ میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی کتاب وصیت میں ایمان کے مخلوق ہونے کی تصریح کی ہے۔ کہا ہے کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام اعمال اور اقرار اور معرفت کے ساتھ مخلوق ہے۔ جب فاعل مخلوق ہوا تو اس کا فعل بالاولیٰ مخلوق ہوا۔"

خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور ان کے امام ایمان کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ اب پیر صاحب کی سنئے۔ آپ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: من قال ان الایمان مخلوق فقد کفر ومن قال غیر مخلوق فقد ابتدع۔ یعنی "جس شخص نے یہ کہا کہ ایمان مخلوق ہے وہ کافر ہوا اور جس نے کہا کہ ایمان غیر مخلوق ہے وہ بدعتی ہوا۔"

غرض پیر صاحب اور امام احمد کی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں بحث ہی فضول ہے کیونکہ ادلہ شرعیہ اور صحابہ و تابعین سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے۔

خیر ہمیں ان مسائل میں کسی فریق کے عندیہ کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری غرض تو پیر صاحب کی طرف سے حنفیہ فرقہ مبتدعہ کے حق میں فتویٰ تکفیر صادر کرنے کی ہے' سو وہ کر دیا ہے۔ اگر حنفی حنفی ہونے سے انکار کر دیں تو ہم فتویٰ واپس لے لیں گے۔

دفع دخل مقدر: شاید کوئی حنفی دوست یہ اعتراض پیدا کرے کہ پیر صاحب نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے۔ خود کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ شاید پیر صاحب کا یہ خیال نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر پیر صاحب کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو پیر صاحب اس کی تردید کر دیتے۔ انہوں نے اپنے خداداد علم کے رو سے امام احمد کے عقاید کو شرعی عقائد یقین کیا ہے اور انہیں قرآن و حدیث سے مدلل پایا ہے۔ اسی واسطے انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ: قیل للشیخ الجیلانی هل کان للّٰہ ولیا علی غیر اعتقاد احمد بن حنبل فقال ما کان ولا یکون۔ (طبقات ابن رجب جلد اول' ص۔۲۹۰) یعنی "حضرت پیران پیر سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی اللہ کا ولی امام احمد کے اعتقاد کے سوا اور عقیدہ رکھنے والا ہوا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہو گا۔"

چونکہ فرقہ مبتدعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امام اولیاء قطب الاقطاب عالم الغیب تھے' اس لیے ان کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیر صاحب جس امام کی بات کو درست کہیں وہ نفس الامر میں درست ہو گی۔ پس یا تو پیر صاحب کے عقائد و فتاویٰ کو درست مانیں گے اور حنفی مذہب کو ترک کریں گے یا ان کو عالم الغیب نہ سمجھیں گے' فافهم تدبر ولا تکن من المعاندین۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری گنگوی۔

تنظیم اہل حدیث روپڑ جلد۔۷' شمارہ ۲۹' ۳۱' ۳۲ مورخہ ۲۴ جون ۸' ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۳۸ء

گیارہویں والے پیر حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

جماعت حنفیہ پر!!!

قرآن کلام الٰہی بالفاظہ و حروفہ غیر مخلوق ہے

حنفیہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن کلام الٰہی لفظی قدیم نہیں کلام لفظی قدیم ہے۔ اگر کلام لفظی حروف اور کلمات کو لیا جائے تو یہ مخلوق ہے۔ کیوں کہ کلام الٰہی بغیر حروف کے ہوتی ہے۔ فقہ اکبر میں ہے: واللّٰہ یتکلم بلا آلۃ وحروف والحروف مخلوقۃ وکلام اللّٰہ تعالٰی غیر مخلوق۔ یعنی "اللہ تعالیٰ بغیر آلات اور حروف کے کلام کرتا ہے اور حروف مخلوق ہیں اور کلام الٰہی غیر مخلوق ہے۔" یہ عقیدہ حنفیہ کا ہے زیادہ تفصیل عقاید نسفی میں ہے۔

پیر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا قدم ان سب کی گردنوں پر ہے۔ (چنانچہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے) غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: ان القرآن حروف مفھومۃ واصوات مسموعۃ۔ یعنی "قرآن حروف ہیں سمجھے گئے اور آوازیں ہیں سنی گئیں۔" (ص-۱۳۴)

پھر فرماتے ہیں: وکذلک حروف المعجم غیر مخلوقۃ وسواء کان ذلک فی کلام اللّٰہ تعالٰی اوفی کلام الادمیین۔ یعنی "اسی طرح ہم حروف معجم کو غیر مخلوق اعتقاد رکھتے ہیں۔ خواہ وہ اللہ کی کلام میں ہوں یا آدمیوں کی کلام میں۔ بہرکیف غیر مخلوق ہیں۔"

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ومن قال ان حروف التھجی محدثۃ فھو کافر باللّٰہ۔ یعنی "جو شخص یہ کہے کہ حروف ہجا محدث ہیں' وہ کافر ہے۔" کیونکہ جس نے حروف کو محدث کہا اس نے قرآن کو محدث کہا۔

پھر امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ لا تقولوا بحدوث الحروف فان الیھود اول ما ھلکت بھذا ومن قال بحدوث حرف من الحروف فقد قال بحدوث القراٰن۔ یعنی "حروف کو حادث نہ کہو کیوں کہ یہود پہلے اسی سے ہلاک ہوئے۔ جس نے حروف کو حادث کہہ دیا' اس نے قرآن کو حادث کہہ دیا۔"

خیر اس سے ثابت ہوا کہ مقلدین حنفیہ کا یہ مذہب مردود ہے کہ حروف قرآن کے

حادث ہیں۔ جو ایسا کہے وہ کافر ہے کیونکہ دراصل وہ قرآن کو حادث کہتا ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے: اذلا خلاف لا ھل السنۃ فی حدوث الکلام اللفظی۔ یعنی "اہل سنت کو کلام لفظی کے حادث ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔"

اور پیر صاحب ان گردنوں پر یوں قدم فرماتے ہیں: فمن زعم انہ مخلوق او عبارتہ او التلاوۃ غیر المتلوا وقال لفظی بالقراٰن مخلوق فھو کافر باللّٰہ العظیم ولا یخالط ولا یواکل ولا یناکح ولا یجاور بل یترک ویھان ولا یصلی خلفہ ولا یقبل شھادتہ ولا تصح ولایتہ فی نکاح ولیۃ ولا یصلی علیہ اذا مات فان ظفر بہ استتیب ثلاثا کالمرتد فان تاب والاقتل۔ یعنی "جس نے یہ گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے یا اس کی عبارت مخلوق ہے یا اس کی تلاوت قرآن نہیں ہے یا کہا کہ میرا بولنا قرآن کے ساتھ مخلوق ہے۔ وہ اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ میل جول نہ کیا جائے۔ نہ اس کے ساتھ کھایا پیا جائے اور نہ نکاح کا معاملہ کیا جائے اور نہ مجاورت کی جائے بلکہ چھوڑ دیا جائے اور اس کی اہانت کی جائے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور اس کی گواہی نہ قبول کی جائے اور نہ اس کو نکاح میں ولی بنایا جائے اور نہ اس کے مرنے کے بعد جنازہ پڑھا جائے۔ اگر ایسا شخص ملے تو اس سے تین دفعہ توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ توبہ کرے جیسے مرتد کا حال ہوتا ہے تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔"

اس سے ملا علی قاری کا بھی ردّ ہو گیا جو انہوں نے اس کفر سے کفران نعمت مراد لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: واعلم ان ماجاء فی کلام الامام الاعظم وغیرہ من علماء الانام من تکفیر القائل بخلق القراٰن فمحمول علٰی کفران النعمۃ لاکفر ان الخروج من الملۃ۔ یعنی "امام اعظم اور دیگر علماء کی کلام میں جو قرآن کو خلق کہنے والوں کی تکفیر کی گئی ہے اس سے کفران نعمت مراد ہے۔ ایسا کفر مراد نہیں جو دین سے خارج کرے۔"

حالانکہ پیر صاحب فرما رہے ہیں کہ وہ مثل مرتد دین سے خارج ہے۔ فقہ اکبر میں ہے: ولفظنا بالقراٰن مخلوق وکتابتنا لہ وقراتنا لہ مخلوق۔ یعنی "ہمارا بولنا قرآن کے ساتھ مخلوق ہے اور ہمارا قرآن کو لکھنا مخلوق ہے۔"

شرح فقہ اکبر میں ہے: والا فنحن لا نقول بقدم الالفاظ والحروف یعنی "ہم قرآن کے الفاظ اور حروف کو قدیم نہیں کہتے۔"

اسی طرح شرح عقاید نسفی میں ہے۔ پیر صاحب سب کو اپنے پاؤں سے روندتے ہیں کہ فکل من قال القرأن عبارة او مخلوق او لفظی بالقرأن مخلوق فله سقر۔ یعنی "جس نے یہ کہا کہ قرآن عبارت ہے یا مخلوق ہے یا میرا قرآن کے ساتھ بولنا مخلوق ہے' وہ جہنمی ہے۔"

غرض یہ کہ پیر صاحب قرآن کو غیر مخلوق لفظاً و معناً جانتے ہیں اور حنفیہ کلام نفسی کو کلام الٰہی جانتے ہیں اور اسی کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ کلام لفظی کو صرف مجازاً کلام الٰہی جانتے ہیں۔ اس لیے محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ سب کی تکفیر کرتے ہوئے ان کو مرتد کی طرح واجب القتل جانتے ہیں۔ کہاں ہیں ہمارے حنفی دوست جو پیر صاحب کی گیارھویں دے کر ان کو مشکل کشا جانتے ہیں؟ وہ تو تمہاری اور تمہارے بڑوں کی تکفیر کر کے اپنے دروازے سے دھتکار رہے ہیں اور تم "مان نہ مان میں تیرا مہمان" پیر صاحب کے دروازے پر سر مار رہے ہو؟

ایں چہ بوالعجبی است؟

عبدالقادر عارف حصاری
تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۷ شمارہ ۱۳

۶ ذوالحج ۱۴۰۷ھ

مرقد نبوی ﷺ اور عرش معلیٰ

اخبار محمدی دہلی جلد ۶، شمارہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ بابت ۱۵ جون و یکم و ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

(قابل توجہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب در بھنگوی اور مولوی یعقوب صاحب راجن گری مبارکپوری)

ناظرین کرام! بعد از سلام مسنون گزارش ہے کہ انجمن اسلامیہ فاضلکا کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۱/ جمادی الثانی سنہ حال میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب در بھنگی جو باوجود مقلدانہ حیثیت کے قبلہ علامہ دوران مشہور ہیں، تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اس جلسہ میں تقریر فرمائی تھی جس میں دو تین باتیں خلاف قرآن و حدیث و ائمہ سلف کے ارشاد فرما کر عوام کو مغالطہ میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ اس کی اصلاح کر دی گئی پھر اس کو اپنے مذہبی اخبار اہل حدیث میں استفساراً تحریر کیا جس کا مختصر خلاصہ یہ تھا کہ قبر شریف جس میں حضور ﷺ کا جسد مبارک مدفون ہے، وہ عرش معلی سے افضل ہے۔ جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو اس کے ثبوت میں اپنے امام کا قول یا صاحبین کا فرمودہ پیش کریں؟ سوال بالکل صاف تھا، اس کا جواب دینا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا فرض منصبی تھا جو انہوں نے آج تک ادا نہیں کیا۔ مقلد کا صرف استدلال یہ ہوا کرتا ہے جو توضیح میں درج ہے۔ فالمقلد یقول هذا الحکم واقع عندی لانه ادی الیه راء ابی حنیفة انتهی یعنی مقلد یوں کہے کہ یہ حکم میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ میرے امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ثالث میں بھی غیر مجتہد کا طریق استدلال یہی بتایا ہے والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کابی حنیفة علی جهة الحکایة انتهی یعنی غیر مجتہد پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو اپنے مجتہد کا قول پیش کر دے حکایت کے طور سے۔ اب اس طرز سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو جواب دینا لازمی تھا جو انہوں نے اب تک معرض التواء میں ڈال رکھا ہے۔

احباب اہلحدیث مولوی صاحب مذکور کے جواب کا انتظار رکھتے تھے کہ ناگہاں کسی دوست کے ہاتھ میں اخبار العدل مطبوعہ ۲۳/ شعبان سنہ ۴۷ھ دیکھا گیا تو اس میں زیر عنوان "نعت شان سیدالکونین" ایک مضمون مولوی یعقوب صاحب راجنگری کا ملاحظہ میں آیا۔ چنانچہ اس

کو خوب غور سے پڑھا گیا لیکن پڑھنے سے نہایت افسوس لاحق ہوا کیونکہ یہ مضمون مولوی یعقوب صاحب حنفی نے انجمن اہلحدیث فاضلکا کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا اور اس کار خدمت کو مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کی طرف سے سرانجام دیا تھا جو اس سوال کا بعینہ جواب نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کیا گیا۔ مقلد مجیب صاحب نے جواب ارشاد فرماتے ہوئے اول تو مولوی مرتضیٰ حسن کی طرف سے اس سوال کا جواب نہ دینے پر عذر کیا ہے جو آپ ہی کے لفظوں میں درج ہے۔ فرماتے ہیں "اس لغو اور مبنی بر جہالت سوال کے جواب کی مولانا موصوف کو ضرورت نہیں"

اس خوش عقیدہ مرتضوی مرید سے کوئی پوچھے کہ اس میں جہالت کی کون سی بات ہے؟ انجمن اہلحدیث نے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو ایک مقلد شخص جان کر بموجب ان کی حیثیت کے دلیل طلب کی ہے تو کون سی بری بات کر دی ہے۔ آگے آپ فرماتے ہیں "حضرات علماء احناف جو مسئلہ بیان فرماتے ہیں وہ پراز تحقیق ہوتا ہے' زبانی جمع خرچ نہیں ہوتا۔ تو پھر معلوم ہوا کہ محقق ہوتے ہیں مقلد نہیں ہوتے۔ کیونکہ مقلد کو تو تحقیق کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ مقلدین کو تحقیق کرنا تحصیل حاصل ہے کیونکہ تحقیق کا درجہ تو ائمہ اربعہ پر ختم ہو کر بقول حنفیہ تم کو صرف تقلید کا مرتبہ رہ گیا ہے۔ سو اس میں بھی تم کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ چاہیے تو اپنے امام کا قول سند پکڑنا لیکن سند پکڑتے ہیں اقوال غیر سے جو صریح غیر مقلدی ہے۔

مولوی یعقوب آگے فرماتے ہیں "چونکہ ان کتابوں میں جو مسائل بھی لکھے گئے ہیں وہ حقیقتاً ائمہ دین سے منقول ہیں۔ لہٰذا یہ سوال ہی فضول ہے کہ ہم کو حضرت امام اعظم یا صاحبین کا فرمان مطلوب ہے"

بہت اچھا صاحب! آپ نے کہا ہے کہ جو کچھ کتب فقہ میں لکھا ہے وہ سب مسائل ائمہ دین یعنی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے ہیں۔ جو مسئلہ ان میں مل جائے گا وہ انہی کا ہو گا۔ اس کی بابت جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ واقعی انہی کے ہیں یا نہیں؟ اب یہ بتایئے کہ ان کتابوں کے مسائل کی سند ائمہ دین تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ اگر پہنچتی ہے تو پھر اسی مسئلہ کو مسلسل سند سے امام ابوحنیفہ یا صاحبین تک پہنچاؤ۔ اگر سند سلسلہ وار نہیں پہنچتی تو پھر سن لو' شرح فقہ اکبر ص-۳ پر ہے العلم ما کان فیہ قال حدثنا وما سوا ذالک

وسواس الشیاطین یعنی علم وہ ہے کہ جس میں سند ہو اور اس کے سوا شیطانی وسواس ہیں۔
جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مبارک شاگرد امام ابوحنیفہ کے فرماتے ہیں الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء یعنی اسناد میرے نزدیک دین سے ہے اور اگر اسناد نہ ہو تو جو کچھ چاہے کہے۔
اب کوئی اگر کہتا ہے تو ہم کہتے ہیں من حدثک کس نے یہ مسئلہ بیان کیا تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ (ص-۴۲۹) کتب فقہ کا یہ حال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں انی وجدت بعضهم یزعم ان جمیع ما توجد فی هذه الشروح الطویلة وکتب الفتاوی الفخمة وهو قول ابی حنیفة وصاحبیه ولا یفرق بین القول المخرج وبین ماهو قول فی الحقیقة یعنی میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ بڑی شرحوں اور موٹے فتووں میں جو کچھ لکھا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے حالانکہ وہ اصلی قول اور مخرج کے قول میں فرق نہیں کرتے۔
اور پھر فرماتے ہیں وعندی ان المسئلة القائلة الخ وامثال ذالک اصول مخرجة علی کلام الائمة ولنا لا تصح بها روایة عن ابی حنیفة وصاحبیه وانه لیست المحافظة علیها یعنی یہ قاعدے کلام ائمہ سے بطور تخریج کے (خود محتمل) ہے' نکالے گئے ہیں۔ ان کا امام صاحب اور ان کے شاگردوں سے مروی ہونا صحیح نہیں ہے۔
اور شاہ صاحب حجتہ اللہ کے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں ان ذالک من تخریجات الاصحاب ولیس مذهبا فی الحقیقة یعنی یہ مسئلے تخریجات اصحاب سے ہیں۔ فی الحقیقت مذہب نہیں ہے۔
اسی کے مطابق علامہ شعرانی نے فهو جاهل بحقیقة المذاهب کا سرٹیفکیٹ مولوی یعقوب جیسوں کو دیا ہے۔ کتب فقہ کے مسائل کی سند کے متعلق کلمات طیبات مرزا مظہر جان جاناں ص-۷۸ میں فرماتے ہیں "روایت فقہ کہ ناقلان آں قضات ومفتیان اندو احوال لضبط وعدل آنہا معلوم نیست" یعنی روایت فقہ جس کے ناقلین بڑے بڑے قاضی اور مفتی ہیں جن کے ضبط اور عدل کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔
مولوی ولایت علی صاحب حنفی نے بھی رسالہ عمل بالحدیث میں اس بات کا اقرار کیا ہے اور مولانا مولوی محمد معین صاحب حنفی اپنی کتاب دراسات اللبیب میں فرماتے ہیں فلا

یستند قول ذالک الی ابی حنیفة دل النقل من الثقات علی انه موضوع مختلق علی السلف الصالح ومستحدث من المتاخرین ممن لا یعبأ به بقول علی وضوح فساده۔ (ص-۱۸۳) یہ قول امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیے بلکہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ اصل میں من گھڑت اور بناوٹی ہیں اور متاخرین لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو سلف صالحین پر تھوپی گئی ہیں' اس کا فساد ظاہر ہے۔

الغرض نہ تو مسائل کتب فقہ کا اعتبار ہے اور نہ ان کی اسناد ائمہ دین تک پہنچتی ہیں۔ ہاں جن کتابوں کی سند امام ابوحنیفہ تک سلسلہ وار پہنچی ہے' ان مسائل کو ہم امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ کے تصور کرتے ہیں۔ باقی رہا ان کا حق و باطل ہونا سو وہ دلائل پر منحصر ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب مولوی یعقوب حنفی کی دلیل قبر نبوی کی فضیلت عرش معلی پر کے بارہ میں ناظرین غور سے سنیں۔

آپ فرماتے ہیں چنانچہ درمختار باب الہدیٰ میں ہے لا حرم للمدینة عندنا ومکة افضل منها علی الراجح الا ماضم اعضاءہ علیه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتی من الکعبة والعرش والکرسی۔ (درمختار) (ترجمہ) "مدینہ کو ہمارے نزدیک حرمت نہیں۔ (یہ ہے حنفی مذہب میں مدینہ شریف کی وقعت) اور مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ راجح قول پر مگر وہ جگہ جس سے حضور ﷺ کا جسم اطہر ملا ہوا ہے کیونکہ اس جگہ کو مطلقاً فضیلت ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔"

ناظرین اہل علم غور کریں کہ ان لوگوں کا کیسا غلو دین اور افراط تفریط ہے کہ جو بات احادیث صحیحہ قطعیہ سے بین طور پر ثابت ہے' اس کا تو صاف لفظوں میں انکار کیا جا رہا ہے اور جس چیز کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث و اقوال صحابہ بلکہ ائمہ اربعہ سے نہیں ہے اس کا اقرار کیا جا رہا ہے۔ بہرکیف احادیث کا الٹ کرنا ہے اور کتب فقہ پر عمل درآمد کر کے ان کو سچا بنانا ہے۔ اول حدیث نبوی کو چھوڑ کر کتب فقہ کو دارومدار عمل کا بنایا ہے اور صرف ذات نبوی کے متعلق یہ کفریہ عقیدہ رکھا کہ وہ اللہ کے نور سے بنے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے اسم شریف کو محض ورد زبان ٹھہرا لیا اور کبھی ملائکہ اور انبیاء اور اولیاء کا ایمان عامہ اہل اسلام فساق و فجار کے برابر قرار دے دیا۔ اور ادھر قبر نبوی کو عرش معلی سے بڑھا دیا یااللہ تیری شان جب تقلید شروع ہوئی تو اللہ اور رسول کی اتباع کم ہونے سے پیر پرستی شروع ہو

گئی۔ جب انبیاء اور اولیاء کا مرتبہ اللہ سے بڑھا دیا گیا تو قبر پرستی شروع ہو گئی۔ اسی واسطے قبروں پر قبے وغیرہ بنا کر سالانہ عرس ہونے لگے۔ جن میں ہزاروں شرک اور بدعتیں ظہور پذیر ہیں۔ الغرض حنفیہ کے اکثر مسائل خلاف حدیث نبوی ہیں۔ وہ نبی ﷺ کی قبر کو عرش معلیٰ سے بڑھ کر کہتے ہیں۔ ان کی حدیث کو فقہ کے بے سند مسئلوں کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں دیتے۔ گو زبان سے تو خشک دعویٰ بہت کچھ کرتے ہیں لیکن کتب فقہ اور واقعات شاہد ہیں کہ حدیث نبوی کی حنفیہ کے نزدیک کوئی قدر نہیں۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مدینہ شریف حرم ہے اور حرم مدینہ کے لیے محدثین نے کتب حدیث میں باب منعقد کر کے حنفیہ کا رد کیا ہے۔

مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں صحیح حدیث درج ہے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور الخ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ حرم ہے عیر سے ثور تک۔ عیر اور ثور یہ دو پہاڑ ہیں مدینہ کے جنوب اور شمال کی یہ حدیں ہیں۔ حضور ﷺ نے مکہ کی طرح مدینہ کی بھی حدیں مقرر کر دیں۔ جو زیادتی مکہ کے حرم میں درست نہیں ہے' وہی مدینہ کے حرم میں درست نہیں ہے۔

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم مجتہد فقیہ سے مروی ہے۔ جس کا صرف زبانی قول حنفیہ بتا کر جمعہ فرض گاؤں میں ترک کر رہے ہیں۔ اب اس بارہ میں وہ ایک مرفوع حدیث اور حدیث بھی ایسی حدیث جو صحیفہ میں لکھی ہوئی محفوظ مثل قرآن کی ہے' ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں تو حنفیہ محض قیاس اور ضعیف دلائل سے تاویلیں کر کے ٹھکرا دیتے ہیں۔

اب دوسری حدیث سنیئے۔ عن سعد قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی احرم مابین لابتی المدینۃ ان یقطع عضاھھا او یقتل صیدھا الخ۔ "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں حرام کرتا ہوں درمیان دونوں کناروں سنگستان مدینہ کے کہ کاٹے جائیں درخت اس کے یا مارا جائے شکار اس کا۔"

ناظرین اہل علم غور کریں کہ کیسے صاف لفظوں میں مدینہ شریف کو حرم ثابت کیا گیا ہے اور اس کی حدیں مقرر کی گئی ہیں اور اس میں درخت کاٹنے اور شکار کرنا منع قرار دیا گیا ہے۔ اب ان صحیح احادیث کے خلاف حنفی مذہب کا پوجاری مولوی یعقوب کہتا ہے مدینہ حرم نہیں ہے' باعتبار اصطیاد اور قطع اشجار وغیرہ یعنی شکار کر سکتے ہیں اور درخت کاٹ سکتے ہیں۔ اوپر

سے وغیرہ کہہ دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ خونریزی اور لڑائی کے واسطے ہتھیار اٹھانے اور درخت جھاڑنے بھی درست ہیں کیونکہ مدینہ حرم نہیں ہے۔

اب تیسری حدیث سنئے۔ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابراھیم حرم مکۃ فجعلھا حراما وانی حرمت المدینۃ حراما ما بین مازمیھا ان لا یھراق فیھا دم ولا یحمل فیھا سلاح لقتال ولا تخبط فیھا شجرۃ الا لعلف۔ (رواہ مسلم) "روایت ہے ابوسعید سے اور وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ فرمایا آنجناب ﷺ نے کہ تحقیق ابراہیم علیہ السلام نے بزرگی دی مکہ کو کہ بنایا اس کو حرم اور میں نے بزرگی دی مدینہ کو بزرگی دینا درمیان دونوں طرفوں اس کی کے کہ نہ خونریزی کی جائے اس میں اور نہ اٹھایا جائے اس میں ہتھیار اور نہ جھاڑا جائے درخت مگر واسطے کھانے جانوروں کے۔"

رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کو عرش مجید سے افضل کہنے والو! کیا نبی ﷺ کا حرمت المدینۃ فرمانا درمختار کے مؤلف جس کا استاد عبدالنبی بتلایا جاتا ہے لا حرم للمدینۃ عندنا کہنے سے زیادہ فوقیت نہیں رکھتا؟ نبی ﷺ کا جسد مبارک تراب سے ملنے پر وہ تراب عرش کریم سے فضیلت پا جائے (بقول تمہارے) اور ان کی زبان مبارک فداہ ابی وامی کا فرمان مؤلف درمختار کے قول کا مقابلہ نہ کرے۔

یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے ہمارے نبی ﷺ کو افضل کہا جاتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کا حرم بنایا تو حنفیہ نے بھی منظور کر لیا ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ کو حرم بنانا حنفیہ کو منظور نہیں ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ حنفیوں نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی ﷺ پر فضیلت دے دی ہے' نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ اور ان کا پیچھا سنبھالنے والے فقہاء کے قول کو حدیث نبوی پر ترجیح دے کر افضل بنا دیا ہے کیونکہ جس کی بات دوسرے سے معتبر ہو گی وہ ہی اس سے افضل ہو گا۔ پس یہی شرک فی الرسالت ہے' فافہم۔

اب چوتھی حدیث اور سنئے۔ عن الزبیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صید وج وعضاھہ حرام محرم للہ۔ (مشکوٰۃ) یعنی زبیر سے روایت ہے' کہا اس نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شکار وج کا اور درخت خار دار اس کا حرام کئے گئے ہیں واسطے

اللہ کے۔"

پانچویں حدیث سعد ہی سے روایت ہے' جس کا آخر یہ ہے۔ اللّٰھم ان ابراھیم حرم مکة وانی احرم مابین لا بتیه (متفق علیه) "نبی ﷺ نے دعا مانگی کہ یااللہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں حرام کرتا ہوں درمیان دونوں طرفوں سنگستان مدینہ کے۔"

قبر نبوی کو عرش مجید سے افضل و اعلیٰ کہنے والو! کیا اس مستوی علی العرش نے اپنے پیارے نبی کی دعا قبول نہیں کی؟ ضرور کی ہے اور تمہارا لا حرم للمدینة کہنا مخالف احادیث صحیحہ ہے۔ اب ہم مدینہ کے حرم ہونے کے متعلق ایک منصف حنفی بزرگ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ کتاب دراسات اللبیب ص۳۳۹ میں ملا محمد معین صاحب فرماتے ہیں وقد نطقت الاحادیث الصحیحة الجمة من الصحیحین وغیرھا علیٰ تحریم المدینة المطھرة کتحریم المکة المعظمة واجتمعت علیٰ ذالک اھل المدینة المنورة والفقت الائمة الثلاثة معھم وھو الحق الصراح الذی لا یرتاب فیه والاستدلال علی خلافه ضعیف۔ خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ بہت احادیث صحیحہ اس بات پر ناطق ہیں کہ مدینہ مکہ کی طرح حرم ہے۔ مدینہ والوں نے اس پر اجماع کیا ہے اور تینوں امام شافعی' احمد' مالک بھی ان سے متفق ہیں اور یہ حق صریح ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کے خلاف جو دلیل ہے' وہ ضعیف ہے۔

حنفیوں کے پاس سوائے تقلید امام ابوحنیفہ کے اور کوئی مضبوط دلیل مدینہ کے حرم نہ ہونے کی نہیں ہے۔ ہاں ایک حدیث سے اپنے امام کے قول کی حمایت میں استدلال کرتے ہیں اور صرف یہی ایک حدیث ان تمام فقہاؤں اور مقلدوں کی سرمایہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نغیر ایک چڑیا انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس تھی جو اس نے پکڑی تھی۔ حضور ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا تھا یااباعمیر ما فعل النغیر یعنی "اے ابوعمیر تمہاری چڑیا نے کیا کیا۔"

اب اس سے یہ استدلال کرنا کہ مدینہ کا شکار مارنا اور درخت کاٹنے وغیرہ وغیرہ درست ہیں' دیانت اور انصاف کے خلاف ہے۔ یہ استدلال ان صحیح احادیث کے مقابلہ میں تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے لیکن تاہم ان کی خیر خواہی کے لیے ہم محدثین کرام کی تطبیق جو اس حدیث اور احادیث صحیحہ مرقومہ بالا کے درمیان دی گئی ہے' ظاہر کر دیتے ہیں

کہ حدیث نغیر کا واقعہ قبل تحریم مدینہ کے ہے اور یہ بھی احتمل ہے کہ یہ چڑیا حرم کے باہر سے شکار کی گئی ہو پھر حرم میں لائی گئی ہو کیونکہ شکار باہر کیا جائے اور پھر حرم میں لایا جائے تو مذہب حق یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام نووی جن کا ذکر خیر مولوی یعقوب نے شامی سے نقل کیا ہے' شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ اجاب اصحابنا بجوابین احدھما انه یحتمل ان حدیث النغیر کان قبل تحریم المدینه والثانی یحتمل انه صاده من الحل لا من حرم المدینة۔ (جلد ۱' ص ۴۴۰) بہرحال حنفیہ کا یہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

صرف ایک حدیث جس میں متعدد احتمل ہوں' احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں کس طرح قابل حجت ہو سکتی ہے؟ اسی واسطے ائمہ ثلاثہ اور کثیر اہل علم نے حرم مدینہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فتح الباری جزء سابع ص ۲۲۹ میں ہے۔ قال ابن قدامة یحرم صید المدینة وقطع شجرھا وبه قال مالک والشافعی واکثر اہل العلم انتھی۔ یعنی "مدینہ کے درخت اور شکار حرام ہیں۔ امام مالک اور شافعی اور اکثر اہل علم یہی کہتے ہیں۔"

بلکہ احناف اہل انصاف کو خود اس بات کا اعتراف ہے۔ دراسات اللبیب ص ۳۳۹ میں مرقوم ہے وما تمسک فی ذالک ببعض الاحادیث الصحیحة و دل بظاھرھا علی التحلیل فقد ثبت عند الحافظ صدورھا قبل التحریم وما حرمت الا بعد خیبر انتھی۔ یعنی "حنفیہ نے جو حرم مدینہ کے خلاف ان احادیث سے استدلال پکڑا ہے جو بظاہر تحلیل مدینہ پر دلالت کرتی ہیں پس تحقیق ثابت ہو گیا کہ وہ قبل تحریم کے وارد ہیں اور مدینہ شریف کی حرمت واقعہ خیبر کے بعد قرار پائی ہے۔"

الغرض مدینہ حرم ہے اور اس کے لیے حرم نہ ماننا احادیث صحیحہ صریحہ کی مخالفت ہے۔ اب رہی درمختار والے کی دوسری بات کہ وہ جگہ جس سے نبی ﷺ کا جسم اطہر ملا ہوا ہے۔ وہ مطلقاً کعبہ عرش کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ سو اول تو یہ مولوی مرتضیٰ حسن کا رد کرتی ہے کیونکہ وہ تمام قبر نبوی جس میں قبہ و نیچے والی چیزیں اور اردگرد کی مٹی وغیرہ شامل ہیں' افضل گردانتے ہیں اور درمختار والے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی تراب جس سے آپ کے اعضاء ملے ہوئے ہیں' افضل ہے۔ پس ہر دو میں فرق اور اختلاف بین ہے۔ تمام قبر کا افضل ہونا اس سے ثابت نہ ہوا۔ دوم یہ کہ نبی ﷺ کے نیچے از خر

بچھایا گیا تھا' آنحضور ﷺ کا جسم مبارک پہلے اس سے ملحق ہوا ہے۔ پس تم کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ اذخر جس سے نبی ﷺ کے اعضاء ملے ہوئے ہیں عرش کرسی وغیرہ سے افضل ہیں۔ سوم یہ کہ یہ ایک قیاسی فضیلت ہے۔ اس پر نص کوئی نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ ائمہ سلف یعنی صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ اربعہ سے یہ بات منقول نہیں ہے۔

چنانچہ اسی مسئلہ کے متعلق درمختار والے سے ہزار درجہ بہتر اور افضل فن حدیث میں بے نظیر محی سنۃ اور قامع بدعۃ جن کی محدثین و محققین مثل امام ذہبی' حافظ عسقلانی وعلامہ سیوطی وغیرہم نے بہت توصیف اور توثیق کی ہے۔ حافظ ابن ناصرالدین شافعی نے السرد الوافر میں تقریباً ایک سو اکابر و مشاہیر کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جنہوں نے مجدد کتاب و سنت محی الملتہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ پاکیزہ ہستی حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے۔ جن کے متعلق حافظ ذہبی معجم کبیر میں فرماتے ہیں کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث۔ جس حدیث کو حافظ ابن تیمیہ نہ پہچانے وہ حدیث نہیں ہے۔

علامہ ذہبی معجم شیوخ میں مدح کرتے کرتے تھک گئے اور بالآخر یہ کہہ کر صبر کیا و واللہ لو حلفت بین الرکن والمقام انی ما رایت بعینی مثلہ الخ۔ یعنی "قسم اللہ کی اگر میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑا ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ ہمتا پایا تو میری قسم سچی ہو گی اور میرے لیے کفارہ یمین نہیں۔"

بہرحال امام ابن تیمیہ حنفی مذہب کے سب اماموں سے افضل اور قابل اعتبار شخص ہیں جن کی شخصیت اسلام کے لیے ایک فخر ہے۔ وہ اپنے فتویٰ جلد ا' ص-۲۹۲ میں اس مسئلہ (یعنی قبر نبوی افضل ہے یا کعبہ وغیرہ) کے متعلق فرماتے ہیں غور سے سنئے۔ اما نفس محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما فی خلق اللہ خلقا اکرم علیہ منہ واما نفس التراب فلیس ہو افضل من الکعبۃ البیت الحرام بل الکعبۃ افضل منہ ولا یعرف احد من العلماء فضل تراب القبر علی الکعبۃ الا القاضی عیاض ولم یسبقہ احد الیہ ولا وافقہ احد علیہ انتہی۔ یعنی "ذات نبی ﷺ کی تمام خلق الٰہی میں اکرم ہے لیکن مٹی قبر نبوی کو کعبہ وغیرہ سے افضل کسی عالم نے نہیں کہا اور نہ یہ افضل ہے بلکہ کعبہ افضل ہے۔ ایک قاضی عیاض نے کہا ہے جس کے ساتھ کسی نے موافقت نہیں کی اور نہ پہلے کسی عالم نے ایسا فتویٰ دیا ہے۔"

غرض یہ ایجاد متکلمین اور مقلدین کی ہے جنھوں نے ایک غیر منصوص مسئلہ کو بطور عقیدے کے پھیلایا ہے ورنہ سلف میں ایسے مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مسئلہ میں کہ نبی ﷺ افضل ہیں یا قرآن' فرشتے مقرب افضل ہیں یا انبیاء وغیرہ میں سکوت اور توقف کیا ہے۔ پس ہمیں بھی خواہ مخواہ کی جستجو نہ کرنی چاہیے۔ ایسی جستجو کرنے والوں کے لیے قرآن و حدیث میں تنبیہہ کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ الذین یجادلون فی أیات اللّٰہ بغیر سلطان اتاھم کبر مقتا عند اللّٰہ وعند الذین اٰمنوا۔ یعنی "بغیر دلیل کے اللہ کی نشانیوں میں جھگڑنے والے اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک مغضوب ہیں۔

ایک حدیث میں وارد ہے' حضور ﷺ نے دو شخصوں کو دیکھا جو ایک غیر مامور بہا مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ابھذا امرتم یعنی کیا تم اس مسئلہ کا حکم کئے گئے ہو۔ انما ھلک من کان قبلکم بھذا۔ پہلی امتوں کے لوگ ایسے ہی غیر مامور بہ مسئلہ پر جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ (مزید تنبیہہ فرما کر کہا) انظروا ما امرتم به فافعلوه وما نھیتم عنه فاجتنبوه یعنی دیکھو جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو اور جن کاموں سے روکا گیا ہے بچے رہو۔

بس اب ان مقلدین نے باوجود تقلید کرنے کے پھر بھی احکام شریعت میں اپنی طرف سے وہ عقائد اور فروعی مسائل اختراع کیے ہیں جن کا ائمہ اربعہ میں وجود نہیں ملتا۔ ایک تو یہی مسئلہ کہ اس مٹی کو تو افضل بنایا اور خود مدینہ کو حرم نہ کہا۔ دوسرا یہ کہ مسلمان فاسق عام فرشتوں سے افضل ہے۔ اللہ کے دیدار اور اس کی صفات کے منکر کافر نہیں (درمختار مترجم جلد ۱' ص ۲۴۱) بلکہ ایمان میں اعمال داخل ہی نہیں۔ ایک زانی' شرابی اور چور کا اور جبرئیل اور پیغمبر کا ایمان برابر ہے۔

فروعی سن لو! اپنی دبر میں حشفہ داخل کرے تو غسل فرض نہیں ہے۔ (درمختار جلد ۱' ص ۸۰) بغیر جماع کے منی فرج میں داخل ہو گئی اور عورت حاملہ ہو گئی تو اسی وقت غسل لازم ہے۔ (ہدایہ جلد ۱' ص ۱۷) بے شرمی کی بات ہے۔ جو بات عقل و فکر میں نہ ہو بلکہ محال ہو اور اس کا وجود نہ پایا گیا ہو' اس فرقہ کا خاصہ ہے کہ اس کو مسئلہ کی صورت میں پیش کریں گے' خواہ وہ حیا کے خلاف ہے' فتامل۔

ابوالحسنات محمد عبدالقادر (فاضلکا)

زیارت قبر نبوی ﷺ کی تحقیق

حدیث موضوع کا بیان ⇦ واضح ہو کہ حدیث کی کئی اقسام ہیں۔ سب سے اعلیٰ حدیث متواتر ہے' پھر حدیث مشہور کا درجہ ہے۔ تیسرا خبر واحد کا ہے۔ اور اخبار احاد میں سے اول نمبر صحیح لذاتہ کا ہے اور احادیث مردودہ میں سے بدترین نمبر حدیث موضوع یعنی اختراعی اور بناوٹی کا ہے' جو آنحضرت ﷺ سے سرزد نہیں ہوئی اور اس کی روایت آپ سے عمداً بطور جھوٹ کی گئی ہے۔ پس جس راوی میں وضع اور عمداً جھوٹ بولنے کا طعن ہو اس کی حدیث کو موضوع قرار دیا گیا ہے۔

جمہور محدثین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ پر عمداً جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے۔ جس کا مرتکب فاسق ہے بلکہ امام الحرمین ابو محمد جوینی نے واضع حدیث پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جس سے ابن المنیر' علامہ سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہ نے اتفاق ظاہر کیا ہے جیسے حدیث موضوع بنانا حرام ہے' ویسے کسی موضوع حدیث کو عمداً بیان کرنا بھی حرام ہے۔

صحیح مسلم میں جناب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص مجھ سے حدیث بیان کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ بھی منجملہ کاذبین کے ایک کاذب ہے اور یہ حدیث کتب حدیث میں متواتر مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار" "جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے۔"

موضوع حدیث کی بابت علامہ ابن الصلاح نے کتاب علوم الحدیث میں یہ لکھا ہے: "شر الاحاديث الموضوع" کہ بدترین روایت موضوع ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب بوادر النوادر حصہ اول کے ص۔۱۵۲ میں لکھتے ہیں: "محدثین نے اس سے ہلکے قرینوں پر حدیث کو موضوع کہہ دیا اور موضوع کی اشاعت و روایت نصاً" اور اجماعاً" حرام بلکہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے۔ (الی قولہ) جھوٹی بات کی نسبت کرنا حضرت پیغمبر ﷺ کی طرف بڑا بھاری گناہ ہے۔ اس لیے

ایسے مضمون کا رواج دینے والا گنہگار ہو گا۔"

کسی روایت کا موضوع ہونا محدثین ماہرین فن کی شہادت سے معلوم ہو گا۔ وہ قرائن سے یا واضع کے اقرار سے معلوم کر لیتے یا راوی کی عادت وضع و کذب سے بھانپ لیتے ہیں۔

بعض اپنے مذہب کی حمایت میں احادیث گھڑ لیتے ہیں' جیسے مقلدین حنفیہ نے یہ حدیث گھڑی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہو گا جس کو ابوحنیفہ کہا جائے گا هو سراج امتی وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔" یہ ابوحنیفہ کا درجہ اور شان بڑھانے کے لیے گھڑی تاکہ لوگ ان کی تقلید کر کے حنفی بن جائیں۔ اس طرح کتب فقہ اکثر احادیث ضعاف اور موضوعہ سے بھرپور ہیں۔

چنانچہ مولوی عبدالحی لکھنوی نافع کبیر مقدمہ جامع صغیر کے ص۔۱۳ میں باوجود حنفی ہونے کے یہ لکھتے ہیں: **"فکم من معتمد اعتمد علیه اجلة الفقهاء مملو من الاحادیث الموضوعة ولا سیما الفتاوی"** یعنی "کتنی ایسی مستند کتابیں (حنفی مذہب کی ہیں) جن پر فقہاء حنفیہ نے اعتماد کیا ہوا ہے وہ جھوٹی احادیث سے بھرپور ہیں۔ خصوصاً حنفی مذہب کے فتاووں (قاضی خاں وغیرہ) کا بھی یہی حال ہے۔

عمدۃ الرعایہ کے ص۔۱۳ میں لکھا ہے کہ کتب فقہ میں جو احادیث درج ہیں ان پر اعتماد نہ کیا جائے۔ **"فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبره وهی موضوعة"** یعنی "کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں جن پر حنفیہ نے اعتبار کیا ہوا ہے وہ صاف موضوع ہیں۔"

اسی طرح صوفیہ کی کتابوں میں جو احادیث ہیں اور وہ اصولی کتابوں صحاح ستہ کے خلاف ہیں یا ان میں رکاکت پائی جاتی ہے وہ بھی موضوع ہیں جیسے احیاء العلوم وغیرہ۔

تدریب الراوی ص۔۱۸۴ میں تقریب نواوی سے نقل کیا ہے: **والواضعون اقسام اعظمهم ضررا قوم ینسبون الی الزهد وضعوها حسبة فی زعمهم فقبلت موضوعاتهم ثقة بهم"** یعنی "احادیث کو گھڑنے والے کئی قسم کے لوگ ہیں' ان میں سے وہ لوگ بھی جو زاہد عابد صوفیہ کہلاتے ہیں' وہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے احادیث گھڑ لیتے ہیں جو ان کے بزرگ ہونے کی وجہ سے لوگ ان پر اعتماد کر کے ان

روایتوں کو قبول کر لیتے ہیں' ان کا ضرر سب سے زیادہ ہے۔

امام یحیٰ قطان رئیس الجارحین والناقدین نے کہا کہ: "مارایت الکذب فی احد اکثر منہ" (تدریب ص-۱۸۴) یعنی "جس قدر میں نے ان صوفیوں زاہدوں کی روایتوں میں جھوٹ دیکھا ہے کسی قوم میں نہیں دیکھا۔

اس لیے محدثین نے تمام کتابوں کی چھان بین کر کے ان کے طبقات مقرر کیے۔ چنانچہ طبقہ اولیٰ کی کتابیں موطا امام مالک' جامع صحیح بخاری' صحیح مسلم۔ ان کتابوں کی احادیث کے صحیح اور مقبول ہونے پر اجماع امت ہے اور ان کو ائمہ دین اور علماء اسلام کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

دوسرا طبقہ ابوداؤد' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ اور مسند احمد کا ہے۔ ان میں اکثر احادیث صحیح یا حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں' لیکن ان پر اہل علم کا عمل پایا گیا ہے۔ اگرچہ بعض مسائل میں اختلاف ہے۔

ان دو طبقوں کے بعد طبقہ ثالثہ رابعہ ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی عجالہ نافعہ کے ص-۷ پر فرماتے ہیں: "اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا شدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ" یعنی "تیسرے طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہاء کا عمل نہیں اور وہ معمول بہ نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف فقہاء کا اجماع منعقد ہوا کہ یہ قابل عمل نہیں ہیں۔"

چوتھے طبقہ کے بارہ میں یہ فرمایا ہے: "ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بانہا تمسک کردہ شود" (عجالہ نافعہ ص-۷) یعنی "اس طبقہ چہارم کی کتابوں کی احادیث ایسی قابل اعتماد نہیں کہ جن سے کسی عقیدہ اور عمل کے اثبات کا کام لیا جا سکے۔

اب ان اصولی باتوں کو پیش نظر رکھ کر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جن کو دیوبندی طبقہ کے لوگ حکیم الامتہ قرار دیتے ہیں' وہ اپنی کتاب شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمتہ ص-۷۸ میں لکھتے ہیں: "افسوس کہ بعض لوگ ایسے خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ صیانۃ الانسان کے ص-۳۴ میں ہے: "وقال الشعبی لولا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن زیارۃ القبور لزرت قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" یعنی "رئیس التابعین امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع نہ کیا ہوتا تو میں قبر نبوی کی زیارت کیا کرتا۔" امام شعبی کوئی معمولی شخص نہیں ہیں وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں' جنھوں نے یہ کہا ہے: "ادرکت خمسمائۃ من الصحابۃ" کہ "میں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زیارت کی ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے آدمی ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اصلی علماء صرف چار ہیں' ابن المسیب مدینہ میں' امام شعبی کوفہ میں' امام حسن بصرہ میں' امام مکحول شام میں رحمھم اللہ۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص-۶۰۰ ملحقہ مشکوۃ)

مولوی تھانوی نے امام شعبی کی کس قدر توہین کی ہے کہ ان کو خشک لوگوں میں شمار کر کے خود رطب بن گئے ہیں۔ یہ صریح بزرگوں کی بے ادبی ہے۔ اس کے علاوہ اور سنئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز کے ص-۱۳۸ میں ہے کہ امام ہشام سے سوال کیا گیا: "اکان عروۃ یاتی قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیسلم علیہ قال لا" یعنی "کیا حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر سلام کیا کرتے تھے؟ ہشام نے کہا نہیں۔" حضرت عروہ تابعین کے سردار ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ وہ زیارت قبر نبوی نہ کرتے تھے' نہ سلام کہتے۔"

اب مولوی تھانوی حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کو خشک آدمی کہہ کر ان کی توہین کریں تو یہ ان کو زیبا ہے۔

صیانۃ الانسان ص-۶۷ میں ہے کہ سعد بن ابراہیم جو احد الائمۃ الاعلام ہیں اور عصر تابعین میں مدینہ کے قاضی رہے' ان سے ان کے بیٹے ابراہیم یہ نقل کرتے ہیں: "کانہ کان لایاتی القبر قط وکان یکرہ اتیانہ" "وہ قبر پر کبھی نہ جاتے بلکہ وہ مکروہ جانتے تھے' لیکن تھانوی حکمت ایسے بزرگ کو خشک کہہ کر توہین کرتی ہے۔

مجمع الزوائد جلد-۴' ص-۳ میں ہے کہ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جو اہل بیت سے

تھے ایک شخص کو دیکھا جو قبر نبوی کے پاس (دیوار میں) ایک روزن میں داخل ہو کر دعا کر رہا ہے تو اس کو منع کر دیا اور یہ کہا کہ میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے اپنے والد امام حسین ﷜ سے سنا اور میرے والد نے میرے نانا رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میری قبر کو عیدگاہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں مجھ پر سلام کہو تو پہنچ جاتا ہے۔ (پھر قبر پر آنا ضروری نہیں)

اگر تھانوی حکیم حضرت علی بن الحسین ﷫ کو خشک جانیں گے تو اہل بیت کا بے ادب ان سے زیادہ کون ہو گا۔

الدین الخالص جلد۔۲، ص۔۳۰۱ میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم محدث قنوجی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ سہل بن سہیل نے یہ خبر دی کہ مجھے حسن بن علی بن ابی طالب نے دیکھا قبر نبوی کے پاس تو پکارا اور وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بھی دعوت دی تو میں نے عدم ارادہ ظاہر کیا کہ مجھے اس وقت خواہش نہیں، پھر مجھے کہا کہ تم قبر نبوی کے پاس کیا کر رہے تھے؟ میں نے کہا کہ میں سلام کہتا تھا، انہوں نے کہا کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو سلام کہو یعنی یوں: "بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک" (یہ دعا مسجد میں داخل ہونے پر پڑھنا مسنون ہے) پھر یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر کو عیدگاہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تم درود و سلام جہاں بھی کہیں ہو پڑھو تو مجھے پہنچ جاتا ہے، تم یہاں رہ کر سلام پڑھنے والے اور اندلس میں رہنے والا سلام کہے تو دونوں یکساں ہو (پھر قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا کیا ضروری ہے)

مخفی نہ رہے کہ یہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سید اہل بیت ہیں جو اپنے جد امجد کی قبر پر سلام کہنے والے کو ممانعت کی حدیث سنا کر روک رہے ہیں کہ اس طرح ہر ایک شخص قبر کی زیارت کو آئے گا اور سلام بولے گا تو قبر عیدگاہ اور میلہ بن جائے گی۔ اس لیے قبر پر آنے کی ضرورت نہیں۔ دور ہی سے سلام کہنا کافی ہے۔

اب تھانوی طبقہ اہل بیت پر حملہ کر کے ان کو خشک وغیرہ کہیں تو یہ گستاخی ان کو

مبارک رہے۔

دین خالص کے ص-۳۰۲ میں ہے: "ان قصد القبر علیه السلام اذا دخل المسجد منفی عنه لان ذالک لم یشرع" یعنی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ رئیس المحققین نے فرمایا کہ "مسجد میں جب داخل ہو تو قبر کی زیارت کا قصد کرنا منع ہے' کیونکہ شرع سے ثابت نہیں ہے۔"

نیز اسی صفحہ میں یہ لکھا ہے کہ: "وکره مالک لاهل المدینة کلما دخل الانسان المسجد ان یاتی قبرالنبی صلی الله علیه وسلم لان السلف لم یکونوا یفعلون ذالک" یعنی "امام مالک اہل مدینہ کے لیے زیارت قبر نبی مکروہ کہتے تھے' کیونکہ سلف صالحین صحابہ و تابعین نے ایسا نہیں کیا۔ وہ نماز پڑھ کر بیٹھے رہتے تھے یا اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے' قبر نبوی پر سلام کہنے نہ جاتے تھے۔" امام ابن القیم سے بھی یہی منقول ہے۔ تمام علماء دیوبند اول سے آخر تک ورجہ میں ان سے مساوی نہیں ہو سکتے۔

اہلحدیث کامذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ خانقاہوں اور قبروں کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرنا قول اور فعل نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور نہ صحابہ سے ثابت ہے اور نہ اہل بیت اور تابعین سے ثابت ہے کہ دور دراز کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کیا ہو۔ (دین خالص ص-۲۹۷)

پھر نواب صاحب ؒ لکھتے ہیں: "جس کام پر رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ پایا جائے وہ مردود ہے۔ تو یہ قبروں کی زیارت کا سفر بھی مردود ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا کام پیدا کیا جس کام پر حکم ہمارا وارد نہیں تھا وہ مردود ہے۔ یہ سفر زیارت قبر کا اس لیے ناجائز ہے کہ اس پر حکم رسول ﷺ وارد نہیں ہے۔

ہاں ساکنان شہر اور دیہات کے لیے مطلق زیارت مشروع ہے' اس میں اہل مدینہ اور ساکنان مدینہ کے لیے قبرستان بقیع کی زیارت مشروع ہے قبر نبی بھی اس عموم میں شامل ہے۔

اسی طرح جو لوگ مسجد نبوی کی نیت سے سفر کر کے مدینہ میں گئے یا تجارت وغیرہ

دیگر امور ضروریہ کے لیے گئے تو انہوں نے قبر نبوی ﷺ کی زیارت کر لی یہ جائز ہے' درود و سلام بھیجنے کا ثواب ہو گا۔ اسی طرح ہر جمعہ کو جائے تو یہ درست ہے' لیکن ہمیشہ تمام نمازوں کے بعد قبر نبوی کی زیارت کرنا اور سلام کہنا یہ درست نہیں۔ اگر کوئی شخص مدینہ میں کبھی کبھار کسی کام کے لیے بازار گیا اور اس نے نہ مسجد میں نماز پڑھی کسی اور جگہ پڑھ لی اور نہ زیارت قبر نبوی کی اور واپس گھر چلا گیا تو اس پر کوئی جرم نہیں ہے۔

مجمع الزوائد جلد۔۴' ص۔۸ میں یوں باب منعقد کیا ہے: "باب فیمن ورد المدینة لم یصل فی المسجد" "یہ باب اس شخص کے بارہ میں ہے جو مدینہ میں وارد ہو اور مسجد نبوی میں نماز نہ پڑھے۔"

پھر مسلم بن اسلم بن بجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ بہت بڑی عمر کا بوڑھا تھا' اس نے اپنا قصہ بیان کیا کہ وہ مدینہ میں داخل ہوتے تو بازار میں اپنا کام کر کے پھر اپنے گھر کو واپس ہوتے جب چادر اتار کر رکھتے تو یاد کرتے کہ مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی' پھر کہتے قسم بخدا میں نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے اس بستی میں آئے تو اپنے اہل کی طرف نہ لوٹے یہاں تک کہ اس بستی کی مسجد میں نماز پڑھے' پھر گھر جائے۔ (طبرانی)

یہ ظاہر بات ہے کہ جب مسجد نبوی میں نماز نہ پڑھی تو قبر نبی کی زیارت بھی نہ کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ زیارت قبر واجب ہے۔ کوئی عمل کرے تو مستحب ہے۔

اب مولوی تھانوی بعض خشک لوگوں کی حکایت لکھتے ہیں۔ چنانچہ شکر النعمة ص۔۸۷ میں ہے:

"کانپور میں ایک مرتبہ ایک مترجم اربعین حدیث میں بچوں کا امتحان تھا۔ جلسہ امتحان میں ایسے ہی ایک شخص تھے جو کہ زیارت قبر شریف کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ایک بچے کا امتحان شروع ہوا' اس نے اتفاق سے یہ حدیث پڑھی: "من حج ولم یزرنی فقد جفانی" "جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔"

ان صاحب نے اعتراض کیا کہ "لم یزرنی" فرمایا ہے تو یہ آپ کی حالت حیات

کے ساتھ خاص ہے۔ بعد وفات زیارت ثابت نہیں۔ طالب علم بچہ تھا اشکال سمجھا بھی نہیں نہ اس کا جواب معلوم تھا' وہ سادگی سے آگے بڑھنے لگا' اللہ کی شان آگے جو حدیث موجود تھی وہ اس اعتراض ہی کا جواب تھی۔ آگے یہ حدیث تھی: "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" یعنی "جس نے مرنے کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔"

جتنے علماء اس وقت موجود تھے' سب نے ان صاحب سے کہا کہ لیجئے حضرت' آپ کے اعتراض کا جواب منجانب اللہ ہو گیا' بس خاموش ہو گئے۔"

میں کہتا ہوں کہ کانپور میں جس مدرسہ کے طلبا کا امتحان ہوا' اس کے مدرس اور ممتحن اور موجودہ علماء اور وہ شخص معترض سب علم حدیث اور علم رجال رواۃ اور فن جرح سے لاعلم تھے اور آپ بھی ماہر اور واقف نہ تھے کیونکہ دونوں احادیث غیر صحیح ہیں۔ اور محدثین ماہرین حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔ پہلی حدیث کی درایت میں رکاکت ہے۔ اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو حجاج کے لیے حج میں زیارت قبرنبی شرط ہو گی۔ یہ باطل ہے' جس کا بطلان ظاہر ہے کہ حج فرض ہے اور فرض کی شرط بھی فرض ہوتی ہے۔ "کما تقرر فی الاصول" اور فرض دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت سے ثابت ہوا کرتا ہے۔ یہ روایت موضوع ہے ورنہ ضعیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں' تو شریعت ثابت نہ ہوئی پھر یہ اجماع کے خلاف ہے' کیونکہ اگر کوئی حج کی استطاعت رکھتا ہے وہ حج کر کے آگیا۔ مدینہ جانے کی استطاعت نہ تھی یا وہاں جانے کو ضروری نہ سمجھا تو سب علماء اسلام کے نزدیک حج ہو گیا' لیکن روایت کی درایت کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر مدینہ نہ گیا اور قبرنبوی کی زیارت نہ کی تو وہ ظالم ہے ولم یقل بہ احد۔"

اب پہلی روایت کی تحقیق محدثانہ سنئے۔ اس روایت کو ابن عدی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی اسناد میں محمد بن محمد بن نعمان بن شبلی باہلی بصری راوی ہے وہ متروک ہے۔ (تقریب التہذیب ص۔۲۳۳) یعنی اس کی روایت کو چھوڑا گیا ہے۔ اس کی بیان کردہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ تلخیص ص۔۲۲۱ میں ہے: "والنعمان ضعیف جداً" کہ "نعمان نہایت ضعیف ہے۔ تذکرۃ الموضوعات ص۔۷۶ میں اس روایت کو ذکر کر

کے لکھا ہے: "ولا یصح" (خلاصہ) قال الصنعانی موضوع" یعنی روایت صحیح نہیں ہے اور صنعانی نے اس کو موضوع کہا ہے۔

تلخیص ص-۲۲۱ میں امام عقیلی ماہر فن نے یہ کہا ہے کہ: "ولا یصح فی ھذا الباب شیئی" کہ "اس بارہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔" حافظ ابن حجر نے کہا: "طرق ھذا الحدیث کلھا ضعیفۃ" "اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔" میزان کے جلد-۳، ص-۱۳۹ میں محمد بن محمد بن نعمان باہلی کی بابت لکھا ہے: "قد طعن فیہ الدارقطنی واتھمہ" "امام دار قطنی نے راوی محمد بن محمد کو مطعون اور متہم قرار دیا ہے۔" اور نعمان کے ترجمہ میں ص-۲۲۷ میں حدیث "من حج فلم یزرنی فقد جفانی" درج کر کے یہ لکھا ہے: "ھذا موضوع" کہ "یہ روایت بناوٹی ہے۔"

تھانوی حکیم الامت کو مجدد ملت وغیرہ بڑے بڑے القاب دیئے جاتے ہیں، لیکن فن تنقید میں اتنے کچے ہیں کہ ایک موضوع حدیث سے روایت کر رہے ہیں جو گناہ ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ذم المکروہات کے ص-۵۵ میں لکھتے ہیں: "موضوعات میں تو سخت گناہ ہوتا ہے نہ دنیا کا کچھ فائدہ نہ دین کا بلکہ دین تو غارت ہوتا ہے۔" اسی صفحہ میں معراج نامہ، نورنامہ، سپاس نامہ وغیرہ کی بابت یہ لکھا ہے: "یہ کتابیں سب موضوعات ہیں، لکھنے والا تو گنہگار ہوا ہی، پڑھنے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ ان کا شائع کرنا اور چھاپنا بھی گناہ ہے۔ جب موضوع روایتوں کا لکھنا، چھاپنا اور پڑھنا سب گناہ ٹھہرا تو پھر آپ نے اپنی تصنیفات میں موضوع روایتوں کا کیوں ذکر کیا؟ عمداً یا ناواقفی سے ـــ ایسا ایک جگہ نہیں بلکہ کئی جگہ عمل کیا ہے جو بہت برا ہے ـــ مولوی اشرف علی صاحب نے ایک کتاب بنام "الموارد الفرخی فی المودو البرزخی" لکھی ہے، اس کے ص-۳۲ میں لکھتے ہیں (سولھویں حدیث) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہوا تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے۔ سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا

کیا اور اپنی شرف دی ہوئی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا "لا اله الا الله محمد رسول الله" سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ایسے ہی شخص کا نام ملایا ہو گا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہو گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو واقع میں وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطے سے مجھ سے درخواست کی تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی روایت سے اور کہا کہ اس کے ساتھ عبدالرحمٰن منفرد ہے اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی۔ اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا۔"

یہ روایت بالکل جھوٹی اور موضوع ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ چنانچہ قرآن کے سورہ بقرہ میں یہ نص قطعی وارد ہے: "فتلقی آدم من ربه كلمات فتاب عليه" (الآیہ) یعنی "حضرت آدم علیہ السلام نے خطا ہونے کے بعد اپنے رب سے ایسے کلمات سیکھ لیے کہ ان کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول کر لی۔ ان کلمات کا بیان قرآن کی سورہ اعراف میں مذکور ہے: "قال ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين" یعنی دونوں میاں بیوی آدم و حوا نے یوں دعا کی کہ "اے ہمارے پروردگارا بے شک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ تیری نافرمانی کی اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہمارے حال پر رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً گھاٹے میں ہوں گے۔"

اکثر مفسرین سلف صالحین ابن عباس رضی اللہ عنہ' قتادہ' مجاہد' حسن' ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ جو کلمات سیکھے تھے وہ یہی تھے۔ (ابن کثیر' خازن' معالم وغیرہ) تفسیر ستاری وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔ ملا علی قاری نے اپنی موضوعات کبیر میں موضوع حدیث کی کئی علامتیں لکھی ہیں' ص-۹۸ میں ہے: "وهنا مخالفة الحديث لصريح القرآن" یعنی "ایک نشانی یہ ہے کہ وہ قرآن کے خلاف ہو گی۔" پس اس نشانی سے اس حدیث کا جھوٹی ہونا ظاہر ہے۔ تفسیر مدارک ص-۴۳ میں فتلقٰی کی تفسیر میں لکھا ہے "وهن قوله تعالىٰ ربنا ظلمنا الخ" کہ وہ کلمات جن

کے کہنے سے توبہ قبول ہوئی وہ ربنا ظلمنا کی دعا ہے ــــــ اب جو لوگ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے پنجتن پاک کے وسیلہ سے دعا کی تھی تب قبول ہوئی اور دیوبندی اور بریلوی کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے توبہ قبول ہوئی' سب غلط ہے۔ جو قرآن کے خلاف جھوٹی روایتوں سے دلیلیں لاتے ہیں اور خود اپنے اصولوں کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

اصول شاشی وغیرہ میں یہ اصول لکھا ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کر کے دیکھو اگر موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کر دو۔ چنانچہ بریلوی مفتی احمد یار گجراتی اپنی کتاب جاء الحق کے ص۔۳۳ میں لکھتے ہیں" مقدمہ تفسیر احمدیہ ص۔۴) حدیث میں آتا ہے "جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو۔ اگرچہ اصول شاشی والی اور تفسیر احمدیہ والی حدیث منقولہ موضوع ہے اور یہ موضوع روایتوں سے سند لاتے ہیں' لیکن ہماری گرفت اس اصول مسلمہ خصم سے یہ ہے کہ روایات وسیلہ محمد و پنجتن وغیرہ تمہارے اصول کی رو سے قرآن کے خلاف ہیں پھر تم نے یہ مردود روایتیں قبول کیوں کیں۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون" یعنی "بڑے غصے کی بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ تم کوئی بات کہو اور پھر اس پر عمل نہ کرو۔"

ہم مقلدین کے ہر دو فرقوں سے پوچھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو کلمات سیکھ کر توبہ کی تھی وہ کلمات کیا تھے ــــ؟ قرآن اور حدیث نبوی ﷺ سے بتاؤ اور اگر یہ کہو وہ دعا وسیلہ ۔محمد ﷺ تھی تو یہ صریح جھوٹ ہو گا اور روایت پیش کردہ کے خلاف ہو گا' کیونکہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بواسطہ محمد ﷺ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے اس کو ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کلمات دعائیہ وسیلہ والے اللہ تعالیٰ کی تعلیم والے نہیں۔ ازخود آدم نے کہے ہیں یہ بات صریح خلاف قرآن ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جب صریح عبارۃ النص سے یہ ثابت ہے کہ حضرت آدم و حوا ہر دو نے یہ کلمات توبہ کہے تھے تو ان کلمات کے کہنے سے توبہ قبول ہوئی یا نہیں؟ اگر کہو توبہ قبول نہ ہوئی تب انہوں نے وسیلہ پکڑا' تو یہ صریح نص قرآن کے خلاف

ہے۔ اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اور یہ کفر بواح ہے ــــ اور اگر کہو کہ انہی کلمات الٰہیہ سے دعا قبول ہو گئی تھی تو پھر وسیلہ اس ذات کا جو ابھی پیدا نہیں ہوئی لغو اور عبث ظاہر ہوا۔ اس لیے یہ روایت جھوٹی ہے۔ جس کو مولوی اشرف علی نے اپنی مایہ ناز کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کے ص-۹ تا ص-۱۰ بہت اپنایا ہے۔ اور اس سے آنحضور ﷺ کی فضیلت سابقین پر ثابت کی ہے' حالانکہ یہ روایت باطل ہے جو صریح قرآن کے خلاف ہے۔

صیانۃ الانسان کے ص-۱۱۸ میں حضرت مولانا محمد بشیر صاحب محدث سہوانی فرماتے ہیں: "ان اللّٰہ قد بین الکلمات التی تلقاھا آدم من ربہ فدعاھا ھو و حوا بقولہ' قال ربنا ظلمنا الخ وھذا قوی رد للمتن الذی رواہ ھذا الوضاع المجوسی الاصل من غلاۃ الرافضۃ" یعنی "اس وضاع مجوسی غلاۃ کی اس من گھڑت روایت کی تردید قرآن میں ہے کہ وہ کلمات جو آدم و حوا نے پڑھ کر دعا کی تھی وہ ربنا ظلمنا آخر دعا تک تھے۔"

دوسرا ثبوت اس حدیث کے موضوع ہونے کا یہ ہے کہ جو تفسیر ستاریہ کے ص-۳۹۶ میں امام الموحدین امام ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے۔ (تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالرد علی البکری ص-۶۰) یعنی جو لوگ اس قسم کی روایات پیش کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے آپ کے وسیلہ سے دعا مانگی وہ سب احادیث موضوعہ ہیں جس پر کسی حکم شرعی کی بناء نہیں رکھی جا سکتی' لیکن ادلہ شرعیہ سے جاہل شخص ہی ایسی روایتوں سے احکام اخذ کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ مولوی اشرف علی صاحب اپنے خیال اور علماء دیوبند کے اعتقاد میں بڑے علامہ اور محدث بلکہ حکیم الامتہ اور مجدد الملۃ ہیں' لیکن جب میدان تحقیق میں لائے جاتے ہیں تو تمام علمی راز طشت از بام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس میدان میں آئے تو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے ان کو لاعلمی کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ مولوی اشرف علی نے اپنی تصنیفات خصوصاً نشر الطیب میں اول سے لے کر آخر تک اکثر موضوع صاف ضعیف روایات سے کام لیا ہے جو ادنیٰ عالم بھی ایسا نہیں کر سکتا' کیونکہ وسیلہ آدم کی حدیث موضوع باطل ہے۔

رئیس الجارحین امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ "عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے طریق سے یہ روایت آئی ہے جس میں یہ ذکر ہے: "اے آدم! اگر میں محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو تجھ کو بھی پیدا نہ کرتا۔" یہ حدیث جھوٹی ہے۔ صیانۃ الانسان کے ص۔۴۴ میں الصارم المنکی کے حوالہ سے اس حدیث پر یہ لکھا ہے: "انه حديث غير صحيح ولا ثابت بل هو حديث ضعيف الاسناد جدا وقد حكم عليه بعض الائمة بالوضع" یعنی "آدم کے وسیلہ والی حدیث نہ صحیح ہے نہ ثابت ہے بلکہ نہایت ہی ضعیف ہے، جس پر بعض اماموں نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کا موضوع ہونا صحیح ہے، کیونکہ امام حاکم نے مستدرک لکھنے کے بعد تحقیقات کی تو عبدالرحمٰن بن زید کو نہایت درجہ کا ضعیف پایا۔ اس لیے کتاب الضعفاء میں عبدالرحمٰن مذکور کا ذکر کیا تو یہ لکھا: "روى عن ابيه احاديث موضوعة" کہ "عبدالرحمٰن اپنے باپ سے بناوٹی احادیث روایت کیا کرتا تھا۔" پھر لکھا ہے: "من حدث بحديث وهو يرى انه كذب فهو احد الكاذبين" (صیانۃ الانسان ص۔۴۴) یعنی "جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔" پس عبدالرحمٰن جھوٹا ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کردہ حدیث جھوٹی اور جو اس جھوٹی حدیث سے دلیل لیتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

صیانۃ الانسان کے ص۔۴۵ میں شفاء السقام کے حوالہ سے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "آدم علیہ السلام کے قصہ میں جو توسل کا ذکر ہے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے کسی راوی نے اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت نہیں کیا جو قابل اعتبار ہو، یا اس کو شاہد ہی بنایا جائے بلکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔"

میں کہتا ہوں امام ذہبی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور امام حاکم کا بھی آخری فیصلہ یہی ہے۔ تو یہ روایت سراسر گھڑنت ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

روایت وسیلہ آدم علیہ السلام موضوع ہے ⇦ دیوبندی اور بریلوی علماء پر مخفی نہ رہے کہ امام حاکم کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جب تک دیگر علماء ناقدین کی تصحیح سے ان کی تائید نہ پائی جائے۔ چنانچہ مولوی انور شاہ صاحب جو درس گاہ دیوبند کے

شیخ الحدیث تھے اور اکابر دیوبند کے سرخیل وہ اپنی کتاب العرف الشذی ص-۴۳ میں لکھتے ہیں: "لکن تصحیح الحاکم وتضعیف ابن الجوزی لا یعتد به بدون موافقة ائمة المحدثین" "حاکم کی تصحیح اور ابن جوزی کی تضعیف ناقابل اعتبار ہے جب تک دیگر ائمہ محدثین کی موافقت ان سے نہ ہو۔

مولوی اشرف علی تھانوی کو علم جرح و تعدیل اور اسماء الرجال اور محدثین ماہرین فن کی اصطلاحات اور اصول کا علم نہ تھا۔ تمام عمر پیری مریدی میں ضائع کر دی۔ اور واعظانہ تقریروں و تحریروں میں مصروف رہے اور علم حدیث میں مہارت حاصل نہ کی۔ اس لیے ان کی تصنیفات شرعی غلطیوں سے مملو ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام شعرانی امام غزالی کی طرح تصوف میں منہمک رہے۔ پس جیسے صوفیہ کی کتابیں موضوعات کا ذخیرہ ہیں۔ اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب صوفی مشرب کے آدمی تھے' محقق نہ تھے۔ ان کی تالیفات میں بھی موضوعات اور غلط حکایات کی بھرمار ہے۔ جس کو اہل علم پسند نہیں کرتے' شاید کوئی دیوبندی چکرائے کہ اہلحدیث اتنے بڑے عالم کی توہین کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ کسی شخص کی حقیقت کے اظہار کا نام توہین نہیں ہے —— توہین یہ ہے جو مولوی اشرف علی نے جناب حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ مجاہد اسلام جن کا علو درجہ شہرہ آفاق ہے سخت توہین کی ہے۔ چنانچہ انہاء السکن کے صفحہ-۹'۱۰ میں شیخ الاسلام کی مذمت کرتے ہیں اور ان کا مقابلہ اپنے امام طحاوی سے کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں: "وایم الله ان درجة الطحاوی فی علم الحدیث فوق الالف من مثل ابن تیمیه وابن تیمیه ان یکون کتراب نعلیه" یعنی "قسم بخدا طحاوی کا درجہ ابن تیمیہ جیسوں سے ہزاروں درجوں پر فائق ہے اور ابن تیمیہ طحاوی کی جوتیوں کی خاک برابر بھی نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ من هذا القول)

یہ شیخ الاسلام مجاہد فی سبیل اللہ رحمہ اللہ کی صریح توہین ہے۔ اسی طرح یہ مقلدین ائمہ دین محدثین کی برملا توہین کرتے چلے آئے ہیں۔ جن ائمہ حدیث نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی ان کی انہوں نے سخت توہین کر دی۔ یہ لوگ اہلحدیث پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ اماموں کی بے ادبی اور تنقیص کرتے ہیں' حالانکہ مقلدین صحابہ کرام سلف صالحین'

تابعین محدثین اور علماء دین کے حق میں بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں ان کی تفصیل کسی دوسرے وقت میں ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

سردست یہ عرض ہے کہ مولوی اشرف علی موضوع روایتوں کے گرویدہ ہیں۔ چنانچہ امام طحاوی اور شیخ الاسلام کا مقابلہ حدیث رد شمس سے کیا ہے کہ طحاوی اس کو صحیح کہتے ہیں اور شیخ الاسلام اس کو موضوع کہتے ہیں۔

علامہ قاری موضوعات کبیر کے ص-۸۹ میں لکھتے ہیں: "فقد قال العلماء انه حديث موضوع ولم ترد الشمس لاحد الخ" یعنی "علماء محدثین نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ سیرۃ النبی جلد-۳' ص-۷۷۶ میں مولانا سید ندوی فرماتے ہیں یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے اور حاشیہ میں یہ لکھتے ہیں "گو بعض علماء اہل سنت مثل قاضی عیاض ابو حفص طحاوی اور عام علماء شیعہ نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے' مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے۔

ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ مزی اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔"

اب غور کریں کہ جب امام شیخ الاسلام کے ہمراہ امام ذہبی جیسے ماہر فن اور حافظ ابن کثیر کے استاذ حافظ مزی اور امام ابن جوزی اور دیگر ائمہ جرح شامل ہیں تو طحاوی اور عیاض کی تصحیح کو کون جانتا ہے جو روافض کا ساتھ دے رہے ہیں اور دراصل یہ کسی رافضی کی بناوٹ ہے۔ جو مناقب علی رضی اللہ عنہ میں بیان کرتے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ تنزیہ الشریعۃ کے ص-۳۷۹ میں ہے کہ امام ذہبی نے تلخیص الموضوعات میں ابوالقاسم حسکانی کی ایک مجلس کا ذکر کیا ہے کہ اس میں روایت رد الشمس پر مذاکرہ ہوا تو حسکانی نے اسماء بنت عمیس اور علی' ابوہریرہ' ابوسعید کی روایات پیش کیں تو امام ذہبی نے فرمایا: "لكنها ساقطة ليست بصحيحة" یعنی "یہ سب روایات ساقط از اعتبار ہیں' کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ کچھ اور گفتگو کے بعد امام ذہبی نے فرمایا غروب شمس پھر رد شمس سے امت کے لیے تخلیط واقع ہو جاتی ہے کہ اس وقت روزہ دار

نے روزہ چھوڑ دیا اور نمازی نے مغرب کی نماز شروع کر دی' پھر سورج دوبارہ چڑھا تو ان پر وقت کی تخلیط ہو گئی۔ پھر اس رد شمس سے کیا فائدہ کہ وقت نمازوں اور اذان کا نکل چکا تو دوبارہ طلوع سے ادا نہ ہو گی' وہ قضا ہو گی۔

پھر امام ذہبی نے یہ بات بہت معقول کہی کہ "ھذہ الحادثة العظیمة لووقعت لاشتھرت وتوفرت الھمم والدواعی علی نقلھا اذا ھی فی نقض العادات جاریة مجری طوفان وانشقاق القمر" یعنی "یہ حادثہ تو بہت بڑا ہے' اگر واقع ہو جاتا تو عام اس کی شہرت ہو جاتی' ہمتیں وافر اور داعیہ موجود تو ضرور اس کو عام طور پر لوگ نقل کرتے' کیونکہ یہ عادت جاریہ کے خلاف طوفان نوح اور شق القمر کی طرح کا حادثہ تھا' لیکن ثقہ لوگ نقل نہیں کرتے تو ضعیف راویوں کا کیا اعتبار ہے۔"

بات بڑھتے بڑھتے دور چلی گئی ـــــ اصل بات یہ تھی کہ مولوی اشرف علی موضوع احادیث سے دلیل لے کر مسائل بناتے ہیں جیسے وسیلہ آدم کی حدیث موضوع ہے اور موضوع ہونے پر ان کی یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ لوگ اہل بدعت دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے نور کا تمام انبیاء سے اول پیدا ہونا ثابت ہے اور سب انبیاء سے آپ کی آمد اور اتباع کا عہد لینا ثابت ہے۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پتہ نہ چلا کہ محمد ﷺ کون ہے جب عرش پر کلمہ پڑھا تو پتہ چلا ـــ اور اللہ تعالیٰ کا آدم سے پوچھنا کہ تجھے کیسے پتہ چلا محمد ﷺ کا ـــ؟ ابھی تو میں نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا' یہ دونوں باتیں ایک دوسری حدیث کی تکذیب کرتی ہیں۔ اس لیے دونوں جھوٹی ہیں' پھر یہ روایتیں تیسرے طبقے کی ہیں جن پر نہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے نہ عمل۔ کما تقدم۔

اگر ان روایتوں کو موضوع نہ مانو تو ضعیف ہونے میں رائی برابر شبہ نہیں۔ تب بھی ان پر عقیدہ و عمل کا دارومدار رکھنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ احکام و عقائد کے علاوہ فضائل' مناقب' معجزات کے بیان میں ان کا ذکر جائز ہے۔ اس کا جواب سیرۃ النبی جلد۔۳' ص۔۷۴۸ میں یہ لکھا ہے ـــــ لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور "من کذب علی متعمداً" کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل' ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو

جیسا کہ امام نووی' حافظ عسقلانی' ابن جماعۃ اللیبی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔ (موضوعات قاری ص-۹)

تدریب الراوی ص-۱۹۶ میں امام سیوطی نے شیخ الاسلام کے حوالہ سے تین شرطیں ذکر کی ہیں جن کے پائے جانے پر فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف روایت قبول کی جائے گی۔ اول یہ کہ اس روایت کا ضعف معمولی اور خفیف ہو شدید نہ ہو' دوسرا یہ کہ اس حدیث ضعیف سے جو چیز ثابت اور ظاہر ہو وہ کسی اصل حکم معمول بہ کے تحت درج ہو۔

تیسرا یہ کہ عامل اس حکم کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ عمل بالاحتیاط مدنظر ہو۔

وسیلہ آدم کی حدیث ان تینوں شرطوں سے باہر ہے' کیونکہ ایک تو ضعف شدید اس روایت میں موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ ایسی ذات سے وسیلہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئی' کسی اصل شرع میں وارد نہیں ہے۔

تیسرا یہ کہ جو لوگ وسیلہ بلاموات کے قائل و عامل ہیں وہ ایسی باطل رواتیوں پر اعتقاد رکھتے ہیں' اس لیے یہ روایت لائق قبولیت و عمل نہیں ہے۔ اور امام حاکم کا اس کو صحیح کہنا ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ مترجم کے ص-۱۳۰ میں یہ لکھا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ حاکم کا اس حدیث کو صحیح کہنا کسی عنوان سے صحیح نہیں ہے' کیونکہ حاکم اپنی کتاب مدخل میں تنقید راویان حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے اکثر طور پر موضوعات روایت کرتا ہے جو کہ محدثین کے قواعد منضبطہ کے مطابق بالکل قابل حجت نہیں۔ نیز یہ کہ عبدالرحمٰن بہ اتفاق ائمہ اسلام ضعیف اور متروک ہے۔

امام احمد بن حنبل اس کو سخت ضعیف فرماتے ہیں' ائمہ اسلام ابوزرعہ' ابوحاتم' نسائی' دار قطنی وغیرہم سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

ابوحاتم بن حبان فرماتے ہیں کہ یہ شخص بے ثبوت اخبار مشتہر کیا کرتا ہے اور روایات توسل و منقطع کو حدیث کے نام سے موسوم کرنے والا ہے۔ لہٰذا محدثین کے اتفاق سے متروک الحدیث نامزد ہوا۔ اور یہ عام مشہور کر دیا کہ حاکم عجیب شخص ہے جو ایسی احادیث کو بھی صحیح کہہ دیتا ہے جو فن حدیث کے مطابق بالکل ضعیف ہیں۔"

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی دوسری پیش کردہ حدیث کا بھی یہی حال ہے جو امتحان کے موقع پر ذکر ہوئی۔ "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" جس سے خشک آدمی خاموش ہوا تھا۔ اور اس کو جواب منجانب اللہ قرار دیا تھا۔ مرزائی بھی غلط دلیلوں سے غلط استدلال کر کے اس کو منجانب اللہ ٹھہرایا کرتے ہیں۔ صیانۃ الانسان کے ص-۴۴ میں ہے کہ اول تو اس حدیث میں اضطراب شدید اور متن غیر سدید ہے۔ جو موجب ضعف ہے' دوسرا اس روایت کا دارومدار ایک راوی ہارون بن قزعہ پر ہے' جو مجہول راوی ہے۔

صیانۃ الانسان کے ص-۴۶ میں ہے کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے اور یہ غیر مشہور ہے اور ازدی نے کہا متروک ہے۔"

ص-۴۵ میں الصارم المنکی رد سبکی میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جو جو زیارت قبر نبوی کے بارہ میں وارد ہے ہارون واقع ہے' یہ شیخ مجہول ہے جس کا ذکر اسی حدیث میں پایا گیا ہے۔ ابوالفتح ازدی نے اس کو متروک کہا ہے کہ اس کی حدیث چھوڑی گئی ہے۔ اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جاتی۔ مجمع الزوائد جلد-۴' ص-۳ میں زیارت قبر نبوی کے بارہ میں بعض روایات ہیں مگر سب ضعیف اور مردود ہیں۔

نواب صاحب الدین الخالص جلد-۲' ص-۲۹۷ میں فرماتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں سب ضعیف ہیں۔ ایسے مسائل میں ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ پھر ان سب روایتوں میں سفر کر کے زیارت کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نواب صاحب' دین خالص کتاب مقبول اہل علم کے جلد-۲' ص-۲۹۷ میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ـــــ "خانقاہوں اور قبروں کا سفر کرنے کے بارہ میں کوئی حکم رسول ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ یہ سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ نہ اہل بیت اور تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہوا۔ اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس کام پر کوئی حکم شرعی وارد نہ ہو وہ مردود ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام پیدا کیا جس پر ہمارا حکم وارد نہ تھا تو وہ مردود

ہے' زیارت قبر نبوی ﷺ کے لیے سفر کرنے پر کوئی حکم وارد نہیں ہوا۔ لہذا یہ سفر مردود ہے۔ ہاں اگر کسی دوسری غرض دنیوی یا دینی کا سفر کیا اور مدینہ میں جانا ہوا تو پھر مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھیں اور پھر قبر نبوی کی زیارت کر لیں تو جائز ہے۔ مثلاً کسی نے مسجد نبوی میں نمازیں پڑھ کر ثواب حاصل کرنے کے لیے سفر کیا' یا تجارت کے لیے مدینہ گیا' یا دیگر امور مباحہ کے لیے مدینہ پہنچا تو پھر پہلے مسجد میں جا کر نماز پڑھے پھر زیارت قبر کر لے اور وہاں درود اور سلام پڑھ لے تو یہ جائز اور ثواب ہے جو حکم عموم زیارت قبر میں داخل ہے۔ لیکن خاص قبر کی زیارت کی نیت کر کے سفر کرنا بروئے حدیث صحیح غیر مشروع اور ممنوع ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی هذا**" (متفق علیہ) اس حدیث میں نفی یعنی نہی ہے۔ ترجمہ اس حدیث کا یوں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے تم تین مسجدوں کے سوا کسی مقام کی طرف سفر نہ کرو۔ ایک بیت اللہ' دوسری مسجد اقصیٰ اور تیسری مسجد نبوی۔" اس حدیث سے **بعبارة النص** ثابت ہوا کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی مقام کا سفر عبادت کے طریق اور تقرب الی اللہ کی غرض اور نیت سے کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث پر لکھا ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے: "شیخ ابو محمد جوینی نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کی طرف جانا حرام ہے بوجہ عمل کرنے ظاہر حدیث کے اور اشارہ کیا قاضی حسین نے اس کے پسند ہونے کی طرف اور یہی بات کہی ہے قاضی عیاض نے اور ایک جماعت علماء نے اور اس مطلب پر دلالت کرتی ہے وہ حدیث جس کو اصحاب سنن نے ذکر کیا کہ بصرہ غفاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کوہ طور پر جانے سے انکار کیا اور استدلال کیا اس حدیث سے جو دلالت کرتا ہے اس پر کہ انہوں نے شامل کیا حدیث کو اس کے عموم پر اور موافقت کی ان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ اس پر انکار نہ کیا۔"

اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصفی شرح موطاء ص-۹۰ میں فرماتے ہیں: "مترجم گوید تحقیق دریں جا آنست کہ در جاہلیت سفرے کردند بمواضع متبرکہ بزعم

خویش پس آنحضرت ﷺ سدباب تحریف فرمود و سفر را برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد بقصد خصوصیت تبرک باں مواضع منع فرمود تا امر جاہلیت رواج نہ گیرد آیا نمی بینی کہ بصرہ غفاری نہی را شامل طور داشت و ابوہریرہ رضی اللہ عنہ را از طور منع کرد' واللہ اعلم۔

مطلب اس کا بھی وہی ہے جو فتح الباری کی عبارت کا ہے۔

نیز شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیمات الٰہیہ ص-۴۵ جلد-۲ میں یہ فرمایا ہے کہ جو تفریع اس حدیث شد رحال پر ہے عبارت عربی کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص اجمیر یا سالار موعود غازی کی قبر کی طرف یا جہاں چاہے اپنی حاجت کے لیے ان سے مانگے تو یہ گناہ کبیرہ ہے کبیرہ گناہ قتل اور زنا سے بڑھ کر ہے اور مثل اس کی ہے جو مصنوعات کی عبادت کرتے ہیں یا لات عزیٰ کو پکارتے ہیں' یعنی یہ شرک ہے۔ پس اسی طرح سفر بہ نیت زیارت قبر نبوی اگر حاجت اور مشکل کشائی کے لیے ہو تو شرک ہے۔ اور اگر سلام و درود کے لیے ہو تو بدعت ہے' کیونکہ کسی صحیح حدیث سے سفر زیارت قبر نبوی کا ثابت نہیں ہے۔

اور جو روایات دیوبندی اور بریلوی فرقے پیش کرتے ہیں وہ محققین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہیں۔ ضعیف یا موضوع از قسم مردود ہیں۔ چنانچہ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث المجموعہ ص-۴۲ میں مرقوم ہے: "من زار قبری وجبت له شفاعتی" کہ "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوئی۔"

مقاصد میں ہے کہ ابن خزیمہ نے اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے اور بیہقی نے بلفظ "کمن زار فی حیاتی" ذکر کی ہے۔ اور اس کو ضعیف کہا ہے اور "من زار قبری کنت له شفیعا" کہ "جو میری قبر کی زیارت کرے میں اس کا شفیع ہوں گا۔ "قال النووی انه موضوع" امام نووی نے کہا یہ موضوع ہے۔ لا اصل له' یہ بے اصل ہے۔

علامہ سیوطی نے ذیل میں اسی طرح کہا ہے اور یہ روایت "من زار نی فقد جفانی" بھی موضوع ہے۔ صنعانی نے کہا یہ موضوع ہے۔

ہدایتہ السائل الی ادلتہ المسائل ص-۴۰۵ میں ہے: "قال الحافظ ابن حجر العسقلانی اکثر متون هذه الاحادیث موضوع" "اکثر متون ان روایتوں کا موضوع

ہے۔"

نیز صحیح روایت تو نایاب ہے۔ البتہ بعض مولوی یہ کہتے ہیں کہ بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ جو فضائل میں مقبول ہیں' تو جواب یہ ہے کہ امام شافعی نے اپنے رسالہ کے ص-۱۰۵ میں یہ لکھا ہے: "لایقبل حدیثا الاعن ثقة ونعرف صدق من حمل الحدیث من حین ابتدی الی ان یبلغ به منتهاه" یعنی "ہم حدیث ہذا کو قبول کرتے ہیں جس کے راوی ابتدا سے انتہا تک ثقہ اور سچے ہوں۔"

امام خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ ص-۳۳ میں یہ باب منعقد کیا ہے: "ان الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لایقبل الا عن ثقة" حدیث صرف ثقہ راوی کی قبول ہو گی۔ پھر اس کو محدثین کے اقوال بلکہ حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت تین چیزوں میں ہے' ایک قدریہ ہوتے میں یعنی تقدیر الٰہیہ کے انکار میں' دوسرا عصبیت میں' تیسرا غیر ثقہ اور غیر پختہ راوی کی روایت لینے میں۔"

شیخ الاسلام کا فیصلہ کتاب مترجم الوسیلہ کے ص-۱۲۶ میں یہ ہے کہ "اصول حدیث ہے کہ جب کوئی عمل شرعی دلیل سے معلوم ہو اور اس کی فضیلت میں کوئی ایسی حدیث پائی جائے جو بشرائط محدثین موضوع نہیں ہے' آج تک یہ کسی نے نہیں کیا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل واجب یا مستحب بھی ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بالتحقیق اجماع امت کی مخالفت کرتا ہے۔" پس مولانا تھانوی کا دعویٰ استحباب زیارت قبر نبوی خصوصاً سفر کر کے زیارت کو جانا باطل ہوا۔" مولانا تھانوی صاحب کو چاہیے یہ تھا کہ ان احادیث سے استدلال کریں جو سالم عن الجرح ہیں نہ یہ کہ ضعیف و مردود روایات سے۔"

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری۔

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد-۵۴' شمارہ-۱۶' ۱۷' ۱۸' ۱۹

بمطابق ۱۶ر شعبان و یکم رمضان و ۱۶ر رمضان و یکم شوال ۱۳۹۴ھ

حدیث (من زار قبری) پر بحث

اخبار اہل حدیث جلد-۹ کے پرچہ نمبر-۷ میں آنجناب فیضماب نے درس حدیث دیتے ہوئے ایک ایسی حدیث کا درس دے دیا ہے جو سخت ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ اگر آپ ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "الوسیلہ" کو بغور ملاحظہ فرما لیتے تو اس حدیث کو درس میں پیش نہ کرتے۔ اس کتاب کے ص-۱۰۱ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب ضعیف ہیں جو دینیات میں بالکل حجت کے قابل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ الصحاح میں سے کسی نے ان کا اندراج مناسب نہیں سمجھا (الی قولہ) ان سب میں سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث زیادہ پائیدار ہے جو محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے۔ "**من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی**" یعنی "آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی۔" یہ حدیث اس کے کذاب ہونے کی علامت ہے' کیونکہ جو شخص آپ کی حیات مبارک میں آپ کی صحبت مبارک سے مستفیض و مستفید ہوا وہ آپ کے اصحاب میں شمار ہے اور بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے اگر کوئی شخص مثل احد پہاڑ کے فی سبیل اللہ خرچ کرے تو وہ صحابی کے مد اور نصف سیر کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور صحیحین میں یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام کے اعمال حج' جہاد' صلوات خمسہ' صلوۃ علی رسول اللہ کے ثواب کو مابعد کے لوگوں میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا تو نافلہ میں کس طرح رسائی ہو سکتی ہے۔

آپ نے شاید اس حدیث کو ضعیف تصور کرتے ہوئے فضائل اعمال میں پیش کرنا جائز سمجھا ہے' سو اس کے متعلق بھی اسی کتاب الوسیلہ کے ص-۱۳۶ میں یہ لکھا ہے کہ "کیونکہ اصول حدیث میں جب کوئی عمل شرعی دلیل سے معلوم ہو اور اس عمل کی فضیلت میں کوئی ایسی حدیث پائی جائے جو بشرائط محدثین موضوع نہیں' جائز ہے' آج تک یہ کسی نے نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل واجب یا مستحب بھی ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کرے تو وہ بالتحقیق اجماع امت کی مخالفت کرتا ہے' پھر بطور فیصلہ شیخ الاسلام نے یہ حکم لکھا ہے کہ تمام ائمہ اسلام و مشائخ عظام کے نزدیک

آنحضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا قصد سے سفر نامشروع بلکہ ممنوع ہے' ہاں آپ کی مسجد اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کے لیے سفر مستحب ہے۔" (ص-۱۰۱) میں کہتا ہوں کہ زیارت قبر نبوی تو مشروع ہے' بحکم حدیث عام فزودوا القبور کہ قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں' لیکن یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اہل مدینہ ہیں اور قریب رہتے ہیں یا ان لوگوں کے لیے جو حج کو گئے تو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کیا پھر وہاں نماز پڑھ کر قبر نبوی کی زیارت کر لی' یا تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں مدینہ پہنچے تو وہاں مسجد نبوی میں نماز پڑھی پھر زیارت قبر نبوی سے مشرف ہوئے تو یہ جائز ہے اور اس پر اجماع ہے' لیکن اس کا مدار اس حدیث پر نہیں ہے اور نہ یہ ثواب ثابت ہے اور نہ اس غرض سے سفر جائز ہے' بلکہ اس حدیث غیر ثابت پر اعتقاد رکھ کر سفر کرنا کہ میں زیارت قبر نبوی سے مشرف ہوں گا' تاکہ میرا حج قبول یا صحابہ میں میرا نام شامل ہو جائے تو یہ غیر مشروع ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مقام کا سفر تقرب حاصل کرنے کے لیے کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ موطا امام مالک رحمہ اللہ میں حدیث وارد ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بصرہ بن ابی بصرہ غفاری سے ملاقات کی' انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا میں طور سے آیا ہوں۔ بصرہ نے کہا کہ اگر میں آپ کو طور کی طرف جانے سے پہلے پا لیتا تو آپ وہاں نہ جاتے' کیونکہ میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کا ایک مسجد حرام' دوم مسجد نبوی' سوم مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس میں ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ مرحوم اس حدیث پر فرماتے ہیں "تحقیق در ینجا آنست کہ در جاہلیت سفرے کروند بمواضع متبرکہ گزعم خویش پس آنحضرت ﷺ سدباب تحریف فرمود فردا برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد بقصد خصوصیت متبرک بان مواضع منع فرمود تا امر جاہلیت رواج نگیرد آیا نمی بنی کہ بصرہ غفاری نہی راشامل طور داشت و ابوہریرہ را ازطور منع کرو" (مصفی ترجمہ فارسی موطا ص-۸۸) روضہ نبوی اور خانقاہوں کی زیارات کے لیے سفر کرنا بروئے حدیث قطعی الصحۃ کے منع ہے۔"

کتاب الصارم المنکی اور صیانۃ الانسان میں اس مسئلہ اور آپ کی پیش کردہ روایت پر بڑی بحث ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے جو روایت پیش کی ہے یہ مضطرب الاسناد والمتن ہے جس کو محدثین نے مسترد کر دیا ہے' صیانۃ الانسان ص۔۴۴ میں ہے: "وھذا الروایۃ التی ذکرھا لم تزدہ الا اضطرابا فی الاسناد فی المتن ایضا" اور علاوہ اضطراب کے اس کے اسناد میں راوی ضعیف اور مجہول ہیں جن کی وجہ سے ضعف میں شدت ہے اور علاوہ اس کے اور روایات بھی ہیں جو سب ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہیں۔ کسی طرف سے احادیث صحیحہ کا انکار کیا جا رہا ہے اور کسی طرف موضوع اور ضعیف اور منکر روایتوں پر مسائل کا دارومدار رکھا جا رہا ہے' ہمیں یہ افراط و تفریط پسند نہیں ہے' توسل بالاموات کے لیے بھی ایسی ہی ضعیف روایات پیش کر کے اہل بدعت اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں جس سے زیارت مسنونہ شرکیہ اور بدعیہ بن گئی ہے۔ فالی اللہ المشتکی

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری۔

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۹' شمارہ۔۲۹' بمطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۵۷ء

مذاکرہ علمیہ

حدیث روضہ من ریاض الجنۃ

آٹھویں سوال کا جواب

امام نووی نے شرح مسلم میں اس کے دو مطلب ذکر کیے ہیں ایک یہ کہ یہ جگہ بعینہٖ جنت کی طرف منتقل کی جائے گی اور دوسرا یہ کہ جو شخص اس جگہ عبادت کرے گا تو اس جگہ کی عبادت اس کو جنت میں پہنچائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے الفاظ بخاری شریف میں یوں وارد ہوئے ہیں: "مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة ومنبری علی حوضی" یعنی "وہ جگہ جو میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔" اس پر حاشیہ بخاری میں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری علماء سے نقل کرتے ہیں کہ "قالوا معناه من لازم العبادة فيما بينهما فله روضة ومن لزمها عند المنبر يشرب على الحوض" یعنی "اس حدیث کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے اس مقام کی عبادت کو لازم کر لیا اس کے لیے بہشت میں باغ ہے اور جس نے منبر کے پاس عبادت کو لازم کیا وہ حوض کوثر سے پانی پیئے گا۔" پس اس جگہ کے اعمال صالح موجب جنت ہیں۔ نیل جلد۔۵' ص۔۲۹ میں ہے: "انما المراد ان الصلٰوة فيها تؤدى الى الجنة كما يقال فى اليوم الطيب هذا من ايام الجنة وكما قال صلى الله عليه وسلم الجنة تحت ظلال السيوف" یعنی "اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ نماز پڑھنا جنت میں لے جاتا ہے اور یہ محاورہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کسی دن پاکیزہ کو کہ یہ دن جنت کے دنوں میں سے ہے یا جیسے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔" اور یہ بھی ہے کہ "الجنة تحت اقدام الامهات" کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے' یعنی ان کی خدمت کرنے اور ان پر احسان کرنے سے ملے گی۔ تنقیح الرواۃ تخریج مشکوۃ ص۔۱۲۳ میں ہے کہ اس حدیث کے مطلب میں علماء نے اختلاف کیا ہے' لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور بہت سے علماء اہل حدیث نے

اس بات کو ترجیح دی ہے کہ "ان ینقل ھذا المکان یوم القیامۃ الی الفردوس الاعلیٰ ولا یستھلک مثل سائر بقاع الارض" یعنی "یہ جگہ قیامت کو جنت الفردوس کی طرف منتقل کی جائے گی اور دیگر زمین کے قطعات کی طرح ہلاک نہ ہو گی اور منبری علی الحوض کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ منبر قیامت کے دن میرے حوض پر رکھا جائے گا۔ اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سند صالح سے مروی ہے کہ "ان قوائم منبری رواتب فی الجنۃ" یعنی "منبر کے پائے جنت کے پاس ہیں۔" اس سے ظاہر ہوا کہ دراصل یہ مقام جنت میں منتقل ہوں گے۔ نیل الاوطار میں امام ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ "انھا من الجنۃ مجازا اذ لوکانت حقیقۃ فکانت کما وصف اللہ الجنۃ انک لا تجوع فیھا ولا تعری" یعنی "اس جگہ کو جنت کہنا مجازا" ہے' کیونکہ اگر حقیقت مراد ہو تو جنت کی اللہ نے یہ وصف بیان فرمائی ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہو گا اور نہ ننگا ہو گا' حالانکہ اس جگہ میں یہ صفت نہ تھی' الغرض خاص کسی حدیث سے اس حدیث کا مطلب ظاہر نہیں ہوا' البتہ طبرانی کبیر کی روایت اس طرف مشیر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علماء حدیث نے جو مطلب بیان کیا ہے وہ درست ہے اور بندہ بھی اس پر صاد کرتا ہے' واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

الاہلحدیث سوہدرہ شمارہ نمبر۔۳۲' جلد۔۹' بمطابق ۲۳ر اگست ۱۹۵۷ء

انبیاء کرام کی برزخی زندگی اور مقلدین کا غلط نظریہ

مقلدانہ دلائل پر عالمانہ تبصرہ

اہل حق فرقہ ناجیہ کا اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام موت کے عام قانون اور کیفیت کے مطابق دنیا سے رحلت فرما گئے۔ چنانچہ سید ولد آدم اکرم الاولین والاخرین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ناطق ہے: "انک میت وانھم میتون" بلاشبہ اور یقیناً یہ بات ہے کہ ایک دن آپ بھی مرنے والے ہوں گے اور آپ کے مخالفین بھی مردہ ہو جائیں گے۔

کیونکہ ہمارا اصول مقرر ہو چکا ہے:

"کل نفس ذائقة الموت"

"کل شی ھالک الا وجھه"

"کل من علیھا فان ویبقٰی وجه ربک ذوالجلال والاکرام"

ان تینوں آیات کا مطلب ایک ہی ہے کہ ہر شخص اور ہر شے موت کا ذائقہ پا کر دنیا سے جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔ اس پر اجماع صحابہ کرام کا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق موت نبوی کا واقعہ موجود ہے، جس پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور قرآن مجید کی آیات صریحہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ثبوت پیش کیا اور صحابہ کرام کے عظیم اجتماع میں علی الاعلان فرمایا:

- "امابعد من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان منکم
- یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت"

یعنی جو شخص تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا پس تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور جو شخص تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا پس تحقیق اللہ تعالیٰ زندہ

ہے وہ کبھی نہ مرے گا۔

اس خطبہ کو سن کر حضرت عمرؓ وغیرہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت ﷺ کی وفات کو تسلیم کیا' کیونکہ وہ سب موحدین اور اللہ تعالیٰ کے عابدین تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ کو ایک مغالطہ تھا جو آیات قرآنی سننے سے رفع ہوا۔ اور موت نبوی پر سب صحابہ کا اجماع ہوا۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ظاہر ہوا جو شخص نبی کریم ﷺ کی موت عرفی کا قائل نہیں وہ عابد محمد ہے۔ اس لیے مشرک ہے' خواہ درس گاہ دیوبند کا بانی اور مہتمم ہو یا مجدد فرقہ بریلویہ ہو' دونوں فارق اجماع ہونے کی وجہ سے خود گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں۔

پہلے بریلوی مجدد کی سنئے۔ آپ ملفوظات حصہ سوم ص۔۲۶ میں لکھتے ہیں:

"انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے۔ ان پر تصدیق وعدت الہیہ کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے' پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں۔"

اب اکابر دیوبند کا عقیدہ سنئے۔ رسالہ حقیقت نما ص۔۳۰ بحوالہ اخبار "ترجمان اسلام" دیوبندی لکھا ہے:

"بعض کا ارشاد ہے کہ موت تو قطعی وارد ہوئی' لیکن جیسے حضور ﷺ کی اور خصوصیتیں تھیں' اسی طرح آپ کی موت بھی دوسرے طریقہ سے ہوئی۔ آپ اس جہاں سے دوسرے عالم کو تشریف لے گئے' لیکن روح مبارک خارج نہ ہوئی بلکہ مستور ہو گئی۔ چراغ بجھایا نہ گیا بلکہ چھپا دیا گیا۔

(حیاۃ النبی و ترجمان اسلام)

مولوی محمد سرفراز خاں صفدر گکھڑوی نے ایک کتاب تسکین الصدور لکھی ہے جس میں موتی کے احوال برزخی اور قبوری لکھے ہیں' بعض مقالات میں حقانیت کے موتی اپنے فہم اور اپنے علماء کی رائے و قیاس کے کیچڑ میں دبا دیئے گئے ہیں جو صریح التباس حق بالباطل ہے۔

مولوی صاحب تسکین الصدور کے حاشیہ ص۔۱۰۰ میں لکھتے ہیں:

"عرف عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے" یعنی جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنی کیا ہے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے۔ قرآن و حدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکل جاتی ہے۔ آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے' پھر اپنی مقرر جگہ رکھی جاتی ہے۔"

یہ معنی موت کا سب کو مسلمہ ہے۔ انبیاء' اولیاء' شہداء' علماء' صلحاء اور عوام انسانوں میں یہ معنی بالکل درست ہے اور اس معنی کی رو سے سب میں مساوات ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں ہے کہ ان پر موت وارد ہوئی اور وہ سو سال تک میت رہے پھر ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ میں کتنی مدت تک میت رہا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم سو سال میت رہے ہو۔ اس قصہ میں تفسیر خازن جلد-۱' ص-۳۳۳ مع حاشیہ تفسیر معالم میں یہ لکھا ہے:

"والقی اللہ تعالٰی علیہ النوم فلما نام نزع اللہ منہ الروح فمات مائۃ عام"

یعنی "اللہ تعالیٰ نے عزیر پر نیند ڈال دی جب سو گیا تو اس کی روح نکال لی اور سو سال تک مرا رہا۔" تفسیر درمنثور کی جلد-۱' ص-۳۳۲ میں لکھا ہے:

"فبعث اللہ ملک الموت فقبض روحہ فاماتہ اللہ مائۃ عام' ثم نفخ فیہ الروح" یعنی "اللہ تعالیٰ نے عزیر کی طرف ملک الموت کو بھیجا اور اس کی روح کو قبض کر لیا پھر سو سال کے بعد اس میں روح کو پھونک دیا۔"

اس واقعہ اور اصحاب کہف کے واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء' اولیاء اموات میں شمار ہیں اور ان کا علم و تصرف دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور حدیث صحیح اور حق ہے: "اذا مات الانسان انقطع عملہ" (الحدیث) کہ "انسان کا موت کے بعد عمل منقطع ہو جاتا ہے۔"

پس مولوی اشرف علی تھانوی کا اپنی کتاب دین و دنیا ص-۲۸۷ میں یہ لکھنا کہ بعض اولیاء کو مرنے کے بعد قوت تصرف بھی عطا ہوتی ہے' یہ سراسر باطل عقیدہ ہے۔

<u>موت کا دوسرا اختراعی معنی</u> ⇦ مولوی سرفراز خان اپنی کتاب تسکین الصدور

ص-۱۰۰ حاشیہ میں موت کا دوسرا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

"مگر انبیاء علیہم السلام کی موت کے بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت ہے اور اوروں کی عارضی۔ اس لیے پیغمبروں سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا اور نہ روح نکلتی ہے بلکہ جسم میں سمٹ کر دل میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ تا آخر کلام' مگر انبیاء کی موت کا وقوع اس طرح ہوا کرتا ہے۔"

پھر مولوی صفدر گکھڑوی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کی تصدیق بھی درج کر دی' چنانچہ لکھتے ہیں: "قطب زمان حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضرت مولانا نانوتوی کی تحقیق کی داد دی ہے۔"

مولوی صفدر صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث ہیں مگر محققین اہل علم جانتے ہیں کہ مقلد من حیث المقلد جاہل ہوتا ہے خواہ دارالعلوم دیوبند گنگوہ کا شیخ الحدیث ہو یا مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کا ہو کہ یہ سب مقلدین ہیں جو علم حدیث تبرکاً" یا اہلحدیث مسلک کا مقابلہ کرنے کے لیے پڑھتے ہیں' اس لیے تقلید جو حبل فی الجید ہے' گلے سے نہیں نکالتے۔ چنانچہ مولوی صفدر صاحب اس باطل عقیدہ مفہوم موت کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر حضرت مولانا نانوتوی کے ارشاد کے مطابق روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے تو اس میں کون سا اشکال لازم آتا ہے۔ سکتہ کی بیماری میں بسا اوقات سانس تک نہیں چلتا نہ نبض چلتی ہے نہ دل کی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ پھر بیمار زندہ ہوتا ہے اور روح اس کے اندر سمجھی جاتی ہے۔ بہرحال قرآن مجید نے موت کی خبر دی ہے۔ اس کے وقوع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے' البتہ تعطل حواس اور انقطاع تعلق کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ روح نکل جائے۔ ایک یہ کہ سمٹ جائے جیسے ایک کمرے میں چراغ جل رہا ہے اس پر برتن اوندھا کر کے رکھ دیا یا اس کو صندوق میں بند کر دیا بس اس کا تعلق کمرے سے منقطع ہو جاتا ہے۔"

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ خصوصاً اور دیگر انبیاء پر عموماً موت حقیقی مفہوم کے اعتبار سے واقع نہیں ہوئی وہ صرف سکتہ کی بیماری کی مثل تھی' اس کو مجازی موت یا عارضی موت کہا جا سکتا ہے' حقیقت میں وہ زندہ ہوتے ہیں' کیونکہ روح دل کے کمرے میں بند ہوتی ہے۔

یہ عقیدہ سراسر باطل اور گمراہی کا ہے۔ یہ دیوبندی بہ نسبت بریلویوں کے بھی اس عقیدہ میں زیادہ گمراہ ہیں' کیونکہ بریلوی ایک آن میں تو روح کا اخراج مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پھر فوراً حیات دی جاتی ہے۔ یہ موت صرف وعدہ الٰہی کو پورا کرنے کے لیے آتی ہے لیکن دیوبندی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ اس طرح پورا نہیں ہوا بلکہ روح اندر دل میں بند کر دی خارج نہیں کی' یہ سراسر جھوٹ ہے۔

مشکوۃ میں حدیث ہے کہ جب عزرائیل نے آپ سے قبض روح کا اذن چاہا تو آپ نے ملک الموت کو فرمایا کہ جس کام کے لیے آپ آئے ہیں کیجئے' **فقبض روحه**' عزرائیل نے آپ کا روح قبض کر لیا۔

دوسری حدیث باب وفاۃ النبی ﷺ میں ہے: "**ثم نصب یده فجعل یقول فی الرفیق الاعلٰی حتی قبض ومالت یده**" یعنی "رسول اللہ ﷺ نے موت کی بے ہوشی کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرماتے تھے یااللہ! اوپر کی جماعت سے مجھے ملا دے یہاں تک کہ آپ کا روح قبض کیا گیا اور آپ کا ہاتھ نیچے جھک گیا۔"

ہندوستان کے مشہور حنفی بزرگ جن کو دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ محدث اور محقق مانتے ہیں جو نانوتوی گنگوہی وغیرہ سب سے کئی درجہ علم حدیث میں فائق تھے' وہ مدارج النبوۃ جلد-۲' ص-۵۱۲ میں بیان فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت نے حضرت محمد ﷺ کی روح مقدس نکالنے کی اجازت طلب کی "پس فرمود اے ملک الموت پیشتر بیا وبا آنچہ مامور شدہ بکن" یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سامنے آؤ' اور جس کام پر مامور ہو وہ پورا کرو۔" پھر لکھتے ہیں: "پس ملک الموت روح اطہر وے ﷺ را قبض کردہ وبا اعلیٰ **علیین** برد" یعنی "ملک الموت نے آپ کا روح قبض کیا اور اعلیٰ **علیین** میں پہنچا دیا۔

پھر حضرت الشیخ دہلوی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

"چوں روح مطہر مطیب آں حضرت مفارقت کرد آں چنیں بوئے خوش ازوے شمیدم کہ ہرگز مثل آں بوئے خوش شمیدہ نہ بودم" یعنی "نبی کریم ﷺ کی روح طیبہ جب جسد مبارک سے نکل کر جدا ہوئی تو ایسی خوشبو ظاہر ہوئی کہ میں نے اس کو سونگھا' وہ ایسی پرلطف تھی کہ میں نے عمر بھر کبھی ایسی خوشبو نہ سونگھی تھی۔"

پس شیخ الہند نے تمام دیوبندی بدعقیدوں کی ناک کاٹ کر رکھ دی۔ شیخ دہلوی کی مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک ایسے مسئلہ میں تقلید کی ہے جس کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار نابکار کی بھی شفاعت کرائیں گے۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب شکر النعمتہ کے ص۔۶۰ میں لکھا ہے:

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اشعت اللمعات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضور ﷺ کی شفاعت دس طرح کی ہو گی۔ ان میں ایک شفاعت یہ بھی ہو گی کہ حضور ﷺ عام کفار کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔"

اس پر مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"باقی عام کفار کے حق میں تخفیف کی شفاعت مجھے کسی حدیث سے تو معلوم نہیں ہوئی چونکہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ بڑے محدث ہیں اس لیے انہوں نے جو یہ دس قسمیں شفاعت کی لکھی ہیں کسی حدیث ہی سے معلوم کر کے لکھی ہوں گی گو ہم کو وہ حدیث نہ ملی مگر چونکہ شیخ کی نظر حدیث میں بہت وسیع ہے اس لیے ان کا یہ قول قابل تسلیم ہے۔"

اس کو اندھی تقلید کہتے ہیں کہ شیخ کی بات بلا دلیل مان لی' تمام کتب خانوں' دیوبند اور سہارن پور اور تھانہ بھون' دہلی وغیرہ میں اس کی دلیل نہ ملی جب دلیل کا وجود ہی نہ تھا تو ملتی کہاں سے' بلکہ اس کے خلاف کتاب و سنت میں صاف ظاہر دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کی تردید دوسرے مضمون میں مستقل طور پر کر دی گئی ہے۔ بہرحال جب شیخ کی بات دیوبندی امت کے حکیم نے بلا دلیل جب محض حسن ظنی سے مان لی جو عین تقلید ہے تو قبض روح کے مسئلہ میں تو شیخ نے احادیث کے ترجمہ سے ثابت کیا ہے وہ کیوں نہ مانا جائے گا۔ نانوتوی گنگوہی

قطبوں کی بات کا انکار کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے' لیکن حضرت الشیخ کی توہین کر کے گستاخ نہ بنیں اچھا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پر یقین نہیں تو قاضی ثناء اللہ صاحب حنفی پانی پتی کا فیصلہ ہی دیوبندی علما مان لیں' وہ تفسیر مظہری جلد اول ص-۲۳۴ میں یہ فرماتے ہیں:

"ارواح الانبياء تخرج من اجسامها وتصير مثل صورتها المسک والكافور وتكون فى الجنة تاكل و تشرب وتتنعم وتاوى الى قناديل معلقة بالعرش" یعنی "انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ارواح طیبہ اپنے اجسام سے خارج ہو کر کستوری و کافور کے اجسام میں ہو جاتے ہیں اور جنت میں داخل ہو کر وہاں کھاتے پیتے اور قسم قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور پھر عرش معلی کی قندیلوں میں آرام فرما ہو جاتے ہیں۔"

ناظرین! یہ زندگی اعلیٰ درجہ کی ہے یا دیوبندی اور بریلوی خیال باطل کی زندگی کہ قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں کھاتے ہیں' پیتے ہیں۔ ادھر یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی حیات شہیدوں کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے' حالانکہ شہداء کا جنت میں کھانا پینا اور عرش کی قندیلوں میں معلق ہونا صحیح اور صریح حدیث سے ثابت ہے اور انبیاء کو قبروں میں کھاتے پیتے اور مثل دنیا کی زندہ بتا رہے ہیں' حالانکہ نہ قبر کو جنت اور عرش کی عظمت حاصل ہے اور نہ دنیا کے اجسام کو کستوری کافوری اجسام پر فضیلت ہے کہاں عرش کی قندیلیں اور کہاں زمین کی مٹی قبر میں' دونوں میں تفاوت ظاہر ہے' اس لیے امام بیہقی کا فیصلہ یہ ہے:

"فهم احياء عند ربهم كالشهداء" یعنی "انبیاء اپنے رب کے پاس مثل شہیدوں کی زندہ ہیں۔"

حضرت فاطمہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا نے عند وفات النبی ﷺ یوں فرمایا:

"ياابتاه من جنة الفردوس ماواه" یعنی "اے ابا آپ کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں ہوا۔"

علامہ سیوطی کی شرح الصدور میں ہے: "وقال رجل لابن مسعود قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم اين هو؟ قال فى الجنة" یعنی "کسی شخص نے ابن مسعود

ﷺ سے پوچھا کہ جب آنحضور ﷺ کی روح قبض کی گئی تو اب کہاں ہیں؟ فرمایا جنت میں۔

حنفیہ ابن مسعود ﷺ کے مناقب لکھ کر اپنے مذہب کی بنیاد ان کو کہا کرتے ہیں' لیکن یہاں یہ بنیاد توڑ دی ہے۔ اگر ان اقوال سے آپ لوگوں کے غلط عقیدہ کا زوال نہیں ہوا تو صریح حدیث ملاحظہ فرما کر نانوتوی عقیدہ سے بیزاری کا اعلان کیجئے۔

فتح الباری میں مسند احمد کے حوالہ سے حدیث لکھی ہے' ہمارے محل استدلال کے الفاظ یہ ہیں: "فلما خرجت نفسه لم اجد ريحا قط اطيب منها" یعنی "جب آنجناب کی روح طیبہ آپ کے جسم مبارک سے نکلی تو میں نے اس قدر خوشبو کی مہک پائی کہ ایسی زندگی بھر میں کبھی نہ پائی تھی۔"

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے' جنہوں نے فرمایا: "حاقنتي وذاقنتي" یعنی "نبی کریم ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ میرے سینہ سے لگے ہوئے پھیپڑوں اور ٹھوڑی کے درمیان میں تھے۔"

اب دیوبندی علماء بتائیں کہ آنحضور ﷺ کی وفات کا علم آپ کی رفیقہ حیات کو زیادہ تھا جن کے حجرہ اور گود میں آنحضرت ﷺ کی موت واقع ہوئی یا تیرھویں چودھویں صدی کے دیوبندیوں' بریلویوں کو علم زیادہ ہے؟

ہم تو ایسی گستاخی کر نہیں سکتے کہ نانوتوی کے ناقص علم کو (معاذ اللہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم پر فوقیت دیں' یہ دیوبندیوں کو زیبا ہے۔

اچھا اور دلیل سنو کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "قبض النبي صلى الله عليه وسلم وهو ابن ثلاث و ستين سنة" یعنی "جب حضرت نبی کریم ﷺ کی روح قبض کی گئی تھی اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔" یہی حضرت ابن عباس ﷺ نے کہا ہے۔ (مسند احمد جز-۲۱' ص-۲۵۹ و ۲۶۰)

مسند احمد جلد-۱' ص-۲۴۹ مع شرح میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مامن نبي الاتقبض نفسه" (الحديث) یعنی "——— رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ——— ہر نبی کی روح قبض کی جاتی ہے۔"

اس سے نانوتوی کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں دل میں بند ہو گئی۔ ان مقلدین کو علم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی بات کہی تھی کہ آپ کی حالت سکتہ کی سی ہے فوت نہیں ہوئے روح واپس آئے گی' یعنی آپ کچھ عرصہ کے بعد ہوش میں آجائیں گے۔ اس کی تردید حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کی کہ یہ واقعی موت ہے اور حقیقی ہے۔ اگر روح نکلی نہیں اندر بند کی گئی تو پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام خالی ہاتھ کیسے گئے؟ کیونکہ جب عزرائیل آئے تو انہوں نے قبض روح کا اذن طلب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مشورہ جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا جو بیمار پرسی کے لیے آئے تھے' انہوں نے فرمایا: "یامحمد ان اللّٰه قد اشتاق الی لقائک" یعنی "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔" تب آپ نے قبض روح کا اذن دے دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی' اللہ تعالیٰ نے ملاقات کے بعد اعلیٰ علیین میں پہنچا دی۔

عام مومنین کی بابت مشکوۃ میں حدیث ہے کہ مومن کے جسد طیب سے روح طیبہ ملائکہ نکال کر لے جاتے ہیں' آسمانوں سے گزرتے ہیں تو فرشتے اس کا تعارف حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

"مرحبا بالنفس الطیبہ کانت فی الجسد الطیب ادخلی حمیدۃ وابشری بروح وریحان ورب غیر غضبان" یعنی "مبارک باد اور خوش وقتی ہو' اس روح پاک کو جو جسم پاک میں تھی' داخل ہو اس حال میں کہ تعریف کی گئی تیری اور خوش باش ساتھ راحت اور رزق پاک کے اور مبارک ہو ملاقات پروردگار کی جو تجھ پر غصہ اور ناراض نہیں ہے۔ اسی طرح تمام آسمانوں کے دروازوں سے گزرنے پر مبارک بادی ملتی جاتی ہے' "حتٰی تنتھی الی السماء التی فیھا اللّٰه" یعنی "یہاں تک کہ روح اس آسمان پر پہنچتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی ذات استوا فرما ہے۔"

یہ حدیث مشکوۃ میں ہے۔ دوسری روایت اسی جگہ ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"فینطلق به الٰی ربه ثم یقول انطلقوا به الی اخرالاجل" یعنی "نیک روح کو فرشتے لے کر رب العالمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو لے جاؤ اور وقت قیامت تک ڈھیل دو۔"

جب مومن کی یہ حالت ہے تو سید المومنین ﷺ کی روح کو جسد میں بند کر کے ملاقات الٰہی سے محروم کیوں کیا گیا' جس کا اللہ تعالیٰ کو اشتیاق تھا۔ اور آنجناب ﷺ کی رفیق اعلیٰ سے ملنے کی درخواست تھی' ان دیوبندیوں اور بریلویوں نے جناب نبی اکرم ﷺ کا درجہ ادنیٰ مومن سے بھی گھٹا کر ناقص کر دیا کہ آپ کو ملاقات سے محروم رکھا اور زندہ مع روح و جسم قبر میں بند کر دیا۔ یہ شان رسالت اور شان عزرائیل وغیرہ ملائکہ کی توہین ہے کہ آنحضور ﷺ ساتوں آسمان کے فرشتوں کی مبارکبادی اور خوش خبری اور شرف لقاء الٰہی سے محروم رہے۔ پس یہ دیوبندی اور بریلوی اور منکرین معراج نبوی یکساں ہیں۔ اچھا اور معقول بات سنو! کہ بموجب قول فرقہ بریلویہ ایک لحہ مر کر پھر زندہ ہو گئے اور بقول فرقہ دیوبندی روح خارج ہی نہ ہوئی' دل میں بند رہی جیسے مرض سکتہ کی حالت ہوتی ہے تو پھر غسل' کفن' جنازہ' دفن وغیرہ کیسے جائز ہوا کیونکہ روح جسم سے نکلی نہیں ہے' اس لیے یہ میت نہیں ہے۔ میت وہ ہوتا ہے جس سے انفکاک روح عن البدن ہو۔ اس کو موت حقیقی کہتے ہیں۔ نیند بھی موت کی بہن ہے' مگر نائم کا دفن کفن جنازہ جائز نہیں۔ سکتہ کے مریض کا جنازہ جائز نہیں۔ پس جو معنی موت کا دیوبند کے دارالعلوم سے ایجاد اور اختراع ہو کر آیا ہے اس معنی کا لغت عربی سے کوئی حوالہ اور ایسے نیم زندہ نیم مردہ کے جنازہ' غسل' کفن دفن کا شریعت محمدیہ ﷺ سے ثبوت دیں اور سلف صالحین' صحابہ کرام سے اس کیفیت موت کی نقل پیش کریں' ورنہ یہ صریح بدعت اور گمراہی ہے جو دیوبند سے نکل کر ملک میں پھیل گئی ہے' پھر اس پر لطف یہ ہے کہ آب حیات میں لکھا ہے کہ میں اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں ——— یہ سراسر جھوٹ ہے اور دین الٰہی میں مکر بازی اور فتنہ انگیزی ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں میں اس وقت مخاصمت ہوئی اور دو فریق ہوئے' جن کی باہمی بحث اخباروں' رسالوں میں بیان ہوئی۔ آخر مولانا قاری طیب یا کوئی اور صاحب اکابر دیوبند آئے جو دونوں کو متضاد عقیدوں پر قائم رکھ کر مخاصمت بند کر گئے کہ دیوبندیوں کی بدنامی نہ ہو' لیکن بدنامی ہو چکی کہ یہ عقیدہ دیوبندیوں کا باطل ہے اور یہ عقیدہ شتر مرغ کی مثال رکھتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی موت اور وفات بھی تسلیم کرتے ہیں تاکہ موت کے ثبوت کی آیات اور احادیث کا انکار

لازم نہ آئے' لیکن ان کی غلط تاویل و تحریف کرتے ہیں جو حقیقت میں انکار ہے اور آپ کی حیات کو بھی ذاتی صفت مانتے ہیں جس میں موت نہیں ہے یہ ٹھیک شتر مرغ کی چال ہے کہ اگر شتر مرغ کو کہا جائے کہ بوجھ اٹھاؤ تو کہتا ہے کہ میں پرندہ ہوں بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور اگر کہا جائے کہ پرندہ ہو تو اڑو' کیونکہ پرندہ کے معنی اڑنے والے کے ہیں' تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں اڑ نہیں سکتا۔

قرآن نے اس کا نقشہ یوں بیان کیا ہے: "مذبذبین بین ذالک لا الی ھؤلاء ولا الٰی ھؤلاء" یعنی منافق ڈاواں ڈول مضطرب نہ ادھر کے نہ ادھر کے' ایک جماعت پر قائم نہیں۔

اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے پاس انبیاء کے رہنے اور روح نہ نکلنے اور قبر میں دنیوی زندگی کی طرح زندہ رہنے کی کیا دلیل ہے تو بریلوی' دیوبندی دونوں گروہ بیک زبان یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی ازواج سے نکاح حرام ہے اور ان کے اموال متروکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہیں صرف نظروں سے غائب ہیں' کیونکہ نکاح اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی شخص مرجائے اور ورثہ بھی اس وقت تقسیم ہوتا ہے جب کوئی شخص فوت ہو جائے۔ انبیاء فوت نہیں ہوئے' صرف ایک آن کی آن موت وارد ہوتی ہے جیسا کہ احمد رضا خان کا بیان گزر چکا ہے یا روح نہیں نکلتی صرف دل میں بند کی جاتی ہے اس لیے وہ حقیقت میں زندہ اور ظاہر میں مردہ سمجھا جاتا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "دین و دنیا" کے ص-۲۸۷ میں لکھتے ہیں:

"اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے جس کے بعض آثار یہ ہیں کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ان کی بیویوں سے نکاح کرنا ان کے بعد حرام ہے۔"

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب الظهور ص-۵۸ میں ہے:

"حیات ناسوتی (جسمانی) کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع ہیں۔ دیکھیے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور

ﷺ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔"

مولوی سرفراز خاں گکھڑوی جن کو عام حنفیہ بڑا محقق تصور کرتے ہیں' وہ بھی یہ نقل کر کے اس پر سکوت کرتے ہیں جو ان کی رضا اور تصحیح و تصویب پر مبنی ہے۔

اب اس کا جواب سنئے:

مقلد شخص "من حیث المقلد" محض جاہل ہوتا ہے' اگرچہ ہزار علوم پڑھا ہُوا ہو۔ چنانچہ مولانا روم نے خوب فرمایا ہے ؎

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دارد بحث باریک و دلیل
صد دلیل آرد مقلد دربیاں
از قیاسے گویداو راعیاں
آں مقلد صد دلیل و صد بیاں
بر زباں آرد نہ دارد ہیچ جاں
نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث

پس ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حرمت نکاح و عدم وراثت نبویہ سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضور ﷺ زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے بڑی بے علمی اور سوء فہمی ہے' کیونکہ ازواج مطہرات سے مناکحت جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بزرگی میں سب مومنوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں' ان کی حرمت ماؤں کی حرمت سے بھی زیادہ ہے اور وراثت تقسیم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کا متروکہ مال صدقہ ہو جاتا ہے' وارثوں کو نہیں دیا جاتا۔

اب ان کی تفصیل سنئے۔

قرآن حکیم کی سورہ احزاب میں ہے: "وازواجه امهاتهم" یعنی "نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔"

نیز یہ فرمایا: "ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا" یعنی "نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے آنجناب ﷺ کی موت کے بعد نکاح کبھی نہ کرنا ہو گا۔"

تفسیر درمنثور میں ہے:

"اخرج ابن ابی حاتم عن قتادۃ فی قوله تعالٰی "ازواجهم امهاتهم" فی الحرمة لایحل لمومن ان ینکح امراته من نساء النبی صلی اللہ علیه وسلم فی حیاته ان طلق ولا بعد موته هی حرام علی کل مومن مثل حرمة امه" یعنی "قتادہ نے "ازواجه امهاتهم" کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ مومن شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ آنجناب ﷺ کی کسی بیوی سے نکاح کرے نہ آپ کی زندگی میں جائز ہے' اگر آپ کسی کو طلاق دے دیں اور نہ آپ کی موت کے بعد کسی بیوی کے بیوہ ہونے پر نکاح کرنا جائز ہے۔ آپ کی بیوی کا نکاح ہر مومن پر ایسا ہی حرام ہے جیسے اس کی ماں کا نکاح حرام ہے۔"

تفسیر مدارک حنفی مذہب کی تفسیر جلد۔۳' ص۔۲۹۴ میں ہے: "وفی قراۃ ابن مسعود رضی اللہ عنه النبی اولی بالمومنین من انفسهم وهو اب لهم" یعنی "ابن مسعود ﷛ کی قراۃ میں یہ الفاظ آیت میں زیادہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ مومنوں کے باپ ہیں۔"

جب آنحضرت ﷺ امت کے باپ ہوئے تو آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ٹھہر گئیں' اس لیے نکاح حرام ہوا۔ تفسیر ابن کثیر جلد۔۳' ص۔۴۶۸ میں ہے:

"وازواجه امهاتهم" ای فی الحرمة والاحترام والتوقیر والاکرام والاعظام" یعنی "جناب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سب مومنوں کی مائیں ہیں' حرمت میں اور احترام میں' توقیر میں' اکرام اور تعظیم میں۔"

پس اس بنا پر نکاح حرام کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: "انما لکم بمثل الوالد علی الولد" یعنی "میں تمہارے لیے مثل باپ کے ہوں' جیسا کہ وہ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔"

اس سے آنحضرت ﷺ مومنوں کے لیے باپ ہونا ظاہر ہوا تو آپ کی ازواج مائیں قرار پائیں۔ نیز ابن کثیر کے حوالہ مذکورۃ الصدر میں ہے:

"قد روی عن ابی بن کعب وابن عباس رضی اللہ عنهما انهما قراء النبی اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه امهاتهم وهو اب لهم" یعنی "ابی بن کعب ﷛

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں بزرگوں کی قرات یوں ہے کہ آیت امھاتھم وھواب لھم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے باپ ہیں۔"

تفسیر مدارک کے حوالہ مذکورہ میں ہے:

"وقال مجاھد کل نبی ابو امة وکذالک صار المومنون اخوة لان النبی صلی اللہ علیه وسلم ابوھم فی الدین وازواجه امھاتھم فی تحریم نکاحھن ووجوب تعظیمھن" یعنی "حضرت مجاہد رئیس التابعین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہے۔ اسی وجہ سے سب مومنین آپس میں بھائی ہیں کہ ایک باپ کی روحانی اولاد ہیں کہ نبی سب کا دینی باپ ہے اور حرمت نکاح میں آپ کی ازواج مائیں ہیں' ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔"

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے باپ ہوئے تو امت کی عورتیں آپ کی بیٹیاں ٹھہریں تو ان سے آپ کا نکاح کیسے جائز ہوا' تو اس کا جواب اس روایت سے ملتا ہے جو تفسیر درمنثور جلد ۵' ص ۱۸۳ میں ہے:

"اخرج ابن سعد وابن المنذر والبیھقی عن عائشة ان امراة قالت لھایا اماہ فقالت انا ام رجالکم ولست ام نساءکم" یعنی "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی عورت نے ماں کہہ کر پکارا تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں مردوں کی ماں ہوں' عورتوں کی نہیں یعنی عورتوں کی بہن ہوں کہ سب عورتیں امت رسول ہونے میں آپس میں دینی بہنیں ہیں۔"

جب ازواج نبویہ عورتوں کی مائیں نہیں تو امت کی عورتوں کے آپ باپ ہونے کا حکم نہیں رکھتے' اس لیے امت کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ نیز امت کی عورتوں سے آپ کا نکاح جائز رکھا گیا اور آپ کی بیویوں کا نکاح بطور تعظیم حرام کیا گیا' پس یہ کہنا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کی وجہ سے نکاح حرام ہے' سراسر باطل ہے۔

تحریم نکاح صرف ازواج سے ہے جو تعظیماً اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی۔ یہ تحریم آگے متعدی نہیں ہے کہ آپ کی بیٹیوں سے امتی مردوں کو نکاح کرنا حلال ہے۔

تفسیر مدارک میں ہے: "ولھذا لم یتعد التحریم الی بناتھن"

اسی طرح ورثہ کی انبیاء کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ وہ سب ترکہ صدقہ ہو جاتا

ہے۔ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ تلخیص الحبیر ص۔۲۷۲، جلد۔۲، و ص۔۲۸۶، جلد۔۲، وکنزالعمال جلد۔۶، ص۔۳۱۲ میں یہ حدیث مرفوعاً" مروی ہے:

"انا معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا صدقة" یعنی "ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔

یہ مشہور قصہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ورثہ حضرت صدیق ﷛ سے طلب کیا تو انہوں نے حدیث مرقومہ پیش کر کے اس کا یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا ورثہ تقسیم نہ ہو گا وہ صدقہ ہو گا۔

مسند احمد بمع شرح فتح الربانی جزء۔۱۵، ص۔۱۹۴ میں ہے کہ:

"ان ازواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اردن ان یرسلن عثمان الی ابی بکر یسئالنہ میراثھن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت لھن عائشة اولیس قد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا نورث ماترکناہ صدقة" یعنی "نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جب نبی اکرم ﷺ وفات پا گئے تو آپ کا ورثہ طلب کرنے کے لیے حضرت عثمان ﷛ کو ابوبکر ﷛ کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روک دیا اور فرمایا کیا تم نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ آنجناب ﷺ نے فرمایا دیا تھا کہ ہم انبیاء وارث نہیں بنایا کرتے، جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔"

یہ خصائص نبوت سے ہے کہ آپ کا ورثہ تقسیم نہیں ہوا کرتا اور نہ آپ کی ازواج کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔

اگر مقلدین حنفیہ کی بات اور عقیدہ یہی ہوتا تو صاف اعلان کیا جاتا کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں، فوت نہیں ہوئے۔ آپ کی بیویاں نکاح نہیں کر سکتیں اور نہ ورثہ تقسیم ہوتا ہے۔ اذلیس فلیس۔ پس حنفیہ کا عقیدہ باطل ثابت ہوا اور جو دلیل تجویز کی تھی اس سے استدلال فاسد ہوا۔

اس لیے علماء اصول نے لکھا ہے: "انما الاستدلال فعل المجتھد" یعنی "دلائل شرعیہ سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے" حکیم عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، جلد۔۲۹، شمارہ۔۱۲، ۱۳، ۱۴ بمطابق ـــــــــ

سچے مذہب کی تعریف

قارئین کرام! سچا مذہب وہ ہے جو ابتدا سے انتہا تک ہمیشہ قائم رہے' کوئی طاقت اس کو مٹا نہ سکے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے "لایزال طائفة من امتی قائمین علی الحق لایضرهم من خالفهم حتّی یاتی امر الله" (بخاری' مسلم) یعنی میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کے مخالفین ان کو کوئی زوال' کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حق پر صرف ایک جماعت رہے گی اور وہ قیامت تک قائم رہے گی .... اور ہر زمانہ میں قائم رہے گی اور ان کو ان کے مخالفین کوئی زوال نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ فرقہ حجتہ اللہ فی الارض ہو گا۔ جس کا قائم رہنا ضروری ہے تاکہ لوگوں پر خدا تعالیٰ کی حجت قائم رہے۔

اس فرقہ کی مزید تعریف یہ ہے کہ وہ اس طریقہ پر چلیں گے جس پر جناب رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم چلتے رہے یعنی قرآن و حدیث پر عمل کریں گے۔ اس فرقہ کا نام محدثینؒ اولیاءؒ اللہ اور ائمہ دینؒ نے اہلحدیث اور اہلسنت رکھا ہے اور یہ ہمیشہ ایک ہی رہے گا کیونکہ حضور ﷺ نے ایک ہی فرقہ ناجیہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ گروہ اہلحدیث آنحضور ﷺ سے لے کر نزول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قیامت تک برابر چلا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی قرآن حدیث پر عمل کریں گے۔

صحیح مسلم جلد اول ص۔۸۷ میں ہے۔ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں "امکم منکم" جس کی تفسیر یہ ہے "امکم بکتاب ربکم عزوجل وسنة نبیکم صلی الله علیه وسلم" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہاری پیشوائی قرآن اور حدیث نبوی سے کریں گے۔

پس یہی مذہب اہلحدیث جو قرآن حدیث کے تابع و عامل ہے' سچا مذہب ہے۔

؎ اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

حنفی مذہب کی ابتداء و انتہاء ⇦ سنئے! حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی "الرفع والتکمیل" میں فرماتے ہیں "ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد الامام ابا حنیفة فی المسائل الفرعیة" یعنی حنفی اس فرقہ کو کہتے ہیں جو فروعی مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کی تقلید کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی حنفی انکار نہیں کر سکتا کہ حنفی وہ شخص ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقلد ہے۔ پس یہ فرقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے شروع ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نہ تھا کیونکہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ سنہ ۱۵۰ھ میں رحلت فرما گئے تھے جبکہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم ختم ہوئے کو عرصہ ہو چکا تھا۔ بعد میں لوگوں نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کی تقلید شروع کی حتیٰ کہ چہارم صدی میں جا کر مذہب کی صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے عقدالجید اور حجتہ اللہ میں اور دیگر مورخین نے یہ تصریح کی ہے کہ چہارم صدی تک تقلید شخصی اور مذہب معین پہ لوگ قائم نہ ہوئے تھے۔

یہ تو ان کی ابتدا ہے۔ اب انتہا سنئے! یہ مذہب زیادہ سے زیادہ حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک چلے گا پھر ختم ہو جائے گا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مذہب پر عمل نہیں کریں گے۔ وہ صرف قرآن و حدیث پر عمل کریں گے جیسا کہ اہلحدیث کرتے ہیں۔

الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ کے مقدمہ ص ۱۰ پر ہے:

"وشاع مذهب ابی حنیفة الی بلاد بعیدة ومدن عدیدة (تاآخر) ولا یزال هذا الانتظام الی ان یظهر المجتهد المطلق اخر ائمة الحق الامام المهدی محمد بن عبداللّٰه المهدی وینزل عیسٰی علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام فیبطل فی زمنهما الاتباع والتقلید ویظهر حکمهما بطریق الاخذ من الکتاب والسنة والاستنباط من مشکوٰة

النبوة علی الرای السدید نص علیه جماعة من المحققین مزیدی الدین المتین فی دفاترهم کابن حجر العسقلانی والجلال السیوطی ومحمد بن عبدالرسول البر زنجی وعلی القاری والشیخ محی الدین العربی"

یعنی مذہب ابوحنیفہ رحمہ اللہ متعدد شہروں میں دور دور تک پھیل گیا ہے اور یہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ آخری امام حضرت امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ پس ان کے زمانہ میں تقلید باطل ہو جائے گی اور قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا طریقہ ظاہر ہو جائے گا اور وہ خود احادیث نبویہ سے مسائل اخذ کریں گے۔ (کتب فقہ پر عمل نہیں کریں گے) چنانچہ اس پر محققین کی جماعت نے تصریح کی ہے جو دین حق کی تائید کرنے والے ہیں۔ جیسے امام ابن حجر عسقلانی و جلال الدین سیوطی اور شیخ محی الدین عربی اور محمد بن عبدالرسول اور ملا علی قاری ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مذہب حنفی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا اور نہ یہ مذہب عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تھا اور نہ اس پر حضرت امام مہدی عمل کریں گے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمل کریں گے بلکہ اس وقت تقلید شخصی اور فرقہ بندی باطل ہو جائے گی اور صرف عمل بالقرآن والحدیث رہ جائے گا اور یہی حق ہے۔

اب بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی طرح عمل درآمد کریں' اندھی تقلید اور فرقہ بندی کو چھوڑ دیں۔ اس تصریح محققین سے ان بے خبر مسلمانوں کا یہ عقیدہ غلط ہو گیا ہے جو کہا کرتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب پر عمل کریں گے۔ چنانچہ درمختار مصری جلد اول ص۔۴۲ میں لکھا ہے "یحکم بمذهبه عیسی علیه السلام" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب پر عمل کریں گے اور اس کے مطابق حکم کریں گے۔ شارح لکھتے ہیں۔ "تبع فیه القهستانی" یعنی قہستانی بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی المذہب ہوں گے لیکن تراجم الحنفیہ

میں اس کی سخت تردید کی گئی ہے- چنانچہ لکھتے ہیں:

"واما قول بعض الجهولين والمتعصبين ان عيسىٰ والمهدى يقلد ان الامام ابا حنيفة ولا يخالفانه فى شئى من طريقه فهو من الاقوال المسخيفة نص عليه ارباب الشريعة والحقيقة بل هو رجم بالغيب بلاشك وريب"

یعنی بعض مجہول اور متعصب حنفیوں نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی علیہ السلام ہر دو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کریں گے اور کسی چیز میں ان کے مذہب کی مخالفت نہیں کریں گے- یہ ردی اور ضعیف اقوال سے ہے- اس پر اصحاب شریعت اور ارباب حقیقت نے تصریح کی ہے بلکہ یہ بلاشبہ غیب کا دعویٰ ہے-

پس متعصبین مقلدین کے اس جاہلانہ عقیدہ کو خود محققین حنفی حضرات نے رد کر دیا ہے اور اہل حق کے نزدیک یہ بات نہایت درجہ کی مردود ہے بلکہ اس سے حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین لازم آتی ہے کیونکہ اہل اصول کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "**التقليد وظيفة الجاهل**" کہ تقلید تو جاہل کا وظیفہ ہے ـــــ یعنی تقلید وہی شخص کرتا ہے جو جاہل ہوتا ہے- پس حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقلد کہنا ان کو جاہل قرار دینا ہے جو ان کی صریح توہین ہے- حق بات یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر عمل کریں گے اور کرائیں گے جیسا کہ اہلحدیث قرآن حدیث پر عمل کرتے اور کراتے ہیں اور یہ مذہب اہلحدیث جو سچا مذہب ہے' ابتداء اسلام سے لے کر قیامت تک جاری رہے گا' انشاء اللہ- دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن حدیث پر عمل کرنے کی توفیق بخشے' آمین-

کتبہ عبدالقادر حصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ۳۱' شمارہ ۲۲ بمطابق ۱۵ ذیقعد سنہ ۱۳۷۰ھ

مسلک اہلحدیث

حضرات! آج دنیا میں ہر مذہب اور ہر فرقہ کا یہ دعویٰ ہے کہ میں ہی صراط مستقیم پر قائم ہوں اور میں ہی حق پر ہوں' میرے سوا باقی تمام فرقے اور مذہب باطل پرست اور گمراہ ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کل حزب بما لدیھم فرحون ہر گروہ اپنے طریقہ پر فرحاں ہے' ہر پارٹی اپنے خیال میں مست ہے لیکن صرف کہنے سے کوئی شخص اور کوئی گروہ سچا نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے پاس اس دعویٰ پر دلائل اور براہین قاطعہ موجود نہ ہوں اور امت محمدیہ کے عادلین شاہدین کی شہادت اس کے حق میں نہ پائی جائے اور وہ علامتیں اس میں نہ پائی جائیں جو اس فرقہ حقہ اور طائفہ صادقہ کی شارع علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں' مثلاً ہم اہل حدیث یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مذہب جو عین حق اور صراط مستقیم ہے وہ اہل حدیث کا ہے جن کی تعریف یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس راہ پر چلتے ہیں جس پر جناب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اپنی زندگی میں چلتے رہے۔

جناب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اپنی زندگی میں کس راہ پر چلتے رہے؟ سو کچھ شک نہیں ہے کہ ان کا مسلک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ تھا۔ ۔ "اصل دین آمد کلام اللہ معظم ——" پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن—— پس اہل حدیث وہ ہیں جو قرآن و حدیث پر اپنا عقیدہ و عمل رکھنے والے ہیں کیونکہ آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام بھی قرآن و حدیث پر ہی اپنا عقیدہ و عمل رکھتے تھے۔ اس گروہ کے تین لقب ہیں۔ فرقہ ناجیہ' طائفہ منصورین اور سواد اعظم۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے۔

فرقہ ناجیہ ⇦ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قیل من یارسول اللّٰہ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی رواہ الحاکم باسناد حسن۔** یعنی "میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی وہ تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے صرف ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ دریافت کیا گیا کہ وہ کون سا فرقہ ہے یارسول اللہ؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ

اس مسلک پر چلنے والا ہو گا جس پر آج کے دن میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔"
اس حدیث سے کئی امور ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ لفظ امتی سے معلوم ہوا کہ آپ کی امت میں افتراق اور اختلاف پیدا ہو گا یعنی جو لوگ فرقہ بندیاں کریں گے وہ مدعیان اسلام ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ وہ تمام فرقے باطل ہوں گے اور ان کی سزا جہنم ہے۔ تیسرا یہ کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہو گا جو افتراق اور اختلاف کی سزا سے محفوظ رہے گا۔ چوتھا یہ کہ ان کا مسلک وہی ہو گا جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ان کی زندگی میں تھا۔ پانچواں یہ کہ علماء اہل حق ہزارہا کوشش کریں کہ اسلام میں افتراق اور اختلاف پیدا نہ ہو اور مسلمان اس بلا سے محفوظ رہیں لیکن آنحضور ﷺ کی پیشگوئی ہے کہ یہ افتراق ضرور ہو گا۔ لہٰذا وہ پوری ہو کر رہے گی بلکہ ہو گئی ہے اور اس میں حکمت الٰہی ہے۔ عالم تکوین نے تکوینی طور پر انسانوں کو کئی فرقوں میں بانٹ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ولوشاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذالک خلقھم (سورہ ہود) یعنی اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی راستہ پر چلا دیتا لیکن وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے بجز ان لوگوں کے جن پر آپ کا رب رحم فرما دے اور اسی اختلاف کے لیے انھیں پیدا کیا ہے۔ پس اہل حق مرحومین ہیں اور باطل فرقے مختلفین مغضوبین اور ضالین ہیں۔
چھٹا یہ کہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں یہ الفاظ وارد ہیں عن عوف بن مالک مرفوعاً" تفترق امتی علٰی بضع وسبعین فرقة اعظمھا فتنة یوم یقیسون الدین برایھم یحرمون به ما احل اللّٰه ویحللون به ماحرم اللّٰه رواہ ابن عبدالغبر فی الکتاب العلم والبیھقی فی المدخل والطبرانی فی الکبیر والبزار والھیثمی فی مجمع الزوائد وقال رجال اسناد الحدیث ثقات کلھم۔ یعنی "حضرت عوف بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کچھ اوپر ستر فرقے ہو جائے گی۔ ان میں بہت بڑا فتنہ اس قوم کا ہو گا جو دین کے مسائل میں قیاس آرائیاں کریں گے جس سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیں گے۔ اس کی مزید تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے جس کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت ابن عباس ؓ سے تعجب کے طور پر دریافت کیا کہ یہ امت کس

طرح مختلف اور متفرق ہو جائے گی حالانکہ ان کی کتاب ایک ہے اور نبی بھی ایک ہے اور ان کا قبلہ بھی ایک ہے۔ تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین! ہم پر قرآن اتارا گیا تو ہم نے اس کو پڑھا اور جو احکام اس میں نازل ہوئے' ان کو جانا۔ ہمارے بعد ایسی قومیں ظاہر ہوں گی جو قرآن کو پڑھیں گی اور اس میں جو احکام الٰہی ہیں ان کو سمجھیں گے نہیں' ہر گروہ ایک قیاس آرائی کرے گا اور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے گا۔ جب ان میں قیاس آرائیاں ہونے لگیں گی تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ باہم لڑنے لگیں گے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ باطل فرقوں میں کتاب اور سنت کے علاوہ قیاس و رائے سے کام لیا جائے گا جس سے وہ احکام اور آیات الٰہی کو بدل ڈالیں گے۔ آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توڑ مروڑ کر اپنی عقل کے سانچوں میں ڈھالیں گے۔ یہی اتباع ہوئی ہو گا۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تو شریعت الٰہیہ کو حاکم اور عقل کو شریعت کا محکوم' قرآن کو متبوع (اور عقل کو تابع بنایا گیا تھا لیکن باطل فرقے عقل کو حاکم اور شریعت کو محکوم بنائیں گے۔ پس قرآن و سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا تفقہ فی الدین ہے اور عقل کے حدود میں قرآن و حدیث کو محدود کرنا وہ بدعت ہے جو موجب افتراق فی الدین ہے' اور قرآن و حدیث چھوڑ کر قیاس آرائی کرنا اتباع ہوئی ہے۔"

طائفہ منصورین ⇦ عن معاویة قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امة قائمة بامراللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتٰی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذالک متفق علیہ۔ (مشکوٰة)

دوسری حدیث میں ہے' عن معاویة ابن قرة عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ فسد اھل الشام فلا خیر فیکم ولا یزال طائفة من امتی منصورین لایضرھم من خذلھم حتٰی تقوم الساعة قال ابن المدینی ھم اصحاب الحدیث رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ (مشکوٰة)

خلاصہ ترجمہ ان دونوں احادیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک اللہ کے حکم پر قائم رہے گا جو منصور ہوں

گے اور ان کو ان کی مخالفت کرنے والے کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث ہیں۔ اس حدیث سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ امت محمدیہ متفرق ہو جائے گی اور اس میں صرف ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں اسی کو سواد اعظم کہا گیا ہے اور حدیث افتراق امت والی میں اسی کی ما انا علیہ واصحابی کے الفاظ سے تعریف کی گئی ہے۔

سواد اعظم ⇐ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار (مشکوٰۃ رواہ ابن ماجہ من حدیث انس) یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سواد اعظم کی پیروی کرو کیونکہ جو شخص ان سے علیحدہ ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ مجمع الزوائد ص۔۲۲ جلد۔۱ میں دوسری حدیث وارد ہے جس سے اس کی تفسیر ہو جاتی ہے کہ قالوا یارسول اللہ ما السواد الاعظم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان علیٰ ما انا علیہ واصحابی صحابہ کرام نے سوال کیا یارسول اللہ سواد اعظم کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو لوگ اس مذہب پر قائم ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی طرح عقیدہ و عمل رکھنے والا گروہ سواد اعظم ہے اور آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے عقیدہ قرآن و حدیث پر قائم تھے کیونکہ حضور ﷺ یہی اپنی امت کو دے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مشکوٰۃ) یعنی "میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے جب تک کہ ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے اور وہ اللہ کی کتاب (قرآن) اور نبی کی سنت (حدیث) ہے۔ ان جملہ دلائل سے یہ واضح ہوا کہ فرقہ ناجیہ' طائفہ حقہ' سواد اعظم ایک ہی گروہ کے نام ہیں اور تینوں سے ایک ہی جماعت مراد ہے اور وہ قرآن پر عقیدہ و عمل رکھنے والا گروہ اہل حق ہے باقی تمام فرقے باطل ہیں۔

پس جب امت میں اختلاف اور تفرقہ ہو تو ایسی صورت میں اس گروہ کے ساتھ شامل رہنا چاہیے جو تابع کتاب و سنت ہو کیونکہ وہی عظمت والا گروہ ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے کہ ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد

الاعظم یعنی "میری تمام امت گمراہی پر جمع نہ ہو گی جب تم اس میں اختلاف دیکھو تو ان میں سے بڑی عظمت والی جماعت کو لازم پکڑو۔" سو عظمت والی وہی جماعت ہے جو قرآن و حدیث پر قائم ہے اور اس کو قائم بامراللہ کہا گیا ہے۔ اب اس کی علامتیں سنئے تاکہ دیگر فرقوں سے اس کا امتیاز کیا جاسکے اور اس کا تعارف ہو جائے۔

گروہ حقہ کی علامات ⇦ (۱) ان کا زبانی اقرار ہو گا اور یہ دعویٰ ہو گا کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا تھا ہم قرآن و حدیث کو مانتے ہیں۔

ما اہل حدیثیم دغا را شناسیم
یقول نبیؐ چون و چرا نکرویم

منتہائے بحث ان کے نزدیک صرف کتاب و سنت ہے۔ (۲) ان کا عمل بھی اعتقادات اور عملیات میں قرآن و حدیث پر ہو گا اور استدلال اور ثبات دعویٰ کے وقت قرآن و حدیث سے دلائل اخذ کرتے ہوں گے اور بغیر قرآن و حدیث کے کسی کی رائے اور قیاس کو نہیں مانتے ہوں گے۔ قرآن و حدیث سن کر قیاس آرائیاں نہ کرتے ہوں گے۔ (۳) ان میں سے جو عالم ہو گا وہ قرآن و حدیث پڑھ کر مسائل معلوم کرتا ہو گا اور جو ناخواندہ ہو گا وہ قرآن و حدیث کے عالم سے اللہ اور رسول کا حکم دریافت کر لیتا ہو گا۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کے درمیان کسی شخص کو مستقل بالطاعۃ نہ سمجھے گا اور نہ کسی کے قول اور ذاتی رائے کو واجب الاتباع جانے گا۔ صرف قرآن و حدیث کا پیروکار اور تابعدار ہو گا۔ (۴) علماء دین' ائمہ شرع متین اور سلاطین اولی الامر کو مبلغ احکام' مظہر مسائل اور منفذ قوانین اسلامیہ تصور کر کے ان کی اطاعت کرتے ہوں گے۔ مخالفین میں سے اگر کوئی خلاف قرآن و حدیث کہتا یا کرتا ہو گا تو اس کی تردید کرتے ہوں گے اور ہر عالم کے فتویٰ اور ہر امام کے قول اور ہر بادشاہ کے قانون کو کتاب و سنت کے معیار پر جانچتے ہوں گے۔ (۵) تبلیغ و تدریس و تعلیم و افتاء میں صرف قرآن و حدیث پر دارومدار رکھتے ہوں گے اور اپنے تنازعات کے فیصلے محکمہ قضاء میں صرف قرآن و حدیث سے کرتے ہوں گے' کسی کے قیاس اور رائے کو نہیں مانتے ہوں گے۔ (۶) حضر اور سفر میں بحکم قرآن و حدیث اپنے میں سے ایک عالم اور صالح شخص کو اپنا امیر منتخب کر کے اس کی ماتحتی میں قرآن و حدیث پر متفقہ طور پر عمل

کرتے ہوں گے جس طرح امام نماز کی اقتداء میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ (۷) توحید و سنت پر قائم ہوں گے۔ شرک و بدعت سے مجتنب رہیں گے' ارکان اسلام کے ادا کرنے میں سعی بلیغ کرتے ہوں گے اور کبائر سے بچتے ہوں گے۔ اگر کسی وقت کوئی گناہ ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ سے' کفارہ سے' تعزیر سے اس کا ازالہ کرتے ہوں گے۔ معاملات کے بڑے سچے ہوں گے' راگ سرود اور خرافات کی مجلسوں سے پرہیز کرتے ہوں گے۔ (۸) ہر رسم اور بدعت سے بچ کر احیاء سنت کی بڑی کوشش کرتے ہوں گے اور احیاء سنت میں کسی کے طعن اور ملامت سے نہ ڈرتے ہوں گے اور نہ کسی کے غلبہ اور اقتدار سے مرعوب ہوتے ہوں گے اور تمسک بالسنۃ کو سو شہید کا ثواب سمجھتے ہوں گے۔ (۹) بیاہ شادی' ولادت' ختنہ' تیوہار اسلامی' ماتم وغیرہ میں سنت نبویہ اور طریقہ صحابہ کو مدنظر رکھتے ہوں گے۔ (۱۰) اپنی مستورات کو پردہ شرعی میں رکھ کر بے حیائی کے تماشوں اور کاموں سے بچاتے ہوں گے اور ان کے نکاح شرعی ہدایت کے مطابق کرتے ہوئے ان کے حقوق بجالاتے ہوں گے۔ (۱۱) قوم پرستی اور نفس پرستی سے دور ہو کر اسلامی مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام مسلمانوں کو یکساں اپنا بھائی سمجھتے ہوں گے۔ (۱۲) سچے انبیاء کی نبوت اور مرسلین کی رسالت اور ان کے ثابت شدہ معجزات کی تصدیق کرتے ہوں گے اور اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی بزرگی اور کرامات صادقہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا خیر کرتے ہوں گے لیکن کسی کی پرستش اور مستقل اطاعت سے بچ کر ان کی طرف اپنی مذہبی نسبت کرنے اور مسائل شرعیہ کا ان پر دارومدار ٹھہرانے کو برا جانتے ہوں گے۔ صرف اللہ اور رسول' قرآن و حدیث ہی کو مستقل متبوع سمجھتے ہوں گے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۷' شمارہ ۴۷' ۴۸' بمطابق ۲۱ و ۲۴ دسمبر سنہ ۱۹۵۵ء

حدیث کی دینی پوزیشن

علامہ شبلی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔" (الفاروق ص-۱۹۱)

عبارات بالا سے امور ذیل نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوئے:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کو دین و شریعت کی حیثیت سے مسلمانوں کو دیا۔ (۲) صحابہ و تابعین اور اتباع تابعین کے نزدیک نہایت عزیز و شریف علم حدیث ہی تھا اور صحابہ نے اس علم کی نشرواشاعت اور تبلیغ و ترویج میں جان توڑ کوشش کی۔ (۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کے ادا کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا اور نہایت اہتمام و اعتناء سے حدیث کی نشرواشاعت کی۔ اس کے لیے معلمین بھیجے اور خود احادیث کو بالفاظہا لکھ لکھ کر دیار و امصار کے حکام و عمال کے پاس ارسال فرمایا اور بہت سی احادیث کا اس سلسلہ میں پتہ لگایا اور اس طریق سے عملی طور پر حدیث کی اشاعت ہوئی۔

ان امور کو ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی منصف عقلمند ہرگز یہ رائے نہیں قائم کر سکتا کہ احادیث نبویہ' دین اور شرعی حجت بننے کے قابل نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ احادیث جزو شریعت اور دینی حجت نہ ہوتیں تو ان کے لیے اتنا اہتمام و اعتناء' اتنی جان فشانی اور دردسری اور اس قدر سعی اور تفتیش و تفحص وہ لوگ ہرگز نہ کرتے۔ اگر یہ احادیث محض تاریخ کی حیثیت رکھتیں تو اس کی یہ کیفیت نہ ہوتی کہ ہر خاص و عام اس میں شریک و مشغول ہوتا بلکہ فقط خاص خاص لوگ اس سے دلچسپی و انسیت رکھتے مگر یہاں تو یہ عالم ہے کہ اس میں ہر طبقہ کے لوگ داخل و شامل ہیں۔

علامہ شبلی مرحوم لکھتے ہیں' "حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود بھی مہم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا' وہ خودبخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب

تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں نقطہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کس قسم کی احادیث ہیں؟ (الفاروق ص-۳۵)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح رحمہ اللہ کو لکھا کہ: "انظر ماتبین لک من کتاب اللہ فلا تسال عنہ احدا فان لم یتبین لک من کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلٰی الہ وسلم" (فتح الباری شرح صحیح بخاری) یعنی دیکھو، تمہیں جو مسئلہ کتاب اللہ میں صاف صاف مل جائے اس کو کسی سے نہ پوچھنا اور اگر تمہیں کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "لان الشریعۃ انما توخذ من الکتاب والسنۃ ومن کان قلیل البضاعۃ من الحدیث فیتعین علیہ طلبہ وروایتہ والجد والتشمیر فی ذالک لیاخذ الدین عن اصول صحیحۃ ویتلقی الاحکام عن صاحبھا المبلغ لھا۔" (یعنی شریعت کے احکام کا ماخذ (وسرچشمہ) کتاب اللہ اور حدیث نبوی ہے اور جو شخص حدیث میں کم مایہ ہو اس پر حدیث کی طلب و روایت اور اس کے لیے کوشش و سعی ضروری ہے تاکہ دین کو صحیح اصول کے ساتھ سیکھے اور احکام کو ان کے پہنچانے والے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے حاصل کرے۔)

اور مسند احمد و سنن وغیرہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لمعاذ حین بعثہ الی الیمن فبم تحکم قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال بسنۃ رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) الخ (یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ کو یمن روانہ کرنے لگے تو آپ نے ان سے دریافت کیا، کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن مجید سے، پوچھا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ انہوں نے عرض کیا حدیث سے فیصلہ کروں گا۔)

امام العلامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ینزل بالقرآن الا انھا لا تتلی کما یتلی القرآن" (تفسیر ابن کثیر صفحہ-۴، جلد-۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احادیث بھی وحی ہوتی تھیں، جیسا کہ قرآن مگر اتنی بات ہے کہ قرآن کی تلاوت ہوتی تھی اور اس کی طرح حدیث کی تلاوت نہیں ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "لا یزال الناس مشتملین بخیر ماأتاهم العلم من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم واکابرهم فاذا اتاهم العلم من قبل اصاغرهم وتفرقت اهواهم هلکوا۔" (فتح الباری ص ۲۹، ۶۷۰، پارہ ۲۔) یعنی لوگ خیر کے ساتھ رہیں گے تاوقتیکہ ان کے پاس علم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے اور صحابہ کبار میں سے پہنچے گا لیکن جب ان کے پاس علم دین چھوٹے لوگوں سے آئے گا اور ان کی خواہشیں مختلف ہوں گی تو ہلاک ہوں گے۔ (یعنی گمراہی میں پڑیں گے)

نیز فرماتے تھے: "علیکم بالعلم قبل ان یقبض وقبضه ذهاب اهله فان احدکم لایدری متی یفتقر الیه وستجدون اقواما یزعمون انهم یدعونکم الی کتاب اللہ وقد نبذوه وراء ظهورهم علیکم بالعلم وایاکم والتبدع وایاکم والتنطع والتعمق وعلیکم بالعتیق" (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵، ج ۱) یعنی علم شریعت قرآن و حدیث کو اس کے قبض کیے جانے سے پہلے اپنے اوپر لازم کر لو اور اس کا قبض کیا جانا اہل علم کا کوچ کر جانا ہے۔ اس لیے کہ کوئی یہ نہیں جانتا کہ اس کی طرف کب محتاج ہو گا اور تم کو کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے خیال میں تم کو کتاب اللہ کی طرف بلا رہے ہیں مگر درحقیقت وہ لوگ اس کو پس پشت ڈال چکے ہوں گے پس تم علم حدیث کو لازم پکڑو اور بدعت سے بچتے رہو اور دقیق باتوں میں گھسنے اور موشگافی سے بچو اور قدیم کو تھامو۔

عبدالقادر عارف الحصاری۔ اہلحدیث سوہدرہ

منکرین حدیث کی شریعت سازی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت بنانا اور مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ وہ ہمارا حقیقی حاکم ہے اور حکم اسی کا نافذ ہو گا۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ان الحکم الا للہ" (یعنی حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں ہے۔) اور فرمایا: "ولا یشرک فی حکمه احدا" (خدا تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔) اللہ احکم الحاکمین نے اپنی شریعت بذریعہ انبیاء عظام مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن مبین شاہد ہے کہ "شرع لکم من الدین ماوصّٰی به نوحا والذی اوحینآ الیک وما وصینا به ابراهیم و موسیٰ

وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه" (شوریٰ) (یعنی ہم نے تمہارے لیے اسی دین کو شریعت بنایا ہے جس کی ہم نے نوحؑ کو وصیت کی اور وہ جو آپ کی طرف وحی کی اور وہی جس کی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو وصیت کی کہ دین اسلام کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔) یہی شریعت اسلامی اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما کر اس کا آنحضرت نبی اکرم ﷺ کو پابند کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ثم جعلناک علٰی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اھوآء الذین لایعلمون" (یعنی ہم نے آپ کو شریعت اسلامیہ پر قائم کر دیا ہے' آپ اسی کی اتباع کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو اس شریعت الٰہیہ کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔)

وہ شریعت کہاں ہے؟ ⇦ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر مقرر فرما کر بھیجی تھی وہ کہاں ہے؟ اور کس جگہ موجود ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شریعت کتاب و حکمت میں موجود ہے جس کی آنحضرت ﷺ لوگوں کو تعلیم فرماتے رہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جابجا یہ کئی آیات میں موجود ہے کہ "یعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (یعنی وہ رسول ان کو اللہ کی کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اور اس تعلیم سے پہلے وہ سب لوگ گمراہی میں تھے۔)

قرآن کریم بھی منزل من اللہ ہے جیسا کہ فرمایا "تنزیل الکتاب لاریب فیه من رب العلمین" (یعنی کتاب کا اتارنا بلاشبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔) اور کتاب کی طرح حکمت بھی نازل کردہ وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو پہنچی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: "ذالک ممآ اوحٰی الیک ربک من الحکمة" (یعنی یہ اسی حکمت کا مسئلہ ہے جس کی آپ کو آپ کے پروردگار نے وحی کی ہے۔)

"الکتاب" تو قرآن مجید کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اور "الحکمة" اس کے ساتھ حدیث نبوی ہے جو تعلیمی اور علمی صورت سے ہمیشہ اس کے ساتھ چلی آرہی ہے۔ جس طرح تواتر نقلی سے ثابت ہے کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اسی طرح تواتر نقلی سے یہ ثابت ہے کہ حدیث نبوی بھی قرآن کریم کی تشریح کے لیے ساتھ ہی آرہی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا خود بیان

ہے کہ "اوتیت القرآن ومثله معه" (یعنی میں قرآن اور اس جیسی چیز اس کے ساتھ ہی دیا گیا ہوں۔) قرآن کے ساتھ قرآن مجید میں حکمت کا ذکر ہے اور وہ حدیث نبوی ہے۔ اس لیے تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں حکمت کی تفسیر حدیث سے کی گئی ہے۔ یہ دو چیزیں آپ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کا فرمان ہے: "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله وسنتی" (موطا) (یعنی میں تمہارے میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔) حدیث اور سنت کا ایک ہی مفہوم ہے۔ اس لیے اہل سنت اور اہل حدیث حقیقت میں ایک ہی طائفہ کا نام ہے۔ تفصیل کے لیے غنیۃ الطالبین اور تاریخ اہلحدیث ملاحظہ کریں۔ ہمارے اس مدلل بیان سے "وحی کتاب" اور "وحی حکمت" اور دونوں کا یکساں تعلیم اور عمل میں چلا آنا اور دونوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آنحضور ﷺ کا چھوڑ کر جانا اور دونوں کا تواتر نقلی سے ہم تک پہنچنا ثابت ہوا۔ اس سے انکار کرنا مکابرہ یا مجادلہ ہے۔

منکرین حدیث کا اقرار! ⇦ منکرین حدیث کا کوئی مذہب نہیں۔ بعض جگہ حدیث کا اقرار کر جاتے ہیں،اور بعض جگہ انکار۔ ان کو ایک صحیح عقیدہ اور مسلک پر استقرار نہیں ہے۔ ان کا دین یہ ہے کہ ؎

آدھا بٹیر آدھا تیتر
آدھا باہر آدھا بھیتر

یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا شیوہ تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کی مذمت بیان کی ہے۔ "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" (یعنی کیا تم بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔" یہ میرا کہنا ہی نہیں ہے مولانا افضل احمد صاحب غزنوی "ایک اسلام ایک قرآن" کے ص-۲۰ پر یہ فرماتے ہیں کہ: "یہی وطیرہ منکرین حدیث کا ہے جو بات ان کے حسب مطلب ہوتی ہے وہ اگر موضوع (گھڑی ہوئی) حدیث میں بھی ہو تو اسے بھی صحیح حدیث قرار دیتے ہیں اور جو امر ان کے نفس کے خلاف ہو وہ اگر قرآن میں بھی ہو تو اس میں بھی تحریف کر دیتے ہیں۔"

یہ وطیرہ خود منکرین حدیث کو بھی پسند نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مولانا مودودی صاحب

کی شکایت کرتے ہوئے اپنے رسالہ "قرآنی فیصلے" کے ص-۳۵۶ پر لکھتے ہیں: "ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب ایک ہی قسم کی آیات سے ایک مفہوم اپنے مطلب کے مطابق لیتے ہیں اور اسی قسم کی دوسری آیات کا مفہوم جب ان کی مصلحت کے خلاف جاتا ہے تو اسے مردود قرار دیتے ہیں۔"

پس یہ مطلب پرستی اور خودغرضی کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہے لیکن منکرین حدیث کا یہ شیوہ ہے کہ وہ حدیث کا اقرار بھی کرتے ہیں اور انکار بھی۔ چنانچہ اقرار یہ ہے کہ منکرین حدیث کے جناب برق صاحب اپنی کتاب "دو قرآن" میں یہ لکھتے ہیں: "جس طرح ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگراں موجود ہے' اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ہر لفظ کسی مشیت قاہرہ سے سرزد ہو رہا تھا۔ "ان ھو الا وحی یوحیٰ" اور جس طرح ستارہ غروب تو ہوتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا' اسی طرح آنحضرت ﷺ بعد از مرگ بھی اپنی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہیں۔ آپ نے جس عظیم الشان شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی تھی اس کے چند در و دیوار بدستور موجود ہیں۔" الخ

اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ کا ہر لفظ جو مشیت ایزدی سے سرزد ہوا وہ "ان ھو الا وحی یوحیٰ" کا حکم رکھتا ہے اور وہ فنا نہیں ہوا بلکہ آپ کی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہے اور آنحضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے جس حکومت کی بنیاد ڈالی تھی اس کے در و دیوار موجود ہیں۔ اس سے قرآن کریم کے علاوہ آپ کی تعلیم اور ہر لفظ وحی تسلیم کیا گیا اور وہ وہی حدیث ہے۔ معارف القرآن جلد-۴' ص-۲۲۷ میں ولید بن مغیرہ ؓ کے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آنے اور کلام خدا تعالیٰ سننے کے واقعہ کے تحت حاشیہ پر لکھا ہے: "اس واقعہ کی اصل تو قرآن میں ہے لیکن جزئیات مختلف روایات میں مختلف انداز سے مذکور ہیں۔" الخ

اس سے ثابت ہوا کہ یہ منکرین قرآن کے علاوہ جزئیات کے لیے حدیث نبوی کے محتاج ہیں۔ نیز معارف القرآن ج-۴' ص-۲۰۳ میں سورہ مدثر کی آیت "قم فانذر" کا بطور عنوان ایک باب قائم کیا ہے اس میں کئی اقوال رسول پیش کیے ہیں

اور آیت "وانذر عشیرتک الاقربین" کے تحت یہ حدیث رسول درج ہے کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔" نیز اسی کتاب کے ص۔۲۵۸ میں استقامت کے عنوان سے بہت کچھ لکھا ہے اور آیت "ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ" کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ اے پیغمبرا اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلاؤ اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو اور اچھے طریقے پر پندو نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو وہ بھی ایسے طریقے پر کہ حسن و خوبی کا طریقہ ہو .... ایسے پیرایہ میں جو سیدھا ان کے دل تک اتر جائے۔" اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کی حدیث حجیت ثابت ہوئی اور قرآن کے ساتھ اس کو سمجھانے کے لیے حکمت کی باتیں اور پندو نصیحت کرنا اور ایسے حسن و خوبی سے بات کرنا جو مخاطب کے دل میں اتر جائے۔ ثابت ہوا وہی حدیث ہے جس کا اقرار پایا گیا۔ طلوع اسلام مطبوعہ ستمبر سنہ۔۱۹۵۳ء کے ص۔۳۹ پر یہ لکھا ہے "البتہ تمام کتب حدیث کا یا صحاح ستہ کا بالاتفاق کسی مطابق قرآن و درایت حدیث کا روایت کرنا اس بات کا ظن غالب پیدا کرتا ہے کہ یہ حدیث واقعی حدیث رسول ہو اور اس میں جو کسی قدر قطعیت کی جھلک آئے گی تو وہ قرآن مبین کے آفتاب قطعیت کا انعکاس ہی سمجھی جائے گی۔ جب منکرین حدیث پر علماء عرب و عجم نے چاروں طرف سے لعنت ڈالی تو طلوع اسلام ماہ جولائی ۵۹ء کے ص۔۷۵ پر یہ لکھا کہ "یاد رکھئے! طلوع اسلام نہ منکر حدیث ہے نہ منکر سنت۔ وہ کہتا صرف یہ ہے کہ جو بات قرآن کے خلاف ہو کہ وہ کبھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا حضور کی سنت نہیں ہو سکتی۔" الخ' اس سے نفس حدیث و سنت کے حجت ہونے کا تو اقرار ہو گیا۔ باقی یہ کہنا کہ قرآن کے خلاف ہو تو وہ حدیث نہیں۔ یہ اصول محدثین بھی مانتے ہیں لیکن ہر ذہن میں مخالف قرآن کا تصور اور تعقول الگ الگ ہے۔ ایک حدیث کو آپ قرآن کے مطابق کہیں گے اور مرزائی خلاف قرار دیں گے۔ مرزائی مطابق کہیں گے تو شیعہ رافضی اس کو خلاف بتائیں گے۔ ان فرقوں کی تراشیدہ ذہنی مخالفیت کو کون مانتا ہے؟ اس میں امت عامہ کا عملی و اعتقادی تسلسل و تواتر اور علماء سلف کی تشریحات پر غور کیا جائے گا۔ اگر وہ قرآن کے مخالف بتائیں گے تو مان لیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر اپنی اپنی ذہنی تراشیدہ مخالفت کو مدنظر رکھا جائے تو ہر شخص جس حدیث کو

چاہے گا جھٹلا دے گا اور بغیر مسلمہ اور اجماعیہ اصول کے اپنے تراشیدہ قاعدہ سے اپنی رائے کے خلاف کسی آیت یا حدیث کے انکار سے گمراہی کا اور الحاد کا دروازہ کھول دے گا جس سے دین اسلام ایک بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ ہم سے پہلے فن حدیث کے ماہرین نے تمام احادیث جمع کر کے روایت اور درایت کی رو سے ان کی تنقید کرتے ہوئے خوب چھان بین کی ہے جو احادیث قابل اعتماد و عمل تھیں اور وہ قرآن کے خلاف نہیں تھیں۔ ان کو صحاح ستہ میں جمع کر دیا جن پر اہل اسلام کا اجماع ہو گیا اور وہ تمام ممالک کی درس گاہوں میں داخل ہیں جن پر علمی و درسی و عملی اتفاق چلا آتا ہے۔ اب منکرین حدیث اس میں خرق اجماع کر کے تفرقہ پیدا کر رہے ہیں جو شرک ہے۔ سب مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسی صراط مستقیم پر چلیں اور اسی شریعت کے پابند رہیں جن پر تمام اہل اسلام عمل درآمد کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ پرویز صاحب کے ضمیر نے ان کو ملامت کی تو ان کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ جب تک ہمارا مرکز انکار حدیث کامیاب نہیں ہوتا مسلمانوں کو اسی اجماعی طریقہ یعنی عمل قرآن و حدیث پر قائم رہنا چاہیے۔ چنانچہ قرآنی فیصلے کے ص۔۳۲ پر یہ لکھا ہے' "جس قسم کی جزئیات پر ملت کاربند چلی آرہی ہے انہی کو برقرار رکھنا چاہیے' ان میں انفرادی تغیر و تبدل سے نئے فرقے پیدا ہوتے ہیں اور فرقہ بندی قرآن کی رو سے شرک ہے۔" اگر پرویز صاحب کی پارٹی اپنے مرکز انکار حدیث میں کامیاب ہو گئی اور وہ قائم ہو کر مضبوط ہو گئی تو پھر وہ اعلان کریں گے کہ اب ملت اسلامیہ کی جزئیات معمول بہا کو ترک کر کے ہمارے ساتھ مل جاؤ کہ وہ قدیم مسلک ٹھیک نہیں ہے۔ بتقضائے مقولہ "کل جدید لذیذ" ہمارا فرقہ منکر حدیث پسندیدہ ہے کیونکہ اس میں حدیث نبوی کا انکار کر کے خواہشات کے مطابق قرآن کا مطلب بنا لینے پر عمل ہے۔ اب یہ طریقہ حق ہے یا دوسرا باطل ہے۔

"قرآنی فیصلے" اور "طلوع اسلام" مطبوعہ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۹ء میں یہ لکھا گیا ہے کہ "فرقہ بندی از روئے قرآن شرک ہے۔" اور ادارہ طلوع اسلام یہ بھی مانتا ہے کہ حنفی' شافعی' شیعہ مذاہب فرقے ہیں۔ جس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ سب مشرک ہیں۔ لیکن قرآنی فیصلے کے ص۔۳۱ پر جناب پرویز صاحب یہ لکھتے ہیں کہ "میں بھی اسی

طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ الخ"

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پرویز صاحب حنفی مذہب کے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ حنفی مذہب کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پس اگر فرقہ بندی سے انسان مشرک ہو جاتا ہے تو پرویز صاحب کو حنفیوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ مشرک کی اقتداء اور ان سے مل کر ان کے مطابق نماز پڑھنے سے شرک لازم آئے گا اور پرویز صاحب خود مشرک ہو جائیں گے۔ پرویز صاحب نے طلوع اسلام کے دو تین نمبروں میں حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو رائے اور قیاس سے فتویٰ دینے والوں میں شمار کرتے ہوئے اس فتنہ کا موجد اور موجب قرار دیا ہے لیکن خود ان کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ "چونکہ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور اپنے آپ کو نہ ان سے الگ سمجھتا ہوں نہ برتر۔ اس لیے میں ان سے الگ ہٹ کر کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس درماندہ کارروان کا ہم سفر ہوں۔" (ص۔۳۲)

"اسلام" کی اصطلاح میں اس کو منافقت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عہد نبوی کے منافقوں کا قرآن مجید نے یہ وطیرہ بیان کیا ہے کہ منافقین مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور اس دین پر ہیں اور جب مشرکین سے ملتے تو کہتے **"انا معکم انما نحن مستھزؤن"** ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ذرا ہم ان سے مذاق کر رہے تھے۔ **"مذبذبین بین ذالک لا الیٰ ھؤلاء ولا الیٰ ھؤلاء"** یعنی منافقین کا مذہب سب فرقوں کے بین بین تھا۔ کسی ایک مذہب پر نہ تھے۔ قرآن کریم نے ان کی سخت مذمت کی ہے اور سخت سزا کی خبر دی ہے کہ **"ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"** منافقین (اسلام کے اندر دوغلے) جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔

جیسے منافقین کہتے تھے کہ **"انما نحن مصلحون"** ہم اصلاح کرنے والے ہیں' ویسے منکر حدیث کہتے ہیں کہ "بزم طلوع اسلام نہ سیاسی پارٹی ہے اور نہ مذہبی فرقہ۔ یہ ایک اجتماعی اور تنظیمی کوشش ہے .... اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات شامل ہو گئے ہیں انہیں الگ کر کے اس نظام کی تشکیل کے لیے "فضا سازگار" بنانا ہے۔"

یہ صریح جھوٹ ہے۔ دراصل یہ فساد فی الدین ہے ؎

فتنے بہت اس طرح اٹھوائے گئے
ایسے دجال زمانہ میں آئے گئے

یہ عجیب زمانہ سازی ہے کہ مسلمانوں کو مشرک بھی کہا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ میل جول اور ان کی اقتداء اور ان کی طرح نماز بھی پڑھی جا رہی ہے اور ان میں اپنے آپ کو شمار بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ صریح زمانہ سازی اور فریب کاری ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں سے مل کر اور یہ کہہ کر کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور پھر ان کے دلوں میں شبہات و وسواس ڈال کر یہ کہنا کہ میں تمہاری فضا سازگار بناتا ہوں کہ علم حدیث ناقابل اعتبار ہے اور فقہ حنفی کی بنیاد قیاس و رائے پر ہے۔ یہ سب دین تراشا ہوا ہے اور اختراع کردہ ہے۔ جنت و دوزخ کا کوئی وجود نہیں اور یہ کسی خاص مقام کا نام نہیں ہے۔ نماز' روزہ' صدقہ' زکوٰۃ وغیرہ عبادات خوشامدانہ مسلک ہے۔ قربانی کرنا خوردونوش کا سامان ہے۔ ملائکہ (فرشتے) کائناتی قوتوں کا نام ہے۔ وغیرھا من الخرافات۔

ان وسوسوں سے لوگوں کے اعتقادات' عبادات اور معاملات خراب کر کے منکرین حدیث بنایا جا رہا ہے۔ جناب پرویز صاحب حنفی مذہب کے علاوہ دیگر فرقوں میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنی شریعت اور زمانہ سازی کے لیے فضا سازگار بنائی ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ: "اس فرق کے ساتھ کہ اگر کہیں فقہ حنفی کے علاوہ دیگر طریق پر بھی نماز ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ شامل ہو جانے میں توقف نہیں کرتا۔" تو گویا جناب پرویز صاحب کا اس شعر پر عمل ہے ؎

حافظا! اگر وصل خواہی صلح کن باخاص وعام
بامسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام

لیکن یہ مذہب گرونانک صاحب کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں لوگوں کا اس وقت سخت اختلاف ہوا جب کہ وہ فوت ہوئے۔ بعض ان کو ہندو کہہ کر جلانا چاہتے تھے اور بعض جنازہ پڑھ کر دفنانا چاہتے تھے اور ان کے چیلے بھی دو قسم کے تھے۔

ایک ہندو اور ایک مسلمان۔ اس لیے ہم پرویز صاحب کو یہ کہتے ہیں کہ یہ بین بین طرز عمل ٹھیک نہیں ؎

دو رنگی چھوڑ یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

مگر وہ ہماری بات کب مانتے ہیں۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ؎

غم صیاد فکر باغباں ہے
دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

پرویز صاحب قرآنی فیصلے کے صفحہ۔۳۱ پر یہ کہتے ہیں کہ "بجائے اس کے کہ ہر فرد اور ہر جماعت اپنی اپنی مرضی کے مطابق طریقے وضع کرتی جائے جس حد تک ہم مطمئن ہو سکیں کہ فلاں عمل عہد رسول اللہ والذین معہ سے ہم تک علی التواتر چلا آرہا ہے' اسے علیٰ حالہ قائم رکھا جائے (تا آخر) جو اعمال ملت میں تواتر سے چلے آرہے ہیں انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے۔"

منکرین حدیث کا یہ اصول گو غلط ہے کہ وہ ہر حکومت اسلامی کو شریعت کے ردوبدل کا اختیار دیتے ہیں۔ مگر جو عمل تواتر سے چلا آرہا ہے اس کو علیٰ حالہ رکھنے کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کا بھی منافقانہ اقرار ہے وہ اس پر قائم نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون" (یعنی ان لوگوں پر خداوند تعالیٰ کا بڑا غضب ہے کہ وہ جو کہتے ہیں اس پر کاربند نہیں رہتے۔) (سورہ صف' پارہ۔۲۸)

چنانچہ یہی حال منکرین حدیث کا ہے کہ وہ قربانی کے عمل کو جو شعار اسلام ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ عہد نبوی سے آج تک عرب و عجم میں اس پر تمام اہل اسلام کا تعامل چلا آرہا ہے' اس کو مٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ طلوع اسلام میں اس کے برخلاف بہت پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ یہ کوئی عبادت نہیں اور کوئی دینی فریضہ نہیں۔ حالانکہ اس کا ثبوت متواتر احادیث سے ثابت ہے اور مسلمانوں کا اجتماعی عمل بالتواتر اس پر چلا آرہا ہے جس سے کوئی مسلمان بلکہ ہندو' یہودی اور عیسائی بھی انکار نہیں کر

سکتا۔ الا من سفه نفسه اوکان من المعاندین۔

لیکن طلوع اسلام جولائی سنہ ۵۹ء میں قربانی کے بیان پر ص۔۴۷ میں یہ لکھا گیا ہے کہ "قرآن کریم نے کہیں اس کا حکم نہیں دیا .... عیدالاضحیٰ پر جانوروں کا ذبح کوئی دینی فریضہ نہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ جانور کی مالیت کی رقم قومی فنڈ میں جمع کریں۔"

یہ بیان بالکل گمراہ کن اور مفسدانہ ہے اور سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں قربانی کا حکم موجود ہے۔ سورہ کوثر میں ہے "فصل لربک وانحر" (یعنی اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر!) یہ خطاب آنحضور ﷺ کو ہوا اور آپ نے عیدالاضحیٰ کے دن اس پر (نماز پڑھ کر اور قربانی کر کے) عمل کیا اور امت کے لیے نمونہ قائم کر دیا اور امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" الآیہ (سورہ احزاب پارہ۔۲۱) یعنی تمہارے لیے اللہ کا رسول اسوہ حسنہ ہے۔ اس نمونہ کے مطابق عمل کرو۔ آپ نے قولاً اور فعلاً عیدالاضحیٰ کو جانور قربانی کرنے کی ترغیب دی جس پر امت کا بالتواتر عمل جاری ہے اور جس کے پرویز صاحب بھی اقراری ہیں کہ: "ہمارے ہاں "عیدالاضحیٰ" پر ہر جگہ جو قربانیاں دی جاتی ہیں۔"

تو اب اس تواتر قولی و اجماعی و عملی کے خلاف آواز بلند کرنا سراسر نادانی ہے اور قربانی کو برا کہنا آریہ دھرم کا شیوہ ہے۔ اس لیے ہم پرویز صاحب کو یہ کہتے ہیں ؎

اے وجل تسبیح میں زنار کے ڈورے نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف

الغرض پرویز صاحب کا متذبذبانہ طرز عمل ہے کہ جو بات کہتے ہیں اس پر خود قائم نہیں رہتے۔ یہ دعویٰ بھی ہے کہ ملت کے تواتر عملی پر قائم رہنا چاہیے اور خود قائم بھی نہیں رہتے۔ جناب پرویز صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ: "باقی رہا جزئیات میں ردوبدل کا معاملہ سو اس کے متعلق میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ کسی فرد کو ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔" (قرآن فیصلے ص۔۳۲) اور پھر خود ہی مسئلہ قربانی میں جو جزئیات سے ہے' ردوبدل شروع کر دیا کہ "جانور کی مالیت قومی فنڈ میں جمع کریں۔" یہ حکم اختراعی ہے یا قرآنی؟ اگر اختراعی ہے تو یہ شرک ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے: "ولا

یشرک فی حکمه احدا" یعنی حکم نافذ کرنا اللہ ہی کا حق ہے اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ایک اور مقام پر ہے: "ام لھم شرکؤ شرعوالھم من الدین مالم یاذن به الله" (یعنی کیا ان مشرکین کے لیے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر شریعت مقرر کرتے ہیں؟) اور اگر یہ حکم قرآنی ہے تو وہ آیت پیش کریں جس میں یہ حکم ہو کہ قربانی کے جانور کی مالیت قومی فنڈ میں جمع کرو۔ اگر نہ دکھا سکو تو سمجھ لو کہ تم خدا اور رسول کے مقابلہ میں شریعت سازی کر رہے ہو۔ نبؤنی بعلم ان کنتم صدقین۔

جناب پرویز صاحب نے متذبذبانہ رنگ میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ تواتر سے جو عمل ثابت ہے اس کو علیٰ حالہ رکھنا چاہیے اور جس قسم کی جزئیات پر ملت کاربند چلی آرہی ہے انہی کو برقرار رکھنا چاہیے۔ لیکن پھر بھی اسلام کے پردے میں منکرین حدیث اپنی شریعت سازی کرتے ہوئے مبتدعانہ کارروائی کر رہے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں کا متفقہ عمل ہے جس پر تواتر سے عمل چلا آرہا ہے کہ نمازیں پانچ ہیں اور پانچ ہی کتاب و سنت سے ثابت ہیں لیکن طلوع اسلام مئی سنہ ۵۰ء میں ہے کہ: "قرآن میں صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ عشاء ہی کا ذکر ہے۔" پھر طلوع اسلام اگست سنہ ۵۰ء میں ہے کہ: "فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو اور رکعات بھی دو ہیں۔" ایک شخص مسلمان ہو کر اپنے ہی طریقہ کی نماز پڑھے جس میں بت پرستی نہ ہو خدا کی تکبیر و تہلیل ان کے اپنے طریقوں پر ہو تو اسے نماز کے قائم مقام سمجھنا چاہیے۔

نیز فتنہ انکار حدیث ص ۱۸۴ و معارف القرآن ص ۳۲۹ میں ہے کہ "قرآن نے نماز پڑھنے کے لیے نہیں کہا۔ نماز کے قیام کا حکم دیا ہے۔" اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا انکار ہے کہ مسلمان جس تواتر عملی سے ادا کرتے چلے آئے ہیں یہ غلط طریقہ ہے۔ قرآن نے رسول کا یہ منصب بتایا ہے کہ "یحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث" (رسول ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور پلید چیزوں کو حرام کرتا ہے۔) اور جگہ ہے: "ولا یحرمون ماحرم الله ورسوله" (یعنی کفار ان چیزوں کو حرام نہیں کہتے جن کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے۔) لیکن پرویز اور ان کی امت یہ

کہتی ہے کہ: "قرآن تو رسول کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دے۔ بدیگراں چہ رسد۔" (طلوع بابت فروری سنہ-۵۲ء)

ہم کہتے ہیں کہ بذریعہ وحی خفی حضور ﷺ باذن الٰہی حلال و حرام کا اختیار رکھتے تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے کئی چیزیں حرام فرما دی تھیں جن کی تفصیل احادیث متواترہ و مشہورہ میں ہے اور ان پر اجماعی تعامل جاری ہے۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ "قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، لحم خنزیر اور غیراللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ حرام نہیں۔" (طلوع جون سنہ-۵۲ء)

اب پرویز صاحب کی شریعت میں بول، پاخانہ، چوہا، کتا، بلا، سانپ، بچھو، کوا، چیل، گدھ، گیدڑ، شیر، چیتا، بھیڑیا، چھپکلی، لومڑی، بندر، ریچھ وغیرہ سب حلال ہیں۔ وہ خوب کباب بنا کر ان کو کھا سکتے ہیں۔ پیشاب کا شربت، پاخانے کا حلوہ، سانپ کے کباب اور کتے کا قیمہ بندر کے خصیے ان کے لیے عمدہ غذا متصور ہو گی جن سے وہ اپنے ہم مشرب کی ضیافت بھی کر سکیں گے۔ تف ایسی شریعت سازی پر۔ گمراہ فرقے اور ان کے علماء بھی دیکھے مگر پرویزی کارخانہ میں جو شریعت سازی ہو رہی ہے یہ نہایت حیرت انگیز اور افسوسناک ہے۔ فقط

کتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد-۴۰، شمارہ-۲۱، ۱۷ بمطابق ۱۸ر شعبان و یکم رمضان سنہ-۱۳۷۹ھ

انکار حدیث کا فتنہ کیسے پیدا ہوا؟

انکار حدیث کا مرض دراصل تقلید سے شروع ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرات مقلدین نے پہلے قرآن و حدیث میں اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی اور پھر اپنے مذہب کے خلاف احادیث کا انکار یہ کہہ کر کیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے اور ایک موضوع حدیث لکھ کر یہ اصول بنایا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو وہ چھوڑ دی جائے گی۔ پھر اس سے آگے بڑھ گئے اور یہ اصول بنایا کہ جو خبر واحد قیاس اور قول امام کے خلاف ہو گی وہ بھی ترک کر دی جائے گی۔

مقلدین کے اس قسم کے اصولوں سے فائدہ اٹھا کر کئی گمراہ فرقے ایسے پیدا ہو گئے جنھوں نے قرآن مجید کے معنی اپنی رائے سے کئے اور پھر قرآن سے احادیث صحیحہ کا مقابلہ کر کے احادیث سے صاف انکار کر دیا۔ گمراہی کی یہ وبا ایسی پھیلی کہ کئی لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اگر قرآن کے خلاف صحیحین کی حدیث آجائے تو بھی نہیں مانی جائے گی۔

ایک اہل حدیث کے عالم کے ساتھ ایک مقلد مولوی صاحب حافظ قرآن کا مناظرہ ہوا۔ موضوع مناظرہ مسئلہ "فاتحہ خلف الامام" تھا۔ حنفی مولوی صاحب نے آیہ: "واذا قری القرآن" (الآیۃ) پڑھ کر کہا کہ علمائے اہل حدیث جو فاتحہ خلف الامام کی احادیث پیش کرتے ہیں' وہ قرآن کے خلاف ہیں لہٰذا ہرگز نہ مانی جائیں گی۔

پھر فرمانے لگے قرآن مجید میں حکم ہے' نماز میں قرآن جس قدر آسان ہو' پڑھ لو اور حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہو گی تو یہ حدیث' قرآن کے مقابلہ میں نہیں مانی جائے گی۔ اس مولوی نے اجلاس میں بلند آواز سے کہا کہ لوگو! بتاؤ ایک طرف قرآن ہو اور دوسری طرف اس کے خلاف حدیث ہو' بتاؤ! تم کس کو مانو گے؟ اس کے حامیوں نے بیک زبان کہا: "ہم قرآن کے مقابلہ میں حدیث کو نہیں مانیں گے"

بندہ نے (جو اس اجلاس میں شریک تھا) حنفی مولوی صاحب سے کہا کہ خدا کے بندو! کیوں خواہ مخواہ قرآن و حدیث میں تضاد ثابت کر کے انکار حدیث کا فتنہ پیدا کر

رہے ہو' سنو' قرآن مجید میں ہے کہ: "انما حرم علیکم المیتہ" (اللہ تعالیٰ نے مردہ چیز تم پر حرام کر دی ہے) اور حدیث میں ہے: "مچھلی اور ٹکڑی (مردہ) حلال ہے۔

چنانچہ سب مسلمان انہیں کھاتے ہیں اور تمہارے مذہب میں بھی مچھلی اور ٹکڑی (مردہ) حلال ہے۔ بتاؤ! کہ تم نے قرآن کے خلاف اس حدیث کو کیوں قبول کیا ہے؟ کیوں حرام کھایا ہے؟ اس پر مولوی صاحب لاجواب ہو گئے۔ انہوں نے کتابیں اٹھائیں اور جلسہ منتشر ہو گیا۔

اسی طرح ایک مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لیے قرآن کی یہ آیت پڑھی: "انی متوفیک" (الآیہ) اور مرزا قادیانی کی طرح اس کی تفسیر کی۔ اس پر کسی اہل حدیث عالم نے احادیث نزول مسیحؑ پڑھ کر حیات مسیحؑ کو ثابت کیا۔ اس پر وہ مولوی صاحب کہنے لگے: "ایک طرف قرآن ہو اور دوسری طرف حدیث ہو تو تم قرآن کو مانو گے یا حدیث کو؟ اہل حدیث عالم نے جواب دیا: "ہم دونوں کو مانیں گے اور قرآن مجید کا معنی و مطلب وہ کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہو۔

بہرحال نام نہاد مولوی صاحب جو باطن میں مرزائی اور ظاہر میں مسلمان کہلاتے ہیں۔ اسی طرح کئی اور مولوی صاحبان قرآن و حدیث کو متضاد اور باہم مخالف ثابت کر کے احادیث نبویہ کا انکار کرتے ہیں جس سے عوام کالانعام احادیث نبویہ سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ بنابریں بندہ یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ یہ مسلک عین ضلالت اور گمراہی ہے۔ احادیث نبویہ صحیحہ ہرگز قرآن کے خلاف نہیں ہیں بلکہ وہ قرآن کا بیان اور اس کی شرح ہیں یا اس سے ایک زائد حکم کو بیان کرتی ہیں۔

قرآن اور حدیث دونوں واجب التعمیل ہیں ⇦ کیونکہ قرآن مجید میں جہاں یہ وارد ہے: "اطیعوا اللّٰہ" (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو) وہاں ساتھ ہی یہ حکم بھی وارد ہے: "واطیعوا الرسول" (اللہ کے رسول کی اطاعت کرو) اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اللہ کی اطاعت قرآن پر ایمان رکھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے پوری ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی آنجناب ﷺ کی احادیث پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ ہر ایک کا حکم اپنی جگہ پر ہوتا ہے اور ان

میں مخالفت بتلانا گمراہی ہے۔ مثلاً قرآن میں محرمات ابدیہ اور سببیہ کا ذکر کر کے پھر یہ فرما دیا: "واحل لکم ماوراء ذالکم" (کہ تمہارے لیے ان کے سوا سب عورتیں حلال ہیں) اور حدیث میں ہے کہ جس کی پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کو اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے اور اگر خالہ کسی عورت کی' کسی کے نکاح میں ہو تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے کہ ان دونوں قسم کی رشتہ دار عورتوں کو ایک نکاح میں جمع رکھنا حرام ہے۔ اب یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن کے بیان سے ایک زائد حکم' رسول اللہ ﷺ نے وحی خفی کی رو سے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں نماز قصر' خوف اعداء کے ساتھ مشروط ہے لیکن احادیث صحیحہ سے بغیر خوف کے سفر امن میں قصر کرنا ثابت ہے جس پر امت کا اجماع ہے' تو یہ احادیث قرآن کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اس سے زائد بیان ہے جو اپنی جگہ قابل عمل ہے۔ اسی طرح قرآن میں وارد ہے کہ نماز میں جس قدر آسان ہو تم قرآن پڑھو' اس کا اندازہ اور مقدار بیان نہیں کی لیکن احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ: "لاصلوٰۃ من لم یقرا بفاتحۃ الکتاب" (یعنی فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہ ہو گی) تو حدیث نے تیسر کی مقدار سورہ فاتحہ ذکر کر دی۔ چنانچہ حدیث مسئی صلوۃ میں بھی ماتیسر کی بجائے ام القرآن پڑھنے کی حدیث ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے تو یہ تعیین نبوی اہل الرائے کے قیاس سے بدرجہا بہتر ہے جو انہوں نے اصول الفقہ میں کیا ہے۔ بعض ایک طویل آیت بتلاتے ہیں۔ بعض تین آیات ذکر کرتے ہیں۔ بعض ایک آیت۔ یہ قیاس مردود ہے اور نبوی تعیین سورہ فاتحہ کے ساتھ صحیح ہے جس پر تمام امت کا عمل ہے۔

قرآن مجید میں ہے: "ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر پڑھنا فرض ہے) اور احادیث صحیحہ سے سفر میں دو نمازیں جمع کرنا ثابت ہے۔ جمع تقدیم اور تاخیر دونوں حدیث سے ثابت ہیں بلکہ مرض اور بارش میں بھی دو نمازیں جمع کرنا جائز ہیں۔

یہ احادیث ضرورت کے وقت اپنی اپنی جگہ قابل عمل ہیں اور قرآن سے زائد ایک حکم بیان کرتی ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے کہ فلاں فلاں عورتیں تم پر حرام ہیں اور ان کے سوا سب حلال ہیں۔ اور حدیث نبوی میں ہے کہ نکاح شغار سے جو

عورتیں نکاح میں آئیں یا متعہ سے یا حلالہ سے وہ بھی حرام ہیں تو یہ اپنی جگہ قابل عمل ہے۔

مقلدین اہل الرائے نمازوں کو جمع کرنے کی احادیث کے منکر ہیں مگر وہ یہ مانتے ہیں کہ حاجی لوگ جب عرفات سے واپس ہوں تو مغرب اور عشا جمع کر لیں اور مزدلفہ میں آکر پڑھیں اور جاتے ہوئے مسجد ابراہیم میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھ لیں۔ ان کے اصول کی رو سے یہ احادیث خلاف قرآن ہیں جن کو وہ مان رہے ہیں لیکن جمع قصر کے منکر ہیں۔ کیونکہ ان کا امام اس جمع کو تسلیم نہیں کرتا تو احادیث نبویہ کے مقابلے میں ایسی تقلید امام شرک فی الرسالت ہے۔

اسی طرح قرآن نے مردار اور خون کو حرام قرار دیا ہے لیکن حدیث میں ہے کہ ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں اور وہ مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون حلال ہیں ایک مچھلی اور دوسری تلی۔ یہ قرآن و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ قابل عمل ہیں اور اسلامی دنیا اس پر عمل درآمد کر رہی ہے۔

قرآن مجید میں حرام اشیاء کا ذکر آیا ہے اور باقی چیزیں کھانے والوں کے لیے حلال ظاہر ہوتی ہیں مگر احادیث میں کئی حرام جانوروں کا ذکر آیا ہے مثلاً ذی ناب اور ذی مخلب جو دانتوں اور پنجوں سے شکار کرتے ہیں' حدیث میں حرام بیان کئے گئے ہیں۔ تو حدیث اور قرآن کا بیان اپنی اپنی جگہ سب صحیح ہے۔

قرآن سے ربو یعنی بلا عوض بڑھوتری حرام ثابت ہے لیکن حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو قرض حسنہ دیا ہو اور مقروض اس کو رقم واپس دے کر کچھ زائد رقم اپنی خوشی سے دے دے تو وہ جائز ہے۔ یہ سب حکم اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔

قرآن سے والدین اور اقربین کے لیے مال کی بابت وصیت کرنا فرض لکھا ہے مگر حدیث میں آیا ہے کہ: "لا وصية لوارث" (کہ وارث کے لیے مال کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔) کیونکہ سب کے حصے ورثے میں مقرر ہو چکے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کر کے متوجہ رہو۔ مگر احادیث میں نفلی نماز سواری پر پڑھنا جائز ثابت ہے' خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو۔ اسی طرح ریل'

کشتی' جہاز بحری و بری میں نمازیں پڑھتے ہیں تو قبلہ کی طرف توجہ نہیں رہتی اور جو قبلہ کا پتہ نہ رکھتا ہو وہ کسی طرف بھی منہ کرکے نماز پڑھ لے تو درست ہے۔

یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر سب قابل عمل ہیں۔ اسی طرح اور امثلہ بھی کافی ہیں مگر بندہ اسی پر اکتفا کرتا ہے جو اہل درایت کے لیے کافی ہے۔ اگر انسان عناد' ضلالت اور عصبیت میں مبتلا ہو جائے تو پھر وہ قرآن کی آیات کو بھی باہم متعارض قرار دے کر ترک کر سکتا ہے۔ جس کی مثالیں بہت ہیں مگر اس وقت گنجائش نہیں ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

العبد العاجز عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد ۲۲' شمارہ ۱۵' ۱۴' ۱۴ و ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۶۹ء

منکرین حدیث کو تنبیہہ

جملہ اہل اسلام کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اسی طرح ایمان بالرسول واجب ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے اس کے احکام کی اطاعت فرض ہے اسی طرح اللہ کے رسول پر ایمان لانے سے رسول کی اطاعت فرض ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد جگہ اطیعو الرسول کا حکم وارد ہے یعنی لوگو! تم رسول کی اطاعت کرو اور آیت محمد رسول اللہ (ﷺ) سے ثابت ہوا کہ وہ رسول اللہ جن کی اطاعت کا ہم کو حکم ہوا ہے وہ محمد ہیں۔ بخاری شریف میں ایک واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ملائیکہ آئے درآں حالیکہ آپ نائم تھے' (سوئے ہوئے تھے) انہوں نے آپ کی آنکھوں کو نائمہ اور قلب اطہر کو یقظان (بیدار) قرار دے کر مثال بیان فرمائی کہ ایک مالک مکان نے مہمانی کا دستر خوان بچھایا ہے اور انہوں نے اپنی طرف سے ایک داعی کو بھیجا ہے کہ لوگوں کو دعوت دے اور اس گھر کی طرف کھانے کے لیے بلائے پس جنہوں نے اس داعی کی دعوت قبول کی اور اس کے پیچھے ہو لئے وہ تو اس گھر میں داخل ہو کر مہمان ہو جائیں گے اور اس دسترخوان سے قسما قسم کے کھانے میوے کھائیں گے اور جنہوں نے داعی کی دعوت نہ مانی اور اس کی اطاعت نہ کی وہ نہ اس گھر میں داخل ہو سکیں گے اور نہ ان کو وہ کھانے میسر ہوں گے' پھر انہوں نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور گھر سے مراد جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والے محمد ﷺ ہیں' "فمن اطاع محمد افقد اطاع اللّٰه ومن عصى محمدا فقد عصى اللّٰه ومحمد فرق بين الناس" (یعنی جن لوگوں نے محمد ﷺ کی اطاعت کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جنہوں نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان ایک فارق ہیں) جن کے ذریعہ مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے کہ جو آپ کا مطیع ہے وہ مسلمان اور جنتی ہے اور جو آپ کا نافرمان ہے وہ کافر اور دوزخی ہے۔ قرآن میں بھی ہے کہ "من يطع الرسول فقد اطاع اللّٰه" (یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں منحصر کر دیا ہے اور قرآن میں اسی کو ہدایت نامہ قرار دیا گیا ہے "وان تطیعوہ تھتدوا" (یعنی اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو یقیناً ہدایت پاؤ گے اور آپ کی اتباع سے خدا کی محبت اور گناہوں کی مغفرت بھی یقینی ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ وارد ہے "فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم" (یعنی لوگو! اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباع کرو' تب تمہیں اللہ محبوب بنائے گا اور تمہارے سب گناہ بخش دے گا اور اگر تم نے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کی تو پھر تم پر کوئی فتنہ اور عذاب دردناک نازل ہو گا۔) چنانچہ ارشاد ہے: "فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنتہ او یصیبھم عذاب الیم" (اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو خدا تعالیٰ کے غضب و عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے یا تو وہ انہیں اس دنیا میں کسی نہ کسی آزمائش اور تکلیف میں مبتلا کر دے یا قیامت کو دردناک عذاب کرے۔ چنانچہ دونوں قسم کے عذاب دستور الٰہی میں داخل ہیں۔ قرآن میں ہے: "ولنذیقنھم من العذاب الادنٰی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون" (یعنی ہم ان نافرمانوں کو دنیا میں ادنیٰ درجہ کا عذاب کرتے ہیں قیامت کے دن بڑے عذاب سے پہلے پہلے تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں۔) چنانچہ حدود الٰہیہ اور آسمانی و زمینی حوادث اور بری و بحری واقعات جو انسانوں کے لیے مصائب بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور جسموں میں ناگہانی بیماریاں اور عالمگیر وبائیں آتی ہیں یہ سب شامت اعمال ہیں' "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر" (یعنی جو تم پر مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں) سابقہ اقوام پر جو مصائب اور تباہ کن عذاب آئے وہ رسولوں کی نافرمانی کی وجہ سے تھے۔ ارشاد ہے "فعصٰی فرعون الرسول فاخذناہ اخذ اوبیلا" (یعنی فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی تو اس کو ہم نے سخت عذاب سے پکڑ لیا) دوسری جگہ ہے "فعصو رسل ربھم فاخذھم" (یعنی انہوں نے خدا کے رسول کی نافرمانی کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا) مشکوۃ شریف میں بروایت صحیح مسلم یہ حدیث سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا' آپ نے اس کو فرمایا

"کل بیمینک" (یعنی دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا کھاؤ) اس شخص نے کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکتا (حالانکہ وہ کھا سکتا تھا) آپ نے فرمایا خدا نے چاہا تو تو نہیں کھا سکے گا۔ چونکہ اس نے کبر کی بنا پر یہ کلمہ کہا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو منہ کی طرف جانے سے روک دیا پھر وہ اپنے ہاتھ کو منہ کی طرف نہ لے جا سکا۔ اسی طرح مشکوۃ باب فی المعجزات میں یہ روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کا کاتب دفتر تھا وہ آنجناب ﷺ کا نافرمان ہو کر مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا' نبی کریم ﷺ کو رنج ہوا تو آپ نے ناراض ہو کر یہ فرمایا: "ان الارض لا تقبله" (کہ خدا کرے اس کو زمین قبول نہ کرے' پھر وہ مر گیا تو چند لوگوں نے اس کے دفن کرنے کی کوشش کی مگر وہ دفن نہ ہو سکا۔ زمین اس کو نکال کر باہر پھینک دیتی تھی۔ لوگوں نے کہا "دفناه مرارا فلم تقبله الارض" (بخاری و مسلم) (یعنی ہم اس کو کئی بار قبر میں دفن کر چکے ہیں' زمین اس کو قبول نہیں کرتی) "فوجدوه منبوذا" (پس اس کی نعش باہر ہی خراب ہوتی رہی) گدھ' کتے کھاتے رہے زمین نے اس کو اپنے اندر نہیں رکھا' یہ عذاب شامت اعمال تھا۔

مشکوۃ میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مایخشی الذی یرفع راسه قبل الامام ان یحول الله راسه راس حمار" (متفق علیه) (یعنی جو شخص رکوع' سجود وغیرہ میں امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر کی طرح کر دے) یہ حدیث مطلق ہے کہ دنیا میں اللہ کر دے یا قبر میں یا قیامت کو محشر میں' جبکہ اس حرکت شنیعہ سے باز نہ آئے تب اندیشہ ہے کہ اس کا سر گدھے کا بن جائے۔

مشکوۃ کے حاشیہ میں اس حدیث پر یہ واقعہ لکھا ہے کہ بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی دمشق میں کسی مشہور عالم سے حدیث کا علم حاصل کرنے گیا اور وہاں پڑھتا رہا لیکن اس شیخ الحدیث نے ہمیشہ اپنے سرچہرہ پر پردہ ڈالے رکھا جب عرصہ گزر گیا اور اس نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو پھر اس نے پردہ دور کر کے یہ واقع بیان کیا کہ میں یہ حدیث جس میں امام پر سبقت کرنے سے گدھے کا سر ہو جانے کا خوف دلایا گیا ہے' پڑھ کر اس کے وقوع کو مستبعد تصور کرتا تھا اور اس حدیث کے خلاف

عمل کرتا تھا یعنی جماعت میں امام سے سبقت کر جاتا تھا اور اس حکم کو صحیح نہ سمجھتا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے میرا منہ و سر گدھے کا کر دیا ہے جو یہ تیرے سامنے ہے۔ اب میری یہ نصیحت ہے کہ اس حدیث پر یقین رکھیو اور کبھی امام پر سبقت نہ کیجیو۔" اعاذنا اللہ منہا۔

ایک اور واقعہ سنئے! حدیث میں آتا ہے کہ "من سلک طریقا یبتغی فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ وان الملائکہ لتضع اجنتحھا رضا لطالب العلم" (یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کی نیت سے کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے اس کے لیے راستہ پر اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔ سنن اور مسانید کی روایت یہ ہے کہ صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا طالب العلم کے لیے مبارک' مرحبا۔ میں تم کو بشارت سناتا ہوں کہ طالب العلم کو رحمت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ان کی محبت کا اظہار ہے جو بسبب طلب کرنے علم کے ہے۔ وثقہ ابن القیم وقال الحاکم اسنادہ صحیح' کذا فی المرقاۃ۔

اب بعض لوگ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد پروں کے بچھانے سے تواضع اور اظہار محبت ہے اور علم کی توقیر ظاہر کرنا ہے' جیسے قرآن میں حکم ہے کہ والدین کے سامنے بازو ذلت کا شفقت سے جھکا' یعنی ان کی خدمت کر۔ بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ وہ پرواز سے رک جاتے ہیں اور ذکر کے لیے نیچے اترتے ہیں اور اس طالب العلم کا احاطہ کر لیتے ہیں اور بعض علما نے اس کو حقیقت پر محمول کیا اور کہا کہ ہم مشاہدہ تو نہیں کر سکتے فی الواقع فرشتے پروں کو راستہ میں بچھاتے ہیں' بعض نے معونت مراد لی' بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ جس طرف کوئی جا رہا ہو اس طرف کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور وہ آرام سے منزل پر پہنچ جاتا ہے اور معتزلہ نے اس حدیث کا مذاق اڑایا اور تکذیب کی۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی ج۔۳' ص۔۳۸۱ میں اس حدیث کے مقاصد پر بحث کرتے ہوئے یہ واقعہ لکھا ہے کہ احمد بن شعیب نے بیان کیا

کہ ہم بعض محدثین کے پاس بیٹھے تھے' انہوں نے حدیث اجنحہ بیان کی تو مجلس میں ایک شخص معتزلہ خیال کا بیٹھا تھا وہ اس حدیث پر مذاق کرنے لگا اور یہ کہنے لگا کہ بخدا میں کل جوتیاں پہن کر علم پڑھنے چلوں گا اور فرشتوں کے پروں کو پامال کروں گا۔ چنانچہ دوسرے دن اس نے جوتیاں پہن کر ایسا ہی کیا تو اس کے دونوں پاؤں شل ہو کر خشک ہو گئے اور ان میں خارش پیدا ہو گئی۔

ایک اور واقعہ ۔تحفتہ الاحوذی میں علامہ ابن القیم سے نقل کیا ہے کہ امام طبرانی نے کہا میں نے ابن یحییٰ ساجی سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم بصرہ کے ایک تنگ راستہ پر بعض محدثین کے پاس علم حدیث حاصل کرنے کے لیے جا رہے تھے اور ہم نے رفتار تیز کر دی' ہمارے ساتھ ایک بے دین اور بے شرم مخول باز تھا وہ کہنے لگا "ارفعو ارجلکم عن اجنحة الملائكة لاتكروها كالمستهذى بالحديث" (یعنی تم اپنے قدموں کو فرشتوں کے پروں پر سے اٹھا کر چلو اور ان کے بازو نہ توڑو) وہ طنزاً حدیث سے مخول کرتا ہوا ایسی بکواس کرتا تھا۔ قدرت کا تماشہ یہ ہوا کہ وہیں دھڑام سے زمین پر گر گیا اور اس کے دونوں پاؤں شل ہو کر بیکار ہو گئے اور وہ اسی جگہ پڑا رہا۔ ان واقعات سے یہ ظاہر ہوا کہ حدیث نبوی سے انکار کرنا اور اس کی تکذیب کرنا اور اس سے استہزا کرنا کفر ہے اور موجب عتاب و قہر الٰہی ہے۔

حررہ بندہ عبدالقادر عارف حصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۷' شمارہ ۴۳' ۴۴' مورخہ ۱۶ر نومبر و ۲۴ر نومبر سنہ ۱۹۵۵ء

اہلحدیث نام کیوں رکھا گیا؟

حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے؟

سوال مکرمی جناب مولانا الحاج مولوی عبدالستار صاحب' کراچی۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ـــــــــ امسال بریلویوں کی جامعہ مسجد حنفیہ میں سالانہ سیرت کانفرنس کے موقعہ پر مولوی احمد یار گجراتی نے دوران تقریر میں تمام اہل حدیثوں کو یوں چیلنج کیا ہے کہ اہلحدیث کہلوانا ناجائز اور بدعت ہے۔ میں نے ان کے اس چیلنج کی تصدیق کے لیے انہیں ایک خط لکھا تاکہ تصدیق ہو جانے پر انہیں جواب دیا جائے۔ مولوی احمد یار خاں گجراتی صاحب نے میرے خط کے جواب میں مندرجہ ذیل تحریر کیا ہے جو کہ لفظ بلفظ نقل کر کے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ خود اس کا جواب صحیفہ اہلحدیث میں شائع فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ اہلحدیث حضرات مستفید ہو سکیں۔ جس پرچہ میں جواب شائع کریں اس کا ایک پرچہ مولوی صاحب کو بھی بھیج دیں' قیمت میں ادا کر دوں گا۔

نقل چٹھی مولوی صاحب گجراتی

"از طرف مفتی احمد یار خاں مالک نعیمی کتب خانہ گجرات (پاکستان)

مہربان من! سلام مسنون' آپ کا خط ملا' مجھے تعجب ہے کہ میں چار سال سے اہلحدیث حضرات سے مطالبے کر رہا ہوں اور آج تک آپ میرے مطالبوں سے بے خبر رہے۔ خیر خوش ہوں کہ میری امید پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مطالبے ملاحظہ ہوں:

(۱) آپ حضرات نے اپنا لقب بجائے اہل سنت کے اہل حدیث کیوں اختیار فرمایا اور کیا آپ ساری احادیث پر عامل ہیں؟ (۲) حدیث کسے کہتے ہیں اور سنت کسے؟ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور چاروں نسبتوں میں سے کون سی نسبت ہے؟ (۳) حضور ﷺ نے یہ کیوں فرمایا علیکم بسنتی یہ نہ فرمایا علیکم بحدیثی اس میں کیا راز ہے؟

مگر جو جواب دیں وہ حدیث صریح صحیح سے دیں' اپنی رائے اور ایچ پیچ کو دخل نہ دیں اور از کراچی تا پشاور تمام اکابر اہلحدیث سے مشورہ کر لیں۔ ہم کو بہت خوشی ہو گی' اگر آپ نے صحیح جواب صحیح حدیث کے ماتحت دیا۔ ہم اسے اپنی کسی تصنیف میں شائع بھی کر دیں گے' انشاء اللہ۔ (دستخط احمد یار خاں مورخہ ۲-۱۱-۵۷)

فقط والسلام: المرسل ابوسلطان عبدالحمید لدھیانوی' راولپنڈی

جواب (۱) اسلام ایک ہے' اس پر قائم رہنے والوں کو مسلم اور مسلمان کہتے ہیں۔ جیسے قرآن سورہ حج میں ہے **ھو سمٰکم المسلمین** جب اللہ نے مسلمان نام رکھا تو تم نے اہل سنت نام کیوں رکھا ہے؟ جو اس کا جواب ہو گا وہی ہمارا جواب ہے۔ یہ تو الزامی جواب ہے۔ اب تحقیقی جواب سنئے کہ جب مسلمانوں میں فرقہ بندی شروع ہوئی تو جس کا جو طرز عمل ہوا وہی اس کا نام پڑ گیا۔ مثلاً جب رافضی اور خارجی فرقے ظاہر ہوئے تو جو لوگ طریقہ نبوی اور صحابہ پر قائم رہے اور وہ رافضی اور خارجی نہ ہوئے تو ان کا نام اہل سنت والجماعۃ پڑ گیا یعنی طریقہ رسول اور طریقہ صحابہ والے لوگ جو رسول اللہ اور صحابہ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نام کسی حدیث میں نہیں آیا مگر طرز عمل ہونے پر دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں پڑ گیا جس طرح قرآن نازل ہونے پر مسلمان اہل قرآن ہوئے جیسے حدیث میں ہے **اوتروا یااھل القرآن** وتر پڑھو اے اہل قرآن! اس طرح یہود کو قرآن میں "اہل تورات" اور نصاریٰ کو "اہل الانجیل" پکارا گیا کہ ان کا تعلق اور مذہب ان کتابوں پر تھا۔ جس طرح ان کے مقابلہ میں اہل قرآن کا قرآن پر تھا حالانکہ وہ مسلمان' یہود' نصاریٰ کے نام سے قرآن نازل ہونے سے پہلے نامزد تھے۔

اس سے یہ اصول ثابت ہوا کہ جن لوگوں کا تعلق کسی چیز کے ساتھ ہو گا' اس کی طرف طرز عمل کے لحاظ سے نسبت کرنی جائز ہو گی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے اور پھر وہ عالم ہو کر امام ہوئے تو ان کے فتوے اور مسائل ملک میں پھیلے پھر جو لوگ ان کے اقوال پر اور ان کی رائے پر عمل کرنے لگے تو ان کو حنفی اور اہل رائے کے نام سے پکارا گیا۔ اسی طرح امام شافعی کے مقلدوں کو شافعی اور امام مالک کے مقلدوں کو مالکی اور امام احمد بن حنبل کے مقلدوں کو حنبلی کہا گیا۔ حالانکہ یہ نام کسی حدیث میں

نہیں اور سائل ان کو جائز جانتا ہے کیونکہ ان ناموں سے ان کا طرز عمل ظاہر ہے تو بس جن لوگوں نے ان اماموں کے اقوال لے کر تقلید نہ کی اور صرف علم حدیث سے تعلق پیدا کر کے نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال و تقریر کو معمول بہا بنایا جس کو حدیث کہتے ہیں تو ان کا نام اہل حدیث ہوا۔

ہم اہل سنت بھی ہیں۔ یہ نام ہمارا رافضی خارجی فرقوں کے مقابلہ میں ہے۔ ہم اہلحدیث بھی ہیں۔ یہ نام ہمارا حنفی' شافعی' حنبلی جو مقلدین ہیں اور اماموں کے اقوال کو لے کر عمل کرتے ہیں' ان کے مقابلہ میں ہے۔ اگر حنفی شافعی کہلانا جائز ہے کہ ان کے طرز عمل کا نام ہے تو اہل حدیث کہلانا بھی جائز ہے کہ یہ ہمارے طرز عمل کا نام ہے۔ عرب و عجم کے احناف مل کر قرآن یا کسی حدیث سے حنفی شافعی نام نہیں دکھا سکتے ہیں لیکن ہم یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ امام خطیب بغدادی جزو شرف اصحاب الحدیث میں یہ حدیث اپنی سند سے لائے ہیں کہ **عن ابی سعید الخدری انه کان اذا رای الشبان قال مرحبا بوصیة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امرنا ان نوسع لکم فی المجلس فانکم خلوفنا واهل الحدیث بعدنا** یعنی "ابوسعید خدری ؓ صحابی رسول ﷺ جب حدیث کے طالب العلموں کو دیکھتے تو خوش آمدید فرماتے اور کہتے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے کہ ہم تمہارے لیے مجلس میں کشادگی کریں' تم ہمارے خلیفہ ہو اور اہلحدیث ہمارے بعد ہو۔

اسی طرح اور بھی بہت دلائل ہیں۔ شرف اصحاب الحدیث دیکھو۔ اب سائل کو چاہیے کہ اپنے اہل سنت اور حنفی کہلانے کا ثبوت کسی حدیث نبوی یا اقوال صحابہ میں دکھائے۔

(۴) حدیث اور سنت کا مطلب اور محاورہ ان ناموں میں سے ایک ہی ہے۔ اہل سنت کا مطلب نبی کے طریقہ والے اور اہلحدیث کا مطلب نبی کی حدیث والے۔ نبی کا طریقہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو بات ایک ہی ہے۔ ہاں لغوی معنی میں فرق ہے کہ نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے باقی مذہبی محاورہ میں نسبت تساوی ہے۔ اس لیے پیر جیلانی ؒ نے جن کو احمد یار اللہ کے درجہ میں سمجھتا ہے' اہل سنت کو اہلحدیث لکھتے ہیں کہ دونوں نام ایک ہی گروہ کے ہیں کہ مطلب ایک ہے۔

(۴) جس حدیث میں علیکم بسنتی فرمایا ہے' اس سے مراد حدیث ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی "میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔" اب اگر سنت کا معنی حدیث نہ کرو گے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا غلط ہو گا جس سے مذہب حنفی تمام غلط ہو جائے گا۔

احادیث میں سنت سے مراد حدیث ہے' جس سے طریقہ نبی کا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حدیث نہ لو گے تو نبی کا طریقہ یعنی سنت کہاں سے ثابت کرو گے؟ سنت قول و فعل نبوی کو کہتے ہیں اور قول و فعل نبوی احادیث میں ہے تو حدیث اور سنت محاورہ میں مترادف ہیں۔ ہم نے تو ثبوت دے دیا ہے۔ اب تم اس طرح حنفی کہلانا ثابت کرو مگر قیامت تک ثابت نہ کرو گے' انشاء اللہ۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری' الجواب صحیح ابومحمد عبدالستار دہلوی

فتاوی ستاریہ ص-۲۱' جلد چہارم

اطاعت غیر

واضح ہو کہ اس راقم الحروف عارف حصاری نے ایک کتاب بنام "کتاب الکبائر" تالیف کی ہے جو بفضل اللہ تعالیٰ مقبول عام و خاص ہے۔ اس میں کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا مختلف بیانوں میں نمبروار اندراج ہے۔ چنانچہ ۴۳ بیان ان گناہوں کے متعلق ہیں جن پر کتاب و سنت میں شرک کا اطلاق آیا ہے۔ منجملہ ان کے ص۔۴۲ پر ایک گناہ درج ہے۔ جس کی تقلید اور اطاعت شرک ہے' پھر ثبوت اس کا دلائل مندرجہ ذیل سے پیش کیا گیا ہے جن کو کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔
قرآن مجید پارہ۔۸ کے پہلے رکوع میں ہے: **وان اطعتموهم انكم لمشركون** یعنی اگر تم نے (خدا اور رسول کے مقابلہ میں) ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو۔

موضح القرآن میں اس آیت پر یہ لکھا ہے کہ یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے بلکہ شرک حکم میں بھی ہے کہ اور کا مطیع ہو جائے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ **ان الحكم الا لله** یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی کا حکم شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **ولا يشرك في حكمه احدا** یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ مرسلین اور انبیاء کی اطاعت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ مبلغ احکام الٰہی ہیں جو صرف وحی الٰہی پہنچاتے ہیں۔ ان کی اطاعت باذن الٰہی ہے۔ وحی دو قسم کی ہے' جلی اور خفی۔ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔ پس قرآن و حدیث کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے' اسی واسطے قرآن میں ہے: **من يطع الرسول فقد اطاع الله** یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اللہ کا رسول معصوم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی اس پر نگرانی ہوتی ہے۔ وحی (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعہ اس پر احکام نازل ہوتے ہیں۔ باقی سب کے قول و فعل میں غلطی ہو سکتی ہے' اس لیے کہ ان کے پاس وحی نہیں آتی۔ بدیں وجہ کسی غیر کی اطاعت اور اس کا مذہب بنانا جائز نہیں رکھا گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جن کو بعض الناس حنبلی مذہب کی طرف نسبت

کرتے ہیں' اپنے فتاویٰ ج-۲' ص-۳۸۷ میں یہ فرماتے ہیں: ولا یجب علی احد من المسلمین التزام مذھب شخص معین غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی کل مایوجبہ ویخبر بہ کل من الناس یؤخذ من قولہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کسی مسلمان پر سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی غیر رسول کا مذہب لازم کر لینا شرعاً واجب نہیں ہے کہ وہ قبول کر لیا جائے بلکہ ہر شخص کی بات پکڑی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی بھی بات جو سند و ثبوت سے مل جائے چھوڑی نہیں جائے گی۔ ہاں جو امام اور عالم کسی مسئلہ اور حکم پر قرآن و حدیث پیش کرے تو اس کی بات بالدلیل کو ماننا عین خدا و رسول کی اطاعت ہے۔ اگر کسی امام اور عالم کی بات کتاب و سنت کے دلائل سے مدلل نہ ہو یا وہ اپنے گمان و خیال سے اپنی بات اور مسئلہ پر دلیل بیان کرے لیکن دیگر علماء کی تصریح و تشریح سے اس کا خیال غلط ثابت ہو جائے تو دلیل شرعی کی اتباع ہو گی اور اس امام اور عالم کا قول و فعل متروک ہو گا۔ پس جو لوگ رسم و رواج میں اپنے اباء و اجداد کی اور اپنے مقرر کردہ مذہبوں میں اماموں' مرشدوں اور پیروں کی تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اقوال و افعال خلاف دلائل قرآن و حدیث کے ہیں تو یہ شرک ہے۔ جس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنے عالموں اور صوفیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنا لیا ہے۔ ان کی بات اس طرح مانتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی مانی جاتی ہے۔ اسی طرح آیت اور حدیث نبوی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی خواہش کو ماننا اور ضد کرنا بھی شرک ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے "ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے۔

حدیث کے مقابلہ میں صحابہؓ کا قول ماننا بھی گمراہی ہے ⇦ شرح معانی الاثار طحاوی ج-۱' ص-۳۹۸ میں ہے کہ عروہ نے حضرت ابن عباس ؓ سے کہا اے ابن عباس! آپ نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ ابن عباس ؓ نے فرمایا کیسے؟ عروہ نے کہا کہ آپ نے لوگوں کو فتویٰ دیا ہے کہ جب حاجی بیت اللہ کا طواف کر لیں تو احرام سے فارغ ہو جائیں حالانکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دسویں تاریخ تک احرام باندھے

رہتے تھے اور لبیک بدستور پکارا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عروہ کو فرمایا "بھذا ضللتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثونی عن ابی بکر و عمر" یعنی تم خود بوجہ اس بات کے گمراہ ہو گئے کہ میں تم کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کر رہا ہوں اور تم اس کے مقابلہ میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بات پیش کرتے ہو۔"

منتقی میں ہے کہ مروان بن حکم نے کہا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ وقت) نے حج تمتع اور حج قران سے منع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کا احرام باندھ کر لبیک پکارا اور یہ فرمایا۔ "ما کنت لادع سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقول احد" رواہ البخاری' یعنی میں کسی کے قول کے مقابلہ میں سنت نبوی کو نہیں چھوڑوں گا۔ کتاب الاعتبار حازمی ص-۲۹ میں امام ابن منذر سے منقول ہے واذا ثبتت السنة استغنی بھا عن کل قول یعنی جب سنت صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو وہ ہر شخص کے قول سے بے پرواہ کر دیتی ہے کہ آج اپنے امیروں' پیروں' اماموں' مرشدوں' قوموں' برادریوں' حاکموں کے اقوال و افعال کے مقابلہ میں احادیث و سنن نبویہ کو چھوڑا جا رہا ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو خلیفہ راشد ہیں وہ ایک حکم جاری کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جن پر تقیہ کا الزام لگایا جاتا ہے' اس کے لیے فرماتے ہیں کہ سنت نبوی کو ان کے قول کے مقابلہ میں ہرگز چھوڑا نہیں سکتا۔ اس لیے کسی عربی شاعر نے یہ خوب کہا ہے ؎

فاھرب عن التقلید انھا ضلالة
ان المقلد فی سبیل الھالک

یعنی تم تقلید سے بھاگو کیونکہ یہ سراسر گمراہی ہے اور یقیناً مقلد ہلاکت کے راستہ پر جا رہا ہے۔ کتاب الاعتبار ص-۱۵۱ میں امام شافعی سے منقول ہے لایحل عندی خلاف ماثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے اس کے خلاف چلنا جائز نہیں ہے۔

اہل رائے کے حق میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ⇦ اہل رائے احادیث نبویہ سے ناواقف تھے' اس لیے وہ رائے سے کام چلاتے رہے اور ان کے مقلدین ان کے

اقوال کی تقلید کرتے رہے جو سراسر گمراہی تھی۔ یہ طریقہ عہد صحابہ سے جاری ہو گیا تھا جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے ظاہر ہوا اور دار قطنی ج۔۲' ص۔۴۸۶ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا "ایاکم واصحاب الرای فانهم اعداء السنن اعیتهم الاحادیث ان یحفظوها فقالوا بالرای فضلوا واضلوا" یعنی تم اہل رائے کے اقوال اور فتووں سے بچو کیونکہ وہ احادیث کے دشمن ہیں (کہ حیلوں' بہانوں اور بیجا تاویلوں سے ان کو چھوڑتے ہیں) ان کو احادیث کے حفظ کرنے کے کام نے تھکا دیا ہے' اس لیے وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں جس سے وہ خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ نیز اعلام الموقعین (ج۔۱' ص۔۹۱'۲۰) میں حضرت فاروق اعظم کا فرمان ہے:

> "قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ السنة ما سنه اللہ ورسوله ولا تجعلوا خطاء الرای سنة للامته" یعنی سنت وہ کام ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کیا ہے تم کسی کی رائے کو امت محمدیہ کے لیے سنت نہ بناؤ۔"

امام وکیع رحمہ اللہ کا فیصلہ ⇦ ترمذی میں ہے امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا "لاتنظروا الی قول اهل الرای فی هذا فان الاشعار سنة وقولهم بدعة" یعنی اہل رائے کے قول کو اس مسئلہ میں مت دیکھو کہ اشعار کرنا ھدی کا سنت ہے اور ان کا قول بدعت ہے۔ ایک شخص نے ابراہیم نخعی (اہل رائے) کا قول پیش کیا کہ وہ اشعار ھدی کو مثلہ قرار دیتے ہیں۔ اس پر امام وکیع رحمہ اللہ سخت غصے ہوئے اور فرمایا کہ میں تم کو حدیث رسول اللہ سنانا چاہتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم یہ کہتا ہے۔ لائق یہ ہے کہ تم کو قید کیا جائے اور جب تک توبہ نہ کرے تجھے جیل سے نہ نکالا جائے۔ اب بھی جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول پیش کرے اس کی یہی سزا ہونی چاہیے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا غضب ⇦ حدیث میں ہے' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حیا میں خیر ہی خیر ہے۔ بشیر بن کعب نے کہا کہ علم حکمت میں یہ لکھا ہے کہ حیا سے وقار اور سکینہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ سن کر عمران رضی اللہ عنہ

اتنے غصہ میں آئے کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور یہ فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو مجھے اپنے صحیفہ کی فقہ سناتا ہے۔ اس حدیث پر دراسات اللبیب تحتی خورد کے ص۔۰۷ میں علامہ محمد معین سندھی حنفی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں اس حدیث سے ان مقلدین کی شناعت ظاہر ہوتی کہ جو حدیث سن کر یہ کہتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے خلاف ہے یا اس کے مقابلہ میں کسی کا قول مخالف نقل کرتے ہیں خصوصا وہ شخص مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ حدیث فقہ حنفی کے خلاف ہے' ہم تو فقہ پر عمل کریں گے اس حدیث پر نہیں۔ پس اہل حدیث اسی بناء پر مقلدین مذاہب اربعہ سے علیحدہ رہے اور اب بھی ہیں اور یہ کتب حدیث اور احادیث نبویہ کی حفاظت رکھتے ہیں۔ ان پر عامل ہیں اور کتب فقہ مروجہ سے سروکار نہیں رکھتے کہ وہ خلاف حدیث ہیں۔ کتاب الکفایہ امام خطیب بغدادی کے ص۔۵ میں ہے "ولولا عناية اصحاب الحديث بضبط السنن وجمعها واستننباطها من ساد نها والنظر فى طرقها بطلت الشريعته وتعطلت احكامها اذ كانت مستخرجة من الآثار المحفوظة ومستفادة من السنن المنقولة" یعنی اگر اہلحدیث کی مہربانی اور یہ احسان نہ ہوتا کہ انہوں نے احادیث کو یاد اور جمع کیا اور ان سے مسائل کا استخراج کیا اور احادیث کے تمام طریقوں پر نظر کی تو شریعت باطل ہو جاتی اور احکام بیکار ہو جاتے کیونکہ سب احکام اور مسائل احادیث سے نکالے گئے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت الٰہی کتاب و سنت میں ہے جو وحی الٰہی ہے جس کی اتباع تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اندھی تقلید کتاب و سنت سے ثابت نہیں بلکہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں کسی کا قول و فعل مان لینا اور اسے حجت ٹھہرانا شرک ہے جس سے بچنا واجب ہے' والسلام۔

عبدالقادر عارف حصاری غفرلہ الباری۔

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۴۳' شمارہ۔۷' بمطابق یکم ربیع الثانی سنہ۔۱۳۸۲ھ

کیا غیر نبی "اسوہ حسنہ" بن سکتا ہے؟

ایک سوال —— اور اس کا جواب

(سوال) کیا حکم ہے شریعت محمدیہ کا دریں مسئلہ کہ کسی بزرگ' شخص' پیر اور عالم اور امام کے مرید اور شاگرد اور معتقد یہ کہیں کہ ہر دینی کام میں اپنے پیشوا کا اسوہ حسنہ' نمونہ عمل قائم رکھو اور اس کی تقلید اور اتباع کرتے رہو پھر اسی طرح وہ تقلید اور پیروی کریں اور اپنے امام شیخ کے اقوال و اعمال کو نمونہ اپنے عمل کا بنائیں اور اپنے عالم شیخ کے ڈھنگ اور چال اور دینی حال کا نام اسوہ حسنہ اور سنت رکھیں تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب دیں۔

(جواب) شرعی اصطلاح اور دینی امور کے محاورہ کی رو سے یہ کہنا اور کرنا جائز نہیں ہے' اس کا مال اس کی تقلید شخصی کی طرف راجع ہے جو گمراہ فرقوں میں پیدا ہو کر موجب تفرقہ و فرقہ بندی کی ہوئی۔ اس کی بناء پر یہاں تک غلو کیا گیا کہ جو شخص اپنے امام کا مقلد اور پیر شیخ کا مرید ہو وہ کہنے لگا ؎

نال شراب دے رنگ مصلی جے مرشد فرماوے
کیونکہ واقف کار قدیمی غلطی کدی نہ کھاوے

ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ" یعنی ان اہل کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب ٹھہرا لیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام رازی تفسیر کبیر میں یہ فرماتے ہیں۔ "لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا فیھم انھم الھة العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم نقل عن عدی بن حاتم الحدیث" یعنی اس آیت میں اہل کتاب کے اپنے عالموں' بزرگوں کو رب بنانے کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان کو تمام جہان کے معبود اعتقاد رکھتے تھے بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام واجب الاتباع ہیں' اسی طرح یہود نصاریٰ اپنے عالموں اور پیروں کے احکام و نواہی کو واجب الاطاعت جان کر ان پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث عدی

بن حاتم ﷺ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے جو ترمذی وغیرہ میں ہے۔ اس کو علماء شرک قرار دیتے ہیں جس پر کسی عارف کا یہ شعر صادق ہے ؎

عبادت بہ تقلید گمراہی است
خنک راہ رو سے را کہ آگاہی است

اس بناء پر حنفی، شافعی وغیرہ مذہبی نسبتیں جاری ہوئیں اور ہر مذہب کے مقلدین اپنے اپنے اماموں کے اقوال وافعال کو اسوہ حسنہ بنا کر اس کی تقلید کرنے لگے اور پیروں کی طرف طریقت کی نسبتیں نقش بندی، قادری، مجددی، سہروردی، چشتی، نوشاہی وغیرہ مشہور ہو گئیں اور شریعت اور طریقت مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئی جو اس آیت کی صریح خلاف ورزی ہے "واعتصموا بحبل اللّٰه جميعا ولا تفرقوا" یعنی اے مسلمانو! تم سب متفق ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن و اسلام کو مضبوط پکڑ لو اور تم فرقہ فرقہ نہ بنو۔

ہر نبی کی امت کو یہ حکم ہوا "ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه" کہ تم دین کو متفق ہو کر قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔

رافضی، خارجی، مرزائی، قادیانی، لاہوری، حنفی، قادری، حنفی سہروردی، حنفی مجددی، حنفی نقش بندی وغیرہ فرقوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کے اقوال و افعال کو اسوہ حسنہ قرار دے کر اس کو معمول بہا سمجھ لیا اور یہ عقیدہ کیا کہ ان کے اقوال و افعال بھی مثل احکام الٰہی منزل من السماء ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی جو دیوبندی حنفیت کے سربراہ تھے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں تقلید پلید حبل فی الجید کے ثبوت میں یہ لکھتے ہیں: کتاب اللہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور استنباطات مجتہدین علیہ الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ (الی قولہ) جو کچھ مجتہدن استنباط فرمایا وہ عین حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (ص۔ ۲۳)

اسی عقیدہ کی بناء پر علماء دیوبند اور ان کی درس گاہیں اپنے اپنے بزرگوں کے ناموں سے منسوب ہیں۔ رشیدی، محمودی، اشرفی وغیرہ، مدرسہ رشیدیہ وغیرہ۔ پھر ان بزرگوں کی سوانح حیات اور ان کی کرامات میں کتابیں لکھ کر لوگوں کو اس عقیدت پر جمایا ہے کہ ان کو اسوہ حسنہ بنا کر ان کی تقلید کرو کہ یہ غلطی نہیں کرتے۔ ان کے

اقوال و افعال عین صواب ہیں۔

چنانچہ دیوبندی کتاب حکایات اولیاء جس میں دیوبندی اولیاء کی کرامات کا ذکر ہے' اس کے صفحہ۔۳۰۸ میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی ایک کرامت بیان کی گئی ہے جو اس مصرعہ کی مصداق ہے: "گربہ شاشید و گفت ولی باراں شد" اس میں گنگوہی ولی کا یہ بیان ہے کہ:

حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔اھ۔ اور ص۔۳۰۴ میں مولانا گنگوہی کے ایک خواب کا ذکر ہے کہ آنحضور ﷺ نے سو مسائل میں میرا امتحان لے کر تصویب فرمائی۔ اس روز سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہوں گے تو ان شاء اللہ حق میری جانب ہو گا۔"

جب ان لوگوں کی یہ عقیدت ہے تو پھر یہ ان کے اعمال کو اسوہ حسنہ کیوں نہ بنائیں گے لیکن موحدین اہل حدیث کی یہ عقیدت نہیں ہے وہ سوائے آنحضور ﷺ یا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی غیر معصوم کو اپنا اسوہ حسنہ قرار نہیں دیتے کہ ان کا اسوہ حسنہ ہونا منصوص علیہ ہے۔ اسی طرح ہر نبی اپنی امت کا اسوہ حسنہ تھا کیونکہ ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی ہوتی ہے اور اس کے اقوال و افعال وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں۔ برخلاف انبیاء کے دیگر علماء و صلحاء کے اقوال و افعال بوجہ غیر معصوم ہونے کے امت کے لیے اسوہ حسنہ نہیں بن سکتے کہ ان میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا بدر العالم صاحب استاذ الحدیث رفیق ندوۃ المصنفین نے ترجمان السنہ کے نام سے اپنی نہایت مفید تصنیف شروع کی ہے جن میں سے تین چار جلدیں شائع ہو گئی ہیں۔ آپ مشہور عالم ہیں اور حنفیت میں آپ کی شخصیت مسلم ہے۔ آنجناب نے جلد سوم کے صفحہ۔۴۲۴ میں آنحضرت ﷺ کی رائے کی عصمت کا عنوان قائم کر کے احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے۔ آپ اس کے حاشیہ میں احادیث کی شرح اور وضاحت کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

"اسی لیے رسول کے فیصلہ کے سوا کسی کے فیصلہ کو فیصلہ الٰہی اور قضا الٰہی نہیں کہا جا سکتا' اور نہ رسول کے فیصلہ کے علاوہ کسی اور بشر کا فیصلہ نکتہ چینی سے بالاتر ہو

سکتا ہے۔" ص۔۴۲۹ نیز صفحہ۔۴۲۷ میں لکھتے ہیں: "کسی انسان کے متعلق وحی الٰہی نے یہ تصریح نہیں کی کہ اس کی رائے ہمیشہ ارادہ الٰہی کے تابع اور منجانب اللہ ہو گی۔" نیز دلائل سے ثبوت دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ ایک جنگ میں آنحضرت ﷺ نے بریدہ رضی اللہ عنہ صحابی کو امیر لشکر بنا کر بھیجا مگر ان کو صاف یہ ہدایت فرما دی کہ دیکھو اگر محاصرہ کے بعد صلح کی نوبت آئے تو اس صلح نامہ پر یہ نہ لکھنا کہ یہ فیصلہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اور اس کے مطابق ہے بلکہ یہ لکھنا کہ یہ فیصلہ میری اور میرے رفقاء کی رائے کے مطابق لکھا جاتا ہے کیونکہ تمہارے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ تمہارا جو فیصلہ ہو گا وہ یقیناً خدا تعالیٰ کے مطابق ہی ہو گا۔"

نیز لکھا ہے: "اس لیے دوسرے انسانوں کی رائے میں بہرحال یہ احتمال ہوتا ہے کہ کسی راستہ سے اس میں شیطانی مداخلت ہو گئی ہو۔ اگرچہ وہ عمداً نہ ہو خطاً" ہو" پھر صفحہ۔۴۲۹ میں آنحضور ﷺ کے اجتہاد کے بارہ میں یہ لکھتے ہیں: "اس کے لیے وسعت دے دی گئی ہے کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اجتہاد کر کے حکم دینے کا بھی حقدار ہے مگر چونکہ اس کی رائے کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ بما انزل اللہ کے مطابق ہی ہوتی ہے اور کہیں ایک دو واقعہ میں اس کی رائے میں ادنیٰ سی بھی کمی سمجھی گئی تو اس پر فوراً وحی کی جانب سے تنبیہہ کر دی گئی ہے۔ اس لیے اس کی رائے کو بہرکیف منجانب اللہ کہا جاتا ہے۔ کسی دوسرے انسان کی رائے کی یہ نگہداشت وحی کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کی رائے کو الٰہی رائے نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ اس میں شیطانی مداخلت کا احتمال بھی موجود ہو۔"

اس تشریح سے صاف واضح ہو گیا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا مذہب اور عقیدہ باطل ہے کہ وہ مجتہدین کے استنباطات کو منزل من السماء قرار دیتے ہیں۔ اچھا ہم علماء دیوبند سے جو ان اکابر کے مقلدین ہیں' یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر آپ حضرات کے عقیدہ میں مجتہدین کے اقوال' منزل من السماء مثل انبیاء ہیں تو یہ بتائیں کہ آپ کے مذہبی مرکز ابتدائی میں جو کوفہ میں تھا اور اس مرکز کے ارکین' امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد' امام زفر رحمہم اللہ مجتہدین تھے تو ان کے درمیان مسئلہ مدت رضاعت میں یہ اختلاف کیوں ہوا؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ مدت بچہ کے رضاعت

کی اڑھائی سال ہے اور صاحبین نے کہا کہ دو سال ہے اور امام زفر نے کہا کہ تین سال ہے۔

اب اگر بقول مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ان کے یہ اقوال منزل من اللہ ہیں تو پھر اختلاف کیوں ہے؟ کیونکہ وحی الٰہی میں اختلاف نہیں ہوتا کہ قرآن ناطق ہے۔ "لوکان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" یعنی اگر قرآن غیر اللہ کی کلام ہوتی تو اس میں اختلاف کثیر ہوتا۔ جیسا کتب فقہ جن کے مسائل کو حنفیہ منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔ اختلاف کثیر واقع ہے اور اگر کہو کہ ہمارے ائمہ کے اقوال اور استنباطات منزل من اللہ نہیں ہیں تو پھر ان کی تقلید اور ان کو نمونہ عمل بنانا باطل ہوا۔ ہاں یہ ہم کہتے ہیں کہ جس کا قول قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے وہ اس لیے درست ہے کہ قرآن و حدیث، جو منزل من السماء ہیں، ان کے حکم کا مبین اور مظہر ہے اور وہ یہ کہ مدت رضاعت صرف دو سال ہے جو کتاب و سنت منزل من السماء سے ثابت ہے۔ پس تمام دین اسلام کے لیے کوئی امام یا پیر بزرگ امت محمدیہ کے لیے سوائے نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ نہیں بن سکتا۔ پس تمام مسائل میں ایک امام کی تقلید واجب کہنا حماقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ امام طحاوی باوجود شافعی سے حنفی بننے کے اپنی کتاب مفاتیح الاسرار التراویح مطبوعہ لاہور کے صفحہ-۱۵ میں یہ فرماتے ہیں "اوکل ما قال بہ ابوحنیفۃ اقول بہ وھل یقلد الاعصبی اوغبی" یعنی اے مقلد حنفیو! کیا بھلا ہر بات جو ابوحنیفہ نے کہی ہے، میں بھی وہی کہتا ہوں؟ کیا کند ذہن اور متعصب کے سوا بھی کوئی شخص تقلید کرتا ہے۔ (ہرگز نہیں) پہلے مقلدین نے اپنے امام کو شریعت محمدیہ کا اسوہ حسنہ بنا کر امام پرستی شروع کی پھر کسی کو شیخ طریقت بنا کر پیر پرستی شروع کر دی کہ عبادت الٰہی میں ان کو ایسا اسوہ حسنہ بنایا کہ ان کا تصور دل میں لا کر عبادت کرتے رہے۔ اس کو تصور شیخ کہتے ہیں جو شرک ہے۔ ایسے لوگ اپنے امام اور پیر کے حکم کو عین خدا کا حکم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقلد نے "بشرنامہ" ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں اس کا یہ شعر ہے ؎

پیر دا کہیا مانیں، حکم خدا جانیں!
لکھیا فرقان جانیں، فرق کڈھائیو جائیں

یعنی پیر کے حکم کو خدا کا حکم تسلیم کرنے میں کچھ فرق نہ سمجھنا پس جو لوگ یہ عقیدہ رکھ کر اپنے پیر کو اسوہ حسنہ اور امام کو جملہ امور دینی میں واجب الاتباع جانتے ہیں یہ شرک ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی فرقہ بریلویہ کے سامنے اپنی وہابیت کا الزام دفع کرنے کی غرض سے طائفہ ناجیہ اہل حدیث کی مذمت کرتے ہوئے بریلویوں سے اپنا بھائی چارہ یوں ثابت کرتے ہیں کہ یہ اکابر (یعنی علماء دیوبند ان امور میں بھی طائفہ وہابیہ کے بالکل مخالف ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ مسائل اصولیہ و فروعیہ میں مقلد ہیں اور آئمہ اربعہ میں سے ایک شخص کی تقلید واجب کہتے ہیں) (الشہاب الثاقب ص۔۴۳) یہ تقلید شرک فی الرسالت ہے جس میں دیوبندی اور بریلوی ہر دو فرقے مبتلا ہیں کہ اول انہوں نے تمام آئمہ سے چار کو مقرر کیا اور پھر چار میں سے ہر فرقہ نے ایک ایک کو معین کر کے اس کو اپنا اسوہ حسنہ بنا کر اس کے مقلد ہو گئے۔ جس سے دین میں چار فرقے بن گئے ؎

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

جناب مولانا سید اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز معکوس اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو واجب کر دینے کو ایضاح الحق الصریح میں بدعات حقیقیہ سے شمار کیا ہے (مترجم ایضاح صفحہ۔۴۹' ۵۰ اور صفحہ۔۹۲ میں لکھتے ہیں: مرید ہونا اور مقلد ہونا کسی معین شخص کا مجتہدین اور مشائخ سے دین کے رکنوں سے نہیں۔ پھر قاضی شرعی اور اولی الامر کی اطاعت واجب قرار دے کر یہ کہتے ہیں: بخلاف مجتہد کے حکم کے کہ ہر ایک شخص پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن برخلاف حضرت شہید کے علماء دیوبند کا مذہب نرالا ہے۔ چنانچہ دیوبند کی مذہبی درس گاہ کے آرگن القاسم مطبوعہ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۳۸ھ کے صفحہ۔۳ پر یہ لکھا ہے کہ: تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے جس کے لیے اہل اسلام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور ہیں اور یہ بالکل افتراء علی اللہ والرسول اور سفید جھوٹ ہے کہ قرآن و حدیث میں کسی جگہ خدا اور رسول کا یہ حکم موجود نہیں ہے بلکہ یہ بدعت چوتھی

صدی میں پیدا ہو کر ملکوں میں پھیلی ہے اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فرقے اور ان ناموں کے مذہب جاری ہوئے ہیں جو سراسر گمراہی ہے۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے: "وما تفرقو الذین اوتو الکتاب الا من بعد ماجاء تهم البینه" یعنی نہ متفرق ہوئے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) مگر بعد اس کے کہ آگئی تھی ان کے پاس دلیل ظاہرہ۔

یہ تو ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ اہل کتاب دلیل آنے کے بعد فرقہ فرقہ ہوئے۔ اب امت محمدیہ کے لیے جو حکم ہوا وہ سنئے: "ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء هم البینت واولئک لهم عذاب عظیم" اور مت ہو جاؤ تم مانند ان لوگوں کے جو متفرق ہوئے اور اختلاف کیا انہوں نے بعد آجانے دلائل شرعیہ کے اور یہ لوگ ہیں واسطے ان کے ہے عذاب عظیم۔

ان آیتوں میں اس تفرق اور اختلاف کی مذمت ہے جو فرقوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی تشریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ یہودی اکہتر ——— فرقوں میں متفرق ہوئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں پر متفرق ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے گی جو سب جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک جماعت کے۔ (ابوداؤد) حدیث ترمذی وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ جماعت کون سی ہے؟ تو فرمایا یہ جماعت ان لوگوں کی ہے جو اس راہ پر ہوگی جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔ پس یہ بات صاف عیاں ہے کہ عہد نبوی اور صحابہ میں محض قرآن و حدیث پر عمل تھا۔ اس وقت نہ آئمہ تھے جن کے نام پر فرقے بنائے گئے اور نہ یہ فرقے موجود تھے۔ یہ بدعت بعد میں پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ صفحہ۔۱۵۷ میں فرمایا ہے: "اعلم ان الناس کانوا قبل الماۃ الرابعة غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد" یہ معلوم کریں کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی ایک مذہب کی خالص تقلید پر متفق نہ تھے۔ اعلام الموقعین جلد اول صفحہ۔۲۲۲ میں ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انما حدثت هذه البدعت فی القرن الرابع المذمومة علی لسانه صلعم" یعنی تقلید شخصی کی بدعت چوتھی صدی میں جاری ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس کی مذمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ اور گمراہی پھیل

جائے گی۔ سو پھیل گئی کہ رافضی، خارجی، حنفی، شافعی وغیرہ فرقے بن گئے۔

حجتہ اللہ میں شیخ عزالدین عبدالسلام کی یہ شہادت ہے کہ ہمیشہ سے لوگ اس پر تھے کہ علماء دین میں سے جس سے اتفاق پڑا مسئلہ دریافت کر لیتے۔ کسی مذہب کے پابند نہ تھے اور نہ کوئی ان سائلوں پر اعتراض کرتا تھا، یہاں تک کہ یہ مذاہب حنفی، شافعی وغیرہ اور ان کے مقلدین متعصبین ظاہر ہوئے۔ ان میں ہر ایک اپنے امام کی تقلید پر جلد ہوا۔ اگرچہ اس امام کا مذہب کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث کی دلیل سے دور ہو لیکن وہ اس کو ماننے والا ہے جو اس کے امام نے کہا، گویا وہ امام ایک نبی مرسل ہے۔ پس یہ حق اور صواب سے دور رہتا ہے جس کو کوئی دانش مند پسند نہ کرے گا اور جو شخص علم فقہ میں مشغول ہے اس کو بالکل یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ کسی ایک مذہب کا مقلد ہو۔

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ شیخ الاسلام نے منہاج السنہ جلد۔۲، صفحہ۔۱۱ میں ائمہ اربعہ کا وجود اور ان کی وفات مختلف زمانوں میں بیان کر کے یہ فرمایا ہے: "**لیس فی هؤلاء من یقلد الاخر ولا من یامر باتباع الناس له بل کل منهم یدعوا الی متابعة الکتاب والسنة واذ قال غیره قولا یخالف الکتاب والسنة عقده رده ولا یوجب علی الناس تقلیده**" (یہ آپس میں ایسے تھے کہ ان میں سے کوئی پچھلا پہلے کی تقلید نہ کرتا تھا اور نہ لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میری تقلید کرو کیونکہ ہر ایک ان میں سے قرآن و حدیث کی طرف بلاتا تھا اور ان کو جب کوئی مسئلہ کتاب و سنت کے مخالف معلوم ہوتا تو وہ فوراً رد کر دیتے تھے اور اپنی تقلید انہوں نے کسی کے لیے ضروری نہیں ٹھہرائی۔

یہ تعامل ائمہ اربعہ کے زمانہ کا بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت بھی لوگوں میں تقلید شخصی اور تعیین مذہبی کا وجود نہ تھا۔ یہ بدعت مقلدین نے ان کے بعد پیدا کی ہے پس کسی بزرگ اور امام کو اپنے پیشوا بنا کر اس کو اسوہ حسنہ قرار دینا بدعت سیہ ہے۔ اسی طرح سب لوگ کریں گے تو متعدد اسوہ حسنہ بزرگوں کے نام سے جاری ہو جائیں گے جیسے اب ہو رہے ہیں۔ حنفی مجددی، حنفی نقش بندی وغیرہ، یہ تفرق غیر مشروع ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری کتاب شرح عین العلم ص۔۳۲۶ میں فرماتے ہیں: "ومن

العلوم ان اللّٰہ سبحانہ وتعالٰی ماکلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفھم ان یعملوا بالسنۃ" یعنی یہ تو سب اہل علم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی نازل کردہ شریعت میں کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی ہو جائے یا مالکی' شافعی ہو جائے یا حنبلی بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ وہ حدیث نبوی پر عامل ہو جائے۔ بس اہل حدیث کا اس پر عمل ہے۔

القول السدید مطبوعہ بنگلور کے صفحہ۔۴ میں لکھتے ہیں۔ علامہ طحطاوی نے یہ لکھا ہے: "اعلم انہ لم یتکلف اللّٰہ تعالٰی احدا من عبادہ بان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل اوجب علیھم الایمان بما بعث بہ سیدنا محمدا" بندوں میں سے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی' مالکی بنے یا شافعی حنبلی بنے بلکہ ان کو اسی چیز پر ایمان لانا واجب کیا ہے جس کے ساتھ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی شریعت پر عمل کرنا واجب کیا ہے۔ میزان شعرانی جلد اول کے صفحہ۔۴۳ میں امام شعرانی کا بیان یہ ہے کہ امام عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ ہم کو کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں یہ حکم نہیں ملا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو یہ حکم دیا ہو کہ تم ایک مذہب معین لازم کر لو۔ جب اہل علم کو اتنی شہادتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ تقلید شخصی اور کسی امام کے نام پر تعیین مذہب کا التزام اور لزوم کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ یہ بدعت چوتھی صدی میں ظاہر ہوئی ہے تو اب یہ آیت پڑھ کر غور کیجئے "ام لھم شرکاء شرعوالھم من الدین مالم یاذن بہ اللّٰہ" یعنی کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جو دین میں ایسی چیزوں کو دین شریعت بناتے ہیں جس کے بنانے کا اللہ تعالٰی نے اذن نہیں دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ غیرنبی کی تقلید اور اس کو اپنا اسوہ حسنہ بنانا اور اس کے عمل کو سنت شریعہ تصور کرنا بدعت اور حرام ہے۔

اہل حدیث کا اسوہ حسنہ ذات رسول اللہ ﷺ ہے ⇦ لغت میں اسوہ کے معنی چال' ڈھنگ' نمونہ' عمل' غیر کی پیروی' اتباع ہیں۔ انسان جس حال میں ہوتا ہے اس کا نام اسوہ ہے۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری' منفعت رساں ہو یا ضرر رساں۔ (لغات القرآن جلد اول صفحہ۔۱۰۱)

اس کے ساتھ لفظ حسنہ ہو تو اس کا معنی یہ ہے۔ خوبی' بھلائی' نیک' نعمت' ہر وہ

نعمت جو انسان کو اس کی جان، بدن یا حالات میں حاصل ہو کہ اس کے لیے مسرت کا سبب ہے حسنہ کہلاتی ہے۔ (اللغات القرآن جلد-۲، صفحہ-۲۸۱)

اب دونوں لفظوں اسوہ اور حسنہ کو ملا کر حاصل معنی یہ ہوا کہ وہ نمونہ عمل نعمت الٰہی منفعت رساں دافع ضرر جس سے ہر مومن انسان کو مسرت حاصل ہے اور وہ نیکی کا موجب ہے اور وہ ذات رسول ہے جس کے بارہ میں یہ ارشاد ہے: "لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسھم (الآیۃ) یعنی البتہ تحقیق احسان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا جو مومنوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ اس کے آنے سے پہلے سب گمراہی ظاہر میں تھے۔

پس اہل حدیث کے امام معصوم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کے اقوال و افعال وحی الٰہی پر مبنی اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں صادر ہوئے۔ یہی وہ امام ہیں جن کے نام کا کلمہ تمام امت پڑھتی ہے اور یہی وہ امام ہیں جن کے نام سے روز حشر میں امت بلائی جائے گی۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے "یوم ندعوا کل اناس بامامھم" یعنی قیامت وہ دن ہے جس میں ہم لوگوں کو ان کے امام کے ہمراہ بلا کر حساب لیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام حافظ ابن کثیر یوں رقمطراز ہیں: "فقال مجاھد وقتادۃ ای نبیھم وھذا لقولہ تعالٰی ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وقال بعض السلف ھذا اکبر شرف لاصحاب الحدیث لان امامھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی حضرت مجاہد رئیس التابعین اور حضرت قتادہ رئیس المفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔ جس وقت وہ دربار الٰہی میں پیشوا ہو گی تو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بعض سلف نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اہل حدیث کو بہت بڑا شرف حاصل ہے کہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں۔ پھر آگے یہ فرماتے ہیں۔ "ویحتمل ان المراد بامامھم ای کل قوم بمن یاتمون بہ فاھل الایمان ائتموا بالانبیاء علیھم السلام" یعنی آیت میں یہ احتمال ہے کہ ہر قوم کو ان کے پیشواء کے ہمراہ بلایا جائے گا جس کی قوم اتباع کرتی رہی ہے پس اہل ایمان تو نبی کریم ﷺ کی پیروی اور اتباع کرتے

رہے ہیں' لہذا باعتبار اس احتمال کے بھی اہل حدیث ہی آنحضور ﷺ کی رفاقت کے حقدار ہیں کہ وہ ہر مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کو اپنا امام تصور کر کے آپ کے اسوہ حسنہ کو مستند سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا" رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا یا یہ کہتے ہیں۔ "ھکذا فعل النبی صلعم" کہ فلاں کام نبی کریم ﷺ نے یوں کیا ہے۔ ہمارے خلاف مقلدین اپنے امام کے قول کی سند لیتے ہیں سلم الثبوت اصولی کتاب حنفیہ میں لکھا ہے: "فاما المقلد فستندہ قول مجتھدہ" کہ مقلد کی سند اس کے امام کا قول ہے اس لیے کتب فقہ میں یوں ذکر ہے۔ "قال ابوحنیفہ" کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یوں کہا ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ حکیم امت حنفیہ اپنی آخری کتاب "بوادر النوادر" جلد اول ص۔۳۲۸ میں یہ لکھتے ہیں: "سب سے حقیربات مقلد کی شفا کے لیے یہ ہے کہ مقلد کے ذمہ اثبات بدلیل نہیں۔ اس کے لیے متبوعین فی المذھب کا قول بس ہے۔"

دونوں مسلکوں سے ظاہر ہوا کہ شریعت محمدیہ الگ ہے اور شریعت حنفیہ الگ ہے۔ اہلحدیث کا اسوہ حسنہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ناطق ہے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجواللہ والیوم الاخر وذکراللہ کثیرا" یعنی تمہارے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور آخرت کی بہتری کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے۔ اہل حدیث کا اس آیت پر عمل ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں ہر عقیدہ اور ہر عمل میں جناب رسول خدا ﷺ کو اپنا اسوہ حسنہ سمجھتے ہیں اور آنجناب ﷺ کو سب خلفاؤں' سب اماموں' سب عالموں' سب بزرگوں' سب اولیاء اور صوفیوں اور سب جہاں کے پیروں پر مقدم سمجھتے ہیں اور جس امام اور پیر بزرگ کا قول و فعل اس نمونہ کے خلاف معلوم ہو جائے اس کو پس پشت پھینک دیتے ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما من احد الا ماخوذ من کلامہ مردود علیہ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (عقد الجید ص۔۷۰) یعنی ہر شخص اپنی کلام سے ماخوذ ہو گا اور اس پر اس کی رد کی جا سکتی ہے سوائے اللہ کے رسول کے کہ ان کی کوئی بات بھی رد نہیں کی جا سکتی۔

پس یہ سیدھی بات ہے کہ امت مسلمہ کے لیے وہی ذات نمونہ اور اسوہ حسنہ بن سکتی ہے جس کی بات کوئی رد نہ کی جا سکے۔ بخلاف مقلدین اور پیروں کے مریدوں کے کہ وہ اپنے اماموں اور بزرگوں اور پیروں کو نمونہ عمل بناتے ہیں' خواہ اسوہ حسنہ نبویہ کے خلاف ہو۔ یہ شرک ہے کیونکہ اسوہ حسنہ اصطلاح شریعت میں تمام امت کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ کے اقوال و افعال حجت شرعیہ ہیں۔ آپ کی سنت سے جو شخص اعراض کرے گا وہ امت سے خارج ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے: "من رغب عن سنتی فلیس منی" کہ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔ اب اعراض کا مطلب اس واقعہ سے سمجھ لو کہ شرح فقہ اکبر ص۔۲۰۰ میں ہے کہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ حدیث بیان ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کو کدو مرغوب تھا۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جلاد کو بلایا کہ اس کو قتل کرو۔ اس نے جھٹ توبہ و استغفار کی اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کی۔ "ترکه ولم یقتله" قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھوڑ دیا اور قتل نہ کیا۔

بعض نے یہ واقعہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا ہے کیونکہ مامون رشید کے زمانہ میں قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ تھے' خیر کچھ ہو حدیث کے مقابلہ میں اپنی خواہش پیش کر کے اس کو ٹھکرا دیا۔ یہ کفر ہے تو اس شخص کو مرتد تصور کیا گیا۔ اس لیے اس کے قتل کا حکم دیا۔ پس حدیث کا انکار کفر ہے اور سنت کا استخفاف اور اہانت کفر ہے۔ مشکوۃ کے ص۔۲۲ میں یہ حدیث ہے کہ چھ شخصوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ہر نبی نے لعنت کی ہے۔ ان میں چھٹا تارک سنت شمار کیا ہے' اس کے حاشیہ پر بحوالہ مرقاۃ یہ لکھا ہے: "التارک لسنتی ای المعرض عنابا الکلیة او بعضها استخفافا بهاوقلة مبالاته فهو کافر وملعون" (حاشیہ ص۔۱۱) یعنی سنت سے اعراض کرنے والا یا تو بالکل ہی سنت سے انکار کرنے والا ہو یا بعض کو ہلکی سمجھ کر لاپرواہی سے چھوڑ دیتا ہے وہ کافر و ملعون ہے۔

اب غیر نبی کو "اسوہ حسنہ" یا اس کے افعال کو سنت قرار دینے والے بتائیں کہ اگر کوئی اس کے پیر' امام' بزرگ کے اسوہ حسنہ اور اس کی سنت ترک کر دے یا اس

سے انکار کر دے تو کیا وہ کافر اور ملعون ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اپنے امام اور عالم' بزرگ کے اعمال و اقوال کو اس کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیتے ہیں کہ وہ بھی اسوہ حسنہ نبی ہوتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بعینہ سنت نبویہ ہوتے ہیں تو پھر ان افعال و سنن کو سنت رسول کہنا لازم ہو گا۔ کیونکہ وہ افعال' اقوال اس بزرگ' پیر کے ذاتی نہ ہوئے بلکہ سنت نبوی اور اسوہ حسنہ محمدی قرار پائے پھر ان کو غیر کی سنت اور اسوہ حسنہ ٹھہرانا غلط ہوا' پھر ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس بناء پر ہم اہل سنت کہلاتے ہیں اور اگر وہ افعال بزرگ کے متعلق انہی کی ایجاد ہیں' اس لیے اس کا اسوہ حسنہ اور سنت کہی گئی تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ پھر اسوہ حسنہ اور سنت نبویہ کے مقابلہ میں غیر نبی کو مثل نبی کے سمجھ کر اس کے افعال کو سنت قرار دیا گیا تو یہ شرک فی الرسالت ہے کیونکہ شرع محمدی میں افعال نبویہ ہی اسوہ حسنہ اور سنت بن سکتے ہیں۔ غیر نبی کے نہیں بن سکتے کہ وہ غیر معصوم ہے۔ جو خطا اور شیطانی مداخلت سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث میں آیا ہے **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین**" کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

اس سے ظاہر ہے کہ خلفاء جو غیر معصوم تھے ان کی نسبت سنت نبوی کے برابر ذکر کر کے اس کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس آپ کا اصول غلط ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ہے: "**قد كانت لكم اسوة حسنة فى ابراهيم والذين معه** (الآیۃ) پس تحقیق تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صحابہ میں اسوہ حسنہ ہے کہ وہ شرک اور مشرکوں سے بیزار ہوئے اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں تب تک ان کو اپنا دشمن جانیں۔ تم بھی ان کی پیروی میں اس طرح کیا کرو مگر یہ کہ ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے استغفار کا وعدہ کیا اور دعا کی جس سے ان کو روک دیا گیا۔ تم اس بارہ میں اس کی پیروی نہ کرنا اور اسوہ حسنہ نہ سمجھنا کہ یہ ناجائز کام تھا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم اور ان کے صحابہ کو مسئلہ توحید اور رد مشرک و اجتناب مشرکین میں نمونہ عمل بتایا گیا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو اور اپنی سنت میں خلفا راشدین اور صحابہ کرام کو نمونہ عمل بتایا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی

حدیث میں ذکر ہے اور دیگر احادیث میں بھی ہے۔ چنانچہ حدیث افتراق امت میں معیار نجات یہ بتایا ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" جو لوگ میرا اور میرے صحابہ کا طرز عمل اختیار کریں گے وہ نجات پائیں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی کے خلفاء اور صحابہ کا طرز عمل اپنے نبی کے خلاف کوئی دوسری قسم کا نہیں ہوتا کیونکہ وہ شارع اور معصوم نہیں ہوتے بلکہ وہی ہوتا ہے جو ان کے نبی کا ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کو جو ضیاء وحی سے حاصل ہوتی ہے اسی کا عکس آپ کے صحابہ میں ہوتا ہے کیونکہ نبی نے ان کا تزکیہ کیا ہوتا ہے اور ان کے قلوب مثل آئینہ ہوتے ہیں جس میں ان کے رسول کے نمونہ عمل کا عکس پڑتا ہے جیسے انسان شیشہ دیکھتا ہے تو اس انسان کا شیشہ میں عکس پڑتا ہے تو وہ کوئی دوسرا انسان نہیں ہوتا بلکہ وہی ہوتا ہے جس کے سامنے شیشہ ہے تو صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے ساتھ مثل شیشہ کے تھے جس میں آنحضور ﷺ کے اعمال کا عکس پڑتا تھا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے جنتی ہونے کی بشارت اور رضاء الٰہی کی خبر احادیث نبویہ میں آچکی ہے' نمونہ عمل ہیں کہ انہوں نے براہ راست نور نبوت سے ضیاء حاصل کی ہے۔ اب اسی کی مثالیں سنئے تاکہ اسوہ حسنہ اور صحابہ کے طرز عمل کی وضاحت ہو جائے۔

اسوہ حسنہ نبویہ کے مثالی واقعات

(۱) بخاری شریف پارہ-۳، ص-۱۰۶ میں یہ حدیث ہے: "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما امروسکت فیما امرو ماکان ربک لنسیا ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نمازوں میں قرات کا یہ طرز عمل تھا کہ جن نمازوں میں نبی کریم ﷺ جہر سے پڑھنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے ان میں تو آپ قرات بالجہر کرتے تھے اور جن نمازوں میں مامور بالسر تھے ان میں آہستہ پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے کہ بھول کر یہ دستور مقرر کیا ہے بلکہ حقیقت میں اسی طرح ٹھیک تھا جس پر آنحضور ﷺ نے عمل کیا۔ پس تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہی عمدہ اور نیک نمونہ ہے، اس پر عامل رہو۔ چنانچہ یہی دستور تمام امت میں جاری ہے اور سب اسی اسوہ حسنہ پر قائم ہو کر عمل کر رہے ہیں۔

(۲) بخاری پارہ-۵، باب تطوع فی السفر میں یہ حدیث ہے کہ حفص بن عاصم کہتے ہیں "سالت ابن عمر فقال صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم اره یسبح فی السفر" کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سفر میں جبکہ فرائض میں قصر کا حکم ہوا، تو سنن رواتب کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کو سفر میں نوافل پڑھتے نہیں دیکھا تو فرمایا اگر میں سنتیں پڑھوں تو فرض ہی پورے کیوں نہ کروں۔ تیسری روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا۔ آنجناب ﷺ نے دو رکعت نماز دوگانہ سفر کے بغیر کوئی نماز نہیں پڑھی اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح عمل کیا۔

اس سے ثابت ہے کہ خلفاء کا عمل بھی آنحضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق تھا۔ یہی مطلب "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" کا ہے۔ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری یہ فرماتے ہیں، "وسنۃ الخلفاء الراشدین، فانہم لم یعملوا الا بلسنتہ فالا ضافۃ الیہم اما لعملہم اولاستنباطہم واختیارھم ایاھا" یعنی لفظ سنت کی اضافت خلفاء کی طرف اس لیے ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی سنت پر عامل تھے یا

کسی حادثہ میں جو نیا پیدا ہوا' اس میں آپ کی سنت سے استنباط کر کے اس کو اختیار کرتے تھے تو وہ سنت نبوی ہی کی طرف راجع ہے' مستقل سنت نہیں ورنہ غیر نبی کا شارع ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے پہلی توجیہ ٹھیک ہے کہ وہ باوجود خلفاء المسلمین ہونے کے سنت نبوی کے عامل تھے۔ اس لیے ان کے افعال کو بھی سنت سے تعبیر کیا گیا۔ مراد دونوں کی ایک ہے اور خلفاء صیغہ جمع کا ہے اس لیے چاروں خلفاء کا مشترکہ عمل مراد ہے اور چاروں کا عمل سنت نبوی کے خلاف دوسری قسم کا نہیں ہو سکتا۔ نور الانوار میں یہ قاعدہ ہے کہ "**المعرفة اذا اعیدت کانت الثانیة عین الاولیٰ**" یعنی معرفت جب دوبارہ لوٹایا جائے تو دوسرا عین پہلے کا ہوتا ہے۔

اس روایت میں "**سنتی**" معرفہ ہے اور "**سنة الخلفاء**" بھی معرفہ ہے تو اس دوسرے لفظ "**سنة الخلفاء**" سے مراد پہلی سنت ہے۔ خلفاء کا نام اس لیے لیا گیا کہ بعض افعال نبوی خاصہ رسول ہیں مثلاً چار عورتوں سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا' روزہ وصال' بغیر ولی کے نکاح کرنا وغیرہ۔ جب افعال نبوی خلفاء اربعہ کے تعامل میں آگئے تو وہ خاصہ رسول نہ رہے بلکہ سب کے لیے سنت بن گئے۔ فتذکرو۔

(۳) ترمذی جلد-۲' صفحہ-۹۸ اور مشکوۃ جلد-۲' ص-۴۰۶ میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چھینک ماری اور یہ کہا الحمدللہ والسلام علیٰ رسول اللہ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی الحمدللہ اور السلام علیٰ رسول اللہ پڑھا کرتا ہوں۔ "**ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علیٰ کل حال**" یعنی چھینک کے موقعہ پر ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کہنا نہیں سکھلایا بلکہ یوں کہنا سکھلایا ہے: "**الحمد للہ علی کل حال**" اس ھیئت کا نام اسوہ حسنہ ہے کہ جیسے کوئی چیز سنت سے ثابت ہو' اس کو اسی طرح عمل میں لانا چاہیے۔

(۴) مشکوۃ کے اسی صفحہ باب العطاس میں ہے کہ ہلال بن یساف نے کہا کہ ہم سالم بن عبید کے ساتھ تھے' ایک شخص نے چھینک ماری تو یہ کہا السلام علیکم' سالم نے یہ کڑوا سا جواب دیا علیک وعلیٰ آلک۔ اس پر وہ شخص غصہ میں آگیا' تب حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھائی ناراض نہ ہو' میں نے تو وہی بات کہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعہ پر فرمائی تھی کہ ایک شخص نے چھینک ماری تو السلام علیکم کہہ دیا' تب آپ نے

یہ فرمایا "علیک وعلی امک" کہ یہ سلام ہم قبول نہیں کرتے' تجھ پر اور تیری ماں پر اسی سلام کو واپس کرتے ہیں۔ سنو جب کوئی شخص چھینکے تو یوں کہے' "الحمد للّٰہ رب العالمین"

(۵) در منثور ص۔۳۱۰' جلد۔۲ میں بحوالہ ابن سعد اور کنزالعمال جلد۔۸' ص۔۳۰۵ میں بحوالہ عبدالرزاق یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ رہبانیت اختیار کرنا چاہتے تھے' یہ فرمایا "یاعثمان ان الرھبانیة لم تکتب علینا افمالک فی اسوة حسنة" یعنی اے عثمان! یہ رہبانیت ہم پر اللہ تعالیٰ نے فرض اور مقرر نہیں کی' کیا تمہارے لیے میری ذات میں نمونہ عمل نہیں ملتا۔

یعنی جس طرح میں دین پر قائم ہوں اور عبادت الٰہی کر رہا ہوں اور اہل دنیا اور دنیا سے بھی میرا معاملہ چل رہا ہے۔ اسی طرح تم میرے طرز عمل کو اختیار رکھو۔ یہ رہبانیت یعنی گوشہ نشینی اور ترک دنیا اور دن رات عبادات میں غلو وغیرہ کی صورت مجھ پر اور میری امت پر نہیں لکھی گئی یہ یہود و نصاریٰ کا اختراع و ابتداع ہے' اس سے بچنا چاہیے۔

(۶) مسند احمد جلد۔۱' ص۔۱۹۲ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرب کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آباد ہوئے پھر آب و ہوا ناموافق ہوا تو بیمار ہو گئے۔ اس پر مدینہ چھوڑ کر وہ دوسری جگہ کی طرف روانہ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے راستہ میں روک لیے اور یہ کہا "امالکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة" یعنی کیا تمہارے لیے اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات میں نمونہ عمل موجود نہیں ہے۔ مدینہ کی سکونت بہرحال بہتر ہے کہ اس میں آنحضور ﷺ رہائش پذیر رہے۔ اس میں اسوہ حسنہ کا طرز عمل ہے۔

(۷) مسند احمد جلد۔۶' ص۔۵۳ میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے کر مدینہ پہنچا کہ وہاں پر اپنی مملوکہ اراضی بیچ کر سامان جنگ خریدے اور فی سبیل اللہ رومیوں سے جنگ کرے تو اسے دوستوں نے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے ایسا ارادہ کیا تھا تو آپ نے انھیں روکا

اور فرمایا "الیس لکم فی اسوة حسنة" کیا تمہارے لیے میری ذات میں نمونہ عمل اور عمدہ طریقہ نہیں ملتا؟ سعد رضی اللہ عنہ یہ سن کر اپنے ارادہ سے باز آئے اور اپنی عورت کی طلاق سے رجوع کر لیا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اسوہ حسنہ نبوی کے خلاف عبادت بھی جائز نہیں ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کون سی عبادت ہو گی مگر سنت کے خلاف کام سے روک دیا کہ عورت کو طلاق دے دینا اور سب جائیداد بیچ دینا درست نہ تھا کہ اسوہ حسنہ کے خلاف تھا۔

(۸) کنزالعمال ص-۷۷، جلد-۶ میں بحوالہ مسند احمد وغیرہ یہ روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت ہوئی تو اس پر اعتراض ہوا کہ یہ مصالحت کیوں ہوئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ تو مسلمانوں سے صلح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کافروں سے صلح کر لی تھی، پھر صلح حدیبیہ کا قصہ ذکر کیا اور پھر فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة" یہ صلح بھی اسوہ حسنہ پر ہی ہے۔

(۹) شمائل ترمذی میں ہے جو سیرت نبوی پر کتاب لکھی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خادم سے یہ فرمایا "مالک فی اسوة حسنة" کہ میرا اسوہ حسنہ تیرے لیے کافی نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر تجھے میری طرح ٹخنوں سے اٹھا کر کپڑا باندھنا چاہیے۔ اسی طرح سب امور شرعیہ میں اسوہ حسنہ دیکھ لو۔

(۱۰) جمع الفوائد جلد-۱، ص-۵۵ میں بحوالہ ازیں ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سفر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، غلبہ نیند سے بیدار نہ ہوئے اور صبح کی نماز سورج چڑھے پڑھی، جس پر صحابہ پریشان ہوئے کہ نماز بے وقت پڑھی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں، میں نے بھی اس وقت ہی پڑھی ہے "امالکم فی اسوة حسنة وقد قال اللہ تعالٰی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة" میرا اسوہ حسنہ تمہارے لیے کافی ہے یعنی سوتے ہوئے شخص کو جب جاگ آئے اس وقت ہی نماز پڑھ لے، اس کا وقت وہی ہے۔

(۱۱) مسند احمد جلد-۶، ص-۱۱۲ میں ہشام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور یہ عرض کی کہ اماں جی! میں عبادت الٰہی کے لیے فارغ ہونے کے ارادہ سے خصی بننا چاہتا ہوں' شرعاً کیا حکم ہے؟ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ جائز نہیں۔ ایسا مت کرو' کیا تم نے یہ آیت قرآن میں نہیں پڑھی' "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنة قد تزوج ---- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولد له" یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تمہارے لیے اللہ کا رسول نمونہ عمل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا' اور آپ کے گھر میں اولاد ہوئی۔

(۱۲) در منثور جلد ۵' ص۔۲۸۴ میں بحوالہ طبرانی ابن جریر وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے آپ کو نام خدا پر ذبح کر دوں گا۔ اس نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کر کے مسئلہ دریافت کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة" کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں نمونہ عمل ہے' اس کے مطابق عمل کرو۔ پھر یہ آیت پڑھی "وفدیناہ بذبح عظیم" کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا کر اس کے فدیہ میں دنبہ ذبح کرا دیا۔ پس تم بھی دنبہ ذبح کرو۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے رسول ہیں جن کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے حجت ہے۔ اس لیے یہ آیت پیش کی۔

(۱۳) تفسیر در منثور جلد ۵' ص۔۱۸۹ میں ہے کہ حفص عاصم نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو یہ کہا کہ آپ سفر میں فرض نماز قصر پڑھتے ہیں تو اس کے آگے پیچھے سنن رواتب نہیں پڑھتے ہیں' کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا ہوں' آپ اسی طرح کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة" اب جو نام کے اہل سنت اور کام کے اہل بدعت ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ سفر میں صرف دو فرض معاف ہیں' سنن اور نوافل پڑھنے چاہئیں' وہ اسوہ حسنہ کے خلاف کرتے ہیں۔

(۱۴) تفسیر در منثور جلد ۵' ص۔۱۸۹ میں بحوالہ بخاری مسلم وغیرہ یہ حدیث ہے

کہ کسی شخص نے مسئلہ دریافت کیا کہ کوئی عمرہ کرنے والا طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر اپنی عورت سے صحبت کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رئیس الصحابہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر صفا مروہ کی سعی کی' پھر حلال ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة"

(۱۵) تفسیر در منثور جلد-۵' ص-۱۹۰ میں بحوالہ ابوداؤد' بخاری مسلم وغیرہ یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اذا حرم الرجل امراته فھو یمین یکفرھا وقال لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة" یعنی جب کوئی شخص اپنی عورت کو حرام کر لے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کا یہ حکم ہے کہ وہ اس کا کفارہ دے' اس کا وہی کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے یعنی غلام آزاد کرنا' اگر یہ نہ ہو سکے تو دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا اگر یہ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شہد حرام کیا تھا تو بھی کفارہ دیا تھا' ہمارے لیے ارشاد ہے "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا۔ یہی نمونہ عمل ہے۔

(۱۶) تفسیر در منثور میں بحوالہ مسند احمد وغیرہ' یعلی بن امیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو میں نے حجر اور باب کی درمیانی جگہ کی طرف آپ کی توجہ دلائی کہ اس کی تقبیل بھی کرنی چاہیے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم نے طواف کرتے دیکھا ہے اور کیا آپ ایسا کرتے تھے؟ کہا نہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں کیا کروں' ارشاد الٰہی ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنه" کہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نمونہ عمل پایا جاتا ہے۔

(۱۷) تفسیر در منثور میں ابن مردویہ کے حوالہ سے یہ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ احرام باندھ کر روانہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر روک پیدا ہو گئی اور میں بیت اللہ نہ پہنچ سکا تو میں اسی طرح کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے حدیبیہ سے واپس ہو گئے تھے۔ اسی طرح میں واپس ہو جاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة" کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اطاعت کے لیے نمونہ عمل ہے۔

(۱۸) در منثور میں بحوالہ عبدالرزاق قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ دیگر ملک کا فلاں کپڑا دھلوائے بغیر استعمال نہ کیا جائے۔ اس میں یہ شبہ ہے کہ اس کی رنگت میں پیشاب استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر ملکوں کے کپڑے دھلوا لیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں' تب عرض کیا گیا اسوہ حسنہ کے لیے یہ ہدایت ہے' "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دھلوائے تو پھر ہمیں یہ احتیاط کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا بہت اچھا میں اس خیال کو چھوڑتا ہوں۔ اس سے خوب ظاہر ہوا کہ سنت خلفاء بھی سنت رسول ہی تھی نہ غیر۔

(۱۹) بخاری پارہ۔۲۷' ص۔۲۷۶ میں یہ حدیث ہے کہ حکم بن ابی حرہ اسلمی نے یہ سنا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے یہ سوال کیا ہے کہ اس نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں دن ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا لیکن اب وہ دن عیدالفطر یا عید قربانی کے موافق آپڑا ہے تو یہ فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" کہ فرمان نبوی ہے کہ عید کے دن روزہ نہ رکھو۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی عبادت خلاف اسوہ حسنہ قبول نہیں مردود ہے۔

(۲۰) تفسیر در منثور جلد۔۵' ص۔۲۰۱ میں بحوالہ مسند احمد یہ حدیث وارد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے موقعہ پر حجر اسود کی طرف جھکے تو یہ فرمایا تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔ یہ میرا عقیدہ ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے اور ہاتھ لگاتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ بوسہ دیتا اور نہ ہاتھ لگاتا۔ "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ"

(۲۱) بخاری شریف میں یہ حدیث ہے کہ سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ کے راستہ میں چل رہا تھا' مجھے صبح ہونے کا ڈر ہوا (وتر میرے ذمہ تھا) میں سواری سے اترا اور وتر پڑھا پھر سواری جلدی چلا کر ان کے ساتھ جا ملا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم اب تک کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے' اس لیے میں نے اتر کر نماز وتر پڑھی ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' "الیس لک فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" کیا

تیرے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ عمل نہیں ہے؟ "فقلت بلیٰ واللہ" میں نے کہا کیوں نہیں؟ قسم بخدا ہے۔ "قال فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر علی البعیر" ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔ (وتر کو پڑھنے کی ضرورت نہ تھی)

اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنھم ہر شرعی کام میں اسوہ حسنہ نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ دوسرا یہ ثابت ہوا کہ وتر نماز مسنون ہے' فرض واجب نہیں ہے کیونکہ فرض نماز سواری پر جائز نہیں ہے۔ تیسرا یہ ثابت ہوا کہ وتر سواری پر پڑھنا مسنون ہے۔ اہل بدعت اس اسوہ حسنہ کے خلاف ہیں۔

(۴۲) طحاوی شرح معانی الاثار جلد-۱' ص-۲۹۸ میں یہ حدیث ہے کہ عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو یہ خبر دی کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے ان سے درخواست کی کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے کفار کے مال سے بطور فے اپنے رسول کو دیا تھا' اس کا ورثہ مجھے عنایت فرمایا جائے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا مال صدقہ ـــــــ جو مدینہ میں تھا' طلب کرتی تھیں اور فدک سے بھی حصہ دو اور خیبر کے خمس سے جو جو بقایا ہے اس کا ورثہ دو۔

تب حضرت خلیفۃ المسلمین نے یہ جواب دیا کہ آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم قوم انبیاء کے ـــــــ وارث نہیں بنایا کرتے۔ ہمارا مال متروکہ سب صدقہ ہو جاتا ہے۔ تمام اہل بیت اس مال کی آمدن سے کھاتے رہیں۔ کسی ایک شخص کو وارث بنا کر اس کے ملک میں نہیں دیا جا سکتا "وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حالھا التی کانت علیہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عملن فی ذلک بما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" قسم بخدا تحقیق میں رسول اللہ ﷺ کے خیراتی مال سے کوئی چیز نہ بدلوں گا جس حال میں عہد رسول اللہ ﷺ میں یہ خیراتی مال تھا' اسی حال پر رہے گا اور میں اس مال پر اس طرح عمل درآمد رکھوں گا جس طرح جناب رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا (اس کا نام

اطاعت ہے) کہ اسوہ حسنہ نبویہ میں کوئی تغیر نہ آئے)

میں کہتا ہوں کہ شیعہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین یار غار پر خواہ مخواہ براہ تعصب اعتراض اور طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی صاحبزادی کا ورثہ دبا لیا تھا۔ آنحضور ﷺ کے پاس جو مال تھا اس کی بابت قرآن ناطق ہے: "آفاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القری فللّٰہ وللرسول والذی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل" (پارہ-۲۸' سورۃ حشر) یعنی جو مال ہاتھ لگا دے اللہ (بغیر جنگ کے) رسول اپنے کو بستیوں والوں سے سو وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اور رسول کے واسطے ہے اور قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ مال جو بغیر جنگ کے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو کفار کے مال سے دے وہ بیت المال میں مشترک رہتا ہے اس میں کسی کی تملیک اور وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ بطریق اشتراک سب ہی حصہ دار فائدہ اٹھانے کے حقدار ہیں۔ اس میں تقسیم بھی جاری نہیں ہو سکتی۔ اگر ہوتی تو بعد نزول خود ہی رسالت مآب سب میں اس مال کو تقسیم فرما دیتے یا رحلت سے پہلے اس کی لوگوں کو وصیت فرما جاتے۔ جب ایسا نہ کیا تو جیسے عہد نبوی میں سب کو خرچ دینے کا رواج تھا' اسی اسوہ حسنہ نبوی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل درآمد کیا پھر اسی طرح دیگر خلفاء نے' تو یہ طعن یا الزام باطل ہوا۔ باقی آیات وراثت میں امت کو خطاب ہے' اس سے استدلال جائز نہیں۔

یہ مسئلہ ضمنی طور پر درمیان میں آگیا۔ اصل مقصود اور میرا موضوع اتباع اسوہ حسنہ اور اتباع سنت ہے۔ اتباع اسوہ حسنہ اور اتباع سنت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ صرف الفاظ جدا جدا ہیں پس میں نے اپنے موضوع کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اسوہ حسنہ نبویہ مقرر فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر تعامل رہا ہے۔ اب اسی پر سب اہل اسلام کا تعامل قائم ہونا ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کا اسوہ حسنہ اور اس کے اقوال و اعمال کو اسوہ حسنہ یا سنت قرار دینا جیسے مرزا قادیانی وغیرہ کا یا کسی امام کوفہ کا یا کسی پیر بغدادی کا یا کسی عالم دیوبند

کا یا کسی شیخ بریلوی کا یا کسی بزرگ لاہوری کا۔ یہ شرک فی الرسالت ہے کیونکہ کوئی معصوم نہیں اور کسی کا اسوہ حسنہ وحی الٰہی کی حفاظت میں جاری نہیں ہے۔ اگر کسی امام، ولی، بزرگ، شیخ کا اسوہ حسنہ عین اسوہ حسنہ نبوی کے مطابق ہے، غیر نہیں ہے تو پھر اس کی نسبت نبی کریم ﷺ ہی کی طرف رکھنی چاہیے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے قائم رکھی۔ اسوہ نبی کو غیر نبی کا اسوہ حسنہ مستقل بنانا اس کی مستقل اطاعت کی طرف منجر ہے اور مستقل مطاع ماسوائے نبی کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے قرآن کریم میں ہے: "فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول" یعنی کسی مسئلہ اور دینی بات میں نزاع پڑے تو صرف اللہ اور رسول کی طرف اس کو لوٹا دو۔

کتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد۔۲، شمارہ۔۴۳، ۴۹ اور جلد۔۳، شمارہ۔۱، وشمارہ ۱۰ و ۱۳ و ۱۴ بمطابق ۲۲ اکتوبر، ۱۸ نومبر سنہ۔۱۹۷۱ء و ۲۱ جنوری و ۱۰ و ۳۱ مارچ و ۷ اپریل سنہ۔۱۹۷۲ء

منصب اجتہاد اور اجتہاد کی شرائط

اجتہاد کرنا عامی کا حق نہیں

راقم الحروف نے "تنظیم اہلحدیث" میں لکھا تھا کہ "اجتہاد کرنا مجتہد کا منصب ہے' عامی' مقلد' معمولی عالم' واعظ اور ناقص محدث کا یہ کام نہیں کہ وہ اجتہاد کے دروازے کھولتا پھرے۔"

میری یہ بات اصولاً ایسی صحیح اور درست ہے جس سے کوئی صاحب علم و دانش انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اب اس مسئلہ میں اکابر علماء سلف' خلف میں سے عالم ربانی امام شوکانی کا ارشاد سنیئے' فرماتے ہیں:

وانه لا يقدر على الاجتهاد فى بعض المسائل الا من قدر على الاجتهاد فى جميعها لان الاجتهاد هو ملكة تحصل للنفس عند الا حاطة بمعارفه المعتبرة ولا ملكة لمن لم يعرف الا الوعظ من ذالك (القول المفید ص-۳۹) یعنی "بعض مسائل میں اجتہاد پر وہی قادر ہو سکتا ہے جو تمام مسائل شرعیہ میں اجتہاد پر قادر ہے۔ کیونکہ اجتہاد ایسا ملکہ ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو معارف معتبرہ کا احاطہ رکھتا ہے۔ یہ ملکہ ایسے شخص کو حاصل نہیں ہوتا جو صرف وعظ کرنا جانتا ہو اور معارف معتبرہ سے جاہل ہو۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے' میں نے یہی لکھا تھا اور بہت سے اکابر علماء نے اسی طرح لکھا ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ آپ لوگوں کو غالباً یہ بھی علم ہو گا کہ وہ معارف معتبرہ کیا ہیں' جن کے ذریعے ایک عالم مجتہد کا منصب حاصل کر سکتا ہے کیونکہ یہ درجہ کسبی ہے' نبوت کی طرح وہبی نہیں ہے۔ مجتہد بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں۔

معارف معتبرہ ⇦ آج کل سرکاری مدارس میں جو عربی نصاب پڑھایا جاتا ہے' بعض لوگ ان میں سے چند ایک کے خلاصے یاد کر کے تھوڑی بہت عربی بولنا لکھنا سیکھ جاتے ہیں۔ وہ خود کو "مجتہد" سمجھ بیٹھتے ہیں اور قرآن مجید کے معانی و مطالب اپنی

رائے سے کرتے اور سلف صالحین کی تفاسیر پر آوازے کسنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض عربی کتب کے ترجمے مطالعہ کر کے آزاد مجتہد بن جاتے ہیں اور بعض لوگ صحاح ستہ کی ورق گردانی کرنے کے بعد "مجتہد" کہلانے لگتے ہیں۔ یہ سب جھوٹے مجتہد ہیں۔ اہل فن نے اجتہاد اور تفسیر قرآنی کے لیے پندرہ (۱۵) علوم میں مہارت ضروری قرار دی ہے۔ خصوصاً عجمی لوگوں کے لیے جو عربی میں اہل زبان نہیں ہیں۔ ذیل میں مختصر عرض کرتا ہوں اس سے واضح ہو جائے گا کہ ہر شخص درجہ اجتہاد تک رسائی نہیں کر سکتا۔

۱۔ **علم لغت** ⇦ جس سے کتاب اللہ کے مفرد الفاظ کے معانی معلوم ہو جائیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرما گئے ہیں کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو' اس کو جائز نہیں کہ معرفت لغات عرب کے بغیر کتاب اللہ میں کچھ لب کشائی کرے۔ چند لفظوں کے معانی معلوم ہونا کافی نہیں ہے بلکہ مہارت تامہ چاہیے کہ کئی الفاظ چند معانی میں مشترک ہوتے ہیں۔"

۲۔ **علم نحو** ⇦ یہ علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے کہ اعراب کے تغیرو تبدل سے معانی بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت علم و نحو پر موقوف ہے' تو اس کا جاننا واجب ہے۔

۳۔ **علم صرف** ⇦ اس کا جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ صیغوں کے اختلاف سے معانی مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ "جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔"

علامہ زمخشری عجوبات کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آیت یوم ندعوا کل اناس بامامھم کی تفسیر علم صرف میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کی کہ "جس دن پکاریں گے ہم لوگوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ۔" اس نے لفظ امام کو جو مفرد تھا لفظ ام کی جمع تصور کر لیا جو صریح غلطی ہے۔

ازالہ غلط العوام ⇦ اب بھی بعض علماء اور اکثر عوام کا یہ عقیدہ اور قول ہے کہ "حشر کے دن لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے۔" اس پر ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس کو امام ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور صحیح حدیث

میں یہ وارد ہے کہ باپوں کے نام سے پکارے جائیں گے۔ چنانچہ مشکوۃ کتاب الاداب باب الاسامی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ندعون یوم القیمۃ باسمائکم واسماء ابائکم فاحسنوا سمائکم (رواہ احمد و ابوداؤد) یعنی "تم پکارے جاؤ گے قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے نام سے' اس لیے نام اچھے رکھا کرو۔"

بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی رعایت کی وجہ سے ہو گا کہ لوگ ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے کہ وہ بے پدر تھے' یہ غلط ہے۔ جس کا باپ نہیں ہے اس کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا اور جس کا نہ ماں ہے نہ باپ اس کو صرف اسی کے نام سے پکارا جائے گا جیسے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ ماؤں کے نام سے اس لیے سب کو پکارا جائے گا کہ اولاد زنا شرمندہ نہ ہو کہ ان کے باپ زانی ہیں۔ یہ خیال بھی باطل ہے کیونکہ زانی باپ ہی متصور نہیں تو وہ ضرور ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے۔ فتذکروا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ باپوں کے نام سے پکارے جائیں اور آیت یوم ندعوا کل اناس مامھم سے مائیں مراد لینا علم صرف سے جہالت کی بنا پر ہوا ہے۔ اس لیے علم صرف سیکھنا ضروری ہے۔

۴۔ **علم اشتقاق** ⇦ اس کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ ایک لفظ جب دو مادوں سے مشتق ہو گا تو اس کے معنی مختلف ہو جائیں گے۔ مثلاً لفظ مسیح کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے۔ جس کا معنی چھونا اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنا ہیں اور مساحت سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی پیائش کے ہیں۔ فتفکروا۔

۵۔ **علم معانی** ⇦ اس علم کا جاننا واجبات سے ہے۔ جس سے کلام کی معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علمی درس گاہوں میں مختصر معانی اور مطول پڑھائی جاتی ہے۔

۶۔ **علم بیان** ⇦ اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس سے کلام کا ظہور و خفا' تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔ کتاب و سنت میں ایسے محاورات موجود ہیں۔

۷۔ **علم بدیع** ⇦ جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ

تینوں علم بلاغت کہلاتے ہیں جو مفسر اور مجتہد کے لیے بہت اہم ہیں کہ کتاب اللہ میں کلام الٰہی سراسر اعجاز ہے۔ ان علوم سے اس کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔

۸۔ علم قرات ⇦ اس کا جاننا بھی ضروری ہے کہ قراتوں کے اختلاف سے معانی میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض معنی کو بعض پر ترجیح ہوتی ہے۔

۹۔ علم عقائد ⇦ اس کا جاننا بھی فرض ہے کہ کتاب و سنت میں بعض آیات ایسی ہیں کہ ان کا ظاہری اطلاق اللہ تعالیٰ پر صحیح نہیں اور بعض ظاہر ہی پر محمول ہیں مگر ان کی کیفیت معلوم نہیں۔ بعض جگہ تاویل کرنی پڑتی ہے' بعض جگہ نہیں۔

۱۰۔ اصول فقہ ⇦ اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جس سے وجوہ استدلال و طریقہ استنباط معلوم ہوتا ہے۔ عام طور پر اصول فقہ سے اصول حنفیہ سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے اصول فقہ بھی موجود ہیں جن کو امام شوکانی اور نواب صاحب رحمہم اللہ نے مرتب کیا ہے اور امام شافعی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔

۱۱۔ علم اصول حدیث ⇦ اس کا جاننا بھی لابدی امر ہے۔ جس سے احادیث کی صحت و سقم' ناسخ و منسوخ' تعارض و تطبیق کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ اسباب نزول قرآن و حدیث ⇦ قرآن و حدیث کے نزول کے اسباب کے موارد بھی معلوم کرنے ضروری ہیں تاکہ ان سے احکام معمول بہا اور منسوخ شدہ کا علم ہو جائے۔

۱۳۔ سابقین مجتہدین کی فقہ کا علم ⇦ اس علم کے متعلق جاننا بھی ضروری ہے تاکہ کلیات سے جزئیات کے نکالنے کا ملکہ ہو جائے اور اصول و فروع سے واقفیت حاصل ہو۔

۱۴۔ علم حدیث میں مہارت ⇦ علم حدیث میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے کہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔

۱۵۔ صحابہ و تابعین وغیرہ کے اقوال کا جاننا ⇦ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین و ائمہ محدثین و مجتہدین کے اقوال و تعامل کا علم بھی ضروری ہے کہ کتاب و سنت کے سمجھنے میں یہ بہت مفید ہے۔ اکثر محدثین سلف صالحین کی مخالفت کرنے کی

وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری۔

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد-۱۳، شمارہ-۶، مورخہ ۲؍ اگست سنہ-۱۹۶۳ء

تقلید شخصی

تقلید شخصی مروجہ بالکل غیر مشروع ہے۔ اس کو امر شرعی اور واجب خیال کرنا بدعت ہے جو باعث افتراق فی الدین ہے۔ شریعت امعیہ اور ملت اسلامیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بعض قسمیں اس کی عین شرک اور بعض مفضی الی الشرک اور بعض بدعت ہیں۔ چنانچہ کتب اہل حدیث اور ان کے رسالوں اور اخباری مضامین میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

اب یہاں اس مضمون میں ایک غلطی کا ازالہ کرنا مقصود ہے۔ جس کی طرف کسی ذی علم نے توجہ نہیں کی۔ اس بندہ راقم الحروف نے اخبار اہل حدیث سوہدرہ مطبوعہ ۲۴؍ جولائی سنہ ۔۵۲ میں اس کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن اس کے باوجود اخبار الاعتصام کی ایک اشاعت میں پھر اسی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ مقلدین کے علماء الزاما" اور بعض علماء اہل حدیث مداہنت کی بنا پر مذہب اہل حدیث کے ذمہ یہ مسئلہ لگایا کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بھی تقلید شخصی جائز اور مباح ہے اور ثبوت میں جناب حضرت شمس العلماء خاتم المحدثین مولانا سید نذیر حسین صاحب ﷫ محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے تقلید شخصی کو مباح لکھا ہے اور اس پر مزید افسوس یہ ہے کہ ہمارے بعض محققین علماء نے اپنی کتابوں اور رسالوں' اخباروں میں بھی اس حوالہ کی بناء پر تقلید شخصی کا مباح ہونا مذہب اہل حدیث کی طرف نسبت کر دیا ہے جو بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ علماء مقلدین اس سے استناد کرتے ہیں۔ تقلید شخصی کی اباحت اور جواز مذہب اہل حدیث کی طرف نسبت کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کو مذہب اہل حدیث اور مذہب حنفی کا متفقہ مسئلہ ٹھہرا کر تقلید شخصی کو معمول بہا بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا ارتکاب جناب مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری مدیر اخبار اہل حدیث نے کیا ہے جو خود باوجود تقلید شخصی کے سخت ترین دشمن ہونے کے اس کی ایک قسم کو مباح قرار دے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جس رسالہ میں تقلید کی تردیدی بحث کی ہے اور اس کے اقسام بیان فرمائے ہیں' وہاں بھی معیار الحق کا حوالہ دے کر تقلید شخصی کی اباحت

مذہب اہل حدیث کی طرف نسبت کر دی ہے۔ جس کو مقلدین مناظروں میں بطور ثبوت پیش کیا کرتے ہیں اور ہمارے اکابر علماء کی تحریر پیش کر کے پبلک کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ایک امام معین کی تقلید کرنی جائز ہے اور یہ مذہب اہل حدیث میں مسلم ہے۔ حالانکہ یہ افتراء ہے۔ مذہب اہل حدیث میں تقلید شخصی مطلقاً جائز نہیں ہے اور جو کسی کی اتباع کا ذکر ہے یا کسی سے مسئلہ دریافت کرنے کا ذکر ہے' تو وہ تقلید شخصی مروجہ پر دلیل نہیں ہے' وہ اتباع و اطاعت علی وجہ البصیرت ہے اور جو حوالہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے معیار الحق سے پیش کیا ہے اور اس کو حضرت میاں صاحب مرحوم کا مذہب قرار دیا ہے کہ وہ تقلید شخصی کو مباح فرما گئے ہیں' یہ غلط ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے جناب مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے اپنی کتاب "خیر التقید" میں اہل حدیث کی طرف تقلید شخصی کے جواز کی نسبت کی ہے وہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

مولانا فاضل امرتسری اپنے رسالہ تنقید تقلید میں جو مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی کے جواب میں شائع کیا ہے' فرماتے ہیں "اہل حدیث کے نزدیک تقلید چار قسم پر ہے۔ (ص۔۹) پھر ص۔۱۰ پر فرماتے ہیں کہ "قسم ثانی مباح ہے۔" پھر ص۔۲۷ میں معیار الحق سے اس کی تفصیل نقل کرتے ہیں کہ قسم ثانی مباح ہے اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے۔ بشرطیکہ مقلد اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظیر سے تعیین کرے کہ جبکہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل ذکر صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے۔ اسی کے اتباع سے عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے (یعنی حکم الٰہی کی تعمیل کسی ایک مجتہد کی تقلید سے ہو جائے گی۔ (الی آخرہ)

مولانا ثناء اللہ صاحب نے اپنے تمام رسالوں میں جن میں تقلید اور اس کے اقسام پر بحث کی ہے یہی حوالہ لکھ کر تقلید شخصی اور تقلید مذہب معین کو مباح ٹھہرایا ہے۔ مولانا ابراہیم صاحب مرحوم میر سیالکوٹی نے بھی اپنی کتاب مستطاب تاریخ اہل حدیث میں معیار الحق کی اسی عبارت سے استدلال کیا اور تقلید کو مباح لکھا ہے۔

سو واضح ہو کہ جناب مولانا شمس العلماء شیخ العرب والعجم سید محمد نذیر حسین صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی اس تحریر و تقریر کو خود ہی بعد از نظر ثانی و تحقیق حقانی

بالفضل یزدانی دوسری تقریر و تحریر سے منسوخ فرما دیا ہے اور پھر اس تقریر ناسخ کو تحقیق حقیق قرار دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ نذیریہ جلد-۱' ص-۹۳ میں فرماتے ہیں "اس عاجز نے اگرچہ ایک صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بسبیل تنزل مباح میں درج کی تھی لیکن عندالتحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ مباح بھی خطاب شارع میں داخل ہے اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے۔ کما لا یخفی علی الماھر المتفطن المنصف (تا آخر) تقریر و تقلید مقلدان مذہب بلا دلیل مثل تقریر و تقلید مردمان جاہلیت کے ہے۔"

اس فتویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ "تقلید شخصی اور التزام مذہب تعین پر شارع کا حکم اور خطاب صادر نہیں ہوا۔ پس جس عقیدہ و عمل پر اللہ اور رسول کا حکم ناطق نہ ہو وہ عقیدہ اور عمل مردود اور قبیح ہوتا ہے۔"

پھر لوگ یوں فرماتے ہیں: "اسی نظر سے فاضل جلیل علامہ نبیل محمد اسماعیل علیہ الرحمتہ والرضوان نے تقلید شخصی والتزام مذہب معین کو بدعات حقیقیہ میں شمار کیا ہے۔"

مولانا مرحوم نے اپنے فتویٰ میں یہ حدیث بھی پیش فرمائی ہے کہ من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو رد یعنی جس شخص نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہ تھا تو وہ مردود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تقلید شخصی مباح نہیں ہے۔ بلکہ وہ بدعات حقیقیہ میں داخل ہو کر مردود و مطرود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معیار الحق کی عبارت فتاویٰ نذیریہ کے فتویٰ سے جو سید مرحوم کی تحقیق حقیق سے صادر ہوئی ہے' منسوخ ہے اور فتویٰ مندرجہ بالا اس کا ناسخ ہے۔ پس اب کسی حنفی یا اہل حدیث کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معیار الحق کی عبارت پیش کر کے اسے مولانا سید نذیر حسین مرحوم کا مذہب قرار دیں یا اس کی بنا پر مذہب اہل حدیث پر یہ الزام رکھیں کہ وہ بھی ایک صورت تقلید کو مباح کہتے ہیں۔ ہم اہل حدیث کسی عام و خاص کی تقلید اور کسی امام کا مذہب معین کرنا اور ہمیشہ اس کی تقلید کرتے رہنا بدعت حقیقیہ جانتے ہیں کیونکہ تقلید شخصی اور یقین مذہب شخص واحد موجب افتراق فی الدین ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت سید نذیر حسین مرحوم نے حضرت سید اسماعیل شہید مغفور کے فرمان کو اپنی تائید میں پیش فرمایا ہے جو بالکل درست ہے۔ فرقہ بریلویہ کے بغیر دیگر حنفیہ کو شہید علیہ الرحمتہ کا تقدس مسلم ہے۔ اس لیے انہوں نے شہید مرحوم کے اس فرمان کی یہ توجیہہ کی ہے کہ تقلید شخصی کو مقصود بالذات سمجھنا بیشک بدعت ہے لیکن مقصود بالغیر سمجھنا یعنی مقصود بالذات کا مقدمہ سمجھنا یہ بدعت نہیں بلکہ اطاعت ہے (بوادر النوادر مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی جلد دوم ص-۷۷۹)

میں کہتا ہوں کہ مقلدین کے نزدیک تقلید شخصی مقصود بالذات ہے۔ کیونکہ وہ اس کو شارع کی طرف سے مامور بہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کو اسلام کا اصول تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ دیوبند کی مذہبی درسگاہ کا آرگن "القاسم" مطبوعہ جماوی الثانی سنہ-۱۳۳۸ھ ناطق ہے کہ: "تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے جس کے لیے اہل اسلام اللہ اور رسول کی طرف سے مامور ہیں" (ص-۳)

جب علماء دیوبند تقلید شخصی کو اسلام کا عظیم الشان اصول قرار دے کر اللہ اور رسول کی طرف سے مامور بہ اعتقاد رکھتے ہیں تو پھر اس کے مقصود بالذات ہونے میں کیا شبہ ہوا۔ جب مقصود بالذات ہوئی تو پھر مولانا اشرف علی صاحب کے فیصلہ کی رو سے بدعت ثابت ہوئی۔ لہٰذا مقلدین اہل حدیث کے مابین حد فاصل تقلید شخصی ہے جو باہمی اتفاق و اتحاد سے مانع ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ احناف سے اختلاف صحابہ و تابعین کے اختلاف کی مثل ہے' بالکل غلط ہے۔ صحابہ و تابعین کا اختلاف بعض فروعی مسائل میں تھا اور اس اختلاف کے اسباب اور تھے۔ ہمارا اور مقلدین کا اختلاف اصولی ہے اور اس کا سبب تقلید شخصی اور التزام مذہب معین ہے جو بدعت ہے۔ دونوں اختلافوں کی نوعیت مختلف ہے۔ اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حررہ عبدالقادر الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد-۳' شمارہ-۲۰' مورخہ یکم جنوری ۱۹۶۰ء اہل حدیث سوہدرہ ۲۲ جولائی سنہ-۱۹۵۲ء

مناظرہ تقلید

سوال حنفی: تقلید کس کو کہتے ہیں؟

جواب از عامل بالحدیث: قرآن حدیث و فقہ میں صیغہ تقلید کا استعمال حیوانوں کے ساتھ کیا گیا ہے- چنانچہ قرآن میں والھدی والقلائد وارد ہے- اور حدیث میں رجل یسوق بدنة مقلدًا آیا ہے اور ہدایہ مع شرح کفایہ میں ص-۳۲۴ پر لکھا ہے وصفة التقليد ان يربط على عنق بدنة قطعة نعل یعنی تقلید کی صفت یہ ہے کہ قربانی کی گردن پر جوتی کا ٹکڑا باندھ دے- اور حدیث مذکور میں بھی اونٹ کو مقلد کہا گیا ہے جو قربانی کے لیے چلایا جا رہا تھا اور قرآن میں بھی گلے میں پٹے والے حیوانوں کو کہا گیا ہے- پس بہرکیف یہ صیغہ تقلید کا حیوانوں کے بارے میں شارع نے استعمال کیا ہے- پھر علماء محققین نے اس لفظ کا استعمال اس شخص کے حق میں کرنا شروع کر دیا جو کسی ایک شخص کے اقوال کو اختیار کرتا رہے گا' اس کو بھی مقلد کہیں گے-

باقی اہل ایمان انسان کے حق میں اتباع' اطاعت' اقتداء صیغے استعمال ہوئے ہیں اور یہ ایسے مبارک لفظ ہیں جن سے انبیاء و اولیاء' ائمہ مجتہدین اور علماء محققین موصوف ہو کر متبع اور مطیع اور مقتدی کہلا سکتے ہیں- لیکن مقلد کوئی نہیں کہلا سکتا- بلکہ یہ ان کے حق میں توہین اور بے ادبی ہے- چنانچہ ہماری اس تعریف تقلید پر شاہد موجود ہے- ملا علی قاری حنفی شرح قصیدہ امالی مطبوعہ یوسفی دہلی ص-۳۴ میں لکھتے ہیں والتقليد قبول قول الغير بلا دليل فكانه لقبوله جعله قلادة في عنقه انتہی- یعنی تقلید قبول کرنا قول غیر کا بغیر ثبوت کے ہے- پس گویا اس قول کے قبول کر لینے کو گلے کا ہار بنا لیا- یہی لغوی اور اصطلاحی معنوں میں مناسبت ہے- اسی طرح فتوحات کے ابواب الفقہ میں فصل فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر کے تحت میں شیخ صاحب فرماتے ہیں: وانما التقليد اذا لم يكن عندنا قرآن ولا خبر او

یکون ولا فہم لنا لعدم مہارتنا باللسان وبما یقتضہ الحکم فان کان لنا علم بذالک فنحن وھم ھواء انتہٰی۔ یعنی تقلید اس وقت ہے کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث موجود نہ ہو یا ہو لیکن عربی نہ جاننے کی وجہ سے سمجھ نہ سکتے ہوں اور اس چیز کو کہ حکم مقتضی ہو نہ جانتے ہوں اگر ہم کو علم ہو گیا تو وہ مجتہد اور ہم برابر ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام سمجھنے والے کو عالم کہتے ہیں اور جس کے پاس قرآن و حدیث نہ ہو صرف اقوال رجال کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے تو وہ مقلد جاہل ہے' فتأمل۔

سوال مقلد: تقلید کب شروع ہوئی ہے؟

جواب محقق: اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ تقلید جو گلے کی پھانسی ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانہ بابرکت میں ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ بعد ازاں جبکہ دین میں تغیر شروع ہوا اور بدعتیں پھیلنے لگیں تو منجملہ تقلید ائمہ اربعہ ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ تذکرۃ ال۔۔۔۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ ص-۲۰۳ میں ہے: وکذالک کان فی ھذا الوقت خلق عرضوا مما علیہ السلف من المسائل بالاثار النبوۃ وظھر فی الفقھاء تقلید وتناقص الاجتہاد انتہٰی۔ اسی طرح اس وقت میں ایسی مخلوق بھی تھی' جنہوں نے احادیث نبوی سے منہ پھیرا جو سلف کا طریقہ تھا اور ان فقہاء میں تقلید ظاہر ہو گئی اور اجتہاد گھٹ گیا۔ اور اعلام الموقعین میں ہے۔ انما حدثت ھذہ البدعۃ فی القرن الرابع المذمومۃ علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ تقلید بدعت چوتھی صدی میں جاری ہوئی جس کی برائی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے۔ جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ میں فرماتے ہیں: اعلم ان الناس کانوا قبل المأۃ الرابعۃ غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد یعنی چوتھی صدی سے پہلے لوگ ایک مذہب کی تقلید پر جمع نہ ہوئے تھے۔ پس ان حوالہ جات سے صاف عیاں ہے کہ تقلید چوتھی صدی میں ظاہر ہوئی ہے' پہلے اس کا وجود نہ تھا۔

سوال مقلد: اجتہاد اور عمل بالحدیث اور تقلید ایک ہی شے ہیں یا جدا جدا ہیں؟

جواب محقق: یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ اجتہاد کہتے ہیں فقیہ کا اپنی قوت علمیہ کو شرعی حکم ظنی کے حاصل کرنے میں خرچ کرنے کو۔ چنانچہ دراسات اللبیب ص-۱۷ میں ہے:

الاجتهاد فی الاصطلاح استفراغ الفقیه الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی- مسلم الثبوت ص-۲۲۲ میں بھی اسی طرح ہے- اور پھر منصب اجتہاد حاصل کرنے کے شرائط بھی ہیں جو توضیح ص-۳۳۸ میں بایں الفاظ مرقوم ہیں- شرطه ان یحوی علم الکتاب بمعانیه لغة وشرعا واقسامه المذکورة وعلم السنة متنا وسندًا ووجوه القیاس کما ذکرنا- یعنی قرآن مجید کے لغوی اور شرعی معنی جانتا ہو اور اقسام مذکورہ (عام خاص وغیرہ) اور علم حدیث کے متن اور سند جانتا ہو اور وجوہ قیاس سے واقف ہو- خلاصہ یہ ہے کہ قواعد علمیہ میں مہارت رکھتا ہو اور قرآن و حدیث کا پورے طور سے علم ہو- پس یہ صفت اجتہاد ہے اور جو اس وصف سے موصوف ہو' وہ مجتہد ہے- اب بھی اگر کوئی ان شرائط اجتہاد سے مشروط ہو کر مسائل کو شرعی دلائل سے سمجھتا رہے تو وہ مجتہد ہو گا- یہ امر بالکل جھوٹ ہے کہ مرتبہ اجتہاد مرتبہ نبوت کی طرح ختم ہو گیا ہے جو دعویٰ کرے' اس کے ذمہ دلیل واجب ہے-

دوسری شے عمل بالحدیث ہے- جو مسائل قرآن و احادیث نبویہ سے منصوص ہوں' ان پر فی الفور عملدر آمد کرنا بغیر واسطہ کسی غیر کے عمل بالحدیث کہلاتا ہے- جس کی مثال یہ ہے کہ حضرت نویلہ بنت مسلم فرماتی ہیں کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے- دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آکر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی- چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اس طرف ادا کی- اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں- آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے- (ابن کثیر) اسی طرح اہل قبا کو قبلہ تبدیل ہونے کی خبر دوسرے دن صبح کے وقت پہنچی تو وہ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے- الغرض جس طرح صحابہ کرام نبی ﷺ سے احکام سن کر فوراً عمل کرتے رہے بغیر کسی وقفہ کے اور جس طرح تابعین عمل کرتے رہے صحابہ سے قرآن و احادیث سن کر اور تبع تابعین عمل کرتے رہے احادیث نبویہ تابعین سے سن کر- اسی طرح ہم لوگ کتب محدثین میں احادیث نبویہ کو معلوم کرنے کے بعد فوراً عمل کرنے کے قائل ہیں-

چنانچہ دراسات اللبیب ص-۱۲ میں ایک مصنف حنفی فرماتے ہیں ومن الاحادیث ماھو منصوص فی المراد وظاهر فیه یعلمه کل من علم اللسان من غیر معارضة احتمال

اخر به فالعمل بما هذا حاله عمل بالحدیث انتھی۔ یعنی زبان عربی کا جاننے والا احادیث سے حکم منصوص کو سمجھ کر بغیر معارضہ احتمال دیگر کے عمل کرے تو یہ عمل بالحدیث ہے۔ ص۱۹ پر فرماتے ہیں فکما ان الصحابی الخ یعنی جس طرح صحابی نے نبی ﷺ سے مسئلہ سن کر فوراً عمل کر لیا بغیر کسی دوسرے عالم کے دریافت کرنے کے۔ اسی طرح ہر مکلف کو جو حدیث نبوی پر مطلع ہو جائے' عمل کرنا واجب ہو گا بغیر کسی شخص کو واسطہ فی التفہیم ٹھہرانے کے۔ ہاں حدیث نبوی معلوم ہونے پر۔

پھر خواہ اکابر علماء کے اقوال سامنے آجائیں' ہمیں ان کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ دراسات اللبیب کا مصنف صفحہ مذکور پر لکھتا ہے وکما ان الصحابی اذا سمع عن احد بعد ذالک' الخ یعنی جس طرح صحابی نے کوئی قول خلاف حدیث کے سن لیا' اگرچہ وہ خلفاء راشدین کا ہو تو اس نے کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ خوب اس کی مزاحمت کی۔ جس طرح صحابہ کے باہمی واقعات شاہد ہیں' اسی طرح کسی مکلف کو جائز نہیں ہے کہ جب اس کے پاس حدیث نبوی موجود ہو تو کسی دیگر شخص کے قول مخالف پر عمل کرے۔ اگرچہ ائمہ اربعہ ہوں یا صحابہ کرام۔

اب یہ جاننا چاہیے کہ حدیث نبوی کو سن کر اس کا مطلب اور مراد علم عربی جاننے سے سمجھا ہوا ہے پھر اس میں توقف اس غرض سے کرنا کہ آیا ائمہ اربعہ نے اس حدیث کو لیا ہے یا نہیں؟ یا اگر لیا ہے تو اس کا مطلب سمجھا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ توقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سو اس کے متعلق بھی دراسات اللبیب کا مصنف براہ انصاف اسی صفحہ پر لکھتا ہے وکما ان الصحابی یحرم علیه الوقفة بعد السماع فی العمل ویحرم علیه ترک ما سمع بقول احد من الصحابة کذالک یحرم علی المکلف التوقف فی العمل وترک الحدیث بقول احد انتھی۔ یعنی جس طرح صحابی کو نبی ﷺ کے حدیث سن کر عمل میں توقف کرنا حرام تھا اور کسی دیگر صحابی کے قول کو لے کر حدیث کا چھوڑنا حرام تھا' اسی طرح ہر مکلف پر عمل میں توقف کرنا اور کسی امام کے قول کو لے کر حدیث کو چھوڑ دینا صاف حرام ہے۔

ناظرین یہ ہے منصف حنفیوں کی تحقیق جو صحابہ کرام کی روش کو اختیار کرتے رہے۔ اب سنئے موجودہ زمانہ کے حنفیوں کا انصاف جو اخبار الحدل میں برائے احناف درج ہوا ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (جن کی بیعت سے احناف کے بہت سے افراد مشرف ہو چکے ہیں) الھدی مطبوعہ ۲۹/ اپریل میں رقمطراز ہیں: میرے دل میں تو تقلید کی تفسیر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث و ارشادات پر عمل کرتے ہیں۔ اس تفسیر پر جو امام ابوحنیفہ نے بیان کی ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے نزدیک درایت و فقہ حدیث میں اعلیٰ پایہ پر ہیں۔ مولانا کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث پر عمل کیا جائے گا جن کو فقہ کی کتابوں میں ملحوظ رکھ کر استنباط کیا گیا ہے۔

چنانچہ مولانا موصوف کا بہشتی زیور اس امر کی شہادت دیتا ہے۔ حصہ۔۳' ص۔۸۰ پر شراب کا سرکہ بن جائے تو پاک ہے۔ اسی طرح کتب فقہ میں درج ہے۔ حالانکہ حدیث صحیح کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسلم شریف جلد۔۲' ص۔۱۴۳ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ شراب کا سرکہ بنایا جائے تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ خمر کو دوا کے طور بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا یہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ اس کے ماتحت امام نووی فرماتے ہیں ھذا دلیل الشافعی والجمھور انہ لایجوز تخلیل الخمر ولا تطھر بالتفصیل یعنی یہ دلیل شافعی اور جمہور کی ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ یہ پاک ہوتی ہے۔

اسی طرح بہشتی زیور حصہ۔۲' ص۔۵ میں حیض کے دن پورے ہونے پر بغیر غسل کے صحبت جائز قرار دی گئی ہے جو کتب فقہ کا خلاصہ ہے۔ حالانکہ یہ صاف طور پر حدیث صحیح کے خلاف ہے بلکہ قرآن مجید کے بھی مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاعتزلوا النسآء فی المحیض ولا تقربوھن حتّٰی یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللّٰہ۔ فرمایا اللہ عزوجل نے دور رہو عورتوں سے حالت حیض میں' یہاں تک کہ پاک ہو جائیں وہ۔ پس جب وہ غسل کرلیں تو پھر تم آؤ یعنی جماع کرو جہاں کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ یعنی قبل میں' نہ دبر میں۔

محدثین کرام نے بھی اس آیت سے یہی مطلب سمجھا اور صحابہ و تابعین عظام نے بھی یہی تفسیر کی کہ غسل کرنے کے بعد صحبت جائز ہوگی۔ چنانچہ موطا میں امام مالک نے باب لا یرتفع التحریم حتّٰی ینقطع الدم وتغتسل کے ماتحت سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار سے نقل کیا ہے کہ ان سے حائضہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ جب وہ طہر میں آجائے' غسل

کرنے سے پہلے صحبت جائز ہے یا نہیں؟ تو ان دونوں نے کہا جائز نہیں ہے' جب تک غسل نہ کرلے۔ اس کے عربی حاشیہ پر مولانا شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: قلت هو قول اکثر اهل العلم لقوله تعالٰی فاذا اتطهرن فاتوهن من حيث امركم الله ای اغتسلن انتهٰی۔ یعنی اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ کیونکہ اللہ نے فاذا اتطهرن فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں جب وہ غسل کرلیں۔ یہی معنی حضرت ابن عباس اور مجاہد اور عکرمہ اور حسن اور مقاتل اور لیث بن سعد فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب شرح موطا میں تحریر فرماتے ہیں۔ "مترجم گوید ہمیں است ایماء قولہ تعالیٰ فاذا تطهرن فاتوهن یعنی غسل ہی فاذا تطهرن سے ظاہر ہوتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر پارہ دوم میں ہے: وقد اتفق العلماء علی ان المراة اذا نقطع حيضها لا تحل حتی تغتسل بالماء اوتيمم ان تعذر ذالک عليها بشرطه الا ان اباحنيفة رحمه الله يقول فيما اذا انقطع دمها لاكثر الحيض وهو عشرة ايام عنده انها تحل بمجرد الا نقطاع ولا تفتقر الٰی غسل انتهٰی۔ تحقیق تمام علماء نے اتفاق کیا ہے کہ جب خون حیض کا رک جائے پھر بھی اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں ہے' جب تک کہ وہ پانی سے غسل نہ کرلے یا اگر معذور ہے تو تیمم کرلے۔ اس کے بعد حلال ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ ان سب کے خلاف فرماتے ہیں کہ جب آخری میعاد تک خون آکر بند ہوگیا تو خاوند کو غسل سے پہلے صحبت جائز ہے۔

مشکوۃ شریف باب الحیض میں دو احادیث بایں الفاظ مروی ہیں۔ عن انس بن مالک قال ان اليهود كانوا اذا حاضت المراة فيهم لم يواكلوها ولم يحامعوهن في البيوت فسال اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم فانزل الله تعالٰی ويسئلونک عن المحيض الاية فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم اصنعوا كل شئی الا النكاح الحديث۔ یعنی آیت مذکور کی تفسیر میں آپ نے بھی یہ حکم دیا کہ بحالت نجاست وطی نہ کی جائے اور خود نبی ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا۔

چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ومن عائشة قالت كنت اذا حضت نزلت عن المثال علی الحصير فلم تقرب رسول الله صلی الله عليه وسلم ولم ندن حتی تطهر۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی بحالت حیض میں رسول اللہ ﷺ سے مقاربت

معروفہ نہ کرتی۔ یہاں تک کہ غسل کر لیتی۔

پس یہ دو احادیث اور آیت مذکورہ حنفیوں کا رد کرتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا ایک استدلال واسطہ فی التفہیم والوں کے لیے قرآن سے درج کیا جاتا ہے۔ اکلیل فی استنباط التنزیل مطبوعہ فاروقی ص-۲۲۸ میں ہے۔ قولہ تعالٰی ولا یطئون موطنا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم به عمل صالح استدل بھا ابوحنیفة علی جواز الزنا بنساء اھل الحرب فی دار الحرب انتھی۔ یعنی اس آیت سے ابوحنیفہ نے دلیل پکڑی ہے کہ دارالحرب میں کافروں کی عورتوں سے زنا جائز ہے (معاذ اللہ) ہاں صرف زنا ہی نہیں بلکہ سود بھی دارالحرب میں لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں یہ امر صاف مصرح ہے۔ پس زنا اور سود ہر دو گناہ سب گناہوں سے بڑے تھے۔ جو دارالحرب میں جائز قرار دیئے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے واسطہ فی التفہیم کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور بلا واسطہ عمل بالحدیث کو مکروہ سمجھا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام کو بغیر کسی واسطہ کے قوت علمیہ سے سمجھ کر عمل کرنا عمل بالحدیث ہے۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عمل بالاجتہاد فی الحدیث اور محض عمل بالحدیث میں کیا فرق ہے؟ عمل مجتہد فی الحدیث تو دلالات محتملہ اور وجوہ مختلفہ اور متعارضہ اور اقسام عام و خاص اور مطلق و مقید اور مفسر و مجمل وغیرہ میں نظر کرنے کے بعد جو اس کو وجہ ترجیح ظاہر ہوتی ہے' اس پر چلنے کا نام ہے۔ اور عمل بالحدیث نفس حدیث پر بغیر معارضہ احتمال دیگر کے محض لسان عربی سے واقف ہو کر عمل کرنے کا نام ہے۔ پس مجتہد کا طریقہ اجتہاد کے بعد منجملہ احتمالات کے ایک احتمال پر عمل کرتا ہوا جو شئی دیگر ہے اور عامل بالحدیث نفس حجت شرعیہ یعنی کتاب و سنت کے عین محل سے جو مراد مفہوم ہے' اس پر عمل کرتا ہے جو شئی دیگر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حدیث شریف میں سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے عوض اور گیہوں کو گیہوں کے بدلہ میں اور کھجور کو کھجور کے عوض میں اور جو کو جو کے بدلہ میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر بیچنے کا حکم ہے۔ زیادتی اور ادوھار ممنوع ہے۔

اخبار اور حدیث کی کتابوں میں انہی چھ چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ پس عامل بالحدیث تو اس حدیث پر عمل کر کے رہا کو انہی چھ چیزوں پر منحصر سمجھتا رہے گا اور مجتہد فی الحدیث اس حدیث کی علت پر غور کرے گا۔ پس جو علت میں ان چیزوں کی کوئی چیز شریک ہو گی' اس کا

حکم بھی مثل ان کے ہو گا۔ اب علت کو سمجھنے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ اس واسطے ان کے عمل میں بھی اختلاف ہے۔ برخلاف عامل بالحدیث کے کہ وہ کہتا ہے کہ علت چونکہ منصوص نہیں ہے' اس لیے اجتہادی اختلاف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے' فتامل۔

اب رہا تیسرا امر تقلید یعنی عمل بالتقلید۔ سو تقلید کے متعلق کچھ تو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مختصر یہ عرض ہے کہ تعریف تقلید میں علماء حنفیہ آپس میں بہت مخالفت کرتے ہیں۔ علماء اصول نے کچھ اور کی ہے اور آج کل کے حنفیہ کچھ اور ہی کرتے ہیں۔ علماء اصول تو کہتے ہیں کہ تقلید بغیر دلیل کے کسی قول پر عمل کرتے رہنا ہے۔ چنانچہ اس بنا پر وہ انبیاء اور اولیاء اللہ اور علماء مجتہدین کی جہلاء مقلدین سے تفریق کرتے ہیں اور آج کل کے حنفیہ تقلید کے معنی پیروی کرنے کے بیان کرتے ہیں' جس کی بنا پر انبیاء اور اولیاء اور علماء مجتہدین کو اپنے جیسا ہی مقلد گردانتے ہیں۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ ارشادات نبوی کو سمجھنے میں واسطہ فی التفہیم کسی شخص کو ٹھہرا لینا تقلید ہے۔ بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دلائل کے سوا محض حسن ظن سے کسی شخص کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے۔ پس عمل بالاجتہاد اور عمل بالحدیث میں فرق صاف ظاہر ہے۔

باقی اب یہ بات قابل غور رہ گئی ہے کہ عمل بالحدیث اجتہاد ہے یا تقلید ہے؟ بعض ابناء الزمان تو عاملین بالحدیث کو مجتہد بننے کا الزام دیتے ہیں کہ میاں ادلہ سے کام لینا مجتہدین کا کام ہے اور بعض اہل طغیان حدیث پر عمل کرنے والوں کو تقلید کا الزام دے دیا کرتے ہیں۔ کہ میاں یہ محدثین کے مقلد ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ نفس عمل بالحدیث نہ اجتہاد ہے نہ تقلید۔ کیونکہ تینوں کا معنی اور مراد الگ الگ ہے۔ جس طرح کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے۔ دراسات اللبیب میں ص-۱۷ پر لکھا ہے: وبقی الشان فی بیان ان العمل بالحدیث لیس من باب الاجتهاد ولا من باب التقلید واما الثانی فلما بین فی اصول الفقه من ان العمل باحدی الحجج الاربعة الشرعیة لا یکون تقلیدا وانما التقلید التمسک بقول من تحسن الیه الظان وتعتقد حسن تمسکه بالادلة الشرعیة واتقان معرفته بها اذا التقلید لا یصح فی النقلیات فکما ان العامل بقیاسه او باجتهاده بطریقة لا یسمی مقلدا فکذلک العامل بالکتاب او بالسنة او بالاجماع انتهی۔ یعنی عمل بالحدیث نہ اجتہاد ہے اور نہ تقلید۔ تقلید تو اس وجہ سے نہیں ہے کہ اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے کہ

ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ تقلید تو حسن ظن سے کسی کے قول پر تمسک کرنے کا نام ہے۔ اس اعتقاد سے کہ وہ دلائل شرعیہ سے بتا دے گا۔ اسی واسطے نقلیات میں تقلید صحیح نہیں ہے۔ پس جس طرح عامل بالقیاس اور عامل بالاجتہاد کو مقلد نہیں کہا جاتا' اسی طرح عامل بالکتاب اور عامل بالسنہ اور عامل بالاجماع کو مقلد نہیں کہیں گے۔

آگے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں: واما الاول فلان الاجتهاد فی الاصطلاح' الخ۔ یعنی عمل بالحدیث اجتہاد اس وجہ سے نہیں ہے کہ اصطلاح علماء میں اجتہاد فقیہ کا طاقت صرف کرنا واسطے حاصل کرنے حکم ظنی کے ساتھ حکم شرعی کے'کو کہا جاتا ہے اور کتاب اللہ اور سنت پر اور اجماع امت پر عمل کرنا اس باب سے نہیں ہے جس میں فقیہ کی طاقت خرچ ہوئی ہے بلکہ وہ مطلقاً ہی باب تحصیل سے نہیں ہے چہ جائیکہ باب تحصیل ظن سے ہو۔ کیونکہ قرآن و حدیث و اجماع امت موجب یقین ہیں اور اجتہاد فی نفسہٖ موجب ظن ہے' موجب یقین نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عمل بالحدیث علماء اصول فقہ و حدیث کے نزدیک نہ اجتہاد ہے نہ تقلید ہے' فتأمل۔

سوال مقلد: بعض علماء جن کو ان کے معتقدین قبلہ دوراں تصور کرتے ہیں' شارع کی اتباع کو بھی تقلید کہتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے قرآن و حدیث کو بھی تقلید کہتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے قرآن و حدیث اجماع امت پر عمل کرنا بھی تقلید ہی ہو گا اور یہ علماء مذہب حنفی رکھتے ہیں۔

جواب محقق عامل بالحدیث: ان بعض علماء کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جبکہ علم اصول کے ماہرین متقدمین نے اس امر کا صاف فیصلہ کر دیا ہے۔ دوم ان بعض علماء نے تو انبیاء اور اولیاء اور مجتہدین سب کو ہی مقلد قرار دے دیا ہے۔ سو ان کی اصطلاح ہی الگ ایجاد ہوئی ہے ورنہ احناف اہل انصاف نے تو صاف کہہ دیا ہے وتقليد الشارع بمعنى تبعيته ليس بتقليد مصطلح والمنفى من العامل بالحديث انما هو ذالک انتهى۔ (دراسات اللبیب ص-۱۷) یعنی شارع کی تقلید یعنی اتباع (پیروی محض) ہے۔ اصطلاحی تقلید (متنازعہ) نہیں ہے۔ چنانچہ عامل بالحدیث سے اصطلاحی تقلید کی نفی کی گئی ہے۔ پس اپنی اصطلاح میں قرآن و حدیث کی اتباع کو تقلید کہنا ایسا ہی ہے جیسے آریہ لوگوں کی اصطلاح میں منکوحہ عورت کا کسی دوسرے شخص سے جماع کروا کر اولاد حاصل کرنا نیوگ کہلاتا ہے' فتأمل۔

مقلد: اجتہاد اور عمل الحدیث اور تقلید میں سے بہتر طرز عمل کون سا ہے اور عندالشرع بدترین طریق عمل کون سا ہے؟

عامل بالحدیث: طرز عمل بہتر عمل بالحدیث ہے اور یہی دو چیزیں قرآن و حدیث معمول بہ موروثی ہیں۔ محض ان سے تمسک کرنے کو عامل بالحدیث کہا جاتا ہے' کما تقدم چنانچہ یہی نبی ﷺ کی آخری وصیت تھی' جس کے الفاظ طیبہ یہ ہیں ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی یعنی میں تم میں دو باتیں چھوڑ چلا ہوں' جب تک ان سے تمسک کرو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک تو کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔

یہی عمل درآمد قرون ثلاثہ میں رہا ہے۔ قرآن مجید میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا ہے: اتبعو ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء یعنی جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے' اس کی تابعداری کرو' سوا اس کے (مذہبی امور میں) کسی کی تابعداری نہ کرو۔ پس اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی طرف دو ہی چیزیں اتاری گئی ہیں قرآن اور حدیث۔ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے لفظ حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ اس امر کا ثبوت اس آیت پاک میں ہے: وانزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم یعنی اے نبی! اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت (حدیث) اتار کر تجھے وہ چیزیں سکھلا دی ہیں جو تو جانتا نہ تھا۔

اب اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ بحکم الٰہی بلغ ما انزل الیک من ربک ہم کو پہنچایا گیا ہے۔ سو ہم کو جو نبی ﷺ کے پاس سے پہنچا ہے' وہ قرآن اور حدیث ہے۔ پس انہی کی اتباع فرض ہے اور یہی دو چیزیں قطعی ہیں' باقی اجتہاد وغیرہ سب ظنی ہیں۔ اسی واسطے ان کی اتباع پر سلف و خلف کا اتفاق ہے اور اجماع و قیاس کی حجت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض تو مطلقاً انکاری ہیں اور بعض جو قائل ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اجماع وہ صحیح ہو گا جس کا مدار حدیث پر ہو اور قیاس وہ صحیح ہو گا جس کا مقیس علیہ قرآن و حدیث ہو۔ بس بہرکیف بنا اور مدار قرآن و حدیث ہیں۔

اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ علماء اصول کا قول ہے کہ المجتھد قد یصیب ویخطی (نور الانوار) یعنی مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی درست کہتا ہے اور کبھی خطا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجتہدین کا آپس میں اجتہادی مسائل میں اختلاف مشہور ہے' باوجود اجتہاد کرنے کے بھی یہی کہنا پڑا کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی صحیح حدیث ہی ہمارا مذہب ہے۔

باقی رہا طرز عمل تقلید' سو یہ بھی غیر معتبر ہے۔ محض اتباع نبوی ہی میں راہ ہدایت ملتی ہے۔ اسی واسطے بخاری شریف میں ارشاد ہے: لو کان موسی حیا لما وسعه الا اتباعی یعنی اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی تابعداری کرتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر موسیٰ زندہ ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری کرنے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ۔ اسی واسطے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ وارد ہے۔

پس ہم اتباع نبوی کے مامور ہیں' تقلید والا طریق عمل علماء محققین کے نزدیک مذموم ہے اور اس کی برائی قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ چنانچہ انبیاء جب آتے رہے ہر عام و خاص کو حکم الٰہی پہنچاتے رہے تو وہ تقلید آبائی کی وجہ سے جھٹلاتے رہے اور یہی طریق عمل جاری رہا۔ یہاں تک کہ علماء اور درویشوں کی بھی تقلید کرنے لگے جس پر اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ کا ارشاد نازل ہوا اور ان کو مشرک قرار دیا گیا۔ اب جو کوئی بھی اللّٰہ اور رسول کے سوا کسی غیر کا قول واجب الاطاعت مذہبی امور میں جانے گا' وہی مشرک ہو گا۔ چونکہ شریعت کا منصب اللّٰہ اور رسول کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے' اس لیے اطاعت بالاستقلال بھی کسی کو حاصل نہیں ہے' فتامل۔

مقلد: معین مجتہد کی تقلید پر کوئی شرعی یا عقلی دلیل موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تقلید کی کثرت کیوں ہو گئی؟

عامل بالحدیث: کوئی دلیل شرعی اور عقلی تقلید پر موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہیں' کما تقدم۔ چنانچہ طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں ملا عابد سندھی حنفی فرماتے ہیں ووجوب تقلید مجتھد معین لا حجة علیه لا من جھة الشریعة ولا من جھة العقل یعنی ایک مجتہد کی تقلید پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ شریعت کی رو سے' نہ عقل کی رو سے۔

کلمات طیبات میں ص۔۳۰ مکتوبات میرزا مظہر جان جاناں میں ہے کہ بر افراد امت اتباع پیغمبر واجب است و اتباع ہیچ یکے از ائمہ واجب نیست یعنی ہر فرد امت پر اتباع پیغمبر کی

واجب ہے۔

مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحی صاحب میں ہے کہ "مختار بعض علماء آنست کہ تقلید مذہب معین ضرور نیست ہرکس را اختیار است کہ برہر مذہبے کہ خواہد عمل نماید۔" یعنی پسندیدہ بات علماء کی یہ ہے کہ تقلید مذہب معین کی ضروری نہیں' ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس مذہب پر چاہے عمل کرے۔ بہرحال مذہب معین کی تقلید روا نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ اس کی اشاعت اس قدر کیوں ہوئی۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ بحکم الانسان حریص لما منع - قرون ثلاثہ کے بعد جبکہ گمراہی پھیلنی شروع ہوئی' لوگوں نے سنت نبویہ اور احادیث مصطفویہ ﷺ سے غفلت اختیار کرلی اور آراء الرجال میں مشغول ہونا شروع کر دیا۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ جلد-۲' ص-۱۱ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب حدیث یکے بعد دیگرے مرتے گئے اور جو بچے وہ حقیر سمجھے گئے۔ لوگوں نے علم حدیث کی نگہداشت چھوڑ دی اور حدیث و سنت کے دشمن ہو گئے اور محدثین پر مذاق اڑانے لگے اور اس زمانہ کے اکثر علماء فروع یعنی عملیات میں بغیر تحقیق کے تقلید کرنے لگے اور عقلیات یعنی علوم حکمت اور آراء متکلمین پر جھک پڑے۔ بغیر سمجھے پس بلا پھیل گئی اور بدعات قوی ہو گئیں اور علم کے اٹھ جانے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ سو اللہ بھلا کرے اس شخص کا جو اپنے حال پر توجہ کرے اور اپنی زبان کو روکے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اپنے زمانہ کی حالت پر روئے اور صحیح بات پر نظر کرے اور اللہ کی عبادت اجل آنے سے پہلے کرے' انتہی۔

مترجما شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ ص-۱۵۷ باب الفرق بین اہل الحدیث میں رقمطراز ہیں: فای مذھب کان اصحابہ مشھورین و وسدا الیھم القضاء والافتاء واشتھر تصانیفھم فی الناس ودرسوا درسا ظاھرا انتشر فی اقطار الارض ولم یزل ینتشر کل حین الخ۔ یعنی جس مذہب کے اصحاب مشہور ہوئے اور خدمت قضاء اور افتاء ان کے سپرد ہوئی اور ان کی تصنیف لوگوں میں مشہور ہوئی اور لوگوں نے ان کو پڑھا تو وہ اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ دن بدن بڑھتا رہا اور جس مذہب کے اصحاب زیادہ مشہور نہ ہوئے اور قاضی و مفتی نہ بنائے گئے اور لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے' وہ مذہب کچھ دنوں کے بعد مٹ مٹا گیا خاص کر حنفی مذہب کی ترقی قاضی ابویوسف کی وجہ سے ہوئی۔

ابن خلکان میں ہے: لولا ابویوسف ماذکر ابوحنیفۃ یعنی اگر ابویوسف قاضی نہ ہوتا تو ابوحنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ الغرض لوگ اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتے ہیں اور اس وقت کے قاضی اور مفتی اپنے اپنے پیشواؤں کے اقوال کو زیادہ لیتے تھے' اس لیے اقوال الرجال کی اتباع پھیل گئی اور اصل علم حدیث اور اس کے اہل کم ہو گئے۔ کیونکہ اللہ کے شکر گزار کم ہیں اور نیز اسلام غریب شروع ہوا تھا اور غریب ہی ہو کر لوٹے گا' فطوبیٰ للغرباء فتأمل وتذکر۔

مقلد: چاروں امام جو مشہور ہیں' یہ خود مقلد تھے یا انہوں نے دیگر لوگوں کو تقلید کا حکم دیا تھا؟

عامل بالحدیث: چاروں امام نہ خود مقلد تھے اور نہ انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ تو بقول مان نہ مان میں تیرا مہمان خود بخود ہی لوگوں میں رواج پڑ رہا ہے کہ مذہب معین ان کے نام پر کر رہے ہیں۔ چنانچہ منہاج السنۃ جلد۔۲' ص۹۰ پر ہے فان ھٰؤلاء الائمۃ (ای الاربعۃ) لم یکونوا علی عصر واحد (الیٰ) ولیس فی ھٰؤلاء والسنۃ والاقوال غیرہ قولا یخالف الکتاب من یقلد الاخر ولا من یامر باتباع الناس لہ بل کل منھم یدعوا الی متابعۃ الکتاب والسنۃ عندہ ردہ ولا یوجب علی الناس تقلیدہ انتھیٰ۔ یہ چاروں امام ایک زمانہ میں نہیں ہوئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ سنہ۔۱۵۰ھ میں فوت ہوئے ہیں اور امام مالک سنہ۔۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور امام شافعی سنہ۔۲۰۴ھ میں اور امام احمد بن حنبل سنہ۔۲۴۱ھ میں فوت ہوئے ہیں اور یہ آپس میں ان سے کوئی پچھلا پہلے کی تقلید نہیں کرتا تھا اور نہ لوگوں سے کہتا تھا کہ میری اتباع کرو یا ان کی بلکہ ہر ایک ان کا کتاب و سنت کے اتباع کی طرف بلاتا تھا اور ان کو جب کوئی بات کتاب و سنت کے مخالف معلوم ہوتی تو فوراً یہ رد کر دیتے تھے اور اپنی تقلید کو انہوں نے کسی کے لیے ضروری نہ ٹھہرایا' فافہم۔

مقلد: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خصوصاً تقلید کے متعلق کیا حکم بیان فرمایا ہے؟ تقلید کا حکم دیا ہے یا روکا ہے؟

عامل بالحدیث: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اپنا مذہب یہ ہے کہ کلمات طیبات ص۔۳۰ پر ہے: اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی فرمایا امام صاحب نے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔

میزان ص ۴۹ میں ہے وکان یقول لم یزل الناس فی صلاح مادام فیھم من یطلب الحدیث فاذا طلبو العلم بلا حدیث فسدوا۔ یعنی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ ہدایت پر رہیں گے جب تک کہ ان میں طالب حدیث رہیں گے۔ جب حدیث کو چھوڑ کر دوسرا علم طلب کریں گے تو بگڑ جائیں گے۔ اور نیز عقدالجید ص ۷۰ پر امام اعظم کا قول منقول ہے لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی یعنی جو میرے قول کی دلیل سے واقف نہیں ہے اس کو یہ لائق نہیں ہے کہ میرے کلام کا فتویٰ دے یعنی بغیر دلیل کے میرے قول پر عمل نہ کرے کیونکہ یہ تقلید ہے بلکہ میرے قول کی دلیل کا تعارف کرے تاکہ تقلید کافور ہو جائے'۔

میزان ص ۴۸ میں ہے وکان یقول ایاکم وأراء الرجال یعنی امام ابو حنیفہ نے کہا کہ بچو تم لوگوں کی رائے سے۔ اور مقدمہ ہدایہ جلد ۱' ص ۹۳ میں ہے لا یحل لاحد ان یاخذ بقولی مالم یعلم من این قلته ونھی عن التقلید رغب الٰی معرفۃ الدلیل یعنی امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ میرے قول کو پکڑے جب تک یہ نہ جانے کہ میں نے کہاں سے لیا ہے۔ پس تقلید سے ممانعت کی اور معرفت دلیل کی جانب ترغیب دی۔

ایضاً عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ مطبوعہ مجتبائی ص ۹ پر مثل اسی کے ہے۔ سو امام ابو حنیفہ نے تقلید سے روکا ہے۔ پس مقلدین غور سے کام لیں کہ ان کے امام کیا حکم اور وصیت کر گئے ہیں۔

شیخ محی الدین فتوحات مکیہ میں ساتھ اپنی سند کے جو امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے' روایت کیا ہے کہ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! بچو اس بات سے کہ دین میں کوئی بات عقل سے کہو اور لازم پکڑو اپنے اوپر پیروی سنت کی کیونکہ جو کوئی اس سے نکل گیا وہ گمراہ ہو گیا۔

میزان شعرانی مطبوعہ مصر جلد ۱' ص ۴۹ میں ہے۔ ودخل شخص الکوفۃ بکتب دانیال فکاد ابوحنیفۃ ان یقتلہ وقالوا لہ الکتب سوی القرآن والحدیث۔ یعنی ایک آدمی کوفہ میں دانیال کی کتاب لے کر آیا تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ اور لوگ اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ سوائے قرآن و حدیث کے اور کوئی کتاب بھی ہے۔ کیا مزا ہوتا کہ امام ابو حنیفہ دوبارہ دنیا میں تشریف لاسکتے اور اپنے مقلدین کی تصنیفات پر نظر مبارک ڈالتے تو ان اختراعی اقوال سے نفرت ظاہر فرما کر بریلوی اور دیوبندیوں کے کتب خانوں میں آگ لگا کر تقلید کی

زنجیر میں مقید ہونے والوں کو سزائے قتل یا حبس دوام کی صلور فرماتے۔ جیسا کہ ان کا یہ رویہ قول مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔

تحفۃ الاخیار فی بیان سنۃ سید الابرار مطبوعہ فاروقی ص۔۴ میں ہے: وقال الامام ابو حنیفۃ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا غیرہ وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب السنۃ (کذا فی المیزان وغیرہ) یعنی امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میری تقلید نہ کر اور نہ مالک کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا اور احکام کو وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے پکڑا ہے' کتاب اور حدیث سے۔ اسی طرح دیگر ائمہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ نے وصیت کی ہے۔ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کر کے باقی کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔ مزید کے لیے دیگر کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا و ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرھم وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ (عقدالجید ص۔۸۰) یعنی میری تقلید نہ کرنا اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا اور احکام کو وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے لیا ہے کتاب و سنت سے۔

مقلد: مروجہ فقہ کی کتابیں امام ابوحنیفہ کا مذہب ہیں یا نہیں؟ اور خود امام صاحب نے کوئی کتاب بنائی ہے یا نہیں؟

عامل بالحدیث: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب اپنی تصنیف کردہ دنیا میں نہیں ہے' سب بعد کے لوگوں کی ہیں۔ چنانچہ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن اس بارے میں علامہ صاحب بھی بعض نام کے حنفیوں کی تقلید کرتے ہوئے کہتے ہیں فلاں فلاں کتاب امام صاحب کی ہے) آخر میں سب اسیروں کی رائے توڑ کر سشن جج کے درجہ میں ہو کر خود یہ فیصلہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں اس بارے میں ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ (سیرۃ ص۔۶۲) امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں کی۔ ہاں ایک مجموعہ فقہ کا امام صاحب کی زندگی میں مرتب ہوا تھا لیکن وہ معدوم ہو گیا۔ چنانچہ علامہ شبلی اپنی سیرۃ کے ص۔۴۴ پر فیصلہ دیتے ہیں اور باقی حنفی اسیروں کی رائے کو توڑ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں "لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے' اس سے انکار نہیں

ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جن کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا الخ" باقی رہا دیگر کتب فقہ کے متعلق سوال؟ سو یہ دو طرح پر ہے۔ ایک تو وہ فقہ جو حنفی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ تو تمام غیر معتبر ہے۔ انہی میں ایک مسئلہ کے متعلق امام صاحب کے قول کئی کئی درج ہیں۔

دراسات اللبیب ص ۲۹۱ میں ان الا قیسة الغیر الجلیته التی کتب الحنفیة مشحونة بھا غالبھا لا یستند الی ابی حنیفة یعنی تحقیق وہ قیاس جو صاف کھلے ہوئے نہیں، جس سے حنفیہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اکثر کی سند ابوحنیفہ تک نہیں پہنچتی۔ ذمیوں کے متعلق جو احکام ہدایہ اور عالمگیری میں ہیں' ان کا علامہ شبلی ذکر فرما کر صاف یہ فیصلہ دیتے ہیں "لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک تھا۔" حالانکہ وہ احکام جو ذمیوں کے متعلق ہیں ہدایہ وغیرہ سب کتب فقہ میں ہیں لیکن منصف حنفیہ امام ابوحنیفہ کی کسر شان سمجھ کر نہیں مانتے اور دراصل یہ معاملہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں خود ان کی بناوٹ ہی بتا رہی ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسے پرہیزگار شخص کے نہیں ہیں بلکہ شیعہ' رافضی وغیرہ دیگر لوگوں کے ہیں۔

دوسری بات ان کے غیر معتبر ہونے کی یہ ہے کہ ان مسائل کی سند مسلسل طریق سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تک نہیں پہنچتی صرف قال ابوحنیفہ یا ہذا عند ابی حنیفة وغیرہ الفاظ ملتے ہیں حالانکہ صرف ابوحنیفہ سے نعمان بن ثابت علمی لحاظ سے مراد نہیں کیا جاتا۔ درآں صورت کہ دنیا میں بالخصوص کوفہ کے حوالی اور خود کوفہ میں بیس ابوحنیفہ ہوئے ہوں تو پھر ان لفظوں سے نعمان بن ثابت کس طرح مراد لیا جا سکتا ہے اور وہ بیس ابوحنیفے مختلف عقیدہ کے لوگ ہوئے ہیں۔ اسی واسطے امام طحاوی اپنی کتاب الموسوم بہ عقیدہ ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں "معلوم ہو کہ کتب فقہ میں نہ صرف تمام ابوحنیفہ کے اقوال جمع کئے گئے ہیں بلکہ معتزلہ' قدریہ' شیعہ' روافض' خوارج وغیرہ کے اقوال سے کتب فقہ مملو ہے"

منہاج السنہ جلد ۲' ص ۲۲ میں ہے وکذالک الحنفی یخلط بمذھب ابی حنیفة شیئا من اصول المعتزلة والکرامة والحلابیة ویضیفه الی مذھبه وھذا من جنس الرفض انتھی یعنی اسی طرح حنفیہ نے ملا دیا ہے' ساتھ ابوحنیفہ کے بہت اشیاء عقائد اصول

معتزلہ، کرامیہ، حلابیہ اور نسبت کیا ان کو طرف امام ابوحنیفہ کے یہ جنس شیعہ سے ہے۔ الغرض اسی طرح کتب فقہ کے غلط مسائل اور موضوع احادیث پر محققین علماء نے یہی رائے دی ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کے نہیں ہیں، متاخرین کی لیجلو ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ وغیرہ کی شہادتیں کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی رہی اول نمبر کی فقہ جو امام محمد کی تصنیف ہے، مبسوط و جامع صغیر و جامع کبیر وغیرہ ان میں ضرور امام صاحب کے مسائل ملتے ہیں۔ وہ درسی ہی نہیں ہیں اور نہ ان کی اشاعت عام ہے۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری از فاضلکے فیروز پور

اخبار محمدی دہلی جلد ۶، شمارہ ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ بابت یکم و ۱۵/ ستمبر و یکم و ۱۵/ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء

تقلیدی مذہب

جریدہ اہلحدیث ۲۰ر رجب سنہ ۱۳۷۱ھ میں دہلی کے ایک اخبار الاحناف سے چند اقتباس چھپے ہیں جن کو پڑھ کر بہت تعجب ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس سے مروجہ حنفیت کی حقیقت سب پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ خادم اہل حق اس حنفیت کی حقیقت پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

مدیر الاحناف کا دعویٰ یہ ہے کہ ساٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے چالیس کروڑ مسلمان حضرت امام اعظم کے مذہب کے پیرو ہیں اور باقی بیس کروڑ مختلف مذاہب کے پابند ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفیہ ہی سچا حقیقی اور قابل تقلید مذہب ہے۔ (الاحناف دہلی مطبوعہ ۲۸ر مارچ سنہ ۱۹۵۲ء)

اول تو اس مذہبی اعداد و شمار کے صحیح اور یقینی ہونے پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ہے تو کوئی حنفی اس کا ثبوت پیش کرے۔ خصوصاً مدیر "الاحناف" کا فرض ہے کہ اس شمار کا ثبوت کسی پختہ دلیل سے پیش کرے ورنہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو باطل ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر یہ جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے۔

دوم علی سبیل التسلیم یہ صداقت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اصول حنفیہ میں ادلہ اربعہ مشہور ہیں۔ قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس یہ اکثریت کسی مذہب میں دلیل شرعی نہیں ہے۔ اگر مقلدین احناف کو یہ مسلم ہے تو پھر اصول فقہ کی تکذیب ہو جائے گی کیونکہ ادلہ خمسہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ توضیح میں لکھا ہے: **القسم الاول فی الادلة الشرعیة وھی علی اربعة ارکان** یعنی ادلہ شرعیہ چار ہیں۔ بلکہ قرآن میں اکثریت کی اتباع ممنوع ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: **ولا قطع اکثر من فی الارض فیضلوک عن سبیل اللہ** کہ اکثریت کی اطاعت نہ کر، ورنہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ اگر مقلدین یہ کہیں کہ اس آیت میں تو اہل باطل کی اکثریت کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اہل حق کی اکثریت سے تو عرض یہ ہے کہ آپ مقلدین احناف کا اہل حق ہونا ثابت کریں کیونکہ حنفیت کا ثبوت اسلام میں نہیں ہے۔ یہ ایک جدید فرقہ ہے جو اسلام مکمل

ہو جانے کے بعد چہارم صدی میں پیدا ہوا ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو حنفیت من حیث الحنفیت کا وجود اسلام میں ثابت کریں۔ کیونکہ الرفع والتکمیل میں حنفی مذہب کی تعریف یہ لکھی ہے کہ ان الحنفیه عبارة عن فرقة تقلد الامام ابا حنیفة فی المسائل الفرعیة یعنی حنفی مذہب اس فرقہ کا نام ہے جو فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔

امام ابوحنیفہ سنہ۔۸۰ھ میں پیدا ہو کر سنہ۔۱۵۰ھ میں رحلت فرما گئے۔ ان کے بعد چوتھی صدی میں جا کر حنفی مذہب اور شافعی' مالکی اور حنبلی مذاہب پھیل گئے جس سے افتراق فی الدین اور تشتت اسلام میں پیدا ہو گیا۔

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

اعلام الموقعین جلد۔۱' ص۔۲۲۲ میں ہے کہ انما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع المذمومة منه صلعم یعنی تقلید اور مذہب معین کرنے کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے جس کی برائی آنحضرت ﷺ کی زبان سے ظاہر ہوتی ہے یعنی زمانہ خیرالقرون کے بعد تقلید شخصی کے ذریعہ افتراق و تشتت ہوا ہے۔ پس افتراق و تشتت کی سزا بھگتنی پڑے گی کیونکہ قرآن میں حکم ہے کہ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه کہ دین کو سب مل کر قائم کرو اور اس میں افتراق پیدا نہ کرو۔ اور اختلاف اور افتراق کرنے والوں کے حق میں یہ وعید ہے کہ واولئک لهم عذاب عظیم کہ ان تفریق کرنے والوں کو بڑا عذاب ہو گا۔

حنفی مذہب پیدا ہونے سے پہلے اسلام کامل اور مکمل ہو چکا تھا اور یہ آیت قرآن میں وارد ہو چکی تھی کہ الیوم اکملت لکم دینکم کہ آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عہد نبوی سے لے کر امام ابوحنیفہ کی پیدائش تک اور حنفی مذہب کے دنیا میں ظاہر ہونے تک جو مسلمان تھے وہ سب حق پر تھے اور حنفی نہ تھے۔ ہاں اہلسنّت اور اہلحدیث تو تھے لیکن اہل الرائی اور اہل فقہ مقید بمذہب نہ تھے۔

افسوس کہ اس مضمون کی بقیہ قسطیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ (مرتب)

عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۴' شمارہ۔۳۵' مورخہ ۸ر اگست سنہ۔۱۹۵۲ء

فقہ حنفیہ اور قرآن و حدیث

مدیر الاحناف اور مدیر الحسین نے اپنے تحریری بیانوں میں یہ کہا ہے کہ فقہ حنفیہ کتاب و سنت کا درجہ اور مرتبہ رکھتی ہے۔ قرآن و حدیث کی ورق گردانی کر کے اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ بات کوئی غیر مقلد اور اہلحدیث کہتا تو اس پر توہین خدا اور توہین رسول ﷺ کا فرد جرم لگا کر کفر کا فتویٰ دے دیا جاتا۔ چنانچہ بروئے قرآن و حدیث ہم اہلحدیث اگر رسول اللہ ﷺ کو بشر کہہ دیں تو ہم پر سوء ادب اور توہین رسالت کا جرم لگا کر کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے حالانکہ آنحضور ﷺ کا بشر ہونا قرآن و حدیث سے بعبارۃ النص ثابت ہے اور اس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے لیکن اہل بدعت کو نصوص قرآنیہ کے اس بیان کردہ مسئلہ سے انکار ہے کہ بشریت سے توہین رسول لازم آتی ہے اور خود کلام الٰہی اور کلام رسول کو غیر خدا اور غیر رسول کی ذاتی آراء اور قیاسات کے برابر قرار دے رہے ہیں جو صریح گستاخی اور بے ادبی ہے۔

"چہ نسبت خاک را بعالم پاک"

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی شریک نہیں' اسی طرح اس کے کلام کی بھی مثل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت یہ ہے کہ لاریب فیہ کہ اس میں شک نہیں ہے۔ فصاحت حسن بیان' صدق مقال' ہدایت ایجاز و جامعیت اخبار بالغیب' حسن تعلیم وغیرہ سب خوبیاں جمع ہیں اور ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور اس پر نظر کرنا بھی موجب ثواب ہے۔ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ واجب الایمان اور واجب العمل ہے۔ اس کے کسی حرف اور کلمہ اور حکم کا انکار کرنا کفر ہے اور بمقتضائے "کلام الملوک ملوک الکلام" بادشاہوں کا کلام بھی تمام کلاموں پر بادشاہ ہوتا ہے۔ پس اسی پر تمام فیصلے کرنے فرض ہیں اور جو اس کے ساتھ فیصلے نہ کرے وہ

فاسق' ظالم اور کافر ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں فقہ کو لیجئے کہ فقہ حنفیہ ایک غیر معصوم شخص جو قلیل الحدیث بھی ہے۔ اس کی ذاتی رائے اور ان کے تلامذہ اور بعد کے فقہاء مقلدین کی آراء کا مجموعہ ہے۔ فقہ حنفیہ ایک امتی کی رائے ہے اور اس فقہ کا دارومدار اس شخص پر ہے جس کے متعلق امام الدنیا فی الحدیث امامنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ **کان مرجیا سکتواعن روایه وحدیثه** کہ وہ مرجیہ تھے ان کی رائے اور حدیث قبول کرنے سے علماء اہل حق نے سکوت فرمایا ہے۔ اور امام نسائی نے فرمایا ہے کہ **لیس بالقوی فی الحدیث** کہ ابوحنیفہ علم حدیث میں کمزور تھے۔

اس واسطے امام شعرانی نے معذرت کی ہے کہ **ان عذر ابی حنیفة فی کثرة القیاس عدم بلاغ الاحادیث الصحیحه** کہ عذر ابوحنیفہ کا بکثرت قیاس کرنے میں نہ پہنچنا احادیث صحیحہ کا ہے۔ ان کے زمانہ میں اس واسطے انہوں نے خود فرمایا کہ **اترکوا قولی بکتاب الله** کہ اللہ کی کتاب کے سامنے میرا قول چھوڑ دو اور کہا کہ **اترکوا قولی بخیر الرسول** یعنی رسول کی حدیث کے سامنے بھی میرا قول چھوڑ دو۔ پھر یہ کہا کہ **اترکوا قولی بقول الصحابه** یعنی صحابہ رسول کے مقابلہ میں بھی میرا قول چھوڑ دو۔

امام الحرمین نے کتاب مغیث الخلق میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ **من علم الحدیث عزت حجته فان اباحنیفة کانت بضاعته من علم الحدیث مزجاة** یعنی جس نے علم حدیث حاصل کیا اس کی حجت قوی ہوئی' تحقیق ابوحنیفہ کی پونجی علم حدیث میں تھوڑی تھی۔ (اس لیے اس کی حجت غیر قوی ہے پس فقہ غیر قوی ہے)

اسی طرح بہت سے علماء اور فضلاء نے امام المقلدین کے بارہ میں قلت عربیت اور قلت علم حدیث اور قلت علم لغت وغیرہ اور مرجیت اور جہمیت وغیرہ عیوب ذکر کیے ہیں۔ جنہیں نقل کرتے ہوئے بھی کوفت ہوتی ہے پھر کیا ایسے شخص بلکہ اشخاص کی رائے اور قیاس اور ان کے اقوال (معاذ اللہ) قرآن کی مثل ہو سکتے ہیں اور کیا جو خوبیاں قرآن میں ہیں' وہ حنفیہ کی فقہی کتابوں میں ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو اندھیرے کو نور سے تشبیہ دینا ہے اور رات کو دن کے برابر کہنا ہے۔ اگر قرآن کی ورق

گردانی فضول ہے اور کتب فقہ کی ورق گردانی کار ثواب ہے تو قرآن کی تعلیم اور اس کی قرات کو چھوڑیئے۔ یہ تو اہل احادیث کے حوالہ کیجئے اور خود درس گاہوں میں خانقاہوں میں اور نمازوں میں، ختم اور عرس وغیرہ سب تقریبات میں اس کو چھوڑیئے۔ وعظوں اور مناظروں میں اس کا نام نہ لیجئے۔ بس سب جگہ اس کی بجائے فقہ کی عبارتیں، منیۃ، قدوری اور ہدایہ کی تلاوت کیا کیجئے۔

شان حدیث ⇦ علم حدیث وہ چیز ہے جس کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا بیان قرار دیا ہے اور حکمت کے لقب سے ملقب فرمایا ہے اور یہ وہ مبارک علم ہے جس کو جرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جرائیل
جرائیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ارشاد الٰہی ہے کہ **وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى** کہ میرا نبی بغیر وحی آسمانی کے کلام نہیں کرتا۔ آپ کی حدیث واجب الایمان اور واجب العمل ہونے میں مثل قرآن ہے۔ **اوتيت القرآن ومثله معه** جیسے نبی کی شان اور درجہ اور مرتبہ ہے، ویسے ہی آپ کی حدیث کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ جیسے آپ کے منصب رسالت میں کسی کو شریک کرنا کفر ہے اور آپ کے بعد نبوت ختم ہے۔ ایسے ہی آپ کی حدیث کو فضول سمجھ کر چھوڑ دینا اور کسی امام یا مرشد کی رائے اور کلام کو لے لینا کفر ہے۔ قرآن وحی جلی ہے تو حدیث وحی خفی ہے۔ داری میں حدیث ہے کہ **كان جبرائيل ينزل على النبى بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن** کہ جرائیل جس طرح قرآن لے کر اترتے تھے، اسی طرح حدیث لے کر نبی ﷺ پر اترتے تھے۔

چنانچہ قرآن کی یہ آیت اس کی موید ہے **وانزل الله عليك الكتاب والحكمة** کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر قرآن اور حکمت کو نازل کیا۔ حکمت سے مراد حدیث ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ دونوں کی صحابہ کو تعلیم دیتے تھے۔ فرمایا **ويعلمهم الكتاب والحكمة** کہ رسول امت کو قرآن و حدیث سکھلاتا ہے۔ پس حدیث حکم الٰہی اور کلام رسول ہے۔ یہی دو چیزیں آپ امت میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ جن کو مضبوط پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ موطا امام مالک میں باب منعقد ہے۔ "باب وجوب الاعتصام بالکتاب والسنة" اس کے تحت یہ حدیث ہے کہ **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه** (موطا مع مصفی ج-۲' ص-۲۶۸) یعنی آنحضور ﷺ نے امت کو ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لیے دو ہی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی کی حدیث۔

جس طرح قرآن کے حروف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں' اسی طرح حدیث اور حدیث میں درود پڑھنے سے اجروثواب ملتا ہے اور نبی کی اطاعت اللہ کے اذن سے ہے۔ پس قرآن و حدیث ہر دو یکساں حجت ہیں۔ قرآن متن ہے اور حدیث اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

کتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۶' شمارہ-۲۰ بمطابق ۲۴ر مئی سنہ-۱۹۵۴ء

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ

اور

فقہ حنفیہ کا تقابل

تعلیق مغنی شرح دار قطنی ص-۴۹۸ میں ہے "**اخرج باسناد صحیح عن ابن مسعود قال ما کان من رضاعة بعد الحولین فلا رضاع وعن ابن عباس ایضا بسند صحیح**" یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو سال کے بعد رضاعت کی کوئی مدت نہیں ہے اور دو سال کے بعد جو رضاعت ہو گی اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن اس کے خلاف امام ابوحنیفہ امام اہل رائے جن کے مقلدین حنفیہ تقلید واجب قرار دے کر اس پر عمل کر کے حنفی کہلاتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور ان کے شاگرد امام زفر کہتے ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے۔ قدوری ص-۱۴۳ کتاب الرضاع میں ہے

"ومدة الرضاع عند ابی حنیفة رحمة اللّٰه تعالٰی ثلاثون شهرا" یعنی بچہ کو دودھ پلانے کی مدت ابوحنیفہ کے نزدیک تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے۔

اب مقلدین بتقلید شخصی یہ بتائیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ جو عین قرآن و حدیث سے حق اور صواب ہے یا فقہ اہل رائے کے امام ابوحنیفہ کی فقہ درست ہے؟ اگر شق اول صحیح ہے تو ابوحنیفہ کا قول درست نہیں اور تقلید شخصی باطل ہوئی۔ اب اگر حنفیہ اس مذہب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قبول کریں گے جیسے ابوحنیفہ کے دو شاگردوں قاضی ابویوسف اور امام محمد نے اپنے استاد کی تقلید کو خیرباد کہہ کر محدثین کا مسلک قبول کیا اور کہا کہ مدت رضاعت دو سال ہے تو پھر مقلدین پر یہ شعر چسپاں ہو گا۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علٰی من رد قول ابی حنیفه
(درمختار ج-۱' ص-۴۶)

(یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو بقدر شمار ذروں ریت کے اس شخص پر جو ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔ اس لیے درمختار میں یہ لکھا ہے کہ علی الا طلاق فتویٰ ابوحنیفہ کے قول پر ہو گا۔ پس اگر لعنت سے بچنے کے لیے ابوحنیفہ کا قول قبول کیا تو پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب بیان کرنے رائیگاں گئے کہ یہ سب دھوکہ ہے اور اگر فقہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور ان کے فضائل حق اور صواب ہیں تو ابوحنیفہ کی فقہ جس کی تعریف میں کتاب مقام ابوحنیفہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں' باطل ہو گئی اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ کلن مرجیا سکتوا عن رؤیه وحدیثه (تحقیق الکلام ج-۲' ص-۱۳۸) عین حق اور صواب ہے کہ ابوحنیفہ مرجیہ تھے۔ محدثین نے ان کی رائے اور حدیث قبول کرنے سے سکوت کیا ہے اور مناقب الشافعی للرازی کے ص-۱۴۲ میں ہے کہ امام احمد نے فرمایا "لا رای ولا حدیث" کہ ابوحنیفہ کی رائے اور حدیث کسی کام کی نہیں ہیں اور امام بخاری نے اپنے رسالہ جزاء القراۃ ص-۱۹ پر فرمایا ہے۔ راجعلوا اتفاقهم مع من زعم ان الرضاع الٰی حولین ونصف وهذا خلاف نص کلام اللّٰه عزوجل قال اللّٰه تعالٰی حولین کاملین یعنی انہوں نے مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں ایسے شخص کے ساتھ اتفاق کر لیا جس کا یہ گمان ہے کہ دودھ پلانے کی مدت

اڑھائی سال ہے حالانکہ یہ صریح قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مدت رضاعت پورے دو سال بیان فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحابہ میں سے کوئی بھی دو سال سے زیادہ مدت کا قائل نہیں ہے اور بعض جو قرآن و حدیث کے معارف سے واقف نہیں وہ آیت سورۃ احقاف حمله وفصاله ثلاثون شهرا سے مدت رضاعت ڈھائی سال ثابت کرتے ہیں جو سراسر ان کی عدم واقفیت کا ثبوت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقاہت پر داغ پیدا کرتے ہیں کیونکہ حمله و فصاله دونوں معطوف علیہ و معطوف مل کر مبتدا ہیں اور ثلاثون شهرا ممیز و تمیز مل کر اس مبتدا کی خبر ہیں' مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہے تو اس میں حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ظاہر کی گئی ہے اور بروئے آیت سورۃ لقمان وفصاله فی عامین دودھ کی مدت دو سال ہی بتائی گئی ہے۔ ان لوگوں کو اس علمی اصول سے ناوا قفی ہے کہ القرآن یفسر بعضها بعضا کہ قرآن کی آیات کسی مسئلہ میں مختلف مقامات پر مذکور ہوں تو وہ ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں جیسے ایک آیت میں مطلق دم کی حرمت مذکور ہے اور دوسری آیت میں دم مسفوح (یعنی وہ خون حرام ہے جو ذبح کے وقت نکلتا ہے) کا ذکر ہے تو یہ آیتیں آپس میں ایک دوسری کی تفسیر ہو گئیں۔ اسی طرح آیت حمله وفصاله ثلاثون اور آیت حولین کاملین اور آیت فصاله فی عامین تینوں کے ملانے سے مسئلہ رضاعت صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مدت رضاعت کی پورے دو سال ہے۔

اگر اندھے کی لکیر کی طرح آیت حمله وفصاله ثلاثون شهرا ○ فصاله ثلاثون شهرا تو یہ قرآن میں بلا وجہ مقدر عبارت نکال کر اپنا مفہوم ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ علماء کا یہ اصول ہے کہ اگر کسی نص کا بغیر محذوف عبارت نکالنے کا مطلب اور معنی صحیح بن سکے تو محذوف عبارت نکالنا جائز نہیں ہے ورنہ اس طرح تو ہر گمراہ فرقہ مقدر عبارتیں نکال کر قرآن و حدیث میں تحریف پیدا کر دے گا جو سراسر باطل ہے۔ پھر آیت ثلاثون شهرا میں تبدل و تغیر کرنے سے حدیث و قرآن میں تعارض و تضاد پیدا ہو جائے گا جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

نیز یہ توجیہہ اس واقعہ اور فیصلہ کے خلاف ہے جو تفسیر ابن کثیر ج-۴' ص-۱۵۷

میں ہے کہ ایک عورت نے چھ ماہ کے بعد بچہ جنا تو اس کا شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میری بیوی نے چھ ماہ کے بعد بچہ جن دیا ہے۔ اب اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر تعاقب کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ کہا کہ آپ نے یہ کیا فیصلہ کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے چھ ماہ کے بعد بچہ جنا ہے۔ کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں پڑھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کیا یہ قرآن میں نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وحمله وفصاله ثلاثون شهرا کہ حمل اور فصال دونوں کی مدت تیس ماہ ہے اور یہ فرمایا ہے حولين كاملين کہ پورے دو سال مائیں بچہ کو دودھ پلائیں۔ دو سال دودھ کے ہوئے تو چھ ماہ حمل کے رہ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا میں یہ مسئلہ نہیں سمجھا۔ جاؤ عورت کو واپس لاؤ۔ جب لوگ گئے تو لوگ سنگسار کر کے فارغ ہو چکے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استنباط قوی اور صحیح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ نے اس کی موافقت کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے عن ابن عباس انه كان يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا رضاع الا ما كان في الحولين (دار قطنی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بعض محدثین نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔ اور اگر موقوف ہے تب بھی یہ روایت حکمی مرفوع ہے کیونکہ تحدید شرعی مدرک بالقیاس نہیں ہے' تذکرو) نے فرمایا کہ مدت رضاعت صرف دو سال ہے۔

چھ ماہ کے بعد بچہ جننے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عورت پر رجم کی حد جاری کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پر تعاقب کرنا تفسیر الدر المنثور ج-۶ پر بھی منقول ہے۔

ابو حرب بن اسود دوئلی نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا کہ اس نے چھ ماہ کے بعد بچہ جنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ اس بارہ میں تمہارے پاس کیا علم ہے؟ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت پر رجم نہیں ہے۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حمل اور

بچہ کے ماں سے جدا کرنے کی مجموعی مدت تیس ماہ فرمائی اور دوسری آیت میں بچہ کو جدا کرنے کی مدت دو سال فرمائی تو باقی حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے۔ ایسا ہی اس عورت کا حال ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رہا کر دیا۔ ابو حرب راوی نے بیان کیا کہ ہم کو خبر پہنچی کہ اس عورت نے پھر دوسرا بچہ بھی چھ ماہ کے بعد جنا۔ پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے۔

تفسیر مدارک جو علامہ سیفی حنفی کی ہے اس کی ج۔۴' ص۔۱۴۳ میں آیت **حمله وفصاله** کے بارے میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ رضاعت کی مدت دوسری آیت میں پورے دو سال مذکور ہے تو حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہ جاتی ہے۔ علامہ سیفی مصنف کنزالدقائق نے صاحبین (ابویوسف' محمد) کا یہ مذہب تھا کہ پھر اپنے امام کی طرف سے آیت کی یہ توجیہ ذکر کی ہے المراد بہ الحمل بالاکف و فصلہ یعنی حمل سے مراد ہاتھوں سے اٹھانا اور ہاتھوں سے جدا کرنا فصل سے مراد ہے۔ کس قدر غلط معنی خلاف قرآن و حدیث و اجماع صحابہ کے ہے۔ اس لیے امام بخاری کے شیخ امام حمیدی نے سچ فرمایا ہے **قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا اصحابه فی المناسک وغیرها کیف یقلد احکام الله فی المواریث والفرائض والزکٰوة والصلٰوة وامور الاسلام**۔ (تاریخ صغیر امام بخاری ص۔۱۵۶) یعنی ابوحنیفہ ایک ایسا شخص ہے کہ اس کے پاس نہ تو احادیث نبویہ ہیں اور نہ آثار صحابہ ہیں۔ (صرف رائے قیاس ہے) پھر کس طرح ایسے شخص کی جملہ امور اسلامیہ نماز' زکوٰۃ' مواریث' مناسک حج وغیرہ میں تقلید کی جائے۔

میں کہتا ہوں کہ مقلدین نے سارے اسلام کے احکام کا بوجھ ان بیچاروں پر ڈال دیا حالانکہ انہوں نے منع کیا تھا کہ میری تقلید نہ کرنا لیکن مقلدین خواہ مخواہ ان سے لپٹ گئے اور کتابوں سے ان کے بڑے بڑے القاب اور اوصاف نقل کئے ہیں کہ وہ امام العراق' فقیہ الامت اور محدث تھے۔

بہرحال مسئلہ مدت رضاعت میں ابوحنیفہ کا مسلک قرآن و حدیث و اجماع صحابہ

کے صریح خلاف ہے۔ امام محمد نے موطا میں لکھا ہے کہ حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو دو سال کے اندر ہو اور جو رضاعت دو سال کے بعد ہو وہ کچھ بھی حرام نہیں کرتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رضاعت کی انتہائی مدت دو سال ہے۔ امام ابوحنیفہ احتیاط کے طور پر دو سال پر چھ ماہ اور بڑھاتے تھے۔ اس پر مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی موطا کے حاشیہ تعلیق ممجد میں اس احتیاط کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں **ولا یخفی انه لا احتیاط بعد ورد والنصوص بالحولین مع الاحتیاط ہو العمل باقوی الدلیلین و اقوالها دلیلا قولهما** یعنی یہ بات مخفی نہ رہے کہ جب دو سال نصوص شرعیہ سے ثابت ہو گئے تو اب اس پر اپنے قیاس سے مدت بڑھانا کوئی احتیاط نہیں ہے۔ کیونکہ احتیاط کہتے ہیں دو دلیلوں میں سے زیادہ قوی دلیل پر عمل درآمد کرنا اور قوی دلیل سے صاحبین کا مذہب ثابت ہے۔ اس تصریح سے ثابت ہوا کہ ابوحنیفہ کے مذہب ڈھائی سالہ کو خود علماء احناف نے ہی رد کر دیا ہے کیونکہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل نہ تھی۔ اس مسئلہ کی تفصیل اس لیے زیادہ کی جا رہی ہے کہ عام مسلمان اور کم علم مولوی چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے پر عورتوں پر زناکاری کا الزام لگایا کرتے ہیں جو سخت جہالت اور ضلالت پر مبنی ہے۔ چھ ماہ کے بچے کو حرامی کہنا بہت ہی کبیرہ گناہ ہے اور در منثور ج-۶' ص-۴۰ میں نافع بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو اس واقعہ کی خبر دی کہ میں اس عورت کے واقعہ کا ساتھی ہوں کہ جس نے چھ ماہ کے بعد بچہ جنا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لائی گئی جس پر لوگوں نے اس کے حلالی بچہ جننے پر انکار کیا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس عورت پر ظلم کرنے سے بچیں کہیں سنگ باری کا حکم نافذ نہ کر دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ظلم کیسے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ یہ آیت پڑھیں **حمله وفصاله ثلاثون شهرا** اور یہ آیت **والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین**۔ اب آپ یہ بتائیں کہ سال کتنا ہوتا ہے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چوبیس ماہ کے تو دو سال ہوئے تو حمل کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے موخر و مقدم کر دیتا ہے تو تیس ماہ سے چھ ماہ حمل کے شمار ہیں۔ **فاستراح عمر بقوی**۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری بات سن کر راحت حاصل کی اور اس پر

عمل کیا۔ تب اس عورت کی رہائی ہوئی۔

اگر امام اہل رائی کے مسلک کے مطابق آیت کو الٹ پلٹ کر کے ان کی دلیل بنائی جائے تو حمل کی مدت ڈھائی سال قرار پائے گی پھر چھ ماہ حمل کی اقل مدت کی نص سے ثابت نہ رہے گی۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے۔

جب یہ مسئلہ اس بحث سے نمایاں ہو گیا کہ دو سال کی نصوص صاف واضح ہیں لیکن یہ مسئلہ ابوحنیفہ کی سمجھ میں نہ آیا تو باقی مسائل مختلفہ بین المحدثین و ائمہ اہل رائے کو بھی اسی طرح سمجھ لیں کہ محدثین کا مسلک جملہ مسائل میں حق اور صواب ہے اور کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے اعتراف کیا ہے کہ محدثین کا مسلک فرعیہ و اصلیہ مسائل میں قوی ہے کیوں نہ ہو کہ وہ وارث نبی کریم ﷺ کے ہیں اور آپ کی شرع کے نائب ہیں۔

قبل ازیں کتاب و سنت اجماع صحابہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ اس سے زائد شریعت محمدیہ میں ثابت نہیں ہے۔ حضرت العلامہ وحید الزماں محدث لکھنوی مسلم مترجم ج۔۴' ص۔۹۴ میں لکھتے ہیں: "حرمت نہیں ہوتی جب تک کہ دو برس کے اندر دودھ نہ پلایا جائے مگر ابوحنیفہ نے تمام علماء سے اختلاف کیا اور کہا کہ اڑھائی برس تک جب دودھ پلایا جائے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور زفر نے کہا کہ تین برس تک" پھر لکھتے ہیں "پس مذہب جمہور علماء کا صحیح و قوی ہے' قرآن اور احادیث کی رو سے اور مذہب حنیفہ درست نہیں' نص قرآنی سے اور احادیث کی رو سے۔" بیشک اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ پانچ بار دودھ پینے سے کم میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم شریف میں حدیث ہے:

فقالت عائشه رضی الله عنها منزل فی القرآن عشر رضعات معلومات ثم نزل ایضا خمس معلومات یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قرآن مجید میں پہلے دس بار بچہ کا دودھ چوسنا اترا تھا پھر پانچ بار اترا۔" پس یہ عدد دودھ پینے پلانے کا شرع میں مقرر ہے۔ اگر بچہ کسی عورت کا دودھ ایک بار یا دو بار پی لے گا تو وہ عورت اس بچہ پر حرام نہ ہو گی۔

صحیح مسلم کی کتاب الرضاع میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ کے ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یانبی اللہ! کیا ایک بار یا دو بار بچہ کے دودھ چوسنے سے حرمت ہو جاتی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں۔ زرقانی شرح موطا ج-۳' ص-۲۴۰ میں خاتمۃ المحققین علامہ زرقانی لکھتے ہیں "**فنص الحدیث علی عدم الحرمت بالرضعة والرضعتین**" یعنی یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ ایک دو بار بچہ کے دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی۔ پھر کہتے ہیں: (ترجمہ) یعنی اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن میں مطلق ذکر آیا ہے کہ تمہارے پر وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے تو یہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک دو بار چوسنے سے حرمت ثابت نہیں کرتی' قرآن کا بیان ہے اور یہ حدیث بھی بیان ہے کہ دودھ پینا وہ معتبر ہے جو اس قدر ہو کہ بچہ سیر ہو کر پیئے کہ آنتوں کو پر کر دے اور یہ حدیث کہ دودھ چوسنا صرف وہی معتبر ہے جو گوشت کو مضبوط کر دے۔ ان تمام احادیث کو ملا کر قرآن کی تفسیر اور بیان ٹھہرایا جائے تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور آیت اور احادیث میں کوئی تخالف اور تضاد نہیں رہتا لیکن حنفیہ کا موقف یہ ہے: ہدایہ ج-۱' ص-۳۵۰ میں ہے "**قلیل الرضاع وکثیرہ سواء اذا فصل فی مدۃ الرضاع یتعلق بہ التحریم**" یعنی مدت رضاعت کے اندر بچہ تھوڑا دودھ پیئے یا بہت پیئے یکساں حکم ہے کہ حرمت ثابت ہو جائے گی۔ پھر امام شافعی کا مذہب کہتا ہے کہ پانچ بار دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور آیت پیش کر دی کہ "**ارضعنکم**" مطلق ذکر آیا ہے اور حاشیہ پر عنایہ سے نقل کیا ہے کہ **والزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد لا یجوز**" یعنی قرآن پر زائد بات جو حدیث میں ہو گی وہ لینا جائز نہیں۔

مقلدین کا یہ مسئلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کی فقہ یہ ہے جو ابوداؤد باب فی رضاعۃ الکبیر میں ہے۔ "**عن ابن مسعود قال لا رضاع الا ما شد العظم وانبت اللحم**" یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رضاعت وہ معتبر ہے جو بچہ کی ہڈیوں کو مضبوط کر دے اور گوشت بڑھا دے۔

کتب فقہ قدوری وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب دودھ بچہ کے حلق میں کسی عورت کا

چلا گیا تھوڑا گیا یا بہت اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ عورت اس کی ماں ہو گئی اور اس کے سب رشتے حرام ہو گئے۔ (ملحق بہشتی زیور) اسی کے خلاف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے جو مجمع الزوائد ج۔۴' ص۔۲۶۴ میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے یہ بیان کیا کہ میری عورت کا پستان متورم ہو گیا۔ میں اس کو چوس کر کلی کرتا رہا لیکن کچھ دودھ پیٹ میں چلا گیا۔ اب اس عورت کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ مجھ پر حرام ہو گئی یا نہیں؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب وہ تیرے لائق نہیں رہی پھر وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے یہ قصہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت تجھ پر حرام نہیں ہوئی۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد۔۲' شمارہ۔۸' ۱۱' ۱۵

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

کے نام کھلی چٹھی

جناب مولوی اشرف علی صاحب بالقابہ سلمہ ربہ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از مزاج پرسی خلاصہ المرام یہ ہے کہ کمترین نے آپ کی بعض تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا۔ بعض تو بہت اچھی ہیں اور بعض کچھ خلاف قرآن و حدیث ہیں۔ چنانچہ علماء محدثین وقتاً" فوقتاً" ان کی تنقید فرماتے رہے ہیں۔ امروز راقم الحروف نے آپ کا رسالہ مجموعہ ملاحظہ کیا جو مختلف کتابوں کا ملخص ہے اور بعض جگہ آپ نے اپنے دینی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اور بعض جگہ بتقضائے القلب العلیل یمیل الی الا باطیل اپنی طرف سے ایسے باطل اقوال لکھے ہیں جو سراسر خلاف واقعہ ہیں۔ اور تعصب مذہبی پر مبنی ہیں۔

چنانچہ رسالہ مجموعہ کی جزء عشر طروس کے طرس عاشر ص۔۱۷۰ پر آپ فرماتے ہیں: اما المصلفون فانفعهم تصنیفا" للعوام مولٰنا قطب الدین دهلوی (الی قول) واضرهم تصنیفا النیچریون الکبار منهم والصغار وغیر المقلد ین

والمبتدعون انتہیٰ یعنی مصنفین میں سے عوام کے لیے زیادہ نفع دینے والی تصنیف مولانا قطب الدین دہلوی ومولانا رشید احمد گنگوہی و مولانا عبدالحی وغیرہ کی ہیں اور بہت ضرر دینے والی تصنیف چھوٹے اور بڑے نیچریوں کی ہے اور غیر مقلدین کی اور بدعتیوں کی ہے۔

اس عبارت میں غیر مقلدین سے مراد آپ کی مذہب اہل حدیث کثر اللہ سوادہ ہے۔ کیونکہ آگے آپ مذاہب پر تنبیہہ فرماتے ہوئے یہ لکھتے ہیں واما المذاهب فاهل الحق منهم اهل السنه والجماعة المنحصرون باجماع من يعتد بهم فى الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة واهل الا هواء منهم غير المقلدين الذين يدعون اتباع الحديث وانى لهم ذالك یعنی مذاہب میں سے اہل حق اہل السنت والجماعت ہیں جو حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی میں منحصر ہیں۔ ساتھ اجماع ان لوگوں کے جن کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور اہل ہوا میں غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہاں حاصل ہے ان کو یہ بات۔ حوالہ صفحہ مذکور۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلدین کو جن سے مراد اہلحدیث ہیں' اہل ہوا سے جانتے ہیں جو گمراہ ہیں اور حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی چار مذہبوں کو اہل السنت کہتے ہیں اور اہل سنت کے چار مذہبوں میں منحصر ہونے پر آپ بزعم خود ان لوگوں کا اجماع بیان کرتے ہیں جو قابل اعتبار ہیں۔ اس لیے کمترین جناب سے مندرجہ ذیل استفسارات کرتا ہے۔ برائے مہربانی آپ جواب عنایت فرما دیں۔ کمترین نہایت مشکور ہو گا۔ اور اگر جواب صحیح مطابق دلائل اور واقعات کے ہوا تو انشاء اللہ آپ کے ہم خیال ہو جائے گا۔ کیونکہ ہمارا یہ مذہب ہے جو ابن ہمام نے فتح القدیر میں مسئلہ جماعت حق کے موقعہ پر بایں الفاظ ظاہر کیا ہے۔ انا نتبع الحق حيث ماوجد جہاں حق ملے ہم اس کی اتباع کرتے ہیں۔

اور اس امر میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ مذاہب اربعہ کی تعیین قرون مشہودلہا بالخیر کے بعد ہوئی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ میں صاف تشریح فرمائی ہے۔ اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه یعنی چوتھی صدی سے پہلے اہل اسلام مذہب معین کی

تقلید پر جمع نہ تھے اور اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے تین زمانوں کی بابت خیر کی شہادت دے کر پھر فرمایا تھا ثم یفشوا الکذب یعنی پھر جھوٹ ظاہر ہو گا۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کی تعیین ان زمانوں کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ زمانہ مقدسہ کے لوگوں کا اجتماعی طور پر عمل یہ تھا کہ وہ کسی ایک شخص کے مقلد نہ تھے۔ جیسے شاہ صاحب موصوف نے اپنی کتاب عقد الجید' انصاف' حجتہ اللہ وغیرہ میں تصریح کی ہے۔ تو اب استفسار یہ ہے کہ قرون ثلاثہ مشہودلہا بالخیر کا اجماع معتبر ہو گا یا بعد کے زمانہ والوں کا؟ اگر شق اول ہے تو آپ کا قول باطل۔ اگر شق ثانی ہے تو وجہ ترجیح بیان کریں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ قرون ثلاثہ کے لوگوں کا طرز عمل جو بلا تعیین مذہب شخص واحد تھا ہوا پر مبنی تھا یا قرآن و حدیث پر۔

(ا) آنحضور ﷺ نے حدیث شریف میں فرقہ ناجیہ ایک فرمایا ہے اور اسی ایک ہی کی بابت فرمایا ہے کہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ آنجناب نے شرح عقائد کی تذییلن فرماتے ہوئے فرقہ ناجیہ کے عنوان کے ماتحت یہ فرمایا ہے المستثناة الذین قال النبی صلعم فیھم ھنه ما انا علیه واصحابی وھم الا شاعرة وسلف عن المحدثین واھل السنة والجماعة ومذاھبھم خال عن یدع ھؤلاء انتہٰی یعنی فرقہ ناجیہ جن کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے ما انا علیه واصحابی فرمایا ہے وہ اشعری اور سلف محدثین اور اہل السنت ہیں۔ ان کے مذہب ان گمراہ فرقوں کی بدعتوں سے خالی ہیں۔ اس عبارت میں فرقہ ناجیہ کے تین گروہ بیان کئے گئے ہیں۔ اشعری اور سلف محدثین اور اہل سنت۔ پھر آپ نے اہل سنت کو چار مذہبوں میں منحصر کر دیا تو اب یہ چھ ہو گئے۔ میرا استفسار یہ ہے کہ یہ سب فرقے مستقل الگ الگ ہیں یا سب مل کر ایک فرقہ ہیں؟ اگر الگ الگ مستقل فرقے ہیں تو پھر ان سے ناجیہ کون سا ہے؟ ایک ہے یا چاروں ہیں۔ اگر ایک ہے تو اس کی تعیین کریں۔ اگر چاروں ہیں تو آنحضرت ﷺ کے حلم کی تکذیب لازم آئی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک فرمایا ہے۔ چار پانچ چھ نہیں فرمائے اور آنحضرت ﷺ کے ہر فرمان پر ہمارا یہ ایمان ہے۔

مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

اور قرآن کریم میں بھی وارد ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی بغیر وحی الٰہی کے آنحضور ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہ کہتے تھے۔ اگر یہ سب فرقے مل کر ایک مذہب کا حکم رکھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ حق ان سب میں علیٰ سبیل الدوران ہے۔ یعنی ہر ایک کی کچھ باتیں صحیح ہیں کچھ غلط۔ تو کیا پھر فرقہ ناجیہ کے ایک حصہ یعنی ایک ہی مذہب کو عمل و عقیدہ میں معین کر لینے پر تمام شریعت حقہ پر عمل ہو سکے گا یا نہیں؟ اگر نہیں ہو سکے گا تو ایک کا معین کرنا باطل ہوا۔ اگر ہو سکے گا تو حق چاروں میں دائر نہ رہا۔ جب فی الفور' اگر آپ کہیں کہ حق چاروں میں دائر ہے۔ پس جس مسئلہ میں کسی طرف حق معلوم ہو اسی طرف سے لے لو۔ تو یہ مذہب اہل حدیث میں ہے پھر آپ کا قول باطل ہوا۔

(۳) آنجناب نے غیر المقلدین کی تصنیفات کو اسم تفضیل کے صیغہ اضر سے بیان کیا ہے کہ یہ بہت ضرر دینے والی ہیں اور بہت سے ایسے فرقوں کا ذکر چھوڑ کر جو باتفاق علماء' اسلام گمراہ بالخصوص حنفیہ کے نزدیک کافر ہیں۔ جیسے مرزائی وغیرہ۔ اہل حدیث کی تصنیفات اور مذہب کی برائی خصوصیت سے ذکر کی ہے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یا تو آپ کو ان سے تعصب زیادہ ہے یا کسی مخصوص شخص کی تصنیفات سے آپ کو دھوکہ ہوا ہے کہ اس کے ذاتی خیالات کو اہل حدیث کا مذہب قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ کسی شخص کی ذاتی رائے و قیاس تمام اہل حدیث کا مذہب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنی تصنیفات (تفسیر وغیرہ) میں خلاف مذہب اہل حدیث کے محض اپنی رائے سے بمثل اصحاب الرائے و اہل ہوا بہت مسائل بیان کئے ہیں جو اہل حدیث بھی نہیں مانتے اور ان کے مخالف ہیں۔ اسی طرح اور بعض لوگوں کے مسائل ہیں جن کو اہل حدیث ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ اہل حدیث کا مذہب وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا پھر آپ یا کوئی دیگر شخص تمام مذہب اور اہل مذہب کو الزام ایک دو شخصوں کی وجہ سے نہیں دے سکتے۔ اگر اس طرح الزام صحیح ہے تو پھر آپ حنفی مذہب کے ان فقہا کی جانب سے کیا جواب دیں گے۔ جو فروع میں حنفی اور عقائد میں معتزلہ تھے۔

چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد امام

اباحنیفة فی المسائل الفرعیة وتسلک مسلکة فی الاعمال الشرعیة سواء وافقه فی اصول العقائد ام خالفة فان وافقة لقال لها الحنیفة مع قید یوضح مسلکة فی العقائد الکلامیة فکم من حنفی حنفی فی الفروع معتزلی عقیدة کالزمخشری جار اللّٰہ مولف الکشاف وغیرہ مؤلف الفنیة والجاوی والمجتبی شرح مختصر القدوری نجم الدین الزاهدی وقد بسطنا ترجمتهما فی الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة رکعبد الجبار وابی هاشم والجبائی وغیرهم وکم من حنفی حنفی فرعا مرجیی او زیدی اصلا وبالجملة فالحنیفة لهم فروع باعتبار اختلاف العقیدة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة فالمراد بالحنفیة هٰمناهم الحنفیة المرجئة الذین یتبعون ابا حنیفة فی الفروع ویخالفونه فی العقیدة بل یوافقون فیها المرجئة الخاصة (رسالہ الرفع والتکمیل مطبوعہ انوار محمدی لکھنو ص-۲۷)

(ترجمہ) یعنی حنفیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو فروعی مسائل میں تو امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے اور اعمال شرعیہ میں اُن کے طریقہ پر چلتا ہے۔ اصول عقائد میں خواہ موافق ہو یا مخالف' اگر موافق ہے تو حنفی کامل کہا جاتا ہے۔ اگر مخالف ہو تو اس کو حنفی کہا جاتا ہے۔ ساتھ ایسی قید کے جو اس کا مذہب عقائد میں ظاہر کر دے۔ پس کتنے حنفی فروع میں حنفی ہیں اور عقیدہ میں معتزلہ ہیں۔ جیسے زمخشری مؤلف کشاف وغیرہ اور جیسے مؤلف غنیہ وحاوی و مجتبٰی شرح مختصر قدوری۔ نجم الدین زاہدی اور ان دونوں کا حال ہم نے فوائد بہیہ فی تراجم الحنفیہ میں بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جیسے عبدالجبار اور ابی ہاشم اور جبائی وغیرہ ہیں اور کتنے حنفی فروعات میں حنفی ہیں اور اصول میں زیدی یا مرجی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کی باعتبار اختلاف عقائد کئی شاخیں ہیں۔ بعض ان میں شیعہ ہیں اور معتزلہ ہیں اور مرجیہ ہیں۔ پس مراد حنفیہ سے وہ حنفیہ مرجیہ ہیں کہ جو امام ابوحنیفہ کے تابع ہیں۔ فروعات میں اور مخالف ہیں عقیدہ میں۔ بلکہ اس میں مرجیہ خالصہ کے موافق ہیں۔

مولانا اشرف علی صاحب! بتایئے کہ کتب فقہ میں انہی مذہبوں کے اقوال و مسائل درج ہیں یا نہیں؟ کسی جگہ کذا فی الفقیة کہا جاتا ہے اور کسی جگہ کذا فی المجتبیٰ

کہا جاتا ہے اور ان کی کوئی تنقید نہیں کی جاتی۔ تو اب بتایئے جیسا فقہ کے ذخیرہ میں اہل بدعت و ضلالت کا پورا پورا دخل ہے تو پھر یہ حنفیہ کے لیے غیر مقلدین کی تصنیفات سے زیادہ مضر ہے یا کم؟ اعدلوا هوا قرب للتقوى۔

(۴) مولانا اشرف علی صاحب! مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان عقائد میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں "عقائد میں سب متحد مقلد غیر مقلد ہیں۔ البتہ اعمال میں مختلف ہوتے ہیں۔" (حصہ دوئم' ص-۲۱)

اسی واسطے احناف اہل انصاف کا فتویٰ ہے کہ غیر مقلدین کے پیچھے نماز جائز ہے۔ صرف اعمال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تو ایسا اختلاف خود حنفیہ میں بھی موجود ہے۔ امام محمد و امام ابویوسف وغیرہ سے لے کر اب تک باہم مخالف چلے آتے ہیں۔ مثلاً جمعہ ہی کی بابت غور فرمایئے کہ بعض صاف انکاری ہیں کہ دیہات میں عید اور جمعہ مطلقاً" جائز نہیں ہے۔ جیسے آپ اور آپ کے مریدین بعض کہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ صحیح ہے۔ چنانچہ وہ پڑھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کچھ تردد ہے۔ اس لیے وہ ظہر اور جمعہ دونوں پڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اب بعض ہمارے گرد نواح میں جمعہ کے دن چھ مستقل نمازوں کے قائل بھی ہو گئے ہیں۔ اسی طرح دیگر مسائل میں اختلاف ہے۔

چنانچہ فقہ کی کتابیں حنفیہ کے مختلف اقوال سے مملو ہیں۔ کبھی کسی مسئلہ میں ابویوسف کے قول پر فتویٰ ہے' کبھی امام محمد کے قول پر' کبھی متقدمین کے قول پر اور کبھی متاخرین کے قول پر اور کبھی ضرورت سے انتقال مذہب بھی درست رکھا گیا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف عمل بھی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے کسی مذہب کی تصنیف مضر ہو جائے تو پھر آپ نے غیر مقلدین کی تصنیفات کو جو قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ سے مملو ہیں' کیوں زیادہ مضر قرار دیا ہے؟ اگر اس وجہ سے اہل حدیث کی تصنیف آپ کو زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے کہ یہ ائمہ متبوعین کے مسائل کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر حنفیہ کی تصنیف بھی مضر ہو گی۔ جس میں امام شافعی وغیرہ بلکہ بعض صحابہ کی بھی مخالفت کی گئی ہے اور نہایت دلیری سے تردید کی گئی ہے۔ اگر اس وجہ سے ہے کہ اہل حدیث کا کوئی مسئلہ کسی مذہب کے موافق ہے اور کوئی کسی کے

موافق ہے' گویا یہ نفسانی خواہشوں سے مسائل کو اختیار کرتے ہیں اور وہی مسائل اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں تو بھی آپ کا کہنا بیجا ہے۔ کیونکہ آپ کو علماء اہل حدیث کے دلی ارادوں پر واقفیت حاصل نہیں ہے۔ یہ آپ کی بدظنی ہے۔ اگر آپ نیک ظن کریں تو یہ خیال فرما سکتے ہیں کہ کسی مذہب کا مسئلہ قرآن و حدیث کے موافق ہوتا ہے' اس کو لے لیتے ہیں اور جس کا مخالف ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ خود تمام ائمہ کرام کی یہ وصیت ہے کہ ہمارے اقوال جو قرآن و حدیث کے مخالف ہوں وہ چھوڑ دو بلکہ جو شخص قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف اقوال پر عمل کرے وہ متبع ہوئی ہے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں بکت آیت ولئن متبعت اھواء ھم بعد ما جاءک من العلم الآیہ۔ ازیں آیت معلوم شد کہ بعد از وضوع دلائل وسطوح براہین تقلید باطل است۔ زیرا کہ اتباع ہوئی بعد مجی العلم است (تفسیر مجتبائی ص۔۴۳۰)

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلائل معلوم ہو جانے پر تقلید باطل ہے۔ کیونکہ علم ہو جانے پر تقلید کرنا اتباع ہوئی ہے۔"

اگر غیر مقلدین میں آپ کو ائمہ متبوعین کے اقوال چھوڑ دینے پر اتباع ہوئی معلوم ہوتی ہے تو بعض ایسے علماء محققین بھی ہیں جو قرآن و حدیث ملنے پر اقوال مخالف کو نہ چھوڑنے والوں کو متبع ہوئی اور مشرک فی الحکم جانتے ہیں۔ تو پھر آپ نے ان مقلدین کی کتابوں کو زیادہ مضر کیوں نہ کہا؟ فرقہ بریلویہ بھی تو حنفی ہیں اور ان کی تصنیف بھی غیر مقلدین سے زیادہ مضر ہے۔ پھر ان کو آپ نے ایک عام لفظ سے ذکر کیا تاکہ ظاہر نہ ہو اور اہل حدیث کو خاص طور پر' اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر آپ کہیں کہ غیر مقلد ائمہ کرام کو برا کہتے ہیں' اس لیے برے ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ آپ کوئی ایسی تصنیف پیش کریں جو کسی عالم کی مسلمہ کل ہو۔ اور اس میں کسی بزرگ کو اپنی جانب سے اس نے برا کہا ہو۔ ہاں اگر سابقہ علماء محدثین کی تصنیف کسی امام کی نسبت بیان کر دی جائیں تو اس سے اہل حدیث کی تصنیف مضر نہیں ہو سکتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ان محدثین کی تصنیف بھی بری ہو۔ جنہوں نے ان پر جرحیں کی ہیں اور وہ

خود بھی برے ہوں، معاذ اللہ۔

اسی طرح غالباً آپ بھی نہ کہیں گے۔ مثلاً آپ نے غیر مقلدین کی تصنیف کو برا کہا ہے اور بہت مضر قرار دیا ہے۔ اسی طرح عوض معاوضہ گلہ ندارد میں بھی عین واقعہ کا اظہار کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ حنفی مذہب کی وہ تصنیفات جس میں قرآن و حدیث کے مخالف مسائل محض قیاس در قیاس نکال کر لکھے گئے ہیں اور موضوع احادیث درج کر کے مسلمانوں کو شرعی مسائل میں دھوکہ دیا ہے، یہ تمام ضرر دینے والی چیزوں سے مسلمانوں کے ایمان کو زیادہ مضر ہیں کیونکہ ان میں اول تو ایسے فقہاء کے اقوال درج ہیں جو محدثین کے نزدیک علم حدیث میں ضعیف اور غیر معتبر ہیں اور دوئیم یہ کہ ان اقوال کو بلا سند لکھ کر دیگر فقہاء جو مسائل کی تخریج کرتے رہے ہیں۔ وہ حسب تصریح علماء حنفیہ کوئی معتزلہ ہے، کوئی رافضی ہے، کوئی مرجیہ ہے جو اہل سنت کے نزدیک نہایت ہی گمراہ ہیں۔ اس لیے کسی اہل سنت کو یہ فقہ حنفیہ کا ذخیرہ نہ دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ محض اتباع ہوئی پر مبنی ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ نے خود کہا ہے هذا الذی نحن فیه رای لا یجبر علیه احد ولا نقول یجب علی احد قبوله (سیرۃ النعمان ص۔۱۸۳) یعنی ہم جس بات میں مشغول ہیں وہ رائے ہے۔ ہم کسی پر جبر نہیں کرتے کہ کوئی اس کو قبول کرے اور نہ قبول کرنا کسی پر واجب ہے۔

میزان الاعتدال ص۔۲۳۷ میں لکھا ہے ابوحنیفة الکوفی امام اهل الرائے ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی وآخرون امام نسائی نے حافظے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی اور دوسروں نے بھی ضعیف کہا ہے۔ یعنی ابوحنیفہ کوفی رائے والوں کے امام ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں وہ فرماتے ہیں کان ابوحنیفة یتیما فی الحدیث یعنی امام ابوحنیفہ علم حدیث میں یتیم ہیں۔ (قیام اللیل ص۔۱۲۳)

مناقب الشافعی للرازی میں امام احمد کا قول ہے لا رائی ولا حدیث یعنی ان کی نہ رائے کام کی نہ حدیث کام کی اور ابوداؤد میں ہے کہ امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل

کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے دیگر شاگردوں کا حال ہے۔ میزان میں ابویوسف کو **كثير الغلط تركوه** کہا ہے۔ یعنی وہ بہت غلطیاں کرنے والا ہے۔ اور اس کو محدثین نے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح امام محمد کو بھی میزان میں اور کتاب الضعفاء میں ضعیف لکھا ہے اور یوسف بن خالد کو اور حسن بن زیاد کو کتاب الضعفاء میں کذاب لکھا ہے۔ اسی طرح میزان میں ہے اور قیام اللیل میں امام احمد نے عام طور پر ابوحنیفہ کے تابعداروں کی نسبت یہ کہا ہے **هؤلاء اصحاب ابی حنیفة لیس لهم بصر بشئی من الحدیث ما هو الا الجراة** یعنی اصحاب ابوحنیفہ کو علم حدیث کی کوئی جانچ نہیں ہے ان لوگوں کا دخل دینا محض زبردستی ہے۔

جب صاحب مذہب اور ان کے اصحاب کا یہ حال ہو کہ ان میں کئی خدشات ہوں اور علم حدیث جس پر شریعت کا دارومدار ہے' ان کو حاصل نہ ہو تو ان کے مقلدین کی احادیث اور مسئلوں کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی واسطے خود حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ **عمدة الرعایہ** ص-۱۳ میں ہے مولانا عبدالحی صاحب جن کی تصنیف کو آپ مفید لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں **لا یعتمد علی الاحادیث المنقولة بها اعتمادا کلیا ولا یجزم بورودها وثبوتها قطعا بمجرد وقوعها فیها فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرة وهی موضوعة** یعنی کتب فقہ کی احادیث پر اعتماد نہ کر لیا جائے اور نہ ان میں واقع ہونے سے ان احادیث کے ثابت ہونے کا یقین کر لیا جائے کیونکہ بہت سی احادیث فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں جو بناوٹی ہیں۔

مولانا! آپ خدا لگتی کہیں کہ کتب فقہ جن میں جھوٹی احادیث بیان کر کے مسائل نکالے گئے ہیں' زیادہ معتبر ہیں یا غیر مقلدین کی تصنیفات جس میں محض قرآن و حدیث کا بیان ہے؟ پھر جو مسائل فقہ کے ہیں۔ حقیقت میں یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی نہیں' جیسے شاہ صاحب حجتہ اللہ میں فرماتے ہیں **ان ذالک من تخریجات الاصحاب ولیس مذهبا فی الحقیقه** یعنی یہ مسئلے تخریجات اصحاب حنفیہ سے ہیں' حقیقت میں مذہب نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ بہشتی زیور کے تمام مسائل قرآن و حدیث ہیں یا امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے یا دیگر مقلد در مقلد لوگوں کا قیاس در قیاس ہے؟ مثلاً چند مسائل کا جواب دیں پھر باقی پر غور کیا جائے گا۔

(ا) بہشتی زیور حصہ اول ص-۴۲ پر آپ فرماتے ہیں کہ اگر باپ کو خط لکھو تو اس طرح لکھو- جناب والد صاحب قبلہ و کعبہ فرزنداں دام ظلکم العالی- آگے القاب کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں جناب والد صاحب قبلہ و کعبہ فرزنداں- پھر ایضاً"- جناب والد صاحب قبلہ کونین و کعبہ دارین- نیز آگے لکھا ہے جناب والد صاحب قبلہ کو کعبہ امٔ انتہیٰ-

اب اس کے متعلق بتا دیں کہ کس دلیل سے آپ نے یہ القاب تجویز کئے ہیں اور اس پر امام ابوحنیفہ کا کون سا قول موجود ہے- حالانکہ آپ فرماتے ہیں قرآن مجید ختم کرتے ہی اس کتاب کا شروع کر دینا ممکن ہے- جب قرآن مجید پڑھتے ہی اس کتاب کو پڑھیں گے تو ہدایت سے نکل کر گمراہی میں کیوں نہ پڑیں گے- کیونکہ یہ القاب شرعاً" بالکل ناجائز ہیں اور ان القاب کا ماخذ اپنے اپنے اماموں کا رسالہ ترکیب الحروف بتایا ہے- جس سے معلوم ہوا کہ اس ناجائز تعلیم میں آپ کے خاندان کے دیگر افراد بھی شریک ہیں- بلکہ وہ مجتہد معلوم ہوتے ہیں اور آپ ان کے مقلد- لیکن تحقیق کسی نے بھی نہیں کی کہ شرعاً ایسے القاب جائز ہیں یا نہیں- اسی واسطے علماء اصول نے لکھا ہے ان التقليد ليس يعلم وان المقلد لا يطلق عليه اسم عالم وهذا قول اكثر الاصحاب وقول جمهور الشافعية (اعلام الموقعین ص-۲۱) یعنی تقلید علم نہیں ہے اور مقلد کو عالم نہ کہنا چاہیے- یہی اکثر قول علماء حنبلی اور شافعیہ کا ہے-

اب اس کے ناجائز ہونے کا ثبوت سنیئے! آنجناب نے غیر مقلدین کی تصنیف کو مضر قرار دیا اور اپنے علماء مقلدین کی تصنیف کو انفع ٹھہرایا ہے- جن میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا ذکر خیر بھی ہے- چنانچہ یہی بزرگ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوئم ص-۱۵۴ پر فرماتے ہیں:

سوال : خط میں القاب قبلہ و کعبہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : قبلہ و کعبہ کسی کو لکھنا درست نہیں ہے- نیز حصہ دوئم ص-۸۹ پر ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں یوں لکھا ہے- "لکھنے مکروہ تحریمی ہیں- لقوله عليه السلام لا تطرونی الحدیث" انتہیٰ-

مولانا رشید احمد صاحب نے قبلہ و کعبہ لکھنا مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور مکروہ تحریم

کی بابت بہشتی زیور حصہ یازدہم ص-۴ پر یہ لکھا ہے کہ اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔ جیسے واجب کا منکر فاسق ہے اور اس کا کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔ انتہیٰ۔

اب مولانا یہ بتایئے کہ آپ نے تو ہندوستان کی عورتوں کو شروع حصہ ہی میں بجائے بہشتی زیور کے دوزخی زیور پہنا دیا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۲) بہشتی زیور حصہ دوئم ص-۹ میں آپ نے حائضہ وغیرہ کے قرآن پڑھنے کی بابت یوں مسئلہ لکھا ہے۔ اگر پوری آیت نہ پڑھے بلکہ ذرا سا لفظ بھی یا آدھی آیت تو درست ہے' الخ۔ حالانکہ بحر حلیہ میں ہے ان الاحادیث لم تفصل بین الکثیر والقلیل والتعلیل فی مقابلة النص مردود انتہیٰ یعنی احادیث میں قلیل کثیر کا فرق وارد نہیں ہے۔ بمقابلہ نص یہ مردود ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں لکھا ہے لا تقراء الحائض والنفساء والجنب شیئا من القرآن والآیة وما دونھا سواء فی التحریم علی الاصح انتہیٰ۔ یعنی حائض وغیرہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں' نہ پوری آیت نہ اس سے کم۔ صحیح مذہب میں دونوں صورتیں حرام ہونے میں برابر ہیں۔

مولانا! آپ نے ہندوستان کی عورتوں کے واسطے یہ بہشتی زیور بنایا ہے یا دوزخی؟ اور اپنے اصح مذہب کو چھوڑ کر غیر مذہب پر کیوں فتویٰ دے کر خرق اجماع کیا ہے۔ درمختار میں قاضی اور مفتی کا منصب یکساں قرار دینے کے بعد یہ لکھا ہے۔ ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق لاجماع انتہیٰ یعنی مرجوع قول پر فتویٰ دینا جہالت ہے اور خرق اجماع ہے۔

(۳) بہشتی زیور حصہ دوئم' ص-۲۳ میں لکھا ہے۔ اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کدھر ہے اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں سوچے جدھر دل گواہی دے اس طرف پڑھ لے۔ اگر بے سوچے پڑھ لے تو نماز نہ ہو گی۔ بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی' الخ۔ یہ مسئلہ بھی حدیث و فقہ کے خلاف ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے وان شرع من اشبھت علیہ بلا تحرفعلم بعد فراغہ من

الصلوٰة انه اصاب صحت۔ درمختار میں ہے اذا علم اصابته بعد فراغه فلا یعید اتفاقاً انتہٰی یعنی اگر بلا سوچ قبلہ میں شبہ پڑھنے پر پڑھی ہے تو اگر ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھی ہے تو نماز بلااتفاق ہو جائے گی۔

مولانا! آپ نے اس اتفاق حنفیہ کے خلاف کیوں کیا؟ اور ایسے غلط مسئلے کا رواج کیوں دیا؟ اسی طرح آپ کے بہت سے مسائل بہشتی زیور وغیرہ میں قرآن و حدیث کے خلاف اور فقہ حنفیہ قول راجح کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ اب بتایئے! آپ کی تصنیف بھی معتبر ہے یا نہیں؟ انصاف سے جواب دیں ورنہ اگر اس سے زیادہ غیر مقلدین کی تصنیف معتبر ہے تو آپ ثابت کریں۔

(۴) آپ نے فرمایا ہے کہ اہل سنت چار فرقوں میں منحصر ہے اور اس پر بھروسہ والے لوگوں کا اجماع ہے۔ سو اس کی بابت عرض ہے کہ یہ اجماع کس زمانہ میں ہوا ہے؟ اور اس کا داعی کون سی آیت اور حدیث ہے؟ اور کوئی شخص اس کا مخالف بھی ہوا ہے یا نہیں؟ اور مقلدوں کا اجماع ہے یا مجتہدوں کا؟

(۵) عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو ان مذاہب اربعہ میں کسی کے مقلد ہوں گے یا خود اجتہاد سے قرآن و حدیث پر عمل کریں گے۔ اگر تابع ہوں گے تو کس مذہب کے؟ اور کس دلیل سے؟ اگر نہیں ہوں گے تو خارق اجماع ہوں گے؟ اور متبع ہوئی ہوں گے؟ یا نہیں؟

(۶) قرآن و حدیث میں تقلید مطلق کا حکم ہے یا مقید کا؟ اگر مطلق کا حکم ہے تو اس کو مقید کس نص سے کیا گیا ہے؟ اگر مقید کا ہے تو کس کی قید ہے؟ ائمہ اربعہ کی یا دیگر کسی شخص کی؟ صحیح طریق پر جواب دیں۔

(۷) جب چاروں مذہب اجماع سے مقرر ہو چکے اور مسائل بھی ہر ایک مذہب کے تخریج سے مدون ہو چکے تو قرآن و حدیث سے استدلال کرنا اور اس سے احکام نکالنا اب جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو مقلد کو یا مجتہد کو اگر نہیں جائز تو یہ بیکار ہو گئے یا نہیں؟

(۸) مذہب حنفی کے تمام لوگ علماء اور غیر علماء متبع سنت ہیں یا متبع ہوئی؟ اگر متبع سنت ہیں تو ان کے عقیدہ اور عمل میں اختلاف کیوں ہے؟ اگر متبع ہوئی ہیں تو آپ

نے غیر مقلدین کی تخصیص کیوں کی ہے؟

(۹) قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے و قیاسی فتویٰ پر عمل کرنا حکم شرعی ہے یا اتباع ہوئی؟ اگر حکم شرعی ہے تو کہاں ہے؟ اگر اتباع ہوئی ہے تو پھر غیر مقلدین کی خصوصیت کیوں کی گئی ہے؟

(۱۰) اہل سنت کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟ اور اس تعریف کے رو سے سلف محدثین' اہلسنّت ہیں یا نہیں؟ اور شاہ جیلانی صاحب اور دیگر محدثین نے جو حنفیہ کو مرجیہ وغیرہ کہا ہے تو وہ اہلسنّت ہیں یا نہیں؟ برائے مہربانی ان استفسارات کے منصفانہ جوابات عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ اہل سنت والجماعت امرتسر جلد۔۲۶' شمارہ۔۳۱ مورخہ یکم جنوری سنہ۔۱۹۳۴ء

تھانوی حکمت اور نبوی حکمت کا مقابلہ

وہابی کون ہیں؟ وہابی آج کل کن کو کہا جاتا ہے؟

وہابی کون ہیں؟ بریلوی کتاب جاء الحق گجراتی کے ص۔۶ میں یہ لکھا ہے "اسماعیل کے معتقدین دو گروہ بنے۔ ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا وہابی کہلاتے ہیں۔"

واضح ہو کہ اسماعیل سے مولانا شہید محدث دہلوی مجاہد اسلام رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں جن کی سوانح حیات سے ان کے اسلامی حالات اہل علم کو خوب معلوم ہیں۔ فرقہ غالیہ اہل شرک والبدعۃ ان کی توہین کرتے ہیں اور ان کے معتقدین کو وہابی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہابی کے تین معنی ہیں۔ (۱) لغوی (۲) اصطلاحی (۳) حرفی۔

لغوی معنی یہ ہے کہ وہابی نام دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک لفظ وہاب دوسرا یائے نسبتی۔ لفظ وہاب اللہ تعالیٰ کا مشہور نام ہے۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے "انک انت الوھاب" یعنی اے اللہ! تو بیشک وہاب ہے۔ یائے نسبتی ملانے سے یہ معنی ہوا کہ واہب والا' اللہ والا۔ جیسے ربانی' رب والا' رحمانی' رحمٰن والا۔ اس لیے کسی شاعر نے اس کی

یوں وضاحت کی ہے۔

وہابی کا معنی ہے وہاب والا
کچھ اور ہی سمجھتا ہے شیطان والا

وہابی اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں اور نبی کو برحق جانتے ہیں۔ دوسرا نام مذہبی اصطلاحی ہے۔ چنانچہ دیوبندی گروہ کے مشہور عالم جناب مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ مجلد کامل ص-۲۳۵ میں سوال و جواب یوں درج ہیں:

سوال: وہابی کون لوگ ہیں؟ اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا، کون مذہب تھا اور کیسا شخص تھا اور اہل نجد کے عقائد اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے۔ (مرسلہ مولوی شیخ محمد صاحب از ضلع فیروز پور پنجاب سنہ-۱۳۱۰ھ)

جواب: محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر وہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا۔ عقائد سب کے متحد ہیں، اعمال میں فرق حنبلی، شافعی، مالکی اور حنبلی کا ہے۔ (رشید احمد گنگوہی عفی عنہ)

یہ فیصلہ دیوبندی گروہ کے اس عالم کا ہے جس کو سیدالعلماء اور زبدۃ الفقہاء جیسے الفاظ عالیہ سے نوازا جاتا ہے۔ لفظ وہابی کے اس تعارف سے کئی امور ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ مذہبی اصطلاح میں وہابی اس فرقہ کا نام ہے جو محمد بن عبدالوہاب کا پیروکار ہے۔ دوسرا یہ کہ اس وہابی فرقہ کا اصل مذہب حنبلی ہے۔ تیسرا یہ کہ ان میں سے بعض حد سے گزرے ہیں جن میں فساد آگیا۔ چوتھا یہ کہ عقائد سب کے متحد ہیں۔ پانچواں یہ کہ ان کے اعمال میں وہی فرق ہے جو مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں فرق ہے۔ پس ان پانچ امور سے یہ خوب واضح ہوا کہ وہابی فرقہ مقلدین میں سے ہے۔ یہ چاروں فرقے باہم چچازاد بھائی ہیں۔ اس لیے اہلحدیث ان سب سے الگ غیر مقلد ہیں۔ ان کی حد فاصل عدم تقلید ہے۔ اور اعمال میں بھی اہلحدیث ان چاروں سے الگ ہیں کہ ان کا عمل تقلید شخصی سے پاک ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہیں ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

اور اہل مذاہب اربعہ کو یہ کہتے ہیں؎

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

چونکہ ان سب نے آیت **ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات الآیہ** یعنی اے مومنو! تم ان لوگوں کی مثل نہ بنو جنھوں نے دلائل آجانے کے بعد اختلاف پیدا کر کے فرقہ بندی کر لی تھی" کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے اہلحدیث کا مسلک کتاب و سنت ہے' تقلید شخصی نہیں ہے۔

اب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا فیصلہ ملاحظہ فرمایئے جن کو حکیم الامت اور مجدد الملت کہا جاتا ہے۔ آپ اپنی کتاب دعوت عبدیت حصہ دوم تقویم الزیغ ص۔۲۳۴ میں رقم طراز ہیں:

"اہل بدعت کی وہ جماعت ہے جو ہم لوگوں کو وہابی کہتی ہے لیکن ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ ہم کو کس مناسبت سے وہابی کہا گیا کیونکہ وہابی وہ لوگ ہیں جو کہ ابن عبدالوہاب کی اولاد ہیں یا اس کے متبع ہیں۔ ابن عبدالوہاب کے حالات مدون ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ وہ نہ اتباع کی رو سے ہمارے بزرگوں میں ہیں نہ نسب کی رو سے البتہ آج کل جن لوگوں نے تقلید کو ترک کر دیا ہے ان کو ایک اعتبار سے وہابی کہنا درست ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے اکثر خیالات ابن عبدالوہاب سے ملتے جلتے ہیں البتہ ہم لوگوں کو حنفی کہنا چاہیے۔ الیٰ آخر الکلام۔

ہم لوگ وہابی کے لقب سے برا نہیں مانتے لیکن اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ قیامت میں اس بہتان کی بازپرس ہو گی۔

مولانا اشرف علی صاحب نے حکمت نبوی منزل من اللہ سے کام نہیں لیا بلکہ حکمت نفسانیہ سے کام لیا ہے۔ اس لیے آپ نے فیصلہ بالبداہت غلط کیا ہے۔ جو یہ کہا ہے کہ جن لوگوں نے تقلید کو ترک کیا ہے ان کو وہابی کہنا درست ہے کہ ان کے اکثر

خیالات ابن عبدالوہاب سے ملتے جلتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ مولوی اشرف علی نے وہابیت سے باہر آنے کی دو وجہ ذکر کی ہیں۔ اول یہ کہ ابن عبدالوہاب نہ اتباع کی رو سے ہمارے بزرگوں میں ہیں اور نہ نسب کی رو سے۔ یہی اہلحدیث بھی کہتے ہیں کہ ابن عبدالوہاب نہ اتباع کی رو سے ہمارے پیشواؤں میں ہیں اور نہ نسب کی رو سے بلکہ ترک تقلید کی وجہ سے ہم سب سے دور ہیں۔ اور تقلید کی وجہ سے وہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں تو مناسب ہے کہ دیوبندیوں کو وہابی کہا جائے کہ تقلید شخصی میں سب کا اتحاد ہے اور اس لحاظ سے بریلوی بھی وہابی ہوئے کیونکہ وہ بھی تقلید شخصی کو حبل فی الجید کرنے کے مدعی ہیں۔ چنانچہ کتاب جاء الحق کے ص-۲۱ تا ص-۳۸ تقلید پلید پر بحث کر کے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب تقلید شخصی اور مذاہب اربعہ کی تعیین میں دیوبندی اور بریلوی ہر دو حنبلی وہابیوں سے مشابہت رکھتے ہیں تو بموجب حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** کہ جو شخص کسی قوم سے مشابہت رکھتا ہے وہ انہی میں شمار ہے۔

باقی رہا یہ کہنا کہ ان کا اکثر خیالات میں ان سے ملنا جلنا ہے تو اگر وہ خیالات توحیدی ہیں تو ان میں سب مسلمان ان سے متفق ہیں۔ خصوصاً دیوبندی بھی۔ چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب جن کا درجہ مولوی اشرف علی صاحب سے فائق ہے' یہ لکھ چکے ہیں کہ وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں اور عقائد سب کے متحد ہیں" تو اس تحسین اور اتحاد عقائد سے بریلوی دیوبندیوں کو وہابی کہتے ہیں پھر آپ وہابیت سے چڑتے کیوں ہیں؟ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ وہابی لقب کو ہم برا نہیں مانتے پھر اس کو بہتان قرار دے کر قیامت کے محاسبہ کا خوف دلا رہے ہیں۔

مولانا اشرف علی کے معتقدین بتلائیں کہ بہتان اچھا ہے یا برا؟ اگر کہو اچھا تو یہ اسلام کے احکام سے صریح جہالت ہے' **کما ھو الظاہر**۔ اور اگر کہو برا ہے تو پھر یہ کیوں کہا گیا کہ وہابی لقب کو ہم لوگ برا نہیں مانتے۔ اچھا اگر دیوبندی گروہ کو وہابی لقب برا نہیں تو پھر اس کا محاسبہ کیوں ہو گا؟

اچھا اگر وہابی لقب برا نہیں ہے تو دیوبندیوں کو وہابی کہنے کی وجہ سن لیں۔ پھر بتائیں کہ برا ہے یا نہیں۔ گجراتی مولوی اپنی کتاب جاء الحق کے ص-۶ میں یوں لکھتے

ہیں: "دوسرے (وہابی) وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں' انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ نماز' روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ ان کو کہتے ہیں گلابی وہابی دیوبندی۔ بھلا میرے آقا مولا محبوب کبریاء ﷺ کا معجزہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قرن الشیطان یعنی شیطانی گروہ نکلے گا اردو میں' قرن الشیطان کا ترجمہ ہے دیوبند۔ اردو میں "دیو" کہتے ہیں شیطان کو اور "بند" بمعنی گروہ تابعدار۔ یا یہ اضافت مقلوبی ہے یعنی بندیو یعنی شیطان کی جگہ ..... لیکن ان دونوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے۔ دونوں محمد بن عبدالوھاب کو اچھا جانتے ہیں' اس کے عقائد کے حامی ہیں۔

چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں (پھر فتاویٰ کی عبارت نقل کی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں) لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان ان کو پہچان نہیں سکتے۔ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کر سکتا مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ بریلوی گروہ دیوبندیوں کو گلابی وہابی کہتے ہیں اور اہلحدیث سے زیادہ خطرناک بتلاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بریلوی فرقہ کے مشابہہ گروہ دیوبندی ہیں اور دیوبندیوں کے مشابہ بریلوی ہیں۔ اب وجہ مشابہت ملاحظہ کرلیں کہ دونوں امام ابوحنیفہ کوفی کو اپنا امام قابل تقلید' سراج امت قرار دے کر ان کے مناقب موضوع رواتیوں سے بیان کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ دونوں اس کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ دونوں کتب فقہ ہدایہ' قدوری' وقایہ' شرح وقایہ' کنز' درمختار' شامی' فتاویٰ قاضی خاں' فتاویٰ برہنہ' فتاویٰ عالمگیری' قنیہ' منیہ وغیرہ کو مستند جانتے ہیں اور تمام مذہبی مسائل ان کتابوں سے لیتے ہیں اور اعمال ظاہری میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ موحدین اہلحدیث ان کو پہچان نہیں سکتے۔

اہلحدیث ان سے جدا ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں اور بدعت حقیقی قرار دیتے ہیں۔ کتب فقہ مذکورہ کو کتب اہل رای کہہ کر مردود کتاب و سنت کے خلاف کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کو امام اہل الرای کہہ کر ان کے اختراعی مناقب کی تکذیب کرتے ہیں۔ پھر عقائد بھی ان کے متحد ہیں۔ دونوں ذات الٰہی کو بالذات عرش پر نہیں جانتے۔ آنحضور ﷺ کو ذات الٰہی کے نور سے مانتے ہیں اور آنحضور ﷺ کو پیدائش میں اول الخلائق کہتے ہیں۔ وسیلہ بالاموات کے قائل اور عامل ہیں۔ حیات انبیاء کو عالم برزخ میں مثل حیات جسمانی دنیوی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے تصرف کے قائل ہیں۔ وغیرہ وغیرہ عقائد باطلہ میں باہم متحد ہیں۔ مثلاً قرآن کو کلام لفظی نہیں نفسی کہتے ہیں اور ایمان اہل سما و ایمان اہل ارض مساوی کہتے ہیں۔ پس اہلحدیث جو فرقہ ناجیہ ہے۔ یہ لوگ اس سے خارج ہیں۔

اہلحدیث دیوبندیوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں تو وہ ان کے اصل عقائد اور اعمال سے جاہل اور ناواقف یا مداہن ہیں۔ جب اہلحدیث سے مناظرہ ہوتا ہے فاتحہ خلف الامام یا تقلید یا تراویح وغیرہ پر تو دونوں گروہ مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ایک گلابی وہابی ہیں دوسرے لبھی ہیں۔ دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔

تیسرا نام عرفی ہے۔ عرفی وہابی یہ ہیں "فتاویٰ رشیدیہ ص-۹۶ میں ہے (سوال) وہابی مذہب کون فرقہ ہے؟ مردود ہے یا مقبول اور عقائد ان مذاہب والوں کے مطابق اہل سنت والجماعت ہیں یا مخالف؟ کسی امام کی تقلید کرتے ہیں یا نہیں؟

(جواب) "اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں" مولانا گنگوہی نے اس دور میں پاک و ہند کا عرفی محاورہ ذکر کیا ہے کہ جو شخص متبع سنت اور توحید و سنت کا پابند ہے اور شرک و بدعت سے بچتا ہے' اس کو وہابی کہیں گے۔ اگرچہ وہ شخص عبدالوہاب نجدی کو نہ جانتا ہو اور نہ اس کی طرف منسوب ہو۔

مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی اپنی کتاب آنکھوں کی ٹھنڈک کے ص-۲۱ کے حاشیہ میں یہ لکھتے ہیں:

"افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم' صحیح احادیث' صحابہ کرام' ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابوحنیفہ اور فقہا اور احناف کی تحقیق پر عمل کرنے والا تو آج باعث ملامت

ہے اور اس کو وہابی کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی بدعات اور خرافات کو حنفیت کہا جاتا ہے۔

چند علماء نامہ نگاروں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "بدعت کیا ہے؟" اس کے ص-۷۰ میں ہے:

وہابیت اور دیوبندیت ⇦ مکہ میں جب اسلام پھیلنا شروع ہوا تو کفار قریش نے مسلمانوں کے لیے ایک طنز آمیز لقب "صابی" تراشا تھا (حالانکہ صابی فرقہ علیحدہ تھا' صحابہ صابی نہ تھے) جس کے معنی بے دین کے تھے۔ یعنی جس کافر کو اللہ ہدایت دیتا اور وہ اسلام قبول کر لیتا تو کفار قریش طنزا" غیظ و غضب کے لہجہ میں کہتے کہ فلاں شخص صابی ہو گیا۔ اہل بدعت نے بھی اللہ کے ان غیرت مند بندوں کے لیے جو شرک و بدعت کو کسی عنوان برداشت ہی نہیں کر سکتے' وہابی اور دیوبندی کے لقب تراش لئے ہیں اور جب کوئی ان کی خرافات پر ٹوکتا ہے تو اسے وہابی اور دیوبندی کہہ کر مطعون کر دیتے ہیں۔

ان لوگوں نے بیچارے عوام کے دلوں میں اپنے پروپیگنڈے کے زور سے یہ بات اتار دی ہے کہ وہابی اور دیوبندی رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کے دشمن ہیں۔

پھر لکھتے ہیں "حالانکہ اہلحدیث' وہابیوں اور دیوبندیوں کا مشن اس کے سوا کچھ اور ہے کہ دنیا کو کتاب و سنت کی دعوت دیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی طرف انسانیت کو بلائیں۔ وہ خود اتباع سنت کی امکانی کوشش کرتے ہیں اور وہابیوں کا تو اس معاملہ میں یہ حال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کی ذات سے اطاعت و اتباع ہی نہیں بلکہ تقلید تک کی نسبت انہیں گوارا نہیں۔ مقام حیرت ہے کہ جو ہر بات کے لیے کتاب و سنت سے سند طلب کرتے ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی بنا پر "**من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد**" کہ جس نے کوئی کام کیا جس کے کرنے کا حکم ہمارا نہ تھا وہ مردود ہے۔"

پھر اس بدعت' احداث اور جدت کو ٹھکرا دیں جس کے لیے سنت رسول میں دلیل نہ ملتی ہو۔ ان کو تو رسول اللہ ﷺ کے مرتبے کو گھٹانے والا کہا جائے اور جو

رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کے مقابلہ میں دوسروں کی لگائی ہوئی بدعتوں' جدتوں اور نئی نئی باتوں کو دین سمجھتے ہوں' وہ دعویٰ کریں عشق رسول کا۔

ع ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیئے

اگر دیوبندیت اور وہابیت شرک و بدعت کے رد و مخالفت اور سنت رسول کے بقاء و احیاء اور تمسک کا نام ہے پھر یہ بڑی اچھی چیز ہے اور اسلام میں شروع ہی سے یہی "فکر" کارفرما اور فعال رہی ہے۔ پس اس تصریح سے وہابی کا عرفی معنی واضح ہو گیا کہ آج کل اہلحدیث ہو یا حنفی' شافعی ہو یا مالکی اور حنبلی ہو جو متبع سنت اور دافع بدعت ہو وہ اہل توحید ہے اور شرک سے بیزار ہے' اس کو وہابی کہتے ہیں۔

اس لحاظ سے اہل حدیث اور چاروں مذاہب والے سب وہابی ہیں جو توحید و سنت پر قائم اور شرک و بدعت سے بیزار ہیں' سب وہابی ہیں۔ خصوصاً حضرت پیر جیلانی محبوب سبحانی بھی بہت بڑے وہابی ہیں۔ حب اہل بیت کی وجہ سے حضرت امام شافعی کو رافضی کہا گیا تو انہوں نے یہ شعر کہا۔

ان کان حب اهل البیت ترفضا

فلیشهد الثقلان انی رافضی

یعنی اگر حب اہل بیت کا نام رافضی مذہب ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں پس اسی طور پر ہم کہتے ہیں کہ۔

ان کان توحید الا له توهبا"

فلیشهد الثقلان انی وهابی

پس لفظ وہابی کے لغوی اور عرفی معنوں کی رو سے اہلحدیث اور دیوبندی حنفی اور دیگر مذاہب اہل توحید سب وہابی کہے جا سکتے ہیں۔ ہم کو کوئی رنج نہیں ہے لیکن اصطلاحی معنی کی رو سے وہابی کہنا سراسر بہتان ہے۔ اور ایسا ہے جیسا کفار صحابہ کو صابی کہتے تھے۔ یہ طنزی لقب ہے' کیونکہ ہم یا دیوبندی اس اصطلاحی لقب کے اعتبار سے وہابی نہیں ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول' ص-۲۳۷ میں سوال و جواب یہ لکھا ہے۔ (سوال)

عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟ (جواب) محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا۔ بدعت و شرک سے روکتا تھا۔ مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔"

میں کہتا ہوں کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی شہادت صحیح اور صادق ہے۔ میں نے محمد بن عبدالوہاب مرحوم کی کتاب التوحید پڑھی ہے جس میں "تقویۃ الایمان" کی طرح آیات و احادیث صحیحہ تحریر کر کے مسئلہ توحید و شرک کی خوب وضاحت کی ہے اور بریلوی مذہب کی خوب بیخ کنی کی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اہل بدعت والشرک ان سے متنفر ہیں۔ اس دور میں حکومت سعودیہ ملک عرب میں اسی مسلک پر قائم ہے۔ اس لیے بریلوی لوگ وہاں جاتے ہیں تو بھیگی ہوئی لومڑی کی طرح دم دبا کر آجاتے ہیں۔ وہاں دم نہیں مارتے۔ اگر کوئی بے شرم اور ڈھیٹ ہو کر مشرکانہ اور مبتدعانہ دم مارتا ہے تو اس کو نجدی سپاہی ہنٹر مار کر بھگا دیتا ہے۔

مولانا گنگوہی نے تعصب و عناد سے رو دھو کر محمد بن عبدالوہاب کے متعلق جو صحیح شہادت دی ہے وہ ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اچھا آدمی تھا۔ عامل بالحدیث تھا' بدعت و شرک سے روکتا تھا۔ ان کے عقائد عمدہ تھے۔ وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں' عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی' حنبلی وغیرہ کا ہے۔

اب دیوبندی گروہ کے ایک متعصب اور معاند شخص کی بکواس اور خرافات ملاحظہ فرمایئے جو اپنی کتاب الشہاب الثاقب کے ص-۴۲ سے ص-۶۸ تک احمد رضا خاں بریلوی کا مثیل بن کر شرافت اور تہذیب کو تھوکتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھوی صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتے تھے' اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھے۔ اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا ..... اس قدر کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ یہی حالت وہابیہ خبیثہ کی ہے۔ کیا یہ حال کسی وہابی خبیث کو نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔

(تاآخر) ان کا بھی مثل غیر مقلدین کو اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔"

اور میں کہتا ہوں کہ یہی طریقہ گستاخانہ اور بے ادبانہ اس مدنی دیوبندی گستاخ کا ہے کہ جیسے بریلوی مجدد بدعات شرافت و تہذیب کو دور پھینک کر کلام کرتا اور لکھتا رہا ہے۔

ایسے ہی مولوی حسین احمد مدنی شہاب ثاقب میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے اتباع کے حق میں گستاخانہ کلام کرتے اور لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں مرجیہ فرقہ ضالہ کے فرد ہیں اور فرقہ حقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔ دونوں کا کلام ابلیس لعین کے القاء پر مبنی ہے اور دونوں کا مسلک ایک ہے۔ مولوی حسین احمد مدنی نے اہل حدیث اور شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب سے نفرت اور بعد ظاہر کر کے اپنے مشرکانہ اور مبتدعانہ عقائد کو لکھا ہے اور وہابیت کے لقب سے بچنے کی کوشش کر کے بریلوی مجدد بدعات دجال کا تقرب حاصل کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر بریلوی مجدد بدعات کا سا رویہ اختیار کر کے باطل الزامات لگائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انہوں نے اہل سنت والجماعت کو قتل کیا۔ حالانکہ انہوں نے بریلوی طائفہ غالیہ ایسوں سے جہاد کیا تھا۔ وہ اہل سنت ہرگز نہ تھے بلکہ مشرکین و مبتدعین تھے۔ جیسے دیوبندی اور بریلوی ہر دو گروہ ہیں کہ یہ بظاہر سب اہل سنت والجماعۃ اور حقیقت کے لحاظ سے اہل شرک والبدعت ہیں۔ ان ہر دو فرقوں کی کتابوں میں ان کے مشرک و مبتدع ہونے کا ثبوت اظہر من الشمس ہے بلکہ اس کتاب الشہاب الثاقب سے مولوی حسین احمد مدنی اور ان کے اتباع و اکابر کے شرکیات ظاہر ہو رہے ہیں۔

دیوبندی اور بریلوی دونوں سوتیلے بھائی ایک ہی باپ کوفی کے بیٹے ہیں اور دونوں اس توحید کے منکر ہیں جو تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ میں مذکور ہے اور کتاب التوحید مصنفہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب میں مرقوم ہے۔

بندہ انشاء اللہ تعالیٰ ان تمام عقائد اور مسائل کی تردید کرے گا جو کتاب الشہاب الثاقب میں مولوی حسین احمد مدنی نے طائفہ وہابیہ سے ممتاز ہونے کے لیے لکھے ہیں اور کتاب و سنت سے ثابت کرے گا کہ دیوبندی فرقہ اور بریلوی فرقہ کی حقیقت بالکل

ایک ہے۔ ان میں وہی فرق ہے جو یہود اور نصاریٰ میں ہے۔ ہر دو فرقوں' دیوبندی اور بریلوی میں حسب پیشین گوئی حضرت محمد ﷺ یہودیت داخل ہو گئی ہے۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۵۴' شمارہ۔۱۱' ۱۲ یکم و ۱۵ جمادی الثانی سنہ۔۱۳۹۳ھ

حکیم الامت تھانوی کی حکمت پر تبصرہ

دیوبندی حنفیہ میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بہت بڑے بزرگ تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان کی پیری مریدی کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ان کی تعلیم و تبلیغ' تقریر و تحریر دیوبندی گروہ میں مستند مانی گئی ہے۔ اس لیے آپ کا لقب حکیم الامت مشہور کیا گیا۔ آپ مصنف کتب کثیرہ ہیں۔ ان کی بعض تصنیفات بندہ عارف حصاری کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ راقم الحروف نے ان کی حکمت کا حکمت نبویہ سے موازنہ کیا تو بعدا لمشرقین پایا۔ اس لیے چند مسائل کو بطور نظائر کے پیش کرتا ہوں تاکہ لوگ ان کی اندھا دھند تقلید کو حبل فی الجید کر کے قعر ضلالت میں نہ گریں۔ **ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ۔**

واضح ہو کہ حکمت دو قسم کی ہے۔ ایک شرعیہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے جس کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا جس کا ذکر کتاب اللہ کے ساتھ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **واذکروا نعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ یعظکم بہ۔** یعنی یاد کرو تم نعمت الٰہی کو جو تمہارے اوپر ہے اور یاد کرو اس چیز کو جو تم پر کتاب اور حکمت سے نازل کی ہے جس کے ساتھ تم کو اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے" اسی حکمت کی آنحضرت ﷺ نے کتاب اللہ کے ساتھ اپنی امت کو تعلیم دی۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے **ویعلمکم الکتاب والحکمۃ** یعنی میرا رسول تم کو میری کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں کتاب اللہ کے ساتھ حکمت کا لفظ وارد ہے' سلف صالحین مفسرین نے اس سے مراد حدیث نبوی لی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر ج۔۱'

ص-۱۹۶ میں اس آیت پر یوں لکھا ہے **ویعلمھم الکتاب وھو القرآن والحکمة وھی السنة** یعنی کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے- اور ص-۲۸۱ میں ہے **والحکمة ای السنة** - تفسیر فتح القدیر علامہ شوکانی ج-۱' ص-۲۲۹ میں ہے **والکتاب ھو القرآن والحکمة قال المفسرون ھی السنة التی سنھا لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل اور تقریر سے امت کے لیے مقرر کر دیا- خلاصہ یہ کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد حدیث ہے- پس جو قرآن و حدیث میں وارد ہو' وہ حکمت شرعیہ ہے جو حجت ہے-

دوسری حکمت انسانی فقاہت اور قیاس ہے جس کو علماء اہل رائے اپنی رائے سے گھڑتے ہیں- اب دونوں کی مثال سنیئے تاکہ دونوں حکمتوں کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے- حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو گود میں لیے ہوئے نماز پڑھی ہے- یہ حکمت نبوی ہے کہ اگر بچہ روئے اور نماز کا وقت ہو تو ماں یا باپ یا نانا دادا کوئی اس کو اٹھا کر لیے ہوئے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی فاسد نہ ہو گی- یہ حکمت تو شرعیہ ہے' اب حکمت قیاسیہ سنیئے- درمختار مصری جلد-۱' ص-۱۵۳ میں ہے **الا صلوٰة حاملہ ولو کبیرا** یعنی اگر کتے کو اٹھا کر نماز پڑھ لے اگرچہ بڑا کتا ہو تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی- پس دونوں حکمتوں کا فرق ظاہر ہے- ان دونوں حکمتوں کا ہم مولانا تھانوی کے مسائل پر موازنہ کریں گے- ناظرین انصاف سے ملاحظہ فرمائیں-

نماز میں نجاست کا مسئلہ ⇦ قرآن میں ہے: **وثیابک فطھر** یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھو- اور حکمت نبوی کا حکم یہ ہے کہ **عامة عذاب القبر من البول فاستنزھوا من البول** (بزار' طبرانی' دار قطنی وغیرہ) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اکثر عذاب قبر کا پیشاب سے ہوتا ہے' اس لیے تم بول سے بچو اور اس سے پاکیزگی حاصل کرو-

اب حکمت غیر شرعی قیاسیہ سنیئے- بہشتی زیور حصہ دوم ص-۱۰ میں نجاست کی دو قسمیں لکھی ہیں- ایک جس کی نجاست نہایت سخت ہے' تھوڑی سی لگ جائے تب بھی دھونے کا حکم ہے' اس کو نجاست غلیظہ کہتے ہیں- پھر لکھتے ہیں "مسئلہ خون اور

آدمی کا پیشاب پاخانہ کرنا نجاست غلیظہ ہیں" پھر ص–۱۱ پر لکھا ہے "نجاست غلیظ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اگر پھیلاؤ میں روپیہ کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو معاف ہے' بغیر دھوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

پھر لکھا ہے نجاست غلیظ میں سے گاڑھی لگ جائے جیسے پاخانہ اور مرغی وغیرہ کی بیٹ تو اگر وزن اس کا ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم ہو تو بغیر دھوئے ہوئے نماز درست ہے۔" اب یہ دونوں حکمتیں ناظرین کے سامنے ہیں۔ بنظر انصاف جس پر چاہیں عمل کریں۔

دوسرا مسئلہ نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ ⇦ ترمذی میں حدیث ہے کہ دریا کے پانی کے متعلق آنحضور ﷺ سے سوال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **هو الطهور ماؤه** کہ اس کا پانی پاک کرنے والا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: **الماء طهور ولا ينجسه شيئ** کہ پانی پاک کرنے والا ہے' اس کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ (جب تک اس کا رنگ بو مزہ نہ بدلے)

طہور لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے' جیسے پانی اور مٹی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے **جعلت لی الارض طهور او مسجدا** یعنی زمین کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنایا ہے۔

مسند احمد میں یوں حدیث ہے **وجعل لی التراب طهورا** یعنی مٹی میرے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔

ابوداؤد میں ہے **اذا وطئی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور** یعنی جب تمہارا جوتہ گندگی پر سے گزر جائے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے۔ پھر اس کا طریقہ بتایا جو تیسری حدیث میں ہے **فليمسحه بالارض ثم ليصل فيهما** (مسند احمد) یعنی جوتے کو زمین میں گھس دے پھر ان میں نماز پڑھ لے (پاک جوتے میں نماز جائز ہے)

ان تمام روایتوں سے حکمت نبوی یہ ثابت ہوئی کہ نجاست کو پاک کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک پانی اور دوسری مٹی۔

اب تھانوی حکمت کا نظارہ کر لیجئے۔ بہشتی زیور حصہ دوم ص–۱۳ میں ہے "ہاتھ میں کوئی نجس چیز لگی تھی' اس کو کسی نے زبان سے تین دفعہ چاٹ لیا تو بھی پاک ہو

جائے گا"

یہ حکمت نبوی کے خلاف تیسری چیز پاک کنندہ تجویز کی گئی ہے۔ اس پر ہم کچھ کہیں گے تو گستاخی تصور کی جائے گی۔ ان کا ایک مذہبی بھائی جس کو بریلوی فرقہ حضرت اعلیٰ مجدد وغیرہ القاب سے ملقب کیا کرتا ہے۔ اپنی کتاب احکام شریعت حصہ سوم ص ۲۸۱ میں سوال و جواب یوں لکھتے ہیں:

(سوال) مسئلہ نمبر ۲۸ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر انگلی پر نجاست لگ جائے اور اسے چاٹ لیا جائے تو کیا انگلی پاک ہو جائے گی اور منہ بھی پاک رہے گا؟ بینوا توجروا۔

(جواب) انگلی کی نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اور اسے جائز جاننا شریعت پر افتراء و بہتان ہے۔ اور تحلیل حرام و قاطع اسلام ہے۔ اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ منہ بھی پاک رہے گا۔ نجاست چاٹنے سے قطعاً ناپاک ہو جائے گا۔ اگرچہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلنے سے کہ نجاست کا اثر منہ سے دھل کر سب پیٹ میں چلا جائے پاک ہو جائے گا۔ مگر اس چاٹنے نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہو۔ الخبیثات للخبیثین (الآیہ)

بریلوی مجدد کو یہ معلوم تھا کہ یہ دیوبندی کتاب کا مسئلہ ہے۔ اس لیے زیادہ تیز چل گیا۔ اگر فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ہوتا تو شرمسار ہوتا۔ اور اتنا سخت نہ لکھتا کہ اس سے اکابر علماء حنفیہ کی توہین پائی گئی۔ کیونکہ یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری' منیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے جس طرح مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ پس ایسی فقہ قیاسی پر نوحہ کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کے خلاف محض قیاس اور رائے سے تیار کی گئی ہے اور اس کی اصل بنیاد کوفہ سے ہے کہ جس امام کی دیوبندی بریلوی تقلید کرتے ہیں' وہ امام رائے تھے۔ ان کا مرکز کوفہ تھا۔ (فتذکروا ولا تکونوا من المعاندین)

کیا آنحضرت ﷺ جوؤں سے پاک تھے؟

⇦ مولوی اشرف علی صاحب کا ایک رسالہ بنام "المورد الفرخی فی المورد البرزخی" شائع ہو چکا ہے۔ اس کے ص ۲۱ پر یہ لکھا ہے کہ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ من جملہ بشر کے

ایک بشر تھے۔ (گھر کے اندر مخدوم و ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ جوؤں سے پاک تھے) یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹھیک ہے کہ آپ بشر تھے اور اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھ لیتے تھے۔ یہ تو ٹھیک حکمت الٰہی ہے کہ آپ کو بشر پیدا کیا تو بشر میں خواص طبعی ہوتے ہیں جو آپ میں بھی موجود تھے۔ ان میں ایک یہ بھی طبعی امر ہے کہ بشر میں جیسے سر وغیرہ یا کپڑوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں' اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کرتے ہوئے دو چیزیں ظاہر کر دیں ایک کپڑوں میں جوؤں کا پڑنا (جوئیں پڑنا کپڑوں سے تلاش سے ظاہر ہوا ورنہ دیکھنا لغو ہو جاتا ہے اور دوسروں کی جوئیں پڑنا ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے)۔ اور دوسرا آپ کا کپڑوں سے جوؤں کا پکڑنا۔

لیکن مولوی اشرف علی صاحب نے آنحضور ﷺ کو جوؤں سے پاک قرار دیا ہے اور اس پر کوئی نص شرعی پیش نہیں کی۔ صرف نص شرعی کو اس کے ظاہر سے پھیرا اور تاویل کی ہے جس کے متعلق مولانا اشرف علی صاحب خود اپنی کتاب بہشتی زیور کے حصہ اول' ص۔۳۲ پر یوں لکھتے ہیں "قرآن اور حدیث کے کھلے کھلے مطلب کو نہ ماننا اور اینچ پیچ کر کے اپنے مطلب بنانے کو معنی گھڑنا بددینی کی بات ہے۔"

وہی عمل مولانا صاحب نے کیا کہ اپنی قیاسی حکمت چلانی شروع کر دی کہ آپ کے کپڑوں میں خود جوئیں نہیں پڑتی ہیں بلکہ کسی دوسرے کی آپ کے کپڑوں پر چڑھ گئی تھیں۔ ان کو آپ پکڑتے تھے۔ بعض حنفیہ نے یوں تاویل کی ہے کہ یہ تلاش کرنا دوسروں کی تعلیم کے لیے تھا۔ یہ سب تاویلیں خیالات فاسدہ ہیں جن پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے بلکہ اس تاویل کے خلاف دلیل موجود ہے۔ چنانچہ مسلم شریف ج۔۲' ص۔۱۴۱ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: "حضرت ام حرام حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی' ان کے گھر میں ایک دن حضور ﷺ تشریف لے گئے تو ام حرام نے آپ کو کھانا کھلایا پھر آپ کے سر میں جوئیں دیکھنے لگی۔ پس آپ سو گئے۔" اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے سر میں جوئیں پڑ جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کے سر سے بعض عورتیں جوئیں نکالتی تھیں۔ جو لوگ آپ کے کپڑوں سے

جوئیں پڑنے کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل آپ کی بشریت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ وہ نور جسمانی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں' جو سراسر باطل بلکہ کفر ہے۔

حررہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد۔۵۴' شمارہ۔۳' یکم صفر ۱۳۹۳ھ

مقلدین حنفیہ کی شریعت دانی پر تبصرہ

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید شخصی فرض یا واجب ہے۔ وہ دراصل یہ کہتے ہیں کہ جاہل اور ناوان رہنا واجب یا فرض ہے کیونکہ غیاث اللغات میں تقلید کا یہ معنی لکھا ہے: "گردن بند در گردن انداختن و مجازا" بمعنی پیروی کسے بے دریافت حقیقت آن" یعنی لغت میں "تقلید" گردن میں پٹہ اور ہار ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور مجازا" بغیر حقیقت معلوم کئے کسی شخص کی پیروی کرنے کو۔

منجد میں جو لغت عربی کی مشہور کتاب ہے یہ لکھا ہے **قلدہ فی کذا ای تبعہ من غیر تامل ولا نظر** (ص۔۶۸۷) یعنی تقلید کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی یہ کہے کہ فلاں نے اس بات میں اس کی تقلید کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس شخص تقلید کرنے والے نے اس کی بات کی بغیر سوچے سمجھے پیروی کی۔ اس لیے جناب شاہ ولی اللہ مرحوم محدث دہلوی نے حجتہ اللہ ج۔۱' ص۔۱۲۳ میں چہارم صدی کے لوگوں کے احوال میں یہ لکھا ہے: **انھم اطمانوا بالتقلید ودب التقلید فی صدورھم دبیب النمل وھم لا یشعرون ..... لا یمیزون الحق من الباطل** یعنی تین زمانوں کے بعد ایسے لوگ ظاہر ہوئے جو تقلید پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور تقلید ان کے دلوں میں چیونٹی کی ہلکی چال کی طرح گھس گئی اور وہ مسائل اور احکام کو سمجھ نہ سکے اور حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکے۔

میزان شعرانی ج۔۱' ص۔۱۰ میں امام احمد کا یہ فرمان درج ہے **ولا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرۃ** یعنی تم تقلید پر قناعت نہ کرو کیونکہ یہ تو دل کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس لیے امام شافعی کی فقہ اکبر ص۔۱۰ میں تقلید کی تعریف لکھ کر پھر

یہ لکھا ہے ذالک لا یکون علما کہ تقلید علم نہیں جہالت ہے۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ تقلید واجب ہے وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ جاہل رہنا واجب ہے۔ یہ سراسر خلاف ارشاد نبوی ہے۔ جو یہ ہے طلب العلم فریضۃ علی مسلم یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تحفۃ الاخیار فی بیان سنۃ سید الابرار مطبوعہ فاروق ص-۴ میں ہے وقال الامام ابوحنیفۃ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا غیرہ وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ کذا فی المیزان وغیرہ یعنی امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نہ میری تقلید کرو اور نہ امام مالک کی اور نہ کسی اور کی اور تم احکام شرعیہ کو وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے لیے ہیں۔

میزان شعرانی ص-۴۹ میں ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا لم یزل الناس فی صلاح ما دام فیھم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا یعنی ہمیشہ لوگ اچھی حالت اور صلاحیت میں رہیں گے جب تک ان میں حدیث نبوی کے طلبگار رہیں گے اور جب حدیث کے بغیر دیگر علوم (منطق' فلسفہ' علم کلام' فقہ وغیرہ) طلب کریں گے تو ان کی دینی حالت خراب ہو جائے گی۔ میزان شعرانی مطبوعہ معراج ج-۱' ص-۱۰ میں ہے کہ امام شافعی نے فرمایا خذوا علمکم من حیث اخذہ الائمۃ ولا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرۃ یعنی علم اسی جگہ سے حاصل کرو جہاں سے ائمہ نے حاصل کیا اور تقلید پر قناعت نہ کرو کہ یہ دین میں اندھا پن ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں ملا عابد سندھی فرماتے ہیں: و وجوب تقلید مجتہد معین لا حجۃ علیہ لا من جھۃ اشریعۃ ولا من جھۃ العقل یعنی ایک امام مجتہد معین کی تقلید واجب ہونے پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔ نہ شریعت محمدیہ کی رو سے اور نہ عقل کی رو سے۔ اس لیے امام طحاوی نے مفاتیح الاسرار التراویح مطبوعہ لاہور کے ص-۶۵ میں یہ فرمایا اوکل ما قال بہ ابوحنیفۃ اقول بہ وھل یقلد الا متعصب او غبی یعنی کیا جو کچھ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے میں بھی وہی کہتا چلا جاؤں' بھلا یہ بتاؤ کہ کیا کسی کند ذہن یا تعصب والے کے بغیر کوئی اور بھی تقلید کرتا ہے۔ (ہرگز

نہیں)

کتاب شرح عین العلم مطبوعہ عامرہ استنبول کے ص-۳۲۶ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں ومن العلوم ان اللہ سبحانہ وتعالی ماکلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفھم ان یعملوا بالسنۃ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی مسلمان کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم حنفی ہو جاؤ' یا مالکی بن جاؤ یا شافعی کہلاؤ یا حنبلی ہو جاؤ بلکہ سب کو یہ حکم دیا ہے کہ عامل بالحدیث ہو جاؤ۔

القول السدید مطبوعہ بنگلور کے ص-۴۰ میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں: اعلم انہ لم یکلف اللہ تعالیٰ احدا من عبادہ بان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا بل اوجب علیھم علم الدین بما بعث بہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم والعمل بشریعۃ یعنی یہ بات جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو یہ تکلیف نہیں دی کہ کوئی حنفی ہو جائے یا مالکی بن جائے یا شافعی ہو جائے یا حنبلی کہلائے بلکہ ان پر علم دین کا حاصل کرنا واجب کیا ہے' جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم شریعت محمدیہ پر عمل کرو۔ اور یہ شریعت کتاب و سنت میں موجود ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دو چیزیں یہ ہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ اپنی بے نظیر کتاب مستطاب اعلام الموقعین ج-۱' ص-۲۲۲ میں تقلید کی بابت یہ لکھتے ہیں انما احدثت ھذہ البدعت فی القرن الرابع المذمومۃ علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تقلید شخصی چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کی مذمت رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہو چکی ہے۔

حجتہ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی یہ لکھا ہے کہ تقلید شخصی و تعیین مذہبی چہارم صدی میں پختہ ہوئی ہے اور مذاہب اربعہ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی بن گئے۔

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

پھر ہر ہر مذہب کی جدا جدا فقہ بن کر ایسی کئی کتابیں تیار ہو گئیں۔ فقہ حنفی' فقہ شافعی' فقہ مالکی' فقہ حنبلی اور مذہبی پابندی لگا دی گئی کہ کوئی شخص ایک مذہب سے نقل کر دوسرے مذہب میں نہ جائے۔ نور الہدایہ ص-۱۱ میں شرح عین العلم سے منقول ہے فلو التزم احد مذهبا ابی حنیفة والشافعی فلزم الاستمرار فلا یقلد غیره فی مسئلة من المسائل یعنی اگر کسی شخص نے کسی ایک مذہب کا التزام کر لیا مثلاً حنفی ہو گیا یا شافعی ہو گیا تو اس پر ہمیشہ اس مذہب پر رہنا لازم ہو گیا' وہ کسی مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید نہ کر سکے گا کہ اس کے گلے میں تقلید شخصی کا طوق پڑ چکا ہے۔

تفسیر احمدی میں ہے اذا التزم مذهبا یجب علیه ان یدوم علیٰ مذهب التزم ولا ینتقل عنه الیٰ مذهب آخر یعنی جب کسی نے ایک معین مذہب کا التزام کر لیا تو اس پر لازم ہوا کہ وہ اسی مذہب کی ہمیشہ پابندی رکھے' اس مذہب سے منتقل ہو کر دوسرے مذہب میں نہ جائے۔ اور درمختار میں لکھا ہے ارتحل الیٰ مذهب الشافعی یعزر (درمختار باب التعزیر ج-۳) یعنی اگر حنفی شخص شافعی مذہب میں چلا جائے تو اس کو سزا دی جائے۔ مقدمہ ہدایہ مترجم ج-۱' ص-۱۱۰ میں ہے "امام ابوحنیفہ و صاحبین کا قول صحیح حدیث کے خلاف آجائے تو اپنے ائمہ کے قول پر عمل ہو گا حدیث پر نہیں۔ بلکہ درمختار میں شعر لکھ کر خبردار کر دیا کہ کوئی شخص امام کے قول کو خلاف حدیث لکھ کر رد نہ کرے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علیٰ من رد قول ابی حنیفه

یعنی ریت کے ذروں برابر لعنت ہو اس شخص پر جو ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔

پہلے یہ بلا ان کے گھر پر پڑی کہ قاضی ابویوسف اور امام محمد وغیرہ ان کے شاگردوں اور دیگر متقدمین اور متاخرین حنفیہ نے امام ابوحنیفہ کے اقوال کو رد کر کے دوسروں کے مذہب یا احادیث پر عمل کیا۔ مثلاً کتاب الآثار امام محمدؒ کی جو مترجم کتاب ہے' اس کے ص-۳۰۳ میں ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں ولسنا ناخذه ولا نری بلحم الفرس بآسا وقد جآء فی

احلاله اثار کثیرة یعنی ہم اس کو نہیں لیتے اور اس کے حلال ہونے میں بہت احادیث آچکی ہیں۔ غور کرو کہ امام محمد نے باوجود شاگرد ہونے کے امام ابوحنیفہ کے مسئلہ حرمت گھوڑا کو رد کر دیا کہ خلاف احادیث کثیرہ ہے۔ اس میں امام محمد مستحق لعنت نہ ہوئے مگر یہ لعنت شعر بنانے والے اور لکھنے والے پر پڑ گئی۔

اسی طرح متاخرین حنفیہ نے اجرت امامت و خطابت تعلیم قرآن و حدیث و فقہ اجرت اذان میں ابوحنیفہ کا قول کہ یہ اجرت حرام ہے ترک کر دیا۔ نیز مزارعت و مساقات ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے' اسی کو جائز کر دیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی پر لعنت کرتا ہے' اگر وہ مستحق لعنت نہ ہو تو لعنت کرنے والے پر لعنت پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح متاخرین حنفیہ نے اجرت امامت و خطابت تعلیم قرآن و حدیث و فقہ' اجرت اذان میں ابوحنیفہ کا قول کہ یہ اجرت حرام ہے' ترک کر دیا۔ نیز مزارعت و مساقات ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے۔ اسی کو جائز کر دیا اور اس شعر کی زد میں آکر سب متفق ہو گئے ہیں۔ اس پر یہ مصرع بہت موزوں ہے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اگر ایک مذہب مثلاً حنفی پر عملی پابندی لگائی جائے تو بہت سی احادیث نبوی و آثار صحابہ کرام کا ترک کرنا لازم آئے گا۔ جو سخت جرم بلکہ کفر ہے۔ میزان شعرانی ص۔۲۳ میں ہے: جو مومن ایک مذہب کا مقلد ہے' وہ تمام شریعت محمدیہ پر عمل نہیں کر سکتا اگرچہ اس کے امام نے یہ کہہ دیا ہے کہ جب کسی کو صحیح حدیث میرے قول کے خلاف مل جائے تو میرا مذہب وہی ہے کیونکہ مقلد بہت سی احادیث کو جو' ان کے امام کے سوا دیگر ائمہ کو ملی ہیں ترک کر دیتا ہے۔ یہ اس مقلد کی طرف سے سراسر اندھا پن ہے۔

کشف الغمہ ص۔۱۳ میں امام شعرانی یوں فرماتے ہیں والمذهب الواحد بلا شك لا يحتوى على كل احاديث الشريعة الا ان قال صاحبه اذا صح الحديث فهو مذهبى فيدخل فى مذهبه كل حديث استدل به مجتهد من المجتهدين وقد ثبت عن الشافعى ولذالك اجتمع المذاهب على هذا مذهب الشافعى عند كل من

مسلم من التعصب فی الدین یعنی یہ بات یقینی ہے کہ کوئی ایک مذہب تمام احادیث شرعیہ پر حاوی نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ امام صاحب المذہب نے یہ کہہ دیا ہے کہ جب کسی کو صحیح حدیث مل جائے تو میرا مذہب بھی وہی ہے۔ اس قول کی بنا پر جتنی بھی احادیث ہیں جن سے کسی مجتہد نے ائمہ مجتہدین میں سے استدلال کیا ہے' اس کے مذہب میں داخل ہو جائیں گی اور اس کا مذہب ٹھہریں گی۔ امام شافعی سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ اس صورت میں تمام مذاہب اس قول کی وجہ سے شافعی کا مذہب ٹھہرے۔ یہ صورت ہر اس شخص کے لیے قابل تسلیم ہے جس میں مذہبی تعصب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس طرح سب مقلدین تعامل کر لیں تو سب کا اتفاق ہو کر اہل حدیث اور اہل سنت بن جاتے ہیں۔ یہی مطلوب ہے کہ اس سے تقلید شخصی کی بدعت مروجہ رفع ہو جاتی ہے اور ان آیتوں پر عمل ہو جاتا ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کہ تم سب مسلمان متفق ہو کر اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔ ایک جگہ یہ ارشاد ہے **ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ** یعنی تم دین اسلام کو قائم کر لو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ یہود و نصاریٰ نے فرقہ بندی کی تو مستحق عذاب عظیم ہوئے۔ تب امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور یہ فرمایا:

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات واولٰئک لھم عذاب عظیم یعنی نہ ہو جاؤ تم مثل ان لوگوں کی جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور انہوں نے دلائل آجانے کے بعد اختلاف کیا اور اسی پاداش میں ان کے لیے عذاب عظیم مقدر ہوا۔

بہ نسبت تمام مقلدین شافعیہ' مالکیہ وغیرہ کے مقلدین حنفیہ نے تقلید جبل فی الجید پر ایسا جمود اور تعصب کیا کہ اپنے مذہب کے خلاف جس قدر احادیث صحیحہ ملیں' سب کو ٹھکرا دیا اور اپنے امام کے اقوال کو نہ چھوڑا اور احادیث ترک کرنے کے اصول بنائے کہ ان کی پابندی کی جائے۔ چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ ج۔' ص۔ ۶۳ سے دو تین اصول حدیث ترک کرنے کے سن لو اور ان سے عبرت حاصل کروں جو رسالہ اصول مذہب ابو حنیفہ سے منقول ہیں۔

اصول سادس میں یہ لکھا ہے **قول ابن همام فی بعض کتبه ما صححه البخاری ومسلم ونظرلهما لا یجب علینا بقوله (الیٰ قوله) لا اعتماد لنا الا ماذکره اصحابنا** یعنی بعض کتب حنفیہ میں ابن ہمام رئیس الحنفیہ کا یہ قول ہے کہ جن احادیث کو امام بخاری' امام مسلم اور دیگر محدثین صحیح قرار دیں گے' ہم پر ان کا قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ ہم کسی امام محدث وغیرہ پر کوئی اعتماد نہیں کرتے' سوائے اپنے اصحاب کوفہ کے۔

پھر ساتواں اصول یہ لکھا **السابعة قال بعض اصحاب الفتوی اذا کان فی المسئلة قول لابی حنیفة وصاحبیه وخالف حدیث یحکمون بصحته وجب اتباع قولهم دون الحدیث** یعنی ساتواں اصول یہ ہے کہ ہمارے بعض اصحاب فتویٰ نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا قول آجائے اور پھر کوئی حدیث اس کے مخالف ہو جس کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہو تو دریں صورت اپنے اماموں کے قول کی تابع داری کرنی واجب ہو گی اور حدیث کی اتباع نہ ہو گی۔

آٹھواں اصول یہ ہے: **کل حدیث لم یروه الا من لیس فقیها فان افسد به باب الرائی لا یجب قبوله** یعنی ہر حدیث جس کو غیر فقیہ راوی نے بیان کیا ہو اگر اس کے قبول کرنے سے رائے قیاس کا دروازہ بند ہوتا ہو تو اس کا قبول کرنا واجب نہیں۔

قیاس و رائے شیطان کی وراثت ہے اور علم حدیث نبوی وراثت ہے۔ مقلدین کہتے ہیں اگر راوی غیر فقیہ ہو تو ہم روایت قبول نہ کریں گے اور اگر راوی فقیہ ہوا تو قبول کرلیں گے۔ اگر راوی غیر فقیہ ہوا تو اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی کیونکہ ہمارے ائمہ اہل الرائے کے قیاس کا دروازہ مسدود ہو جائے گا۔

حررہ بندہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث لاہور جلد۔۵' شمارہ۔۱۷' ۱۹ بمطابق ۲۶/ اپریل و ۱۰/ مئی سنہ۔۱۹۷۴ء

مقلدین حنفیہ کو مناظرہ کرنے کی ممانعت

پاک و ہند میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ دیوبندی ہو یا بریلوی وہ علماء اہل حدیث

سے مناظرے کرتے ہیں اور کامیابی پر فخریہ بازاروں میں جلوس نکالتے ہیں۔ اشتہار شائع کرتے ہیں۔ دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ حنفی مقلد کہلاتے ہیں۔ آپس میں مناظرے بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی اپنی فتح کے اشتہارات شائع کرتے ہیں۔ اس لیے بندہ ہر دو گروہ کے علماء کی خدمت میں یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ حضرات مناظرے کرنے چھوڑ دیں کیونکہ حنفی مذہب کے اصول کی رو سے اور امام الحنفیہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حکم کی رو سے آپ حضرات کو مناظرہ کرنا جائز نہیں' منع ہے کیونکہ مناظرہ میں دلائل کے ساتھ فریقین بحث کرتے ہیں اور اس میں حق و باطل کا مقابلہ ہوتا ہے اور نہایت تحقیق سے کام لیا جاتا ہے۔ سو یہ منصب مقلد کا نہیں ہے کیونکہ نامی شرح جامی میں یہ لکھا ہے "انما الاستدلال فعل المجتهد کہ کسی دلیل سے اپنے دعویٰ پر یا مخالف کے دعویٰ کے خلاف یا کسی مسئلہ کے ثبوت پر استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تقلید کی تعریف میں عدم علم بالدلیل داخل فی الماہیتہ ہے مسلم الثبوت صفحہ۔۲۸۹ اصولی کتاب میں تقلید کی تعریف یہ ہے: "التقلید اخذ قول الغیر من غیر حجة" کہ کسی غیر نبی کی بات کو بلا دلیل قبول کرنا تقلید ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ مقلد کو اس مسئلہ کی دلیل معلوم نہ ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد دلیل سے بے خبر ہو۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہے "المقلد جاهل ما دام مقلدا" ہاں اگر مناظرہ کے وقت آپ حضرات یہ لکھ کر دے دیا کریں اور زبان سے کہہ دیا کریں کہ ہم اس وقت مقلد نہیں مجتہد ہیں یا غیر مقلد ہیں تو پھر مناظرہ جائز ہو سکتا ہے ورنہ مقلد ہونے کا دعویٰ رکھتے ہوئے دلائل سے بحث کرنا سراسر اصول کے خلاف ہے کیونکہ مقلد صرف اپنے امام کا قول ہی پیش کرنے کا مجاز ہے۔

توضیح تلویح نور الانوار وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ قرآن' حدیث' اجماع امت اور قیاس۔ ان چاروں سے مجتہد کام لے سکتا ہے' مقلد نہیں۔ چنانچہ توضیح میں صاف لکھا ہے فالادلة الاربعة انما یتوسل بها المجتهد لا المقلد یعنی دلائل اربعہ سے مطلب پانا مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں ہے۔ مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی دلیل یوں بیان کرے هذا ما ادی الیه راء ابی حنیفه وکل ما ادی الیه

راء ابی حنیفة فھو عندی صحیح یعنی یہ مسئلہ اس لیے صحیح ہے کہ میرے امام کا قول ہے اور ہر وہ مسئلہ جس میں میرے امام کی رائے ہے' وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ (توضیح)

اور مسلم الثبوت میں یہ لکھا ہے اما المقلد فمستندہ قول مجتھدہ لا ظنہ یعنی مقلد کے لیے اس کے امام کا قول سند ہے' اس کا اپنے ظن پر سہارا نہیں ہے۔ اس لیے درمختار کے دیباچہ میں یہ لکھا ہے یفتی علی قول الامام مطلقا کہ ہمیشہ ہر حال میں امام کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مقلد کی حیثیت غلام کی سی ہے۔ وہ اپنے مالک کی طرح تحقیق میں آزادی سے کام نہیں لے سکتا۔ اس لیے مقلد کا اجماع کے انعقاد میں کوئی اعتبار نہیں کیا گیا جیسے کافر کا اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ مسلم الثبوت کے ص۔۲۱۲ میں ہے لا عبرة بالکافر ولا بالمقلد عند الاکثر ولو کانا علما یعنی اجماع کے مسئلہ میں نہ کافر کی شرکت کا اعتبار ہے' نہ مقلد کا۔ خواہ وہ کتنا ہی عالم ہو" اس تصریح اصولی سے صاف ثابت ہوا کہ مقلد کی پوزیشن بہت گھٹیا اور ناقص ہے کہ وہ مناظرہ کے میدان میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ مناظرہ میں دلیل اپنے دعوے پر پیش کرنی پڑتی ہے اور دلیل کی مشہور تعریف یہ ہے "وھو ما یلزم من العلم به العلم بشی آخر" یعنی دلیل اس چیز کا نام ہے کہ جس کے علم ہونے سے دوسری چیز کا علم ہو جائے۔ سو یہ منصب مقلد کا نہیں ہے' تقلید کی تعریف یوں کی جاتی ہے التقلید اخذ قول الغیر من غیر معرفة دلیله یعنی تقلید اس چیز کا نام ہے کہ کسی غیر نبی کے قول کو اس کے قول کی دلیل معلوم کرنے کے بغیر لے لینا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقلد کا دلیل شرعی سے جاہل ہونا ضروری ہے۔ اس لیے مقلدین تقلید کے ثبوت میں یہ آیت پیش کیا کرتے ہیں: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی اگر تم کو علم نہیں ہے تو اہل علم سے سوال کر کے مسئلہ سمجھ لو۔

پس جیسے یہ مقولہ صحیح ہے الکاتب متحرک الا صابع مادام کاتبا لا دائما یعنی لکھنے والے کی انگلیاں حرکت کرنے والی ہیں جب تک وہ لکھتا ہے ہمیشہ نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے "المقلد جاھل ما دام مقلد الا دائما" یعنی مقلد

شخص جب تک مقلد ہے وہ جاہل ہے۔ جب مقلد کی یہ شان اور اس کا منصب ہے تو پھر مناظرہ کرنا اس کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ہاں مناظرہ سے پہلے مقلدین حنفیہ کو تقلید کا طوق اپنے گلے سے نکال دینا ضروری ہے۔

اور علماء اہل حدیث کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ مقلد مناظر سے یہ دریافت کر لیں کہ حضرت جی آپ مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ اگر وہ یہ کہے کہ میں مقلد ہوں تب اس کو یہ اصول علماء اہل اصول کا سنا کر مناظرہ سے روک دیں کہ آپ سے مناظرہ کرنا لغو ہے کیونکہ آپ جاہل ہیں۔ بحکم آیت **والذین هم عن اللغو معرضون** دوسری آیت **اذا مروا باللغو مروا کراما** یعنی لغو چیز سے روگرداں ہو جانا چاہیے۔ اور اگر وہ سمجھے کہ میں غیر مقلد ہوں تو پھر اس سے یہ لکھوا لیں کہ میں غیر مقلد ہوں' دلائل سے مناظرہ کروں گا۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ مقلد شخص کبھی یہ لکھ کر نہ دے گا کہ میں مقلد نہیں ہوں' غیر مقلد ہوں۔ ان کو یہ لکھ کر دینا بہت ہی مشکل اور کٹھن ہو گا کیونکہ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو حنفیہ کے نزدیک تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے' جس کے ترک کو وہ گناہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ دیوبند کی مذہبی درس گاہ کا آرگن "القاسم" مطبوعہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کے ص-۳ پر یہ لکھا ہے: "تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے جس کے لیے اہل اسلام اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے مامور ہیں" دوسری وجہ یہ کہ وہ مقلد ہو کر اس وقت غیر مقلد ہونے کو اپنی توہین تصور کرے گا۔ قرآن ناطق ہے **واذاقیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد** یعنی جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر تو پکڑتی ہے اس کو عزت ساتھ گناہ کے پس کفایت کرتا ہے اس کو جہنم اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

چنانچہ تقسیم ہند سے قبل ضلع فیروز پور کا ایک واقعہ ہے کہ مسئلہ جمعہ در دیہات پر مقلدین نے چیلنج کیا تو راقم الحروف برفاقت دو اہل حدیث عالموں کے مقلدین کے گاؤں میں مناظرہ کے لیے پہنچ گئے۔ جب مناظرہ کی شرائط طے ہونے لگیں تو ہم نے بھی سوال کیا کہ آپ لوگ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ بتائیں کہ آپ حضرات کا منصب علم اصول کی رو سے کیا ہے؟ اور آپ مقلد ہونے کی حیثیت سے مناظرہ کریں گے یا

غیر مقلد ہونے کی حیثیت سے؟ بس مبہوت ہو گئے اور یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے کہ ہم اپنا جلسہ کریں گے اور وہاں غیر مقلد وہابیوں کی تردید کریں گے۔ اس اجلاس میں دیوبندی اور بریلوی ہر دو فرقوں کے علماء جمع تھے۔ بفضلہ تعالیٰ اس معقول سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے اور نہ آئندہ دے سکیں گے۔ اگر کوئی مقلد رہ کر مناظرہ کرے تو کسی عالم عامل بالحدیث کو اس سے مناظرہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ مناظرہ میں طرفین کا عالم ہونا ضروری ہے اور مقلد کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اس سے مناظرہ کرنا اصول مناظرہ کی رو سے جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بے خبر ہونے کی وجہ سے مکابرہ کرے گا یا مجادلہ' مناظرہ عالمانہ ہرگز نہ کر سکے گا۔

اعلام الموقعین ج-۱' ص-۲۱۷ میں ہے **قال عبداللہ بن المعتمر لا فرق بین بھیمۃ تنقاد و انسان مقلد** یعنی مقلد انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور امام عمادی مفاتیح الاسرار التراویح ص-۶۵ میں لکھتے ہیں: **اقول ما قال ابوحنیفۃ اقول بہ وھل یقلد الاعصبی او غبی** یعنی کیا میں ہر بات وہی کہتا رہوں جو ابوحنیفہ نے کہی ہے' نہیں تقلید کرتا مگر وہ شخص جو متعصب ہے یا کند ذہن ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ عمل بالحدیث میں یہ فرماتے ہیں **ومن یتعصب لواحد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ ھو الصواب الذی یجب اتباعہ دون الائمۃ الآخرین فھو ضال جاھل** یعنی جو کوئی ایک ہی معین امام کی تقلید پر جم جائے ماسوا رسول اللہ ﷺ کے اور یہ سمجھے کہ اسی کا قول حق ہے' جس کی اتباع مجھ پر واجب اور کسی کی ائمہ سے صحیح نہیں تو وہ شخص جاہل و گمراہ ہے۔ پس ایسے شخصوں سے مناظرہ بے سود ہے۔

دوسری وجہ کہ حنفیہ کو مناظرہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے مناظرہ کرنے سے منع کیا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ایک رسالہ مسمی الارتیاب کے ص-۱۷ میں لکھتے ہیں جو الابقاء ماہ نامہ دسمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک وصیت ہے جو اپنے صاحبزادے حماد کو کی تھی کہ تم مناظرہ نہ کرنا۔ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تو آپ کو مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر مجھے کیوں منع فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ہمارے مناظرہ میں اور تمہارے مناظرہ میں

فرق ہے۔ ہم تو مناظرہ کے وقت یہ خواہش کرتے تھے کہ ہمارے مقابل کی زبان سے حق ظاہر ہو جائے اور ہم اس کا اتباع کر لیں۔ اس کی بات کو مان لیں تاکہ ہمارے بھائی کو غلبہ اور عزت حاصل ہو اور تم یہ تمنا کرتے ہو کہ خصم کی زبان سے حق ظاہر نہ ہو بلکہ باطل ہی ظاہر ہو تاکہ ہم اس کو مغلوب کریں اور خود غالب ہو جائیں۔ پس ہم تو ہدایت خصم کے طالب تھے اور تم ضلالت خصم کے طالب ہو۔

دیکھئے امام صاحب اور حضرت حماد کے زمانہ میں اتنا فرق ہو گیا' کتنی جلدی زمانہ بدل گیا اور اب تو یہ قصد ہوتا ہے کہ خصم کی زبان سے جو بات بھی نکلے گی رد کریں گے' حق نکلے یا باطل۔ یہ حالت پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ اسی لیے حاجی صاحب (امداد اللہ) کو مناظرے سے نفرت تھی اور مجھے بچپن میں جتنا شوق تھا حضرت کی برکت سے اب اتنی ہی نفرت ہے۔ اسی لیے جب مجھے اندازے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب حق کو نہ مانے گا تو سلسلہ کلام بند کر دیتا ہوں۔ اسی سے مناظرہ میں مجھ پر غالب آجانا آسان ہے کیونکہ گفتگو میں دو حال سے خالی نہیں یا تو مخاطب حق کہے گا تو میں اس کو فوراً تسلیم کر لیتا ہوں اور دوسرا غالب آگیا یا باطل کہے گا اور مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سمجھنا نہیں چاہتا جھگڑنا ہی چاہتا ہے۔ جب بھی میں گفتگو بند کر دیتا ہوں۔ اس وقت بھی وہ غالب آگیا۔

اس تصریح سے ظاہر ہوا کہ اس زمانہ میں جو مناظرے ہو رہے ہیں' ان میں اخلاص نہیں ہوتا' سراسر شہرت' ریا' نمود' فخر' تکبر اور ایک دوسرے کی تذلیل و تکفیر و توہین ہوتی ہے۔ ہمارے زمانہ اور امام ابوحنیفہ کے زمانہ اور حماد کے زمانہ اور مولوی اشرف علی صاحب کے زمانہ میں زمین و آسمان' مشرق و مغرب کا فرق پڑ گیا ہے تو زمانہ حاضرہ میں علماء کو مناظرہ نہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً مقلدین حنفیہ کو تو ضرور اپنے اکابر کی ہدایت کا پابند ہو کر مناظرہ سے گریز کرنا چاہیے۔

علامہ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ کے بارہ میں ایک جزء لکھی ہے جو امام محمدی کے نام سے ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس کے ص-۴۷ میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے دیکھا کہ ایک شرابی کھڑے کھڑے پیشاب کر رہا ہے۔ فرمانے لگے کاش کہ تو بیٹھ کر پیشاب کرتا۔ اس نے آپ کی طرف دیکھا تو کہا اے مرجیہ تو ہی میرے

پاس سے نہ گزرتا۔ آپ فرمانے لگے چونکہ میں تیرا ایمان جبرئیل کے برابر سمجھتا ہوں' اس لیے میرا بدلہ یہی تھا۔ امام صاحب نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں یہ لکھا ہے کہ اہل سماء اور اہل ارض مومنوں کا ایمان برابر ہے۔ امام صاحب اس شخص کے کہنے پر اپنے عقیدہ پر نادم ہوئے۔ چنانچہ اس سے رجوع بھی کر لیا۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی اپنی کتاب تاریخ اہل حدیث کے ص-۶۹ پر شرح الطحاویہ عقیدۃ السلفیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حماد بن زید نے امام صاحب کے پاس حدیث ای الاسلام پیش کی اور یہ کہا کہ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ سائل نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا ای الاسلام افضل تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا الایمان پھر ہجرت اور جہاد کا ذکر کیا اور ان کو امور ایمان میں شمار کیا تو امام ابوحنیفہ اس پر خاموش ہو گئے۔ آپ کے ایک شاگرد نے کہا کہ آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ تو آپ نے فرمایا وہ مجھ کو اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہے پھر میں اس کا کیا جواب دوں۔ اس پر مولانا سیالکوٹی کہتے ہیں امام طحاوی رحمہ اللہ کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی کتنی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اس کے سامنے گردن جھکا دیتے تھے اور یہ بھی کہ آپ نے ازروئے شرع اعمال کو داخل ایمان تسلیم کر لیا۔"

میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کا یہ مختصر مناظرہ تھا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں یا نہیں تو حماد بن زید نے اس کے ثبوت میں حدیث نبوی پیش کر دی جس سے اعمال کا ایمان کا جز ہونا ثابت ہو گیا تو امام صاحب خاموش ہو گئے۔ یہ حنفیہ اکابر کا اخلاص تھا۔ اب مقلدین کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث لاہور جلد-۴' شمارہ-۸' ۹' ۱۰ بمطابق ۲۳ر فروری و ۲ و ۹ر مارچ سنہ-۱۹۷۳ء

مسئلہ تقلید کی توضیح

کوئی ولی کامل مقلد نہیں ہوا' سب اولیاء غیر مقلد تھے

ے تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اصحاب فہم و ذکاء و اہل صدق و صفا کی خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ اسلام ایسا نورانی مذہب ہے جس نے آزادی اور پابندی دونوں کو جاری فرمایا۔ آزادی تو یہ ہے کہ اصل رہبر صادق و مصدوق سید المرسلین ﷺ کے حکم (قرآن و حدیث کی مخالفت میں کسی غیر کے قول کی کچھ وقعت نہیں بتلائی بلکہ اس حکم منزل من اللہ کے خلاف کسی غیر کے قول کی اتباع کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "**اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء** (الآیہ) (یعنی تم ان احکام کی پیروی کرو جو (تمہارے رسول ﷺ پر) خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی (جلی یا خفی) تمہاری طرف نازل کئے گئے ہیں اور ان کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "**وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا**" (یعنی جو تمہارے رسول ﷺ تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے ہٹا دیں ہٹ جاؤ۔) اور پابندی یہ ہے کہ تمام افراد انسانی اور جنی قرآن و حدیث کی اتباع کریں اور قرآن و حدیث کے صریح حکم کی عدم موجودگی میں اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اقوال مختلفہ صحابہ کرام میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بہت قریب اور اس سے موید ہو اختیار کریں۔ کیونکہ وہ مشہود بالخیر والرضا ہونے کے علاوہ امور منزلہ کے قولاً" و فعلاً" بلا واسطہ مبلغ تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں صاف ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقے ہو گئے اور میری امت ۷۳ فرقے ہو جائے گی۔ یہ سب فرقے ناری ہوں گے' صرف ایک ناجی ہو گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور ﷺ کون سا فرقہ ناجی ہو گا؟ فرمایا "**ما انا علیه واصحابی**" (یعنی جو میری اور میرے صحابہ کی روش پر چلتا ہے۔) (ترمذی)

امیرالمومنین حضرت عمر ﷛ کا ارشاد ہے: "ان اقض بما فی کتاب اللّٰه فان لم یکن فی کتاب اللّٰه فبسنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فان لم یکن فی سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاقض بما قضٰی به الصالحون (نسائی) (یعنی قاضی شریح ﷫ نے حضرت عمر ﷛ سے سوال کیا تو حضرت عمر ﷛ نے یہ جواب لکھ بھیجا کہ پہلے تم کتاب اللہ سے فیصلہ کرو، پھر اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فیصلہ کرو، پھر اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو تو جو فیصلہ نیکوں یعنی صحابہ نے کیا ہے اس کے موافق کرو۔)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نہ تو من کل الوجوہ آزاد ہے اور نہ ہی من کل الوجوہ پابند ہے بلکہ احکام شارع کا پابند ہے اور غیر شارع سے آزاد ہے۔ چنانچہ قرون ثلاثہ مشهودلها بالخیر میں اس امر حق پر اس طرح عمل جاری رہا، پھر جوں جوں زمانہ بدلتا گیا، اس روش میں تغیر آتا گیا۔ حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے اپنی جدت طبع سے بعض افراد امت کو اپنا مستقل متبوع بنا لیا اور تقلید شخصی کا ڈنکا بجانا شروع کیا جس سے امت محمدیہ کی متفقہ جماعت کئی فرقوں میں بٹ گئی اور بعض نے زیغ قلبی کی بنا پر تفسیر قرآن اور تشریح حدیث میں سلف صالحین کے مخالف ہو کر ضلالت کا دروازہ مفتوح کر دیا جس سے کئی فرقے گمراہ لئل ھوئی پیدا ہو گئے۔ اعاذنا اللّٰه تعالٰی منهم۔

تقلید کی توضیح ⇦ تقلید کی تعریف یہ ہے کہ غیر نبی کی جملہ باتوں کو بلا دلیل بطور حکم شرعی تسلیم کر کے عمل کرتے چلے جانا (ملاحظہ ہو جمع الجوامع) جس کی توضیح یہ ہے کہ اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کو بالائے طاق رکھ کر تحقیق نہ کرنا اور اپنے دل و دماغ کو مفلوج اور بے کار تصور کر کے نابیناؤں کی طرح کسی کی انگلی پکڑ کر چلنا اور حیوانوں کی طرح ہانکنے والوں کے اشارہ پر قدم رکھتے چلے جانا، یہ تقلید ہے۔ ان کی منشا یہ ہے کہ ہمارا امام جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے، اس کے سوا کسی اور میں یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کے قول پر عمل کیا جا سکے۔ اس ایک کے سوا اور کی بات ماننا حرام ہے۔ اس کی بات میرے لیے حجت شرعی ہے۔ مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کروں کیونکہ مجھ کو اس قدر سمجھ نہیں ہے۔ چنانچہ توضیح تلویح میں ہے: "فلما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد فالمقلد یقول هذا الحکم واقع عندی لانه

ادی الیه رای ابی حنیفه وکل ماادی الیه رایه فهو واقع عندی (انتهی) (یعنی مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔ مقلد صرف یہ کہنے کا حقدار ہے کہ یہ مسئلہ اس لیے صحیح ہے کہ میرے امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے یہی ہے اور جو میرے امام کی رائے ہو گی وہ میرے نزدیک درست ہے۔ مقلد کا علم کسی دلیل سے مستفاد نہیں ہوتا۔)

چنانچہ تلویح جز اول میں ہے: "فعلم المقلد لم یحصل من النظر فی الدلیل" (یعنی مقلد کو دلیل میں نظر کرنے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔) نیز ایک جگہ تلویح کتاب اصول حنفیہ میں ہے: لم یکن علم المقلد حاصلا عن الادلة" (یعنی مقلد کا علم دلائل سے حاصل نہیں ہوتا) مقلد کا منصب یہ ہے کہ صرف اپنے امام کے قول پر عمل کرے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: "لا یفتی ویعمل الا بقول الامام الاعظم" (یعنی نہ تو فتویٰ دیا جائے اور نہ ہی عمل کیا جائے مگر صرف امام اعظم ؒ کے قول پر۔)

تقلید علم نہیں ہے اور نہ ہی مقلد کو عالم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ توضیح تلویح کی شرح مرجانی میں ہے: "لیس التقلید بعلم ولا المقلد بعالم" (الروضة الند یه ص-۳۳۹) (یعنی تقلید علم نہیں ہے' نہ مقلد عالم ہے) الروضہ الندیہ ص-۳۳۹ میں ہے: "ان المقلد لیس ممن یعقل حجج اللّٰه اذا جاته فضلا ان یعرف الحق من الباطل والصواب من الخطاء والراجح من المرجوح فلا ینبغی ان ینسب المقلد الی العلم مطلقا ولهذا نقل عضد الدین الاجماع علی انه لا یسمی المقلد عالما انتهیٰ" (یعنی مقلد وہ ہے کہ اللہ کی دلیلیں جب اس کے پاس آجائیں تو وہ نہیں سمجھ سکتا۔ پس وہ حق کو باطل سے اور راجح کو مرجوح سے کیونکر جان سکتا ہے اور ان میں فرق کر سکتا ہے بلکہ مقلد کو علم سے مطلقاً" ہی نسبت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام عضد الدین نے اجماع نقل کیا ہے کہ مقلد کا نام عالم نہ رکھا جائے۔)

نیز روضہ ندیہ کے اسی صفحہ پر ہے: "واما المقلد فهو یحکم بما قال امامه ولا یدری احق هو ام باطل وهو احد قاضی النار" (یعنی مقلد وہ ہے جو اپنے امام کے قول کے مطابق حکم کرے اور یہ نہ جانے کہ یہ قول باطل ہے یا حق ہے۔ آگ کے قاضیوں میں سے ایک قاضی ہے۔)

شامی کتاب حنفیہ جز اول میں ہے: "یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم

يعلم من اين قال" (یعنی امام کے قول پر فتویٰ دینا حلال ہے اگرچہ اس بات کا علم نہ ہو کہ امام صاحب نے کس دلیل سے کہا ہے۔) حنفیہ کی کتاب "تنویر الحق" میں جس کا جواب "معیار الحق" ہے' یہ اقوال حنفیہ کے درج ہیں کہ:

● "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد پر واجب ہے کہ ان کے قول پر عمل کریں۔ ان کو امام صاحب کے سوا کسی کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔"

● "جو شخص ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرے گا' خواہ اجتہاد یا دلیل سے کرے تاہم وہ موجب تعزیر ہے۔"

درمختار میں اصح قول یہ قرار دیا ہے کہ فتویٰ علی الاطلاق امام صاحب کے قول پر دیا جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے آنکھیں بند کر کے اپنے امام کے تمام اقوال پر امور شرعیہ میں ہمیشہ عمل کرنے کا نام تقلید ہے اور جو شخص دلائل شرعیہ سے نادان اور جاہل رہ کر کسی کے اقوال پر عمل کر رہا ہے وہ مقلد ہے۔ فافهم فانه نفيس۔

بمقتضائے "الاشياء تعرف باضد اوها" (یعنی اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) مقلد کی تعریف سے غیر مقلد کا تعارف بھی ہو گیا اور غیر مقلد وہ شخص ہے جو حسب توفیق الٰہی خداداد استعداد کی بناء پر امور شرعیہ میں دلائل شرعیہ کا علم حاصل کر کے عمل کرتا رہے اور کسی غیر معصوم شخص کے اقوال کا پابند نہ ہو اور جس امر شرعی پر عمل کرے علی وجہ البصیرت عمل کرے۔

اب رہا یہ سوال کہ جو شخص ناخواندہ محض جاہل ہے' اس کو علم بالدلائل نہیں ہے۔ وہ غیر مقلد عامل بالدلائل کس طرح ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو حکم شرعی یہ ہے: "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون بالبينات والزبر" (یعنی اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو' ساتھ دلائل کے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوال مشروط بعدم علم ہے اور انسان مامور ہے کہ دلائل شرعیہ قرآن و حدیث کے ساتھ مسئلہ دریافت کرے۔ یعنی یوں کہے کہ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں کیا کہا ہے۔ پھر عالم یوں جواب دے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں حکم اتارا ہے اور

آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث فرمائی ہے۔ پس سائل کو علم بالدلائل ہو گیا اور وہ مقلد نہ رہا۔ کیونکہ تقلید کی تعریف میں عدم علم بالدلیل داخل ہے۔

تحریر بالا سے ثابت ہوا کہ تقلید جہالت ہے اور مقلد جاہل ہے۔ ترک تقلید علم ہے اور غیر مقلد عالم ہے۔ **قل هل یستوی الذین یعلمون** (یعنی پارہ ۲۳، رکوع ۵) اور **والذین لایعلمون انما یتذکر اولو الالباب لا یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمات ولا النور** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں، اندھا اور بینا اندھیرا اور نور برابر نہیں ہیں۔

نتیجہ صاف یہ ہے کہ غیر مقلد ہدایت پر ہے اور مقلد بوجہ ضائع کرنے خداداد بصیرت کے اور جہالت پر قائم ہو جانے کے ضلالت پر ہے۔ ؎

میرے پہلو سے کیا پالا ستمگر سے پڑا
مل گئی جاہل تجھے کفران نعمت کی سزا

اگر ایسی تقلید شخصی یا مطلق کا ثبوت قرآن و حدیث سے مل جائے تو ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں لیکن حنفیہ کی طرف سے نہایت افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ تقلید کے وجود پر کوئی دلیل شرعی ناطق نہیں ہے، کیونکہ حکم شارع سے علم دین کا حاصل کرنا فرض ہو چکا ہے۔ اب جو شخص وجود تقلید پر دلیل پیش کرے گا وہ گویا جاہل رہنے کو شرعی امر سمجھتا ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا جاہلوں سے پناہ مانگنا منقول ہے۔ فرمایا: "**اعوذ باللّٰہ ان اکونا من الجاھلین**" نبی ﷺ کو حکم ہے "**اعرض من الجاھلین**۔"

بعض فقہا نے یہ کہا ہے کہ مقلد مومن نہیں ہے۔ چنانچہ تمہید خواجہ ابوالشکور سالمی میں ہے: "**قال فقہاؤنا عن القول المحض لیس بایمان وان المقلد اذ کان له التصدیق یکون مومنا واذا لم یکن له التصدیق لایکون مومنا والدلیل علیٰ ان المقلد المحض لیس بمومن عند اهل السنة والجماعة انهم شرطوا التصدیق لصحت الایمان والتصدیق لا یکون بدون المعرفة والمعرفة لایکون بدون الاستدلال**" حاصل مطلب یہ ہے کہ فقہاء اہل سنت نے کہا ہے کہ صرف قول باللسان کا نام ایمان نہیں ہے یعنی تصدیق کا ہونا بھی ایمان کی شرط ہے اور مقلد کو اگر تصدیق

ہے تو مومن ہے۔ اگر تصدیق نہیں ہے تو مومن نہیں ہے اور دلیل اس بات کی کہ مقلد محض مومن نہیں ہے یہ ہے کہ اہل سنت نے ایمان کی صحت کے لیے تصدیق کو شرط ٹھہرایا ہے اور تصدیق بغیر معرفت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ معرفت بغیر استدلال کے نہیں ہوتی۔

پھر اسی باب سائع ص ۴۰۰ پر ہے: "فالتقلید ضد الاستدلال وحد التقلید اخذ قول الغیر من غیر دلیل وقال بعضهم التقلید متابعة الغیر بالفعل او بالقول من غیر دلیل انتہیٰ" (پس تقلید استدلال کی ضد ہے کیونکہ تقلید کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ غیر کے قول کو بغیر دلیل کے پکڑنا اور بعض نے کہا ہے کہ غیر کے قول کی پیروی قول و فعل کے ساتھ بغیر دلیل کے کرنا تقلید ہے۔ فتذکر۔

مسمفی مصری جلد ۲، ص ۳۸۸ میں ہے: "اذا وجبت المعرفة کان التقلید جہلا وضلالا" (یعنی جب معرفت واجب ہے تو تقلید جہالت و گمراہی ہے) ؎

عبادت بتقلید گمراہی است!
خنک راہروے راکہ آگاہی است

نیز مولانا روم فرماتے ہیں ؎

بلکہ تقلید است آں ایمان او
روئے ایماں ندیدہ جان او

شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: "اما اذا اعتقد وجعل ذالک قلادة فی عنق الداعی له الیه علی معنی انه ان کان حقا فحق وان کان باطلا فباطل فوباک علیه فهذا المقلد لیس بمؤمن بلا خوف لانه شک فی ایمانه وقیل معرفة مسائل الاعتقاد کحدوث العالم ووجود الباری وما یجب له وما یمتنع علیه من ادلتها فرض عین علی کل مکلف فیجب النظر ولا یجوز التقلید وهذا هو الذی رجحه الامام الرازی والاٰمدی، انتہیٰ" (یعنی کسی شخص نے تقلید کی بنا پایں طور اعتقاد کیا کہ اگر داعی الی اللہ اس دعوت میں حق پر ہے تو میں بھی حق جانتا ہوں۔ اگر جھوٹ ہے تو اس کا وبال اس پر ہے تو یہ مقلد مومن نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو

اپنے ایمان میں شک ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اعتقادی مسائل کی معرفت جیسے وجود باری اور حدوث عالم جو اس کے لیے واجب ہے اور جو ممتنع ہے۔ ان کے دلائل سے فرض عین ہے۔ ان میں تقلید جائز نہیں ہے بلکہ دلیل معلوم کرنا واجب۔ یہی وہ مسلک ہے جس کو امام رازی رحمہ اللہ اور آمدی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔)

نیز لکھا ہے: "فاما من نشافی بلاد المسلین وسبح اللّٰہ تعالٰی عند رؤیۃ صناعہ فھو خارج من حد التقلید" (یعنی جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں پیدا ہوا اور اللہ تعالٰی کی صنعتیں دیکھ کر سبحان اللہ کہنے لگا تو وہ حد تقلید سے نکل گیا (کیونکہ اس کی معرفت بادلیل حاصل ہو گئی۔)

مجالس الاسرار کتاب حنفیہ میں ہے: "فالمعرفۃ ھی الجزم الموافق لما عنداللّٰہ تعالٰی بشرط ان یحصل ذالک الجزم بدلیل" (یعنی معرفت حکم الٰہی کے موافق یقین کرنے کو کہتے ہیں' بشرطیکہ وہ یقین دلیل سے حاصل ہو۔) "واما الجزم الحاصل بغیر دلیل فلا یسمی معرفۃ بل یسمی اعتقاد اسواء کان موافقا لما عنداللّٰہ تعالٰی اولم یکن والتقلید ھو الجزم بقول الغیر من غیر دلیل سواء کان حقا اوباطلا فالمقلد لامعرفۃ عندہ وانما عندہ الجزم بقول الغیر خاصۃ سواء کان حقا اوباطلا فان کان الحاصل لہ منھما ھوالتقلید لا المعرفۃ یجب علیہ اولا اقامۃ البرھان لتحصیل المعرفۃ فی عقائد الایمان" (یعنی جو یقین بغیر دلیل کے حاصل ہو' اس کو معرفت نہیں کہتے۔ بلکہ اس کا نام اعتقاد ہے' خواہ وہ اعتقاد موافق علم الٰہی کے ہو یا نہ ہو اور تقلید غیر کے قول پر بلادلیل یقین کرنے کو کہتے ہیں' خواہ غیر کا قول حق ہو یا باطل ' سو مقلد کو معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کو تو غیر کے قول پر یقین ہوتا ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل' پس جس شخص کو اعتقاد تقلید کا حاصل ہو۔ اس پر واجب ہے کہ معرفت حاصل کرنے کے لیے اعتقادی مسائل میں دلائل قائم کرے۔)

نیز مجالس الابرار میں ہے: "ویکفی فی خروج المکلف من التقلید الدلیل الجملی الذی یحصل لہ بہ فی الجملۃ العلم والطمانیۃ لعقائد الایمان بحیث لایقول بقلبہ لا ادری سمعت الناس یقولون قولا فقلتہ انتھٰی" (یعنی مقلد کو تقلید سے پاک ہونے کے لیے صرف مجمل دلیل کا علم ہونا کافی ہے' جس سے کچھ تسلی

حاصل ہو۔ اتنا کہ یوں نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ لوگوں سے جو بات سنتا رہا' وہی کہتا رہا) یعنی تقلیدا جیسے قبر میں کافر' منافق' منکر و نکیر کے جواب میں کہیں گے۔ کیونکہ مقلد کو یقین حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجالس الابرار میں ہے: "یجب علی کل مؤمن ان یعتنی فی معرفة الله ومعرفة مایجب علیه اعتقاده بالنظر والاستدلال حتی یخرج من التقلید ویکون من اهل الیقین لان المقلد لایقین له اصلا" (یعنی ہر مومن پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اعتقادی مسائل میں نظر اور استدلال کیا کرے تاکہ اہل تقلید سے نکل کر اہل یقین میں آجائے کیونکہ مقلد کو یقین کا مرتبہ کبھی حاصل نہیں ہوتا۔)

مقلد کے ایمان میں کہ وہ صحیح ہے یا باطل' علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ دین صحیح تو کہتے ہیں لیکن گنہگار جانتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: "صح ایمانه ولکنه عاص بترک الاستدلال انتھٰی" (یعنی جو اعتقاد صحیح محض تقلید سے حاصل ہو' اس کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ مومن تو ہے لیکن نظر اور استدلال ترک کرنے سے گنہگار ہو جاتا ہے۔)

مجالس الابرار میں ہے: "واختلفوا فی الاعتقاد الصحیح الذی یحصل بمحض التقلید والصحیح انه صاحبه یکون مومنا لکنه یکون عاصیا بترک استدلال فیبقی فی مشیة الله تعالٰی ان شاء یعفو عنه ویدخله الجنة بلا عذاب وان شاء یعذبه بقدر ذنبه ثم یدخله الجنة فعلٰی هذا یجب علٰی کل مومن ان یتعلم کل مسئلة من مسائل عقائد الایمان بدلیل واحد حتّٰی یکون فی دینه علٰی بصیرة لان العقائد الحاصلة بالتقلید یخشی علٰی صاحبها الشک عند عروض الشبهات انتھٰی" (اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے خواہ وہ عذاب کرے خواہ بخش دے۔ اس لیے ہر مومن پر واجب ہے کہ ہر اعتقادی مسئلہ میں ایک دلیل سیکھ لے تاکہ دین میں وہ بصیرت ہو جائے کیونکہ تقلید سے حاصلہ عقائد میں شک عارض ہونے کا خوف ہے۔)

ان تصریحات سے کئی باتیں معلوم ہو گئیں۔ اول یہ کہ تقلید بغیر دلیل کے کسی مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ جس کو دلیل معلوم ہو گئی وہ تقلید سے نکل جائے گا۔ سوم یہ کہ جو لوگ اعتقادی مسائل میں دلیل معلوم نہیں کرتے صرف تقلیدا

مانتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔ چہارم یہ کہ مقلد کے ایمان میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ مقلد محض مومن نہیں ہے۔ جیسے تمہید خواجہ عبدالشکور سے نقل ہو چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مومن تو ہے لیکن گنہگار ہے اور اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔ پنجم یہ بات معلوم ہوئی کہ دلیل کا معلوم کرنا ہر مومن پر واجب ہے تاکہ اپنا ایمان خطرہ سے بچالے۔

علماء حنفیہ سے استفسار ⇦ اب بریلوی اور دیوبندی علماء سے یہ استفسار ہے کہ مذہب حنفی میں علماء اور جہلاء کے ایمان کی بابت کیا حکم ہے؟ کیا وہ تقلید کی بنا پر ہے یا علم استدلال کی بنا پر ہے۔ اگر شق اول ہے تو ان کے ایمان میں اختلاف ہے اور وہ خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سب گنہگار ہیں۔ جیسے دیگر گناہ ہائے کبیرہ کے مرتکب فاسق ہیں۔ ویسے ہی وہ فاسق ہیں اور ان کی مغفرت مشیت ایزدی میں ہے۔

اگر شق دوم ہے یعنی وہ علم استدلالی کی بنا پر مسائل اعتقادیہ میں یقین رکھتے ہیں تو پھر حد تقلید سے خارج ہیں' یعنی غیر مقلد ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے حنفی بھائی اعتقادی مسائل میں غیر مقلد ہیں۔ لیکن عملی مسائل میں مقلد ہیں لیکن عملی مسائل میں بھی ہم ان کے دعوے کی بنا پر کہہ رہے ہیں۔ ورنہ جو لوگ عملی مسائل میں دلائل پر بحث کرتے ہیں' وہ سب حد تقلید سے خارج ہو کر غیر مقلد ہیں۔ اسی واسطے اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ: "مناظر مجتہد ہونا چاہیے۔"

چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ مناظرہ کی علامات میں لکھتے ہیں: "**الثالثة ان يكون المناظر مجتهد يفتى برايه لا بمذهب ابى حنيفة والشافعى انتهىٰ**" (تیسری بات یہ ہے کہ مناظر مجتہد ہونا چاہیے جو اپنے فہم سے فتویٰ دے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کا مقلد نہ ہو۔) کیونکہ مناظرہ میں شرع کا ماخذ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے جو **مفضى الاجتهاد** ہے۔

چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ فاتحۃ العلم میں فرماتے ہیں: "**فان غرض المناظرة طلب ماخذ الشرع لينال رتبته الجهاد انتهىٰ**" اس تصریح سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث پڑھنے والے اور ہدایہ وغیرہ کتابیں جن میں ترجیح دلائل فریقین ہے۔ پڑھنے والے اور مناظرہ کرنے والے یہ سب حد تقلید سے خارج ہیں یعنی غیر مقلد ہیں۔ اور غیر مقلد کی

دو قسمیں ہیں۔ اول محض عامل بالدلائل اور دوم مجتہد بالدلائل۔

اب علماء حنفیہ کو اختیار ہے کہ جس زمرہ میں چاہیں داخل ہو جائیں۔ ورنہ باوجود علم بالدلائل کے مقلد ہونے کا دعویٰ کرنا خود عمداً جاہل بننا ہے۔ اسی واسطے علماء اہلحدیث بربناءً "المرء یؤخذ باقراره" مقلدین علماء کو جاہل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ تقلید جہالت کی ایک قسم ہے اور مقلد من حیث المقلد علم بالدلیل سے جاہل ہوتا ہے۔ اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین۔ فتدبر۔

ششم معرفت اور تقلید کے معانی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "ولی کامل کو مقلد نہیں کہنا چاہیے کیونکہ وہ کسی امام معین کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ دلائل شرعیہ کے علم سے عمل کرتا ہے اور علم سے تقلید کافور ہو جاتی ہے۔" پس جو مقلدین غیر مقلدین پر یہ فخر کیا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب تقلیدی میں بہت اولیاء ہوئے ہیں اور غیر مقلدین میں کوئی ایک شخص بھی ولی نہیں ہوا۔ یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ اہل علم کے نزدیک یہ مسلمہ امر ہے کہ امت محمدیہ میں جس قدر اولیاء ہوئے ہیں' وہ سب اہل یقین' حد تقلید سے خارج تھے۔ کیونکہ ان کو علم استدلال کی بنا پر معرفت حاصل تھی اور معرفت حاصل ہونے سے تقلید باطل ہے۔

مخفی نہ رہے کہ مقلدین ان لوگوں کو غیر مقلد کہا کرتے ہیں' جو ائمہ دین میں سے کسی ایک امام کی تقلید نہ کریں بلکہ جو مسئلہ موافق دلیل شرعی کے ہو' اس پر عمل کریں خواہ وہ کسی امام کا ہو۔ سو یہی طریقہ اولیاء کرام کا تھا۔ چنانچہ امام شعرانی میزان کبریٰ مطبوعہ مصر جلد اول' ص-۲۰ میں فرماتے ہیں: "ان الولی الکامل لایکون مقلدا انما یاخذ علیه من العین التی اخذ منها المجتھدون" (یعنی ولی کامل مقلد نہیں ہوتا بلکہ وہ علم اسی چشمہ سے حاصل کرتا ہے' جس سے مجتہدوں نے کیا ہے۔)

علامہ شیخ کردی رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "ان طریقة المشائخ الصوفیة عمومًا وطریقة الاکابر ..... النقشبندیة خصوصا" اتباع السنة النبویة وعدم التقلید بمذھب العین) (یعنی طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنت نبوی تھا۔ وہ مذہب معین کے مقلد نہ تھے۔)

مولانا روم رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے: ؎

آنکہ او از پردۂ تقلید جست
او بنور حق بہ بیند ہرچہ ہست

ملا جیون رحمہ اللہ تفسیر احمدی میں اولیاء کا عمل بیان فرماتے ہیں: "یجوز له ان یعمل بمذهب ثم ینتقل الٰی اخرکما نقل عن کثیر من الاولیاء ویجوز له ان یعمل فی مسئلة علٰی مذهب وفی اخری علٰی اخرکما هو مذهب الصوفیة۔ انتهٰی" (یعنی جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے۔ جیسے بہت سے اولیاء کا طریقہ منقول ہے اور جائز ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر عمل کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مذہب پر جیسے کہ صوفیہ کا طریقہ تھا۔)

ناظرین! غور فرمائیں کہ جس عمل درآمد سے اہلحدیث کو مطعون کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ایک مذہب پر عمل نہیں کرتے' کبھی کسی مذہب پر چلتے ہیں' کبھی کسی مذہب پر۔ وہی عمل درآمد اولیاء اور صوفیہ کا تھا۔ اگر اہلحدیث تعزیر کے لائق ہیں تو امام اولیاء اور صوفیہ بھی تعزیر کے لائق ہوں گے اور اگر اہلحدیث اس طریقہ سے برے ہیں تو اولیاء بھی برے قرار دیئے جائیں گے۔ پس جو اہلحدیث سے دشمنی و عناد رکھتے ہیں وہ اولیاء سے بھی دشمنی و عناد رکھتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے: "من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب فتامل" (جو میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔) ؎

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں باماست امروز

البتہ یاد رہے کہ اولیاء کرام اور صوفیہ عظام ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر اور ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مذہب پر' اس لیے عمل کیا کرتے تھے کہ وہ مذہب اور وہ مسئلہ دلیل شرعی کے موافق ہوتا تھا۔ مقصود بالذات چونکہ اتباع شارع ہے' اس لیے مذہب کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ تحصیل التعرف میں مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: "ومذهبهم (الصوفیه) فی الاحکام متابع للفقهاء فی الفروع والاصول لانهم الذین حرر

والاحکام وتتبعوھا فی الفصول غیر انھم یاخذ ون من المذاھب بما یوافق الحدیث' انتھٰی" (یعنی مذہب صوفیہ کا احکام میں فقہاء کے تابع ہے' اصول میں بھی اور فروع میں بھی' کیونکہ انہوں نے احکام کو خوب تتبع سے لکھا ہے لیکن صوفی مذہبوں میں سے وہ مسائل اختیار کرتے ہیں جو حدیث نبوی کے موافق ہوتے ہیں۔)

ہم کہتے ہیں کہ بعینہ یہی اہلحدیث کا طریقہ ہے۔ باقی مقلدین کا یہ کہنا کہ اہلحدیث ایک آزاد مذہب ہے' انتقال از مذہب بمذہب ان کا شیوہ ہے۔ جس مذہب کی طرف دل چاہتا ہے منتقل ہو جاتے ہیں اور ہر مذہب سے چھانٹ چھانٹ کر آسان باتیں لے لیتے ہیں' صاف بہتان ہے۔

مذہب اہلحدیث من کل الوجوہ آزاد نہیں ہے بلکہ دلائل شرعیہ کا پابند ہے اور رخصتیں اور آسانیاں تلاش نہیں کرتا۔ جیسے بعض نفس کے بندے خود غرضی کی بنا پر دلائل شرعیہ سے قطع نظر کر کے اماموں کے مسائل رخصتی اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں: **"ولکن لیس لہ انا یتتبع رخص المذاھب واخذ غرضہ من ای مذھب وجدہ بل علیہ اتباع الحق بحسب الامکان"** (اعلام الموقعین ج۔۲' ص۔۲۷۴) (یعنی اس کو یہ جائز نہیں ہے کہ مذہبوں کی رخصتوں کی تلاش کرے اور اپنے مطلوب کے مسئلے اختیار کرے بلکہ یہ لازم ہے کہ حتی الامکان حق کی پیروی کرے۔ (خواہ وہ کسی مذہب میں مل جائے۔)

ہاں یہ طریقہ حنفیہ کا ضرور ہے کہ کہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے اور کہیں صاحبین کے قول کو لیا جاتا ہے اور کہیں ان سب کو چھوڑ کر نیچے کے طبقہ والوں کا فتویٰ پسند کیا جاتا ہے۔ خود ہی تو کہتے ہیں: **"والعجب کیف یختارون خلاف ظاھر المذھب مع انہ واجب الاتباع علٰی مقلد ابی حنیفۃ۔ انتھٰی"** (بحرالرائق) (یعنی مقلدین ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ان کے ظاہر مذہب کی روایت واجب الاتباع ہے) اور خود ہی کبھی دفع حرج کے لیے اور کبھی رفع ضرورت کے لیے اور کبھی دریافت میں سہولت کے لیے اور کبھی مفتی اور مستفتی کی آسانی کے لیے اور کبھی کسی کے تجربہ کار ہونے کے لیے امام کو چھوڑ کر دوسروں کے اقوال پر عمل کر کے تقلید شخصی کا ستیاناس کرنے لگ جاتے ہیں۔ **"کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون"** (یعنی بہت بڑی بات

بلحاظ غصہ کے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم زبان سے کہہ کر نہیں کرتے۔) اگر انتقال از مذہب بمذہب دیگر ممنوع اور واجب التعزیر ہے جیسے بعض متعصب حنفیہ کا قول ہے' تو صوفیہ اور اولیاء نے کیوں کیا؟

اب ہم واقعات سے ثابت کرتے ہیں کہ اولیاء کرام و صوفیہ عظام مقلد نہیں ہوتے۔ چنانچہ ملا جیون رحمہ اللہ تفسیر احمدی میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی بابت لکھتے ہیں:

"فان رائيت الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قراء الفاتحة بلمؤتم كما استحسنه محمد ايضا" احتياطا انتهیٰ (یعنی اگر تم طائفہ صوفیہ اور مشائخ حنفیہ کو دیکھو تو ان کو پاؤ گے کہ وہ مقتدی کے لیے فاتحہ کا پڑھنا مستحسن جانتے ہیں۔ جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے فاتحہ پڑھنی مقتدی کے لیے مستحسن رکھی ہے۔)

شاہ ولی اللہ صاحب کو فریقین کے علماء ولی اللہ جانتے ہیں۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں مقتدی کے لیے جواز قراۃ فاتحہ کے قائل ہیں۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری لیکن جہری میں سکتات کے وقت پڑھے۔ اسی طرح رفع یدین کی بابت فرماتے ہیں کہ "جو شخص رفع یدین کرتا ہے' وہ مجھ کو زیادہ محبوب ہے اس شخص سے جو نہیں کرتا کیونکہ رفع یدین کے ثبوت کی احادیث زیادہ ہیں اور بہت قوی ہیں۔" اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ "وتر ایک رکعت بھی سنت ہے اور تین رکعت بھی۔"

مرزا مظہر جان جاناں کو بھی حنفیہ اولیاء اور صوفیہ سے شمار کرتے ہیں۔ ان کا حال معمولات مظہریہ میں مرقوم ہے: "دست برابر سینہ مے بستند وے فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف۔"

علامہ عینی حنفی نے بھی لکھا ہے کہ: "ہمارے بعض مشائخ فاتحہ خلف الامام کو تمام نمازوں میں اور سری نمازوں میں مستحسن جانتے ہیں۔" عصام بن یوسف جو طبقات حنفیہ سے ہیں' رفع یدین کیا کرتے تھے۔ حالانکہ حنفی مذہب میں اس کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

رئیس الاولیاء حضرت مولانا شیخ جیلانی محبوب ربانی رحمہ اللہ کو حنبلی بتلایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ مقلد نہ تھے۔ چنانچہ بہجۃ الاسرار میں ہے: "انه كان يفتى على مذهب الشافعى و احمد بن حنبل" انتہیٰ۔ (یعنی آنجناب امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن

حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔)

دراصل ان اماموں میں سے جس کے قول پر دلیل شرعی ہوتی تھی، فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بلا دلیل مقلد نہ تھے۔ چنانچہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں: "کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو اپنا امام بناؤ اور کسی کے قول سے دھوکہ نہ کھاؤ۔" اور غنیہ میں اہل بدعت کی علامتیں بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ایک علامت ان کی اہلحدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔"

جناب شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کے حال میں فرماتے ہیں کہ "وہ اکثر مسائل فروعیہ میں مذہب حنفی کے موافق تھے لیکن جب کسی مسئلہ میں حدیث سے یا وجدان سے حنفی مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی ترجیح اور قوت ظاہر ہوتی تو اس صورت میں حنفی مذہب کا مسئلہ چھوڑ دیتے۔ ازاں جملہ ایک یہ کہ آپ امام کے پیچھے الحمد پڑھتے اور نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھتے۔"
(انفاس العارفین منقول از تحقیق الکلام بحوالہ غیث الغمام)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفسار کے جواب میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ مولانا شیخ الاسلام عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو باتفاق علماء ماوراء النہر و خراسان، مذہب حنفی کے مسلمہ بزرگ ہیں۔ فاتحہ خلف الامام کو مستحب کہتے تھے اور خود پڑھتے تھے۔ نیز فرماتے تھے: "لوکان فی فمی یوم القیٰمۃ جمرۃ احب الی من ان یقال لاصلوٰۃ لک" (یعنی بروز قیامت میرے منہ میں انگارہ ہو تو بہتر ہے۔ اس بات سے کہ مجھ سے یہ کہا جائے کہ تیری نماز ہی نہیں ہوئی۔)

مرزا مظہر جان جاناںؒ بھی فاتحہ خلف الامام کو قوی فرماتے تھے۔ (ابجد العلوم)

حضرت شاہ شیخ فرید الدین بہاری قدس اللہ سرہ کے ملفوظات مسمی بخوان نعمت میں ہے: "ازایں جاں باز بیچارہ عرض داشت کہ قرات فاتحہ خلف الامام، مقتدی را وعید است آنجا چہ کند، فرمودہ قرات فاتحہ بکند ومشائخ ہم میخوانند۔" انتہیٰ۔ (یعنی بے چارے نے عرض کی کہ قرات فاتحہ خلف الامام کی مقتدی کو وعید ہے۔ اس جگہ کیا کرے؟ تو فرمایا قرات فاتحہ کرے کیونکہ مشائخ پڑھتے تھے)

الغرض ہزاروں بزرگان دین ایسے گزرے ہیں کہ فروعات میں راجح مذہب پر عمل

کرتے رہے' جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود اتباع شارع ہے۔ "لقوله تعالی: فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول" (یعنی اگر تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔)

بعض اولیاء مخصوص مذہب کی طرف منسوب کیوں ہوئے؟ ⇦ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بعض اولیاء کو مخصوص مذہب کی طرف منسوب کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کئی وجوہ ہیں:

اول یہ ہے جو میزان کبریٰ ج۱' ص۔۱۸ میں ہے: "ان نقل عن احد من الاولیاء انه کان شافعیا او حنبلیا فذالک قبل ان یصل الی مقام الکمال' انتهیٰ۔" (یعنی اگر کسی ولی سے منقول ہو کہ وہ شافعی یا حنفی تھا تو یہ اس کے کامل ہونے سے پہلے کا ذکر ہو گا۔)

دوسری وجہ میزان کبریٰ میں یہ مرقوم ہے کہ بعض اولیاء ادبا" اپنے آپ کو کسی امام کی طرف منسوب کرتے تھے کیونکہ اتفاقیہ طور پر مسائل میں اس سے موافقت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: "ولکن اظهر تقییده فی تلک المسئلة بمذهب بعض الائمة ادبا معه حیث سبقه الی القول بها' انتهیٰ" (یعنی بعض اولیاء نے اپنے کو اس (خاص) مسئلہ میں بعض ائمہ کی طرف بطور ادب نسبت کیا ہے کیونکہ اس امام نے اس مسئلہ کی طرف سبقت کی ہے۔)

یا امام کے قول پر دلیل سے واقف ہو کر ولی اللہ عمل کرتا ہے تو یہ ولی شارع کا مقلد ہوا نہ امام کا۔ چنانچہ شیخ صاحب میزان میں لکھتے ہیں: "وقد یکون عمل ذالک الولی بما قال به ذالک المجتهد لا طلاعه علیٰ دلیله لا عملا بقول ذالک المجتهد علی وجه التقلید له بل لموافقة لما ادی الیه کشفه فرجع تقلید هذا الولی للشارع لا لغیر' انتهیٰ" (خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء مقلد نہیں ہوتے بلکہ سب غیر مقلد عامل و عالم بالدلائل ہوتے ہیں' کوئی مقلد من حیث المقلد ولی نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔ بالخصوص حنفی مذہب کا مقلد رہ کر ولی نہیں ہو سکتا۔)

چنانچہ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قیل للشیخ الجیلانی هل کان لله ولیا علی غیر اعتقاد احمد بن حنبل فقال ماکان ولا یکون" (طبقات ابن رجب

ج-۱، ص-۲۰۲) (یعنی حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سوا دوسرا عقیدہ رکھنے والا ولی ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہ تو ہوا ہے اور نہ ہو گا۔)

اب مطلع صاف ہے کہ حنفی لوگ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں، ولایت کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ امام ابوحنیفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان مخلوق ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص-۱۷۳ میں ہے: "قال ابن الهمام فى المسامرة ونص كلام ابى حنيفة فى كتابه الوصية صريح فى خلق الايمان حيث قال نقربان العبد مع جميع اعماله واقراره ومعرفته مخلوق فلما كان الفاعل مخلوقا اولى ان يكون فعله مخلوقا" انتهى" (یعنی امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ نے مسامرہ میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب وصیت میں ایمان کے مخلوق ہونے کی بایں طور تصریح کی ہے کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ بمع جمیع اعمال و اقرار معرفت مخلوق ہے۔ جبکہ فاعل مخلوق ہوا تو فعل بطریق اولی مخلوق ہو گا۔)

پھر امام احمد رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے: "وذكر عن احمد بن حنبل وجماعة من اهل الحديث انهم يقولون ان الايمان غير مخلوق" (یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ایک جماعت اہلحدیث سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایمان غیر مخلوق ہے۔) اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ عمل بالارکان کو جزو ایمان جانتے ہیں اور اس کے بڑھنے اور گھٹنے کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ ملائکہ اور انبیاء اور عامہ مومنین کے ایمان میں فرق کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سب کا ایمان برابر جانتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ بعض اعتقادی مسائل میں ہر دور کا اختلاف ہے۔ لہٰذا امام احمد رحمہ اللہ کے اعتقاد کے برخلاف ہو کر کوئی حنفی ولی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حنفی لوگ اعتقادی مسائل میں مقلد نہیں ہوتے صرف فروعات میں ہوتے ہیں۔ جیسے شامی میں مرقوم ہے: "ماتعتقده من غير المسائل الفرعية مما --- يجب اعتقاده على كل مكلف بلا تقليد لاحد وهو ما عليه اهل السنة والجماعة وهم الاشاعرة والماتريدية" (غیر مسائل فرعیہ میں ہر مکلف کو بغیر کسی مذہب کی تقلید کے بغیر

اعتقاد کرنا واجب ہے۔ یہی مذہب اہل سنت کا ہے اور وہی لوگ اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسائل اعتقادی میں تقلید ترک کر دی تو فروع میں کیوں نہ کی؟ اور جب اعتقادی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو چھوڑ دیا تو کوئی نیا عقیدہ اختراع کیا یا دیگر ائمہ کے موافق ہوئے۔ اگر نیا ایجاد کیا تو مقلد حنفی نہ رہے اور سب کے نزدیک گمراہ ہوئے۔ پھر مرتبہ ولایت کہاں؟ اگر دیگر ائمہ کے موافق ہوئے تو پھر اعتقادی حنفی نہ رہے۔ تب ہمارا کہنا درست کہ حنفی مذہب کے اعتقاد پر رہ کر ولی نہیں رہ سکتا۔ دیگر جواب یہ ہے کہ اعتقادی مسائل میں تقلید نہیں کی جاتی کہ مقلد کے ایمان کو بعض فقہا صحیح کیوں جانتے ہیں۔ حالانکہ مقلد کا ایمان معرض خطرہ میں ہے۔ افسوس ہے ادھر تو مقلد کا ایمان خطرہ میں بتایا جاتا ہے اور اس کو ترک استدلال کی وجہ سے گنہگار کہا جاتا ہے اور معرفت اور تقلید میں فرق کیا جاتا ہے اور ادھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول کو بھی درست کہا جاتا ہے۔

"ویستوی المؤمنون کلھم فی المعرفة والیقین والتوکل والمحبة والرضا والخوف والرجاء والایمان' انتھی" (یعنی مومنین سب معرفت اور یقین اور توکل اور محبت اور رضا اور خوف اور رجاء اور ایمان میں برابر ہیں۔)

یہ عجیب مضحکہ خیز بات ہے ـــــ خلاصۃ المرام یہ ہے کہ تقلید عدم علم بالدلیل کا نام ہے جو جہالت ہے۔ پس کوئی شخص مقلد رہ کر ولی نہیں ہو سکتا۔ ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ ابو الشکور عبدالقادر عارف الحصاری از گگا ضلع حصار

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد۔۴' شمارہ۔۱' جلد۔۵' شمارہ۔۱۹' ۲۰ مورخہ ۸ر فروری سنہ۔۱۹۳۵ و ۲۲' ۲۹ر مئی سنہ۔۱۹۳۴ء و تنظیم اہل حدیث لاہور ۲۶ر اپریل' ۳ر و ۱۰ر مئی سنہ۔۱۹۶۸ء

رائے اور قیاس کی اشاعت

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ مرحوم محدث دہلوی موطا کی شرح مصفی کے ص-۴ پر یہ لکھتے ہیں "باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتویٰ بردو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہ جمع مے کردند واز آں جا استنباط مے نمودند وایں طریقہ اصل راہ محدثین است۔" یعنی جاننا چاہیے کہ علماء سلف میں مسائل نکالنے اور فتویٰ دینے کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ قرآن و احادیث و اقوال صحابہ کو جمع کرتے اور ان سے مسائل نکالتے تھے۔ یہ طریقہ محدثین کا تھا۔

تاریخ ابن خلدون جلد-۱ ص-۳۷۶ میں یہ بھی لکھا ہے: انقسم الفقه فيهم الى طريقين طريقة اهل الراى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز۔ یعنی "فقہ دو قسم کی ہے۔ ایک اہل رائے وقیاس کی ہے یہ تو اہل عراق میں ہے۔ دوسری فقہ طریقہ اہل حدیث کا ہے' وہ اہل حجاز ہیں مکہ مدینہ کے رہنے والے۔"

شاہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں بھی اہل رائے کا طریقہ یہی بتایا لیکن مصفیٰ میں یہ لکھا ہے: "ودیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح وتہذیب آں کردہ اندبا وگیرند بے ملاحظہ آنہا پس ہر مسئلہ کہ وارد مے شود جواب آں ازیں قواعد طلب مے کردند ایں طریقہ اہل رائے فقہاء است۔" یعنی دوسرا طریقہ مسائل کے استنباط و استخراج کا یہ ہے کہ ائمہ نے قواعد کلیہ جو اصلاح اور درستگی سے تیار کیے ان کو یاد کر کے مسئلہ ان سے اخذ کرتے رہے۔ جب کوئی مسئلہ پیش آیا تو ان قواعد کی رو سے جواب دے دیا۔ اہل ماخذ کو معلوم نہ کیا فقہاء اہل الرائی کا یہی طریقہ تھا۔

اب ناظرین غور کریں کہ اہل حدیث اور ان کے اجتہادی مسائل اور اہل رائے اور ان کے قیاسی مسائل میں کیا فرق ہے اور ان کے طریقوں میں سے رائے محمود کس فریق کی ہے اور رائے مذموم کس فریق کی ہے۔

اہل حدیث کا استنباط مسائل تو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ سے ہے۔ چونکہ قرآن و حدیث منزل من السماء ہیں تو ان سے جن مسائل کا استخراج ہوا' وہ بھی منزل من السماء کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ان کا استخراج نصوص شرعیہ سے ہوا ہے۔ اس لیے ان کی اتباع واجب

ہے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی اپنی کتاب سبیل الرشاد کے ص-۲۳ پر لکھتے ہیں: قال اللّٰہ تعالٰی واتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء یعنی فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ تم لوگ پیروی ان احکام کی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور ان احکام کی پیروی نہ کرو جو اللہ کے سوا تم نے اپنے اولیاء سے لیے ہیں۔

ان کی آیت پیش کردہ کا ترجمہ ہمارا ہے جو مرادی معنیٰ ہے۔ آگے مولانا یوں لکھتے ہیں: کتاب اللّٰہ منزل من اللّٰہ تعالٰی اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی بھی منزل من اللہ تعالٰی ہے۔ اور استنباطات مجتہدین علیہم الرحمتہ کے بھی منزل من اللہ تعالٰی ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ارشادات دلائل نصوص سے متخرج ہیں وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے کہ یہ امر مظہر ہے کہ قیاس مظہر حکم کا ہوتا ہے نہ مثبت حکم کا۔ پس جو کچھ مجتہد نے استنباط فرمایا وہ عین حکم حق تعالٰی کا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ نصوص شرعیہ سے محدثین نے جو مسائل استنباط کیے ہیں وہ منزل من اللہ ہیں۔ اس لیے وہ واجب العمل ہیں اور فقہاء اہل رائے نے جو ائمہ کے اقوال سے قواعد کلیہ تیار کر کے پھر ان سے مسائل استنباط کیے ہیں' وہ محض رائے ہیں' منزل من اللہ نہیں ہیں۔ کیونکہ نصوص شرعیہ سے ان کا استخراج نہیں ہوا۔ قواعد کلیہ اختراعیہ سے ہوا۔ اس لیے ایسی رائے واجب القبول نہیں ہے۔ چنانچہ سیرۃ النعمان ص-۱۸۳ میں مولانا نعمانی امام اہل الرائے سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر احدا ولا نقول یجب علٰی احد قبولہ یعنی جس کام میں ہم مشغول ہیں وہ رائے و قیاس ہے۔ ہم کسی پر جبر نہیں کرتے کہ ہماری رائے ضرور قبول کرے۔ کیونکہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ ہماری رائے کسی پر قبول کرنی واجب ہے۔ (مقام ابوحنیفہ کے ص-۲۹۰ پر مولانا صفدر نے بھی یہ نقل کیا ہے)

امام اہل رائے نے بات بالکل صحیح کہی ہے کہ ہماری باتیں محض رائے ہیں۔ ان کی تقلید کرنا واجب نہیں ہے۔ پس تقلید کا وجوب دفع ہوا۔ اگر ان اہل رائے کی رائے منزل من اللہ ہوتی تو ان کی تقلید واجب ہوتی۔ مصفی میں ہے کہ انہوں نے حسن ظن کر لیا کہ حماد ابراہیم نخعی کے مسائل کو خوب جانتا ہے۔ پس ان کے اقوال کو قواعد کلیہ بنا لیا اور ان کی تقلید کر لی اور ان سے مسائل کا استخراج کر لیا۔ اور فقہ تیار کر لی اور لوگوں کو ان سے فتوے دے کر

تقلید اہل الرائے کا مذہب نافذ کر دیا۔ اس لیے اہل رائے ان کا نام ہوا۔

علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں وکان الحدیث قلیلا فی اھل العراق لما قد مناہ فاستکثروا من القیاس مھروا فیہ فلذالک قیل اھل الرای مقدم جماعتھم الذی استقر المذھب فیہ واصحابہ ابوحنیفہ۔ (تاریخ جلد۱' ص۔۳۷) یعنی عراقیوں میں علم حدیث کم تھا۔ جس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے قیاس و رائے سے انہوں نے زیادہ کام کیا اور اس میں خوب ماہر ہو گئے۔ اس وجہ سے ان کو اہل رائے کہا گیا۔ اس گروہ کے سردار جن میں اور جن کے شاگردوں میں یہ مذہب قائم ہوا ابوحنیفہ ہیں۔

اور کتاب الملل والنحل مصری ص۔۴۴ میں علامہ شہرستانی نے لکھا ہے "اصحاب الرائی ہم اہل العراق ہم اصحاب ابی حنیفہ (الٰی قولہ) لما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار۔ یعنی اہل رائے عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن حسن' قاضی ابو یوسف زفر' حسن بن زیاد' عافیہ قاضی ابو مطیع بلخی اور بشر مرایسی وغیرہ ہیں۔ اور اہل رائے ان کو اس لیے کہا گیا کہ ان کی توجہ قیاس حاصل کرنے کی طرف رہی۔ بارہا انہوں نے قیاس جلی کو احادیث احاد پر مقدم کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس لیے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ اہل حدیث اور اہل رائے دو گروہ الگ الگ مشہور تھے۔ رائے محمود اہل حدیث میں تھی۔ جن کی بناء قرآن و حدیث پر تھی۔ اس لیے ان کو اہل حدیث کہا گیا اور اہل رائے کی بنیاد و قواعد اہل رائے پر تھی' اس لیے اس کا نام اہل رائے ہوا۔

عبدالقادر عارف الحصاری

الاسلام لاہور جلد۱' شمارہ۲۴ مورخہ ۲۰ جون سنہ ۱۹۷۵ء

اہل حدیث اور اہل الرائے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے جو کل کی پیداوار ہے اور حنفی بہت پرانے ہیں۔ ایسے احباب کے لیے ہم ایک پرانی اور مشہور تاریخ ابن خلدون کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اہلحدیث تو بہت پرانی جماعت ہے اور اتنی پرانی کہ حنفی ان کے مقابلہ میں نئے ہیں۔ جن کو مؤرخین اور اہل علم نے اہل الرائے کا خطاب دیا ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی کو چھوڑ کر سب سے پہلے احناف ہی نے اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا تھا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ:

> "متقدمین میں فقہ کے دو طریقے ہو گئے تھے۔ ایک طریقہ اہل الرائے (قیاس والوں) عراقیوں (کوفیوں) کا تھا اور دوسرا طریقہ اہلحدیث کا تھا اور وہ حجاز (یعنی مکہ مدینہ والے) ہیں۔ عراق میں حدیث کا رواج کم تھا۔ اس لیے وہ قیاس کی طرف مائل ہو گئے اور قیاس ہی میں ماہر ہوئے۔ اس لیے ان کا نام اہل الرائے ہوا۔"

کتنا بہترین اقتباس ہے۔ اب بھی اگر کوئی شبہ کرے تو یہ اس کا اپنا قصور۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجتہ اللہ میں فقہائے اہلحدیث اور فقہائے اہل الرائے کا فرق مفصل بیان کیا ہے اور اہل الرائے میں ائمہ احناف کو شمار کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے کہ جن سے وہ اہلحدیث کے اصول پر مسائل کا استنباط کرتے۔

بعینہ امام ذہبی نے بھی اہلحدیث اور احناف کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کو اہل الرائے کا امام قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال) اور امام ابن کثیر نے تو کمال ہی کر دیا ہے کہ دوسروں کے اماموں کا ذکر کرتے ہوئے اہل حدیثوں کے امام محمد رسول اللہ ﷺ کو گردانا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ یہ ہیں کہ "ھذا اکبر شرف لاھل الحدیث

لان امامهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن کثیر ج۔۵، ص۔۲۰۷)

جواہر البخاری ص۔۱۴ میں ہے کہ امام ابن حبان نے فرمایا کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب اہلحدیث ہوں گے۔" امام شافعی نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ لوگو! اہلحدیث سے لزوم اختیار کرو (یعنی اس نے اتنا ملو، اتنا راہ و رسم پیدا کرو کہ لازم ملزوم ہو جاؤ) کیونکہ سب سے زیادہ یہی حق پر ہیں۔ (الاداب الشرعیہ جلد اول، ص۔۲۳۸)

امام شافعی خود بھی تو اہلحدیث ہی تھے۔ **اخذ مذھب اھل الحدیث واختار لنفسه۔** (تذکرۃ الحفاظ جلد اول، ص۔۱۴۳) ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **فاعتقاد اھل الحدیث ھو السنة الحقة لانه ھو الاعتقاد الثابت عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔** یعنی اہلحدیث کا اعتقاد وہی ہے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہے یعنی جو عقیدہ سرور عالم کا ہے وہی ان کا ہے۔ کیا ان دلائل و حقائق کی روشنی میں بھی کوئی حنفی یہ کہہ سکتا ہے کہ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے اور ہم پرانے ہیں اور ہم ہی حق پر ہیں۔ **لا فواللہ لا۔**

عبدالقادر عارف حصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۶، شمارہ۔۲، مورخہ ۱۶ر جنوری سنہ۔۱۹۵۲ء

مسلک اہل حدیث کی حقانیت

چھ سوالات اور ان کے جوابات

پہلا سوال: مسلک اہلحدیث کی تعریف کیا ہے؟

جواب: فرقہ ناجیہ کا نام اہلحدیث ہے اور اہل سنت والجماعت ہے۔ ان کا مسلک وہی ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا جن کا بیان حدیث "ما انا علیه واصحابی" میں ہے اور اس مسلک کو آنحضرت ﷺ ہمیشہ خطبہ جمعہ میں بیان فرمایا کرتے تھے' **ان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد صلی الله علیه وسلم وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة** (رواہ مسلم) "کلاموں میں سب سے بہتر کتاب الٰہی قرآن مجید ہے اور طریقوں میں سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے نکالے جائیں اور دین میں ہر نیا نکلا ہوا کام گمراہی ہے۔"

اس مسلک کا خلاصہ یہ ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار
ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم
با قول نبی چون و چرا نکنیم

آنحضرت ﷺ یہی دو اصول امت کے لیے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے اور فرما گئے تھے' **ترکت علیکم امرین لن تضلوا بعدهما کتاب الله وسنتی** (مستدرک حاکم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) نیز مستدرک حاکم جلد ۱' ص ۹۳ میں ہے' **یاایها الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب الله وسنة نبیه صلی الله علیه وسلم**۔ موطا امام مالک میں ہے' **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم**

بهما کتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم۔ ان ہر سہ روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ اگر ان پر عقیدہ و عمل کا دارومدار رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے نبی (ﷺ) کی حدیث ہے۔"

انہی دو چیزوں پر سرور کائنات ﷺ بنفسہ اور آپ کے صحابہ کرام عامل تھے۔ پس اہلحدیث کا اعتقادی، علمی، قلبی اور عملی مسلک یہی ہے۔ اجماع امت اور مجتہدین امت کا اجتہاد صحیح بھی جو ان کی طرف راجع ہیں وہ ان میں ہی شمار ہیں کہ اصل میں یہ دو ہی چیزیں ہیں جو اہلحدیث کے مستقل اصول ہیں۔ یہی اہل سنت کی تعریف میں داخل ہیں۔

منتخب کنزالعمال جلد۔۶، ص۔۳۱۵ میں ہے' قيل لعلى من اهل السنة؟ قال المتمسكون بما سن الله لهم ورسوله وان قلوا۔؟ "حضرت علی ؓ سے دریافت کیا گیا کہ اہل سنت کون ہیں؟ فرمایا جو اس طریقہ اور صراط مستقیم کو مضبوط پکڑنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) اور اس کے رسول نے (حدیث میں) مقرر فرما دیا ہے وہ اہل سنت ہیں خواہ ان کی تعداد قلیل ہو۔"

توضیح و تلویح میں بھی یہ تعریف لکھی ہے۔ اهل السنة والجماعة الذين طريقتهم طريقة الرسول واصحابه دون اهل البدع۔ "اہل السنۃ والجماع ے وہی لوگ ہیں جن کا طریقہ عمل وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا تھا۔ سوائے اہل بدعت کے۔" کہ ان کا طریقہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں

نال شراب دے رنگ مصلی جے مرشد فرماوے
کیونکہ واقف کار قدیمی غلطی کدے نہ کھاوے

اور بعض الناس کا قول مسلم الثبوت اصول کی کتاب میں بطور اصول یہ درج ہے۔ اما المقلد فمستنده قول مجتهده "مقلد کے لیے اس کے امام کا قول سند شرعی ہے۔" اب اگر حدیث نبوی اس قول کے خلاف آجائے گی تو مقلد نہ مانے گا۔

<u>مقلدین کے اصول</u> ⇦ فتاویٰ عزیزی ص۔۶۳ فارسی میں رسالہ اصول مذہب

ابوحنیفہ' حنفیہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کا ساتواں اصول یہ درج ہے' جس پر مقلدین کا عمل ہے۔ السابعة قال بعض اصحاب الفتوی اذا کان فی المسئلة قول لابی حنیفة وصاحبه وخالفه حدیث یحکمون بصحته وجب اتباع قولهم دون الحدیث۔ "ساتواں اصول حنفیہ کا یہ ہے کہ بعض اصحاب الفتویٰ نے مرتب کیا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین (ابویوسف و محمد) کا قول آجائے اور حدیث نبوی اس کے خلاف ہو جس کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہو تو ان اماموں کے قول کی اتباع واجب ہو گی' حدیث کی نہیں۔"

اور آٹھواں اصول یہ لکھا ہے۔ الثامنة کل حدیث لم یروه الا من لیس فقیها فان انسد فیه باب الرای لا یجب قبوله۔ "آٹھواں اصول یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس کو غیر فقیہ صحابی نے روایت کیا ہو۔ اگر اس کے لینے سے ہمارے اماموں کی رائے کا دروازہ بند ہوتا ہو تو اس حدیث کا قبول کرنا واجب نہیں ہے۔"

اہلحدیث ایسی تقلید جامد کو بدعت تصور کرتے ہیں اور ایسے مقلدین کو اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی باب اشعار البدن میں امام وکیع سے منقول ہے۔ لا تنظروا الی قول اهل الرای فی هذا فان الاشعار سنة وقولهم بدعة۔ "اشعار کے مسئلہ میں اہل الرای کا قول مت قبول کرو کہ یہ قول دین میں بدعت ہے اور اشعار کرنا قربانی کے جانور کا سنت ہے۔" یہ امام وکیع رحمہ اللہ ہیں' جنہوں نے اہلحدیث کے مسلک پر عمل کیا اور مقلدین اس بدعت کے قول پر عامل ہیں' یہ سراسر گمراہی ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کی کتاب طحاوی جلد ۱' ص۔۳۹۸' باب من احرم بحجة میں یہ حدیث ہے کہ عروہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اے عروہ! میں نے کیسے لوگوں کو گمراہ کر دیا؟ عروہ نے کہا کہ آپ لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جب وہ بیت اللہ کا طواف کریں تو احرام سے فارغ ہو جائیں۔ حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ دسویں تاریخ تک محرم رہتے تھے اور لبیک پکارتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تو تم ایسا کہنے سے گمراہ ہو گئے کہ میں تم سے حدیث رسول بیان کرتا ہوں اور تم اس کے مقابلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا فعل پیش کرتے ہو۔"

اس روایت سے یہ ظاہر ہوا کہ حدیث نبویؐ کے مقابلہ میں کسی غیر کا قول و فعل ماننا گمراہی ہے۔ حدیث کو مان کر قول رد کر دینا ضروری ہے لیکن مقلدین یہ کہتے ہیں۔ فلعنة ربنا اعداد رمل، علٰی من رد قول ابی حنیفة "ریت کے ذروں برابر لعنت اللہ کی اس شخص پر جو ابو حنیفہ کا قول رد کر دیتا ہے۔"

ناظرین کرام حیران ہوں گے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردان رشید امام محمد وغیرہ نے اپنے استاد کے دو تہائی مذہب میں ان کے اقوال کو رد کیا ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ کے کسی قول کو رد کرنا موجب لعنت ہے تو غور کیجئے نتیجہ کیا ہو گا؟ اگر گویم زباں بسوزد تقلیدی مذہب پر، جس پر عمل کر کے کوئی شخص ولی نہیں بن سکتا۔ ہاں اہلحدیث کا مسلک ایسا ہے کہ اس پر جو شخص عامل ہو گا وہی ولی اللہ ہو گا۔ چنانچہ رئیس الاولیاء شیخ جیلانی رحمہ اللہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں۔ والسلامة مع الکتاب والسنة والھلاک مع غیرھما بھما یرتقی العبد الٰی حالة الولایة والبدلیة "سلامتی کتاب و سنت کے ساتھ ہے اور غیر کے ساتھ ہلاکت ہے۔ کتاب و سنت پر اپنا مسلک قائم رکھنا یہ ایک ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ بندہ چڑھتا ہوا حالت ولایت اور بدلیت کو پہنچ جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ مسلک اہلحدیث کو دیگر مسالک سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کون حق پر ہے۔ جو گروہ کتاب و سنت میں سے کسی ایک کو اپنے مسلک میں سے نکال دے گا وہ گمراہ ہے جیسے چکڑالوی اور پرویزی، حدیث نبوی کے منکر ہیں۔ اب وہ نہ جنازہ طریقہ نبویہ کے مطابق پڑھ سکتے ہیں اور نہ رویت ہلال رمضان و عید پر عمل کر سکتے ہیں۔ اپنی رائے پر کام کریں گے جو سراسر گمراہی ہے۔

ہمارے حنفی دوست حضرت امام ابو حنیفہ کے اقوال کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ اس سے کئی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں بچہ کے دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے جو واضح آیتوں سے ثابت ہے لیکن اس کے خلاف حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ تین سال ہے۔ اس کا ثبوت کسی آیت اور حدیث نبوی میں نہیں پایا گیا، تو یہ مسلک بالکل غلط ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ایسے غلط مسائل سے بری ہیں' ان کا صاف ارشاد ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ یعنی "صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔" جو شخص قرآن و حدیث کے مقابلہ میں غیر کے اقوال کی تقلید کرے گا وہ گمراہ ہے۔ اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

؎ عبادت بتقلید گمراہی است

الغرض مسلک اہلحدیث حق ہے کہ ان کے دو اصول صریح کتاب و سنت ہیں جو وحی آسمانی ہے۔ اس پر عقیدہ و عمل کا دارومدار رکھنا ذریعہ نجات اور قبولیت اعمال ہے۔ اس مسلک کے خلاف تمام مسالک باطل ہیں۔ مسلک اہلحدیث کی صداقت اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام مہدی جب ظاہر ہوں گے اور حضرت مسیح جب آسمان سے نازل ہوں گے تو وہ مع جمیع اہل اسلام یہی مسلک یعنی کتاب و سنت پر قائم ہو کر عمل درآمد کریں گے۔ اس کے سوا باقی تمام فرقوں کا اس وقت استیصال ہو جائے گا اور صرف مسلک اہل حدیث قائم رہے گا اور وہ سب اہل سنت اور اہلحدیث ہوں گے۔ اس پر علمائے اہل حق کا اجماع ہے۔

دوسرا سوال: اہل حدیث کے اصول فقہ کی کوئی تصنیف ہے؟

جواب: حضرت اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے ایک رسالہ اصول فقہ میں لکھا ہے۔ اس میں یہ درج ہے کہ فقہ وہ علم ہے جس سے احکام شرعیہ' واجب' مندوب' مباح' حرام' مکروہ کو دلائل شرعیہ سے پہچانا جائے اور اصول کی بابت لکھا ہے کہ وہ ایک علم ہے۔ جس سے ادلہ شرعیہ سے استنباط مسائل کرنے کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ اس بارہ میں اہلحدیث کی طرف سے حصول المامول' ارشاد الفحول' اصول الفقہ للشہید' احکام الاحکام لابن حزم وغیرہ کتابیں شائع ہو کر معمول بہا ہو چکی ہیں۔

تیسرا سوال: مسلک اہلحدیث میں مجتہدین کے اقسام کتنے ہیں؟ ہر مجتہد کے لیے کتنے اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے؟

جواب: حصول المامول ص-۱۵۸ میں لکھا ہے۔ فالمجتھد ھو الفقیہ المستفرغ لوسعہ لتحصیل ظن بحکم شرعی ولا بدان یکون عاقلا بالغا قد ثبت لہ ملکۃ لیقتدر علٰی استخراج الاحکام من ماخذھا۔ "مجتہد وہ عالم فقیہ ہے جو حکم

شرعی سے حکم ظنی حاصل کرنے کے لیے پوری طاقت صرف کرے۔ یہ ضروری ہے کہ مجتہد عاقل اور بالغ ہو اور اس کو علم شرعی میں اس قدر ملکہ حاصل ہو کہ احکام شرعیہ سے مسائل پیش آمدہ کا استخراج و استنباط کر سکے۔"

میں کہتا ہوں کہ اہلحدیث کے اصول کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (ﷺ) ہیں۔ دیگر فقہاء اجماع امت اور قیاس کو بھی اصول فقہ میں ذکر کرتے ہیں لیکن ان دونوں کا مرجع بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں کیونکہ اجماع کے لیے مستند شرعی ہونا ضروری ہے اور وہ قرآن یا حدیث ہیں اور قیاس کے لیے مقیس علیہ کا ہونا ضروری ہے تو وہ حکم قرآن و حدیث سے لیا جائے گا۔ اس لیے اصول فقہ دو ہیں' قرآن و حدیث۔ کیونکہ اصول جمع اصل کی ہے اور اصل موقوف علیہ کو کہتے ہیں اور موقوف علیہ ادلہ شرعیہ ہیں۔

فقہ کا معنی ہے' متکلم کے مفہوم کو سمجھنا اور اصطلاح علماء میں فقہ وہ علم ہے جس میں احکام شرعیہ عملیہ ادلہ تفصیلیہ سے معلوم ہوں۔ پس جو شخص لسان عرب میں ملکہ حاصل کر کے احکام کو ادلہ شرعیہ سے جانتا ہے اور ان سے مسائل استنباط کر لیتا ہے وہ "مجتہد" ہے۔

دراسات اللبیب ص۔۱۷ میں ہے۔ **من علم الاحکام من الادلة الشرعية فهو المجتهد۔** نیز دراسات اللبیب میں لکھا ہے کہ چھ چیزوں کی معرفت ضروری ہے۔ (۱) قرآن مجید (۲) سنة الرسول (۳) اجماع (۴) قیاس) (۵) اختلاف (۶) لسان العرب۔ کتاب اللہ کے بارہ میں دس چیزیں جاننا ضروری ہیں۔ (۱) خاص (۲) عام (۳) مطلق (۴) مقید (۵) محکم (۶) متشابہ (۷) مجمل (۸) مفسر (۹) ناسخ (۱۰) منسوخ۔

اور علم حدیث میں بھی انہی چیزوں کا جاننا ضروری ہے اور علاوہ ازیں علم حدیث میں وہ اصطلاحات جو محدثین نے اصول حدیث میں بیان کی ہیں' جاننی ضروری ہیں۔ مثلاً اقسام حدیث یعنی متواتر' احاد' صحیح' ضعیف' موضوع وغیرہ۔ اجماعی مسائل اور مختلف فیہا اور معرفت قیاس اور شروط اور کیفیت استنباط احکام وغیرہ امور جاننے چاہئیں۔

چوتھا سوال : مسلک اہلحدیث کے مجتہدین کتنے ہیں' جن کی فقہ میں جامع تصانیف ہوں۔ پاکستان میں ایسے مجتہدین کون سے ہیں؟

جواب: مسلک اہلحدیث کے مجتہدین کا شمار مشکل ہے۔ سب کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ محدثین، متقدمین اور متاخرین رحمہم اللہ سب مجتہدین میں شمار تھے۔

مسلک اہلحدیث میں تین قسم کے لوگ ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں۔

(۱) مجتہدین عاملین بالحدیث۔

(۲) اصحاب الظواهر۔

(۳) عوام۔

جن لوگوں کو مذکورہ بالا علوم حاصل کرنے سے اس قدر ملکہ حاصل ہوا کہ مسائل کا استنباط کرنے لگے، وہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں جیسے ہمارے زمانے میں حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمہ اللہ مجتہد تھے۔ جن کو تمام علوم میں مہارت تامہ اور استخراج مسائل کی دسترس اور قوت اجتہادیہ حاصل تھی۔

اور ان سے پہلے مولانا سید عبدالجبار صاحب محدث غزنوی، حضرت سید عبدالواحد صاحب محدث غزنوی، حضرت حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرھم ہو چکے ہیں۔

اور اس وقت حضرت عبیداللہ صاحب مبارک پوری، حضرت عبدالجلیل صاحب محدث سامرودی، حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو عاملین بالحدیث ہیں اور اصحاب الظواہر ہیں۔

دراسات اللبیب ص۳۰۱ میں ہے: **واما اصحاب الظواهر فهم اهل الحديث خير اهل الحديث اخير اهل العمل على الارض وخيار العلماء وسادات هذه الامة والفرقة الناجية ان شاء الله تعالىٰ** یعنی "اصحاب ظواہر بھی اہلحدیث ہیں جو بہترین اہلحدیث ہیں اور روئے زمین پر بہترین اہلحدیث وہی ہیں جو خیر العاملین اور خیار العلماء ہیں۔ وہی اس امت کے سردار اور فرقہ ناجیہ ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔"

کتب حدیث کے مؤلفین مثلاً امام مالک مؤطا کے مؤلف، امام شافعی کتاب الام کے مؤلف، امام احمد مسند احمد کے مؤلف، عبداللہ پسر امام احمد، امام بخاری صحیح بخاری

کے مؤلف' امام مسلم صحیح مسلم کے مؤلف' امام ابوداؤد ابوداؤد کے مؤلف' امام ترمذی ترمذی کے مؤلف' امام ابن ماجہ ابن ماجہ کے مؤلف' امام دار قطنی دار قطنی کے مؤلف' امام حافظ ابن حجر فتح الباری کے مؤلف' امام شوکانی نیل الاوطار کے مؤلف' امام ابن حزم محلی کے مؤلف' امام بیہقی سنن بیہقی کے مؤلف وغیرہ۔

اسی طرح سب محدثین کو قیاس کر لیں کہ یہ کسی امام کے مقلد نہ تھے بلکہ اہلحدیث تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے کسی نے سوال کیا کہ "محدثین علم فقہ پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ محدثین علم فقہ پر عمل نہیں کرتے۔" انہوں نے جواب دیا' "علمائے محدثین بیک مذہب از مذاہب مجتہدین نباشد پس بعضے اعمال ایشاں مطابق کتب فقہ ے باشند و بعضے دیگر مطابق کتب دیگر۔" (جلد دوم' فتاویٰ عزیزی ص-۱۲۹) یعنی "علمائے محدثین مجتہدین کے مذہب میں سے کسی خاص مذہب کے مقلد نہ تھے۔ ان کے بعض اعمال کتب فقہ حنفیہ کے مطابق پڑ جاتے تھے' بعض اعمال دیگر مذہب کی کتابوں کے موافق ہو جاتے۔"

محدثین اور علمائے اہلحدیث کی تصنیفات جن میں احادیث نبویہ اور ان کے مطالب درج ہیں اور علمائے اہلحدیث کی وہ کتابیں جو کتب حدیث کی شروحات میں ہیں' جیسے:

(۱) فتح الباری۔

(۲) عون المعبود۔

(۳) تحفۃ الاحوذی' وغیرہا درسگاہوں میں موجود ہیں۔

عوام اہلحدیث' احکام شرعیہ اپنے علماء اہلحدیث سے بحکم: **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**۔ "اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔" پوچھ کر عمل کرتے ہیں۔ یہی عہد نبوی و عہد قرون ثلاثہ میں تعامل تھا۔ چنانچہ محترم ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے تاریخ اہلحدیث ص-۹۱ میں امام ابن حزم سے بحوالہ کتاب الفصل نقل کیا ہے

"اور اہل سنت جن کو ہم اہل حق کے نام سے یاد کریں گے اور ان کے مخالفین کو اہل باطل کے نام سے' وہ تو آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں اور خیار تابعین میں سے بھی جو ان کے طریق پر چلے وہ بھی اہل سنت ہیں اور

پھر اہلحدیث اور جو کوئی فقہاء میں سے ان کا پیرو ہو زمانہ بزمانہ ہمارے اس زمانہ تک اور عوام میں سے بھی جو کوئی ان کا پیرو ہوا' چاہے زمین کے مشرق میں ہے چاہے مغرب میں' ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔ یہ سب اہل سنت (اہلحدیث) ہیں۔"

پانچواں سوال: مسلک اہلحدیث کی فقہ مرتب و مدون صورت میں ہو تو بتائیں؟

جواب: مذاہب اربعہ کے مقلدین کی طرح اقوال الرجال و آراء اہل الرای کو کتابی صورت میں جمع کر کے اہل حدیث مذہب کے علماء نے کوئی ایسی کتب تیار نہیں کیں جنہیں درس گاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کر کے طلباء کو تعلیم دی گئی ہو۔ صرف علمائے محدثین کی مدون کردہ کتب حدیث کو کافی سمجھ کر داخل نصاب کیا گیا اور قواعد عربیہ صرف و نحو وغیرہ پڑھا کر کتاب اللہ اور کتب حدیث' خصوصاً صحاح ستہ کی تعلیم دینا ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ایک کتاب "تاریخ اہلحدیث" لکھی ہے' وہ اہلحدیث کی کتب فقہ کی بابت' (ص ۱۷۱ تا ص ۱۷۲ میں) یہ لکھتے ہیں "ایک اور بات بھی ہے کہ ہر فرقہ کے متاخرین نے احادیث نبویہ کو ملحوظ رکھنے کے بغیر اپنے امام و مقتدی کے اقوال کو اصول قرار دے کر ان پر تخریجات و تفریعات کا دروازہ کھول دیا ہے' جس سے عام علماء اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تخریجات بھی امام کے قول ہیں اور انہوں نے کتب فقہ کی ہر جزئی کو وحی آسمانی کی طرح سمجھ لیا۔" اس سے بخوبی روشن ہے کہ ائمہ کے اقوال کو حدیث کی طرح اصول قرار دیا گیا۔"

اس بحث کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ (حکایت باب ماقال الناس ص ۱۵۳ تا ۲۱۱ ملاحظہ ہو) لیکن اہلحدیث نے عملاً و اعتقاداً سرمو حدیث نبوی سے تجاوز نہیں کیا۔ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے نہ تو کسی امتی کی مخالفت کی (خواہ وہ کیسا ہی بزرگ اور برگزیدہ ہو) پرواہ کی اور نہ کسی ضعیف حدیث پر اپنے احتجاج کی بنیاد رکھی۔ اس کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہر فرقہ نے اپنے مذہب کے مخصوص مسائل کو مدون کیا اور ان کتابوں کو اپنے مذہب کی کتابیں قرار دیا اور ان کے خلاف دوسری کتابوں کو دوسرے مذہب سے منسوب کیا۔

لیکن اہلحدیث نے نہ تو کوئی مخصوص مسائل الگ کئے اور نہ ان میں تصنیف کر کے ان کتابوں کو اپنے فرقہ کی مخصوص کتابیں قرار دیا بلکہ ان کی ساری ہمت جمع حدیث نبویہ اور ان کی شرح و بیان اور تنقید و پڑتال میں خرچ ہوئی۔ گویا انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہی سمجھا کہ حدیث نبوی کی خدمت انجام دیں' اس کی اشاعت کریں' اقوال الرجال کی بجائے اقوال الرسول کو رواج دیں اور ہر ایسی کتاب سے الگ رہیں (خواہ ہدایہ ہو یا عالمگیری) جس میں حدیث نبوی کی مخالفت پائی جائے۔

ہمارے اس بیان پر کیا کوئی شخص ہمیں بتا سکتا ہے کہ اہل حدیث نے فلاں ایسی تصنیف کی ہے جو انہی سے مخصوص ہے اور دیگر فرقے بحیثیت آنحضرت ﷺ کے امتی ہونے کے اور باوجود حدیث نبوی کو اصول شرع تسلیم کرنے کے اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اللہ کے فضل سے ہر سعادت مند' صاحب عقل و دانش کو اہلحدیث کی طرف مائل کرے گا کہ: "رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم و تعمیل جیسی اس فرقہ کی نظر میں ہے کسی اور کی نظر میں نہیں ہے۔" پس یہی امر اہلحدیث کا خصوصی و امتیازی نشان ہے۔ جس نے ان کو حدیث نبوی کی طرف منسوب کرایا اور اس کا خادم بنا دیا۔" **اللّٰھم احینی فیھم وامتنی فیھم واحشرنی فی زمرتھم۔**

ان کے خلاف ہم ہر فرقے کی مخصوص کتابوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس فرقہ کی کتاب ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو اس سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے احادیث نبویہ کو بھی جمع کیا ہے تو بس اپنے دائرہ کی حد بندی کے لیے' جو احادیث اپنے مذہب کے خلاف پائیں ان کی تاویل کر دی اور اپنے مذہب کے موافق احادیث ضعیفہ اور آثار موقوفہ کی ایسی بھرمار کر دی کہ گویا ان لوگوں کے لیے جو علم حدیث میں فرومایہ ہیں روایات کا دریا بہا دیا ہے۔

غرض اس حیثیت سے کہ سنت آنحضرت ﷺ کو امام و مقتدی بنایا جائے' علم حدیث کی خدمت نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی کی عام اشاعت کے وقت بھی یہ لوگ علم سنت میں کم مایہ رہے۔ الا ماشاء اللہ۔ میں کہتا ہوں کہ متاخرین اہلحدیث میں سے کسی محدث اور عالم نے کوئی کتاب فقہ کی عربی' فارسی اور اردو وغیرہ میں لکھی

ہے تو اس میں بھی احادیث نبویہ لکھ کر ان کی تشریح کی اور مسائل کا استخراج کر کے عوام کی تفہیم کی گئی ہے۔ جیسے در رمضیہ' شرح در ر بیہ وغیرہ ہیں لیکن ان کو بھی داخل نصاب کر کے درس گاہوں میں نہیں رکھا گیا اور صرف صحاح ستہ پر ہی اکتفا کیا اور تفاسیر قرآن میں سے بھی وہ تفسیریں لی گئیں جن میں آیت کی تفسیر آیت سے یا حدیث سے یا اقوال صحابہ و تابعین وغیرہم سے پائی گئی' جیسے ابن کثیر' معالم' جلالین' خازن' جامع البیان' ابن جریر وغیرہ ہیں' فتذکروا۔

چھٹا سوال: کیا مرتب و مدون فقہ اہلحدیث پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا عامی کے لیے حنفی' شافعی بنے رہنے کے مترادف تو نہیں ہے؟ ایسے اہلحدیث اور مقلدین میں کیا فرق ہے؟ اور دوسری حالت میں اہلحدیث کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: سائل نے اب تک مذہب اہلحدیث کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ مسلک اہلحدیث میں اتباع وحی الٰہی مقصود ہے اور وحی دو قسم ہے۔ ایک' متلو اور مقرو اور معمول بہ ہے۔ دوم' وحی خفی۔ جو خفی طور پر حضرت جرائیل علیہ السلام لے کر آئے اور آنحضرت ﷺ کو سمجھا گئے۔ یا کوئی کام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے کیا تو اس بارہ میں وحی نازل نہ ہوئی اور وہ برقرار رکھا گیا۔ اس کو حدیث تقریری کہتے ہیں۔

بہرحال حدیث نبوی ﷺ بھی حکماً" وحی الٰہی ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱' ص ۴ میں ہے: **والسنة ایضا تنزل علیه کما ینزل بالقران الا انها لا تتلی کما یتلی القران۔** یعنی "حدیث بھی آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتی تھی جس طرح قرآن نازل ہوتا تھا۔ مگر یہ کہ حدیث کی تلاوت نماز وغیرہ میں اس طرح نہ ہوتی تھی جس طرح قرآن کی قرات اور تلاوت ہو رہی ہے۔"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اس طرح آئی ہے: "پس شریعت الٰہی قرآن و حدیث میں جمع ہے۔ بوقت ضرورت مسائل انہی سے لئے جاتے ہیں۔"

چنانچہ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: **لان الشریعة انما توخذ من الکتب والسنة۔** یعنی "شریعت قرآن و حدیث سے لی جاتی ہے۔"

پس خواص و عوام سب کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اصولاً" و فروعاً" و اعتقاداً" و عملاً" قرآن و حدیث پر قائم رہیں اور شرعی مسائل ان سے ہی اخذ کریں۔ کیونکہ یہ

وحی الٰہی ہیں جن کی اتباع پر ہم مامور ہیں۔ اتبعوا مآ انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیآء (الآیۃ) "اسی شریعت کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا غیروں کی پیروی نہ کرو۔"

پس قرآن و حدیث کی اتباع کرنا اور انہی پر ہمیشہ عمل کا دارومدار رکھنا عین حق و صواب ہے اور یہ فقہ حنفی پر عمل کر کے حنفی بنے رہنے یا شافعی پر عمل کر کے شافعی بنے رہنے کے ہرگز مترادف نہیں ہے بلکہ دونوں کے عمل میں صریح تباین ہے کیونکہ یہ مذاہب تقلید شخصی پر مبنی ہیں اور تقلید شخصی اور تعیین مذاہب اربعہ کی چہارم صدی میں ہوئی ہے "بدعت سیہ" ہے اور شریعت الٰہیہ سے خارج ہے اور اس آیت کے مصداق ہے۔ ام لھم شرکاء شرعوالھم من الدین مالم یاذن بہ اللّٰہ۔ "کیا ان کے واسطے ایسے شریک ہیں جنھوں نے دین میں ان کے لیے ایسی شریعت مقرر کر دی جس کا اللہ تعالٰی نے اذن نہیں دیا۔"

اعلام الموقعین جلد۔۱' ص۔۲۲۲ میں ہے: انما حدثت ھذہ البدعۃ فی القرن الرابع المذمومۃ علٰی لسانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ "تقلید شخصی کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس کی مذمت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی ہے۔"

پہلے تمام ائمہ مجتہدین میں سے چار کا انتخاب کرنا پھر چار میں سے ہر فریق کا ایک ایک امام پر قبضہ جما کر اس کے نام پر مذہب مقرر کرنا اور پھر اس کا التزام کرنا' یہ ایسی بری بدعت ہے جس کا ثبوت نہ ادلہ شرعیہ سے ہے اور نہ قرون ثلاثہ مشہودلہا بالخیر سے پا گیا ہے۔ اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو جنھوں نے مذہب معین کا التزام کر کے اپنے امام کی فقہ پر عمل کیا وہ صحیح راہ چھوڑ کر اہل بدعت میں شمار ہوئے۔

معیار الحق میں یہ شعر درج ہے جو بالکل حق ہے:۔

فاھرب عن التقلید فھو ضلالۃ
ان المقلد فی سبیل الھالکی

نور الہدایہ ص۔۱۱ میں شرح عین العلم سے نقل کیا ہے: فلو التزم احد مذھبا

کابی حنیفة والشافعی فلزم علیه الاستمرار فلا یقلد غیره فی مسئلة من المسائل- "اگر ائمہ میں سے کسی ایک مذہب کا التزام کر لیا مثلاً امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کا تو اس پر لازم ہے کہ ہمیشہ اس مذہب پر قائم رہے- اس امام کے سوا کسی کا مسئلہ نہ مانے-"

تفسیر احمدی میں ہے: اذا التزم مذهبا یجب علیه ان یدوم علی مذهب التزمه ولا ینتقل عنه الیٰ مذهب آخر- "جب ایک مذہب کا التزام کر لیا تو اس پر ہمیشہ قائم رہنا واجب ہوا اور وہ غیر مذہب کی طرف انتقال نہ کرے-"

اس طرح سے چار اماموں کے نام سے چار چار مذہب مقرر ہو کر ان کا التزام ہوا پھر چار مذہبوں کی فقہ تیار ہوئی اور ہر مقلد کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے مذہب کے دائرے میں مقید رہے پھر چار مصلے مقرر ہوئے- یہ سب امور اسلام میں بدعت قرار دیئے گئے اور موجب تفرقہ ٹھہرے جو صریح گمراہی ہے-

دین حق را چهار مذهب ساختند
رخنه در دین نبی اند اختند

یہ چار مذہب' چار فرقوں کی چار شریعتیں ہیں جو باہم اصولاً" و فروعاً" متضاد ہیں- اہل حدیث ان تمام تقلیدی شریعتوں سے علیحدہ ہو کر شریعت محمدیہ پر قائم ہیں اور وہ قرآن و حدیث میں موجود ہے جو خطاب شارع ہے-

توضیح تلویح میں ہے: الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع- "شریعت خطاب شارع کا نام ہے-" اور نورالانوار ص-۶ میں ہے: والاولیٰ ان یکون الشرع اسما للدین فلا یحتاج الی التاویل- "شرع نام ہے دین کا جو تاویل کا محتاج نہیں ہے-"

مراد دین سے دین رسول ہے اور وہی شریعت کے نام سے موسوم ہے- پس اہل حدیث کے مسلک پر قرآن و حدیث سے مسائل لینا شریعت محمدیہ پر عمل کرنا ہے- اور کتب فقہ حنفیہ میں سے اقوال الرجال لینا اور ایک مذہب حنفی کا التزام کرنا تشریع شرع جدید ہے کیونکہ ایک مذہب تمام احادیث نبویہ پر حاوی نہیں ہے- چنانچہ کشف الغمہ ص-۱۳ میں امام شعرانی فرماتے ہیں: والمذهب الواحد بلاشک لا یحتوی علیٰ کل

احادیث الشریعۃ۔ "ایک معین مذہب تمام احادیث شریعت پر حاوی نہیں ہے۔"

جب تمام احادیث پر ایک مذہب نہ ہوا تو جن مسائل پر احادیث اس مذہب میں نہ ہوئیں وہاں ان کو رائے' قیاس سے کام لینا پڑے گا۔ جب رائے قیاس ایک مذہب کی لے کر اس کا التزام کیا تو یہ شرع جدید بن گئی جو بغیر اذن الٰہی کے مقرر ہوئی۔ پس یہ سراسر گمراہی ہے۔

مسلم الثبوت مع شرح بحرالعلوم ص۔۶۲۸ میں ہے: اذلا واجب الا ما اوجبه الله تعالیٰ والحکم له ولم یوجب علی احد ان یتمذهب بمذهب رجل من الائمة فایجابه تشریع جدید۔ "نہیں ہے واجب کوئی چیز مگر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہو کیونکہ حکم اسی کا جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر واجب نہیں کیا ہے کہ اماموں میں سے کسی ایک امام کا مذہب پکڑو۔ پس اس کو واجب ٹھہرانا اسلام میں نئی شرع نکالنا ہے۔"

کتاب شرح عین العلم میں ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: ومن المعلوم ان الله سبحانه وتعالیٰ ماکلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفهم ان یعملوا بالسنة۔ "یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی بن جاؤ بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ وہ سنت نبوی پر عمل کرتے رہیں۔"

اس لیے ولی کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں ہوا بلکہ عامل بالسنہ ولی ہوا ہے اور جن کو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ فلاں حنفی تھا وہ ولی تھا' یہ خوش عقیدگی سے مشہور کیا گیا ہے۔ ولایت کا پتہ قیامت کو ملے گا کہ کون ولی ہے؟ میزان شعرانی جلد۔۱' ص۔۱۰ میں امام شافعی کا فرمان ہے: خذوا علیکم من حیث اخذه الائمة ولا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرة۔ "شرعی علم اس جگہ سے لو جہاں سے ائمہ دین نے لیا ہے اور تم تقلید پر قناعت نہ کرو یہ تو اندھا پن ہے۔"

جب تقلید بصیرت میں اندھا پن ہے تو مقلد ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ مقلد کا مسلک یہ ہے کہ اپنے مذہب کے خلاف جو حدیث ہو وہ رد کی جائے اس کو قبول نہ کیا جائے اور امام کے قول کو رد نہ کیا جائے کہ یہ موجب لعنت ہے۔ چنانچہ ان کا یہ شعر مشہور

فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفة
"جو شخص ابوحنیفہ کا قول رد کرے گا اس پر ریت کے
ذروں برابر لعنت ہے۔ (درمختار)

ہمارے نزدیک ایسا شخص جو قول امام کے مقابلہ میں حدیث رسول رد کر دے وہ مسلمان نہیں ہے۔ آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ اس کی دلیل ہے۔ اور منح الازہر مصنفہ ملا علی قاری میں ہے: فی الخلاصة من رد حدیثا قال بعض مشائخنا یکفر۔ یعنی خلاصہ میں لکھا ہے کہ جس شخص نے حدیث رسول کو رد کر دیا تو ہمارے بعض مشائخ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ کافر ہوا۔

جب مقلد تقلید شخصی پر جمود رکھنے والا اور حدیث رسول کو رد کرنے والا مسلمان نہ ہوا تو ولی کیسے ہو سکتا ہے۔ میزان شعرانی ص۔۲۳ میں ہے: لا یکمل لمومن العمل بالشریعة کلھا وھو مقلد بمذھب واحد۔ یعنی "مومن کا عمل تمام شریعت محمدیہ پر کبھی نہیں ہو سکتا جب کہ وہ ایک مذہب کا مقلد بنا رہے۔"

میزان شعرانی ص۔۲۰ میں ہے: ان الولی الکامل لا یکون مقلدا انما یاخذ علما من العین التی اخذ منھا المجتھدون یعنی "مقلد شخص ولی کامل نہیں ہوا کرتا۔ ولی اس چشمہ سے علم حاصل کرتا ہے جہاں سے مجتہدین نے حاصل کیا ہوتا ہے۔" اسی طرح ہر عالم کا یہ کام ہے کہ مسائل کو نصوص کتاب و سنت سے اخذ کرے۔

ردالمختار عرف شامی کے ص۔۷۷ میں ہے: العالم الذی یعرف معنی النصوص والاخبار وھو من اھل الدرایة یحوز له ان یعمل علیھا وان کان مخالفا لمذھبه۔ یعنی "وہ عالم شخص جو قرآن و حدیث کے معانی جانتا ہے وہ اہل درایت سے ہے۔ اس کو اپنی درایت پر عمل کرنا جائز ہے۔ خواہ اس کے مذہب کے خلاف پڑے۔"

اب سائل کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اہلحدیث مسلک کتاب و سنت کے نصوص پر حسب درایت عمل کرنا ہے اور مقلد حنفی کا اپنی کتب فقہ کے اقوال اہل رائے پر عمل کرنا مسلک ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اب اس کی مثال یوں سمجھئے

کہ اہل حدیث نے ایک حدیث میں یوں پڑھا انما الماء طھور یعنی پانی پاک کنندہ ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو کتاب و سنت نے اس کے قائم مقام مٹی کو ٹھہرایا ہے۔ مثلاً ہاتھ میں نجاست لگ گئی اور جنگل میں تھا' وہاں پانی نہ ملا تو ہاتھ کو مٹی پر گھس دیا' خوب مل دیا پھر پانی ملا تو دھو لیا۔

حنفی مقلد نے بہشتی زیور پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "جس عضو پر نجاست لگی ہو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہو جاتا ہے۔" منیة المصلی اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ یہ قیاس ہے کسی روایت یا حدیث سے اس طرح چاٹنے سے پاک ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ عضو بھی ناپاک رہے گا اور منہ بھی ناپاک ہو جائے گا۔ ایسے مقلد کی حالت قابل رحم ہے۔ اس سے حدیث پر عمل کرنے اور فقہ پر عمل کرنے کا فرق ظاہر ہوا۔ پس عمل بالحدیث کے مسلک اور عمل بالفقہ کے مسلک میں فرق ظاہر ہے۔

اسی طرح اہلحدیث نے یہ حدیث پڑھی کہ: خرج عمر علی الناس فقال احرج علیکم ان تسئلونا عما لم یکن فان لنا فیما کان شغلا - (ترجمان السنہ جلد-۱' ص-۲۹) "حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے اور ان کو یہ ہدایت کی کہ تمہارے پر سخت جرح تصور کر رہا ہوں کہ تم ہم سے ایسے مسائل دریافت کرو جن کی ضرورت پیش نہیں آئی اور کوئی حادثہ نہیں ہوا۔"

ہم کو تو موجودہ مسائل پیش آمدہ سے ہی فرصت نہیں کہ ان کے غور و فکر میں مشغول ہیں۔ پس اس بنا پر اہلحدیث بغیر کسی معاملہ اور صورت پیش آنے کے کوئی مسئلہ فرضی نہیں کہتے اور نہ ہی لکھتے ہیں۔

لیکن کتب فقہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ان میں اکثر فرضی مسائل درج ہیں جن کا کوئی وقوع نہیں ہوا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ کسی مغربی شخص نے مشرقیہ عورت سے نکاح کیا اور ان میں رخصتی نہیں ہوئی' درمیان میں چھ ماہ کا فاصلہ تھا۔ پھر بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ اس مغربی شخص کا قرار پائے گا۔ یہ واقعہ کہیں نہیں ہوا تو فرض مسئلہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

اسی طرح ایک اہلحدیث نے کسی حدیث میں یہ پڑھا کہ "اگر محرمات ابدیہ میں

سے کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی حد یہ ہے کہ اس کو قتل کر دو۔" ایک امیر شریعت ایسے موقع پر حد جاری کرے گا لیکن ایک حنفی نے ہدایہ وغیرہ کتابوں میں پڑھا کہ "اگر محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے جماع کرے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ صرف تعزیر ہے اور اس سے جو اولاد ہو گی وہ صحیح النسب ہو گی کیونکہ محرمات ابدیہ بنات آدمؑ سے ہیں جو قابل اولاد اور محل نکاح ہیں۔ اس لیے اس سے نکاح کرنے سے زنا تصور نہ کیا جائے گا اور حد زنا ساقط ہے۔"

مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اولہ کاملہ میں اس مسئلہ کو خوب علم سے ثابت کیا ہے اور علم فقہ کے دریا بہا دیئے ہیں۔ پس عامل بالحدیث اور عامل فقہ میں فرق ظاہر ہے۔ موجودہ کتب فقہ کے پڑھنے اور پڑھانے سے بچنا چاہیے۔ ان میں کتاب و سنت کے خلاف مسائل پائے جاتے ہیں اور صرف کتاب و سنت پر اپنے عقیدہ اور عمل کا دارومدار رکھنا چاہیے۔ اس میں نجات ہے اور ان سے باہر گمراہی ہے۔ ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد۔۱۹' شمارہ۔۴۰' ۴۲' ۴۳' ۴۴ بمطابق ۱۰ و ۲۳ و ۳۱ مارچ و ۷ر اپریل سنہ۔۱۹۶۷ء

علماء اہلحدیث سے چند ضروری سوالات

(۱) اہلحدیث فرقہ ہے یا نہیں اور فرقہ کی کیا تعریف ہے؟

(۲) اہلحدیث کی دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں کیا امتیازی حیثیت ہے؟

(۳) فرقہ اہلحدیث پر "لا تزال طائفة من أمتي على الحق منصورين الى يوم القيامة" صادق ہے یا نہیں؟ طائفہ اور فرقہ میں کیا نسبت ہے؟

(۴) اہلحدیث کا لقب اہلحدیث کس سن ہجری میں رکھا گیا اور کیوں رکھا گیا؟ اور یہ لقب جماعت محدثین کا تھا یا فرقہ کی حیثیت سے ایک مذہبی جماعت کا تھا؟

(۵) اس لقب اہلحدیث نے جو ایک امتیازی لقب ہے من حیث اللقب کسی فرقہ کی صورت اختیار کی ہے یا نہیں؟

(٦) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہبی لقب کیا تھا؟ اب اس لقب مذہبی کو کیوں چھوڑا گیا اور یہ جدید لقب امتیازی کیوں اختیار کیا گیا؟

(۷) کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ لقب اہلحدیث بھی دوسرے القاب مذہبی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی کی طرح نہیں ہے؟ جو آج کل شعار مذہب بنے ہوئے ہیں؟

(۸) اہل سنت اور اہلحدیث میں کیا نسبت ہے اور اہلحدیث اپنے آپ کو خصوصی طور سے اہلحدیث کیوں کہتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مسلم امت کا لقب رکھا گیا ہے؟

(۹) اہلحدیث کا نصب العین کیا ہے؟

(۱۰) اہلحدیث کے نزدیک ائمہ اربعہ کے مذاہب فرقہ ناجیہ کے افراد ہیں یا نہیں؟ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

(نوٹ) مولانا مولوی حافظ عبدالستار صاحب دہلوی امام جماعت غرباء اہلحدیث کراچی، مولانا مولوی عبدالقادر صاحب حصاروی، مولانا محمد یوسف صاحب کلکتوی کراچی، مولانا مولوی سید محمد داؤد صاحب غزنوی صدر جمعیت اہلحدیث پاکستان، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی، مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ ناظم جمعیت اہلحدیث پاکستان خاص طور سے میرے مخاطب ہیں۔ امید ہے کہ آپ حضرات میرے سوالات پر توجہ فرمائیں گے، محض احقاق حق کیلئے یہ

سوالات کیے گئے ہیں' اعتراض کرنا میرا مقصود نہیں ہے' فقط
(از جناب مولانا محمد صدیق صاحب کشمیری مدرسہ دارالحدیث اوکاڑہ)

صحیفہ اہلحدیث مورخہ ۱۵ شوال سنہ۔ ۱۳۷۴ھ

چند صدیقی سوالات کے جوابات

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول میں نے کچھ چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

محترم مولوی محمد صدیق صاحب و حضرات ناظرین! صحیفہ مطبوعہ ۱۵/ شوال سنہ ۱۴۰۷ھ جلد ۳۵، شمارہ ۲۰ میں چند سوالات ص ۸ پر درج ہیں جن کو ضروری قرار دے کر اکابر علماء محققین سے خطاب کیا گیا ہے کہ وہ ان کے جوابات تحریر کر کے احقاق حق فرمائیں۔

جو شمع صفت حق پہ پروانہ ہو
لبریز نشاط اس کا پیمانہ ہو

مولانا محمد صدیق صاحب سلمہ ربہ نے اکابر علمائے اہلحدیث کے اسمائے گرامی تحریر فرماتے ہوئے برِبنائے حسن ظن اس خادم العلماء کا نام بھی درج کر دیا ہے، حالانکہ من آنم کہ من دانم۔

نہ محقق بود نہ دانش مند
دو پائے بر او کتابے چند

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ۔

أحب العالمين ولست منهم
لعل الله يرزقني علما

کمترین ـــــ کو ایسے مذہبی سوالات اور جوابات کا بڑا شوق و ذوق رہا ہے لیکن اس انقلاب معروف کے بعد پریشانیوں سے دماغ بیکار ہو گیا۔ نہ اب وہ فہم سلیم رہا اور نہ سامان کتب دینیہ رہا۔

ہم کو ماحول کے صدمات سے فرصت ہی نہیں
آپ رنگینی افکار طلب کرتے ہیں

لیکن مجھے تو محمد صدیق صاحب (جو اخی فی کتاب اللہ و دینہ ہیں) کے مذہبی سوالات کا دل میں احساس ہے۔ اس لیے جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

گر نہ ہو انسان کا درد انسان میں
کیا ہو فرق انسان اور حیوان میں

اگرچہ موجودہ فرقہ بندی کے اندھیر میں اور فتنہ اختلاف کے طوفان میں ان سوالات کے جوابات محققانہ مشکل ہیں لیکن۔

خدارا جو ہو جائے تھوڑی توجہ
تو مشکل کا حل کوئی مشکل نہیں

بہرکیف نمبروار جوابات معروض ہیں۔ فاقول مستعینا باللہ وطالبا منہ التوفیق لاصابۃ الصواب فی الجواب۔

پہلا سوال ـــــ اہل حدیث فرقہ ہے یا نہیں اور فرقہ کی کیا تعریف ہے؟

جواب اہل حدیث بھی فرقہ ہے لیکن فرقہ ناجیہ ہے۔ (جیسے معجم صغیر طبرانی میں حدیث افتراق امت وارد ہے کہ قالو وماھی تلک الفرقۃ کہ وہ فرقہ ناجیہ کون سا ہے؟ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ماانا علیہ الیوم واصحابی (ص۔۱۵۰) کہ جس پر آج کے دن میں اور میرے اصحاب ہیں) ابن عساکر اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ فھم ان شآء اللہ تعالیٰ الفرقۃ الناجیۃ جعلنا اللہ منھم وحشرنا فی زمرتھم امین (جواہر البخاری ص۔۱۴ مصری)

غنیۃ الطالبین جلد۔۱، ص۔۷۵ میں ہے کہ واما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل الحدیث (منقول از تاریخ اہل حدیث مدنی ص۔۹۵) غنیۃ الطالبین جلد اول، مطبوعہ مصر ص۔۹۵ میں ہے کہ اما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ وما اسمھم الا اھل الحدیث۔

حافظ خطیب بغدادی نے "شرف اصحاب الحدیث" میں باسنادہ امام ابوالحسن محمد بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رویاء صالحہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے خواب میں جناب نبی کریم ﷺ کی زیارت کی تو دریافت کیا کہ من الفرقۃ الناجیۃ

من ثلاث وسبعین فرقۃ؟ قال انتم یااصحاب الحدیث یعنی حضور! تہتر (۷۳) فرقوں میں سے کون سا فرقہ نجات پانے والا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تم ہو اے اہل حدیثو!

ابن المفلح کی آداب الشرعیہ ص-۷-۲۳ اور علامہ خطیب بغداد کی شرف اصحاب الحدیث ص-۱۴ میں ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے اس حدیث کی تفسیر پوچھی گئی کہ تفترق امتی علٰی ثلث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا فرقۃ واحدۃ- من ھی واحدہ؟ فقال ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم؟ یعنی میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے' صرف ایک فرقہ نجات پائے گا' وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ امام احمد نے فرمایا کہ اگر اہل حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟

اس تصریح سے دو چیزیں ثابت ہو گئی ہیں- ایک یہ کہ اہل حدیث پر فرقہ کا اطلاق صحیح ہے- دوم یہ کہ فرقہ ناجیہ اہل حدیث ہی ہے- فرقہ کی کوئی خاص اصطلاحی تعریف نہیں ہے- وہی تعریف ہے جو لغوی اور عرفی ہے یعنی آدمیوں کا ایک گروہ اور لوگوں کی ایک جماعت- اس کی جمع فرق ہے- (مصباح اللغات) لفظ فرقہ کا اطلاق اہل حق اور اہل باطل ہر دو گروہوں پر وارد ہے- کیونکہ ہر ایک اپنے اصول عقائد اور اعمال سے ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ ہوتا ہے یا اور امتیازی حیثیت سے جیسے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ یعنی اللہ تعالٰی نے انسانوں کے دو فرقے بنا دیئے (ایک عرب دوم عجم) پس مجھے اللہ تعالٰی نے بہتر فرقے میں پیدا کیا (جو عرب ہے)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث فرقہ نہیں ہے وہ غلط کہتے ہیں- ان کا نظریہ یہ ہے کہ فرقہ وہ ہے جو صراط مستقیم اور اہل حق سے جدا ہوا- حالانکہ یہ تعریف معقول نہیں ہے- فرقہ لوگوں کی ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو دوسرے لوگوں سے امتیازی حیثیت سے جدا ہو- اہل حدیث بھی اپنے عقائد اور اعمال کی رو سے گمراہ فرقوں سے ممتاز اور علیحدہ ہیں- لہٰذا یہ بھی فرقہ ہیں اور فرقہ کا اطلاق ان پر آیا ہے' فتدبر- ہاں اگر میرا علم ناقص ہے تو کوئی کامل العلم فرقہ کی کوئی دیگر تعریف پیش کرے' احسان ہو گا- فلہ الفضل-

قرآن مجید میں ہے کہ **وفوق کل ذی علم علیم** یعنی ہر عالم پر عالم موجود ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ہر تین ایک فرقہ ہیں۔ اس سے کم فرقہ نہیں اور طائفہ کا اطلاق ایک پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن میں "**فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفه** (الآیہ) فرمایا ہے۔ اس سے خبر واحد کے حجت ہونے کی دلیل پیش کی ہے اور نماز خوف میں **فلتقم طائفة منهم** سے کم از کم تین مراد ہو سکتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک یا ایک سے زائد طائفہ ہیں۔ عطاء نے کہا کہ دو کم سے کم طائفہ ہے اور مجاہد نے کہا کہ ایک سے ہزار تک طائفہ ہے۔ زجاج نے کہا کہ میرے نزدیک افضل طائفہ دو ہی ہیں۔

دوسرا سوال ـــــ اہل حدیث کی دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں کیا امتیازی حیثیت ہے؟

جواب دیگر فرقوں کے مقابلہ میں اہل حدیث کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور عملیات کا بغیر کسی کی تقلید کے کتاب و سنت پر دارومدار رکھتے ہیں اور اپنے اعمال کو تعامل صحابہ کے موافق کرتے ہیں۔

اصل دیں آمد مسلماں را قرآں
پس حدیث سرور پیغمبراں
پس ازاں اجماع اہل اجتہاد
از صحابہ سید خیر العباد
بعد ازاں اجماع جملہ تابعین
رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

شیخ الشائخ حضرت محبوب سبحانی **غنیة الطالبین** ص-۸۳۶ میں مبتدی کو اعتقاد صحیح بتلا کر فرماتے ہیں کہ **فعلیه التمسک بالکتاب والسنة والعمل بهما امرا و نهیا اصلا و فرعا فیجعل هما جناحیه یطیر بهما فی الطریق الواصل الی الله عزوجل** یعنی قرآن و حدیث کو لازم پکڑ لے اور ہر امرونہی اصل و فرع میں انہیں پر عمل کر اور کتاب و سنت کو اپنے دو بازو بنا کر ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پرواز کر کے اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جا!

فتوح الغیب میں حضرت جیلانی فرماتے ہیں کہ واجعل الکتاب والسنۃ اما مالک وانظر فیھما بتامل وتدبر واعمل بھما ولا تغتر بالقال والقیل والھوس یعنی قرآن و حدیث کو اپنا پیشوا بنا لے اور انہیں ہر دو میں نظر رکھ اور غور و فکر کرتا رہ اور ان پر ہی عامل ہو اور لوگوں کی چال اور قیل و قال سے دھوکا نہ کھا۔

جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ جلد-۱' ص-۱۵۲ میں قرون مشہود لہا بالخیر کا تعامل بیان فرماتے ہیں کہ وہ صاحب شرع کے بغیر کسی کی پیروی نہ کرتے تھے (پھر اہل حدیث کا طرز عمل بیان کرتے ہیں) ان میں سے اہل حدیث تو حدیث نبوی سے مشتغل ہوتے تھے۔ پس ان کو آنحضرت ﷺ کی ایسی خالص احادیث یا صحابہ کے ایسے خالص آثار مل جاتے جن کے ہوتے وہ اس مسئلہ میں کسی اور شے کے محتاج نہ رہتے یا تو وہ حدیث مشہور ہوئی یا ایسی صحیح جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہوتا اور اس کو ترک کرنے والے کا کوئی عذر باقی نہ رہتا یا جمہور صحابہ کے وہ اقوال جو ایک دوسروں کے موید ہوں جن کی مخالفت مستحسن نہیں۔ اگر روایت نہ پاتے تو کسی اوثق کے فتویٰ کو اختیار کرتے۔

امام ابن حزم مجدد قرن خامس محلی جلد-۱' ص-۵۰ میں فرماتے ہیں کہ دین الاسلام اللازم لکل احد لا یؤخذ الا من القرآن او مما صح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بروایۃ جمیع علمآء الامۃ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو الاجماع واما بنقل جماعۃ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ولا مزید یعنی "دین اسلام جس پر ہر ایک کے لیے عقیدہ و عمل رکھنا لازم ہے' وہ قرآن سے حاصل کیا جاتا ہے یا ان احادیث سے جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہو چکی ہیں' خواہ تمام علماء امت کی روایت سے یہ تو اجماعی صورت ہے یا یہ کہ آنحضرت ﷺ سے ایک جماعت نے نقل کیا ہو۔ یہ بھی نقل تمام کی متصور ہے یا ثقہ راویوں نے ایک سے دوسرے تک نقل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ تک پہنچا دیا ہو۔"

مولوی اشرف علی صاحب حنفی دیوبندی جو اکابر علماء دیوبند سے ہیں اور حکیم الامت کے نام سے تعبیر کیے جاتے ہیں' وہ اپنی کتاب بوادر النوادر جلد-۲' ص-۴۴۳ میں فرماتے ہیں کہ "اہلحدیث وہ جماعت ہے جو حدیث قولی و فعلی آنحضرت ﷺ کو شرعا

حجت سمجھے اور بوقت نہ ملنے حدیث نبوی ﷺ کے آثار صحابہ کو حجت جانے۔" یہی فرقہ ناجیہ کی تعریف ہے۔ چنانچہ حدیث افتراق امت کا آخری جملہ ما انا علیہ واصحابی اس پر شاہد عدل ہے' فتذکر!

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: لان الشریعة انما توخذ من الکتاب والسنة یعنی شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

تیسرا سوال —— فرقہ اہلحدیث پر لا نزال طائفة من امتی علی الحق منصورین الی یوم القیمة صادق ہے یا نہیں؟ طائفہ اور فرقہ میں کیا نسبت ہے؟

جواب فرقہ اہلحدیث پر حدیث لاتزال طائفة من امتی علی الحق منصورین الی یوم القیمة یعنی ہمیشہ میری امت پر سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا تا قیامت اور وہ اللہ کی طرف سے مدد کیا جائے گا' بالکل لفظ بلفظ صادق ہے۔

حجتہ اللہ مصری ص-۱۵۳ جلد اول میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فان للہ طائفة من عبادہ لایضرھم من خذلھم وھم حجة اللہ فی الارض یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک گروہ ہے جن کو وہ شخص جو ان کا ساتھ چھوڑ دے کبھی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور وہ زمین میں اللہ کی حجت ہے۔

یعنی امت محمدیہ متفرق ہو کر گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی لیکن ایک گروہ ان میں سے ہمیشہ قیامت تک حق پر رہے گا۔ جن میں شریعت محمدیہ بعینہ باقی رہے گی جس میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ دین الٰہی منزل من السماء قائم رہے اور لوگوں پر حجت پوری ہوتی رہے۔ چونکہ وہ شریعت بلا کمی و بیشی کے اہل حدیث کے پاس بصورت کتاب و سنت موجود ہے اس لیے اس طائفہ سے مراد اہلحدیث ہی ہیں۔

ترمذی جلد-۲' ص-۴۲ میں ہے کہ قال محمد بن اسماعیل قال علی بن المدینی ھم اصحاب الحدیث یعنی امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی کا ارشاد ہے کہ وہ گروہ اہل حدیث ہے۔

فتح الباری میں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر اس سے مراد اہل حدیث نہیں

تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ وہ ہیں کون؟ پیر جیلانی غنیہ میں فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث ہیں۔ کتاب الفصل جلد۔۲، ص۔۱۱۳ میں ہے کہ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اہل سنت جن کو ہم اہل حق کے نام سے یاد کریں گے اور ان کے ماسوا کو باطل کہیں گے۔ پس وہ صحابہ کرام ہیں اور خیار تابعین میں سے ہر وہ شخص جو ان کے طریقے پر چلا، پھر اصحاب الحدیث ہیں۔

مفتاح الجنتہ للسیوطی ص۔۴۸ میں حضرت عبداللہ بن مبارک جو تابعین سے ہیں، فرماتے ہیں کہ "هم اهل الحديث" کہ وہ طائفہ منصورہ اہل حدیث ہے۔ شیخ احمد بن سنان محدث جلیل القدر نے کہا ہے کہ وہ طائفہ اہل حدیث کا ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث ص۔۲۷)

یہ تو علماء متقدمین کی شہادات ہیں۔ باقی ان کے عقائد اور اعمال سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتاب و سنت پر اپنا دارومدار رکھتے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ لفظ طائفہ جس کی جمع طوائف ہے۔ ایک گروہ کو کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام منہاج السنہ جلد۔۳، ص۔۲۱ میں فرماتے ہیں کہ ثم بعد ذلك اختلاف اهل الحديث وهم اقل الطوائف اختلافا فى اصولهم لان ميراثهم من النبوة اعظم من ميراث غيرهم یعنی اس کے بعد اہلحدیث کا اختلاف ہے جو سب فرقوں سے کم اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ ان کو علمی وراثت ملی ہے۔ وہ نبوۃ سے ملی ہے جو دوسروں کی وراثت سے بہت عظیم ہے۔ اس میں لفظ طوائف دیگر فرقوں پر بولا گیا ہے اور حدیث لا تزال میں گروہ ناجیہ پر طائفہ کا اطلاق وارد ہے۔

اور ابوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ ایک شخص جس کی آنکھ میں کچھ نقص تھا، مسجد میں آیا۔ آنحضور ﷺ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ مسجد میں ایک گڑھا تھا جس میں وہ گر پڑا فضحكت طوائف منهم یعنی ان صحابہ میں سے کئی لوگ ہنس پڑے جن کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا گیا۔ اس حدیث میں بھی طوائف کا اطلاق ایک گروہ پر آیا ہے۔ جیسے سورہ توبہ میں ہے: فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستاذنوك للخروج اور سورہ آل عمران میں ہے: يغشى طائفة منكم وطائفة قد اهمتهم انفسهم يظنون بالله غيرالحق اور سورہ حجرات میں ہے: وان طائفتان من

المومنين اقتتلوا فاصلحو بينهما۔
ان سب آیات میں طائفہ بمعنی گروہ ہے اور فرقہ سے مراد بھی گروہ ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس کی کوئی خاص اصطلاح میری نظر سے نہیں گزری۔ اگر کوئی خاص فرق طائفہ اور فرقہ میں ہے تو بتایا جائے۔ نیز طائفہ کا لفظ زمین کے ایک قطعہ پر بھی بولا جاتا ہے جیسے طائفة طيبة قبلت الماء۔

من ادعیٰ فعليه البيان بالبرهان

چوتھا سوال —— اہلحدیث کا لقب اہلحدیث کس سن ہجری میں اور کیوں رکھا گیا اور یہ لقب جماعت محدثین کا تھا یا فرقہ کی حیثیت سے ایک مذہبی جماعت کا تھا؟

جواب لفظ اہلحدیث دو معنوں میں استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔ ایک معنی علمی اور وصفی۔ اس معنی کے رو سے اس لقب کی مصداق جماعت محدثین' ماہرین اہلحدیث ہے۔ دوسرا معنی عملی اور مذہبی اس کا استعمال حدیث پر عمل و عقیدہ رکھنے والوں کے حق میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ علماء محدثین ہوں یا عوام ہوں۔ پس اہل حدیث وہ ہے جو اصول اہل حدیث کا قائل ہو اور اعتقاداً و عملاً بطور التزام ان کا خلاف نہ کرے۔ خواہ ماہرین بالحدیث ہوں یا عاملین بالحدیث' سب اس میں شامل ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث سے مراد کتب متقدمین میں گروہ محدثین ہے اور اہلحدیث فرقہ مراد نہیں ہے وہ تحقیق حق اور فہم سلیم سے قاصر ہیں کیونکہ گزشتہ حوالہ جات میں گذر چکا ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل حدیث ہے اور وہ اہلسنّت کو کہتے ہیں۔

پیر جیلانی غنیہ میں فرماتے ہیں کہ ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث یعنی ان کا نام ایک ہی اہل حدیث ہے اور یہ اہلسنّت کا مترادف ہے۔ چنانچہ شاہ جیلانی فرماتے ہیں: واما الفرقة الناجية فهى اهل السنة والجماعة۔ پھر فرماتے ہیں: فاهل السنة طائفة واحدة کہ اہل سنت ایک ہی گروہ ہے۔ (چار نہیں ہیں) پھر فرماتے ہیں کہ وهو اصحاب الحديث اور وہ اہلحدیث ہیں۔ پھر اہل سنت کی تعریف کی ہے: فالسنة ماسنه رسول الله صلى الله عليه وسلم والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم یعنی سنت سے مراد طریقہ نبویہ ہے اور جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت' یعنی اہل السنة والجماعة وہ ہی ہے جو طریقہ نبویہ پر

صحابہ کرام کی طرح قائم ہو۔ یہی تعریف اہل حدیث کی ہے۔

پھر اہل حدیث کے لفظ کو محدثین ماہرین کے ساتھ خاص کرنا تحکم ہے۔ شرح مسلم نووی جلد۔۲' ص۔۱۴۳ میں ہے کہ **قال القاضی عیاض انما اراد احمد اهل السنة والجماعة ومن یعتقد مذهب اهل الحدیث** یعنی "امام احمد رحمہ اللہ کی مراد کہ طائفہ منصورہ سے مراد اہل حدیث ہیں۔ اہل سنت والجماعت اور مذہب اہلحدیث کا عقیدہ رکھنے والے لوگ ہیں۔" قاضی عیاض سنہ۔۴۷۶ھ میں پیدا ہوئے تو اس وقت مذہب اہل حدیث رکھنے والے لوگ تھے۔ امام عبداللہ ابن مبارک نے طائفہ اہل حق سے مراد اہلحدیث بتلائے ہیں' **کمامر**۔

تو تابعین کے وقت میں اہلحدیث کا اس نام سے ملقب ہونا ثابت ہوا۔ نیز شامی شرح درمختار جلد۔۳' ص۔۲۹۳ میں ہے۔ روایت ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی کے عہد میں ایک حنفی نے ایک اہلحدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اس نے انکار کر دیا الّا اس شرط سے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے (سورہ فاتحہ) پڑھا کرے اور رفع یدین بھی کیا کرے اور دیگر امور اہلحدیث کی طرح کر کے اہلحدیث ہو جائے۔ پس اس حنفی نے یہ بات منظور کر لی اور اس کو اس اہلحدیث نے اپنی لڑکی کا رشتہ دے دیا۔

الفوائد البہیہ ص۔۱۲ میں ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی امام محمد کے ایک واسطہ سے شاگرد ہیں اور تیسری صدی میں ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیسری صدی میں اہلحدیث گروہ موجود تھا اور اس کے امتیازی مسائل وہی تھے جو آج اہلحدیث اور مقلدین میں ہیں' **فتذکر**۔ نیز میزان کبریٰ جلد۔۱' ص۔۳۶ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک شریر قوم آئے گی جو قرآن سے شبہات پیش کر کے جھگڑا کرے گی' تم ان سے سنت نبوی کے ساتھ مباحثہ کرو کیونکہ اصحاب سنن قرآن کو خوب جانتے ہیں۔ امام خطابی فرماتے ہیں اصحاب سنن سے مراد اہل حدیث ہیں۔ نیز میزان کبریٰ میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **اهل الحدیث فی کل زمان کالصحابة فی زمان هم** یعنی اہلحدیث ہر زمانہ میں موجود ہیں جیسے صحابہ اپنے زمانہ میں تھے۔

نیز امام شافعی نے فرمایا کہ میں جب کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو اس قدر خوشی

ہوتی ہے کہ گویا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ (شرف اصحاب الحدیث ص۔۴۷) لیکن میزان کبریٰ میں ہے کہ گویا میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی کو دیکھ لیا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ **لیس عندی قوم خیر من اہل الحدیث** یعنی میرے نزدیک اہل حدیث سے بہتر کوئی جماعت نہیں ہے۔

شرف اصحاب الحدیث بنام فضائل محمدی جو طبع ہو کر آچکی ہے' اس کے ص۔۲۱ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ہمیں حضور ﷺ حکم فرما گئے کہ تمہارے لیے مجلسوں میں کشادگی کریں' تم ہمارے خلیفہ ہو۔ "**واهل الحديث بعدنا**" اور ہمارے بعد تم ہی اہلحدیث ہو۔

امام **شعبی تابعی**' جنہوں نے پانچ سو صحابہ کو پایا اور اڑتالیس صحابہ سے سماعت کی' وہ فرماتے ہیں کہ "**ولواستقبلت من امری ما استد برت ماحدثت الا بما اجمع عليه اهل الحديث**" (تذکرۃ الحفاظ جلد۔ا' ص۔۷۰) یعنی اگر میں پہلے اپنے کام کو جان لیتا جس کو بعد میں جانا تو میں وہ احادیث بیان کرتا جن پر اہلحدیث نے اجماع کیا ہے۔ شرف اصحاب الحدیث میں عبدان قاضی راوی الحدیث حدیث غرباء کی بیان کرتے ہوئے غرباء کی مراد یہ کرتے ہیں کہ "**هم اصحاب الحديث الاوائل**" کہ اس سے مراد اولین اہلحدیث ہیں۔ عبدان قاضی تبع تابعین سے ہیں۔

ابومنصور عبدالقادر بن طاہر تمیمی بغدادی اپنی کتاب اصول الدین جلد۔ا' ص۔۳۱۷ میں رقم طراز ہیں کہ باشندگان روم' جزیرہ' شام' آذربائیجان "**كل اهلها كانوا علٰى مذهب اہلحديث**" کہ یہ کل اہل حدیث تھے۔

افریقہ' اندلس اور بحرالمغرب کے باشندگان کی بابت لکھا ہے کہ "**كانوا من اهل الحديث**" کہ یہ سب اہل حدیث تھے۔ ان شہروں کو صحابہ نے فتح کیا تو وہاں حدیث کی اشاعت ہوئی' جس سے لوگ اہل حدیث ہوئے۔ علامہ بشاری مقدسی جنہوں نے سنہ۔۳۷۵ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی' اپنے سفرنامہ میں حالات سندھ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منصورہ علاقہ سندھ میں ذمی بت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں میں اکثر اہل حدیث ہیں۔ (تاریخ سندھ جلد اول' ص۔۲۴)

تاریخ فرشتہ جلد اول' مقالہ اول' ص۔۲۳ میں ہے کہ سلطان محمود غزنوی

ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی راکہ از ائمہ اہلحدیث بود بر رسم رسالت پیش ایلک خاں فرستاد۔ پس اہل حدیث کا وجود مذہبی' علمی' عملی حیثیت سے عہد قدیم میں ثابت ہو گیا' فللہ الحمد۔

(نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ مکتبہ ملت دیوبند سے تاریخ فرشتہ کے ترجمہ سے از ائمہ اہل حدیث کا لفظ اڑا دیا گیا ہے' مرتب)

اگر جماعت محدثین کا نام اہل حدیث تسلیم ہے۔ جیسا کہ ترمذی میں اور کتب فقہ میں اصحاب الحدیث کے نام سے ایک گروہ کا ذکر چلا آتا ہے۔ تب بھی مذہب اہلحدیث کا عہد قدیم میں ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ محدثین اہل حدیث عملی طور پر بھی تھے اور علمی طور پر بھی اور لوگوں کو عمل کراتے تھے اور احادیث سناتے تھے' فتذکر۔

پانچواں سوال —— اس لقب اہلحدیث نے جو ایک امتیازی لقب ہے من حیث اللقب کسی فرقہ کی صورت اختیار کی ہے یا نہیں؟

جواب جب اسلام میں فرقہ بندی شروع ہوئی تو ایک گروہ مسلک قدیم پر قائم رہ کر دیگر فرقوں سے جدا ہو گیا اور فرقہ کی صورت اختیار کر گیا اور اپنے طرز عمل کی وجہ سے لقب اہل حدیث کے ساتھ ملقب ہوا۔ پہلے اس گروہ کا نام اہل السنت والجماعت تھا۔ چنانچہ رسالہ اہل سنت کی تعریف ص۔۴۵ میں الملل والنحل سے منقول ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ "**قیل من اهل السنت والجماعت؟ قال ماانا علیه واصحابی**" یعنی کسی نے پوچھا کہ اہل سنت کون ہیں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طریق پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں' اس طریق پر چلنے والے اہل السنت والجماعت ہیں۔

منتخب کنز العمال جلد۔۶' ص۔۳۱۵ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ **قیل لعلی من اهل السنة؟ قال المتمسكون بما سنه الله لهم ورسوله وان قلوا** یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اہل سنت کون ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس طریقہ کو مضبوط پکڑنے والے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اگرچہ وہ تھوڑے لوگ ہوں۔

حنفیہ کی معتبر کتاب تکملہ بحرالرائق میں ایک حدیث منقول ہے: "**وفی خبر عبد**

اللّٰہ بن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان علی السنۃ والجماعۃ استجاب اللّٰہ دعاءہ" (جلد-۸' ص-۱۸۲) یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فینظر الٰی اہل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الٰی اہل البدعۃ فلا یؤخذ حدیثھم یعنی "اہل سنت لوگوں سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کی حدیث نہ لی جائے۔"

پس اہل سنت زمانہ سلف میں موجود تھے اور یہ لقب ان کا مشہور تھا اور انہیں کو ان کے دوسرے مترادف لقب اہل حدیث سے بھی پکارتے تھے لیکن جب اہل سنت ائمہ کی تقلید اختیار کرنے لگے تو ایک گروہ عمل بالحدیث پر بغیر تقلید کے قائم رہا۔ اس کو عام طور پر اہلحدیث کے لقب سے پکارنے لگے اور یہی لوگ حقیقی طور پر اہل سنت رہے اور علماء میں سے جو قیاس اور رائے اختیار کرنے لگے' ان کو اہل الرائی کے لقب سے ملقب کرنے لگے۔ پھر اہلحدیث کا نام ان کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہوگیا کیونکہ وہ قولاً" و فعلاً" علماً" و عملاً حدیث نبوی پر قائم رہے۔ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد میں فرقہ سبائی اور عثمانی بن گئے اور ان کے بعد خارجی اور شیعہ ہو گئے پھر جہمیہ اور معتزلہ اور قدریہ اور مرجیہ ظاہر ہو گئے۔ یہ فرقے عہد سلف ہی میں پیدا ہو گئے تھے تو اہل سنت ان کے مابین صراط مستقیم پر رہے اور ان کا لقب اہل سنت مشہور ہوا اور اہل حدیث بھی ان کو کہتے رہے۔ جب اہل الرائے ظاہر ہوئے تو انہیں اہل سنت کو بوجہ تمسک بالحدیث کے اہلحدیث کہنے لگے۔

چنانچہ ابن خلدون جو تاریخ اسلام میں خاص حیثیت رکھتے ہیں' صحابہ کے بعد کے زمانہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ فقہ دو طریقوں پر منقسم ہو گئی۔ اہل رائے کا طریق' یہ تو اہل عراق ہیں۔ دوسرا اہل حدیث کا طریق' یہ اہل حجاز ہیں۔ حدیث اہل عراق میں بہت کم تھی۔ (علم الفقہ ابن الخلدون ص-۲۷۲)

خود ائمہ اربعہ کے وقت میں بھی اہل رائے اور اہل حدیث تھے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کو امام اہل الرائے لکھا ہے (میزان الاعتدال) لیکن امام ابوحنیفہ بوجہ قلیل الحدیث ہونے کے اہل الرائے ہوئے ورنہ اپنی زندگی میں وہ یہ کہتے رہے کہ "اذا صح

الحدیث فھو مذھبی" (شامی) یعنی جب صحیح حدیث مل جائے گی تو پھر میرا مذہب وہی ہے یعنی پھر میں اہل حدیث ہوں۔ الغرض طرز عمل سے تو اہل حدیث عہد نبوی سے چلے آتے ہیں اور لقب اہل حدیث سے زمانہ سلف سے مشہور ہوئے اور ان کے دو نام باہم مترادف تھے' اہل السنت اور اہل الحدیث۔ لقب اول حیات نبی میں ہی مقرر ہو گیا تھا اور لقب اہل حدیث صحابہ و تابعین عہد سلف صالحین میں ہوا' کما تقدم۔

کنزالعمال حاشیہ مسند احمد میں ہے کہ "ان الناس کانوا فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھل السنۃ" یعنی لوگ حیات نبی میں اہلسنت تھے۔ (کذا فی منھاج السنۃ جلد اول' ص-۲۵۶-) عہد تابعین میں تو اہل سنت و اہل حدیث ہر دو لقب ایک گروہ کے جاری تھے۔

چھٹا سوال —— صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہبی لقب کیا تھا؟ اب اس لقب مذہبی کو کیوں چھوڑا گیا؟ اور یہ جدید لقب امتیازی کیوں اختیار کیا گیا؟

جواب: صحابہ کا طرز عمل بھی وہی تھا جو اہلسنت اور اہلحدیث کا ہے اور لقب بھی ان کا اہل سنت تھا۔ ابن حزم کی کتاب الفصل جلد-۲' ص-۱۱۳ اور شیخ الاسلام کی منہاج السنہ جلد اول' ص-۲۵۶ ملاحظہ کریں اور حجتہ اللہ اور رسالہ انصاف تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم مطالعہ کریں۔ اہل حدیث بھی اس کے مترادف ہے' کوئی لقب چھوڑا نہیں گیا۔ الا شیئا تصوف باضدادھا کے اصول پر جب اہل ہنود' یہودی' نصاریٰ آریہ' دہریہ وغیرہ غیر مسلموں کا ذکر ہو تو مسلمان مسلم' مومن کا لقب ہے اور اگر شیعہ خارجی کا مقابلہ ہو تو پھر اہل سنت کے لقب سے ممتاز ہیں اور جب اہل الرائے اور اہل تقلید کا ذکر آئے تو اہل حدیث کے نام سے ممتاز ہیں۔

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد
کل الٰی ذالک الجمال یشیر

ساتواں سوال —— کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ لقب اہل حدیث بھی دوسرے القاب مذہبی حنفی' شافعی' حنبلی' مالکی کی طرح نہیں ہے؟ جو آج کل شعار مذہب بنے ہوئے ہیں؟

جواب: شرعی نقطہ نظر سے لقب اہلحدیث دوسرے مذہبی القاب حنفی' شافعی'

حنبلی' مالکی وغیرہ کی طرح نہیں ہے' جس کے کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اول یہ کہ حنفی' شافعی وغیرہ مذہب بنانا اور یہ لقب اختیار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ شرع میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور جس چیز کا ثبوت شرع میں نہ ہو وہ بدعت ہے۔ ملا علی قاری شرح عین العلم مطبوعہ عامر استنبول ص-۳۲۶ میں فرماتے ہیں کہ **ومن المعلوم ان اللہ تعالٰی ماکلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفھم ان یعملوا بالسنۃ** یعنی یہ ظاہر بات ہے جو سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالٰی نے کسی انسان کو حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی بننے کی تکلیف نہیں دی بلکہ سب کو تکلیف یہ دی ہے کہ وہ حدیث پر عمل کریں۔

یہی اہلحدیث کا مذہب ہے کہ جب حنفی طرز عمل ہی شرع کے خلاف تو اس مذہب کا لقب حنفی بطریق اولٰی خلاف ہو گا۔ اسی طرح دیگر مذاہب کو سمجھ لیں۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

برخلاف ان کے اہلحدیث کا طرز عمل قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نبی ﷺ اور صحابہ و دیگر سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا معمول بہا ہے۔ لہٰذا لقب بھی ان کا درست ہے' جس سے طرز عمل ان عاملین کا ظاہر ہوتا ہے۔

ما اہل حدیثم وغا رانہ شناسیم
با قول نبی چون و چرا را نہ شناسیم

وجہ دوم یہ کہ یہ نام تقلید شخصی کو مستلزم ہے اور تقلید شخصی شرک ہے' **کما لا یخفٰی علٰی اھل الحق**۔ لہٰذا یہ نام مظہر شرک ہے' نہ تقلید شخصی فرض جان کر مذہب شخص معین کا اختیار کرنا جائز اور نہ یہ نام۔ ان کے نام' ان کے نام کی طرف منسوب کر کے رکھنا جائز ہے۔ برخلاف اس کے حدیث نبوی پر عمل کرنا فرض ہے اور اس کی طرف منسوب ہونا بھی مشروع ہے۔ جیسے انجیل ماننے والوں کو قرآن میں "اہل الانجیل" کہا گیا ہے اور قرآن کے حافظوں کو رسول اللہ ﷺ نے اہل القرآن فرمایا۔ او

تروا یااهل القرآن (او کما قال) ایسے ہی سلف کے عہد میں اہل سنت اور اہل حدیث کا لقب شیوع ہوا تھا۔

وجہ سوم لقب اہل سنت و اہل حدیث قرون مشہودلہا میں بلا نکیر مشہور ہوا۔ اس عمل اور لقب پر کسی اہل حق نے انکار نہیں کیا اور یہ مذہبی القاب حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' چہارم صدی میں مقرر ہوئے' جن کو بدعت قرار دیا گیا۔

حجتہ اللہ مطبوعہ بریلی ص-۱۲۲ میں ہے: اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد یعنی چہارم صدی سے پہلے لوگ ایک مذہب کی خالص تقلید پر جمع نہ ہوئے تھے۔ امام شوکانی نے بھی القول المفید میں اہل القرون الثلاثہ کی بابت لکھا ہے کہ لم یکونوا مقلدین ولا منتسبین الٰی فرد من الافراد یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین نہ کسی کے مقلد تھے اور نہ کسی شخص کے نام کی طرف ان کی نسبت تھی۔

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین جلد-۱' ص-۲۲۲ میں لکھتے ہیں کہ انما حدثت ھذہ البدعة فی القرن الرابعة المذمومة علٰی لسانه صلی اللّٰه علیه وسلم۔ یعنی یہ تقلید شخصی اور تعیین مذہب کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے اور اس زمانہ کی برائی رسول اللہ ﷺ کی زبان سے صادر ہو چکی ہے۔

حنفیہ کی قول سدید ص-۳ میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں میں سے کسی کو اس امر کی تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی بن جائیں بلکہ ان سب کو یہ تکلیف دی ہے کہ وہ اس چیز پر ایمان لائیں جس کے ساتھ جناب نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں یعنی قرآن و حدیث پر اور آپ کی شریعت پر عمل کریں۔

حنفی مذہب کی شامی جلد-۱' ص-۵۳ میں ہے کہ لیس علی الانسان التزام مذھب معین۔ "کسی انسان پر مذہب معین کا لازم پکڑنا جائز نہیں۔" اس تصریح سے ثابت ہو گیا کہ یہ القاب غیر مشروع ہیں۔

وجہ چہارم یہ کہ یہ شخصی مذہب تمام احادیث نبویہ پر محیط نہیں ہے بلکہ ان سب کو احادیث نبویہ کا بٹوارہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے کتب اصول میں لکھا ہے کہ یہ حدیث شافعی کی ہے اور یہ حدیث ہماری دلیل ہے' کوئی مقلد دوسرے مذہب کی پیش کردہ

حدیث کو نہیں مانے گا۔

اہل حدیث احادیث نبویہ کا بٹوارہ نہیں کرتے بلکہ سب کو تطبیق دے کر سر آنکھوں پر مان لیتے ہیں اور مقلد شخص معین کو کتنی احادیث کا رد کرنا پڑتا ہے اور وہ کبھی جملہ احادیث نبویہ پر حاوی نہیں ہو سکتا اور اگر ہو گا تو پھر تقلید شخصی کے زنداں کو توڑ کر اس سے باہر نکلنا پڑے گا۔

کشف الغمہ ص-۱۳ پر امام شعرانی فرماتے ہیں: **المذهب الواحد بلا شك لا يحتوى علٰى كل احاديث الشريعة**۔ اور جب تک تمام احادیث نبویہ پر عامل نہ ہو گا تمام شریعت پر عامل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میزان شعرانی ص-۳۲ میں ہے کہ **لايكمل لمؤمن العمل بالشريعة كلها وهو مقلد بمذهب واحد ابدا** یعنی ایک مذہب کا مقلد تمام شریعت محمدیہ پر پورا عمل نہیں کر سکتا ہے۔ جب تقلید شخصی کی وجہ سے تمام شریعت پر عامل نہ ہو سکا بلکہ ایک حصہ شریعت کو چھوڑنا پڑا تو وہ حسب ارشاد **وتكفرون ببعض** کافر ہوا۔

برخلاف اس کے اہل حدیث وہ شخص ہے جو تمام شریعت محمدیہ پر عامل ہو' سو وہ کسی کی قید مذہبی میں نہیں ہے بلکہ عمل بالحدیث کے لیے بالکل آزاد ہے' ہر وقت عمل کر سکتا ہے۔ ہر حدیث پر عمل کر سکتا ہے۔

اب حنفی مذہب کا بندوبست سنئے۔

بعض حضرات نے امام بیہقی کو امام شافعی کا مقلد بنا دیا ہے۔ حالانکہ اہلحدیث کبھی مقلد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بعض حنفی حضرات امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ کو بھی امام شافعی کا مقلد کہتے ہیں جو سراسر باطل ہے۔ اہلحدیث کا مسلک تو یہ ہے کہ **انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث فيخلص من احاديث النبى صلى الله عليه وسلم واثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الٰى شئى اخر فى المسئلة**۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد-۱' ص-۱۵۳) یعنی "اہلحدیث تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ پس ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص احادیث یا صحابہ کے ایسے خالص آثار مل جاتے تو پھر وہ کسی شے کے محتاج نہ رہتے۔"

محدثین اور اہلحدیث کا مسلک حنفیہ کے خلاف تھا۔ کشف الظنون باب الالف

ص-۱۱۴ میں مؤلف صاحب حنفی لکھتے ہیں کہ ولاھل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع یعنی اہلحدیث کی تصانیف بھی ہیں جو فروعات میں ہمارے مخالف ہیں۔

بہرکیف محدثین کا مسلک مذاہب اربعہ سے جدا ہے کہ وہ مقلد نہیں ہیں بلکہ عامل بالحدیث ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے ان کو فرقہ ناجیہ میں شمار کیا ہے' جس سے ان کا رد ہو گیا کہ اہل سنت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں۔ حالانکہ اہلسنت مذاہب اربعہ بلکہ مذاہب رابعہ کے ائمہ اربعہ منسوب الیہم سے بھی پیشتر کے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد-۱' ص-۲۵۶ میں فرماتے ہیں: من اھل السنة والجماعة مذھب قدیم معروف قبل ان یخلق اللہ ابا حنیفة ومالکا والشافعی واحمد فانه مذھب الصحابة الذین تلقوہ عن نبیھم ومن خالف ذالک کان مبتدعا عند اھل السنة یعنی "اہل سنت والجماعت میں سے ایک قدیم مذہب ہے جو اس وقت سے پیشتر کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرات ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد کو پیدا کیا تھا۔ کیونکہ وہ مذہب آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا ہے' جنہوں نے وہ مذہب اپنے نبی ﷺ سے سیکھا تھا اور جو کوئی اس مذہب کے خلاف چلے وہ اہل سنت کے نزدیک اہل بدعت میں شمار ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ وہ مذہب اہلحدیث کا ہے جس پر صحابہ و تابعین تھے اور یہی اہل سنت ہیں۔ جیسا کہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کیونکہ وہ سب بغیر تقلید شخصی کے احادیث نبویہ پر عمل کرتے تھے۔ کیونکہ پیغمبر کی موجودگی میں سب امتی اپنے رسول کے تابع ہوتے ہیں اور سب اس کے سامنے گردن جھکا کر پیروی کرتے ہیں۔ پس اتباع نبوی ہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔ اس لیے صحابہ اول اہلسنّت ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے والے دیگر لوگ بعد میں اہلسنّت ہیں۔ چنانچہ کتاب الفصل لابن الحزم سے ثبوت گذر چکا ہے کہ صحابہ اور اہلحدیث اہل سنت ہیں' فتذکر۔

اور یہی محدثین کا طرز عمل تھا۔ مصفی شرح مؤطا فارسی جلد-۱' ص-۴ پر ہے کہ "باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتاوی بر دو وجہ اند۔ اول آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع میکروند و ازاں جا استنباط مے نمودند۔ ایں طریقہ اصل راہ محدثین است' الخ۔ یعنی پہلے لوگوں کا مسائل کے استنباط اور فتاویٰ میں دو طرح سے

طریقہ تھا۔ اول یہ کہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع کر کے ان سے مسائل اخذ کرتے تھے' یہ اصل راہ محدثین کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب اور طریقہ اہلحدیث کا ہے۔ پھر محدثین کو فرقہ ناجیہ میں شمار کرنا اور اہل حدیث کو اس سے خارج کر کے اہل ہوئی میں قرار دینا' صریح تعصب اور تقلیدی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ محدثین کا اور اہلحدیث کا نام ایک' مسلک ایک' طرز استدلال ایک' دعویٰ ایک' عمل ایک اور سب ہی غیر مقلدین۔ تو پھر بعض کو گروہ ناجیہ میں شمار کرنا اور بعض کو خارج کرنا تحکم ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا رد خود انہی کے کلام سے ہو گیا کہ فرقہ ناجیہ محدثین اور اہلسنت ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی مذاہب اربعہ فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہیں اور ان کو اہل سنت میں داخل کرنا مقلدین کا ذاتی خیال ہے۔

مذاہب اربعہ کے گروہ ناجیہ میں داخل نہ ہونے کی دوسری دلیل ⇦

پہلے جوابات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ طائفہ اہل حق اہلحدیث ہے اور اسی طائفہ کا دوسرا نام اہلسنّت ہے اور یہ ہر دو نام مترادف ہیں اور یہ **ماانا علیه واصحابی** کے مصداق ہیں اور یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ لیکن مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں کہ "حنفی سلفی بھی اہلحدیث ہیں **ماانا علیه واصحابی** کے طریق پر ہیں اور ناجی ہیں۔ کیونکہ اہلحدیث وہ جماعت ہے جو حدیث قولی و فعلی آنحضرت ﷺ کو شرعاً" حجت سمجھنے اور بوقت نہ ملنے حدیث نبوی ﷺ کے آثار صحابہ کو بھی حجت جانے اور مثل حنبلیوں اور مالکیوں اور شافعیوں اور محدثین کے حنفیوں سلفیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو اصول شاشی' حسامی' نورالانوار' مسلم الثبوت' توضیح تلویح وغیرہ کتب اصول' الخ۔

(بوادر النوادر جلد-۲' ص-۴۲۳)

میں کہتا ہوں توضیح مع تلویح میں لکھا ہے کہ **فاما المقلد فالدلیل عندہ قول المجتهد** یعنی مقلد کے لیے صرف امام مجتہد کا قول دلیل شرعی ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے: **اما المقلد فمستندہ قول مجتهدہ** یعنی مقلد کی دلیل صرف امام کا قول ہے۔ مسلم کے ص-۲۸۹ میں ہے کہ **التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة** یعنی بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔ **کذا فی مسلم الثبوت والمختصر**

لابن حاجب۔

نور الہدایہ ص۔۱۱ میں شرح عین العلم سے منقول ہے کہ فلو التزم احد مذھبا کابی حنیفة والشافعی فلزم علیه الاستمرار فلا یقلد غیرہ فی مسئلة من المسائل یعنی اگر کسی نے کسی مذہب کا التزام کر لیا جیسے ابو حنیفہ یا شافعی کا تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اسی پر قائم رہے اور کسی مسئلہ پر مسائل شرعی میں سے کسی غیر کی بات نہ مانے اور نہ اس کی تقلید کرے۔

میں کہتا ہوں اسی واسطے حنفیہ کا یہ شعر مشہور ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل

علٰی من رد قول ابی حنیفة

(یعنی ریت کے ذروں برابر اس شخص پر لعنتیں ہوں جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کرے)

اور تفسیر احمدی میں ہے کہ اذا التزم مذھبا یجب علیه ان یدوم علٰی مذھب التزمه ولا ینتقل عنه الٰی مذھب اخر یعنی جب اس نے ایک مذہب کا التزام کر لیا تو اس پر ہمیشہ واجب ہے کہ اس کا التزام رکھے اور اس مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال نہ کرے۔

اسی واسطے حنفی مذہب کی کتاب سراجیہ میں ہے: ارتحل الٰی مذھب الشافعی یعزر یعنی جو حنفی اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی بن گیا اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ بلکہ اس تقلید مذہبی کی وجہ سے دھوکہ مذہبی دینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حنفی مولوی سے دریافت کرے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا فرمان کیا ہے؟ تو اس پر واجب ہے کہ یہ کہہ دے کہ امام ابو حنیفہ نے اس بارے میں یہ فرمایا ہے۔ گویا شافعی کا قول بیان نہ کرے۔ اندیشہ ہے کہ وہ اس کے پسند نہ آجائے۔ دیکھا کیسی بددیانتی ہے' اسی واسطے لکھا ہے۔ "عبادت بہ تقلید گمراہی است"

اہل حدیث لقب والوں کو یہ چیزیں لازم نہیں آتی ہیں۔ کیونکہ ان میں صاحب شرع کی اتباع کا التزام ہے' نہ کسی غیر معصوم امتی کا' فافترقا۔

وجہ پنجم یہ کہ اہل حدیث کے امام جناب محمد مصطفیٰ ﷺ معصوم ہیں جن کے کلام کی طرف وہ منسوب ہیں۔ تفسیر ابن کثیر جلد۔۳' ص۔۵۲ میں ہے کہ وقال بعض

منہم مجاھد و قتادہ وغیرہم السلف ھذا اکبر الشرف لاھل الحدیث لان امامھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آیت **یوم ندعوا کل اناس بامامھم** کی تفسیر میں مجاہد و قتادہ وغیرہ سلف نے فرمایا ہے کہ اہل حدیث کے لیے یہ بڑا شرف حاصل ہے کہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں اور حنفیہ کا امام غیر معصوم امتی شخص ہے، جس سے ہر وقت غلطی کا امکان ہے اور اس کی طرف وہ مقلدین منسوب ہیں جن کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے۔

غنیۃ الطالبین میں ہے: **اما الحنیفۃ فھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت** یعنی حنفیہ سے مراد امام ابو حنیفہ نعمان کے مقلدین ہیں۔ اور مولانا عبدالحی صاحب **الرفع والتکمیل** میں لکھتے ہیں کہ **ان الحنفیۃ عبارۃ عن فرقۃ تقلد الامام اباحنیفۃ** یعنی حنفیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مقلد ہے۔ پس اسی طرح دیگر مقلدین مذاہب کو سمجھ لیں۔ پس جو نبی اور امتی میں فرق ہے اور نبی کے کلام اور امتی کے قول میں فرق ہے وہی مذہب اہلحدیث اور حنفی وغیرہم کے مذاہب اور ان کی نسبتوں میں فرق ہے۔ **فافھم وتدبر ولا تکن من المعاندین۔**

نبی کے متبع کو وعدہ مغفرت ہے اور ایک امام معین کے مذہب کا التزام کرنے والے شخص پر جو فتویٰ ہے وہ "دراسات اللبیب" میں ایک منصف حنفی نے یہ لکھا ہے: **من یتعصب بواحد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ ھو الصواب الذی یجب اتباعہ دون الائمۃ الآخرین فھو ضال جاھل بل قد یکون کافرا** یعنی "جو شخص غیر نبی کسی امتی معین شخص کے مذہب کا التزام کر لے اور یہ سمجھے کہ اسی کا قول درست ہے اور اسی کی اتباع واجب ہے اور دیگر ائمہ کی واجب نہیں ہے تو وہ جاہل، گمراہ بلکہ کافر ہے۔" اس سے یہ بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اہل حدیث کے مذہبی لقب اور دیگر القاب حنفی وغیرہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور ہر دو کا انجام جدا جدا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جو کام کرتا ہے اس کے فاعل کو اس فعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے والے کو نمازی کہتے ہیں اور جو شراب پیتا ہو اس کو شرابی کہتے ہیں۔ پس اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ فعل اور منسوب الیہ سے تعلق

درست ہے تو نسبت درست ہے۔ اگر منسوب الیہ اور فعل برا ہے تو منسوب بھی برا ہو گا۔

ٹھیک اسی طرح حدیث پر عمل کرنا فعل مشروع اور جائز ہے۔ لہٰذا عامل کو حدیث کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ محدث اور اہلحدیث اور اہل سنت' اہل اسلام نام رکھنے درست ہیں' محمدی کہلانا جائز ہے۔ چونکہ کسی امام کی اندھی تقلید کرنا اور اس کا التزام کر لینا گناہ ہے۔ لہٰذا اہل تقلید' مقلد' حنفی وغیرہ کہلانا قابل اعتراض ہو گا۔

کشف الغمہ ص-۱۱ میں امام شعرانی لکھتے ہیں کہ **فمن ادعى تخصيصها بماذهب اليه امامه من المقلدين فقد اتى بابا من الكبائر** یعنی کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت نہیں ہے پس جس مقلد نے اپنے امام کے مذہب کی خصوصیت کا دعویٰ کیا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ بنابریں سب مقلدین کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہیں۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حدیث ابن ماجہ میں صراط مستقیم کے گردونواح میں خطوط اربعہ کھینچ کر آنحضور ﷺ نے پیشگوئی فرما دی کہ مذاہب اربعہ پیدا ہوں گے جو صراط مستقیم سے علیحدہ ہوں گے پھر ہر راستہ پر شیطان بتلا کر آپ نے ان کا گمراہ ہونا ظاہر کر دیا۔ پس مذاہب اربعہ کا تقرر اور ان پر بالتعیین عمل سراسر گمراہی ہے۔ حدیث نبوی پر عمل کرنا گمراہی نہیں ہے اور اہل حدیث وہ لقب ہے جس سے عاملین کا عمل ظاہر ہوتا ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید سے احادیث نبویہ کا انکار اور ترک لازم آتا ہے۔ چنانچہ کتب اصول حنفیہ میں اپنے شخصی مذہب کی حفاظت کرتے ہوئے یہ اصول اختراع کیا ہے کہ غیر فقیہ صحابی کی روایت اپنے امام کے قیاس کے مقابلہ میں ترک کی جائے گی۔ پھر صحابہ کا نام لے کر ان کو غیر فقیہ ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اصول شاشی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ لکھا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ "**وعلى هذا ترك اصحابنا رواية ابى هريرة فى مسئلة المصراة بالقياس**" یعنی اس قاعدہ کی بنا پر ہمارے حنفیوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسئلہ مصراۃ میں قیاس کے مقابلہ میں چھوڑ دی ہے۔

اول تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ ٹھہرانا اصولوں کی جہالت ہے۔ کیونکہ تذکرۃ

الحفاظ اور دیگر کتب اسماء الرجال میں ان کو حافظ فقیہ کبار ائمۃ الفتویٰ میں شمار کیا گیا ہے اور امام حفصکی فرماتے ہیں کہ احکام کے بارے میں تین ہزار احادیث مروی ہیں جن میں سے ڈیڑھ ہزار حدیث صرف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آٹھ سو صحابہ اور تابعین آپ کے شاگرد ہیں اور پانچ ہزار تین سو چھتر احادیث یاد تھیں۔ ان کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ قلیل الحدیث طفل مکتب ہیں۔ پھر ان کی احادیث سے انکار کرنا محض تقلید شخصی اور مذہب معین کے التزام کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ تعیین اور مذہبی نسبت بالکل ناجائز اور سراسر گناہ ہے۔ لیکن لقب اہل حدیث میں کوئی برائی لازم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اہل حدیث کے طرز عمل بالحدیث کو برا کہے گا تو وہ اہل حدیث ہی کو برا نہیں کہتا بلکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہہ رہا ہے۔ اسی طرح جو شخص تقلید شخصی کی وجہ سے حدیث نبوی چھوڑ دے گا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دامن چھوٹ جائے گا۔

نورالہدایہ ص۔۱۳ میں تقریر شرح تحریر سے نقل کیا ہے کہ **لیس للعامی الاخذ بظاہر الحدیث لجواز کونہ مصروفا عن ظاہر او منسوخا بل علیہ الرجوع الٰی الفقہآء لعدم الاہتدآء فی حقہ الٰی معرفۃ صحیح الاخبار ولسقیمہا وناسخہا ومنسوخہا فاذا اعتمد کان تارکا للواجب علیہ** یعنی "عامی شخص مقلد کے لیے ظاہر احادیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حدیث ظاہر سے پھیری گئی ہو یا منسوخ ہو' بلکہ مقلد پر لازم ہے کہ اپنے مذہب کے فقہاء کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ خود وہ صحیح اور ضعیف حدیث سے ناسخ اور منسوخ حدیث کو پہچان نہیں سکتا۔ اگر حدیث پر اعتماد کرکے عمل کرے گا تو واجب کا تارک ہو گا۔"

مقلدین کے نزدیک دو ہی شخص ہیں ایک مجتہد' دوسرا مقلد۔ مجتہد تو قرآن و حدیث پر عمل کر سکتا ہے' مقلد کو عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ توضیح مصری جزء اول' ص۔۱۳۶ میں ہے کہ "**فان تحقیق المقلد ان یقلد مجتہدا یعتقد حقیۃ رای ذالک المقلد**" یعنی مقلد کی تحقیق یہ ہے کہ مجتہد کی تقلید کرے اور اس کی رائے کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے۔

درمختار مصری کی پہلی جز' ص۔۵۳ میں ہے کہ "**لایفتی ولا یعمل الا بقول**

الامام الاعظم" یعنی مقلد امام اعظم کے قول کے بغیر نہ فتویٰ دے اور نہ عمل کرے۔ پس یہ طرز عمل خلاف قرآن و حدیث ہے۔ لہذا ایسا مذہب بنانا اور ایسا لقب اختیار کرنا ناجائز ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب بوادر النوادر جلد اول' ص-۱۳۸ میں لکھتے ہیں "سب سے اخیر بات مقلد کی شفا کے لیے یہ ہے کہ مقلد کے ذمے اثبات بالدلیل نہیں۔ (اس کے لیے متبوعین فی المذہب کا قول بس ہے"

ملا معین دراسات اللبیب ص-۱۲۵ میں فرماتے ہیں: "**متٰی اعتقد انه یجب علی الناس اتباع واحد بعینه من هذه الامة دون الاخرین فقد جعله بمنزلة النبی وذالک کفر** یعنی جب کسی مقلد نے یہ اعتقاد کر لیا کہ لوگوں پر اس ایک امام کی تقلید واجب ہے' دیگر کی نہیں تو اس نے اس امام کو بمنزلہ نبی کے بنا دیا ہے۔ یہ صریح کفر ہے۔" لہذا ایسے مقلد جو ایک امام کی بالتخصیص تقلید فرض جان کر اس کے مذہب کا التزام کر لیتے ہیں اور اس کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور حدیث نبوی پر عمل کرنا اور دیگر مذاہب کی صحیح بات کو چھوڑ دینا کفر ہے۔ اسی واسطے خواجہ ابوشکور سالمی نے تمہید میں لکھا ہے کہ دنیا میں سب کفر تقلید سے پھیلا ہے۔

نویں وجہ یہ ہے کہ تمام ائمہ دین نے اپنی تقلید خصوصی سے منع کر دیا ہے اور ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ میزان شعرانی جلد-۱' ص-۷۶ میں ہے: **وقد کان الائمة کلهم یحثون اصحابهم علی العمل بظاهر الکتاب والسنة ویقولون اذا رایتم کلامنا یخالف ظاهر الکتاب والسنة فاعملوا بالکتاب السنة واضربوا بکلامنا الحائط** یعنی "سب ائمہ مجتہدین اپنے معتقدین کو ظاہر قرآن و سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جب ہمارا کلام ظاہر قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو قرآن و حدیث پر عمل کرو اور ہمارے کلام کو دیوار پر مار دو۔"

پس اہل حدیث یہی کام کرتے ہیں۔ اسی واسطے یہ اہلحدیث کہلاتے ہیں اور مقلدین باوجود ائمہ کے منع کرنے کے ان کے قول کو چھوڑتے نہیں بلکہ ان کی طرف اپنے مذہب کی نسبت کر کے ان کے اقوال پر جمود کر رکھا ہے جو ان کے سراسر خلاف ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر جلد-۱' ص-۲۰۵ میں فرماتے

ہیں کہ "ان اللّٰہ ذم التقلید فمن دعا الی النظر والاستدلال کان علٰی وفق القرآن ودین الانبیآء ومن دعا الی التقلید کان علٰی خلاف القرآن وعلٰی وفق الکفار-" یعنی اللہ تعالٰی نے تقلید کی برائی قرآن میں بیان فرمائی ہے۔ جو شخص تحقیق نظر و استدلال کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کرو اور اس سے استدلال کرو تو وہ قرآن اور دین انبیاء کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہے اور جو لوگوں کو تقلید شخصی کی طرف اور غیر کی اتباع بلا دلیل کی طرف دعوت دیتا ہے' وہ قرآن (و حدیث) کے خلاف اور کفار کے موافق ہے۔

پس اہل حدیث کے لقب والے اس طرح نہیں ہیں۔ وہ عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔ لہٰذا دونوں فرقوں اور ان کے لقب میں فرق ظاہر ہے۔ **تلک عشرۃ کاملۃ**- یہ دس وجوہ ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ لقب اہلحدیث دوسرے مذہبی القاب کی طرح نہیں ہے۔ اس لقب کا شعار مذہب بنانا مشروع اور جائز ہے اور ان القاب کا شعار مذہب بنانا حرام ہے۔ ہر دو کے شعار بنانے میں بھی فرق' طرز عمل میں بھی فرق' انجام میں بھی فرق' التزام میں بھی فرق ہے' **فتذکر!**

اگر یہ کہا جائے کہ حنفی شافعی بننے کا اللہ اور رسول نے حکم نہیں دیا تو یہ کہنا بالاتفاق صحیح ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اہل حدیث ہونے کا اللہ اور رسول نے حکم نہیں دیا یہ بالاتفاق جھوٹ اور باطل ہے بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ اہل حدیث وہ ہے جو حدیث نبوی کو حجت اعتقاد کر کے اس کی اتباع کرے۔

پس جو یہ کہتا ہے کہ اہل حدیث ہونا جائز نہیں' گویا وہ یوں کہتا ہے کہ حدیث نبوی کو حجت جان کر اس کی اتباع کرنا جائز نہیں' یہ صریح کفر ہے۔ پس ہر دو لقبوں میں فرق نمایاں ہے۔

بے بصیرت را بنا شد فرق در سود و زیاں
کوریک داند عصائے موسوی ومار را

آٹھواں سوال ـــــ اہل سنت اور اہلحدیث میں کیا نسبت ہے اور اہلحدیث اپنے آپ کو خصوصی طور سے اہلحدیث کیوں کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں **ھو سماکم المسلمین**- مسلم امت کا لقب رکھا گیا ہے؟

جواب : اہلحدیث اپنے آپ کو اہلحدیث اس لیے کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کی حدیث سے ان کو خاص شغف ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اطاعت کو اتباع نبوی پر موقوف کر دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی محبت اور جنت کی رفاقت کو سنت کی محبت اور اتباع پر موقوف کر دیا ہے۔ اس لیے اہلحدیث حدیث نبوی کے طالب اور متبع رہتے ہیں اور اس تعلق خاص کی وجہ سے ان کو اہلحدیث کہا جاتا ہے اور یہی اہل سنت ہیں۔ اہلحدیث اور اہل سنت میں نسبت تساوی ہے۔ ہر اہلحدیث اہل سنت ہے اور ہر اہل سنت اہلحدیث ہے' کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی سنت نبوی بغیر حدیث کے ثابت نہیں ہے اور جو کچھ حدیث سے ثابت ہے وہ سنت ہے۔ **کماھو الظاھر**۔ منہاج السنہ میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: **اھل السنة اھل الحدیث** یعنی اہل سنت اہلحدیث ہی ہیں۔ توضیح تلویح میں ہے کہ **اھل السنة والجماعة ھم الذین طریقتھم طریقة الرسول** یعنی اہل سنت وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ بعینہ طریقہ رسول ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ جو امام اہلسنت ہیں' اپنے رسالہ "عقیدۂ اہل سنت" مطبوعہ دہلی کے ص۔۳ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ **وھذا مذھب اھل العلم واصحاب الاثر اھل السنة المتمسکین بعروتھا المعروفین بھا المقتدی بھم فیھا من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم الٰی یومنا ھذا** یعنی یہ باتیں اہل علم اور اہلحدیث مذہب کی ہیں جو اہل سنت ہیں۔ سنت کے کڑے مضبوط پکڑنے والے ہیں۔ اسی سے ان کی پہچان ہے اور وہ قابل اقتدیٰ ہیں۔ صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک اہل اثر' اہلسنت' اصحاب الحدیث' اہلحدیث سب کا ایک ہی معنیٰ اور مراد ہے اور ایک ہی فرقہ کا نام ہے۔

امام ابن حزم جو جملہ فنون نقلیہ و عقلیہ میں مسلم کل ہیں۔ گمراہ فرقوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: **واھل السنة الذین نذکرھم اھل الحق ومن عداھم فاھل الباطل فانھم الصحابة وکل سلک نھجھم من خیار التابعین ثم اھل الحدیث** یعنی اہل سنت جن کو ہم اہل حق کے نام سے یاد کریں گے اور ان کے ماسوا فرقوں کو اہل باطل کے نام سے وہ صحابہ کرام ہیں اور خیار تابعین سے جو ان کے طریقہ پر چلے پھر اہلحدیث

ہیں۔ (کتاب الفصل جلد دوم' ص-۱۱۳)

حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "غنیہ" میں اہل سنت کے لقب پر لکھتے ہیں کہ ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث (ص-۱۹۸) یعنی اہل سنت کا نام ایک ہی ہے اور وہ اہلحدیث ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد ثانی' ص-۱۷۹ میں رقمطراز ہیں: من المعلوم لكل من له خبرة ان اهل الحديث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبى صلى الله عليه وسلم وطلبا لعلمها وارغب الناس فى اتباعها وابعد الناس عن اتباع الهوى فهم فى اهل الاسلام كاهل الاسلام فى اهل الملل' الخ۔ یعنی جس شخص کو کچھ بھی خبر ہے' اس کو یہ معلوم ہے کہ اہلحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی بابت زیادہ تحقیق کرنے والے ہیں اور ان کے علم کے طالب اور پیروی حضور میں سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے ہیں اور خواہشات کی پیروی سے سب لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے ہیں۔ پس اہلحدیث اہل اسلام میں ایسے ہیں جیسے دیگر ادیان میں اہل اسلام ہیں۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب اہلحدیث کی صحیح تصویر کھینچ دی ہے' جس سے ان کی واقعی حالت ظاہر ہو گئی ہے اور مولوی محمد صدیق صاحب سلمہ ربہ کے اس سوال کا کہ اہلحدیث اپنے آپ کو خصوصی طور سے اہلحدیث کیوں کہتے ہیں' جواب خوب بیان کر دیا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت محبوب سبحانی غنية الطالبين میں گمراہ فرقوں کا یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت کے طرح طرح کے نام رکھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ وما اسمهم الا اصحاب الحديث واهل السنه علىٰ مابينا یعنی ان کا کوئی نام نہیں ہے مگر ایک ہی نام ہے اور وہ اہلحدیث اور اہل سنت ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ فاهل السنة طائفة واحدة یعنی اہل سنت کا ایک ہی گروہ ہے۔ (یعنی حنفی' شافعی وغیرہ چار نہیں ہیں) پھر لکھتے ہیں کہ وهو اصحاب الحديث یعنی وہ اہلحدیث ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ قرآن میں هو سماكم المسلمين مسلم امت کا لقب رکھا

گیا ہے۔ پھر اہلحدیث کیوں رکھا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ:

مسلم دین اسلام قبول کرنے والے اور اس پر قائم رہنے والے کو کہتے ہیں اور اہلحدیث طرز عمل کا نام ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت پڑھنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کا نام اسلام ہے اور پانچ ارکان ادا کرنے والے کو مسلم کہیں گے لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟ روزہ کس طرح رکھیں؟ زکوٰۃ کیسے دیں؟ حج کس طریقہ سے ادا کریں؟ جو طرز عمل ان کے ادا کرنے کا ہو گا وہ مذہب ہے۔ اس لیے نام جدا جدا مقرر ہیں۔ اگرچہ دین کا اطلاق مذہب پر اور مذہب کا دین پر آیا ہے مگر اصطلاح عامہ میں فرقہ بندی ہونے پر فرق ہو گیا ہے۔ جیسے موسائی اور عیسائی اپنے اپنے عہد میں مسلمان تھے۔ کیونکہ بحکم **ھو سماکم المسلمین** ان کا نام مسلمان تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یا اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا لیکن بایں ہمہ ان کو اہل کتاب اور اہل انجیل قرآن میں کہا گیا ہے۔ اسلام قدیمی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے تا ایں زمانہ چلا آ رہا ہے۔ لیکن طرز عمل ہر نبی کے عہد میں بدلتا رہا ہے۔ اس طرز عمل کا نام شریعت ہے۔ ہماری وہ شریعت کتاب و سنت میں موجود ہے۔ اس سے باہر جو دیگر فرقوں نے طرز عمل جدید اختیار کر لیا ہے' انہوں نے اپنی شریعت جدا بنا لی ہے جس کو بدعت کہتے ہیں' **فتامل**۔

نواں سوال ـــــ اہلحدیث کا نصب العین کیا ہے؟

جواب: اہلحدیث کا نصب العین یہ ہے کہ اتباع نبوی و اطاعت رسول یعنی آنحضور ﷺ کو اسوہ حسنہ تصور کر کے آپ کی احادیث کی تعمیل کرنا اور لوگوں سے کرانا ہے۔ جس طرح ہر مذہب کے امام ہیں اور لوگ اپنے پیشواؤں کے اقوال و افعال و عادات کو محبوب جان کر ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اسی طرح اہلحدیث جناب حضرت رسول کریم ﷺ کو اپنا امام اعظم اعتقاد رکھ کر آپ کی عادات و اقوال و افعال کی پیروی کرتے ہیں اور لوگوں سے کراتے ہیں' یہی ان کا نصب العین ہے۔

اھل الحدیث ھم اھل النبی وان
لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

دسواں سوال ـــــ اہلحدیث کے نزدیک ائمہ اربعہ کے مذاہب فرقہ ناجیہ کے

افراد ہیں یا نہیں؟

جواب : اہلحدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ کے مابین اس بات میں بڑا اختلاف ہے کہ فرقہ ناجیہ کون ہے؟ اس اختلاف میں راہ حق اور قول صواب کا معلوم کرنا ضروری ہے اور یہ منصفانہ تحقیق اور مخلصانہ عدل پر موقوف ہے۔ اب اس کی تفصیل سنئے اور فریقین کے بیانات ملاحظہ فرمایئے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ مذاہب اربعہ میں منحصر ہے اور وہ چار مذہب یہ ہیں: حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ گویا فرقہ ناجیہ وہ ہے جو حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب کا مقلد ہو اور جو ان سے خارج ہے وہ دوزخی ہے۔ طحطاوی حاشیہ درمختار میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ **هذه الطائفة الناجيه قد اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعة** یعنی طائفہ ناجیہ آج کے دن چار مذہبوں میں جمع ہو گیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ **ومن كان خارجا عن هذه الاربعة فى هذا الزمان فهو من اهل البدعة والنار** یعنی اس زمانہ میں جو ان چاروں سے باہر ہے وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ **فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة اوالاربعة علىٰ اربعة مذاهب**، الخ۔ یعنی اہل سنت جو طائفہ ناجیہ ہے، وہ تیسری یا چوتھی صدی کے بعد چار مذہبوں میں متفرق ہو گیا ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب دیوبندی حنفی نے کئی کتابوں کا خلاصہ کر کے ایک مجموعہ لکھا ہے۔ اس کے آخر میں عشرہ طروس لکھے ہیں۔ ان میں سے طرس عاشر ص-۱۷۰ میں مذہب اہل حق اہل سنت والجماعت کو قرار دیا ہے اور یہ لکھتے ہیں کہ **اهل السنة والجماعة المنحصرون باجماع من تعتد بهم فى الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة** یعنی اہل سنت والجماعت کا انحصار معتبر لوگوں کے اجماع سے چار فرقوں میں ہو گیا ہے اور وہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ ہیں۔

اور اہلحدیث کے متعلق یہ لکھا ہے کہ **واهل الاهوآء منهم غير المقلدين الذين يدعون اتباع الحديث وانى لهم ذالك** یعنی ہوا پرست فرقوں میں سے غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ چیز انہیں کہاں نصیب ہے۔

اور علماء اہلحدیث کی تصنیفات جو قرآن و احادیث سے پر ہیں، ان کے متعلق لکھتے

ہیں کہ واضرھم تصنیفا النیچریون الکبار منھم والصغار وغیر المقلدین والمبتدعون یعنی مسلمانوں کے لیے سخت مضر تصنیفات چھوٹے بڑے نیچریوں کی ہیں اور غیر مقلدوں کی ہیں اور بدعتیوں (بریلویوں) کی ہیں۔ (ان سے بچنا چاہیے)

یہ مقلدین کا عقیدہ اور مذہب ہے کہ اہلحدیث طائفہ فرقہ ناجیہ سے خارج اور صاف گمراہ ہے اور اس گروہ کی تصنیفات گمراہی سے پر ہیں اور مسلمانوں کے لیے نہایت مضر ہیں۔ دیوبندی کیا اور بریلوی کیا سب حنفی اہلحدیث کو گمراہ جانتے ہیں اور ان کی تردید کرتے ہیں۔ پس جو علماء اہلحدیث دیوبندی حنفیوں کو اپنے بہت قریب جان کر اہل سنت اور اہل حق گمان کرتے ہیں' وہ ذرا مولوی اشرف علی صاحب رکن فرقہ دیوبندیہ کے کلام پر غوروتدبر کریں اور پھر غیرت مذہبی سے کام لیں اور مداہن نہ بنیں اور ان کی علمیت سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ۔

اچھے اچھے ہیں خطا میں آپڑے
مذہب باطل میں ہیں عالم بڑے

اگر علماء غرباء اہلحدیث مقلدین حنفیہ کی تردید کرتے ہیں یا ان کو ان کے تقلیدی مذہب کی وجہ سے برا کہتے ہیں تو ہمارے بھائی ان کو متشدد کہتے ہیں۔

ہم سچ بھی کہتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ جھوٹ بھی کہتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

بلکہ کمترین نے مقلدین کی تردید میں بعض رسالے اور اشتہارات لکھے تو مجھے میرے اخوان مذہبی ترچھی نظر سے دیکھنے لگے۔ میں نے کہا۔

ترچھی نظر سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو
تم تیر انداز کیسے ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

اب ہماری تحقیق سنیئے! مولوی اشرف علی صاحب اور دیگر متقدمین اور متاخرین کا مذاہب اربعہ کو فرقہ ناجیہ اور اہل سنت قرار دینا سراسر باطل ہے۔ مقلدین مذاہب اربعہ طائفہ ناجیہ اور اہل سنت سے خارج ہیں اور گمراہ فرقوں میں شمار ہیں۔ خصوصاً مقلدین حنفیہ جو بقول پیر جیلانی مرجیہ میں داخل ہیں اور جن کو بروئے حدیث

اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل اول یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے "تذییل شرح العقائد" ص-۱۳۵ میں حدیث افتراق نقل کی ہے کہ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستفترق امتی ثلاثا وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا ملۃ واحدۃ وھی ماانا علیہ واصحابی** یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت عنقریب تہتر(۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی' وہ سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا اور وہ فرقہ وہ ہے جو اس طریقہ پر چلتا ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ **وکان ھذا من معجزاتہ حیث وقع مااخبر بہ** یعنی یہ حدیث آنحضور ص کے معجزات سے ہے کہ جس طرح آپ نے خبر دی تھی اسی طرح واقعہ ہوا۔ فی الواقع امت متفرق ہو کر کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ پھر ص-۱۴۳ پر لکھتے ہیں **المستثناہ الذین قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھم ماانا علیہ واصحابی ھم الاشاعرۃ والسلف من المحدثین واھل السنۃ والجماعۃ ومذھبھم خال عن بدع ھؤلاء** یعنی وہ لوگ جن کو نبی ﷺ نے مستثنیٰ کیا ہے اور ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ہیں جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ وہ اشعری اور سلف اہلحدیث اور اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ ان کا مذہب تمام فرقوں کی بدعات سے خالی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے تو ایک فرقہ ناجیہ فرمایا ہے اور مولوی اشرف علی صاحب نے یہاں تین گروہ بتلائے ہیں۔ ایک فرقہ اشعریہ' دوم سلف محدثین' سوم اہل سنت۔ جن کو آگے جا کر چار فرقوں حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی میں منحصر کیا ہے۔ اشعری فرقہ کے پیشوا خواجہ ابوالحسن اسماعیل بن علی اشعری ہیں جو نو واسطوں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی ﷛ کی اولاد سے ہیں۔ یہ پہلے معتزلہ تھے جنہوں نے چالیس سال ابوعلی جبائی رئیس المعتزلہ سے علم کلام حاصل کیا پھر توبہ کر گئے۔ لیکن پھر بھی معتزلہ کا اثر ان میں باقی تھا۔ (منہاج السنہ) اور علم حدیث میں وہ پورے ماہر نہ تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام منہاج السنہ جلد-۳' ص-۱۷ میں فرماتے ہیں: **فانہ لم یکن**

فیض الباری

علامہ محمد ابو الحسن سیالکوٹی

اردو ترجمہ

فتح الباری

ابن حجر العسقلانی

شرح صحیح بخاری

جلد ۱

تصدیر
حافظ محمد اسماعیل الخطیب

تقدیم
حافظ محمد اسماعیل اسد

بحسن اہتمام
عبداللطیف ربانی مدیر

مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی
نیو اردو بازار لاہور
042-37321823
0301-4227379

خبیرا بالسنة والحدیث واقوال الصحابة والتابعین وغیرھم یعنی امام اشعری سنت رسول اللہ ﷺ اور اقوال صحابہ اور تابعین وغیرہم کے علم کے ماہر نہ تھے۔

اشعری فرقہ کے ساتھ دوسرا فرقہ ماتریدی ہے' جن کا امام ابومنصور ماتریدی ہے جو دو واسطوں سے قاضی ابویوسف اور امام محمد کا شاگرد ہے۔ یہ عقائد کے بعض مسائل میں اشعریہ کے خلاف ہے۔ اس لیے حنفیہ نے ماتریدی مسلک اختیار کیا ہے۔ تاریخ کامل جلد۔۲' ص۔۳۲ میں ہے کہ **وھذا مما یستطرف ان یکون حنفی اشعریا** یعنی "یہ بات موجب تعجب ہے کہ کوئی حنفی اشعری ہو۔" پس اشعریہ حنفیہ کے خلاف ایک گروہ ہے جس کو مولوی اشرف علی صاحب نے فرقہ ناجیہ میں شمار کیا ہے۔

دوسرا گروہ سلف محدثین کا ہے۔ یہ بھی مذاہب اربعہ سے الگ گروہ ہے جو کسی کا مقلد نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ ص۔۱۴۸ میں اکابر محدثین کے اسماء گرامی لکھ کر پھر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے بعض محققین فن روایت کو پختہ کرنے کے بعد اور مراتب احادیث کی معرفت کے بعد فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مشہور مذاہب میں سے ہر مذہب میں احادیث و آثار مناقضہ کے ہوتے ہوئے' ان کے نزدیک یہ بات جائز نہ ہوئی کہ گزشتہ لوگوں میں سے کسی ایک کی تقلید پر جم جائیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ جلد۔۳' ص۔۱۴۹ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "علمائے محدثین بیک مذہب از مذاہب مجتہدین نباشند۔"

بعض لوگ ائمہ محدثین اور اہل حدیث کو شافعی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں' یہ غلط ہے۔ علامہ تفتازانی تلویح شرح توضیح جلد۔۲' ص۔۴۶ میں فرماتے ہیں کہ **وعلیه عامة اھل الحدیث والشافعیة** یعنی "اسی پر عام اہلحدیث اور شافعی مذہبی کے علماء ہیں۔" پس یہ شافعی مذہب کے مقابلہ میں مستقل گروہ ہے۔

ہاں اہلحدیث کے اکثر مسائل شافعیہ اور حنابلہ کے موافق ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بعض لوگ ائمہ اہلحدیث کو ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ عاملین بالحدیث مقلدین نہیں ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب حجتہ اللہ جلد۔۱' ص۔۱۵۳ میں فرماتے ہیں کہ **وکان صاحب الحدیث ایضا قد ینسب الی احد المذاھب لکثرة**

الموافقة له کالنسائی والبیہقی فینسبان الی الشافعی یعنی اہلحدیث بوجہ کثرت موافقت کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ مثلاً امام نسائی اور امام بیہقی کہ یہ دونوں امام شافعی کی طرف منسوب ہیں۔

یہ محدثین مقلد نہ تھے کیونکہ مقلد اہل سنت نہیں ہو سکتا بلکہ وہ گمراہ ہے۔ بعض حضرات نے امام بیہقی کو امام شافعی کا مقلد بنا دیا ہے۔ حالانکہ اہلحدیث کبھی مقلد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بعض حنفی حضرات امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ کو بھی امام شافعی کا مقلد کہتے ہیں جو سراسر باطل ہے۔ اہلحدیث کا مسلک تو یہ ہے کہ انه کان اهل الحدیث منهم یشتغلون بالحدیث فیخلص من احادیث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم واثار الصحابة مالا یحتاجون معه الیٰ شئی اخر فی المسئلة۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد–۱' ص–۱۵۳) یعنی "اہلحدیث تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ پس ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص احادیث یا صحابہ کے ایسے خالص آثار مل جاتے تو پھر وہ کسی کے محتاج نہ رہتے۔"

محدثین اور اہلحدیث کا مسلک حنفیہ کے خلاف تھا۔ کشف الظنون باب الالف ص–۱۱۳ میں مؤلف صاحب حنفی لکھتے ہیں کہ ولاهل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع یعنی اہلحدیث کی تصانیف بھی ہیں جو فروعات میں ہمارے مخالف ہیں۔

بہرکیف محدثین کا مسلک مذاہب اربعہ سے جدا ہے کہ وہ مقلد نہیں ہیں بلکہ عامل بالحدیث ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے ان کو فرقہ ناجیہ میں شمار کیا ہے۔ جس سے ان کا رد ہو گیا کہ اہل سنت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں۔ حالانکہ اہلسنت مذاہب اربعہ بلکہ مذاہب اربعہ کے ائمہ اربعہ منسوب الیہم سے بھی پیشتر کے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد–۱' ص–۲۵۶ میں فرماتے ہیں: من اهل السنة والجماعة مذهب قدیم معروف قبل ان یخلق اللّٰه ابا حنیفة ومالکا والشافعی واحمد فانه مذهب الصحابة الذین تلقوه عن نبیهم ومن خالف ذالک کان مبتدعا عند اهل السنة یعنی "اہل سنت والجماعت میں سے ایک قدیم مذہب ہے جو اس وقت سے پیشتر کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد کو پیدا کیا تھا۔ کیونکہ وہ مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابہ کا ہے۔ جنہوں نے وہ مذہب اپنے نبی سے سیکھا تھا اور جو کوئی اس مذہب کے خلاف چلے وہ اہل سنت کے نزدیک اہل بدعت میں شمار ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ وہ مذہب اہلحدیث کا ہے جس پر صحابہ و تابعین تھے اور یہی اہل سنت ہیں جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کیونکہ وہ سب بغیر تقلید شخصی کے احادیث نبویہ پر عمل کرتے تھے۔ کیونکہ پیغمبر کی موجودگی میں سب امتی اپنے رسول کے تابع ہوتے ہیں اور سب اس کے سامنے گردن جھکا کر پیروی کرتے ہیں۔ پس اتباع نبوی ہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔ اس لیے صحابہ اول اہل سنت ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے والے دیگر لوگ بعد میں اہل سنت ہیں۔ چنانچہ کتاب الفصل لابن الحزم سے ثبوت گذر چکا ہے کہ صحابہ اہلحدیث اور اہل سنت ہیں' فتذکر۔

اور یہی محدثین کا طرز عمل تھا۔ مصفی شرح مؤطا فارسی جلد ۱' ص ۴ پر ہے کہ "باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاویٰ بر دو وجہ اند۔ اول آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع میکروند و ازاں جا استنباط مے نمووند۔ ایں طریقہ اصل راہ محدثین است۔" یعنی پہلے لوگوں کا مسائل کے استنباط اور فتاویٰ میں دو طرح سے طریقہ تھا۔ اول یہ کہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع کر کے ان سے مسائل اخذ کرتے تھے۔ یہ اصل راہ محدثین کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب اور طریقہ اہلحدیث کا ہے۔ پھر محدثین کو فرقہ ناجیہ میں شمار کرنا اور اہل حدیث کو اس سے خارج کر کے اہل ہوئی قرار دینا صریح تعصب اور تقلیدی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ محدثین کا اور اہلحدیث کا نام ایک' مسلک ایک' طرز استدلال ایک' دعویٰ ایک' عمل ایک اور سب ہی غیر مقلدین۔ تو پھر بعض کو گروہ ناجیہ میں شمار کرنا اور بعض کو خارج کرنا تحکم ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا رد خود انہی کے کلام سے ہو گیا کہ فرقہ ناجیہ محدثین اور اہل سنت ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی مذاہب اربعہ فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہیں اور ان کو اہل سنت میں داخل کرنا مقلدین کا ذاتی خیال ہے۔

مذاہب اربعہ کے گروہ ناجیہ میں داخل نہ ہونے کی دوسری دلیل ⇦

پہلے جوابات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ طائفہ اہل حق اہلحدیث ہے اور اسی طائفہ

کا دوسرا نام اہل سنت ہے اور یہ ہردو نام مترادف ہیں اور یہ ما انا علیه واصحابی کے مصداق ہیں اور یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ لیکن مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں کہ "حنفی سلفی بھی اہلحدیث ہیں۔ ما انا علیه واصحابی کے طریق پر ہیں اور ناجی ہیں۔ کیونکہ اہلحدیث وہ جماعت ہے جو حدیث قولی و فعلی آنحضرت ﷺ کو شرعاً" حجت سمجھتے اور بوقت نہ ملنے حدیث نبوی ﷺ کے آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے اور مثل حنبلیوں اور مالکیوں اور شافعیوں اور محدثین کے حنفیوں سلفیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔" ملاحظہ ہو اصول شاشی' حسامی' نورالانوار' مسلم الثبوت' توضیح تلویح وغیرہ کتب اصول' الخ۔ (بوادر النوادر جلد۔۲' ص۔۴۳۳)

میں کہتا ہوں توضیح معہ تلویح میں لکھا ہے کہ فاما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد یعنی مقلد کے لیے صرف امام مجتہد کا قول دلیل شرعی ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے کہ اما المقلد فمستنده قول مجتهده یعنی مقلد کی دلیل صرف امام کا قول ہے۔ مسلم کے ص۔۲۸۹ میں ہے کہ التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة یعنی بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔ کذا فی مسلم الثبوت والمختصر لابن حاجب۔

"قول سدید" حنفی مطبوعہ ص۔۲ میں ہے کہ التقلید الاخذ بالرای من غیر دلیل یعنی بغیر دلیل شرعی کے کسی کی رائے پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔ پس مقلد وہ شخص ہے جو اپنے امام کے اقوال پر بغیر دلیل شرعی کے عمل کرے اور اسی پر فتویٰ دے۔ چنانچہ درمختار مصری جلد۔۱' ص۔۵۳ میں ہے: لایفتی ویعمل الا بقول الامام الاعظم یعنی نہ فتویٰ دے اور نہ عمل کرے مگر صرف امام اعظم کے قول پر۔

اس لیے حنفی کی تعریف یہ ہے کہ ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد الامام اباحنیفة فی المسائل الفرعیة (الرفع والتکمیل) اسی طرح غنیة الطالبین میں ہے کہ اما الحنیفة فهم اصحاب ابی حنیفة یعنی حنفی وہ لوگ ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔

پس قرآن و حدیث و اجماع پر عمل کرنا یا کسی ایسے قول اور مسئلہ پر عمل کرنا جو مؤید بالاوی ہے' تقلید نہیں ہے اور ایسا عامل مقلد نہیں ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

فالرجوع الى النبى صلى الله عليه وسلم والى الاجماع ليس منه وكذا العامى الى المفتى والقاضى الى العدول لايجاب النص ذالک عليهما یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث ماننا یا اجماع امت پر عمل کرنا یا کسی بے علم کا عالم کے فتوے پر عمل کرنا یا کسی قاضی کا گواہوں کے قول پر اعتبار کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسا کرنے کا حکم ہے (اور تقلید کہتے ہیں بغیر حکم شرعی کے صرف اپنی طرف سے حسن ظن رکھ کر کسی کے قول پر عمل کرنے کو)

مسلم الثبوت جلد-۲' ص-۳۵۱ میں ہے کہ لان الاخذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیدا یعنی "صاحب الوحی (نبی) کی بات ماننا تقلید نہیں ہے-" اس تصریح سے ثابت ہوا کہ مقلدین حنفیہ خصوصاً اور دیگر مقلدین عموماً اہلحدیث گروہ سے خارج ہیں- کیونکہ اہلحدیث جماعت وہ ہے جو ان مسائل و احکام پر عمل کرے جو جناب نبی کریم ﷺ سے باستمداد وحی الٰہی صادر ہوئے ہیں- یا نبی ﷺ کے روشن قلب نے نازل شدہ اصول سے ان کا استخراج کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا ہے- پس کہاں رہا نور نبوت سے روشنی حاصل کرنا اور کہاں رہا تقلید میں مارے مارے پھرنا-

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

اس واسطے میزان شعرانی جلد-۱' ص-۱۰ میں لکھا ہے: ولا تقنعوا بالتقليد فان ذالک عمى فى البصيرة یعنی "تم تقلید پر قناعت نہ کرو کہ یہ دل کی بصارت کو تحقیق حق سے اندھا کر دیتی ہے-" عقد الجید ص-۴۰ میں ہے کہ امام ابن حزم نے فرمایا کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ سوائے رسول اللہ ص کے کسی کا قول بلا دلیل قبول کرے- اور تفسیر کبیر جلد-۲' ص-۸۷ میں ہے کہ لا فرق بين متابعة وساوس الشيطان وبين متابعة التقليد یعنی تقلید کے پیچھے پڑنا اور شیطان کے وسواس کی پیروی کرنا یکساں ہے-

اور شامی شرح درمختار حنفی جلد-۱' ص-۳۵۷ میں ہے کہ فاخرج نفسک عن ظلمة التقليد وحيرة الاوهام واستضئى بمصباح التحقيق یعنی "تقلید کی گمراہی اور اندھیرے اور وہموں کی حیرت سے نکل کر تحقیق سے روشنی حاصل کرو-" تفسیر روح المعانی جلد-۱' ص-۸۹ میں ہے کہ اگر گمراہی کا کوئی باب ہے تو وہ تقلید ہے-

پس نہ تقلید کا ثبوت قرآن سے ہے اور نہ حدیث سے اور نہ اجماع امت سے۔ یہ تو صاف گمراہی ہے۔ اس لیے مقلدین مذاہب اربعہ خصوصاً حنفیہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں اور مولانا اشرف علی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کو حجت جانتے ہیں، سراسر باطل ہے۔ کیونکہ حجت جاننے کا مطلب اس کو دلیل شرعی سمجھ کر عمل کرنے کا ہے اور ان کا عمل قول امام پر ہے جو بلا دلیل ہے، کمامر۔ ہاں ان چار فرقوں کے ساتھ مولوی اشرف علی صاحب نے محدثین کا بھی نام لیا ہے، یہ صحیح ہے۔ وہ فی الواقع احادیث نبویہ کے عامل ہیں لیکن اس سے اہل سنت اور اہلحدیث کا مذاہب اربعہ میں منحصر کرنا باطل ہو گیا۔ **ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا۔**

تنبیہہ : مولوی اشرف علی صاحب نے حنفی سلفی کا اہلحدیث کے ساتھ الحاق کیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ حنفی خلفی اہلحدیث اور اہل سنت نہیں ہیں۔ کیونکہ حنفی سلفی تقلید شخصی پر جمود نہ رکھتے تھے اور تعیین مذہب کو وہ حکم شرعی نہ جانتے تھے۔ جیسے امام طحاوی کہ گو وہ حنفی ہیں لیکن تقلید پر جمود مثل حنفی خلفی کے نہیں رکھتے تھے۔ **هل یقلد الا عصبی اوغبی** یعنی تقلید وہی کرتا ہے جو متعصب ہے یا غبی ہے۔ لیکن پچھلے حنفی جو فرقہ ناجیہ کو مذاہب اربعہ میں منحصر کر کے تقلید پر جمود رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "اخیر بات مقلد کی شفا کے لیے یہ ہے کہ مقلد کے ذمہ اثبات بالدلیل نہیں۔ اس کے لیے متبوعہ فی المذہب کا قول بس ہے۔"

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ **یفتی بقولهم ولا یخالفهم برایهم ولا ینظر الیٰ قول من خالفهم ولا یقبل حجته** یعنی اپنے مذہب کے اماموں کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے اور ان کے خلاف کوئی کتنی ہی دلیلیں پیش کرے ان کو قبول نہ کرنا چاہیے۔ یہ ہے التزام مذہب جس پر یہ شعر کہا جاتا ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علیٰ من رد قول ابی حنیفه

(جو ہمارے امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے اس پر ریت کے ذروں کے برابر لعنت ہے)

ایسے مقلدین کو ہم فرقہ ناجیہ سے خارج اور صاف مشرک جانتے ہیں۔ کیونکہ ایسی تقلید کا ثبوت قرآن و حدیث نبوی ﷺ سے نہیں ہے۔ میزان شعرانی جلد۔۱، ص۔۴۳ میں ہے: وكان الامام ابن عبد البر يقول ولم يبلغنا عن احد من الائمة انه امر اصحابه بالتزام مذهب معين (الى قوله) وكان يقول ايضالم يبلغنا فى حديث صحيح ولا ضعيف ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر لاحدا من الامة بالتزام مذهب معين یعنی امام ابن عبدالبر فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو کسی امام سے ایک مذہب معین لازم کر لینے کا حکم دینا ثابت نہیں ہوا اور نہ یہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ ائمہ میں سے کسی ایک امام کے نام کا مذہب بنا لو۔

اور نہ صحابہ کرام اور تابعین کا یہ تعامل تھا بلکہ وہ عامل حدیث تھے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانصاف میں لکھتے ہیں: ان العلماء من الصحابة والتابعين لم يزل شانهم انهم يطلبون الحديث فى المسئلة یعنی تمام علماء، صحابہ کرام اور تابعین کا ہمیشہ یہ حال رہا کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث رسولؐ کی تلاش اور طلب میں رہتے تھے۔

اور جب سے لوگوں نے حدیث کا طلب کرنا چھوڑ کر علم فقہ و رائے قیاس کی تقلید کی طرف رجوع کیا، گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ میزان شعرانی جلد۔۱، ص۔۵۴ میں ہے کہ قال ابوحنيفة لم يزل الناس فى صلاح مادام فيهم من يطلب الحديث فاذا طلبوا العلم بلا حديث فروا۔

حنفیوں کے علماء کا حال حجتہ اللہ میں شاہ صاحب نے یہ لکھا ہے کہ وہ ایک شخص کے مقرر کردہ اصول پر مسائل کی تخریج کرتے تھے اور نظیر کو نظیر پر قیاس کر کے مسائل بناتے تھے۔ احادیث اور آثار صحابہ کی پڑتال نہیں کرتے تھے، الخ۔ بس اس سے حنفیہ کے ڈھول کا پول کھل گیا کہ وہ اہلحدیث نہ تھے بلکہ اہل رائے کے مقلد تھے اور نہ اہل سنت تھے کیونکہ توضیح تلویح مطبوعہ نو لکشور ص۔۳۵۴ میں ہے کہ اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة الرسول عليه السلام واصحابه رضى الله عنهم دون اهل البدع، الخ۔ یعنی اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ نہ کہ اہل بدعت

کا طریقہ۔

اس سے مولوی اشرف علی صاحب کا جھوٹ اور ان کے کلام کا بطلان اور دیگر مقلدین کی تکذیب ظاہر ہو گئی کہ مقلدین حنفی اہل سنت ہیں اور اہل سنت چار فرقوں میں منحصر ہیں اور حنفی قولی' فعلی حدیث اور آثار صحابہ کے طالب رہتے ہیں۔ زمانہ حاضرہ کے حنفی لوگ مولوی اشرف علی صاحب کو حکیم الامت کہتے ہیں اور ان کی بات کو کلام حکیم تصور کر کے فورا قبول کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: احذرکم زیغة الحکیم فان الشیطان قد یقول الضلالة علیٰ لسان الحکیم وقد یقول المنافق کلمة الحق۔ (اعلام الموقعین ص-۲۴۹) یعنی لوگو! میں تم کو ان فقہاء کی غلطیوں سے ڈراتا ہوں (تم دھوکہ نہ کھانا) کبھی شیطان ان کی زبانوں پر گمراہی کی باتیں کہتا ہے اور کبھی منافق بھی کلمہ حق کہہ دیتا ہے۔ (لہذا تقلید نہ کریں تحقیق سے کام لیں) فافهم وتدبر ولا تغفل۔

مقلدین مذاہب اربعہ کے غیر ناجی ہونے پر تیسری دلیل ⇦ مولوی اشرف علی صاحب نے ہم کو کتب اصول کے ذریعہ مذہب حنفی کو جانچنے کا حکم دیا ہے۔ سو ہم نے ان کتابوں سے اس تقلیدی مذہب کو جانچا تو معلوم ہوا کہ یہ صاف گمراہ اور طائفہ ناجیہ سے بالکل خارج ہے۔ "اصول شاشی" بحث عام میں آیت وامهاتکم الّتی ارضعنکم کہ تمہارے پر تمہاری وہ مائیں بھی حرام ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے' پیش کر کے حدیث نبوی لاتحرم المصة ولا المصتان ولا الا ملاجئه ولا الا ملاجتان یعنی ایک بار یا دو بار پستان کا چوس لینا یا ایک بار یا دو بار پستان بچہ کے منہ میں ڈالنا نکاح کو حرام نہیں کرتا۔ ولم یمکن التوفیق ههنا فیترک الخبر۔ پس اس مقام پر آیت قرآن اور حدیث رسول میں موافقت نہیں ہو سکتی۔ لہذا حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا اور ہدایہ میں اس مسئلہ پر لکھا ہے کہ وما رواه مردود بالکتاب یعنی امام شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے وہ قرآن سے مردود ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں ان حنفیوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وهذا غلط ظاهر وجسارة علیٰ رد السنن بمجرد الهوی وتوهين صحيحها لنصرة المذاهب وقد جاء فی اشتراط العدد احادیث کثیرة مشهورة والصواب اشتراطه یعنی حدیث

عدد رضاعت کو حیلہ بہانے سے رد کرنا غلط ہے اور یہ محض اپنی خواہش سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو رد کرنا ہے جو بڑی دلیری ہے اور صحیح کو اپنے مذہب کی حمایت میں ضعیف کہنا بڑی جرات ہے۔ حالانکہ عدد رضاعت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں (جن کے حنفیہ اہل سنت بننے والے تارک ہیں) اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ عدد رضاعت مشروط ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اصول شاشی والے کا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث میں موافقت نہیں ہو سکتی بلکہ لڑائی قائم ہے' یہ بھی جھوٹ ہے۔ موافقت صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں اضافت مطلق تھی' حدیث نبوی نے اس کو ایک دو بار سے مقید کر دیا۔ پس اس سے زائد موجب حرمت ہے۔ یہ معارضہ نہیں ہے بلکہ حدیث قرآن کا بیان اور تفسیر ہے۔ تفسیر لباب التاویل جلد-۳' ص-۱۷۷ میں ہے کہ متٰی وقع تعارض بين القرآن والحديث وجب تقديم الحديث لان القرآن مجمل والحديث مبين' الخ۔ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو قرآن پر حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ قرآن مجمل ہے اور حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔

لیکن حنفیوں کا کام یہ ہے کہ وہ احادیث کو قرآن سے لڑا بھڑا کر چھوڑتے ہیں۔ بس انہی کے اصول مخترعہ سے استمداد کر کے نیچری' اہل قرآن' منکرین حدیث اور جماعت اسلامی کے فلاسفر پیدا ہوئے ہیں۔ اصول شاشی اور نور الانوار میں مقلدین تارکان حدیث نبوی نے یہ قاعدہ گھڑا ہے کہ خبر واحد جس کو غیر فقیہ راوی روایت کرے' قیاس کے مقابلہ میں چھوڑ دی جائے گی اور قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ پھر حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما صحابیان رسول ﷺ کو جن کی اکثر احادیث حنفی مذہب کا رد کرتی ہیں' غیر فقیہ قرار دیا ہے۔ تاکہ کوئی اہلحدیث یا شافعی مذہب کا عالم ان صحابیوں کی روایتوں کو حنفی مذہب کے رد میں نہ پیش کر سکے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ میں ان کے اس اصولی مسئلہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور بعض نے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل کرنے کی توفیق نہیں ملی' اپنے پاس سے یہ قاعدہ گھڑ لیا ہے اور عذر کیا کہ جو حدیث کوئی غیر فقیہ راوی روایت کرے

جب اس سے دروازہ قیاس کا بند ہو جاتا ہو تو اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔"
(جلد۔۲' ص۔۱۰۳)

اس قاعدہ میں دو باتیں ہیں۔ ایک قیاس کے مقابلہ میں حدیث نبوی کو چھوڑنا۔ دوم صحابہ رسول کو غیر فقیہ قرار دینا۔ حالانکہ سب صحابہ عدول اور فقیہ ہیں۔ خصوصاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو مجتہد فقیہ ہیں۔ جن کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ ایسے ہیں جیسے سونے کے مقابلہ میں پیتل ہے۔ اس قاعدہ سے مقلدین حنفیہ تارک حدیث بنے ہیں۔ چنانچہ اصول شاشی میں ہے کہ **وعلٰی هذا ترک اصحابنا روایة ابی هریرة فی مسئلة المصراة** یعنی اس قاعدہ کی بنا پر ہمارے حنفیہ نے مسئلہ مصراۃ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو چھوڑ دیا ہے۔

اسی طرح حنفیوں نے بیسیوں احادیث کو ترک کیا ہے اور اسی طرح دیگر مقلدین اپنے مذہب کے خلاف احادیث کو ترک کرتے ہیں اور اپنے اماموں کی فقہ کو مانتے چلے جاتے ہیں اور احادیث نبویہ کا اپنے مذاہب کی رو سے بٹوارہ کر رکھا ہے۔ ایک تو حنفی لے لے' ایک شافعی لے لے' ایک مالکی لے لے' ایک حنبلی لے لے۔ گویا انہوں نے باوا کی میراث سمجھ لی کہ باہم حصے بخرے کر کے بانٹ لیں۔ لیکن اہلحدیث کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ وہ تو سب احادیث نبویہ کو باہم موافق کر کے مان لیتے ہیں۔ **تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض** نہیں کرتے جو خلاف ایمان ہے۔

پھر اس پر تعجب یہ ہے کہ یہ مقلدین اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں۔ حالانکہ سنت اور جماعت کے ساتھ صاف دشمنی کر رہے ہیں۔

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث
(مثنوی روم)

اس لیے امام شعرانی کشف الغمہ میں یہ فرما گئے ہیں کہ **والمذهب الواحد بلا شک لا یحتوی علٰی کل احادیث الشریعة** یعنی ایک مذہب بلاشبہ تمام احادیث شریعت محمدیہ پر حاوی نہیں ہے۔

جب ایک مذہب میں تمام احادیث نبویہ نہ پائی گئیں تو جس قدر وہ خلاف حدیث

ہے' اسی قدر اس میں باطل اور فاسد مسائل شامل ہیں تو ہر مذہب باطل اور حق سے مرکب ہو گیا یعنی چاروں مذہبوں میں حق علی سبیل الدوران ہے۔ بعض مسائل میں ایک مذہب حق اور درست ہے اور بعض میں دوسرا اور بعض میں تیسرا اور بعض میں چوتھا۔ تو جتنے حصہ میں حق نہیں ہے اتنے حصہ میں بطلان اور فساد ہے۔ پس حق اور باطل سے جو مذہب مرکب ہو وہ مجموعہ کے لحاظ سے باطل ہے۔ لہٰذا چاروں مذاہب اپنی اس ہیئت کذائیہ اور عملیہ سے باطل ہوئے۔ اس لیے یہ فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہیں گو خالی دعویٰ کرتے ہیں۔

حلوہ حلوہ گر بگوئی صد سال
در گفتن حلوہ نہ شوی شیریں کلام

مقلدین مذاہب اربعہ کے غیر ناجیہ ہونے پر چوتھی دلیل ⇦ جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "عقد الجید" میں تقلید اور اجتہاد پر بڑی بحث کی ہے۔ ایک جگہ وہ فرماتے ہیں کہ تقلید دو قسم پر ہے۔ ایک واجب ہے اور دوم حرام ہے۔ واجب تو یہ ہے کہ جاہل عامی جو کتاب و سنت کو نہیں جانتا اور بذات خود تتبع اور استنباط کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پس اس کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ کسی عالم فقیہ (زندہ) سے پوچھ لے کہ رسول اللہ ﷺ نے فلانے فلانے مسئلہ میں کیا حکم فرمایا ہے۔ جب وہ عالم بتا دے' خواہ صریح نص سے یا اس سے استنباط کر کے یا غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کر کے بتا دے' اس کی اتباع کرے۔ یہ سب صورتیں آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اس بات کے صحیح ہونے پر تو تمام امت کا اتفاق ہے بلکہ تمام امتیں اپنی اپنی شرائع میں ایسی صورت پر متفق ہیں۔ اس تقلید کا نشان یہ ہے کہ اس کا عمل مجتہد کے قول پر مثل مشروط کے ہے کہ حدیث کے موافق ہو اور وہ ہمیشہ حدیث کی تلاش میں رہے۔ جب اس کو کسی جگہ سے اس مجتہد کے قول کے خلاف حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل کرے اور قول کو چھوڑ دے۔

ائمہ نے یہی بات کہی ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی ہمارا مذہب ہے اور ہمارے کلام کو دیوار پر مار دو اور امام ابو حنیفہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل سے واقف نہ ہو' اس کو میرے کلام پر فتویٰ دینا لائق نہیں (بلکہ حرام

ہے) اور امام احمد نے فرمایا کہ نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک کی اور نہ کسی اور کی اور احکام وہاں سے لو جہاں سے ائمہ دین نے لئے ہیں یعنی کتاب و سنت سے اور حرام تقلید یہ ہے کہ کسی فقیہ کے حق میں یہ گمان کرلے کہ یہ انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے' ممکن نہیں کہ خطا کرے۔ جب اس مقلد کو صحیح صریح ایسی حدیث کہ اس عالم فقیہ کے خلاف ہو تو قول کو نہ چھوڑے۔ (جیسے موجودہ حنفی مقلدین نہیں چھوڑتے) یا یہ خیال کرے جب میں اس کا مقلد ہو گیا تو میرے حق میں اللہ کا حکم اسی کا قول ہے۔ یہ مقلد ایسا ہے جیسے بیوقوف ممنوع التصرف۔ پھر اگر اس کو حدیث مل جائے اور صحت کا یقین بھی کرے تو بھی نہ مانے۔ کیونکہ اس کا ذمہ تقلید میں لگا ہوا ہے۔ پس یہ اعتقاد فاسد ہے اور بات کھوٹی ہے۔ جس کا عقل اور نقل سے کوئی شاہد نہیں ہے اور قرون سابقہ میں ایسا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس مقلد نے اپنے گمان کاذب میں غیر معصوم کو حقیقی معصوم ٹھہرا لیا ہے اور اس کا گمان یہ ہے کہ اللہ کا حکم اسی کا قول ہے' الخ۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے "وصیت نامہ" میں بھی یہ فرمایا ہے کہ "فقہ کے مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرتے رہو جو مطابق ہوں ان کو قبول کرو اور جو مخالف ہوں ان کو دفع کرو اور جو تقلید کو دستاویز بنائے ہیں اور کتاب و سنت کو ترک کر رکھا ہے' ان کی طرف التفات نہ کرو۔ اللہ کا قرب ان کی دوری میں ہے۔"

اس سے یہ واضح ہوا کہ جاہل عامی کسی عالم بالقرآن والحدیث سے مسئلہ دریافت کر لیا کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں مسئلہ میں کیا فرمایا ہے۔ جب وہ بتا دے تو پھر بھی دیگر علماء سے حدیث نبوی کی تلاش کر کے اس کے صحیح یا غلط ہونے کی تحقیقات کرتا رہے۔ اگر خلاف ظاہر ہو جائے تو فوراً حدیث نبوی پر عمل کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا بلکہ تقلید پر جمود رکھے گا تو وہ گمراہ ہے جو اپنے عالم مجتہد کے قول کو دلیل شرعی جانتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ مقلدین کون سی تقلید کر رہے ہیں۔ سو ہم نے کتب اصول اور فقہ کو دیکھا تو تقلید کی دوسری قسم مقلدین میں پائی جاتی ہے۔ "توضیح" مصری ص ۸۱ میں ہے کہ **قول المجتھد دلیلا لہ** کہ مجتہد کا قول ہی مقلد کے لیے دلیل ہے۔ نیز لکھا ہے کہ **فاما المقلد فالدلیل عندہ قول المجتھد فالمقلد یقول ھذا**

الحکم واقع عندی لانہ ادی الیہ رای ابی حنیفۃ الخ۔ (توضیح مطبوعہ مصر جلد-۱' ص-۳۰۶) یعنی مقلد کے لیے اس کے امام کا قول دلیل ہے اور وہ یوں کہے کہ یہ حکم میرے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ کی رائے اس بارے میں یہی ہے اور جس مسئلہ میں ابوحنیفہ کی رائے ہو گی وہی میرے نزدیک صحیح ہے۔

پس اس طرح مقلد بننے سے اس کی طرف منسوب ہونے لگے گا اور اس کے نام کا مستقل مذہب بنا لے گا۔ چنانچہ اس طرح سے مذہب بنے ہیں۔ اب یہ مقلد اپنے مقرر کردہ امام اور اس کے مذہب سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اگر نکلے گا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ چنانچہ درمختار جلد ثالث کے باب التعزیر میں ہے کہ ارتحل الی مذھب الشافعی یعزر یعنی اگر یہ مقلد حنفی مذہب سے نکل کر شافعی مذہب میں چلا گیا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ اور شامی میں ہے کہ اس پر واجب ہے کہ اپنے امام کے قول پر فتویٰ دیتا رہے۔ اگرچہ معلوم نہ ہو کہ امام نے یہ کس دلیل سے کہا ہے۔

بس یہ تقلید حرام ہے اور پہلی قسم جو دلیل اور حدیث کے مطابق ہونے کی شرط ہے' اس کو اصطلاح فقہاء میں تقلید کہا ہے۔ دراصل وہ اتباع ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ تمام عمر کے واسطے ایک امام اور مجتہد کا مذہب لازم نہ کرے کہ بس اسی سے مسئلہ دریافت کرے اور اسی کے مذہب کا التزام کرے ورنہ پھر یہ بھی بدعت اور خلاف قرآن و حدیث ہو جائے گا۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر باب آداب القاضی شرح ہدایہ جلد-۳' ص-۲۴۷ میں فرماتے ہیں کہ فلا دلیل علی وجوب اتباع المجتھد المعین بالزام نفسہ ذالک قولا او نیۃ او شرعا بل الدلیل اقتضی العمل بقول المجتھد فیما احتاج الیہ بقولہ تعالی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون یعنی اپنے پر خاص ایک مجتہد معین کے قول و فعل کو لازم اور واجب پکڑنے پر کوئی بھی دلیل شرعی نہیں ہے بلکہ دلیل شرعی کا اقتضاء یہ ہے کہ خواہ کوئی مجتہد ہو جب کسی کی طرف حاجت پڑے تو اس سے مسئلہ دریافت کر لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تم نہ جانتے ہو تو کسی عالم سے مسئلہ پوچھ لو۔

امام ابن ہمام کا یہ فرمان صحیح ہے کہ جاہل کسی عالم سے مسئلہ دریافت کر کے عمل

کرے۔ لیکن کسی خاص امام کی تقلید واجب جان کر اس کے نام کا مذہب بنانے پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ جب شرعی دلیل نہ ہوئی تو یہ بدعت ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو اس دین سے نہ ہو تو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ شر الامور محدثاتها یعنی بدترین کام دین میں نئے کام ہیں۔ اور فرمایا کل بدعة ضلالة یعنی دین میں نیا کام نکالنا گمراہی ہے۔ بنابریں مذاہب اربعہ بدعت اور مردود اور گمراہی پر مبنی ہیں۔

نہ رکھ تقلید کی کچھ بھی سند پھر اس پہ اڑتے ہیں
عجب یہ مقلد لوگ ہیں کہ بے ہتھیار لڑتے ہیں

مذاہب اربعہ کے غیر ناجیہ ہونے پر پانچویں دلیل ⇦ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱، ص ۱۷۰ میں فرقہ ناجیہ اہل سنت کی تعریف یہ لکھی ہے: هم الآخذون فی العقیدة والعمل جمیعا بما ظهر من الکتاب والسنة وجری علیه جمهور الصحابة والتابعین یعنی فرقہ ناجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقیدہ اور عمل میں ان احکام کو لیتے ہیں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اور ان پر جمہور صحابہ اور تابعین کا تعامل رہا ہے۔

یہ تعریف اور اہل سنت والجماعت کی تعریف ہر دو قریب المعنی ہیں۔ یہ تعریف جملہ سلف صالحین اور سابقین اولین اور وسط زمانہ کے مومنین موحدین و عاملین بالحدیث اور خلیفۃ المسلمین حضرت مہدی اور ان کے عہد کے مسلمین آخرین پر صادق آتی ہے۔ ان از منہ اول، اوسط اور آخر کے مسلمانوں کا متفقہ مذہب خلاف تقلید شخصی و تعیین مذہب شخص واحد کے، محض عمل بالقرآن والحدیث ہے۔ نہ صحابہ و تابعین حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی تھے اور نہ محدثین عاملین بالحدیث مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مقلد تھے اور نہ عہد امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلمین مقلد کسی مذہب واحد کے ہوں گے۔

پس مذہب سچا وہ ہے جو ابتداء" و وسطا" و انتہاء" قائم ہو۔ نہ وہ جو ابتداء" بھی

اس کا وجود نہ ہو اور انتہاء" بھی نہ ہو بلکہ عہد ضلالت میں مستحدث ہو کر پھر مٹ گیا ہو۔ سو اس معیار کے مطابق اہلحدیث جو اہل سنت ہیں' فرقہ ناجیہ ہیں اور حنفی شافعی وغیرہ مقلدین مذاہب اربعہ نہیں ہیں کیونکہ نہ ان کا وجود ابتداء میں تھا اور نہ انتہاء میں ہو گا' **کما ہو الظاہر**۔

تقلید شخصی اور مجتہد معین کے نام پر مذہب بنانا اور اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا اور پھر اس کو چار میں محدود کرنا یہ اہل سنت یا فرقہ ناجیہ کی تعریف کی ماہیت میں داخل نہیں ہے اور نہ اب داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت یا فرقہ ناجیہ وہ ہے جو مذاہب اربعہ میں داخل ہو یا حنفی ہو یا شافعی یا مالکی ہو یا حنبلی۔ کیونکہ پھر نہ صحابہ اہل سنت ہو سکتے ہیں اور نہ تابعین نہ خود ائمہ اربعہ اور نہ امام مہدی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے عہد کے مسلمین سب فرقہ ناجیہ سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب مذاہب اربعہ میں داخل نہ تھے اور نہ ان کی طرف منسوب تھے اور نہ عہد مہدی میں ہوں گے۔

یہ جو قصہ مقلدین میں مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا اور ان سے ایک بزرگ قشیری نے اور پھر قشیری نے ایک ہزار کتابیں لکھ کر دریائے جیحون میں ڈلوا دیں جو ایک صندوق میں بند تھیں اور ان کو ایک مؤکل نے لے کر دریا میں بطور امانت محفوظ کر لیا۔ اب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اس کو نکالیں گے اور پھر اس پر خود عمل کریں گے اور لوگوں سے کرائیں گے۔ جس سے حنفی مذہب پھیلے گا اور باقی مذہب مٹ جائیں گے۔ (انیس الجلساء)

یہ سب جھوٹ اور افتراء اور طوطا مینا کے افسانوں کی طرح حنفیہ کے عجائبات سے ایک عجیب افسانہ ہے لیکن تاہم بعض مقلد جامد غیر محقق جو علم قرآن و حدیث سے جاہل ہیں' وہ اس پر اعتماد کر کے یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام ابوحنیفہ کے مقلد ہوں گے۔ **نعوذ باللہ من ہذا القول**۔

چنانچہ درمختار کے مؤلف نے جلد۱' ص۔۴۲ میں لکھا ہے کہ **یحکم بمذہبہ عیسیٰ علیہ السلام** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذہب حنفی کے مطابق حکم نافذ کریں

گے۔ شارح صاحب کتاب ہذا کہتے ہیں کہ **وتبع فیه القهستانی** یعنی قہستانی بھی اس عقیدۂ باطل میں ان کے مقلد ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان مقلدین غالین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخت توہین کی ہے۔ وہ کلمتہ اللہ اور روح اللہ' امام صاحب کے شاگرد کے شاگرد ہرگز نہ ہوں گے بلکہ وہ قرآن و حدیث پر عامل ہو کر اہلحدیث اور اہل سنت ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ **امامکم منکم**۔

اس جملہ کی تفسیر راوی حدیث حضرت ابن ابی الذئب ؓ یہ فرماتے ہیں کہ **امکم بکتاب ربکم عزوجل وسنة نبیکم صلی الله علیه وسلم** (مسلم جلد۔ا' ص۔۸۷) یعنی وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے تمہاری امامت کرائیں گے۔ اسی طرح نووی شرح مسلم میں ہے کہ **ینزل حاکما بهذه الشریعة** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو حاکم شریعۃ النبی ﷺ ہوں گے۔

اور وہ شریعت بصورت قرآن و حدیث آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ تفسیر کبیر میں تحت آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** لکھا ہے کہ **فانزل الله تعالیٰ شریعة کاملة وحکم ببقائها الیٰ یوم القیمة فالشرع ابدا کان کاملا**۔

بس اس شریعت پر حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمل کریں گے اور کرائیں گے۔ نہ حنفی ہوں گے اور نہ شافعی وغیرہ۔ چنانچہ حافظ سیوطی اپنے رسالہ "اعلام" میں فرماتے ہیں: **مایقال انه یحکم بمذهب من المذاهب الاربعة باطل لا اصل له** یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان چار مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کر کے لوگوں میں اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے' یہ بالکل جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حنفی مذہب کی کتاب شامی میں ہے کہ **هذا کلام باطل لا اصل له ولا تجوز حکایته الا لرده** یعنی یہ ساری کہانی محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل' جس کا بجز تردید کرنے کے بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے (کیونکہ اس میں نبی اللہ کی توہین ہے)

فوائد حنفیہ فی تراجم **الحنفیه** کے مقدمہ ص۔٦ میں ہے: **وشاع مذهب ابی حنیفة الیٰ بلاد بعیدة ومدن عدیدة (الیٰ اخر) ولا یزال هذا الانتظام الیٰ ان یظهر**

المجتهد المطلق اخر ائمة الحق الامام المهدی محمد بن عبد الله المهدی وینزل عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام فیبطل فی زمنهما الاتباع والتقلید ویظهر حکمها بطریق الاخذ من الکتاب والسنة والاستنباط من مشکوٰة النبوة علی الرای السدید نص علیه جماعة من المحققین مؤیدی الدین المتین فی دفاترهم وانصارهم کابن حجر العسقلانی، والجلال السیوطی ومحمد بن عبد الرسول البر زنجی وعلی القاری والشیخ محی الدین العربی واما قول بعض المجهولین والمتعصبین وان عیسیٰ والمهدی یقلد ان الامام اباحنیفة ولا یخالفانه فی شئی من طریقه فهو من اقوال السخیفة نص علیه ارباب الشریعة والحقیقة بل هو رجم بالغیب بلا شک وریب' الخ۔

یعنی "مذہب حنفی بہت سے شہروں میں دور تک پھیل گیا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ اس کی اشاعت اور انتظام ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ امام مہدی ظاہر ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو ان کے زمانہ میں اماموں کی تقلید باطل ہو جائے گی اور قرآن و حدیث پر عمل و حکم ظاہر ہو گا اور حدیث نبوی سے قیاس صحیح کے ساتھ مسائل کا استخراج ہوا کرے گا۔ اس پر علماء محققین نے تصریح کی ہے اور اپنی تصنیفات میں اس کو بیان کیا ہے۔ جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی اور جلال الدین سیوطی اور محمد بن عبدالرسول بزرنجی اور ملا علی قاری اور شیخ محی الدین عربی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف بعض مجہول اور متعصب حنفیوں نے جو یہ کہا ہے کہ خلیفہ مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام ابو حنیفہ کے مقلد ہوں گے اور ان کے مذہب کے کسی مسئلہ کا خلاف نہیں کریں گے' یہ بالکل ردی اور بے عقلی کے اقوال ہیں۔ جس کی اصحاب شریعت نے خوب صراحت کر دی ہے بلکہ یہ بلاشبہ غیب دانی کے گولے پھینکنا ہے۔"

ان تصریحات سے یہ ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ کے مناقب میں جو یہ قصہ گھڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگاتے ہوئے ان کی توہین کی گئی ہے' اس سے مذہب حنفی کی قدامت اور صداقت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے مقلدین کی حالت ضلالت ثابت ہو گئی ہے اور یہ واضح ہو گیا ہے کہ مذہب اہل حدیث قدیم ہے اور وہ ابتداء

سے انتہا تک ہمیشہ قائم ہے۔ پس یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ مذاہب اربعہ فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہیں کیونکہ وہ چہارم صدی میں تیار ہوئے ہیں اور اہل سنت فرقہ ناجیہ عہد نبوی سے چلا آرہا ہے۔

حجتہ اللہ جلد-۱' ص-۱۲۲ میں ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک مذہب معین تقلید شخصی پر لوگ جمع نہ ہوئے تھے اور اعلام الموقعین جلد-۲' ص-۲۰۶ میں ہے کہ "یہ بدعت چہارم صدی میں پیدا ہوئی ہے۔"

جب یہ بدعت ہے تو فرقہ ناجیہ میں اہل مذاہب اربعہ (اس بدعت کے مرتکبین) داخل نہیں ہو سکتے بلکہ اس سے خارج ہیں' **فتدبر ولا تکن من الغافلین۔**

تنبیہہ! علماء حنفیہ وغیرہم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں مذاہب اربعہ کی تقلید باطل ہو جائے گی۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اس زمانہ مبارک میں عہد نبوی ﷺ کی روشنی ظاہر ہو جائے گی اور تقلید شخصی نہ رہے گی۔ سب لوگوں کا تعامل خالص کتاب و سنت پر قائم ہو جائے گا۔

پس ابتداء" کتاب و سنت کا تعامل ہونا اور انتہاء" بھی اسی حالت صاف مصفیٰ پر اسلام کا آجانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ تقلید شخصی اور تعیین مذہب شخص واحد اسلام میں داخل نہیں ہے اور نہ قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت ہے' ورنہ یہ ہر زمانہ میں قابل عمل رہتی۔ پس اس سے علماء دیوبند کا یہ دعویٰ کہ تقلید شخصی اسلام کا مسئلہ ہے' بالکل باطل ہے۔

دیوبند کی مذہبی درسگاہ کے آرگن "القاسم" مطبوعہ جمادی الثانی سنہ-۱۳۳۸ھ کے ص-۳ پر ہے: "تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے۔ جس کے لیے اہل اسلام اللہ اور رسول کی طرف سے مامور ہیں۔"

یہ صریح اللہ اور رسول پر تہمت اور اسلام پر بڑا بہتان ہے۔ تقلید شخصی کا وجود اسلام میں بالکل نہیں ہے اور نہ اللہ اور رسول نے اس کا کہیں حکم دیا ہے۔ نامعلوم یہ لوگ خود قرآن و حدیث سے جاہل ہیں یا ان کے اکابر کتاب و سنت سے ناواقف تھے۔

فتح القدیر کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ **فلا دلیل علی وجوب اتباع المجتهد المعین بالزامه نفسه ذالک قولا او نیة او شرعا** یعنی ایک امام معین کی تقلید لازم

کر لینے پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔

اور علامہ ملا علی قاری حنفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ یہ تکلیف دی ہے کہ حدیث پر عمل کریں، بل کلفهم ان يعملوا بالسنة۔ (شرح عین العلم ص-۳۲۶)

اور حنفیہ کی معتبر کتاب "مبسوط" میں ہے کہ ولو جاز التقليد كان من مضٰى من قبل ابى حنيفة مثل الحسن البصرى و ابراهيم النخعى احرى ان يقلدوا۔ (ص-۲۸، جزء-۱۳، مطبوعہ مصر) یعنی اگر تقلید اسلام میں جائز ہوتی تو امام ابوحنیفہ سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں، جیسے امام حسن بصری اور ابراہیم نخعی وغیرہ تو وہ بہ نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زیادہ لائق تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی، فتذكر۔

اب امام محمد کی غیر مقلدی ملاحظہ فرمایئے! کتاب الحج ص-۱۲۹ میں نصاب زکوٰۃ اناج کے متعلق امام محمد فرماتے ہیں: ولسنا ناخذ من قول ابى حنيفة وابراهيم ولكنا ناخذ بما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة انتہیٰ۔ یعنی "امام ابوحنیفہ اور ابراہیم نخعی کے قول کو ہم نہیں لیتے بلکہ ہم اس حدیث کو لیتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ ہے کہ کھیتی کی پیداوار پر خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر زکوٰۃ فرض ہے اور اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ پانچ وسق یعنی اکیس من اناج میں زکوٰۃ فرض ہے اور اس سے کم میں نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہوا۔ اب امام محمد نے اپنے استاد امام ابوحنیفہ کا قول چھوڑ دیا اور حدیث نبوی کو لے لیا۔ یہی اہلحدیث کرتے ہیں کہ وہ ائمہ کے اقوال کو حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو غیر مقلد کہا جاتا ہے۔ لیکن امام محمد نے ایسا کیا تو ان کو غیر مقلد نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ صاف انکار کر رہے ہیں کہ لسنا ناخذ من قول ابى حنيفة یعنی ہم ابوحنیفہ کے قول کو نہیں لیتے۔ اب کہاں گیا وہ شعر۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
على من رد قول ابى حنيفة

کہ جو ابوحنیفہ کے قول کو رد کر دے اس پر ریت کے ذروں برابر لعنت ہے۔ یہ لعنت امام محمد پر پڑے گی' جنہوں نے حدیث کے ساتھ امام ابوحنیفہ کا قول رد کر دیا ہے یا ایسا گندہ خبیث شعر بنانے والے اور لکھنے والوں پر پڑے گی' جنہوں نے تقلید شخصی کو پختہ کرنے کے لیے اپنی تصنیفات میں درج کر دیا ہے۔

اسی طرح ان حنفیوں پر پڑے گی جو مزارعت اور مساقات اور اجرت تعلیم قرآن اور مفقود الخبر کی عورت کے نکاح کے بارے میں ان کے اقوال کو ترک کر کے غیر مقلد بن گئے ہیں۔ نیز امام محمد کے فرمان سے مولوی احمد علی صاحب لاہوری کی نقل کردہ عبارت از شامی جلد-۱' ص-۴۸ کا رد بھی ہو گیا ہے جو یہ ہے: **روی عن جمیع اصحابه من الکبار کابی یوسف ومحمد وزفر والحسن انهم قالوا ماقلنا فی مسئلة قولا الا هو روایتنا عن ابی حنیفة واقسموا علیه ایمانا غلاظا** الخ۔ یعنی ابوحنیفہ کے تمام شاگردوں ابویوسف' محمد' زفر' حسن سے یہ روایت ہے کہ ہم نے کسی مسئلہ میں کوئی بات نہیں کہی' کوئی فتویٰ نہیں دیا مگر یہ کہ اس میں ابوحنیفہ سے روایت ہے اور اس پر سب نے بڑی سخت قسمیں کھائی تھی۔ پس تمام فقہ کے اقوال امام ابوحنیفہ کا ہی مذہب ہے خواہ کسی کا قول ہو۔

یہ روایت سراسر جھوٹ ہے جو ان اماموں پر تہمت ہے۔ کتب اصول فقہ اور کتب مسائل فقہ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ صاحبین اور دیگر شاگرد صاف طور پر اپنے امام کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں اور ان کے قول کو چھوڑ رہے ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی دوسرا قول مروی ہوتا تو وہ پیش کر دیتے یہ اپنے امام کی عصمت قائم کرنے کو اور تقلید شخصی اور تعیین مذہب کو پختہ کرنے کے لیے بات گھڑی ہے۔ جس پر مولوی احمد علی صاحب نے اعتماد کر کے تمام اقوال ائمہ حنفیہ متضاد کو حنفی مذہب قرار دے دیا ہے۔ جس سے اجتماع ضدین لازم آگیا ہے۔ ایک ہی مسئلہ میں حرام اور حلال دو حکم ایک مذہب میں جمع کر دیئے ہیں' جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ افسوس ہے یہ لوگ کتب فقہ کی بے سند روایت پر بھی اعتماد کر لیتے ہیں اور حدیث بالاسناد کو بھی مسترد کر دیتے ہیں۔

مذاہب اربعہ کے غیر ناجیہ ہونے پر چھٹی دلیل ⇦ بروئے حدیث افتراق

امت فرقہ ناجیہ ایک ہے۔ چنانچہ صاف الفاظ ہیں: "ملة واحدة" "كلها فى النار الا ملة واحدة" یعنی ایک فرقہ ہے اور دیگر حدیث صحیح "لا تزال طائفة من امتى" سے بھی یہ ثابت ہے کہ فرقہ ناجیہ ایک ہے اور وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ جب حدیث میں صاف ایک کی صراحت آگئی ہے تو مذاہب اربعہ ناجیہ میں شمار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ چار ہیں اور حدیث میں ایک کی نجات کی خبر ہے' نہ کہ چار کی۔ لہٰذا حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی طائفہ ناجیہ سے خارج ہیں' ان کو فرقہ ناجیہ شمار کرنا خلاف حدیث ہے۔ بعض مقلدین یہ کہا کرتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ایک ہے اور اس کی شاخیں چار ہیں' چونکہ درخت سب کا ایک ہی ہے' لہٰذا وحدت قائم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خیال خام اور قول باطل ہے۔ کیونکہ اس طرح تو تمام فرقے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب ایک اسلام کی شاخیں ہیں' درخت اسلام ایک ہی ہے۔ ایک امت محمدیہ کی سب شاخیں ہیں۔ درخت امت ایک ہے۔ ایک شریعت محمدیہ کی سب فرقے شاخیں ہیں' درخت ایک ہے۔ جس طرح یہ باطل ہے اسی طرح وہ باطل ہے۔

جب افتراق و اختلاف سے دیگر فرقے پارٹیوں میں تقسیم ہو کر باہم ایک نہ رہے جدا جدا ہو گئے۔ یہ چار فرقے بھی افتراق و اختلاف سے ایک نہ رہے بلکہ ایک دوسرے سے جدا جدا ہو گئے' جن کو چار فرقے اور چار مذہب کہا جاتا ہے۔ ان کے منسوب الیہ جدا جدا' کتابیں جدا جدا' اصول جدا جدا' فروع جدا جدا' عمل جدا جدا' نام جدا جدا' پھر نامعلوم افتراق کس جانور کا نام ہے اور وحدت و توحد' اتفاق و اتحاد کیا ہوتے ہیں؟ حقیقت شناس تو یہ کہتے ہیں۔

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

اس افتراق سے بیت اللہ میں چار مصلے جہات اربعہ میں بنائے گئے' جن پر چار امام نماز جدا جدا مقرر ہوئے اور ایک ہی وقت میں چار جماعتیں جدا جدا نمازیں پڑھتی رہیں۔ وہ کہتے تھے ہماری طہارتوں میں فرق ہے' نماز کے وقتوں میں فرق ہے' نماز کے فساد و بطلان میں فرق ہے' فرائض میں فرق ہے' طرز ادا میں فرق ہے' جائز اور ناجائز

میں فرق ہے' اصول میں فرق ہے' فروع میں فرق ہے۔ لہٰذا ہم ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ نمازیں پڑھیں گے اور ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کریں گے۔ سب اپنے اپنے مذہبوں کو سچا کہتے تھے اور دوسرے کو خطا پر قرار دیتے تھے اور ان کا یہ قول مشہور ہے: **مذهبنا صواب يحتمل الخطاء ومذهب خصمنا خطاء يحتمل الصواب** یعنی ہمارا مذہب درست اور حق ہے لیکن اس میں خطا کا شبہ ہے اور ہمارے مخالفین کا مذہب خطا ہے لیکن اس میں درستگی کا احتمال ہے۔

جب سب مقلدین اپنی اپنی جگہ یہ کہتے ہیں تو چاروں ایک کیسے ہوئے۔ یہ تو زمین و آسمان کا فرق ہو گیا پھر اگر ایک شخص اپنے مذہب سے نکل کر دوسرے مذہب میں چلا جائے تو وہ مستوجب تعزیر ہو جائے' کمامر۔ کیا یہ وحدت ہے؟

کتابوں میں تو ایک دوسرے کے مسائل کو رد کر رہے ہیں اور باطل قرار دے رہے ہیں۔ لیکن باہر سے لوگوں کو یہ دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہم چاروں مذہب ایک ہیں۔ یہ مثال ہاتھی کے دانتوں کی ہے کہ کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور ہیں۔ جب چاروں فرقوں میں بدیہی افتراق و اختلاف موجود ہے تو پھر ان کو ایک کہہ کر ناجیہ بننے کا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے؟ فرقہ ناجیہ میں اختلاف و افتراق نہیں ہے' وہ ایک جماعت ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ **واحدة فى الجنة وهى الجماعة**۔ (دار قطنی و مسند احمد) یعنی ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ ایک جماعت ہے۔

اس کے برخلاف مذاہب اربعہ کی چار جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک حنفی جماعت' دوم شافعی جماعت' سوم مالکی جماعت' چہارم حنبلی جماعت اور چاروں کے امام اور پیشوا علیحدہ علیحدہ ہیں جن کی طرف وہ جماعتیں علیحدہ علیحدہ منسوب ہیں اور ہر مقلد کو اس کے مذہب کے مفتیوں کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ **ولا ينظر الىٰ قول من خالفهم ولا يقبل حجته**۔ (قاضی خاں) یعنی "اپنے بڑوں کے اقوال کے خلاف جو کوئی بات کہے اس کی طرف دیکھنا بھی نہ چاہیے گو وہ کتنے ہی دلائل پیش کرے کسی کو بھی قبول نہ کرنا چاہیے۔" بلکہ یہاں تک تاکید کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں امام شافعی کا قول دریافت کرے تو حنفی مولوی کو چاہیے کہ اپنے امام کا قول اس کو سنا دے۔ (درمختار) یہ وحدت کا نمونہ ہے۔

واضح ہو کہ اختلاف دو قسم ہے۔ ایک نصی' دوم اجتہادی۔ نصی اختلاف میں حق ہر دو طرف دائر ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں طرف نص موجود ہوتا ہے اور اس میں امت کے لیے آسانی ہے۔ مثلاً مسافر کے لیے صوم کا حکم ہے یا افطار کا تو اس مسئلہ میں نص دونوں طرف موجود ہے' لہٰذا دونوں جائز ہیں۔ اسی طرح متنفل نماز نفل کو کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر سو دونوں طرح جائز ہے۔ مگر بیٹھنے سے آدھا ثواب ملے گا۔ رات کو جب اکیلا نفلی نماز پڑھے تو قرات بلند آواز سے پڑھے یا خفیہ' یہ دونوں طرح جائز ہے۔

اجتہادی اختلاف کی دو نوع ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں طرح درست ہو لیکن ایک دوسرے سے اولیٰ ہو۔ جیسے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے فیصلہ میں جو زراعت کے نقصان کرنے پر دو مختلف فیصلے ہوئے لیکن سلیمانی فیصلہ داؤدی فیصلہ سے بہتر تھا۔ دوم یہ کہ دونوں طرح درست نہ ہو ایک صواب ہو اور دوم خطا ہو۔ خطا پر مجتہد کو ثواب ہے لیکن بعد از علم خطا پر مصر نہ ہو۔

پھر اختلاف دو قسم ہے۔ ایک حقیقی' دوم غیر حقیقی۔ حقیقی وہ ہے جو اصولی اور فروعی اختلاف ہو جس سے گروہ بندی ہو جائے۔ یہ باعث ضلالت اور موجب نار ہے۔ دوم غیر حقیقی' یہ وہ اختلاف ہے جو اصولی یا فروعی ہو لیکن اس سے گروہ بندی کی نوبت نہ آئے۔ اس کے کئی نواع ہیں۔ ایک یہ کہ نص کے فہم سے ہو' دوم یہ کہ نص کے نہ ملنے سے ہو' سوم تقلیدی' چہارم نفسانی۔ پہلے دو نوع تو موجب عفو ہیں اور باقی دو نوع ضلالت اور عذاب نار ہیں۔

سو مذاہب اربعہ کا اختلاف باہمی حقیقی ہے اور گروہ بندی کا ہے جس سے وحدت قائم نہیں رہی۔ لہٰذا یہ چار گروہ طائفہ ناجیہ قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ قرآن مجید میں ہے: **ولا يزالون مختلفين الا من رحم ربك** یعنی لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گئی' وہ اس سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رئیس التابعین فرماتے ہیں کہ **فان اهل الحق ليس فيهم اختلاف**۔ (الاعتصام للشاطبی جلد ۱' ص ۳۹) یعنی اہل حق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ معمولی اختلاف تو صحابہ اور ائمہ مجتہدین و محدثین میں بھی ہوا ہے۔ مگر اس اختلاف کے اسباب و انواع مختلف ہیں لیکن اس اختلاف سے گروہ بندی نہیں ہوئی۔ لہٰذا ایسا اختلاف موجب معافی ہے۔ پس اہلحدیث کے درمیان بعض مسائل کا اختلاف ہے جو معمولی اور غیر حقیقی ہے' جو نصوص کے فہم سے ہے ایسا مضر نہیں ہے۔ حضرت حسن بصری آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ **فان اهل رحمة الله لا يختلفون اختلافا يضرهم** یعنی اہل رحمت ایسا اختلاف نہیں کرتے جو (ان کو باہم تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچائے) مضرت رساں ہو۔ (الاعتصام جلد-۱' ص-۱۴۵)

شیخ الاسلام اختلاف امت کے ذکر میں بیان فرماتے ہیں کہ **ثم بعد ذالک اختلاف اهل الحديث وهم اقل الطوائف اختلافا فی اصولهم** یعنی اس کے بعد اہلحدیث کا اختلاف ہے جو سب فرقوں سے اصول میں کم اختلاف رکھتے ہیں۔ (منہاج السنہ جلد-۳' ص-۲۱)

شرح عقیدہ طحاویہ فی عقیدہ السلفیہ ص-۴۳۹ میں افتراق و اختلاف کو دو قسم میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اختلاف تنوع' دوم اختلاف تضاد۔ اختلاف تنوع کئی صورتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ دونوں فعل یا قول شرعاً حق ہوں' صرف فضیلت کا فرق ہو' جیسے اذان اور اقامت کی صفت میں اختلاف ہے۔ قرآن کے بعض الفاظ کی قرات میں فرق ہے مگر سب جائز ہیں۔ تشہد کے الفاظ اور دعاء استفتاح اور تکبیرات عید میں اختلاف ہے مگر سب جائز اور مشروع ہیں۔ بعض یہ کہ دو قول مختلف ہیں مگر ایک دوسرے کے معنی اور مطلب میں ایک ہیں' صرف الفاظ مختلف ہیں۔ سمیات کی تعبیرات اور حدود کے الفاظ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ان میں ایک دوسرے پر ظلم اور تعدی روا نہیں ہے۔ سب کی مطابقت کر کے عمل کریں۔ دوم اختلاف تضاد ہے اور یہ وہ ہے کہ دو قول اصول میں یا فروع میں باہم مخالف اور ایک دوسرے کے منافی ہوں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مصیب ان میں ایک ہوتا ہے' دوسرا خطا پر ہوتا ہے۔ ایک کی تسلیم سے دوسرے کا رد لازم آجاتا ہے۔ مثلاً مدرک رکوع مدرک رکعت ہے یا نہیں؟ اور بے نماز کافر ہے یا مسلمان؟ عمل ایمان میں داخل ہے یا نہیں؟ یہ دونوں متضاد اور

متعارض ہیں۔ ان میں مصیب ایک ہے باقی خطا پر ہیں' یہ اختلاف مذموم ہے۔ خصوصاً جب پارٹی بندی ہو جائے تو پھر یہ اختلاف بہت ہی برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اختلاف سے منع فرمایا ہے کہ **ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجآءھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم**۔ (آل عمران) یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ' جنھوں نے اختلاف کیا اور وہ پارٹیاں پارٹیاں ہو گئے' بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل آئے (جیسے یہود و نصاریٰ) ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اور جگہ قرآن میں ہے کہ **ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی** یعنی جنھوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سی پارٹیاں بن گئے۔ (اے نبی!) آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ (انعام)

ایک مقام پر یہ ارشاد ہے: **ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ** یعنی دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (شوریٰ)

دیگر مقام پر فرمایا: **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا** یعنی اللہ کی رسی (اسلام) کو سب اکٹھے ہو کر مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔ (آل عمران)

ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوا کہ اختلاف اور پارٹی بندی دین میں ایک لمحہ کے لیے بھی قابل برداشت نہیں ہے اور جو لوگ ملت کی ہیئت اجتماعیہ سے نکل کر پارہ پارہ ہو گئے' وہ افتراق اور اختلاف فی الدین کے مرتکب ہوئے۔ ایسی مفسد پارٹی سے نبی کریم ﷺ کو کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا بلکہ آپ کو ایسے گروہ سے مکمل بائیکاٹ کرنے کا حکم ہے۔

پس موجودہ مذاہب اربعہ کا اختلاف و افتراق بھی مذموم اور قابل نفرت ہے۔ اس لیے یہ ناجیہ فرقہ میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ شرعاً اختلاف مذموم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تصریح کردہ جزئی کا خلاف کیا جائے پھر اس خلاف پر قائم رہ کر اہل حق سے جدا ہو جائے تو یہ افتراق ہے پھر جب اس خلاف میں کئی لوگ شامل ہو کر ایک جماعت بن جائیں تو یہ ایک فرقہ ہے۔ بس اس طرح چاروں مذہب چار فرقے ہیں' جن سے دین میں تفرقہ لازم آگیا ہے اور لوگ اصول و فروع میں باہم جدا جدا ہو گئے ہیں۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

قرآن کریم میں اختلاف و نزاع کے وقت حکم یہ ہے کہ مختلف فیہ چیز کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اور تنازع کو رفع کر لو۔ (یہ حکم انفرادی نزاع کا ہے' جب کسی ایک مسئلہ یا چیز کا جھگڑا ہو۔ اگر مذہبی نزاع اور جماعتی ہو تو پھر ہدایت یہ ہے کہ **من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ (مشکوٰۃ)**

چنانچہ صاف آیت ہے: **فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللّٰه والرسول۔** (نساء) جس طرح اصول شریعت میں اختلاف نہیں ہے۔ اس طرح فروع میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی اصول یا فروع میں اختلاف ہو کر نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا کر فیصلہ کر لو اور پھر باہم متفق رہ کر وحدت قائم رکھو لیکن موجودہ چار فرقوں کی باہم حد بندی ہو کر تقلید شخصی کی ایسی پابندی ہو چکی ہے کہ وہ اول تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاتے ہی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم کو تقلید ہی بس ہے اور اگر لوٹا دیں تو اللہ و رسول کا فیصلہ اور حکم مانتے نہیں ہیں۔ تاویلاً" یا تحریفاً" اس حکم کی تکذیب کرتے ہیں اور تقلید کے محدود دائرہ سے باہر نہیں نکلتے۔

بلکہ تقلید است آں ایمان او
روئے ایماں راندیدہ جان او

مذاہب اربعہ کے فرقہ ناجیہ سے خارج ہونے کی ساتویں دلیل ⇦ ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ **کنا عند النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فخط خطا وخط خطین عن یمینه وخط خطین عن یساره ثم وضع یده فی الخط الاوسط فقال هذا سبیل اللّٰه ثم تلا هذه الایة وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله** یعنی "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کی داہنی

جانب دو لکیریں کھینچیں اور بائیں جانب دو لکیریں اور کھینچیں۔ پھر درمیان کی سیدھی لکیر پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا' یہ ہے اللہ کی راہ۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ بالیقین میری سیدھی راہ یہی ہے اس کی پیروی کرو اور باقی راہوں میں سے کسی راہ پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں راہ راست سے بھٹکا کر گمراہ کر دے گی۔"

یہ حدیث معجزات نبویہ سے ہے جس چیز کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے' وہ واقع ہو گئی ہے۔ آپ نے چار فرقوں کی خبر اس حدیث میں دی ہے اور چار لکیریں کھینچ کر چار مذہبوں کا نقشہ بنا دیا ہے اور ظاہر کر دیا کہ میری امت میں چار فرقے پیدا ہوں گے۔ دوسری حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں کئی فرقوں کا ذکر ہے جس سے دیگر گمراہ فرقے مراد ہیں اور اس حدیث میں چار فرقوں کا ذکر ہے اور وہ چار حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی ہیں۔ ان کے علاوہ جو فرقے چار اکٹھے ذکر کیے جاتے ہوں' کوئی نہیں ہیں۔ چار فرقوں کا ذکر کرنا دو یا تین یا پانچ کا ذکر نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہی چار فرقے مذکورہ مراد ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ چار فرقے گمراہ ہیں اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں اور ایک فرقہ ناجیہ ہے' جس کی تقسیم نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں خط اوسط ایک سیدھی لکیر کھینچی گئی ہے جس کا نقشہ یہ ہے۔

یہ صراط مستقیم ہے اور صراط مستقیم ایک ہے جس میں تعدد نہیں ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے حدیث افتراق امت میں بھی ایک ہی گروہ کا ذکر کیا ہے اور حدیث خطوط میں بھی ایک ہی لکیر بنا کر اس کو صراط مستقیم قرار دیا ہے پھر دائیں بائیں چار لکیریں بنا دیں جو صراط مستقیم سے علیحدہ ہیں۔ ان کا نقشہ یہ ہے جو دائیں بائیں ہیں یا بالبداہت صاف طور پر چار فرقوں اور چار مذہبوں کی پیشگوئی ہے جو پوری ہو گئی ہے۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ میں قرون ثلاثہ کے تعامل اور

حالات مذہبی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: فبعد هذه القرون كان ناس اخرون ذهبوا يمينا وشمالا انهم اطمانوا بالتقليد ودب التقليد فی صدورهم دبيب النمل وهم لايشعرون ...... لايميزون الحق من الباطل ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فان احدهم متبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلدا له فيما قال كان نبی ارسل وهذا نای عن الحق وبعد عن الصواب لايرضیٰ به احد من اولی الالباب یعنی قرون ثلاثہ کے بعد دوسری قسم کے لوگ پیدا ہو گئے جو سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دائیں بائیں چلے گئے اور تقلید شخصی پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ تقلید ان کے دلوں میں چیونٹی کی چال چل کر گھس گئی اور وہ بے سمجھ تھے۔ اس تقلید پر انہوں نے ایسا جمود کیا کہ تحقیق سے حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکے' یہ مذاہب (حنفی شافعی وغیرہ) اور ان کے متعصب مقلدین پیدا ہو گئے جو ہر حالت میں اپنے امام کی تقلید کرتے تھے۔ باوجودیکہ ان کے امام کا مذہب ادلہ شرعیہ سے دور تھا۔ تب بھی اس کی بات کی تقلید کرتے تھے۔ گویا ہر مقلد اپنے امام کو نبی تصور کرتا تھا۔ یہ دین حق سے دور رہنے کی صریح علامت ہے' جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کر سکتا' الخ۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ تقلید سے لوگ راہ حق سے نکلے ہیں اور دائیں بائیں جا کر انہوں نے اپنے مذہب مقرر کر لیے ہیں اور تقلید اور تعیین مذہب پر ایسا جمود کیا کہ گویا اپنے اماموں کو انبیاء کی طرح سمجھ کر ان کے مقلد ہو گئے اور ہر بات میں ان کی تقلید کرنے لگے۔ یہ راہ حق سے صاف دوری اور صریح گمراہی ہے۔ چونکہ یہی حالت مذاہب اربعہ کے مقلدین کی ہے۔ لہذا یہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔

چاروں امام خود تو حق پر ہیں' بایں طور کہ جو مسائل ان کے قرآن و حدیث کے مطابق ہیں' ان میں تو ان کا حق پر ہونا ظاہر ہے اور جن مسائل میں ان سے خطا سرزد ہوئی' وہ عمداً نہیں ہوئی یا تو اجتہادی غلطی سے ہوئی کیونکہ مجتہد مصیب بھی ہے اور مخطی بھی ہے۔ خطا میں اس کو ایک اجر ملتا ہے یا ان کو کوئی حدیث نہیں ملی اور انہوں نے عدم علم کی وجہ سے غلطی کی' اس میں وہ معذور تھے لیکن لوگوں کو وہ تاکید کر گئے کہ جب تک تم ہمارے قول پر دلیل شرعی معلوم نہ کر لو فتویٰ نہ دینا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے: حرام علیٰ من لم يعرف دليلی ان يفتی بكلامی۔ (میزان

شعرانی جلد-۱' ص-۴۸) یعنی جب تک میرے قول کی دلیل معلوم نہ کر لو تم کو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے۔

درمختار اور طحطاوی میں امام صاحب کا فرمان ہے کہ **قال لاصحابه ان توجه لکم دلیل فقولوا به** یعنی "اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ اگر تم کو دلیل مل جائے تو پھر تم اس دلیل سے بات کہو۔" اور روضتہ العلماء میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ میرا قول کتاب اللہ کے مقابلہ میں ترک کر دو اور اگر حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف آجائے تب بھی چھوڑ دو اور اگر صحابہ کے مقابلہ میں خلاف ہو تب بھی چھوڑ دو۔" جب قرآن و حدیث و اقوال صحابہ کے ہوتے ہوئے امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ضرورت نہ رہی تو بس قصہ ختم ہوا۔ تمام دین قرآن و حدیث و آثار صحابہ میں آگیا' باقی کچھ بھی نہ رہا۔ **لہذا** اماموں کے نام پر مذہب بنانے باطل ہوئے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا: **ایاکم والقول فی دین الله بالرای وعلیکم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل** یعنی دین میں کوئی بات رائے سے نہ کہو اور حدیث کی پیروی کو لازم پکڑو۔ کیونکہ جو شخص حدیث سے باہر نکل گیا وہ گمراہ ہو گیا۔ (میزان شعرانی جلد-۱' ص-۶۳)

پس جن مسائل میں امام ابوحنیفہ کے اقوال احادیث کے مخالف ہیں' ان مسائل میں ان کو یا تو احادیث بالکل نہیں پہنچی ہیں یا اگر پہنچی ہیں تو ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا۔ لیکن ہم کو دیگر ائمہ کی تصحیح و تحسین سے اعتماد ہو گیا تو ہم پر پیروی حدیث کی لازم ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ **اذا صح الحدیث فهو مذهبی** یعنی جب تم کو صحیح حدیث مل جائے تو میرا مذہب بھی وہی ہے۔

بس اس تصریح سے صاف ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید اور ان کے نام پر مذہب بنانا باطل ہے۔ اسی طرح دیگر اماموں کے اقوال ہیں کہ انہوں نے اپنی اپنی تقلید سے منع کیا ہوا ہے۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص-۲۸۴ میں ہے کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے حمیدی سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ہم امام شافعی کے پاس تھے تو ان کے پاس ایک شخص نے آکر کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ امام شافعی نے فرمایا اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس طرح اس طرح فیصلہ فرمایا ہے۔ تب اس شخص نے کہا آپ کا فتویٰ اس بارے میں کیا ہے؟ اس پر امام شافعی نے فرمایا کیا تو مجھے کسی گرجا گھر میں بیٹھا ہوا

دیکھتا ہے یا کسی ہیکل میں بیٹھا ہوا؟ اور میرے گلے زنار معلوم کرتا ہے؟ میں تجھے یہ کہہ رہا ہوں کہ اس مسئلہ میں اللہ کے رسول نے اس طرح فیصلہ کیا ہے اور تو مجھے یہ کہہ رہا ہے کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ (کیا میں رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہوں؟)

اس بنا پر شرح العقیدۃ الطحاویہ ص-۲۸۳ میں طریق اہلسنت یہ لکھا ہے کہ

وطریق اھل السنۃ ان لا یعدلوا عن النص الصحیح ولا یعارضوہ بمعقولہ ولا قول فلان یعنی اہل سنت کا طریق کار یہ ہے کہ جب ان کو نص صحیح (قرآن سے یا حدیث سے) مل جائے تو پھر کسی عقلی دلیل کا یا کسی کے قول کا اس نص سے معارضہ نہیں کرتے اور نہ اعراض کرتے ہیں بلکہ اس نص کی تعمیل کرتے ہیں۔

میزان شعرانی اور عقدالجید اور حجتہ اللہ اور انصاف وغیرہ کتابوں میں ائمہ کے اقوال اور روایات نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید سے منع کر دیا تھا اور کسی نے التزام مذہب معین کا حکم نہیں دیا۔ لہذا ائمہ کرام اپنی طرف سے بری ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام وغیرہما عیسائیوں' یہودیوں کی عبادت سے بیزار ہیں۔ یہ گناہ اور جرم مقلدین پر ہے' جنہوں نے دین میں پارٹی بندی کی ہے اور چار مذہب بنائے ہیں۔

پہلے تو انہوں نے تقلید شخصی کا مسئلہ اختراع کیا پھر چار اماموں کا تمام ائمہ میں سے انتخاب کیا پھر ہر ایک کے نام پر مذہب تجویز کئے پھر ہر ایک کے مذہب کا التزام کیا پھر ان کے اقوال کو جمع کیا اور ان کے اقوال کو بمنزلہ اصول تصور کر کے ان سے مسائل در مسائل کا استخراج کیا اور پھر ان کو جمع کر کے کتابیں تیار کیں اور مذاہب کی حدود بنائیں اور پھر حق کو ان میں منحصر کیا۔ یہ تمام کارروائی بدعت اور احداث فی الدین ہے۔ جس کا ثبوت اسلام میں نہیں ہے۔ اگر ثبوت ہوتا تو خلفاء راشدین کے نام پر چار مذہب مقرر ہو جاتے اور تمام امت ان کی پیروی کرتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ تھا۔

پس مذاہب اربعہ اس ہیئت سے بنانا اور ان پر عمل کرنا سراسر باطل ہے اور جو لوگ ان کو حق کہتے ہیں' ان کا قول ناقابل قبول ہے۔

زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں آپ جس کو احیاء کہتے ہیں

جو لوگ چاروں فرقوں کو ناجیہ کہتے ہیں' ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم یہ بتاؤ کہ یہ چاروں فرقے علیحدہ علیحدہ مستقل فرقہ ناجیہ ہیں یا مذاہب اربعہ کا مجموعہ بہیئت اجتماعی فرقہ ناجیہ ہے؟ اگر شق اول ہے تو حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ حدیث میں ایک فرقہ کا ذکر ہے جس میں تعدد نہیں ہے' کماتقدم۔ اور اگر ان مذاہب کا مجموعہ فرقہ ناجیہ ہے تو پھر چاروں مذاہب کے مجموعہ پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ ایک ایک پر جدا جدا نہیں' جس کی صورت یہ ہو گی کہ چاروں مذاہب میں جو متفقہ مسائل ہوں گے' ان پر عمل کرنا لازم ہو گا اور جو مختلفہ ہوں گے' ان کو چھوڑ کر محض قرآن و حدیث پر عمل ہو گا۔ اس سے ایک مذہب کی تعیین اور تقلید باطل ہو جائے گی۔ **ولم یقل بہ احد من المقلدین۔**

دوسرا سوال یہ ہے کہ حق ان چاروں مذاہب میں علیٰ سبیل الدوران ہے یعنی حق مذاہب میں ادھر ادھر پھرتا رہتا ہے' کسی مسئلہ میں کسی امام کا قول بمطابق دلیل ہونے کی وجہ سے حق پر ہوا اور کبھی کسی دوسرے مسئلہ میں دوسرے کا' اسی طرح تیسرے کا' اسی طرح چوتھے کا یا ہر ایک مذہب کے ہر ہر مسئلہ میں **حق علیٰ سبیل التعیین** ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں چار قول متضاد ہیں تو چاروں حق ہیں' تو اس طرح حق میں تعدد لازم آیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ **فماذا بعد الحق الا الضلال** یعنی "حق ایک ہے' اس کے خلاف گمراہی ہے۔" جس سے ظاہر ہے کہ مذاہب اربعہ کے مسائل متعارضہ میں حق متعین نہیں ہے کہ ایک مسئلہ خود حق ہو تو اس کے خلاف بھی حق ہو۔ بلکہ حق کے خلاف گمراہی ہے۔ لہٰذا حق ایک ہے اور وہ چاروں مذاہب میں علیٰ سبیل الدوران ہے۔ پس اس لحاظ سے ایک مذہب میں ایک حصہ حق ہو گا اور باقی ۳/۴ گمراہی ہو گی' تو چاروں مذہبوں سے حق کو گمراہی سے چھان کر لیا جائے گا۔ جس کا طریقہ یہ ہو گا کہ بغیر تقلید شخصی اور تعیین مذہب کے مسائل مذاہب اربعہ کو کتاب و سنت پر پیش کیا جائے گا۔ جو صحیح ہو گا وہ قبول کر لیا جائے گا اور جو خلاف ہو گا وہ رد کر دیا جائے گا۔ یہ مذہب اہلحدیث ہے اور یہی حقیقی اہل سنت ہیں۔

چنانچہ وصیت نامہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "دائما تفریعات فقیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔ آنچہ موافق باشد ور میز قبول آوردن و الا کالائی بد بریش خاوندواون۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن مقشفہ فقہاء راکہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع کتاب و سنت را ترک کردہ اندنشنیدن وبدیشاں التفات نہ کردن قربت خدا جستن بدوری ایناں' الخ۔"

تقلید منصوصات میں نہیں ہوتی' صرف مجتہدات میں ہوتی ہے۔ پس مجتہدات کو کتاب و سنت سے جانچنا ہو گا اور بلا دلیل کسی اجتہادی مسئلہ کی تقلید نہ کرنی ہو گی۔ ورنہ اتباع خطا کی لازم آئے گی۔ کیونکہ مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی درست کہتا ہے۔ لہذا کتاب و سنت پر پیش کرنا ضروری ہے۔ لیکن موجودہ مقلدین ایسا نہیں کرتے۔ کتب حدیث کو صرف تبرکا" پڑھتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے۔ چنانچہ حقیقتہ الفقہ ص-۳۰۷ میں علماء دیوبند کا یہ فتویٰ شائع ہو چکا ہے' جس کی نقل یہ ہے:

"کتب مذکورہ (یعنی بخاری و مسلم وغیرہ) میں ہر قسم کی احادیث ہیں۔ نہ تمام صحیح ہیں' نہ تمام ضعیف اور نہ تمام معمول بہا ہیں' نہ غیر معمول بہا اور اکثر مؤلفین مذکورین شافعی المذہب ہیں۔ پس حنفی المذہب کو اپنے مذہب کی فقہ کی کتابیں معمول بہا بنانی چاہئیں اور مسائل فقیہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ' مفتی دارالعلوم دیوبند"

سوال یہ تھا کہ کتب حدیث صحاح ستہ مستند و مسلم ہیں یا نہیں؟ اور مؤلفین ان کے اہل سنت ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہ ملا کہ ان کتابوں میں صحیح' ضعیف احادیث مخلوط ہیں اور مؤلفین شافعی المذہب ہیں۔ اس لیے ان کا اعتبار نہیں اور ہم حنفیوں کو اپنی کتابوں ہدایہ وغیرہ پر عمل کرنا چاہیے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دیوبند میں کتب حدیث تبرک کے طور پر اور شافعیوں کے دلائل معلوم کرنے کے لیے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں اور عمل ان کا اپنی مذہب کی کتابوں ہدایہ' کنز' قدوری وغیرہ پر ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ چاروں مذہب حق ہیں اور عمل یہ ہے کہ ایک میں محدود رہنا اور دوسرے کے قریب نہ جانا۔ پس یہ صریح گمراہی ہے۔ لہذا حنفی وغیرہ مقلدین فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہو سکتے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے رسالہ عمل بالحدیث میں رقمطراز ہیں کہ **فمن یتعصب بواحد معین غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ ھو الصواب الذی یجب اتباعہ دون الائمۃ الاخرین فھو ضال جاھل الخ۔** یعنی "جو شخص رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی ایک شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور یہ جانے کہ اسی کا قول حق ہے اور اسی کی تقلید واجب ہے' دیگر ائمہ کی نہیں تو وہ گمراہ جاہل ہے۔"

ہر مذہب کے مقلدین کا التزام یہی ہے۔ لہٰذا یہ سب گمراہ ہیں' فرقہ ناجیہ میں داخل ہونے کے حق دار نہیں ہیں۔ فرقہ ناجیہ اہلحدیث ہیں۔ کیونکہ اہل رسول ہیں۔ ملا علی قاری اپنے رسالہ رفع السبابہ کے آخر میں فرماتے ہیں: **اذ من المعلوم ان اھل القرآن اھل اللہ واھل الحدیث اھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی یہ معلوم ہے کہ اہلحدیث اہل رسول ہیں۔ اور ابن مفلح المقدسی آداب الشرعیہ جلد۔۳' ص۔۲۳۷ میں فرماتے ہیں کہ **اھل الحدیث ھم الطائفۃ الناجیۃ القائمون علی الحق** یعنی اہلحدیث ہی وہ طائفہ ناجیہ ہیں جو حق پر قائم ہیں۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۳۶' شمارہ۔۳' ۴' ۵' ۶' ۸' ۹' ۱۰' ۱۱' ۱۲' ۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶

از مورخہ یکم صفر سنہ۔۱۳۷۵ھ تا ۱۵ شعبان سنہ۔۱۳۷۵ھ

اہلحدیث اور حنفی کی خط و کتابت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمنائے دل بس مدحت توحید و سنت ہے
یہی ہے دین و ایمان یہی مقصود ملت ہے

از پسر فرمانبردار طالب مغفرت پروردگار امیدوار رحمت غفار' عفاعنہ اللہ الستار۔
بخدمت شریف جناب والدم بزرگوار' حنفی الطوار' مقلد اقوال ناپائیدار۔
هداه الله تعالیٰ الیٰ احادیث سید الابرار۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف۔
اللهم بالصحة والعافية۔ امابعد۔ فاقول وبالله التوفيق۔

آں جناب کا عتاب نامہ شرف صدور لا کر باعث افسوس و حیرانی ہوا۔ چونکہ شروع بسملہ نہ تھی' اس لیے موجب برکات یزدانی نہ ہوا اور مشروع طریقہ سے سلام مسنون نہ لکھا تھا' اس لیے سبب شادمانی نہ ہوا۔ جب پڑھا تو ضلالت سے بھرپور تھا' اس لیے باعث رحمت رحمانی نہ ہوا۔ اس میں جابجا عتاب بے دستور تھا' جس سے کوئی ظہور امر عرفانی نہ ہوا۔ بس تقلید در تقلید کا سبق تھا' اس واسطے کوئی بھی ظاہر علم حقانی نہ ہوا۔ آہ!۔

میری نگاہ شوق پر اس قدر سختیاں
اپنی نگاہ شوخ پر کچھ بھی سزا نہیں

اب میری ندا جناب والا کو یہ ہے۔

یامن یرید نجاته بیوم حساب
من الجحیم و موقد النیران
اتبع رسول الله فی الاقوال
والاعمال لا تخرج من القرآن

جناب والا کے قہرنامہ کو غور تام اور خوض لا کلام سے مطالعہ کیا گیا۔ اب اس خادم کو اس کا جواب دینا ضروری ہے۔

خط ہوتا ہے کسی نہ کسی کام کے لیے
غرض کہ خط ہوتا ہے عرض و کلام کے لیے

اب بندہ بفضلہ تعالیٰ اہلحدیث ہو کر عامل بالقرآن والحدیث ہو گیا ہے اور جناب والا مقلد اقوال و آراء رہے تو بلاشبہ ہماری باہمی زندگی تلخ ہو گئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے، آمین۔ ؎

زندگی خاک ہو جب فہم میں ہو اتنا خلاف
ہم اجل کہتے ہیں آپ جس کو حیات کہتے ہیں

بہرکیف آپ کے مقالات کے جوابات پیش خدمت ہیں۔ ان کو تعصب سے پاک ہو کر ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

پردہ تم اپنے تعصب کا اٹھا دو دل سے
گر ہے تمہیں منظور جلوۂ جانان حدیث

اب چونکہ آں جناب کا اور اس خادم کا نزاع باپ بیٹے کا نہیں بلکہ اہلحدیث اور حنفی کا نزاع ہے۔ اس لیے یہ بندہ آپ کے اقوال پرملال کو بعنوان حنفی ذکر کرے گا اور اپنے جواب کو اہلحدیث کے عنوان سے بیان کرے گا

بس ہو رہے گا عشق اور ہوس میں بھی امتیاز
اب آیا ہے مزاج تیرا امتحان پر

حنفی: برخوردار سلمہ

اہلحدیث: مسنون یہ امر ہے کہ خطاب سے پہلے بسم اللہ الخ' لکھی جائے۔ چنانچہ قرآن و احادیث سے یہی طریقہ ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ انه من سليمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحيم○ جس خط کا مضمون درج ہے وہ آپ نے پڑھا یا سنا ہو گا۔ اب اس سے آپ اپنے نصوص دلالۃ النص' اشارۃ النص' اقتضاء النص وغیرہ میں سے خیال کر لیں کہ یہ کون سی نص ہے؟ اور آپ نے اس کا خلاف کیا تو بحکم من لم يعمل بسنتي فليس مني آپ اہل سنت رہے یا نہیں؟ ؎

مسلک سنت پہ چلا جا سالک بے دھڑک

جنت الفردوس کو سیدھی گئی ہے یہ سڑک

حنفی : بعد دعاء و سلام مسنون۔

اہلحدیث : مسنون امر یہ ہے کہ جب کوئی کسی کو ملے یا خط لکھے تو السلام علیکم کہے یا لکھے۔ صرف سلام مسنون کہنے سے السلام علیکم کہنے کا ثواب حاصل نہیں ہو سکتا۔ **کما لا یخفیٰ علی اہل العلم بالسنۃ**۔ اب اس سے اہلحدیث اور اہل الرائے کا فرق بھی عملاً معلوم کرتے جائیں کہ اہلحدیث عین سنت کے مطابق عمل کرتے ہیں اور حنفی اپنے رواج پر چلتے ہیں۔ قول و فعل میں جیسا رواج اور عرف ہو جائے ویسا عمل کر لیتے ہیں لیکن اپنے مذہب کا نام اہل سنت رکھتے ہیں۔

یاروں نے گو اناالحق اس منہ سے بول دیکھا
ہیں سر حق سے غافل سب کو ٹٹول دیکھا

حنفی : تم غیر مقلد ہو گئے۔

اہلحدیث : جی ہاں بندہ نے تقلید کا پٹہ گلے سے نکال دیا ہے اور قرآن و حدیث کے زیورات پہن لیے ہیں تاکہ روز جزا میں **یحلون فیہا من اساور من ذھب وحلوآ اساور من فضۃ** کی شان پیدا ہو جائے اور تقلیدی سلاسل و اغلال سے نجات حاصل ہو۔

حنفی : اللہ کا شکر ہے عیسائی نہ ہوئے' یہودی نہ ہوئے' پارسی نہ ہوئے' قادیانی نہ ہوئے' غیر مقلد اہلحدیث ہی ہوئے۔

اہلحدیث : جی ہاں الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ بندہ غیر مقلد اہلحدیث ہوا اور دیگر گمراہ فرقوں سے محفوظ رہا۔ حالانکہ وہ کہتے تھے **کونوا ھودا ونصاری تھتدوا** یعنی یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تب ہدایت ملے گی لیکن بندہ نے "**ملت حنیفی**" میں قدم رکھ کر عمل بالقرآن والحدیث کو پسند کیا کہ اسی میں نجات ہے اور یہی دین اسلام ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

اور حنفی شافعی وغیرہ مذاہب کو بھی میں نے ترک کیا کیونکہ قول سدید ص-۳ میں

شیخ الشیوخ علامہ طحطاوی نے لکھا ہے اعلم انه لم یکلف اللّٰه تعالٰی احدا من عبادہ ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل اوجب علم الدین بما بعث به سیدنا محمدا صلی اللّٰه علیه وسلم والعمل بشریعته۔ یعنی "یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ تعالٰی نے (بذریعہ وحی جلی یا خفی) اپنے بندوں میں سے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی بنے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ جو دین دے کر ہم نے حضرت سید العرب والعجم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اس کا علم حاصل کرو اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرو۔" بس ؎

ما اهلحد یثیم دغارا نه شناسیم
یقول نبی چون و چرا تکرویم

مجھے مقلدین کہتے تو تھے کہ کونوا حنفیا او شافعیا او مالکیا او حنبلیا تهتدوا یعنی تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہو جاؤ تب ہدایت پاؤ گے لیکن مجھے آیات: اتبعوا مآ انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیآء یعنی "انہی احکام کی اتباع کرو جو اللہ تعالٰی کی طرف سے (بذریعہ وحی جلی یا خفی) تمہاری طرف نازل کئے گئے ہیں اور ان کے سوا اولیاء کی پیروی مت کرو۔"

اور فرمایا واعتصموا بحبل اللّٰه جمیعا ولا تفرقوا کہ "اور تم سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی (یعنی اسلام) کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ بندی نہ کرو۔" اور فرمایا ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجآءھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم○ یعنی "تم ان لوگوں کے مثل نہ ہو جاؤ جو فرقہ فرقہ ہو گئے (جیسے یہود و نصاریٰ وغیرہ) اور انہوں نے دین میں اختلاف کیا بعد اس بات کے کہ ان کے پاس دلائل شرعیہ آگئے، ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکم بھما کتاب اللّٰه وسنتی یعنی "میں تمہاری ہدایت کے لیے دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ تعالٰی کی کتاب قرآن مجید ہے اور میری سنت (یعنی حدیث) ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ دین میں فرقہ بندی کرنا خواہ حنفی، شافعی بننا ہو یا قادیانی،

رافضی ہونا ہو۔ یہ یہودی عیسائی ہونے کی مثل ہے اور سب کے لیے "کلھم فی النار" کی وعید آئی ہے اور صرف اس گروہ کی نجات ہے جس کی شان "ما انا علیه واصحابی" ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے جملہ صحابہ کسی فرقہ بندی میں مبتلا ہو کر کسی مذہب حنفی' شافعی وغیرہ پر قائم نہ تھے بلکہ صرف قرآن و حدیث پر عامل تھے۔ لہٰذا میں نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

جس کو کسی پنجابی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

دین نبی دا اکو ہے سی مشرق مغرب تائیں
بے دیناں نے ٹکڑے کیتا ونڈ لیا چوہنہ تھائیں

پس نجات مذہب اہلحدیث میں ہے۔ باقی مذاہب میں ضلالت ہے' جس کا انجام "فی النار" ہے۔ بندہ آں جناب کو بھی اسی گروہ ناجیہ میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ تعالوا الٰی کلمة سوآء بیننا وبینکم یعنی "ایسے کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے" اور وہ اتباع قرآن و حدیث ہے۔

حنفی: کم فہم بے علم سخرئہ شیطان ہے۔

اہلحدیث: بلاشبہ مقلدین اس کے مصداق ہیں کیونکہ وہ "لا تعلمون" کے مخاطب بن کر "فاسئلوا" پر عامل ہونے کے مدعی ہیں۔

ایسے آنجناب نے لکھا ہے۔ فرمایا ہے' "خود عالم نہیں اہل علم سے پوچھ کر عمل کرتے ہیں۔" اور تمذہب بمذہب مجتہدین من حیث یشعرون اولا یشعرون کے ذوق آشنا ہیں۔" جب یہ حالت ہے تو سخرئہ شیطان میں کیا شبہ ہے۔ تقلید کی تعریف بھی یہی ہے۔ امام شافعی اپنی کتاب فقہ اکبر-۱۰ میں فرماتے ہیں: معنی التقلید قبول قول من لا یدری ما قال من این قال وذالک لا یکون علما۔ یعنی "تقلید کسی ایسے شخص کے قول کو قبول کرنے کا نام ہے جس کی بابت یہ علم نہ ہو کہ اس نے کس دلیل سے یہ بات کہی ہے اور تقلید کرنا علم نہیں ہوتا۔"

اس لیے اعلام الموقعین جلد-۱' ص-۴ میں ہے: اجمع الناس علیٰ ان المقلد لیس معدودا من اھل العلم وان العلم معرفۃ الحق بدلیلہ یعنی "اس بات پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ مقلد کا شمار علم داروں میں نہیں ہے اور یہ کہ علم حق کو دلیل کے ساتھ پہچاننے کا نام ہے۔"

سو میں نے اور دیگر اہلحدیثوں نے تو حق کو دلیل شرعی سے پہچان کر لیا ہے اور مقلدین نے بے علم ہو کر اندھا دھند تقلید شخصی کو اختیار کیا ہے۔ وہ بے چارے بے علم مسخرئہ شیطان ہیں۔ یہ حقیقت ہے اور آپ اس کے خلاف قرآن و حدیث کے عاملوں کو ایسا تصور کر رہے ہیں جو یہ بھی بے علمی کی دلیل ہے۔

نہ سر کی ہوش تم کو نہ پاکی
سمجھ ایسی کہاں تم کو خدا کی

اس لیے مقلد کا ایمان صحیح اور مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو علم حاصل نہیں ہے۔ مسلم الثبوت جلد-۲' ص-۳۵۰ میں ہے: للاجماع علیٰ وجوب العلم باللہ وصفاتہ ولا یحصل بالتقلید لامکان الکذب۔ یعنی "اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور تقلید سے علم حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ تقلید میں کذب کا احتمال ہے۔"۔

عبادت بتقلید گمراہی است
خنک رہ روے را کہ آگاہی است
(بوستان)

حنفی: ایسا فٹ بال الخ' تھالی کا بینگن جدھر نشیب پایا لڑھک گیا۔

اہلحدیث: یہ عادت مقلد کی ہوتی ہے کہ کبھی امام ابوحنیفہ کی تقلید کی اور کہہ دیا کہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر اجرت لینی حرام ہے۔ پھر متاخرین نے ضرورت سمجھی کہ اس طرح ہمارے ملا مولویوں کا کام نہیں چلتا تو پھر فتویٰ یہ دے دیا کہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر اجرت لینی جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ مزارعت باطل ہے۔ صاحبین نے جائز کہہ دیا تو مقلد

تھالی کا بینگن بن کر لڑھک گیا۔ کبھی امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ اور کبھی صاحبین کے قول پر فتویٰ اور کبھی امام زفر کے قول پر' کبھی سب کو چھوڑ کر متاخرین کے قول پر فتویٰ اور کبھی ضرورت ہوئی تو حنفی مذہب چھوڑ کر امام مالک یا امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیا۔ یہ فٹ بال ہے' اس کو جو چاہے پاؤں مار کر لے جائے۔ وہ قرآن و حدیث کو جانتا نہیں ہے۔ غیروں کا مقلد ہے جو در بدر پھرتا ہے۔ دعویٰ تو یہ کرتا ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل

علی من رد قول ابی حنیفه

اور عمل کے وقت دوسرے اماموں کے مسائل لے کر امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کر کے ملعون ہو جاتا ہے۔ کوئی اس مذہب حنفی میں شیعہ حنفی ہے اور کوئی معتزلہ حنفی ہے' کوئی مرجیہ حنفی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اپنی کتاب الرفع والتکمیل میں لکھتے ہیں: **وبالجملة فالحنيفة لها فروع باعتبار واختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة۔** اس واسطے "غنیہ" میں حضرت محبوب سبحانی نے حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

اب آپ بتا دیں کہ اہلحدیث تھالی کا بینگن ہے جو قرآن و حدیث پر بطریق صحابہ عامل ہے یا مقلد فٹ بال اور بینگن ہے کہ کوئی اس کو شیعہ کر لیتا ہے اور کوئی معتزلہ بنا لیتا ہے اور کوئی مرجیہ پھر حنفی ہی رہتا ہے۔ کیونکہ تھالیاں مختلف ہیں اور بینگن ایک ہے جو سب میں پھرتا ہے۔ وجودی' الحادی' بریلوی' قبر پرست' تعزیہ پرست سب اس میں شمار ہیں۔

حنفی : اہل علم صاحب الرائے جن کے پاس کتاب و سنت کا علم ہے جو وحی الٰہی کے تدبر اور منشاء الٰہی کے واقف ہیں (تا آخر) ان کو ان کے جادۂ صلاح و سلام سے کسی طرح بھی متحرک نہیں کیا جا سکتا۔

اہلحدیث : یہ اوصاف اہلحدیث کے ہیں۔ وہ کتاب و سنت کا علم رکھتے ہیں اور وہ جادۂ صلاح سے کبھی متحرک نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ میزان شعرانی جلد ۱' ص ۵۴ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: **لم يزل الناس فى صلاح ما دام فيهم من يطلب الحديث فاذا طلبوا العلم بلا حديث فسدوا۔** یعنی "لوگ ہمیشہ درستگی اور ہدایت پر

رہیں گے جب تک ان میں حدیث نبوی کے طلبگار رہیں گے۔ جب حدیث چھوڑ کر اور علم (فقہ' منطق) کی تلاش میں ہوں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ جیسے مقلدین حنفیہ وغیرہ گمراہ ہو گئے کہ علم حدیث کو چھوڑ کر کوئی شیعہ حنفی بن گیا اور کوئی معتزلہ حنفی ہو گیا۔

تقلید است استون جہاں
ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں

حنفی : البتہ جن کے پاس نہ پہلے سے علم ہو نہ دینی فکرو فہم ہو' نہ اہل علم کی صحبت ان کو نصیب ہوئی ہو (الی آخر) ان کو جس کا دل چاہے بہکا لے۔

اہلحدیث : بیشک مقلدین حنفیہ کی یہی حالت ہے کہ کبھی وہ دیوبندی حنفی بن جاتے ہیں اور کبھی بریلوی حنفی ہو جاتے ہیں۔ ایسے سادہ دماغ کہ کوئی پیر ان کو اپنا مرید بنا کر نقش بندی کر لیتا ہے اور کوئی سہروردی بنا لیتا ہے' کوئی قوالی اور راگ کو مباح کر لیتا ہے اور کوئی شیخ کا تصور کرنے لگ جاتا ہے اور کوئی اپنے پیر کو سجدۂ تعظیمی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ الغرض مقلد صاف جاہل کودن ہوتا ہے۔ اس کو جدھر کی ہوا ہوتی ہے ادھر کو کھینچ لے جاتی ہے۔ علماء اصول نے کہا ہے۔ **"التقليد وظيفة الجاهل"** چونکہ جاہل بن کر اپنے مولوی اور پیروں اور اماموں کی تقلید کرتے ہیں' اس لیے جو کوئی چاہتا ہے ان کے مزاج کو بدلتا چلا جاتا ہے۔ نہ ان میں علم کی گہرائی ہوتی ہے کیونکہ تقلید علم کے اور علم تقلید کے بالکل منافی ہے اور نہ ان میں استدلال کی طاقت ہے کیونکہ "نامی شرح حسامی" میں ہے۔ **انما الاستدلال فعل المجتهد** کہ کسی شرعی دلیل سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے۔

اس لیے مقلد کو فہم کی سلامتی حاصل نہیں ہوتی' نہ وہ مجتہد ہوتا ہے اور نہ عامل بالحدیث۔ وہ تو اندھا مقلد ہوتا ہے جو اپنے شیخ' پیر' امام' مفتی پر حسن ظن رکھ کر بلا تحقیق پیروی کرتا رہتا ہے۔

پس خطر باشد مقلد را عظیم
ازرہ و رہزن ز شیطان رجیم

وہ جس کو ولی سمجھ کر پیر پکڑتا ہے وہ بھی آگے سے مقلد ہوتا ہے اور جس سے

مفتی خیال کر کے فتویٰ لیتا ہے وہ بھی مقلد نکلتا ہے اور جس کو عالم جان کر اس کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی مقلد ہوتا ہے۔ سب اندھے ہی اندھے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کوئی کسی کی صحیح رہنمائی نہیں کر سکتا کیونکہ تقلید خود جہالت اور اندھا پن ہے۔ چنانچہ میزان شعرانی جلد ا' ص-۱۰ میں امام احمد کا فرمان ہے۔ **لا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرة** یعنی "تقلید پر قناعت نہ کرو کیونکہ تقلید تو اندھا پن ہے۔

حنفی : اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ تم عیسائی' یہودی' قادیانی نہ ہوئے' غیر مقلد ہی ہوئے۔

اہلحدیث : بندہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو ہر قسم کی یہودیت سے نجات بخشی۔ الحمدللہ' کیونکہ یہودیت دو قسم ہے۔ ایک صغریٰ' دوم کبریٰ۔

کبریٰ کو تو آپ جانتے ہی ہیں وہ تو اصل دین یہود میں پائی جاتی ہے لیکن یہودیت صغریٰ سے آپ ناواقف ہیں۔ وہ بندہ عرض کرتا ہے تاکہ آپ بھی اس سے بچنے کی سعی فرما دیں۔ وہ یہودیت موجودہ حنفیت میں ہے جو دلائل ذیل سے ثابت ہے۔

(ا) قرآن میں یہودیوں کی ایک صفت مشہور ہے : **اتخذوآ احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** یعنی "انہوں نے اپنے عالموں اور صوفی' درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا تھا۔"

حدیث میں ہے: **عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکون فی امتی رجال یدعون الناس الیٰ اقوال احبارھم ورھبانھم ویعملون بھا ویحسدون المسلمین علی التامین خلف الامام کما حسدتکم الیھود علیٰ ذالک الا انھم یھود ھذہ الامة ثلاثا رواہ ابن القطان وصححہ ابن السکن۔ (جمع الجوامع للسیوطی)** یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے آدمی ظاہر ہوں گے جو لوگوں کو اپنے عالموں اور بزرگوں کے اقوال کی طرف دعوت دیں گے اور خود بھی ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں سے امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کریں گے جیسے یہود آمین کہنے پر تم سے حسد کرتے ہیں۔ خبردار! یہ لوگ اس امت کے یہود ہیں۔ تین بار آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔"

اس آیت اور حدیث سے تقلید کرنا عادت یہود قرار دی گئی ہے۔ آپ کے مسلمہ شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر مصری ص-۲۷ میں فرماتے ہیں: ان شئت ان تری انموذج الیہود فانظر الی الذین اعتادوا تقلید السلف۔ یعنی "یہود کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان لوگوں کو دیکھو جو سلف کی تقلید کے عادی ہیں۔

(۲) حدیث میں ایک صفت رائے سے فتویٰ دینے کی آتی ہے' فرمایا: لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا حتّٰی نشاء فیھم المولود ون ابناء سبایا الامم فافتوا بالرای فضلوا واضلوا۔ (رواہ البزار و ابن ماجۃ) یعنی "یہودیوں کی حالت ہمیشہ درست رہی یہاں تک کہ ان میں ایسے لونڈی غلام زادے پیدا ہو گئے کہ انہوں نے رائے سے فتوے دیئے جس سے وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔"

یہ صفت بھی مقلدین میں ہوبہو پائی جاتی ہے۔ علماء متقدمین نے ان کو اہل الرائے اور ان کے امام کو "امام اہل الرائے" لکھا ہے اور اصول شاشی وغیرہ کتب اصول میں صاف لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ کی احادیث کا مقابلہ مجتہد کے قیاس اور رائے سے ہو تو ہم حدیث کو چھوڑ کر رائے کو لیں گے تاکہ رائے کا دروازہ بند ہو جائے۔ بس یہ عین یہودیت ہے جو حنفیت کا لباس پہن کر نمودار ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے نکال لیا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

(۳) ترغیب میں حدیث ہے' فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہود نے اپنا دین خراب کر لیا ہے۔ وہ بڑے حاسد ہیں۔ ان کو مسلمانوں سے تین باتوں پر حسد ہے۔

۱۔ سلام کرنے پر۔
۲۔ صفیں سیدھی کرنے پر۔
۳۔ امام کے پیچھے آمین کہنے پر۔

آج کل حنفی آمین کہنے پر چڑتے ہیں۔

(۴) صف ملانا اور درست کرنا ضروری ہے۔ مگر یہود اس سے چڑتے اور اس کو برا جانتے تھے۔ اسی طرح حنفی لوگ صفوں کے ملانے سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی صفوں کو دیکھو ہر نمازی دوسرے سے دور کھڑا ہوتا ہے' ساتھ مل کر کھڑے نہیں ہوتے۔

(۵) ترغیب میں حدیث ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا' انهم یحسدونا علی شیئی کما حسدونا علی الجمعة یعنی "یہود کو جتنا جمعہ پڑھنے پر حسد ہے اتنا اور باتوں میں نہیں ہے۔" یہ صفت بھی حنفیوں میں ہے۔ یہ دیہات میں جمعہ پڑھنے پر بہت حسد کرتے ہیں' یہ یہودیت ہے۔

(٦) فتح الباری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' ان الیهود لا تعق عن الجارية فعقوا عن الغلام۔ (رواہ البزار) یعنی "یہودی لڑکیوں کا عقیقہ نہیں کرتے' لڑکوں کا کرتے ہیں۔" امام محمد جامع صغیر میں لکھتے ہیں۔ لایعق عن الغلام ولا عن الجارية یعنی "نہ لڑکے کا عقیقہ کرو اور نہ لڑکی کا کرو۔" پس دونوں گروہوں میں مشابہت قائم ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم۔

(۷) حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ خالفوا الیهود فانهم لا یصلون فی نعالهم (رواہ ابوداؤد) یعنی "اے میرے امتیو! یہودی جوتا پہن کر نماز نہیں پڑھتے' تم ان کا خلاف کرو۔" یعنی جوتا پہن کر نماز پڑھا کرو۔ آج اگر مسجد میں جوتا پہن کر نماز پڑھی جائے تو حنفی لڑنے مرنے پر تیار ہیں۔

(۸) ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اراكم ستشرفون مساجد کم کما شرفت الیهود کنائسها یعنی "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی مسجدوں کو خوب مزین کرو گے جیسے یہود اپنے گرجوں کو مزین کرتے ہیں۔" بلاشبہ حنفیوں کی پختہ مسجدوں کا آج کل یہی حال ہے۔

(۹) جامع صغیر سیوطی جلد-۲' ص-۱۰۵ میں امام بیہقی سے روایت نقل کی ہے کہ یہود تمہارے سے ربنا لک الحمد کہنے سے بہت چڑتے ہیں۔ امام محمد کی جامع صغیر اور ہدایہ وغیرہ میں یہ ہے۔ ولا یقول الامام ربنا لک الحمد یعنی "امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔" یہ بھی یہود سے پوری مشابہت ہے۔ ورنہ حدیث سے امام اور مقتدی سب کے لیے ربنا لک الحمد کہنا مشروع ہے۔

(۱۰) قرآن اور حدیث سے یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہود نے اپنے دین میں فرقہ بندی کی ہے۔ اسی طرح مقلدین نے بھی دین کی تربیع کر دی ہے یعنی اسلام کے چار مذہب بنا دیئے ہیں۔

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی اند اختند

حالانکہ سب انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ہدایت قرآن میں یہ ہے' ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی "تم سب مل کر دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔" (تلک عشرۃ کاملۃ)

یہ دس اوصاف یہودیت صغریٰ کے ہیں جن پر میں نے غور کیا تو یہ حنفیت میں موجود پائے۔ اس لیے میں نے اس سے خروج کر کے مذہب اہلحدیث کو قبول کیا جس میں توحید و سنت' اتباع قرآن و حدیث بدرجہ اتم موجود ہے۔ مجھے تو آپ سادہ دماغ' بھولا مزاج کہہ کر فٹ بال اور تھالی کے بینگن سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن مقلدین سابقین میں سے جو عربیت کے ماہر اور بڑے عقلمند تھے۔ وہ بھی حنفیت کو طلاق دے کر اہلحدیث بن گئے تھے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ تاریخ ابن خلکان جلد۔ا' ص۔۴۵۷ میں ذکر ہے کہ "ابوجعفر محمد بن احمد حنفی نے فقہ حنفیہ پر عمل کی اجازت خواب میں آنحضور ﷺ سے طلب کی تو ان کو منع کیا گیا" پھر جلد۔ا' ص۔۳۰۱ میں ہے کہ ابوسعید عبدالکریم فقیہ حنفی تھے پھر اہلحدیث ہو گئے۔ مبارک بن ابی طالب وجیہ نحوی حنفی مذہب کو ترک کر کے اہلحدیث ہو گئے تھے۔ جلد۔ا' ص۔۴۴۵ اسی طرح ابوحامد محمد بن یونس فقیہ مذہب حنفی چھوڑ کر اہلحدیث ہو گئے تھے۔ (جلد۔ا' ص۔۴۷۶) اسی طرح سلطان محمود غزنوی حنفی تھے پھر اہلحدیث ہوئے۔ (جلد۔۲' ص۔۸۶) اسی طرح کئی حنفی شافعی ہو گئے اور کئی شافعی حنفی بن گئے جن کی کتب تواریخ و اسماء الرجال میں تفصیل ہے۔ یہاں ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ مجھ پر جس طرح برس رہے ہیں ان سب پر بھی برس پڑیئے۔

ترچھی نظر سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو
آپ تیر انداز کیسے ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

حنفی : سچ پوچھو تو تم نہ تمہارے بڑے غیر مقلد کوئی بھی نہیں۔ (الی قولہ) دوسروں کے مطلب سمجھانے سے مطلب سمجھتے ہو (الی قولہ) بتلاؤ ذرا عقل پر زور دو

کہ یہ تقلید ہے یا عدم تقلید؟

اہلحدیث : آپ لوگوں کو اور دیگر عوام کو باوجود تقلید کرنے کے تقلید کے معنی سے بالکل بے خبری ہے اور بعض مولویوں کو خبر تو ہے مگر وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں یا فریب کاری سے کام لیتے ہیں۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

پہلے آپ تقلید کا معنی سمجھ لیں۔ لغوی معنی اس کا ہے گلے میں پٹہ ڈالنا اور مجازی معنی اس کا منجد میں یہ لکھا ہے قلده فی کذا ای تبعه من غیر تامل ولا نظر۔ یعنی "کسی کی بات بغیر سوچ سمجھے مان لینا تقلید ہے۔" اور علماء اصول کی اصطلاح میں تقلید کی تعریف یہ ہے' التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة (مسلم الثبوت) یعنی بغیر دلیل کے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔ ترکیب نحوی کے لحاظ سے الفاظ من غیر حجة جار مجرور مل کر لفظ عمل کے متعلق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کے قول پر عمل کرنے کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو' اس پر محض حسن ظن رکھ کر عمل کیا جائے تو وہ تقلید ہے۔ پس جس کے قول پر شرعی دلیل سے عمل کیا جائے وہ تقلید نہیں ہے۔ مثلاً والدین کی اطاعت دلیل شرعی سے ہے' یہ تقلید نہیں ہے۔ عامی شخص کو بحکم فاسئلوا مفتی سے فتویٰ لینے کا حکم ہے' یہ تقلید نہیں ہے۔ حاکم کو گواہان ثقہ کی شہادت قبول کرنے کا حکم ہے' یہ تقلید نہیں ہے۔ قرآن و حدیث پڑھ کر ان پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے' فالرجوع الی النبی صلی اللہ علیه وسلم او الی الاجماع لیس منه وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لا یجاب النص ذالک علیهما۔ (جلد-۲' ص-۳۵۰) نیز لکھا ہے' لان الاخذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیدا یعنی "صاحب وحی کی بات لینا تقلید نہیں ہے۔"

اسی طرح راوی کی روایت لینا اور مخبر کی خبر قبول کرنا یا کسی مورخ کی تاریخی بات لے لینا تقلید نہیں ہے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کے فرقوں پر عمل کرنے پر دلائل شرعیہ ہیں اور دلائل ہر چیز کے اس کے لحاظ سے اور اس کی شرعی حیثیت سے ہیں۔

مثلاً رسول کی بات قبول کرنے پر اس کا منصب رسالت دلیل ہے اور راوی اور شاہد کی بات لینے پر ان کی ثقاہت دلیل ہے۔ بہرکیف جس کی بات شرعی حکم سے مانی جائے' وہ تقلید نہیں ہے۔ قول سدید حنفی ص-۴ میں ہے' **التقلید الاخذ بالرای من غیر دلیل** یعنی "بغیر دلیل کے کسی کی رائے پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔"

اب ائمہ اربعہ کے اقوال کو ہر مقلد کا اپنے گلے کا ہار بنا لینا تقلید ہے کیونکہ کسی امام کے اقوال و افعال کو گلے کا ہار بنا لینے پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ لوگ اپنی طرف سے حسن ظن رکھ کر ایک امام کے اقوال کی تقلید کر رہے ہیں۔ شرع نے ان کو یہ حکم نہیں دیا۔ دوسرا مطلب "من غیر دلیل" کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کے قول اور مسئلہ کی دلیل معلوم کئے بغیر اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔ چنانچہ جمع الجوامع ابن السبکی حنفی جلد-۲' ص-۲۵۱ میں ہے' **اخذ قول الغیر من غیر معرفۃ دلیلہ** مثلاً امام ابوحنیفہ نے کہہ دیا کہ رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے تو اب اس کی دلیل معلوم نہ کرے اور مان لے تو یہ تقلید ہے۔ اگر کسی کتاب دینی یعنی قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کی دلیل معلوم کر لی تو پھر تقلید نہ رہے گی۔ اس لحاظ سے مفتی' مدرس' مناظر' علماء قرآن و حدیث و کتب اصول و کتب فقہ پڑھنے والے اور دلائل شرعیہ سے بحث کرنے والے مقلد نہیں ہیں اور عامی جاہل جو قرآن و حدیث سے ناواقف اور ناخواندہ ہیں اور وہ کسی عالم پر حسن ظن رکھ کر اس کے اقوال کی پیروی کرتے ہیں اور مسائل کے دلائل معلوم نہیں کر سکتے' وہ اس عالم کے مقلد ہیں۔ اسی طرح قرآن اور کتب حدیث کا ترجمہ پڑھنے والے مقلد نہیں ہیں اور قدوری' کنز فقہ کی بے دلیل کتابوں کو پڑھ کر ان مسائل کو ماننے والے مقلد ہیں۔ جب کتب حدیث پڑھ کر دلائل سے واقف ہوں گے تو پھر تقلید نہ رہے گی۔ یہ دوسری تعریف کا نتیجہ ہے۔

اب آپ کا قرآن کا ترجمہ سمجھ کر عمل کرنے یا استاد پڑھانے والے کے سمجھانے یا کسی کتاب مدلل کو پڑھ کر عمل کرنے یا کسی عالم کے دلائل سن کر مسائل مان لینے کو تقلید کہنا' تقلید کے معنی سے بے خبر ہونا ہے۔ اگر اس طرح تقلید بن جائے گی تو ایک ایک مقلد مولوی ہزاروں کا مقلد قرار پائے گا۔ مثلاً پہلے استاد کا پھر اگر قدوری پڑھتا ہے تو قدوری والے کا پھر ابویوسف کا پھر امام محمد کا پھر امام زفر کا۔ جب کسی دوسرے سے

کنز پڑھے گا تو پھر اس میں کئی لوگوں کا مقلد ہوتا جائے گا۔ اس طرح خود ائمہ مجتہدین جن کو آپ لوگ غیر مقلد تصور کرتے ہیں' وہ بھی مقلد بن جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے کتابوں سے یا دیگر ائمہ اور اپنے مشائخ سے سیکھا اور سنا ہے۔ وہ ان کے مقلد ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ امام حماد کے مقلد ہوں گے اور امام حماد ابراہیم نخعی کے مقلد ہوں گے وہ عکرمہ کے مقلد ہوں گے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقلد ہوں گے۔ وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہوں گے۔ اسی طرح کئی جاہل تقلید کا سلسلہ اور مقلدین کا شجرۂ نسب اللہ تعالیٰ تک ملا دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل علیہ السلام کا مقلد اور جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا مقلد کہتے ہیں۔ بس زمین اور آسمان پر تقلید ہی تقلید ہے۔ عمل بالدلیل اور اجتہاد کا تو وجود ہی اٹھا دیا۔ تقلید میں ایسے دیوانے ہوئے کہ ہر چیز تقلید ہی تقلید نظر آنے لگی۔ حالانکہ کتب اصول پڑھنے والے علماء جانتے ہیں کہ عالم اور جاہل' عامی اور خاص' مجتہد اور مقلد میں فرق بین ہے۔ وما يعقلها الا العلمون۔ آپ کو تقلید سے بالکل بے خبری ہے۔ اس واسطے آپ نے اپنے مضمون میں بہت بہکی بہکی باتیں کی ہیں۔ کبھی مقلد بن گئے' کبھی غیر مقلد ہو گئے' کبھی اہلحدیث' کبھی اہل رائے' کبھی محقق' کبھی کچھ ایک حالت پر قائم نہ رہے اور یہ نہ خیال کیا کہ جس طرح میں تقلید کا تصور کر رہا ہوں' اس طرح تو کوئی عالم اور مجتہد بھی تقلید کی بیماری سے بچ نہیں سکتا۔ حالانکہ ائمہ مجتہدین اور علماء دین کو مقلد کہنا ان کی توہین ہے اور دوسرے لفظوں میں ان کو جاہل کہنے کے مترادف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے حج کے موقعہ پر ایک حجام سے تین مسئلے سیکھے جن کا قصہ مشہور ہے تو اب آپ کے معنی کے مطابق امام ابوحنیفہ مقلد حجام کہلائیں گے' مجتہد نہ رہیں گے۔

آپ امام ابوحنیفہ کو کتاب و سنت میں غوطہ لگانے والے اور تہہ سے موتی نکالنے والے قرار دی رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو تمام عمر لفظ "دھر" کا معنی معلوم نہ ہوا اور نہ یہ پتہ لگا کہ کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں۔ نیز حجۃ اللہ میں لکھا ہے کہ وكان ابوحنيفة الزمهم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله (الی آخر) لا يخرج عما ذهب اليه فقهاء كوفة یعنی "امام ابوحنیفہ نے ابراہیم نخعی اور ان کے ساتھیوں کے مذہب کا التزام کر لیا تھا اور فقہاء کوفہ سے باہر نہیں نکلتے

تھے۔

اب بتلایئے وہ مقلد ہوئے یا محقق؟ مسائل کتاب و سنت تو مسلک حجاز' شام' یمن' کوفہ' بصرہ' مصر میں منتشر تھے۔ صرف کوفہ میں محدود نہ تھے۔ دیگر ائمہ شافعی' احمد' بخاری وغیرہم نے تمام ممالک سے احادیث کو جمع کر کے مسائل اخذ کئے۔ اصل سمندر میں یہ لوگ غوطے لگاتے رہے اور اصل محقق و مجتہد یہی تھے۔ اس لیے ان کے مسائل خلاف احادیث بہت کم اور قلیل ہیں اور امام ابوحنیفہ اور حنفی مذہب جس کی تعمیر امام ابوحنیفہ کے اقوال پر ہے' اکثر قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ تسلی کرنی ہو تو امام حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کی تصنیف "کتاب الرد علی ابی حنیفہ" پڑھیں اور امام محمد بن نصر مروزی کی "قیام اللیل" دیکھیں جس میں امام ابوحنیفہ کو علم حدیث میں یتیم قرار دیا ہے اور آپ نے خواہ مخواہ کتاب و سنت میں غوطے مارنے والوں میں فقہاء حنفیہ کو شمار کیا حالانکہ وہ سب ائمہ اہل رائے ہیں۔ طحاوی جلد ۱' ص ۳۵ ملاحظہ کریں کہ امام ابوحنیفہ نے جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب علوم قرآن و حدیث و نحو وغیرہ سے اعراض کر کے صرف فقہ یعنی اقوال رجال کو لازم کر لیا تھا۔ ان کا بیان ہے: فلزمت الفقه وتعلمته۔ اس لیے کتب حدیث میں جو درسیہ ہیں امام ابوحنیفہ سے کوئی حدیث نہیں آتی اور دیگر ائمہ غوطے لگانے والوں سے آتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ تو ابراہیم نخعی اور حماد اور فقہاء کوفہ سے باہر نہیں نکلے۔ اب آپ غور کر لیں کہ وہ مقلد مجتہد تھے یا صرف مقلد یا محقق یا مقلد جمہور کوفی تھے' فتدبر۔

آپ فرماتے ہیں کہ وہ دین کے ڈاکٹر بن گئے۔ حالانکہ وہ رائے قیاس کے ڈاکٹر تھے۔ چنانچہ ان کا اپنا قول ہے: وقد قال ابوحنيفة علمنا هذا رای۔ ہمارا یہ علم رائے ہے۔ (الملل والنحل)

بخاری شریف' ابن خلدون' حجتہ اللہ البالغہ' الملل والنحل وغیرہ کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور ان کے فقہاء کو اصحاب الرائے کا لقب دیا گیا ہے۔ ملا حبیب اللہ قندھاری نے "ابجد التاریخ" میں لکھا ہے کہ صفدی نے ابوحنیفہ کی فقہ کو رائے اور قیاس سے مقید کیا ہے۔ ابوحنیفہ اصحاب الرائے ہیں۔ فتح الباری میں حدیث ہے: قال عمر اياكم واصحاب الرای فانهم اعداء السنن۔ کہ تم اصحاب الرائے سے بچو جو احادیث کے

دشمن ہیں۔ (فتح)

پھر آپ نے فقہاء کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر یہ لکھا ہے کہ ان کی دینی سمجھ اور دینی رائے اور تفقہ فی الدین کے قائل ہو گئے۔ اپنی مہارت علمی سے زمانہ کو عاجز کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا حسن ظن ہے ورنہ امام غزالی نے "منخول" میں یہ لکھا ہے کہ: اما ابوحنيفة فلم يكن مجتهدا لانه كان لا يعرف اللغة وعليه يدل قوله رماه بابو قبيس وكان لا يعرف الاحاديث ولهذا عزى بقبول الاحاديث الضعيفة ورد الصحيح منها الخ۔

سبکی نے طبقات کبریٰ میں شافعی سے نقل کیا ہے: وجدت كتاب ابی حنيفة انما يقولون كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما هم مخالفون لها۔ امام شعرانی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ان عذر ابی حنيفة فی كثرة القياس عدم بلوغ الاحاديث الصحيحة اليه فی زمنه۔ دراسات اللبيب میں امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ كان ابوحنيفة سكتوا عن رايه وحديثه۔ امام نسائی نے کتاب الضعفاء میں یہ لکھا ہے: ابوحنيفة ليس بالقوی فی الحديث۔

اب معلوم نہیں کہ کون سے علماء کو عاجز کر دیا ابن خلکان وغیرہ کتب تواریخ میں امام شافعی اور امام محمد کا مکالمہ بالحلف مذکور ہے کہ امام محمد نے قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ میں امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے اعلم فرمایا ہے۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

حنفی: ہم بھی تو قرآن و حدیث ہی پر عمل کرتے ہیں مگر چونکہ خود عالم نہیں' اہل علم سے پوچھتے اور پوچھ کر عمل کرتے ہیں کہ ان پر ہم کو اطمینان ہے۔

اہلحدیث: آپ براہ راست قرآن و حدیث پر عمل نہیں کرتے حالانکہ اطيعوا الله واطيعوا الرسول کا خطاب تمام ایمانداروں کو ہے۔ آپ سیدھے مدینہ کو نہیں جاتے بلکہ کوفہ کو ہو کر مدینہ جانا چاہتے ہیں اور سیدھے کان کو ہاتھ نہیں لگاتے' ہاتھ گھما کر گدی کی طرف سے کان پکڑتے ہیں۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کام الٹا
ہم الٹے' بات الٹی' یار الٹا

اچھا جناب! آپ کون سے عالم سے پوچھتے ہیں؟ کسی زندہ سے یا مردہ سے؟ اگر زندہ سے تو پھر اس کے مقلد ہوئے مثلاً مولوی رشید احمد صاحب سے پوچھا تو پھر ان کے مقلد ہو کر رشیدی ہوئے' حنفی نہ ہوئے۔ اور اگر مردہ سے پوچھتے ہیں تو پھر مردہ سے سوال نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ سوال کریں گے تو وہ جواب نہ دیں گے اور اگر کتب فقیہ کو پڑھنے سے مسئلہ معلوم کرنے کو سوال قرار دیتے ہیں تو یہ پڑھنا ہے سوال نہیں ہے۔ سوال تو زندہ سے ہو سکتا ہے' کتاب سے نہیں ہو سکتا۔ اگر کتب فقہ کے پڑھنے سے آپ مقلد بنتے ہیں تو یہ تقلید کتب فقہ کے مصنفین کی ہو گی۔ مثلاً کنز پڑھ کر مسئلہ معلوم کیا تو کنز والے کے مقلد ہوئے اور اگر ہدایہ پڑھ کر مسئلہ معلوم کیا تو ہدایہ والے کے مقلد ہوئے۔ امام ابوحنیفہ کی تو کوئی کتاب سوائے فقہ اکبر کے موجود نہیں ہے اور فقہ اکبر صرف اعتقادی مسائل کے بیان میں ہے۔ اس میں دیگر مسائل نہیں ہیں۔ اس لیے آپ کے اصول کے مطابق آپ ہر کتاب والے کے یا اپنے استاد کے مقلد ہوں گے۔ پھر آپ کو اطمینان کس طرح ہو گا کہ یہ مسئلہ ضرور امام ابوحنیفہ کا ہے۔ کیونکہ کتب فقہ ان کے پیچھے بہت مدت بعد تیار کی گئی ہیں۔ نہ اماموں تک سلسلہ اسناد ہے اور نہ یہ تسلی ہے کہ یہ ضرور ان کا قول ہے اور فلاں مسئلہ میں انہی کا حکم ہے پھر جب کتب فقہ پڑھنے سے امام صاحب سے پوچھنا ہو جاتا ہے تو پھر آپ قرآن و حدیث پڑھ لیں یہ اللہ اور رسول سے پوچھنا بن جائے گا۔ غیروں کے دروازوں پر مارے مارے کیوں پھرتے ہیں؟

آپ فرماتے ہیں کہ ہم عالم نہیں' اہل علم سے پوچھتے ہیں!

آپ یہ بتلائیں کہ آپ جن عالموں سے پوچھتے ہیں وہ مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ اگر مقلد ہیں تو وہ عالم نہیں ہیں کیونکہ "اعلام" کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ مقلد کا اہل علم میں شمار نہیں ہے۔ اس پر اجماع ہے اور اگر غیر مقلد سے پوچھتے ہیں تو قرآن و حدیث کا مسئلہ پوچھتے ہیں یا کسی امام کا قول اور مذہب پوچھتے ہیں۔ اگر شق اول ہے تو یہ جائز ہے اور اگر شق دوم ہے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ شریعت میں کسی کا قول اور

مذہب حجت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ان الحکم الا للہ۔ یعنی "حکم صرف اللہ کا ہے۔" خواہ بذریعہ وحی جلی ہو یا وحی خفی۔ پس شریعت الٰہی صرف قرآن و حدیث میں ہے' فتفکر۔

عالم کو چاہیے کہ قرآن و حدیث پڑھ کر مسائل معلوم کرلے اور عوام جاہلوں کو چاہیے کہ ان سے اللہ اور رسول کا حکم پوچھ کر عمل کریں۔ کسی کا قول پوچھنا اور اس کی تقلید کا حکم شرع میں نہیں ہے پھر تعجب ہے کہ کتاب و سنت میں غوطہ مارنے والوں سے آپ کیسے پوچھتے ہیں اور اس کی صورت کیا ہے۔

جو بات کہنی ہو سو کہو لیکن سمجھ کر مرد نعمانی
چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

پھر یہ بھی بتلائیں کہ جن علماء سے آپ پوچھ کر اطمینان حاصل کرتے ہیں' وہ کسی دلیل سے کرتے ہیں یا کسی دوسرے کی تقلید سے؟ اگر دلیل سے تو پھر تقلید نہ رہی حالانکہ آپ مقلد ہیں اور اگر بے دلیل پوچھتے ہیں تو یہ جائز نہیں کیونکہ حکم یہ ہے کہ دلائل سے پوچھو۔ فاسئلوا الخ' سے آگے بالبینت والزبر ہے اور جب بغیر دلیل کے کسی کی تقلید سے اطمینان کرتے ہیں تو یہ اطمینان نہیں ہے کیونکہ اطمینان دلیل سے ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا' ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

نہ رکھ تقلید کی کچھ بھی سند پھر اس پہ اڑتے ہیں
یہ عجب مقلد ہیں کہ بے ہتھیار لڑتے ہیں

حنفی: یہی قرآن کا حکم ہے' فاسئلوآ اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اگر ہم پوچھ کر اہل علم سے تحقیق کر کے عمل کرتے ہیں تو کیا قرآن ہی کے حکم کی تعمیل اور اللہ اور رسول ہی کی اطاعت نہیں کرتے؟

اہلحدیث: جب آپ علماء سے تحقیق کر کے قرآن و حدیث کا حکم پوچھتے ہیں تو یہ تقلید نہیں ہے۔ آپ کا دعویٰ اور عمل باہم مخالف ہیں۔ شرح موطا برحاشیہ ترمذی ص۱۰۱ میں جناب ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں' والمعنی ھذا یکفی فی الجواب ان کنت من اھل التحقیق دون اھل التقلید۔

اس سے اہل تحقیق اور اہل تقلید دو گروہ الگ الگ ظاہر ہوئے۔ آپ اہل تحقیق بھی بنتے ہیں اور اہل تقلید بھی یعنی عالم بھی اور جاہل بھی۔

ایں چہ بو العجبی است

میں پھر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جن سے آپ تحقیق کرتے ہیں وہ مقلد ہیں یا اہلحدیث؟ اگر وہ مقلد ہیں تو وہ اہل علم نہیں ہیں۔ توضیح تلویح کی شرح مرجانی ص-۹۳ میں ہے' **لیس التقلید بعلم ولا المقلد بعالم**۔ اور اگر اہلحدیث سے پوچھتے ہیں اور تحقیق سے پوچھتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے کیونکہ وہ عالم بالقرآن والحدیث ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات کیہ باب-۲۱۳ میں اور علامہ کروری مسلسلات ص-۵ میں لکھتے ہیں' **لا یطلق اسم العلماء الا علیٰ اہل الحدیث وہم الائمة علی الحقیقة**۔

اور اسی قرآن و حدیث پر عمل بھی اسی صورت سے ہو گا کہ آپ علماء اہلحدیث سے بالتحقیق پوچھ کر عمل کریں گے کیونکہ ان کا مذہب اہلحدیث یعنی قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہے اور مقلدین حنفیہ سے آپ بالکل نہ پوچھیں کیونکہ وہ خود مقلد ہیں اور مقلد اندھا ہوتا ہے اور اندھا اندھے کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس واسطے علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے' **وکثیر ما یقلد الساھون الساھین** یعنی "بہت سے بھولے ہوئے' بھولے ہوئے لوگوں کی تقلید کرتے ہیں۔"

علماء مقلدین پر افسوس ہے کہ علمی دعویٰ تو کمال درجہ کا رکھتے ہیں کہ ہم نے چودہ علم پڑھے ہیں لیکن جب مقلد ہو کر تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں تو ثبوت دعویٰ میں آیت **فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون** پیش کر کے صاف عامی جاہل بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم جاہل ہیں' عالموں سے پوچھتے ہیں۔

نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پایہ برد کتابے چند

حنفی: جیسا کہ قابل طبیب اور ڈاکٹر سے ہم علاج کراتے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔

اہلحدیث: چودہ پندرہ برس دیوبند اور سہارنپور میں جملہ علوم حاصل کرنے کے بعد بھی بیمار ہی رہے اور تیرہ صدیاں جس ڈاکٹر کو مرے ہوئے گزر چکی ہیں' ان سے علاج

ہی کرا رہے ہیں۔۔۔ مقلدین مولویوں کا یہ حال ہے کہ علم حاصل کر کے پھر بھی اپنی جہالت کا علاج کوفہ کے فوت شدہ ڈاکٹر سے کرا رہے ہیں۔ بیمار زندہ ہے اور ڈاکٹر مردہ ہے اور علاج بھی عجیب ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایسے مریضوں کو جو ایسے حکیموں سے علاج کراتے ہیں یہ ہدایت کی ہے: احذركم زيغة الحكيم فان الشيطن قد يقول الضلالة علىٰ لسان الحكيم وقد يقول المنافق كلمة الحق۔ (اعلام الموقعین ص-۲۲۹) یعنی "لوگو! میں تم کو ان فقیہوں کی غلطیوں سے ڈراتا ہوں کیونکہ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ان فقہاء کی زبان پر شیطان چڑھ کر بولتا ہے اور کبھی منافق بھی کلمہ حق کہہ جاتا ہے۔

جب ان فقہاء کا معاملہ محتمل ہے تو ان سے علاج نہ کرائیے۔ صرف قرآن و حدیث پر عمل کیجئے جو عین شفا ہے۔ ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين۔

حنفی: ہمارا عمل بھی قرآن و حدیث ہی پر ہے۔ خود نہیں سمجھتے تو قرآن و حدیث کے بڑے عالموں اور ماہروں سے پوچھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم اس زمانہ کے عالموں پر اطمینان رکھتے ہو' ہم اس زمانہ کے فقہاء پر اطمینان رکھتے ہیں۔

اہلحدیث: یہ سراسر جھوٹ نکلا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم بڑے عالموں سے پوچھتے ہیں۔ کیونکہ آپ زندہ ہیں اور آپ کے علماء مردہ ہیں۔ زندہ مردے سے کبھی نہیں پوچھ سکتا۔ آپ کو اطمینان نہیں ہوتا' صرف شیطانی ظن ہوتا ہے کیونکہ زندہ کو مردہ کے کلام سے اطمینان کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ بے دلیل ہے۔ مثلاً قرآن سے بچہ کی رضاعت کی مدت دو سال ثابت ہے اور آپ کے عالم نے ڈھائی سال لکھ دی جو قرآن کے خلاف ہے۔ اب زندہ سے تو ہم سوال کر سکتے تھے کہ آپ نے قرآن کے خلاف کیوں کہا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے۔ مردہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ دلیل پیش کر سکتا ہے اور نہ مخالف کو جواب دے سکتا ہے۔ پھر اس زمانہ اور اس زمانہ کے فقہاء کا فرق ہی فضول ہے۔ ہم زندہ علماء سے تو ہر طرح تحقیق اور بحث کر کے مسائل حل کر سکتے ہیں اور مردہ علماء سے کیا خاک معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ کہہ گئے جو کہہ گئے (گذشتہ آں چہ گذشت) وہ فقہاء جو کچھ کہہ گئے وہ سب صحیح نہیں ہے۔ "المجتهد قد يخطى ويصيب" مقولہ مسلمہ ہے۔ جب خطا کا احتمال ہے تو تحقیق ضروری ہے کہ

وہ دلیل شرعی کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو قبول ہے اور اگر دلیل کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے تو مردود ہے۔

بس یہ تحقیق ترک تقلید سے ہوتی ہے اور اگر یہ تحقیق نہ کی اور اس کو جملہ اقوال اور مسائل میں معصوم مان لیا اور تقلید کرتے چلے گئے تو یہ باطل طریقہ ہے۔ اس کو شرک فی الرسالت کہتے ہیں اور ایسا مقلد مشرک ہے۔ پھر آپ کا عمل قرآن و حدیث پر نہ رہے گا۔ تفسیر کبیر جلد-۱' ص-۲۰۵ میں ہے' **ان اللہ ذم التقلید فمن دعا الی النظر والاستدلال کان علٰی وفق القرآن ودین الانبیاء ومن دعا الی التقلید کان علٰی خلاف القرآن وعلٰی وفاق الکفار' الخ۔**

حنفی: جو مقدس زمانہ سے قریب ہیں جس میں قرآن مقدس نازل ہوا۔

اہلحدیث: آپ الٹے کیوں چلتے ہیں' مقدس زمانہ کے لوگوں کی تقلید کیوں نہیں کرتے۔ آپ صحابہ کرام سے قرآن و حدیث کے مسائل پوچھ لیا کریں کیونکہ اموات سے مسائل پوچھنے کا آپ کو طریقہ آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب دھوکے بازی ہے۔ اصل میں مسائل کتب فقہ سے لیے جاتے ہیں' جن میں مقدس زمانہ کے لوگوں اور ان کے قریب کے لوگوں پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ خود ان کے اقوال ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ دراسات اللبیب ص-۲۹۱ میں ہے' **ان الا قیسۃ الغیر الجلیلۃ التی کتب الحنفیۃ مشحونۃ بھا غالبھا لا یستند الٰی ابی حنیفۃ۔** یعنی "جن قیاسی مسائل سے کتب فقہ بھرپور ہیں اکثر ان کی سند امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) تک نہیں پہنچتی۔ حجۃ اللہ میں ہے' **انی وجدت بعضھم یزعم ان مایوجد فی ھذہ الشروح الطویلۃ وکتب الفتاوی الضخیمۃ وھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ ولا یفرق بین القول المخرج وبین ماھو فی الحقیقۃ۔**

جیسا کہ کتب فقہ مشکوک ہیں تو آپ کے ڈاکٹروں کا ہسپتال ہی سارا خراب ہو گیا کیونکہ ان میں کئی زہریلی ادویات بھی ہیں جن سے بچنا واجب ہے۔ اس لیے اہلحدیث نے ان کو ناقابل قبول کر دیا ہے اور وہ صرف قرآن و حدیث پر قائم ہیں جو مقدس زمانہ میں نازل ہوا اور مقدس لوگوں نے اس کو جوں کا توں ہم تک پہنچایا۔ پس ان میں عین شفا ہے لیکن مقلدین کو ان کا کچھ اثر نہیں ہے کیونکہ **ولا یزید الظالمین الا**

خسارا۔

حنفی : اب فساد کا زمانہ ہے' شر کی حکومت ہے۔ نبوت کے آفتاب کو غروب ہوئے تیرہ صدیاں گزر گئیں (تا آخر) اس لیے ہم پچھلے علماء اور اول دور کے اماموں ہی کی تحقیق پر اطمینان کرتے ہیں۔

اہلحدیث : قرآن مجید میں تو یہ ہے' **ولا تتبعوا من دونه اولیآء** کہ قرآن و حدیث کے علاوہ کسی محبوب کی پیروی نہ کرو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' **لا تقلدوا العالم دینکم** (طبرانی اوسط) دین میں کسی عالم کی بے دلیل پیروی نہ کرو۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
راستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا**۔

قرآن و حدیث میں اماموں کی تقلید کا حکم کہیں نہیں آیا۔ شر کے زمانہ کے علامہ سے کتب فقہ پڑھ کر پہلے ان کی تقلید کرتے ہیں پھر کتب فقہ کے مصنفین کی تقلید کرتے ہیں جو مقدس زمانہ سے صدیوں بعد بنی ہیں۔ اول دور کے اماموں نے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہے اور تقلید سے منع کر دیا ہے۔ چنانچہ عقدالجید میں تمام ائمہ سے تقلید کی ممانعت منقول ہے۔ امام احمد سے صاف نقل کیا ہے' **لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی وغیرھم اخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة**۔ یعنی "امام احمد نے فرمایا کہ نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ ابراہیم نخعی وغیرہ کسی کی تقلید کرو۔ تم احکام دین وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے لیے ہیں اور وہ قرآن و حدیث ہیں۔

امام احمد نے تو صاف صاف تقلید سے منع کر دیا۔ اسی طرح تمام ائمہ نے جن میں آپ نے نورانیت اور صلاحیت بتلائی ہے' تقلید سے منع کر دیا ہے۔ میزان شعرانی جلد ۱' ص ۶۷ میں ہے' **وقد کان الائمة کلھم یحثون اصحابھم علی العمل بظاھر الکتاب والسنة** الخ۔ یعنی "تمام ائمہ کرام نے قرآن و حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے کی رغبت دی ہے اور تقلید سے منع کر دیا ہے۔

لو اب اہلحدیث بننے اور تقلید چھوڑنے پر اجماع ہو گیا۔ عقدالجید میں شاہ صاحب

نے فرمایا ہے کہ بیشک تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا اول سے آخر تک اس بات سے روکنے اور منع کرنے پر اجماع ہو چکا کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا اپنے سابقین میں سے کسی انسان کے سب اقوال پر عمل کرے۔

جب انہوں نے تقلید شخصی سے منع کر دیا تو آپ کے پاس اس مقدس زمانہ کے علماء کا کون سا تحقیقات نامہ آگیا جس میں سب مسائل کے فیصلے با تحقیق درج ہیں۔ سب سے زیادہ اختلاف تو حنفی مذہب میں ہے کہ ایک ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے دو دو' تین تین قول ہیں پھر ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کچھ کہتے ہیں اور صاحبین کچھ کہتے ہیں۔ امام زفر کچھ کہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کچھ کہتے ہیں۔ مثلاً بچہ کے دودھ پلانے ہی کا مسئلہ لے لیجئے۔ امام ابوحنیفہ صاحب فرماتے ہیں' اس کی ڈھائی سال مدت ہے۔ زفر صاحب کہتے ہیں تین سال میعاد ہے۔ صاحبین کہتے ہیں دو سال تک مدت ہے۔ اب آپ کے پاس جو مقدس زمانہ کا تحقیق نامہ ہے' اس میں دیکھیں کہ ان میں سے کون سا حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔ کیونکہ **فماذا بعد الحق الا الضلال**۔ اگر سب حق ہیں تو حق میں تعدد اور تضاد لازم آئے گا جو سراسر غلط ہے۔ اسی طرح کتب فقہ میں اکثر مسائل کا یہ حال ہے۔ آپ تحقیق کا نام لیتے ہیں' میں کہتا ہوں کہ اختلاف اور نزاع سے تمام مذاہب کی کتابیں بھرپور ہیں۔ اول قرآن و حدیث کے خلاف۔ دوم امام شافعی و امام احمد وغیرہ کے خلاف۔ سوم آپس میں فقہاء حنفیہ میں سے ایک دوسرے کے خلاف۔ سب کی لڑائیاں درج ہیں اور دلائل متعارض ہیں۔ کسی امام نے کوئی تحقیق نامہ لکھ کر امت محمدیہ کو نہیں دیا۔ ہمارے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسے اختلافات اور تنازعات میں صرف قرآن و حدیث کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور بس۔

جو جان چاہو تو جان لے لو جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ و جلال دیں گے

ع بس کسی کا ہو رہے کوئی' نبی کے ہو رہیں گے ہم

حنفی: حضرت جنید' شبلی' امام غزالی' خود امام بخاری' ترمذی' مسلم اور اخیر میں شیخ معین الدین اجمیری' شیخ مجدد سرہندی' شاہ ولی اللہ۔ یہ لوگ امت میں علم و عمل کے پہاڑ گذرے اور سب نے تقلید کی اور غیر مقلد کوئی بھی نہ ہوا۔ سب نے تقلید کی۔

کسی نے امام ابو حنیفہ کی کسی نے امام شافعی کی' الخ۔

اہلحدیث : یہ آپ کا سراسر جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ پہلے تو آپ ان کو علم کے پہاڑ بتا رہے ہیں اور پھر ان کو مقلد بتا رہے ہیں۔ ان دونوں باتوں سے ایک صاف دروغ گوئی ہے۔ پہلی بات کو تو لو پھر بولو۔ امام شافعی فقہ اکبر ص-۱۰ پر تقلید کے متعلق فرماتے ہیں [illegible] لا یکون علما یعنی "تقلید علم سے خارج ہے۔" اور مقلد عالم نہیں ہوتا بلکہ صاف جاہل ہوتا ہے۔

یہ علماء کرام سب اپنے اپنے زمانہ کے مفتی تھے اور مفتی مجتہد ہوتا ہے۔ درمختار جلد-۴' ص-۳۱۸ میں ہے' ان المفتی عند الامور الاصولیین ھو المجتھد۔ آپ نے ان علماء کرام کو مقلد کہہ کر ان کی توہین کی ہے۔ کیونکہ ان کو جاہل قرار دیا ہے۔ آپ نے آیت فاسئلوا الخ' پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ مقلد جاہل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے۔ پس کیا (نعوذ باللہ) یہ سب علماء جاہل تھے جو اماموں سے مسائل دریافت کر کے عمل کرتے رہے۔ علم کے پہاڑ نہ تھے یا علم کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے عمل کرتے رہے اور کسی کے مقلد نہ تھے کیونکہ عالم مقلد نہیں ہوتا۔ مقلد تو کسی کے قول پر بغیر تامل و نظر و معرفت دلیل اندھا دھند عمل کرتا ہے اور یہ علماء کرام علم سے بال کی کھال اتارتے تھے اور بڑی تحقیق کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ یہاں سب اماموں کی تحقیقات اور مسائل پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ "جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" میں امام بخاری و امام مسلم وغیرہ ائمہ اہلحدیث کو غیر مقلد قرار دیا ہے۔ امام غزالی نے عندالموت توبہ کی اور اس حال میں فوت ہوئے کہ بخاری شریف ان کے سینہ پر رکھی تھی۔ امام بخاری کو تو ائمہ اصول حدیث نے مجتہد لکھا ہے' ان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ امام مسلم و دیگر ائمہ حدیث کو بھی اسی طرح جان لیں۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مسائل فقہیہ کو کتاب و سنت پر پیش کر کے تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے اور تقلید سے روکا ہے۔ (وصیت نامہ شروع صفحہ) اور "خیر کثیر" اردو ص-۲۷۳ میں لکھا ہے کہ "اعمال کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ احادیث کی چھان بین کی جائے اور فقہ و درایت کے ساتھ انہی کے مطابق اپنے اعمال کو

درست کیا جائے' تا آخر۔ جو لوگ اتباع رائے میں تعمق کرتے ہیں' وہ قطعاً اہل سنت نہیں۔ مذاہب اربعہ میں سے اقرب الی السنہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

آپ نے جن علماء کا نام لیا ہے یہ سب اولیاء اللہ ہیں اور اولیاء اللہ کے متعلق امام شعرانی میزان کبریٰ میں فرماتے ہیں' ان الولی الکامل لایکون مقلدا انما یاخذ علمہ من العین التی اخذ منھا المجتھدون یعنی ولی کامل مقلد نہیں ہوتا' وہ اسی چشمہ سے علم لیتا ہے جس سے مجتہدین نے علم حاصل کیا ہے اور ولی کبھی مقلد نہیں ہوتا اور نہ مقلد ولی ہوتا ہے کیونکہ مذہب واحد کا مقلد تمام احادیث نبویہ پر عمل نہیں کر سکتا اور جب تک تمام شریعت پر عمل نہ کرے گا' ولی نہ ہو گا۔

میزان شعرانی ص۔۲۳ میں ہے' لایکمل لمؤمن العمل بالشریعۃ کلھا وھو متقلد بمذھب واحد ابدا۔ نیز کشف الغمہ ص۔۱۳ میں ہے' والمذھب الواحد بلاشک لا یحتوی علیٰ کل احادیث الشریعۃ۔ الارشاد ص۔۲۳۸ میں ہے۔ علامہ شیخ کردی لکھتے ہیں' ان طریقۃ المشائخ الصوفیہ عموما وطریقۃ الاکابر النقشبندیۃ خصوصا اتباع السنۃ النبویہ وعدم التقلید۔

جب "بوستان" میں شیخ سعدی کا فرمان ہے کہ "عبادت بتقلید گمراہی است" تو پھر اولیاء اللہ مقلد کس طرح ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء مذکورین اگر علم کے پہاڑ تھے تو ہرگز ہرگز مقلد نہ تھے۔ ان کو مقلد کہنا سراسر بہتان ہے یا پھر وہ عالم نہ تھے کیونکہ مقلد عالم نہیں ہوتا' فتذکر۔

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ خود بھی محقق تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان کو مقلد کہنا جھوٹ ہے۔ پھر آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "مگر اپنی تحقیق کو چھوڑ کر اماموں کی تقلید کی الخ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حرام اور گناہ ہے اور آپ کا ان پر جھوٹ الزام ہے۔ فتوحات مکیہ جلد۔۲' ص۔۴۳۶ میں ہے' ان کنت عالما فحرام علیک ان تعمل بخلاف ما اعطاک دلیلک ویحرم علیک تقلید غیرک مع تمکنک من حصول الدلیل ان لم تکن لک ھذہ الدرجۃ وکنت مقلدا فایاک ان تلتزم مذھبا بعینہ بل اعمل کما امرک اللہ فان اللہ امرک ان تسال اھل الذکر ان کنت لا تعلم واھل الذکر ھم

العلماء' الخ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم پر تقلید حرام ہے۔ اس کو دلیل شرعی پر عمل کرنا چاہیے اور جاہل کو عالم سے دریافت کر کے عمل کر لینا چاہیے اور ایک مذہب کا التزام کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

حنفی: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت کو پہنچو گے۔

اہلحدیث: اس حدیث میں تقلید کا حکم نہیں ہے۔ اقتداء صحابہ کا حکم ہے' اقتداء غیر تقلید ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو فرمایا' فبھداھم اقتدہ کہ انبیاء کی ہدایت کی اقتدا کر' یہ تقلید نہیں ہے۔ ورنہ آنحضور ﷺ قائد الانبیاء' امام الانبیاء نہ رہیں گے مقلد ہو جائیں گے' فتدبر۔

نیز اس حدیث میں صحابہ کرام کی اقتداء کا حکم ہوا جس سے ائمہ اربعہ کی تقلید باطل ہو گئی۔ پس صحابہ کے ہوتے ہوئے اماموں کی تقلید کرنا نبی ﷺ کی نافرمانی ہے' جس کا ارتکاب مقلدین کر رہے ہیں۔ دیگر یہ کہ مسلم الثبوت جلد-۲' ص-۲۵۶ میں ہے' اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابۃ یعنی "محققین نے عوام کو صحابہ کی تقلید سے منع کر دیا ہے۔" لو اب آپ صحابہ کی پیروی سے بھی محروم ہو گئے۔

اس تقلید نے اول قرآن کی پیروی سے روکا' دوم حدیث نبوی کی پیروی سے روکا' سوم پھر صحابہ کی پیروی سے روکا۔ روشنیاں تین ہی تھیں۔ آفتاب (یعنی قرآن) کی' چاند (یعنی نبی ﷺ) کی' ستاروں (یعنی صحابہ) کی۔ تینوں سے مقلدوں کو محروم کر دیا ہے۔

توضیح تلویح میں ہے' فالادلۃ الاربعۃ انما یتوصل بھا المجتھد لا المقلد کہ ادلہ اربعہ سے مجتہد ہی استدلال کر سکتا ہے' مقلد نہیں کر سکتا۔

پس دیوبند اور سہارنپور وغیرہ شہروں کے مدارس حنفیہ میں کتاب و سنت کی تعلیم لینا اور دینا بالکل لغو اور فضول ہوا۔ ان کو صرف اقوال فقہاء کوفہ کا علم حاصل کرنا چاہیے' فتامل فیہ۔

حنفی: جس کی تقلید کرو گے خیر ہی خیر ہے۔

اہلحدیث : یہ بھی آپ کا قول غلط ہے کیونکہ آپ کے مقلدین نے چار اماموں کے نام تقلید رجسٹرڈ کرا دی ہے۔ اب اور کسی صحابی یا تابعی کی کوئی شخص تقلید نہیں کر سکتا۔ پھر اس پر اجماع بتلاتے ہیں جو کسی اور کی تقلید کرے گا وہ فارق اجماع ہو گا۔ لیکن ہم اس اجماع کو نہیں مانتے کیونکہ یہ مقلدین کا اجماع ہے جو چہارم صدی میں ہوا۔ علماء اصول نے لکھا ہے کہ اجماع میں کافر اور مقلد کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اجماع باطل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے' **لا عبرة بالكافر ولا بالمقلد عند الاكثر ولو كان عالما۔**

حنفی : نہ تم غیر مقلد نہ ہم۔

اہلحدیث : آپ تو غیر مقلد نہیں لیکن بندہ اور دیگر اہلحدیث سب غیر مقلد ہیں بلکہ تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین' ائمہ مجتہدین و محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین غیر مقلد ہیں۔ شاہ ولی اللہ مرحوم نے حجتہ اللہ میں بتلا دیا ہے کہ تقلید مذہبی چہارم صدی کی پیداوار ہے۔ پھر آپ بھی اور دیگر مقلدین سب اہلحدیث بندگان الٰہی کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

حنفی : بھلا تم کدھر سے محقق ہو گئے؟

اہلحدیث : جدھر سے سلف صالحین اور ائمہ مسلمین ہوئے۔ تحقیق ہر کسی کی اس کی وسعت علمی کے مطابق ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعظ کرتے ہوئے عورتوں کا مہر زیادہ باندھنا منع کر دیا تو ایک عورت نے قرآن کی آیت پیش کر کے مہر کا زیادہ باندھنا جائز ثابت کیا۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا۔ اس مسئلہ میں اس عورت کی تحقیق غالب رہی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس عورت کا مقلد نہیں کہہ سکتے کیونکہ مسئلہ کی دلیل ساتھ موجود تھی۔

اس طرح بندہ ہر مسئلہ کی دلیل معلوم کر کے عمل کرتا ہے۔ جس سے تقلید سے تو خروج ہو گیا اور حسب درجہ تحقیق کا حصہ مل گیا' **فللّٰه الحمد۔**

حنفی : کیا تم نے پڑھا؟ کب اہل علم کی صحبت اٹھائی؟ کس درس گاہ تحقیق میں داخل ہوئے؟ محقق ہونا ایسا آسان ہے' بے سمجھی سے تم یہ جملہ لکھ گئے۔ اپنی عقل و

فہم کے ناخن لو' محاسبہ کرو۔

اہلحدیث :۔

یہ الجھ پڑنے کی خو اچھی نہیں
بے تحاشا گفتگو اچھی نہیں

اللہ کے بندے! دین بھی آسان ہے' الدین یسر اور تحقیق بھی آسان ہے۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر○

عہد نبوی میں تمام مردوں' عورتوں' بچوں نے تحقیق سے کام لیا اور تمام بزرگان دین تحقیق سے کام لیتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے' "اے ایماندارو! جب تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تحقیق کر لیا کرو۔" (سورہ حجرات)

تحقیق کرنا مشروع اور مامور بہ ہے اور تقلید حرام اور گنا کبیرہ ہے۔ آپ لوگوں کو علمی درسگاہوں میں رہنے سے اور بزرگان دین کی صحبت اٹھانے سے بھی یہ نعمت میسر نہیں ہے تو آپ کی بدقسمتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تحقیق سے سرفراز کیا اور باپ آذر کو اس تحقیق توحیدی سے محروم رکھا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ تحقیق کوئی نبوت کی طرح ختم ہونے والی چیز نہیں ہے۔ آپ بھی کوشش کریں گے تو پا لیں گے۔ لیس للانسان الا ماسعیٰ۔ "من جد وجد"۔

خدارا ہو جائے ذرا سی توجہ
تو مشکل کا حل کوئی مشکل نہیں ہے

آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مجتہد' دوم محض عامل بالقرآن والحدیث' سوم محض جاہل عامی۔ بندہ عامل بالقرآن والحدیث ہے۔ یہ درجہ قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھنے یا سننے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اول درجہ مجتہد کا ہے' اس کے لیے کچھ علمی محنت درکار ہے۔ نور الانوار وغیرہ کتب اصول میں اس کے شرائط لکھے ہیں کہ:

(۱) حاوی معانی کتاب اللہ کا لغت اور شرع کی رو سے ہو اور اس کے وجوہ خاص و عام وغیرہ کو جانتا ہو۔ سارے قرآن کا علم شرط نہیں۔ پانچ سو آیات متعلقہ احکام کو جانتا ہو۔

(۲) حاوی علم سنت ہو اور بمع اقسام حدیث جانتا ہو' جس کا اندازہ تین ہزار حدیث متعلقہ احکام کا ہے۔
(۳) عارف وجوہ قیاس مع طرق و شرائط کا ہو۔
(۴) یہ کہ مسائل اجماعیہ کا علم رکھتا ہو تاکہ خلاف اجماع استنباط نہ کر بیٹھے۔
بس یہ مجتہد ہونے کے لیے شرائط ہیں جو بفضلہ تعالیٰ علماء اہلحدیث میں درجہ بدرجہ موجود ہیں۔ درجہ اجتہاد ختم نہیں ہے۔ تیسرا عامی جاہل ہوتا ہے۔ اس کو حکم یہ ہے کہ کسی عالم بالقرآن والحدیث سے مسائل دریافت کر کے عمل کر لیا کرے۔
حنفی: تقلید شخصی کو تم شرک فی النبوت کہہ رہے ہو جو کان میں پڑا زبان سے نکال دیا۔ پھر صحابہ کرام کی تقلید بھی شرک فی النبوت ہو گی جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا۔

اہلحدیث: سنیئے! جس چیز کا حکم شارع علیہ السلام دے وہ شرک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تھا تو یہ شرک نہ تھا لیکن اب کوئی سجدہ غیر کو کرے تو یہ شرک ہے۔ صحابہ کی تقلید کا حکم حضور ﷺ نے نہیں دیا۔ یہ حضور ﷺ پر بہتان ہے۔ ہاں اتباع صحابہ کا حکم ہے لیکن اتباع اور تقلید میں تفاوت بین ہے۔ علامہ فلانی نے "ایقاظ ہمم" میں اتباع اور تقلید کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
والتقلید عند جماعة العلماء غیر الاتباع لان الاتباع هو ان تتبع القائل علیٰ مابان لک فضل قوله وصحة مذهبه والتقلید ان تقول بقول وانت لاتعرفها۔ یعنی "تقلید علماء کی جماعت کے نزدیک اتباع کا غیر ہے۔ کیونکہ اتباع تو یہ ہے کہ تو کسی شخص کے قول کی اس وقت پیروی کرے جب تجھے اس قول کی فضیلت اور دلیل اور مذہب کی صحت خوب ظاہر ہو جائے اور تقلید یہ ہے کہ تو ایسے قول کا قائل ہو کہ جس کی دلیل اور حقیقت تجھے معلوم نہ ہو اور محض حسن ظنی قائل سے مان لیا ہو۔"
ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں بھی اتباع اور تقلید کا فرق لکھا ہے۔ پس اتباع سلف شرک نہیں ہے اور تقلید ائمہ شرک ہے۔ جن کے مذہب ان کے نام سے بن چکے ہیں اور وہ مستقل متبوع قرار پا چکے ہیں اور اصول میں یہ دستور مقرر کر چکے ہیں۔ **فاما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد** یعنی "مقلد کے لیے دلیل شرعی

مجتہد کا قول ہے۔ (توضیح تلویح جلد-۱' ص-۳۶۹)

حالانکہ مجتہد کا قول دلیل شرعی نہیں ہے ورنہ مجتہد کا شارع ہونا لازم آتا ہے' یہ شرک ہے۔ قرآن میں ہے' ام لھم شرکاء شرعوالھم من الدین مالم یاذن به الله یعنی "کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنہوں نے بغیر اذن الٰہی کے ان کے لیے شریعت بنا دی ہے۔" اور اسی بارہ میں آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون الله نازل ہوئی کہ اہل کتاب نے اپنے عالموں اور صوفیوں پیروں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا۔ تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے: "اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است و معنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ او را مبلغ احکام ندانستہ ربقہ تقلید او در گردن اندازد و تقلید او را لازم شارد۔" (کذا فی التفاسیر)

سید شہید علیہ الرحمہ نے تنویر العینین ص-۳۸ میں تقلید شخصی معین کے التزام کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ففیه شائبة من الشرک یعنی ایسی تقلید میں شرک ہے۔ اور دراسات اللبیب ص-۱۲۵ میں بھی اس کو کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ تقلید معین شخصی کا التزام ذکر کر کے لکھا ہے' فھو ضال جاھل بل قد یکون کافرا یستتاب فان تاب والا قتل فانه متی اعتقد انه یجب علی الناس اتباع واحد بعینه من ھذه الامة ایضا دون الاخرین فقد جعله بمنزلة النبی صلی الله علیه وسلم وذالک کفر۔ یعنی "ایسا مقلد جاہل گمراہ بلکہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کرانی چاہیے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دینا چاہیے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ لوگوں پر اس ایک امام کی تقلید واجب ہے اور وہ دیگر ائمہ میں سے صرف اسی ایک کا التزام کر لیتا ہے تو وہ اس کو نبی ﷺ کے درجہ پر بنا دیتا ہے اور یہ کفر ہے۔

اس تصریح سے یہ واضح ہو گیا کہ تقلید شخصی جس سے ایک معین شخص کے مذہب کا التزام لازم آئے' شرک فی الرسالت ہے' فتدبروا فیه۔

حنفی: علمی مسئلہ ہے تم سمجھو گے نہیں' کیا لکھوں؟

اہلحدیث: یہ مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ اختراعی ہے اور کئی فلسفی نکتوں سے اس کو ایجاد کیا گیا ہے ورنہ قرآن و حدیث کا مسئلہ تو بالکل آسان ہوتا ہے جو شخص چاہے سمجھ لے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ تقلید شخصی کا مسئلہ

قرآن و حدیث سے خارج ہے۔ اس کو منطقی موشگافیوں سے حل کیا جاتا ہے۔ فی الواقع یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

برسوں فلاسفر کی چناں اور چنیں رہی
خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

مجھے تو آپ یہ کہتے ہیں عقل و فہم کے ناخن اتارو اور علماء آپ جیسے مقلد کو یہ کہتے ہیں کہ **لا فرق بین مقلد وبھیمۃ** یعنی "مقلد اور حیوان یکساں ہیں۔" **فافھم وتدبر۔**

حنفی: جن لوگوں نے تمہارے کان میں یہ مسئلہ ڈالا ہے' اگر وہ صاحب علم ہیں تو فتاویٰ ابن تیمیہ الخ۔

اہلحدیث: آپ بھی ذرا فتاویٰ ابن تیمیہ جلد-۱' ص-۴۰۶ ملاحظہ فرمالیں' جہاں لکھا ہے: **واما اقوال بعض الائمۃ کالفقھاء الاربعۃ وغیرھم فلیس حجۃ لا زمۃ ولا اجماعا باتفاق المسلمین بل قد ثبت عنھم (ای الائمۃ الاربعۃ) انھم نھوا الناس عن تقلیدھم'** الخ۔ یعنی "ائمہ اربعہ کے اقوال حجت لازمہ نہیں ہے اور نہ اجماع امت ہیں بلکہ ائمہ اربعہ سے ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع فرما دیا ہے۔" پھر ممانعت نقل کی ہے' **فتذکر۔**

حنفی: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اہلحدیث: صحیح بخاری میں زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے ساتھ دوسرے صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قول کا معارضہ کر کے یہ کہا گیا ہے کہ **لاناخذ بقولک وندع قول زید۔** لیکن اس جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **حبر الامہ** کا یہ فرمانا کہ **اذا قدمتھم المدینۃ فاسلوا** تقلید شخصی کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اس میں تقلید شخصی کو ترک کرنے اور مسئلہ کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اہل مدینہ نے مدینہ میں جا کر اس مسئلہ کی تحقیق کی تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا والی حدیث پیش کر دی' جس پر سب کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ واقعہ تقلید چھوڑ کر تحقیق کرنے کی دلیل ہے۔ آپ اپنی الث

سمجھ سے اس کو تقلید شخصی کی دلیل بنا رہے ہیں اور اہل کوفہ کی طرح اہل مدینہ کو بھی مقلدین ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اہل مدینہ اہل التحقیق تھے۔ (نووی شرح مسلم میں ہے وھو اعرف بالسنن جلد ۱' ص ۴۲۸) اہل تقلید نہ تھے۔ اصلیت یہ ہے کہ جس عورت کو طواف زیارت کرنے کے بعد حیض آجائے' اس پر طواف وداع کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کو کوچ کرنے کی اجازت ہے۔ حدیث سے یہی ثابت ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس و ام سلیم رضی اللہ عنہما کو معلوم تھی اور حضرت عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مخفی رہی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ تھا لیکن انہوں نے مرنے سے پہلے اس سے رجوع کر لیا تھا جبکہ ان کو حدیث پہنچ گئی۔ کیونکہ سلف صالحین سب اہلحدیث تھے' اہل تقلید نہ تھے' جیسے آپ ہیں۔ آپ لوگوں کے تو اصول اور فروع اکثر قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اور یہ مذہب ہی نرالا ہے۔

نہ فروعت محکم آمد نہ اصول
شرم بایدت از خدا و رسول

آپ تقلید ثابت کرنے کی خواہ مخواہ کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جن کے اقوال پر مذہب حنفی کی بنیاد بتلائی جاتی ہے۔ یہ فرماتے ہیں: لایقلدن رجل رجلا فی دینہ فان امن امن وان کفر کفر۔ (میزان شعرانی جلد ۱' ص ۴۷) یعنی "کوئی شخص کسی شخص کی دین میں تقلید نہ کرے کہ اگر اس کا پیشوا ایماندار ہو تو ایمان لائے اور کافر ہو تو کافر ہو جائے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حنفیت کا مکان ہی منہدم کر دیا ہے' فتدبروا فیہ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جابر بن زید رضی اللہ عنہ کو کہا کہ انک من فقھاء البصرۃ فلا تفت الا بقرآن ناطق اوسنۃ ماضیۃ فانک ان فعلت غیر ذالک ھلکت واھلکت۔ (داری) یعنی "تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو' تم بجز قرآن و حدیث کے کسی چیز سے فتویٰ نہ دینا۔ اگر تو نے قرآن و حدیث کے سوا کسی اور چیز (فقہ و اقوال رجال) سے فتویٰ دیا تو تو خود بھی ہلاک ہو جائے گا اور دیگر لوگوں کو بھی ہلاک کر دے گا۔"

پس اس بنا پر فقہاء کوفہ خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنے مقلدین کو بھی ہلاک کر گئے

کہ رائے قیاس و اقوال خلاف قرآن و حدیث پر یہ فتوے دیتے رہے اور کتاب و سنت کے خلاف فقہ کا ایک طومار تیار کر کے رکھ دیا۔

علم دیں قرآن است تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

علامہ طحاوی حنفی جلد-۱' ص-۳۹۸ میں یہ واقعہ منقول ہے کہ عروہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے جبکہ انہوں نے حدیث بیان کی تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا تعامل پیش کیا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **بهذا ضللتم نحدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتحدثونى عن ابى بكر و عمر** یعنی "تم ایسا کہنے سے گمراہ ہو گئے کیونکہ میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتلا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلہ میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا فعل پیش کرتے ہو۔

اب غور کرو کہ حضرات شیخین کا کتنا بڑا مرتبہ ہے جن کے پاؤں برابر بھی تمام فقہا حنفیہ نہیں ہیں۔ ان کے عمل کو بمقابلہ حدیث بیان کرنے سے گمراہی کا فتویٰ لگ گیا تو مقلدین کے لیے آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کتب فقہ کا طومار باندھ کر مدارس میں رکھ دیا۔ تعلیم میں' تبلیغ میں' مناظروں اور وعظوں میں' تقریروں میں اور فتووں میں احادیث نبویہ کے اقوال و آراء پیش کر کے احادیث کو متروک اور ناقابل عمل کیا جا رہا ہے۔ مولانا روم نے کیا اچھا فرمایا ہے۔

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث

علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر جلد-۳' ص-۴۳۷ آیت **اتخذوا احبارهم** کے تحت مقلدین یہود و نصاریٰ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے مذہب کے خلاف قرآن کی آیتیں پیش کی گئیں تو انہوں نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ ہم اپنے امام کے خلاف ان کو کیسے قبول کریں پھر علامہ صاحب فرماتے ہیں: **ولو تاملت حق التامل وجدت هذا الداء ساريا فى عروق الاكثرين** یعنی "اگر تو غور کرے گا جس طرح غور کرنے کا حق ہے تو معلوم کر لے گا کہ اکثر مقلدین کی رگوں میں یہی بیماری سرائیت کر

گئی ہے۔"

ایسا ہی علامہ ابن العربی نے فتوحات مکیہ جلد۔۳، ص۔۹۱ میں ان کے اس تقلیدی کفر کا انکشاف کیا ہے اور ایسا ہی علامہ عز بن عبدالسلام نے کتاب القواعد میں لکھا ہے۔ بہرحال تقلید کے شرک فی الرسالت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مولانا روم خود اعتراف کرتے ہیں۔

مرا تقلید شاں برباد داد
کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

بخاری شریف کتاب الحج باب التمتع میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متعہ حج سے منع کرتے تھے حالانکہ وہ خلیفہ وقت تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف فرمایا کہ ما کنت لادع سنة النبی صلی اللہ علیه وسلم لقول احد یعنی "میں سنت نبوی کو کسی کے قول کی وجہ سے نہیں لے سکتا۔" (جیسے مقلد چھوڑ دیتا ہے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ اہلحدیث تھے مقلد نہ تھے۔

گر تو بے تقلید از و واقف شوی
بے نشاں بے جائے چوں ہاتف شوی

آپ نے اہل مدینہ کا تعامل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کا ثابت کیا تو آپ کا فرض ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر اہل مدینہ کے مطابق زیدی بن جائیں لیکن افسوس ہے کہ آپ اہل مدینہ کے خلاف زید صحابی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ایک کوفی تبع تابعی اہل رائے کے مقلد ہو گئے جو اپنی دلیل کے خلاف چل کر صریح ظلم کر رہے ہیں،

فتذکر۔

نیل الاوطار جلد۔۵، ص۔۸۹ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ ان الصحابة یقولون اذا افاضت قبل ان تحیض فقد فرغت الا عمر یعنی "جملہ صحابہ کرام کا یہ فتویٰ تھا کہ طواف افاضہ کے بعد حائضہ ہو جائے تو وہ فارغ ہو چکی، اس کو جانے کی رخصت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ سب کے خلاف تھا۔"

اب بتلایئے! اہل مدینہ تمام صحابہ کے خلاف زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کیسے کر سکتے تھے؟

آپ کو اہل مدینہ پر افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کچھ خوف نہ ہوا۔ پھر تحفة الاحوذی و نیل الاوطار میں صاف لکھا ہے کہ وقد ثبت رجوع ابن عمر و زید بن ثابت عن ذالک وبقی عمر یعنی "ابن عمرؓ اور زیدؓ کا رجوع کرنا اپنے فتویٰ سے ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حضرت عمرؓ اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔"

اب بتلایئے! اہل مدینہ کی تقلید کہاں گئی؟ جس کی آپ تقلید کرنی بتلاتے ہیں' اس نے تو رجوع کر لیا تھا۔ اہل مدینہ ان کے مقلد رہے یا ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ سچ ہے مقلد اندھا ہوتا ہے' اس کی تحقیق بھی اندھی ہوتی ہے۔

پس مقلد نیز مانند کور ہست
اندراں شاوی کہ اور راہبر است
(روم)

پھر یہ بتلایئے! کہ جب اہل مدینہ زیدؓ کے مقلد ہوئے اور یہ تقلید صحیح تھی' جس سے آپ نے استدلال کیا ہے تو پھر امام ابوحنیفہ نے اہل مدینہ اور زیدؓ کی تقلید کیوں نہ کی؟ ان کی تقلیدی روش چھوڑ کر غیر مقلد کیوں ہوئے؟ چنانچہ ان کا مذہب اس مسئلہ میں حضرت زید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف تھا۔ اگر امام ابوحنیفہ کو دلائل سے معلوم ہو گیا کہ زیدؓ کا قول اور اہل مدینہ کی تقلید صحیح نہیں ہے بلکہ کثیر مایقلدون الساھون الساھین کی مصداق ہے تو اسی طرح علماء اہلحدیث حنفی مذہب اور اس کے اماموں کو معصوم نہ تصور کرتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

آنکہ او از پردۂ تقلید جست
او بنور حق بہ بیند ہرچہ ہست

جزء تاریخ بغدادی مترجم ص-۴۷ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کی والدہ کو کسی مسئلہ میں ضرورت پڑی' فافتاھا ابوحنیفة فلم تقبل۔ "امام ابوحنیفہ نے ان کو فتویٰ دیا تو انہوں نے قبول نہ کیا۔"

اب بتلایئے! وہ مقلد رہیں یا غیر مقلد ہو گئیں۔ جب والدہ نے بیٹے پر اعتماد نہ کیا

تو دوسرے کا کیا کہنا — صاحب البیت ادری بما فیہ۔ والدہ کو اپنے بیٹے کا سارا بھید معلوم تھا کہ یہ رائے سے فتویٰ دیتے ہیں لیکن والدہ کو یہ پتہ نہ ہوا کہ میرا بیٹا کتاب و سنت کے سمندر میں غوطہ لگانے والا ہے پھر آپ کو کیسے تیرہ صدیوں کے بعد قطعی ثبوت مل گیا کہ امام ابوحنیفہ کے تمام مسائل صحیح ہیں؟۔

گرچہ عقلت سوئے بالا مے پرد
مرغ تقلیدت بہ پستی مے چرد

حضرت زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہما واقعہ پیش آنے سے پہلے فرضی مسائل بنانے اور پوچھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ترجمان السنہ جلد ۱' ص ۲۶ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جو واقعہ اب تک پیش نہیں آیا تم اس کے متعلق مجھ سے فرضی سوالات کرو۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جب فرضی سوالات کئے جاتے تو آپ دریافت کرتے' یہ واقعہ پیش آچکا ہے؟ اگر کہا جاتا نہیں تو فرماتے جب تک پیش نہ آجائے اسے رہنے دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استلام حجر اسود کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔" اس پر سائل نے یہ فرضی سوالات شروع کر دیئے: اگر بھیڑ ہو جائے؟ اگر میں نہ کر سکوں؟ تو جواب یہ دیا ہے: اجعل ارایت بالیمن یعنی "اپنے ان فرضی سوالات کو یمن میں ڈال۔" اسی طرح دیگر صحابہ ابی بن کعب' عمار' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور تابعین اور علماء سے مروی ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ فرضی مسائل بنانے خصوصاً جن کا وجود میں آنا غیر ممکن ہو اور ان پر عمل بھی ناپسند ہو' ان کو اپنی رائے سے گھڑنا ممنوع ہے لیکن حنفیہ کے فقیہوں اور ان کے مقلدین فی المذاہب نے صحابہ کرام کا خلاف کرتے ہوئے فرضی مسائل بنا بنا کر کتب فقہ کو بھر دیا ہے اور اس کو قرآن و حدیث کا ثمر قرار دے کر درس گاہوں اور فتویٰ خانوں میں داخل کر دیا ہے اور صحابہ کرام کی اقتداء کر کے اجتہاد

حاصل نہ کیا اور دوسروں کو یہ کہہ دیا کہ اہل مدینہ کا تعامل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کا تھا' لیکن خود اہل کوفہ کے مقلد ہوئے۔

چنانچہ ترجمان السنہ جلد-۱' ص-۲۳۷ میں ہے کہ حضرت قتادہ تابعی سے امام ابوحنیفہ نے ایک فرضی مسئلہ دریافت کیا تو قتادہ بولے' کیا یہ واقعہ پیش آچکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے فرمایا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا' اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آجائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔ حضرت قتادہ ناراض ہو کر بولے' اللہ کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا' الخ۔

اس بارے میں حضرت قتادہ صحابہ کی روش پر ہیں جو فرضی مسائل گھڑنے اور واقعہ پیش آنے سے پہلے مسائل اختراع کرنے سے پرہیز کر رہے ہیں اور امام ابوحنیفہ رائے قیاس دوڑا کر مسائل بنانے کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ اب مقلدین نے صحابہ کی اقتداء چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کی تقلید کی اور بہت سے مسائل رائے قیاس سے بنائے۔ چنانچہ چند مسائل بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

(ا) حنفی مذہب کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے' **واما فی دبر نفسه فرجح فی النهر عدم الوجوب الا بالانزال** یعنی "اگر کسی شخص نے اپنے ذکر کو خود اپنی ہی دبر میں داخل کیا تو راجح مسئلہ یہ ہے کہ اگر انزال ہوا ہے تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔"

اس ٹائپ کے مسائل کتب فقہ میں درج ہیں اور اس پر دعویٰ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے سمندر میں غوطے لگا کر ایسے موتی نکالے گئے ہیں۔ کیا کوئی عقلمند شخص ایسے ناممکن الوقوع مسائل کو شریعت محمدیہ کے مسائل قرار دے سکتا ہے؟ اگر دے سکتا ہے تو حنفی مذہب دے سکتا ہے۔ جس کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں ہے' رائے قیاس پر ہے اور اسی رائے قیاس پر سب عمارت بناتے چلے جاتے ہیں۔ پس اگر حنفی مذہب میں کوئی شخص اس صورت پر عامل ہوا ہے تو پھر یہ صورت قابل جواب ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

نہ ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

(۲) درمختار اور فتح القدیر میں ہے' وقد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما مسافة ستة فولدت لستة اشهر منذ تزوجها لتصوره کرامة واستخداما یعنی "ثبوت نسب میں فقہاء حنفیہ نے قیام فراش بلا دخول پر کفایت کی ہے۔ جیسے مغربی مرد کا نکاح مشرقیہ عورت سے ہوا اور دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت کا فاصلہ تھا۔ منکوحہ مشرقیہ نے چھ ماہ میں بچہ جنا تو یہ بچہ ثابت النسب ہے۔ یہ وطی باعتبار کرامت یا استخدام جن کے متصور ہو گی۔" (اگرچہ ظاہراً وطی ثابت نہیں)

ناظرین! غور کریں کہ مشرقیہ عورت سے کسی مغربی مرد کا کسی وکیل فریقین نے نکاح کر دیا اور دونوں میں سال بھر کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ نہ خاوند نے بیوی کو دیکھا اور نہ بیوی نے خاوند کی صورت کا معائنہ کیا۔ اگر دونوں ایک دوسرے سے ملاقات اور مواصلت کی سعی کریں بھی تو ایک سال کا عرصہ چاہیے لیکن اس نیک بخت حنفن نے چھ ماہ ہی میں بچہ جن دیا تو حنفی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ بچہ ولدا لحلال ہے اور اس مغربی مرد کا وارث ہے اور اس کا نسب صحیح ہے اور ان دونوں میں وطی کا وجود کرامت کی رو سے سمجھا جائے گا کہ وہ مغربی شخص کوئی ولی اللہ ہے' جو دور سے بیٹھا ہوا اس مشرقیہ عورت سے صحبت کر رہا ہے یا بلا صحبت ہی کرامت سے رحم میں منی پہنچا رہا ہے یا اس نے جنوں کو قید کر رکھا ہو گا جو اس کو طرفتہ العین میں اس عورت کے پاس پہنچا کر وطی کرا دیتے ہوں گے یا عورت ولیہ ہے جو اپنی کرامت سے اڑ کر اس مرد کے بستر پر پہنچتی رہی اور اس سے وطی کراتی رہی یا جن اس کے قابو میں تھا جو اس کی یہ خدمت کرتا رہا۔ بہرحال میاں بیوی میں مواصلت ثابت ہو یا نہ ہو اور وہ دونوں اقرار کریں یا نہ کریں' حنفی عدالت دارالقیاس میں حنفی ججوں کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ بچہ ولدا لحلال اور ثابت النسب ہے۔

اب روئے زمین کے تمام حنفیوں سے دریافت کر کے تحقیق کر لو کہ کیا یہ واقعہ کسی علاقہ میں کسی حنفی گھر میں ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے تو کوئی تاریخی ثبوت پیش کریں

اور اگر نہیں ہوا تو پھر قبل از وقت کوفہ کو قیاسی گھوڑے کیوں دوڑائے گئے؟ کیوں شیخ چلی والے خیالی پلاؤ تیار کیے گئے؟ کہ قیاسی نکاح' قیاسی وطی' قیاسی مرد و عورت اور ان کی قیاسی کرامت' قیاسی فتوٰی اور قیاسی فیصلہ کیا گیا؟ کیا شریعت محمدیہ میں کوئی نظیر ایسی قیاسی تصور کی مل سکتی ہے۔

صد دلیل آرد مقلد در بیاں
از قیاسے گوید اورا نیز عیاں

(۳) بہشتی زیور اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ اگر ہاتھ پر کوئی نجاست (پاخانہ وغیرہ) لگی تھی' اس کو کسی نے تین دفعہ چاٹ لیا تو بھی پاک ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی قیاسی ہے' جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ کسی عقلمند انسان نے اس پر عمل کیا ہے' محض فرضی ہے۔ اگر کسی نجاست خور نے اس پر عمل کیا ہے تو اس واقعہ کو ظاہر کیا جائے پھر علماء کتاب و سنت اس پر غور کریں گے کہ وہ جگہ پاک ہوئی یا نہیں؟ اور منہ پاک رہ گیا یا ناپاک ہوا؟

یہ حنفی مذہب کی قیاسی شریعت کا نمونہ یکے از ہزارے اور مشت از خروارے ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حنفی فقہاء اپنی دماغی تفریعات میں پڑ کر فرضی مسائل اختراع کرتے رہے ہیں اور قیاسی گھوڑے دوڑاتے رہے ہیں۔ اسی واسطے اس فرقہ کا نام اہل الرائے ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں افتراق ہو جائے گا اور ستر (۷۰) سے کچھ اوپر فرقے ظاہر ہوں گے۔ ان میں سے بڑا فتنہ اس فرقہ میں ہو گا جو دین کے مسائل میں قیاس و رائے سے کام لیں گے' جس سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کریں گے۔ (مجمع الزوائد)

سو یہ وہ فرقہ ہے جو کتاب و سنت سے گذر کر رائے قیاس سے مذہبی مسائل بنا رہے ہیں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام اور جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز قرار دے رہے ہیں' کما لا یخفٰی علٰی اھل العلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اہل مدینہ نے تقلید نہیں کی بلکہ قول زید رضی اللہ عنہ اور قول ابن عباس رضی اللہ عنہ میں مقابلہ دیکھ کر قول زید رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی۔ جس پر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تحقیق کا حکم دیا' جس سے تقلید باطل ہو گئی۔ کیونکہ فریقین نے دلیل معلوم کر لی۔ اب اگر دلیل معلوم ہونے پر اہل مدینہ قول زید رضی اللہ عنہ نہ چھوڑتے تو ضرور قابل ملامت ہوتے۔ چنانچہ داری ص-۴۳ میں ہے کہ قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ امام محمد بن سیرین (تابعی) نے کسی شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا کہ فلاں شخص اس مسئلہ میں ایسا ایسا کہتا ہے۔ اس پر امام محمد بن سیرین نے کہا میں تو تجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تو اس کے مقابلہ میں کہتا ہے کہ فلاں شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔

دیکھئے! یہ صریح گمراہی اور صاف شرک ہے جس کو آپ اہل مدینہ کی طرف نسبت کر رہے ہیں۔

حنفی : کیا لکھوں سامنے گفتگو ہو تو کہا جائے' الخ۔

اہلحدیث : بندہ آپ کے سامنے ہونے اور خدمت میں حاضر ہونے کو بھی تیار ہے۔ لیکن آپ میری تسلی و تشفی کس طرح کر سکیں گے جبکہ مقلد ہیں۔ مقلد کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ وہ یہ کہے' **هذا ما ادى اليه راء ابى حنيفة كل ما ادى اليه رائى ابى حنيفة فهو عندى صحيح (توضيح تلويح)** یعنی "میرے نزدیک یہ مسئلہ اس لیے صحیح ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے یہی ہے۔"

بندہ آپ سے قرآن و حدیث کے مسائل پوچھے گا جن کو بتلانے کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ نامی شرح حسامی میں ہے: **انما الاستدلال فعل المجتهد** کہ قرآن و حدیث سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے۔ پھر سامنے ہونے سے کیا فائدہ؟ ہماری دلیل قرآن مجید کی آیت اور حدیث نبوی ہے اور آپ کی دلیل امام کا قول ہے پھر فیصلہ کس طرح ہو گا؟

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں

حنفی : ایماندار کے لیے اشارہ ہی کافی ہے' دیکھ جائیں' الخ۔

اہلحدیث : آپ مجھے ایمان کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ حالانکہ اطاعت رسول کرنے والے کے لیے قرآن شاہد ہے کہ وہ مومن ہیں۔ سورہ نور ملاحظہ ہو اور تقلید

کرنے والے کو قرآن مشرک کہتا ہے اور حضرت روم یہ فرماتے ہیں۔

بلکہ تقلید است آں ایمان او
روئے ایمان را نہ دیدہ جان او

حنفی : شاہ ولی اللہ صاحب عقدالجید ص۔۳۸ پر لکھتے ہیں: ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كانت اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم۔

اہلحدیث : آنجناب نے شاہ ولی اللہ صاحب کی کوئی ذاتی رائے یا مصلحتی بات تو لے لی لیکن جو کچھ انہوں نے شرعی نقطہ نگاہ سے تحقیقاً" لکھا ہے' اس کو نظرانداز کر دیا ہے۔ شاہ صاحب نے رسالہ انصاف اور حجتہ اللہ اور عقدالجید میں تقلید شخصی کا محدث فی الدین ہونا اور تقیید مذہب واحد کا ناجائز ہونا ظاہر کر دیا ہے۔ چنانچہ حجتہ اللہ میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص شخص کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ تقلید شخصی خیرالقرون کے بعد کی پیداوار ہے جو بدعت ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ تین قرنوں تک خیریت رہے گی پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس میں سے ایک تقلید بھی ہے۔ اعلام الموقعین جلد دوم' ص۔۳۰۶ میں ہے: انما حدثت هذه البدعة فى القرن الرابع المذموم علىٰ لسانه صلى الله عليه وسلم یعنی یہ بدعت چہارم صدی میں پیدا ہوئی ہے۔

کشف الغمہ ص۔۱۱ میں ہے' فمن ادعىٰ تخصيصها بما ذهب اليه امامه من المقلدين فقد اتى بابا من الكبائر یعنی "جو شخص اپنے امام کے مذہب کی خصوصیت کا دعویٰ کرے وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔"

نیز شاہ صاحب نے عقدالجید میں یہ لکھا ہے: الناس لم يزالوا علىٰ ذالك يسالون من اتفق من العلماء من غير تقليد بمذهب والانكار احد من السائلين الىٰ ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فان احدهم يتبع امامه مع بعد مذهب عن الادلة مقلدا له فيما قال فكانه نبى ارسل اليه وهذا اناى عن الحق وبعد عن الصواب لايرضىٰ به احد من اولى الالباب' الخ۔ اس عبارت میں شاہ صاحب نے مقلدین مذہب واحد کو مشرکین فی الرسالت ثابت کیا ہے۔ پس جو یہ کہتے

ہیں لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم اور یہ کہتے ہیں۔

فلعنة ربنا اعد اد رمل
علیٰ من رد قول ابی حنیفه

اور یہ کہتے ہیں کہ فلو التزام احد مذهبا کابی حنیفة والشافعی فلزم علیه الاستمرار فلا یقلد غیره فی مسئلة من المسائل۔ (نور الہدایہ ص۔۱۱) یہ سب مشرکین فی الرسالت ہیں۔ عقد الجید میں ایسے التزام کو شرک ثابت کیا گیا ہے۔

شامی میں بحث کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ تحصل مما ذکرنا انه لیس علی الانسان التزام مذهب معین یعنی کسی انسان پر ایک مذہب کا التزام کرنا واجب نہیں ہے۔ (شامی جلد۔۱، ص۔۵۳)

جب ایک مذہب کا التزام ضروری نہ ہوا بلکہ بدعت ہوا تو اس سے خروج سواد اعظم سے خروج نہ ہوا کیونکہ سواد اعظم کی اتباع واجب ہے اور واجب وہ چیز ہے جس کو اللہ اور رسول واجب کریں جیسے کہ آیت ان الحکم الا للہ کے تحت تفسیر کبیر میں اس کی تصریح ہے۔ چار مذاہب نہ اللہ اور رسول نے مقرر کئے ہیں اور نہ ان کی اتباع اور نہ ان میں سے کسی ایک کا التزام کرنا واجب کیا ہے اور نہ یہ سواد اعظم ہیں کیونکہ سواد اعظم کی تعریف یہ ہے کہ جو جماعت شرافت اور فضیلت کے اعتبار سے شرعاً بڑی ہے، وہ سواد اعظم ہے۔ پس اس سے مراد اہلحدیث ہیں کیونکہ یہ جماعت فرقہ ناجیہ ہے۔ چنانچہ فرقہ ناجیہ کی تعریف آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی ہے، ما انا علیه واصحابی۔ جس کی تشریح جناب شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے یوں لکھی ہے: الفرقة الناجية هم الاخذون فی العقیدة والعمل جمیعا بما ظهر من الکتاب والسنة وجری علیه جمهور الصحابة والتابعین۔ (حجة الله البالغه)

پس اس سے چار فرقے مقلدین کے خارج ہو گئے کیونکہ وہ تقلید شخصی کرتے ہیں اور تقلید شخصی جمہور صحابہ اور تابعین میں نہ تھی۔ چنانچہ عقد الجید مصری ص۔۴۰ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ "تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اول سے آخر تک اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا اپنے سابقین میں سے کسی انسان کے سب اقوال کی تقلید نہ کرے۔"

مقلد لوگ چونکہ تقلید شخصی کو واجب جان کر اس کا التزام کرتے ہیں جو خلاف اجماع ہے۔ لہٰذا وہ فرقہ ناجیہ اور سواد اعظم سے خارج ہیں۔ نیز حدیث افتراق میں فرقہ ناجیہ ایک گروہ لکھا ہے۔ مقلدین کے چار گروہ ہیں۔ لہٰذا اس تفریق سے وہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہو گئے' فتدبر۔

اور سواد اعظم سے مراد "اکثر لوگ" لینا غلط ہے کیونکہ قرآن میں اکثر کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے تفسیر جامع البیان میں یہ لکھا ہے: فان اکثرھم علی الضلال یعنی "لوگوں میں اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔" (ص-۳۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تھے جن کے مقابلہ میں اکثریت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو امت فرمایا ہے کیونکہ جماعت حقہ کے سب اوصاف حمیدہ ان میں جمع تھے۔ میزان کبریٰ للشعرانی جلد-۱' ص-۵۴ میں ہے کہ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: المراد بالسواد الاعظم ھم من کان من اھل السنۃ والجماعۃ ولو واحدا فاعلم ذالک یعنی سواد اعظم سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔ اگر ایک بھی اہلسنّت ہو گا تو وہی سواد اعظم ہے۔

جناب عبدالجلیل صاحب فاضل دیوبند نے اخبار "زمزم" لاہور مجریہ ۱۵ر دسمبر سنہ-۱۹۴۵ء میں لکھا ہے "سواد اعظم سے مراد سواد افضل ہے' نہ کہ سواد اکثر۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جماعت شرافت اور فضیلت کے اعتبار سے بڑی ہو اس کی اتباع ضروری ہے۔ صاحب عظمت و فضیلت نہ کہ کثرت والا اور بڑی تعداد والا کیونکہ یہ تو شرک ہے۔" اہل سنت اور اہلحدیث ایک ہی گروہ کا نام ہے۔ وہی فرقہ ناجیہ ہے۔ غنیہ مصری جلد-۱' ص-۹۵ میں ہے: اما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ الملقب بہ اھل الحدیث۔ نیز لکھا ہے: ولا اسم لھم الا اسم واحد وھو اصحاب الحدیث۔

محدثین کتاب و سنت سے استدلال کرتے تھے اور وہ بالاتفاق اہل سنت تھے لیکن کسی ایک مذہب کے مذاہب اربعہ میں سے مقلد نہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ جلد-۲' ص-۱۴۹ میں فرماتے ہیں کہ "علمائے محدثین بیک مذہب از مذاہب مجتہدین نما شند الخ۔

اب اگر مذاہب اربعہ کا داخلہ واجب قرار دیا جائے تو جملہ محدثین سواد اعظم اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہو جاتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ فرقہ ناجیہ سواد اعظم اہل سنت وہ ہے جو حنفی یا شافعی' مالکی یا حنبلی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک میں داخل ہو تو پھر صحابہ کرام اور جملہ تابعین اور ائمہ اربعہ فرقہ ناجیہ اور سواد اعظم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ خیار الامہ چار فرقوں میں سے کسی فرقہ میں بھی داخل نہ تھے بلکہ تقلید کا وجود بھی اس وقت نہ تھا۔ پس مقلدین اماموں کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ان سے پہلے اہل سنت اور اہلحدیث موجود تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں: **ومن اھل السنۃ والجماعۃ مذھب قدیم معروف قبل ان یخلق اللّٰہ ابا حنیفۃ ومالکا والشافعی واحمد فانہ مذھب الصحابۃ الذین تلقوہ عن نبیھم ومن خالف ذالک کان مبتدعا۔** (منہاج السنہ جلد۔۱' ص۔۲۵۶) یعنی "اہل سنت والجماعت سے ایک مذہب مشہور قدیم سے ہے جو ابوحنیفہ' مالک' شافعی' احمد کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے (یعنی اہلحدیث) وہ مذہب صحابہ کا ہے' جس کو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا ہے جو شخص اس مذہب کے خلاف چلے گا وہ بدعتی ہے۔

امام حافظ ابن حزم اندلسی "کتاب الفصل" میں فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے اہل سنت کی بابت فرماتے ہیں: **قال واھل السنۃ الذین نذکر ھم اھل الحق ومن عداھم فاھل الباطل فانھم الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم وکل من سلک نھجھم من خیار التابعین ثم اھل الحدیث' الخ۔** یعنی اہل سنت جن کو ہم اہل حق کہتے ہیں اور ان کے ماسوا فرقوں کو اہل باطل سے تعبیر کرتے ہیں وہ صحابہ کرام ہیں پھر تابعین میں سے وہ لوگ جو صحابہ کے طریقہ پر چلے پھر اہلحدیث ہیں۔ (جلد۔۲' ص۔۱۱۳)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مذہب اہل سنت جن کو اہلحدیث کہتے ہیں۔ مقلدین مذاہب اربعہ سے پہلے کا ہے۔ اہل سنت میں سے جن لوگوں نے تقلید شخصی سے فرقہ بندی کر کے مذہب اہلسنت کی ہیئت کذائی کو تبدیل کر لیا اور وہ حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی ناموں سے مشہور ہوئے وہ اس تقلید اور فرقہ بندی کی وجہ سے اہل سنت سے خارج ہو گئے۔ چونکہ پہلے وہ اہل سنت تھے اور مذہب اہل سنت کا دعویٰ رکھتے رہے اور ائمہ اہل سنت کے مقلد نہ تھے۔ اس وجہ سے بعض فقہاء ان کو اہل سنت لکھتے رہے یا جو

خود تقلید کے مرض میں مبتلا تھے جیسے علامہ طحطاوی وغیرہ وہ ان کو اہل سنت کہتے رہے اور جنہوں نے حقیقت پر نگاہ ڈالی اور اہل سنت کی تعریف اور ہیئت اولی پر نظر کی اور ان مقلدین کے تقلیدی جمود پر غور کیا اور فرقہ بندی کو ملاحظہ کیا تو انہوں نے ان مقلدین کو فرقہ ناجیہ اہل سنت سے خارج قرار دیا اور عام طور پر فتوے اس لیے جاری نہ کئے کہ حکومت کے لوگ خود تقلیدی مذاہب میں گرفتار تھے۔ لیکن علماء حق برابر یہ کہتے رہے کہ فرقہ ناجیہ اہلحدیث ہے اور یہی حق پر ہیں۔ امام علی بن مدینی نے کہا کہ "طائفہ اہل حق اہلحدیث ہے" (مشکوۃ) امام احمد بن حنبل نے کہا کہ "وہ اہلحدیث ہے" (رواہ الحاکم فی علوم الحدیث) امام عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ "وہ اہلحدیث ہیں" (مفتاح الجنۃ للسیوطی ص-۴۸) شیخ الطریقۃ جیلانی فرماتے ہیں کہ "وہ اہلحدیث ہیں" (غنیۃ الطالبین) ہارون رشید نے کہا: "طلبت الحق فوجدته مع اهل الحديث" (شرف اصحاب الحدیث ص-۵۷)

امام احمد بن سنان نے کہا کہ میرے ماموں حضرت ولید کرابیسی نے وفات کے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی کہ علیکم بما علیه اهل الحدیث فانی رایت الحق معهم۔ (تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص-۸۴) یعنی "تم مذہب اہلحدیث کو لازم پکڑے رہنا کیونکہ میں نے حق ان کے ساتھ دیکھا ہے۔"

امام شافعی نے فرمایا کہ علیکم باهل الحدیث فانهم اکبر صوابا عن غیرهم (توالی التاسیس لابن حجر والآداب الشرعیه لابن مفلح جلد-۱، ص-۲۳۸) یعنی "مذہب اہلحدیث کو تم لازم پکڑے رہو کیونکہ وہ غیروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ حق پر ہیں۔"

تفسیر ابن کثیر جلد-۵، ص-۲۰۷ میں ہے کہ یہ اہل حدیثوں کو بڑا شرف حاصل ہے کہ ان کے امام حضرت سید الانبیاء محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ دیگر لوگوں نے امتی لوگوں کو تقلیدی رنگ میں واجب الاتباع بنا لیا اور اہلحدیث نے بلاواسطہ غیرے براہ راست اپنے نبی محمد ﷺ کو مستقل مطاع قائم رکھا ہے۔

علامہ ملا علی قاری حنفی اپنے رسالہ "رفع سبابہ" کے آخر میں فرماتے ہیں: واهل الحدیث اهل رسول الله صلی الله علیه وسلم وانشدوا فی هذا المعنی ۔

اهل الحدیث هم اہل النبی
وان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا

حنفی: حجتہ اللہ کی عبارات پڑھیں۔ انصاف' فیوض الحرمین پڑھیں۔

اہلحدیث: آپ قرآن کریم پڑھیں۔ کتب حدیث اور ان کی شروح پڑھیں۔ جن میں تمسک بالقرآن والحدیث کا حکم ہے اور غیر کی تقلید کو حرام اور شرک قرار دیا گیا ہے۔ فرقہ بندی سے منع کیا گیا ہے۔ ائمہ کی ہدایات حجتہ اللہ' عقد الجید' انصاف وغیرہ میں انصاف سے ملاحظہ فرمائیں اور تقلید کی زنجیریں توڑ کر تحقیق کے باغات کی سیر کریں اور کتاب و سنت کے پھول کھائیں۔

آپ کیا جانیں حدیث کیا ہے
ور دانہ درج مصطفیٰ ہے

خلیفہ صادق و عادل عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا فرمان بخاری شریف کتاب العلم میں پڑھیں: **ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لایعلم۔** یعنی سوائے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ قبول نہ کیا جائے اور علماء کو چاہیے کہ علم حدیث پھیلائیں اور علم کی مجلسیں قائم کریں تاکہ جو جاہل ہیں وہ عالم ہو جائیں (اور تقلید نہ پھیلے)۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حنفی: سامنے ہوں اور ذی علم ہوں تو گفتگو ہو۔

اہلحدیث: گفتگو کرنے والے مقلد ہوں گے یا محقق عالم؟ اگر مقلد ہوں گے تو وہ جاہل ہوں گے کیونکہ تقلید کی تعریف میں عدم علم داخل فی الماہیتہ ہے جس کے مطابق قضیہ عامہ مشروط ہو گا۔ **المقلد غیر عالم بالدلیل مادام مقلدا** پھر گفتگو سنی فضول ہے۔ کیونکہ حکم رحمانی ہے: **"اعرض عن الجھلین" وقولہ تعالیٰ "اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین"** ---- **فتدبر ولا تکن من المقلدین۔**

اور اگر محقق عالم گفتگو کریں گے تو ہم سننے کو تیار ہیں۔ آپ اطلاع فرما دیں اور

ملاقات کا انتظام کریں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

حنفی: آخر حرمت لذاتہ' حرمت لغیرہ' وجوب ذاتی' وجوب عرضی بھی کچھ تمہارے اہلحدیث کے یہاں معتبر و محقق ہے یا نہیں؟

اہلحدیث: مقلدین نے اپنا مذہب بنانے کے لیے کئی ایک قواعد اختراع کئے ہیں اور پھر خود ہی ان کے خلاف عمل کرتے رہے ہیں۔ ہم آپ کی اصطلاحات سے بفضلہ تعالیٰ واقف ہیں۔ آپ جس رنگ میں گفتگو کریں گے' ہم اسی رنگ سے آپ کی تقلید کو غلط ثابت کریں گے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت رامے شناسم

حنفی: پس برخوردار تم اس قدر سمجھو کہ مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد مولانا محمد قاسم' مولانا رشید احمد' مولانا اشرف علی' مولانا انور شاہ کشمیری جیسے حضرات جن کے علم و عمل کی مثال آج دشوار ہے۔

اہلحدیث: آپ کے یہ اکابر خواہ کتنے ہی بے مثال ہوں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تقلید کرتے تھے یا نہیں؟ اگر تقلید نہ کرتے تھے بلکہ اپنے خداداد علم سے کام لے کر تحقیق کرتے تھے تو آپ بھی اسی طرح علم و عمل حاصل کریں اور ان پر اعتماد کر کے اس نعمت عظمٰی سے خود محروم نہ رہیں اور اگر یہ سب مقلدین تھے تو پھر ان کی باتوں کا اعتبار نہ کریں۔

بادہ بخور غم مخور پند مقلد مشو
اعتبار سخن عام نخواہد بودن

آپ نے ان کی شہرت سے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر آپ ایک ایک کے مسائل پر غور کریں تو پھر پتہ چلے گا کہ علمی حیثیت کیا تھی۔ رب مشہور لا اصل لہ' مقولہ مشہور ہے۔

گرچہ تقلید است استون جہاں
ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں

اگر آپ فی الواقع ان اکابر علماء کو مانتے ہیں تو ان کی ہر بات پر عمل کریں۔ چنانچہ ہم ایک بات جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی عقد الجید سے پیش کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں:

تعرض المسائل المنقولة عن الامام مالک والامام الشافعی والامام ابی حنیفة والامام الثوری وغیرہم من المجتھدین المقبولین ومذاھبھم وفتاواھم علی الصحیحین ای البخاری ومسلم ثم علی احادیث الترمذی وابی داؤد والمؤطا فای مسئلة وافقھا السنة نصا او اشارة اخذوا بھا وعملوا علیھا وای مسئلة خالفتھا السنة مخالفة ردوھا وترکوا العمل بھا۔ (ص-۱۵)

یہ فیصلہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جس پر اہلحدیث عامل ہیں لیکن آپ کے اکابر اس کے سخت خلاف ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحب جے پوری نے "حقیقتہ الفقہ" میں لکھا ہے کہ: "مفتی دارالعلوم دیوبند کو ایک سوال لکھا گیا کہ ہم لوگ حنفی المذہب کے نزدیک کتب حدیث صحیح' صحیح بخاری' مسلم وغیرہ مستند و مسلم ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب علماء لکھنؤ' دہلی' اجمیر نے بھی دیا لیکن مفتی دیوبند نے جو دعویٰ کیا وہ ملاحظہ کرنے کے قابل ہے' لکھتے ہیں:

"کتب مذکورہ میں ہر قسم کی احادیث ہیں نہ تمام صحیح ہیں نہ تمام ضعیف اور نہ تمام معمول بہا ہیں نہ غیر معمول بہا اور اکثر مؤلفین مذکورین شافعی المذہب ہیں۔ پس حنفی المذہب کو اپنے مذہب کی فقہ کی کتابیں معمول بہا بنانی چاہیے اور مسائل فقیہ پر عمل کرنا چاہیے۔"

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی

دارالعلوم دیوبند۔

(حقیقتہ الفقہ ص-۴۳)

اب بتلایئے! علماء دیوبند نے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی ہدایت پر عمل کیا؟ ہرگز نہیں بلکہ خلاف کیا ہے۔ لہذا آپ ان کے نام سے ہم کو دھوکہ نہ دیں۔ شاہ صاحب نے تو فقہ حنفیہ کا ایک حکمت علمی سے صاف رد کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر آپ تقلید کی زنجیریں توڑ کر ہمارے پاس آجائیں تو ہم آپ کو حجتہ اللہ میں فقہ کی بڑی بڑی شرحوں اور حنفی مذہب کے موٹے موٹے فتاووں کا رد ملاحظہ کرا دیں۔ چنانچہ لکھا ہے: ان

ذالک من تخریجات الاصحاب ولیس مذهبا فی الحقیقة یعنی "یہ مسائل دیگر مقلدین نے نکالے ہیں' حقیقت میں یہ حنفی مذہب نہیں ہے۔

ایمان سے' انصاف سے فرمائیں کہ شاہ صاحب ٹھیک فرما رہے ہیں کہ فقہی کتابوں کے مسائل حنفی مذہب نہیں ہے یا مفتی دیوبند ٹھیک لکھ رہے ہیں کہ مسائل فقیہ پر عمل کرنا چاہیے جو فقہ کی کتابوں میں ہیں۔ اگر مفتی دارالعلوم مولوی عزیز الرحمٰن زندہ ہوں تو آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ جب حدیث کی ان کتابوں پر عمل نہیں کرنا اور یہ ناقابل عمل ہیں تو پھر ان کو دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل کر کے پڑھایا کیوں جاتا ہے؟ اگر تبرک کے لیے تو عرض یہ ہے کہ جو چیز قابل عمل نہیں ہے' وہ قابل ترک بھی نہیں ہے۔ **کما ھو الظاھر**۔ اگر شافعی مذہب معلوم کرنے کے لیے پڑھاتے ہیں تو یہ بھی غلطی ہے۔ کیونکہ اول تو محدثین کسی مذہب کے مذاہب اربعہ میں سے پابند نہ تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ دوم مذہب شافعی معلوم کرنے کے لیے فقہ مذہب شافعی پڑھائیے۔ کتب حدیث تو وراثت نبویہ ہے' جس پر اہلحدیث قابض ہیں۔ مقلدین کا ان پر کوئی حق نہیں ہے۔ ان کے لیے تو آراء و اقوال فقہاء کوفہ چاہیے اور بس!

<u>مولانا انور شاہ صاحب کا ذکر خیر</u> ⇦ مولانا انور شاہ صاحب جن کو مولانا محمود الحسن صاحب کا خلیفہ مقرر کیا گیا تھا' اپنی تصنیف میں کئی ایک مسائل ایسے لکھ گئے ہیں جن کو اہلحدیث تو بوجہ مطابق حدیث ہونے کے صحیح مانتے ہیں مگر حنفی دیوبندی نہیں مانتے۔ مثلاً تراویح کے متعلق تمام اقوال پر محاکمہ فرما کر لکھتے ہیں: **ولا مناص من تسلیم ان تراویح علیه السلام کانت ثمانیة رکعات** - (العرف الشذی ص-۳۳۰) یعنی تراویح سنت نبوی آٹھ رکعت ہیں لیکن مقلدین کتب فقہ پر ایمان رکھتے ہوئے بیس ہی کی رٹ لگائے جاتے ہیں اور تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ بڑے محدث اور بے مثل عالم تھے۔

<u>مولانا رشید احمد صاحب</u> ⇦ مولانا رشید احمد صاحب کو بھی آپ نے بے نظیر عالم قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی تصنیفات پر غور کیا جائے تو بالکل عامیانہ اور مقلدانہ ہیں۔ چنانچہ آپ کے قطب الارشاد اپنی کتاب سبیل الرشاد مطبوعہ سنہ-۱۹۳۳ء میں لکھتے ہیں:

"آپ نے فرمایا' لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فانه لا صلوٰة الا بفاتحة الکتاب۔"
یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں ہے۔ صحیح یوں ہے: لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فانه لا صلوٰة لمن لم یقرابها۔ (ص-۴۱)

اسی طرح مقلدین کے بے مثل علماء کی یہ عادت ہے کہ قرآن و حدیث میں لفظی و معنوی تحریف کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمود الحسن صاحب جن کو بے نظیر محدث تسلیم کیا جاتا ہے وہ اپنی کتاب "ایضاح الادلہ" ص-۹۷ میں لکھتے ہیں: "ارشاد ہوا' فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول و اولی الامر منکم۔" حالانکہ صرف فردوہ الی اللّٰہ والرسول وارد ہے اور یہاں اولی الامر منکم زائد کیا گیا ہے۔

یہ حنفی مذہب کے دو بے نظیر عالموں کا حال ہے۔ اسی طرح باقیوں کو قیاس کر لیں۔ ان کے بڑے بڑے علاموں نے جھوٹی احادیث' جھوٹے واقعات اور جھوٹے مسائل گھڑگھڑ کے مذہب کو پھیلایا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب سبیل الرشاد ص-۱۰ میں لکھتے ہیں: "عمل فقہ پر کرنا بعینہٖ احادیث پر عمل کرنا ہے۔"

اللہ اکبر! کیسا غلط قول ہے۔ حدیث شریف میں ہے' کل مسکر خمر وکل خمر حرام (رواہ مسلم) یعنی "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔" لیکن ہدایہ کتاب الاشربہ جلد-۴' ص-۴۸۰ میں ہے کہ ان مایتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفة ولا یحد شاربه وان سکر منه یعنی "گیہوں' جوٴ شہد' جوار کی بنائی ہوئی شراب حلال ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور اس کے پینے والے کو حد نہ لگائی جائے گی۔ اگرچہ اس کے پینے سے نشہ آجائے۔"

یہ فتویٰ اس امام کا بتلایا ہے جس کی بابت مولوی محمد اصغر حسین دیوبندی رحمتہ الرضوان کے ص-۱۰ پر لکھتے ہیں کہ امام صاحب ایسی پرہیزگاری کرنے والے تھے کہ ایک دفعہ آپ کے شہر میں ایک بکری چوری ہو گئی۔ پس آپ نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہی بکری ذبح کی جائے اور گوشت بیچنے والا ہم کو اسی کا گوشت دے دے' الخ۔

ادھر تو امام صاحب کی اتنی تعریف کہ شہر میں ایک بکری چوری ہو جانے پر تمام شہر کا تمام عمر کے واسطے گوشت کھانا ترک کر دیا اور ادھر ہدایہ میں ہے کہ امام صاحب جو' جوار وغیرہ کی شراب پینا حلال کہتے تھے' جن کو نبی کریم ﷺ نے حرام فرمایا ہے۔

ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست
حقائق ہائے ایماں را چہ دانی

اللہ جانے یہ مقلدین جھوٹے ہیں جو ہدایہ وغیرہ میں جھوٹی روایتیں امام صاحب سے خلاف قرآن و حدیث نقل کر رہے ہیں۔

؎ کم ذات عالم میشود گردن زند استاد را

بہرکیف آپ غور سے دیکھ لیں کہ فقہ عین قرآن و حدیث ہے یا یہ کوئی نفسانی خواہشات کا مجموعہ ہے۔ کہیں شراب حلال ہے اور کہیں سود حلال ہے' کہیں محرمات ابدیہ سے نکاح کرنے پر حد ساقط ہے اور کہیں حلالہ ملعونہ حلال ہے۔ **نعوذ باللہ من هذا المذهب الباطل**' آمین۔

مولوی رشید احمد صاحب نے جن کو بے مثل عالم قرار دیا گیا ہے' اپنے رسالہ سبیل الرشاد کے ص-۲۳ پر لکھا ہے: "استنباط مجتہدین علیہم الرحمتہ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں ...... پس جو کچھ مجتہد نے استنباط فرمایا وہ عین حکم حق تعالیٰ کا ہے۔" الخ

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ وغیرہ کے اقوال اور آراء منزل من اللہ اور عین حکم اللہ تعالیٰ کے تھے پھر خود مولوی رشید احمد ص-۲۶ پر لکھتے ہیں کہ "مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے۔ (الیٰ قولہ) پس اگر خطا بتحقیق معلوم ہو جائے تو اس کو رد کرنا ضرور ہے۔" الخ۔

اس سے مولوی رشید احمد صاحب کی پہلی بات کا رد ہو گیا۔ کیونکہ اگر اجتہادات ائمہ کے عین حکم الٰہی اور منزل من السماء ہوتے تو ان میں خطا نہ ہوتی کیونکہ حکم الٰہی منزل من السماء خطا سے پاک ہے۔ پھر اجتہادات ائمہ کے باہم متعارض اور مخالف ہیں۔ جن میں حقیقی اختلاف ہے مثلاً ایک امام ایک چیز کو حرام کہتا ہے اور دوسرا حلال کہتا ہے تو اس سے احکام الٰہی منزل من السماء کا متضاد ہونا لازم آتا ہے' وہ حق نہیں کیونکہ حق میں تضاد نہیں ہے۔ قرآن میں ہے' **فماذا بعد الحق الا الضلال**۔

دوسری جگہ ارشاد ہے' لوکان من عند غیراللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنی اگر قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا۔

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آراء مجتہدین میں اختلاف کثیر ہے۔ لہٰذا یہ عین حکم الٰہی نہیں ہیں بلکہ اقوال ائمہ میں حق علیٰ سبیل الدوران ہے۔ جس کا مطلب اور اجتہاد کسی دلیل کے فی نفسہ مطابق ہوا' وہ تو حکم الٰہی کا مظہر ہے اور عین حکم الٰہی ہو گا اور جو مخالف ہوا وہ اس کی ذاتی رائے ہو گی' اس لیے ان کی تحقیق ضروری ہے۔ جس کا اجتہاد اور استنباط دلیل شرعی کے مواقق ہو گا اس کو مظہر حکم قرار دیا جائے گا۔ اس لیے ہر امام کا اجتہاد محتمل ہوتا ہے' اس کو عین حکم الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ اجتہاد کر کے فرمایا کرتے تھے: ھذا رای فان یکن صوابا فمن اللّٰہ وان یکن خطا فمنی واستغفراللّٰہ۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے۔ کسی امام اور عالم مجتہد نے اپنے حکم اجتہادی اور رائے استنباطی کو عین حکم الٰہی نہیں قرار دیا۔ یہ صرف مقلدین کا زعم باطل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت اتخذوا احبارھم نازل فرما کر ان سب کی تردید فرما دی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے: علمنا ھذا رای وھو احسن ماقدرنا علیہ فمن قدر علیٰ غیر ذالک فلہ ماراٰی ولنا مارایناﺍ (الملل والنحل) یعنی ہمارا علم رائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے اور جو اس کے سوا قادر ہو اس کے لیے وہ جائز ہے۔ اور فرمایا' قال ابوحنیفۃؒ حرام علیٰ من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی۔ (میزان شعرانی)

جب امام ابوحنیفہ کا علم رائے ہوا اور بغیر دلیل کے اس کا لینا حرام ہوا تو تقلید شخصی باطل ہو گئی۔ کیونکہ تقلید بغیر معرفت دلیل کسی کی رائے لینے کو کہتے ہیں۔ اب اس کے خلاف بے مثل عالم مولانا رشید احمد صاحب کا فرمان سنئے!

"کسی نص میں وارد نہیں ہوا کہ مسئول عنہ سے دلیل پوچھو بلکہ مطلق سوال کا حکم ہے۔ سب آیات و احادیث دیکھ لیں۔ پس قید بدلیل پوچھنے کی اپنی طرف سے اضافہ کرنا حکم مطلق حق تعالیٰ کو مقید کرنا بالرائے اور بعض افراد کو منسوخ کرنا بقیاس فاسد ہے جو سراسر باطل ہے۔"

مولوی رشید احمد صاحب نے مقلد ہو کر امام ابوحنیفہ کی تردید کی ہے۔ امام صاحب

فرماتے ہیں کہ میرے کلام کی دلیل معلوم کئے بغیر کوئی سائل فتویٰ نہ لے۔ جو شخص بھی میرا کلام سنے اور پڑھے وہ اس کی دلیل پہچانے۔ اگر دلیل مل جائے تو اس کو درست سمجھے اور اس پر فتویٰ دے دے۔ اس وقت وہ فتویٰ دلیل کی بنا پر ہو گا اور وہ دلیل شرعی اللہ تعالیٰ کا حکم متصور ہو گی اور جو دلیل معلوم نہ کر سکے وہ میرے قول پر فتویٰ نہ دے' اس پر فتویٰ دینا حرام ہے۔ جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ تقلید شخصی کرنا حرام ہے۔ اب یا تو امام صاحب اس بات میں (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں یا مولوی رشید احمد صاحب۔

سو ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں جو ان کے اقوال کی دلیلیں معلوم کئے بغیر فتویٰ دیتے ہیں اور جن اقوال کے دلائل معلوم کر کے فتویٰ دیتے اور بحث کرتے ہیں۔ ان میں ان کا تقلید کا دعویٰ کرنا جھوٹا ہے۔ بہرکیف وہ باطل مذہب کے بھنور سے نکل نہیں سکتے۔

مولانا رشید احمد صاحب نے سبیل الرشاد کے ص ۹ پر غیر فقیہ راوی کی حدیث کو قیاس کے مقابلہ میں ترک کرنا ثابت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو فقیہ قرار دیا ہے۔ یہ بھی ان کا صریح ظلم اور کمال لاعلمی اور صحابی کے حق میں سوء ادب ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام نے فقہاء مجتہدین میں شمار کیا ہے اور محدثین نے ان کو صحابی عادل مجتہد' فقیہ قرار دیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس کا جواب بھی دے دیا تھا کہ بھتیجے! جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنو تو اس کے مقابلہ میں مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ باقی رہا یہ امر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قیاس سے حدیث کو رد کیا' یہ غلط ہے۔ بلکہ ایک حدیث کے فہم میں دونوں کا اختلاف ہوا کہ ایک نے حکم نبی کو حقیقت شرعیہ پر محمول کر کے وضو شرعی مراد لیا اور دوسرے نے وضو لغوی مراد لیا ہے اور یہ ایسا اختلاف ہے جیسا کہ بنوقریظہ کا واقعہ ہے جس کا ذکر سبیل الرشاد کے ص ۶ پر ہے۔ وہاں صحابہ کا ایک حدیث کے فہم میں اختلاف ہوا اور وہ سب فقہاء تھے لیکن آپ نے کسی کو سرزنش نہیں کی۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات ملاحظہ کر کے یہ کہا' واللّٰہ ماقضی بھذا علی الا ان

یکون ضل یعنی "اللہ کی قسم! اگر علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے۔" کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھے۔

الغرض حنفیہ نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ قرار دیا ہے' یہ ان کی سراسر غلطی ہے۔ وہ بڑے فقیہ تھے اور مقلدین حنفیہ کے ائمہ سے ہزار درجہ بڑھ کر حدیث کے حافظ اور فقیہ تھے' **کمالا یخفٰی علٰی اھل العلم۔**

کتب اصول' اصول شاشی وغیرہ میں جو مقلدین حنفیہ نے موضوع حدیث **فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علٰی کتاب اللہ** بیان کر کے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ غیر فقیہ کی روایت مجتہد کے قول کے مقابلہ میں ترک کی جائے گی۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کثیرالروایت کو غیر فقیہ قرار دیا ہے۔ یہ سراسر جھوٹ اور باطل کارروائی ہے۔ جو اپنے اختراعی مذہب تقلیدی کی حفاظت کے لیے اور اپنے مذہب کے خلاف احادیث صحیحہ کے ترک کرنے کے لیے سرانجام دی گئی ہے۔ اس کے پیچھے علماء حنفیہ اپنی نااہلیت اور کم علمی کے باعث پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو اور ان کے اصولیوں کو یہ بھی علم نہیں رہا کہ حدیث تصریہ جس کی تکذیب کے لیے یہ قاعدہ وضع کیا گیا ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہد فقیہ کے فتوے کے مطابق ہے۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرما دیا ہے: **ھذہ القاعدۃ علٰی مافیھا لا تنطبق علٰی صورتنا ھذہ لانہ اخرجہ البخاری عن ابن مسعود ایضا۔**

پھر شاہ صاحب نے ان مقلدین کے اس اصول پر نقض وارد کیا ہے کہ حدیث قہقہ اور حدیث بھول کر کھانے والے کے عدم فساد صوم پر عمل کرنے سے یہ قاعدہ ٹوٹ گیا ہے یعنی مقلدین آیت **کبرمقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون** کے مصداق ہو گئے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ شاہ صاحب نے حجتہ اللہ میں جو اس قاعدہ کی تردید کی ہے ان کی بات صحیح مان لیں اور خواہ مولوی رشید احمد صاحب کو ان پر فوقیت دے کر سبیل الرشاد پر ایمان لے آئیں دونوں آپ کے نزدیک بے مثل عالم ہیں اور دونوں باہم مخالف ہیں' **فتذکر۔**

مولوی اشرف علی صاحب پر تبصرہ ⇦ تلویح مصری جزء اول' ص-۸۳ میں ہے: **فعلم المقلد لم یحصل من النظر فی الدلیل** یعنی مقلد کا علم دلیل شرعی سے

حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل اور اس کا علم محض قول امام ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب اپنے وعظ مندرجہ النور ص-۱۰۰ میں فرماتے ہیں "جو لوگ قرآن و حدیث سے استخراج کی کوشش کرتے ہیں یہ سب غیر مقلد ہی ہیں (الی قولہ) جو محض اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الھدایہ کذا فی الدر مختار نہ کہے بلکہ خود دعویٰ استنباط کا کرے وہ غیر مقلد ہے۔"

حنفیہ کے حکیم الامت بوادر النوادر جلد اول' ص-۳۳۸ میں لکھتے ہیں: "اخیر بات مقلد کی شفاء کے لیے یہ ہے کہ مقلد کے ذمہ اثبات بالدلیل نہیں' اس کے لیے مجتہدین فی المذہب کا قول بس ہے۔"

لیکن مولوی اشرف علی صاحب نے تقلید کی زنجیریں توڑ کر اپنی تصنیفات میں مسائل منصوصہ اور اجتہادیہ میں دلائل شرعیہ سے بحث کی ہے اور قرآن و حدیث سے مسائل استخراج کئے ہیں بلکہ زمانہ حاضرہ کے حوادث میں خود اجتہادی فتوے دیئے ہیں اور کتب اصول سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی مجتہد ہوتا ہے۔ پس مولوی اشرف علی صاحب کا دعویٰ تو تقلیدی ہے اور عمل غیر مقلدانہ ہے جو علمیت ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا وہ آیت کبر مقتا عنداللّٰه ان تقولوا مالا تفعلون کے مصداق ہیں۔ پھر بے مثل عالم ہونے کا درجہ ان کو کیسے حاصل ہے؟

(۲) مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب الاقتصاد میں اور مولوی خیر محمد جالندھری صاحب نے خیرالتنقید میں اقتداء کو تقلید کے معنی پر لیا ہے اور مقتدی کو مقلد کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ہے' فبھدھم اقتدہ یعنی رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ سابقہ انبیاء کی اقتدا کرو۔

اب بتلایئے! رسول اللہ ﷺ سابقہ انبیاء کے مقلد تھے یا اقتداء کرنے والے؟ اگر مقلد تھے تو ان سے افضل نہ رہے بلکہ درجہ عوام میں ہو گئے کیونکہ فقہاء حنفیہ نے تقلید عامی جاہل کے لیے لازم قرار دی ہے' فتأمل۔

(۳) مولوی اشرف علی صاحب اور ان کے مریدوں مولوی خیر محمد صاحب جالندھری وغیرہ نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید بالتعیین کی جائے یہی واجب ہے اور ثبوت میں دلیل یہ پیش کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام

کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھانمتی نے کنبہ جوڑا

بھلا صحابہ اور ائمہ اربعہ کا کیا مقابلہ؟ اور ایک کی اقتداء کے حکم سے دوسرے کی اقتداء کیسے ثابت ہو گئی؟ پس صحابہ کی اقتدا چھوڑ کر ائمہ کی تقلید کرنا سراسر نافرمانی رسول اور صاف گمراہی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تو تمام امت کو اصحابی کالنجوم کہہ کر صحابہ کی اقتدا کا حکم دیا ہے اور حنفیہ کے مقلدین جو محققین کے نام سے مشہور ہیں۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

یہ اجماع کر رہے ہیں کہ عوام صحابہ کی تقلید بالکل نہ کریں۔ مسلم الثبوت جلد-۲، ص-۲۵۶ میں ہے، اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابة یعنی محققین نے اجماع کیا ہے کہ عوام صحابہ کی تقلید نہ کریں۔

آنجناب نے اپنے خط دعوت و ہدایت تقلیدی میں حدیث "اصحابی کالنجوم" پیش کر کے یہ لکھا ہے کہ جس کی تقلید کرو گے خیر ہی خیر ہے۔ لیکن یہاں حرام کہا جا رہا ہے اے مقلدو! احدکم کاذب۔

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

(۴) مولانا اشرف علی صاحب سمندر علم میں غوطہ لگا کر فرماتے ہیں۔ "قاعدہ کلیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اگر کسی امتی کے قول و فعل کے معارض ہو تو آپ کے ارشاد کو ترجیح ہو گی۔" (فتاویٰ امدادیہ جلد-۳، ص-۱۲۵)

لیکن رسالہ انصاف میں مولانا شاہ ولی اللہ مرحوم فرماتے ہیں: اعلموا انه لایجب العمل بحدیث غیر الفقهآ اذا انسد باب الرای یعنی حنفیوں نے یہ قاعدہ بتایا ہے کہ غیر فقیہ راوی کی روایت پر رائے کے مقابلہ میں عمل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ فتاویٰ امدادیہ جلد-۴ میں اس کو شرک قرار دیا ہے کہ جو رائے کے مقابلہ میں حدیث چھوڑ

دے وہ مشرک ہے لیکن اصول کی کتابوں سے واضح ہو چکا ہے کہ غیر فقیہ کی احادیث کو چھوڑ دو۔ زیادہ تر ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے احادیث مروی ہیں۔ لہٰذا ان سے اعراض کرنا حنفی مذہب کی تعلیم ہے لیکن مولانا اشرف علی صاحب اچھے بے مثل عالم ہیں جو اپنے حنفی مذہب کی جڑ کٹ رہے ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان کنتم تحبون اللّٰه فاتبعونی یحببکم اللّٰه (الآیہ) یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے دوستی لگانا چاہتے ہو تو اے نبی! ان سے کہہ دو کہ تم میری اتباع کرو۔ پس محبت الٰہی اتباع نبوی پر موقوف ہے اور حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ فرائض الٰہی کی ادائیگی اور کثرت نوافل سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

لیکن مولانا اشرف علی صاحب نے بوادر النوادر کی جلد دوم' ص-۴۰۹ تا ص-۴۱۱ تک ایک موضوع حدیث من عشق فعف سے استدلال کرکے رومی جامی کے اشعار۔

متاب از عشق او گرچہ مجازی ست الخ'

لکھتے ہوئے عشق مجازی کو وصول الی المقصود کا سبب ٹھہرایا ہے اور عاشق کو شہید قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ عاقبت مارا شہ رہبر ست۔ پھر ص-۴۹۸ تا ص-۷۰۶ سے ایصال عشق مجازی بہ عشق حقیقی کے شرائط اور اس کا طریق بتلایا ہے کہ عشق حلال سے سوز گداز پیدا کرکے عشق حقیقی کی طرف اس طرح موصل ہو۔

اس میں مولانا اشرف علی صاحب نے اور ان کے مشائخ رومی جامی حلولی اتحادی مذہب رکھنے والوں نے خلاف قرآن بڑی گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے کہ عشق مجازی کو عشق حقیقی کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اور ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے' من عشق فعف فکم فصبر فمات فھو شھید یعنی جو عاشق ہوا پس پاک دامن رہا اور اس کو چھپایا اور صبر کیا پھر مرگیا تو وہ شہید ہوا۔

خانقاہوں کے بڑے مشائخ طریقت اور گدی نشین ان منزلوں میں پڑ کر عورتوں کو مرید کرتے رہے اور بالآخر اس منزل میں فیل ہو کر ان کو اغوا کرکے لے گئے اور ہلاک ہوئے۔

مولانا اشرف علی صاحب کی علمی قابلیت ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث کو فرائلی وغیرہ غیر معتبر لوگوں سے نقل کر کے اور تعدد طرق سے ضعف شدید رفع کر کے حسن لغیرہ بنانے کی کوشش کی ہے جو بالکل بیکار ہے کیونکہ یہ حدیث طبقہ رابعہ سے ہے جن کی بابت عجالہ نافعہ میں ہے کہ "وعلیٰ کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود' الخ۔ واشتغال بہ احادیث ایں کتب و استنباط احکام از آنہا لاطائل مے نمایند۔"

(۶) مولوی اشرف علی صاحب نے بوادر النوادر اپنی آخری تصنیف میں اپنی زندگی کا خاتمہ بالخیریوں کیا ہے: "قضا قاضی ظاہرا" وباطنا" نافذ ہے خواہ قاضی جھوٹے مقدمہ کا غلط فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ صحیح قرار پائے گا۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت پر جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ میری عورت ہے اور میرا اس سے نکاح ہے اور اس پر جھوٹے مصنوعی جعلی گواہ پیش کر کے قاضی سے فیصلہ کرا لے اور قاضی اس کے دھوکہ میں آکر فیصلہ کر دے کہ یہ عورت اس کی ہے تو یہ عورت اس کے لیے حلال ہے اور صحبت اس سے کرنی جائز ہے اور قیامت کو کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔"

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو قتل کی دھمکی دے کر اس کی بیوی کو طلاق دلوا لے اور وہ جب طلاق دے تو بعد عدت کے عورت کو قتل کی دھمکی دے کر اس سے ایجاب و قبول کے الفاظ کہلوا لے تو طلاق اور نکاح سب صحیح ہیں۔ ان سب صورتوں میں عنداللہ جائز ہونے اور صحبت کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ (جلد-۱' ص-۱۱۹ تا ص-۱۲۳)

اگر فیصلہ ہونے کے بعد قاضی کو منکشف ہو گیا کہ یہ تو سب معاملہ جھوٹا اور جعلی تھا پھر بھی عقد اور فیصلہ برقرار رہے گا' خواہ عورت اور اس کے اولیاء اس نکاح جعلی سے انکاری اور ناراض رہیں تب بھی نکاح صحیح اور عنداللہ حلال رہے گا۔ **نعوذ باللہ من هذا القول وهذا المذهب الفاسد الكاسد۔**

یہ ایسا غلط مذہب' برا عقیدہ' باطل فیصلہ اور مردود فتویٰ ہے کہ نہ اس کو کوئی محدث کامل مان سکتا ہے اور نہ عاقل حکیم تسلیم کر سکتا ہے اور نہ دنیا کے بادشاہوں کا قانون ہی اس کا شاہد ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ایماندار شخص ہی اس کو گوارا کر سکتا ہے

اور نہ اس کو عقلمندوں کی پنچائت درست سمجھ سکتی ہے اور نہ وہ دل جس میں ذرا بھر علم اور ایمان ہو اس کو صحیح متصور کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ حنفی مذہب کی پیشانی پر اس کے بطلان کا وہ سیاہ داغ ہے جو قیامت تک اور قیامت سے دوزخ تک کبھی اتر نہیں سکتا۔ پھر ایسے مذہب کے حکیم المذہب کا تقویٰ ملاحظہ کریں کہ وہ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ نکاح ہونے اور صحبت کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب
تو کیا جمے رنگ وعظ و مذہب
قلوب شیطان کے تبع ہیں
زبان قرآن پہ چل رہی ہے

اس جعلی مقدمہ بازی اور غلط فیصلے اور جھوٹے گواہوں کے بیانات پر قاضی کی قضا کے عنداللہ نافذ ہونے اور اس فیصلہ کو قائم مقام ایجاب و قبول بنانے پر کوئی شرعی دلائل قرآن و حدیث صحیح سے نہیں ہیں۔ محض اہل رائے کی رائے فاسد اور قول کاسد کی بنا پر اس مسئلہ کی تعمیر کی گئی ہے۔ شریعت الٰہی جھوٹے گواہ اور غلط فیصلے سے حرام عورت بے نکاحی کے سچ مچ عنداللہ بیوی بن جانے اور پھر دونوں کے مثل حقیقی میاں بیوی کے مجامعت حلال ہونے کو کب جائز کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں ایسے فیصلے سے ایک پیلو کی مسواک بھی حلال نہیں ہو سکتی اور اس پر دوزخ واجب اور جنت حرام ہے۔ امام بخاری جو امام الدنیا فی الحدیث ہیں۔ انہوں نے اپنی جامع صحیح بخاری میں باب فی النکاح کتاب الحیل میں ان مقلدین حیلہ سازوں کی تردید فرمائی ہے اور یہ لکھا ہے کہ **وقال بعض الناس وان لم تستاذن البکر ولم تزوج فاضال رجل فاقام شاھدی زور انہ تزوجھا برضاھا فاثبت القاضی نکاحھا والزوج یعلم ان الشھادۃ باطل فلا باس ان یطاھا وھو تزویج صحیح**۔ اور پھر اس کی اس حدیث سے تردید کی ہے کہ **لا تنکح البکر حتی تستاذن ولا الثیب حتی تستامر** یعنی ”کنواری لڑکی کا نکاح بغیر اذن حاصل کئے اور کسی بیوہ کا نکاح بغیر اس کے حکم لیے کسی سے نہ کیا جائے۔“

چونکہ مذکورہ بالا جعل سازی میں کسی عورت کا اذن اور حکم نہیں ہے۔ لہٰذا قاضی

کا فیصلہ نکاح ہرگز منعقد نہیں کر سکتا۔ حنفیہ نے ثیبہ کے جعل سازی کے نکاح کو بھی جائز رکھا ہے۔ حالانکہ اس کے کارہ ہونے سے بھی نکاح مردود ہے۔ فان خنساء بنت خزام انکحھا ابوھا وھی کارھة فرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک۔ پھر امام بخاری نے باب لایجوز نکاح المکرہ منعقد کیا ہے۔ جس میں حدیث خنساء ذکر کی ہے کہ کارہ کا نکاح مردود ہے اور مکرہ کارہ ہوتی ہے' کما ھو الظاھر۔

اور حنفیہ نے فروج میں احتیاط کا قاعدہ باندھا ہے کہ فروج کا معاملہ زیادہ قابل احتیاط ہے لیکن اپنے امام کی پرستش میں اس قاعدہ کو بھلا دیا۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے: تستامر النساء فی ابضاعھن۔ پھر امام المحدثین نے یوں باب منعقد کیا ہے: باب من قضی له بحق اخیه فلا یاخذه فان قضاء الحاکم لا یحل حراما ولا یحرم حلالا یعنی "قضا حاکم کی باطن میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتی۔"

پھر اس کے ثبوت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: انما انا بشر وانه یاتینی الخصم ولعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له بذالک فمن قضیت له بحق مسلم فانما ھی قطعة من النار فلیاخذھا او لیترکھا یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک انسان ہوں' میرے پاس دو فریق جھگڑہ لے آتے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت ہوشیار عمدہ تقریر کرنے والے ہوتے ہیں' دوسرے فریق سے۔ میں اس ہوشیار کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں (باطن میں وہ جھوٹا ہوتا ہے) پس جس شخص کو میں کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ حقیقت میں ایک آگ کا ٹکڑا ہے جس کو چاہے وہ پکڑ لے چاہے چھوڑ دے۔"

اس سے شمس فی النھار کی طرح ظاہر ہوا کہ قضا قاضی کی باطن میں نافذ نہیں ہے بلکہ اس نے جب اپنی ہوشیاری اور جعل سازی سے کسی چیز کو حاصل کیا ہے تو وہ حرام ہے اور اس کے لیے آگ میں جانے کا موجب ہے۔ یہ حدیث مطلق ہے جس سے یہ قاعدہ صاف ثابت ہوا کہ قضا قاضی کی حرام کو باطن میں حلال نہیں کرتی۔ جب اموال میں حرام حلال نہیں ہوتا تو ابضاع بطریق اولی حلال نہیں کیونکہ ان میں زیادہ احتیاط مدنظر ہوتا ہے' فتفکر۔

نووی شرح مسلم میں باب ہے: باب بیان ان حکم الحاکم لایغیر الباطن کہ حکم حاکم باطن کو نہیں بدل سکتا۔ پھر حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ذکر کی ہے اور اس پر یہ لکھا ہے: وفی ھذا الحدیث دلالۃ لمذھب مالک والشافعی واحمد وجماھیر علماء الاسلام وفقھآء الامصار من الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم ان حکم الحاکم لایحل الباطن ولا یحل حراما۔ پھر اس کی صورتیں لکھی ہیں کہ اگر دو جھوٹے گواہوں نے کسی مال کی بابت گواہی دے دی کہ یہ فلاں شخص کا ہے تو وہ مال محکوم لہ کے لیے حلال نہ ہو گا۔

اسی طرح کسی عورت کی بابت جھوٹی گواہی دے دی کہ اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہے تو جس کو اس جعل سازی کا علم ہے' اس پر اس عورت کا نکاح حلال نہ ہو گا۔ اسی طرح دو جھوٹے گواہوں نے کسی کے قتل پر گواہی دے دی تو ولی کے لیے قتل حلال نہ ہو گا۔

لیکن حنفیہ کی عقلمندی' دینداری اور تقویٰ ملاحظہ ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ اموال تو حلال نہ ہوں گے مگر شرمگاہیں ایسی جعل سازی اور جھوٹی کارروائیوں سے عنداللہ حلال ہو جائیں گی۔ اس پر علامہ نووی فرماتے ہیں: وھذا مخالف لھذا الحدیث الصحیح واجماع من قبلہ ومخالف لقاعدۃ وافق ھو وغیرہ علیھا وھی ان الابضاع اولٰی بالاحتیاط من الاموال

یعنی حنفیہ کا یہ مذہب خلاف حدیث صحیح اور اجماع صحابہ و تابعین و ائمہ دین مجتہدین کے ہے جو بالکل مردود ہے۔ اسی طرح دیگر محدثین نے اس مسئلہ اور دیگر مسائل میں حنفیہ کی ناک کاٹی ہے اور ان کو حق سے خارج کر کے باطل پر قرار دیا ہے۔ امام حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے تو کتاب الرد علی ابی حنیفہ ہی لکھ دی ہے اور امام بخاری نے اپنی جامع میں بعض الناس کے نام سے ان کا جابجا رد کیا ہے۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: فالحجۃ من حدیث الباب شاملۃ للاموال والعقود والفروج وقد حکی الشافعی الاجماع علٰی ان حکم الحاکم لا یحلل الحرام۔

مولانا اشرف علی صاحب اور ان کے اخوان مقلدین نے بوجہ تقلید نیچے سے نیچے کے درجہ میں ہو کر پھر اس مسئلہ فریب کاری کو شریعت سے ثابت کرنے کی بے جا

کوشش کی ہے۔ ایک تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان لگایا ہے کہ انہوں نے ایسا فیصلہ کیا ہے۔ حالانکہ بسند صحیح ان سے ثابت نہیں ہے اور دوم حدیث لعان سے استدلال کرنے کی سعی بے فائدہ کی ہے جس کی بابت علامہ شوکانی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الفرقة فی اللعان وقعت عقوبة للعلم بان احدهما كاذب وهو اصل براسه فلا يقاس عليه۔

بس ان کے سوا ان کے پاس کسوٹی دلیل شرعی نہیں ہے اور جو ہے وہ صرف وسواس نفسانی اور قیاس شیطانی ہے۔ اول من قاس ابلیس۔

صد دلیل آرد مقلد در بیاں
از قیاسے گوید اور انیز عیاں

(۷) مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی زیور جلد۱' ص ۲۸ میں یہ لکھا ہے کہ "اللہ و رسول نے دین کی سب باتیں قرآن حدیث میں بندوں کو بتلا دیں۔ اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں۔ ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں' بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔"

اس لحاظ سے تقلید شخصی اور ایک مذہب کی تعیین اور اس کے نام سے علیحدہ فقہ تیار کرنا اور اس پر فتویٰ دینا بدعت اور گناہ ہے' جس کا ارتکاب تمام علماء حنفی کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں نہ ائمہ اربعہ کی تعیین وارد ہے کہ تمام ائمہ سے ان چار کا انتخاب کر لو اور نہ چاروں میں سے کسی ایک کی بالتخصیص تقلید کہیں وارد ہے کہ تمام مسائل میں ہر عالم اور جاہل امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں اور پھر شاگردوں کی آخر تک تقلید کرتے رہنا اور ملک عراق اور پھر کوفہ کی حد سے باہر نہ نکلنا۔ اگر وارد ہے تو علماء دیوبند اور سہارنپور جمع ہو کر ایک آیت اور ایک حدیث پیش کر دیں' بندہ واپس حنفی مذہب میں آجائے گا۔ جس کو اسی وجہ سے طلاق دے چکا ہے کہ یہ فرقہ بندی بدعت اور گناہ ہے۔ اس کے جواز کا ثبوت کسی آیت اور حدیث سے نہیں ہے۔

چنانچہ حنفی مذہب کی کتاب "فتح المبین" جس پر چار سو چھیاسٹھ علماء مقلدین کی مہریں اور دستخط ہیں۔ ان میں آپ کے حکیم امت تقلیدیہ بھی مصدق ہیں۔ اس کے ص-۱۸ پر یہ لکھا ہے : "حنفیہ کا التزام کرنا اس کو مقتضی نہیں کہ تقلید کے وجوب میں کوئی نص قطعی وارد ہے۔" الخ

اسی طرح آپ اپنی کتاب "الاقتصاد" کے ص-۲۰ پر رقمطراز ہیں۔ "تقلید شخصی کے وجوب کے لیے نص پیش کرنے کی حاجت نہیں۔"

اس سے ہر عقلمند شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ تقلید شخصی کے وجوب پر کوئی نص شرعی وارد نہیں ہے۔ اگر نص ہوتا تو اس کی ضرورت بھی ہے اور التزام مذہب شرعاً صحیح بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن باطل نہیں ہے۔ چنانچہ میزان شعرانی جلد-۱' ص-۴۳ میں ہے : **لم یبلغنا فی حدیث صحیح ولا ضعیف ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر احدا من الامۃ بالتزام مذھب معین**۔ یعنی التزام مذہب معین کا حکم کسی حدیث میں نہیں ہے۔

شامی میں بھی اسی طرح ہے کہ التزام مذہب شرع میں نہیں ہے۔ درمختار کے مقلد مصنف نے تو یہاں تک بے ادبی ظاہر کی ہے کہ **یحکم بمذھبہ عیسیٰ علیہ السلام** کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ (امام) ابوحنیفہ امتی کے مقلد ہوں گے۔ **نعوذ باللّٰہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ**۔ اور آپ کے مذہب کے بڑے مقلد قہستانی بھی اس توہین میں شریک ہیں۔

پس مقلدین نے امام ابوحنیفہ کے غلو تقلید میں آکر نہ کسی صحابی کو چھوڑا اور نہ نبی کو۔ سب پر ہاتھ صاف کر دیا۔ لیکن نص کوئی پیش نہ کر سکے۔ آخر موضوع حدیث سراج امتی والی پیش کر کے فرمان نبوی احد الکاذبین کے مرتکب بنے۔

(۸) مقلدین حنفیہ باوجود عامی رتبہ رکھنے کے علماء اہلحدیث کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ آخر ان کی تنقید سے تنگ آکر ان کو گستاخ اور بے ادب کہنے لگتے ہیں اور یہ مشہور کرتے ہیں کہ غیر مقلد بڑے بے ادب ہیں۔ اماموں اور ولیوں کا ادب نہیں کرتے۔ لیکن ان کا حال دیکھئے۔ **اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم** کے مصداق ہیں۔ "نورالانوار" میں صحابہ کرام میں سے حضرت ابوہریرہ و انس رضی اللہ عنہما وغیرہ

کو غیر فقیہ لکھا ہے۔ جس کے معنی بے وقوف کے ہیں۔ اور امام شافعی امام المحدثین کے بارے میں "کجھل الشافعی" لکھا ہے۔ یعنی "جیسے شافعی کی جہالت۔"

اپنے امام کو تو سراج الامت قرار دیتے ہیں اور امام الائمہ شافعی رحمہ اللہ جن کے چہارم حصہ کے برابر بھی امام صاحب کو حدیث کا علم نہ تھا بلکہ حسب تصریح مورخ ابن خلدون سترہ احادیث یاد تھیں' ان کو جاہل کہتے ہیں۔

اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب جن کا خود اپنا علم اور ان کے اکابرین دیوبند کا علم علامہ ابن القیم رحمہ اللہ مدینۃ العلم کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہ تھا۔ ان کے متعلق بوادر النوار جلد۔۲' ص۔۶۱۰ پر لکھتے ہیں : "وہ خود متشدد ہیں اور علماء پر طعن کرتے ہیں۔ ان کو باک نہیں (الی قولہ) ابن القیم کے تشدد پر محققین نے خود نکیر کیا ہے۔"

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کو جناب مولانا ملا علی قاری حنفی نے اکابر اہل سنت اور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔ (شرح شمائل مصری ص۔۲۰) ان کو مولوی اشرف علی صاحب بے مثل عالم نے متشدد' طاعن' بے باک قرار دیا ہے۔ جو سراسر گستاخی اور بے ادبی ہے۔

بے ادب محروم گشت از فضل رب

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی تصنیفات زاد المعاد اور اعلام الموقعین وغیرہ کو سامنے رکھا جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے مقلدین کا اول سے آخر تک تمام علم سامنے رکھا جائے تو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی علمیت اور فقاہت اور تقویٰ کو اتنی فوقیت حاصل ہے جتنی سورج کو چاند اور ستاروں پر حاصل ہے۔ ہم نہ تو ابن القیم رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے۔ لیکن منصفانہ محاکمہ کرتے ہیں کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ علم اور فقاہت رکھتے تھے۔ ہاں علم کلام اور منطقی علم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو زیادہ مہارت تھی۔ جس سے سلف صالحین احتراز رکھتے تھے۔ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ بھی اس سے تھوڑا کام لیتے تھے۔

امام غزالی نے منخول میں یہ لکھا ہے : **امام ابوحنیفة فلم یکن مجتھد الانه کان لا یعرف اللغة (الی قوله) وکان لا یعرف الاحادیث**۔ امام بخاری سے دراسات اللبیب میں نقل کیا گیا ہے کہ **کان مرجئا سکتوا عن رایه وحدیثه**۔ علامہ شعرانی

باوجودیکہ مذہب حنفی اور ان کے امام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہ کہتے ہیں :
ان عذر ابی حنیفة فی کثرة القیاس عدم بلوغ الاحادیث الصحیحة الیه فی زمنه۔
یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عذر کثرت قیاس میں یہ ہے کہ ان کو احادیث صحیحہ پہنچی نہیں ہیں۔ بہرحال ان کا علم حدیث بہ نسبت ابن القیم رحمہ اللہ قلیل تھا۔ پھر مولوی اشرف علی صاحب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بمثل نبی اتباع کریں اور ابن القیم رحمہ اللہ کو متشدد اور طاعن قرار دے کر بیباک کہیں تو یہ اپنی بے باکی ہے۔

(۹) مولوی اشرف علی صاحب سمندر کے علم میں غوطے مارتے ہوئے جب استواء صفت الٰہی کے بھنور میں ڈوبنے لگے تو بعض اہل علم اہلحدیث نے ان کی

دستگیری کی اور ان کو ڈوبنے سے (باذن اللہ) بچا لیا۔ چنانچہ بوادر النوادر جلد-۲ کے ص-۷۰۱ تا ص-۷۲۸ تک اس کی تفصیل ہے۔ جہاں مولوی اشرف علی صاحب نے استواء کی آیات ستہ نقل کر کے ان کے سابقہ تراجم میں ترمیم کی ہے۔ پہلے غلط لکھا تھا جو سلف صالحین کے عقیدہ اور تفسیر کے خلاف تھا اور متکلمین مؤلفین کے مواقق تھا پھر اہل حق کے اشارہ سے ترمیم کی اور کچھ اصلاح کر کے ضلالت سے بچ گئے۔ اگرچہ اس گستاخی سے مولوی اشرف علی صاحب نے ان اہلحدیث بزرگوں کو اہل علم سے تو خارج کر دیا مگر امداد ان کی قبول کر کے خود ضلالت سے بچ گئے اب اندازہ لگا لیجئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کس حد تک بے مثل عالم ہیں اور کیا بڑا آدمی بھی گمراہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اچھے اچھے ہیں خطا میں آپڑے
مذہب باطل میں ہیں عالم بڑے

(۱۰) بوادر النوادر جلد-۱' ص-۲۵ میں لکھا ہے کہ **وکثیر اما یقلد الساھون الساھین** یعنی مقلدین میں ایسا بہت رواج ہے کہ وہ بھولنے والے بھولنے والوں کی تقلید کرتے چلے جاتے ہیں۔ (فتح القدیر) پھر اس تحریر کے لکھنے والے نے اس کا ثبوت دیا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ میں خطا کر جاتا ہے۔ اس کے بعد علماء و مشائخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں' حالانکہ خطا کرنے والا ایک تھا۔ اسی طرح علمائے احناف میں ایک غلطی ان کی تصانیف اور فتاووں میں نقل در نقل ہوتی گئی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ تقلید اسی واسطے حرام اور شرک ہے کہ مقلدین کو تحقیق کا مادہ میسر نہیں ہوتا اور وہ تقلید در تقلید کرتے ہوئے مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قلیل الحدیث اور قلیل العربیہ تھے' انہوں نے بہت اصولی اور فروعی غلطیاں کی ہیں جن کا محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں جابجا مظاہرہ کیا ہے اور بہت سی اجتہادی خطا ان سے ہوئی ہے جن کا رد سلف ائمہ نے کر دیا ہے لیکن مقلدین ایک شخص خطا کرنے والے کے پیچھے ایسے پڑے کہ جملہ مسائل میں ان کے اقوال اور آراء کو منزل من السماء تصور کر کے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی خطا اور غلطیاں کرتے چلے گئے۔ بلکہ یہ کہہ گئے کہ۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علیٰ من رد قول ابی حنیفه

حالانکہ نورالانوار ص۔۲۱۴ میں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کے متعلق بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ فان کان اصاب فی الرای لم ینزل الوحی علیه فی تلک الحادثة وان کان اخطا فی الرای ینزل الوحی لتنبیه علی الخطاء وما تقرر علی الخطاء قط بخلاف سائر المجتهدین فانهم ان اخطاؤا یبقیٰ خطاؤهم الیٰ یوم القیمة۔

جب مجتہدین کی خطا قیامت تک باقی رہ سکتی ہے تو ان کے اقوال اور آراء کو منزل من السماء احکام کی طرح کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ ان کے مرشد مولوی رشید احمد صاحب نے فرمایا ہے۔اور پھر ان کے تمام اقوال و افعال کی تقلید کیسے کی جا سکتی ہے جبکہ خطا واقع ہے۔ ورنہ قیامت تک مقلدین خطا کی پیروی بلا دلیل کرتے چلے جائیں گے۔ سو یہ بالاتفاق حرام ہے اور اگر تردید کر کے قول کو چھوڑیں گے تو لعنت فقہی پڑے گی۔ حالانکہ حنفیوں کی یہ ڈالی ہوئی لعنت خود حنفیوں پر ہے۔ امام محمد نے امام ابوحنیفہ کا ایک قول خلاف حدیث دیکھ کر صاف یہ کہہ دیا کہ ولسنا ناخذ من قول ابی حنیفة وابراهیم ولکنا ناخذ بما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم۔ (کتاب الحج ص۔۱۳۶) یعنی "ہم نہ ابوحنیفہ کے قو کو لیتے ہیں اور نہ اس کے استاد ابراہیم نخعی کے قول کو لیتے ہیں۔ ہم تو حدیث نبوی کو لیں گے۔"

بس یہی اہلحدیث ہونا ہے اور یہی غیر مقلدی ہے۔ جس کو امام محمد نے اختیار کیا۔ اب اگر اقوال ائمہ کالوحی من السماء ہوتے تو امام محمد وغیرہ ائمہ کیوں چھوڑتے؟ یہ بات مولوی اشرف علی صاحب کو معلوم ہے اور پھر بھی خطا در خطا تقلید پر خود عامل ہیں اور دیگر لوگوں کو اپنی تصانیف میں یہ کہہ گئے ہیں کہ مقلد کے لیے تقلید ہی بس ہے بلکہ تمام دیوبندیوں کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ قیامت تک خطا پر رہنے والے مجتہدوں کی تقلید واجب ہے۔ چنانچہ دیوبند کی مذہبی درس گاہ کا آرگن القاسم مطبوعہ جمادی الثانی ص۔۱۳۳۸ء کے ص۔۳ پر ہے: "تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے جس کے لیے اہل اسلام اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے مامور ہیں۔"

حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ اہل اسلام تو اللہ اور رسول کی اطاعت پر مامور ہیں۔ حکم ہے: یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ یعنی "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی نافرمانی سے اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔"

کسی آیت میں فاتبعونی وارد ہے اور کسی میں لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ وارد ہے۔ اطاعت رسول ہی کی تاکید ہے۔ کسی جگہ تقلید شخصی کا اصول مذکور نہیں ہے اور نہ قرون ثلاثہ میں ائمہ سلف اور مسلمین نے کسی کی تقلید شخصی کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ بدعت چہارم صدی میں ظاہر ہوئی ہے۔

مسلم الثبوت ج۔۲، ص۔۳۵۵ میں ہے: اذ لا واجب الا ما اوجبہ اللّٰہ ولم یوجب علٰی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من ائمۃ یعنی واجب وہ چیز ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ واجب کرے، اللہ تعالیٰ نے کسی پر تقلید شخصی کے ذریعہ ایک آدمی کا مذہب مقرر کرنا واجب اور فرض نہیں کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید ص۔۴۲ میں فرماتے ہیں کہ "اگر تقلید شخصی واجب ہوتی تو اس جماعت صحابہ میں سے ہر ایک تقلید کے لیے غیر کی نسبت سے زیادہ تر لائق تھا۔" یعنی وہ لوگ خلفاء صحابہ کی تقلید کر کے صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، حسنی، حسینی، زیدی، مسعودی وغیرہ کہلاتے، اذ لیس فلیس۔

پس تقلید باطل اور مذہب مقلدین باطل ہے۔ خصوصاً اب تو تقلید بالکل ہی باطل بلکہ ابطل ہے۔ کیونکہ تمام احادیث، کتب احادیث میں جمع ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں اور محدثین و مجتہدین کی تصریحات اور اقوال و مسائل بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اب سب پر عالمانہ نظر کر کے صحیح کو قبول اور غلط کو رد کر دیں۔ اگر احادیث اور نصوص کے ہوتے ہوئے بھی کتب فقہ کو پڑھ کر خطا در خطا مسائل کی تقلید کرو گے تو یہ صریح بے دینی اور گمراہی ہے۔ چنانچہ شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ ص۔۲۸۴ میں علامہ صدر الدین علی بن محمد بن غرازعی دمشقی حنفی متوفی سنہ۔۷۴۶ھ فرماتے ہیں:

وطریق اھل السنۃ ان لا یعدلوا عن النص الصحیح ولا یعارضوہ بمعقولہ

ولا قول فلان یعنی اہلسنت کی روش یہ ہے کہ وہ نص صریح کے ہوتے ہوئے کسی طرف نہیں جاتے نہ اس کے مقابلہ میں کوئی عقلی دلیل لاتے ہیں اور نہ کسی کا قول لاتے ہیں۔ (جیسا کہ مقلدین کا شیوہ ہے)

پھر امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت سے' امام شافعی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان سے کسی شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا تو امام عالی مقام نے یہ فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح فرمان ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ کا اس مسئلہ میں کیا فتویٰ ہے؟ تو امام شافعی نے فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا تو مجھے کسی گرجا گھر میں دیکھتا ہے یا مندر میں کہ میرے گلے میں زنار ہے۔ میں تجھے یہ کہہ رہا ہوں کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے اور تو مجھے یہ کہہ رہا ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ ائمہ سلف احادیث نبویہ کے سامنے کسی کے اقوال لینے یا پوچھنے کو الحاد اور بے دینی سمجھتے تھے۔ لیکن مقلدین حنفیہ کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ اپنے اماموں کے اقوال کے مقابلہ میں احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور اقوال کو لے لیتے ہیں۔

نور الہدایہ ص۔۱۳۰ میں ہے: **لیس للعامی الاخذ بظاہر الحدیث لجواز کونہ مصروفا عن ظاہرہ او منسوخا بل علیہ الرجوع الی الفقہاء لعدم الاھتداء فی حقہ الٰی معرفۃ صحیح الاخبار وسقیمھا وناسخھا ومنسوخھا فاذا اعتمد کان تارکا للواجب علیہ۔** یعنی "عامی شخص کو حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ حدیث ظاہر سے پھیری گئی ہو یا احتمال ہے کہ وہ منسوخ ہو۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے' ناسخ ہے یا منسوخ ہے۔ اگر اس حدیث پر اعتماد کر کے اس پر عمل کرے گا تو وہ واجب کا تارک ہو گا۔ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ فقہاء کی طرف رجوع کرے۔"

یہ حدیث نبوی سے روگردانی کرانے کا سبق ہے۔ اس لیے مولانا روم نے مثنوی میں فرمایا ہے۔

نشاید مقلد را مسلمان داستن
گر مسلمان باشد نا در شد کہ مقلد

اب اس کے متعلق فاروقی فیصلہ سنیئے! کہ ایک ثقفی شخص دربار خلافت فاروقی میں حاضر ہو کر کہتا ہے کہ جناب عالی! حج کرنے والی ایک عورت نے بقرہ عید والے دن طواف زیارت تو کر لیا ہے۔ اب وہ حائضہ ہو گئی ہے۔ کیا وہ طواف وداع جو آخر میں رخصت ہونے کے وقت کیا جاتا ہے' اسے کئے بغیر وطن کو واپس ہو سکتی ہے؟ یا اس کے لیے ضروری ہے کہ مکہ میں ہی ٹھہری رہے اور حیض سے پاک صاف ہو کر طواف وداع کر کے ہی مکہ چھوڑے؟

آپ نے فرمایا وہ اس حالت میں ہرگز نہیں جا سکتی۔ طواف وداع کے لیے اسے ٹھہرنا پڑے گا۔ پاک ہو کر طواف کر کے پھر لوٹے۔

یہ سن کر سائل کہتا ہے کہ اے امیرالمومنین! میں نے یہی مسئلہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ عورت بغیر طواف وداع کئے جا سکتی ہے۔ اس پر آپ سخت غضبناک ہو گئے اور ہنٹر لے کر اسے ادھیڑ دیا اور فرمایا کہ جب تیرے پاس حضور ﷺ کی حدیث تھی تو پھر تو نے مجھ سے یہ مسئلہ کیوں پوچھا؟ (اعلام الموقعین)

اس واقعہ سے مذہب حنفی اور اس کے مقلدین کے کئی مسائل کی تردید ہو گئی۔

اول یہ کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے کسی امام یا خلیفہ یا فقہاء کی طرف جانا اور ان کی تقلید کرنا حرام اور گناہ ہے اور ایسا مقلد قابل تعزیر ہے۔

دوم یہ کہ مولوی اشرف علی صاحب نے اقتداء عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "اقتدوا" میں پیش کر کے جو تقلید امام ابوحنیفہ ثابت کی ہے وہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اقتدا سے مراد دلیل شرعی میں ان کی پیروی کرنا ہے۔ بلا دلیل تقلید کرنا جو حنفیہ کا مذہب ہے' وہ حرام ہے ورنہ وہ شخص تعزیر نہ کھاتا۔

سوم یہ کہ حدیث نبوی مل جائے تو اس پر عمل کرتا رہے۔ وسواس نفسانی اور القاء شیطانی اور احتمالات انسانی کے پیچھے پڑ کر اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اگر جائز ہوتا تو اس کو تعزیر نہ دی جاتی کیونکہ یہاں وہ احتمالات برابر قائم ہیں۔ اس شخص نے خیال کیا کہ ممکن ہے یہ منسوخ ہو گیا ہو۔ میں خلیفہ سے پوچھ لوں' ان کو ناسخ کا علم ہو گا۔

چنانچہ اسی واسطے حدیث پیش کر دی تاکہ اس کا ناسخ اگر موجود ہو تو ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ اتنا بڑا خلیفہ خلاف حدیث نہ عمل کر سکتا ہے اور نہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ اس کی اقتداء کا حکم ہے۔ مگر خلیفہ نے اس احتمال کی پرواہ نہ کی اور سزا دے دی۔ اسی طرح دیگر احتمالات جاری ہو سکتے ہیں۔ مگر درہ فاروقی موجود تھا تو وہ حدیث کے سامنے چل نہ سکے۔ اب درہ موجود نہیں' مقلدین کو آزادی ہے اور حکومتوں کی بربادی ہے۔ اس لیے مقلدین منکرین حدیث کی طرح اقوال فقہاء کے سامنے احادیث کو جواب دے رہے ہیں۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ہمیشہ سورہ سجدہ اور سورہ دہر پڑھا کرتے تھے (بلوغ المرام) لیکن بہشتی زیور ج۔۲' ص۔۳۰ میں ہے کہ "کسی نماز کے لیے کوئی سورت مقرر نہ کرے بلکہ جو جی چاہے پڑھا کرے' سورت مقرر کر لینا مکروہ ہے۔"

یہ مسئلہ خلاف احادیث کے ہے۔ اب اس کو صحیح کہنا اور احادیث میں ہیر پھیر کر کے ان کی تکذیب کرنا سراسر گناہ اور موجب تعزیر ہے۔ مگر حضرت فاروق اعظم علیہ الف الف رحمت رب الاکرم کو کہاں سے لائیں؟ ہائے افسوس!

اب ذرا آپ ان مقلدین کا شرک فی الرسالت ملاحظہ کریں کہ امام کی بات ثابت رکھنے کو حدیث کی تاویل کر کے چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ قرآن میں "فاقرؤا ماتیسرا" اور حدیث میں "اقرا ماتیسر" مطلق وارد ہے۔ اس کو مقید اور مخصوص کرنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ جس پر یہ حکم اترا اور اس نے نماز کی تعلیم دی' اسی نے جمعہ کے دن سورتوں کی تخصیص کروی لیکن حنفیہ یہ بات نہیں مانتے۔ اب اسی اصول کو لے کر ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں آیت قرآنی فاسئلوا اهل الذكر میں اہل ذکر مطلق ہے۔ امام ابوحنیفہ یا ائمہ اربعہ کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ مولوی خیر محمد جالندھری کی پیش کردہ دلیل واتبع سبيل من اناب الى میں کوئی تخصیص ہے بلکہ مَن عام ہے۔ تو اب چاہیے کہ زندہ علماء میں سے کسی سے کوئی شخص مسئلہ دریافت کرے یا کسی کو منیب الی اللہ معلوم کر کے اس کی اتباع کرے۔ آج زید سے پوچھ لے کل بکر سے دریافت کر لے' جس عالم سے اتفاق پڑے مسائل پوچھتا رہے تو اس عام اور مطلق حکم پر عمل ہوتا رہا لیکن حنفیہ نے اول چار ائمہ کا انتخاب کیا اور پھر ایک کا اور تمام شریعت کے احکام کو ان میں منحصر کر دیا تو اب اس تخصیص اور تقیید کے لیے کون سی نص قطعی وارد ہے؟ کیا یہ مکروہ اور حرام نہیں ہے۔ عید اور جمعہ کی نمازوں کے لیے سورتوں کی تخصیص تو احادیث سے ثابت ہو گئی۔ اس سے تو مقلدین انکاری ہیں کہ ہم قرآن کے عموم کے مقابلہ میں ان کو نہیں مانتے۔ حالانکہ اس مطلق اور عام کا یہ بھی ایک فرد ہیں لیکن "سوال" اور "اتباع" کرنا کسی "اہل ذکر" اور "منیب الی اللہ" سے مطلق وارد ہے۔ وہ ائمہ اربعہ سے مخصوص اور پھر امام ابوحنیفہ سے مقید ہے' یہ حنفی عدالت دارالہویٰ کا فیصلہ ہے۔

آپ کے بے مثل عالم مولوی رشید احمد صاحب نے "سبیل الرشاد" میں یہ فرمایا ہے کہ تقلید کے دو نوع ہیں' شخصی اور غیر شخصی دونوں آیت فاسئلوا سے فرض

ہیں اور دونوں فرد داخل مطلق تقلید ہیں اور مطلق کے سب افراد فرضیت میں تساوی ہیں اور سوائے اس آیت کے سب آیات و احادیث سے یہی اطلاق معلوم ہو کر ہر دو قسم کی تقلید کی مامور و مفروض ہیں۔ (انتہی ملخصا")

اسی طرح ہم تقریر کرتے ہیں کہ قرآن کی آیت فاقروا سے سورہ معین فاتحہ ام القرآن اور غیر فاتحہ باقی قرآن دونوں فرد مطلق قرات قرآن میں داخل ہیں اور سب افراد فرضیت میں تساوی ہیں اور ہر دو مامور و مفروض ہیں اور جب فاتحہ پڑھ لی تو فرض ادا ہو گیا لیکن حنفیہ کا فاتحہ پڑھنے کو فرض نہ جاننا اور اس کو مامور بہ نہ سمجھنا خود ان کے اصول سے باطل ہوا۔

اسی طرح فاتحہ کے بعد سورہ ملانے کا مطلق حکم ہے خواہ جمعہ کے دن سورہ سجدہ پڑھے یا دہر پڑھے یا باقی قرآن دونوں مامور بہ ہیں جس پر عمل کیا اس حکم سے سبکدوش ہو گیا۔ پس تخصیص سورہ کا مکروہ کہنا باطل ہوا ورنہ اس اصول سے ایک اسام کی تقلید بھی مکروہ تحریمی ہو گی۔

ان دیوبند کے بے مثل مولویوں کی تقریروں کا بطلان اور طریقہ سے بھی معلوم کریں کہ مولوی رشید احمد صاحب کی تقریر سے تقلید شخصی شرعا" فرض اور مامور بہ ثابت ہوتی ہے جو چیز فرض اور مامور بہ ہو وہ مقصود شرع ہے۔ پس تقلید شخصی عند الحنفیہ مقصود شرع ہے لیکن مولانا اسماعیل شہید دہلوی جن کو مولوی خیر محمد صاحب جالندھری نے حنفی بنانے کی کوشش کی ہے' تقلید شخصی کو بدعات حقیقہ سے شمار کیا ہے۔ جب یہ فرمان شہید مولوی اشرف صاحب تھانوی کے سامنے پیش کیا گیا کہ اے حکیم الامت! یہ حضرت شہید علیہ الرحمہ تو سب علماء حنفیہ کو بدعتی فرما رہے ہیں' اس کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت حکیم امت حنفیہ نے تقلید کا علاج کرتے ہوئے بوادر النوادر جلد۔۲' ص۔۶۷۹ میں یہ فرمایا ہے: "تقلید شخصی اس کو حکم مقصود بالذات سمجھنا بیشک بدعت ہے۔"

پس مولانا شہید اور مولانا اشرف علی صاحب نے فیصلہ کر دیا کہ تقلید شخصی مقصود شرع اور فرض نہیں ہے بلکہ بدعت حقیقیہ سے ہے اور مولوی رشید احمد صاحب کا مقلدانہ استدلال اور اجتہاد باطل ہوا اور ان کی علمیت ناقص ثابت ہوئی۔

اب مولوی اشرف علی صاحب اور دیگر علماء دیوبند کا تقلیدی علم ملاحظہ فرمایئے کہ وہ سب یہ کہتے ہیں کہ "قضاء قاضی ظاہر و باطن نافذ ہے۔" اس پر حنفیہ اور ان کے امام کا اجماع ہے لیکن زوجہ مفقود نے حکم حاکم سے فیصلہ لے لیا کہ تیرا خاوند مردہ ہے تو عدت موت گزار کر نکاح کر لے۔ اس نے حکم بالموت کے بعد عدت گزار لی اور نکاح کر لیا لیکن پھر پہلا خاوند آگیا تو امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت فیصل شدہ پہلے خاوند کو ملے گی۔ یہی مولوی اشرف علی صاحب وغیرہ کہتے ہیں۔ حیلہ ناجزہ ص۔۲۷۔۳۷ ملاحظہ ہو۔ اس سے قضاء قاضی کے باطن میں نافذ ہونے کا مسئلہ باطل ہو گیا کیونکہ اگر باطن میں نافذ ہوتا تو پھر وہ زندہ بھی مردہ ہی تصور رہتا اور اس کو عورت ہرگز نہ ملتی۔ جیسے حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جھوٹے گواہ گزار کر کسی عورت کے نکاح کا فیصلہ حاصل کر لیا اور پھر حاکم کو ظاہر ہو گیا کہ یہ گواہ جھوٹے تھے اور سب معاملہ فریب کاری تھا تب بھی فیصلہ نافذ ہی رہے گا۔

چنانچہ بوادر النوادر جلد۔۱' ص۔۲۲۳ میں ہے: **فلا يرتفع العقد والفسخ بعد ظهور كذب الشهود وزورهما۔** اس مسئلہ سے امام ابوحنیفہ کے مذہب کا بطلان اور حدیث سے بے خبری اور مقلدین حنفیہ کی علمیت ناقصہ صاف نمایاں ہو گئی کہ قضا قاضی ظاہر و باطن اموال میں نافذ نہیں کہتے صرف ابضاع میں کہتے ہیں اور پھر ابضاع میں بھی زوجہ مفقود کے حق میں نہیں کہتے۔ ان کا مذہب اور علم شرعی نہیں ہے' صرف ہوائی ہے۔ جیسے موم کی ناک کو جدھر چاہا پھیر لیا۔ مولوی اشرف علی صاحب نے "نشر الطیب" کے ص۔۱۱۹ پر لکھا ہے کہ "مروی ہے کہ جب آپ بیت الخلاء میں جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لیے علماء آپ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔"

لیکن جب ایک واعظ نے یہ روایت بیان کر کے یہ مسئلہ بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ کے فضلات پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے اور انبیاء کے بول و براز زمین فوراً ہضم کر جاتی تھی تو اس پر مولوی اشرف علی صاحب نے "بوادر النوادر جلد۔۲' ص۔۳۹۲ میں یہ لکھا کہ "خواہ مخواہ انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو

پریشان کیا۔ جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے۔ بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں' نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں (الیٰ قولہ) ایسی صورت میں مشغول ہی نہ ہونا چاہیے۔ نہ تصدیقا" نہ تکذیبا" اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا۔ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔" انتہی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ بالا بے اصل ہے۔ عقائد اور احکام میں معتبر نہیں' یہ مسلمانوں کو پریشان کرنے والی ہے۔ کوئی شخص بیان کرے تو اس سے سند کا مطالبہ کیا جائے پھر اس کی علمیت کی اور اس مسئلہ کی سب حقیقت کھل جائے گی۔ لیکن جب مولوی اشرف علی صاحب پر بات آئی کہ آپ نے یہ بے اصل روایت کیوں بیان کی اور مسلمانوں کو پریشان کیوں کیا۔ اس کی سند لائیے تاکہ آپ کی حقیقت کھلے' آپ خواہ مخواہ دوسری اقوام کو ہنسنے کا موقعہ دے رہے ہیں۔ آئندہ آپ کا وعظ اور تقریر اور کوئی کتاب بھی نہ پڑھی اور سنی جائے گی تو مولانا اشرف علی صاحب نے جھٹ پینترا بدلا اور تقلید چھوڑ کر محدث بن گئے اور کہتے ہیں کہ "روایات مذکورہ ضعیف ہیں جو عقائد میں حجت نہیں' فضائل میں کھپ جاتی ہیں۔ باقی کتاب میں کیوں لکھا سو کتاب (نشر الطیب) فضائل میں ہے۔ عقائد و احکام میں نہیں۔ اگر شاذونادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے کھپت ہو جاتی ہے۔ بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔ دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔" (پھر لکھا ہے کہ) "طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔"

جناب مولانا سید سلیمان ندوی صاحب جو حنفیہ میں ایک معتدل مزاج اور پسندیدہ ہستی تھے' وہ سیرت النبی جلد۔۳' ص۔۷۷۰ میں فرماتے ہیں کہ "روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی۔ یہ سرتاپا موضوع ہے۔"

اس سے مولانا اشرف علی صاحب کی بے مثال علمیت کئی طرح سے روشن ہو گئی۔ ایک تو یہ کہ خود اپنی کتاب نشر الطیب میں ایسی بے بنیاد روایت ذکر کر کے بول و

براز نبوی کا پاک ہونا علماء سے نقل کرتے ہیں پھر خود ایک واعظ پر جس نے وہی روایت پیش کر کے بول و براز نبوی کی طہارت پر استدلال کیا تو خود اس پر تنقید کرنے لگ جاتے ہیں پھر سوم یہ کہ جب ان پر اعتراض ہوا کہ آپ نے اس روایت کو پیش کر کے ارتکاب جرم کیوں کیا تو یہ بہانے بنائے کہ واعظ کے لیے جائز نہیں۔ ہم مصنف کتاب ہیں ہمارے لیے جائز ہے۔ حالانکہ واعظ ترغیب و ترہیب و فضائل و مناقب بیان کر کے لوگوں کو متاثر کرتا ہے' اس کے لیے جائز ہونا چاہیے اور مصنف کے لیے جائز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ مقام تحقیق پر ہے' اس کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہیے۔

چہارم یہ کہ روایت موضوع ہے جو کہ طبقہ رابعہ کی ہے۔ جس پر اعتماد کرنے کا حکم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو "عجالہ نافعہ" لیکن مولانا اشرف علی صاحب اپنے ناقص علم میں اس کو ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ پنجم یہ کہ خود ہی اپنی کتاب میں بول و براز کی طہارت نقل کرتے ہیں اور خود ہی کہتے ہیں کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پھر خود ہی مقلد بنتے ہیں اور خود ہی مجتہدانہ استدلال کر کے اپنی حیثیت سے نکل جاتے ہیں۔ پس ایسے شخص کے حق میں کبھی یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بے مثل ہے۔

اسی طرح دیگر علماء دیوبند کو قیاس کر لیں۔ مثلاً مولوی خیر محمد صاحب جالندھری جن کو حنفیہ دیوبندیہ نے اپنے مذہب کا مناظر مقرر کیا ہوا ہے اور وہ مولانا اشرف علی صاحب کے مرید اعظم ہیں۔ انہوں نے ایک رسالہ "خیر التنقید" لکھا ہے' جس میں مقلدین کے خوش کرنے کو تقلید کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن حقیقت میں بوجہ دعویٰ تقلید اپنی بے علمی کا ثبوت دیا ہے اور اول سے لے کر آخر تک تمام کتاب غلط لکھی ہے۔ چنانچہ وہ تقلید اور اتباع کا ایک ہی معنی (پیروی کرنا) لکھا ہے۔ حالانکہ دونوں میں فرق مشہور ہے۔

اتباع کا اطلاق قرآن و حدیث کی پیروی پر آتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: **اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم** یعنی تم ان احکام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔ لیکن تقلید کا اطلاق قرآن و حدیث کی اتباع پر نہیں آتا۔ چنانچہ رسالہ خیر التنقید میں تقلید کا معنی یہ لکھا ہے کہ "غیر کے قول و فعل پر بغیر دلیل کے عمل کرنے اور قبول کرنے کو کہتے ہیں۔"

پس قرآن و حدیث و اجماع امت کی اتباع کرنے کا نام تقلید نہ ہوا کیونکہ یہ عمل بالدلیل ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت اور مختصر ابن حاجب میں ہے کہ **فالرجوع الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم او الی الاجماع لیس منه وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لایجاب النص** یعنی "رسول کی بات ماننا یا اجماع پر عمل کرنا یا بے علم کا مفتی سے مسئلہ دریافت کرنا یا قاضی کا گواہوں کے قول پر اعتبار کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ دلیل شرعی نے اس کا حکم کیا ہے۔"

مسلم الثبوت میں ہے کہ **لان الاخذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیدا** یعنی "صاحب وحی کی بات ماننا تقلید نہیں ہے۔" اس واسطے علامہ ابن القیم ولی اللہ نے یہ ٹھیک فرمایا ہے جو خیر التنقید کے حاشیہ ص۔۱۳ پر لکھا ہے کہ تقلید محض قول بلا معرفت دلیل کے قبول کرنے کا نام ہے اور اتباع علی وجہ البصیرت قبول کرنے کا نام ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہوا۔

باقی رہا مولوی خیر محمد کا یہ کہنا کہ یہ ان کی خاص اصطلاح ہے جو ہم پر حجت نہیں۔ سراسر باطل اور جھوٹا عذر ہے۔ مسلم الثبوت کے حوالہ جات اور ہماری گزشتہ تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ اہل اصول کی یہ اصطلاح ہے' اس لیے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ **قال ابوعمرو وغیرہ من العلماء اجمع الناس علی ان المقلد لیس معدودا من اهل العلم وان العلم معرفة الحق بدلیله** (اعلام جلد۔۱' ص۔۴)

جب سب علماء کا اجماع ہے کہ تقلید جہالت ہے اور بغیر معرفت حق بالدلیل کسی کی پیروی کرنے کا نام ہے تو خاص اصطلاح نہ رہی بلکہ اجماعی ہوئی۔ جس سے مولوی خیر محمد صاحب کی علمیت ظاہر ہو گئی بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو یہ کہتے ہیں کہ وتر نماز تین رکعت سے نہ کم جائز ہے اور نہ زیادہ تو اس کی تردید امام محمد بن نصر مروزی نے احادیث صحیحہ سے کرتے ہوئے پھر یہ لکھا ہے: **هذا خلاف للاخبار الثابتة عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم واصحابه وخلاف لما اجمع علیه اهل العلم وانما اتی من قلة معرفته بالاخبار وقلة مجالسة العلماء۔**

پس حنفی مذہب سرتاپا غیر علمیت پر مبنی ہے اور بھولے ہوئے لوگوں کی تقلید

کرتے جا رہے ہیں اور ان کو تحقیق نصیب نہیں ہے۔ قرآن میں ہے: قل هذه سبیلی ادعو الی اللّٰه علٰی بصیرة انا ومن اتبعنی یعنی "اے نبی! کہہ دے کہ میں اللہ کے دین کی طرف دلائل واضحہ سے بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی جو میرا تابعدار ہے۔" تفسیر کبیر میں ہے: ادعو الی اللّٰه علٰی بصیرة وحجة وبرهان۔ تفسیر خازن میں ہے: یعنی علٰی یقین ومعرفة والبصیرة هی المعرفة التی یمیز بین الحق والباطل۔ حنفی تفسیر مدارک میں ہے: ای ادعو الٰی دینه مع حجة واضحة غیر عمیاء۔

اس سے واضح ہوا کہ دین کے احکام دلائل سے معلوم کرنا اور دلائل سے بتلانا نبی ﷺ اور آپ کی امت کے علماء کا کام ہے اور عوام علماء سے اللہ اور رسول کا حکم پوچھ کر عمل کریں۔ شرعی حکم یہی ہے۔ تقلید کا حکم نہ علماء کو ہے اور نہ جہلاء کو' یہ سراسر گمراہی ہے۔ امام احمد نے سچ فرمایا کہ لاتقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرة۔ (میزان شعرانی)

مولوی اشرف علی صاحب کے مشرکانہ اشعار ⇦ تمام علماء دیوبند اور علماء اہلحدیث اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ ندا لغیراللہ شرک ہے۔ لیکن مولانا اشرف علی صاحب خود اس شرک میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ نشرالطیب ص ۱۲۵ میں ان کی نظم کے مندرجہ ذیل اشعار قابل غور ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

یا شفیع العباد خذ بیدی
انت فی الاضطرار معتمدی

یعنی دستگیری کیجئے میرے نبی
کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لیس لی ملجاء سواک اغث
منی الضر سیدی مسندی

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ
فوج کلفت مجھ پر آغاز ہوئی

غشنی الدهر یاابن عبد اللّٰه

غشنی الدھر یاابن عبد اللہ
کن مغیثا فانت لی مددی
اے ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف
اے میرے مولا! خبر لیجئے میری

یارسول اللہ بابک لی
من غمام الغموم ملتحدی
اے رسول اللہ! آپ کا دربار میرے لیے
ابر غم پھر کبھی مجھ کو نہ گھیرے

ان شعروں میں غیر اللہ کو پکارا گیا ہے اور اس سے استغاثہ اور استمداد کیا گیا ہے جو صریح شرک ہے اور یہی بریلوی حنفیہ کا مذہب ہے جو دیوبندیوں کے بڑے بھائی ہیں۔

آنجناب نے خط کے آخر میں اپنے اعتقادات پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ نبی صدیق مجبور ہیں کسی نبی' ولی' فرشتہ' جن' روح کو کوئی اختیار و قدرت دینے کے لیے تیار نہیں۔ ہم بھی غیراللہ کو ضعیف' بے بس مانتے ہیں۔ مگر آپ کے حکیم الامت رسول اللہ ﷺ کو خدائی درجہ دے رہے ہیں۔

حنفی: جو محض عالم ہی نہ تھے' محقق بھی تھے۔

اہلحدیث: ؎

حج بیت اللہ بھی کیا گنگا کا اشنان بھی
خوش رہے شیطان بھی راضی رہے رحمان بھی

آپ کی اور آپ کے مولویوں کی دو رنگی چال ہم کو ناپسند ہے کیونکہ یہ شترمرغ کی چال ہے۔

دو رنگی چھوڑ یک رنگ جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

میں یہ ثابت کرچکا ہوں کہ مقلد عالم نہیں ہوتا اور عالم مقلد نہیں ہوتا۔ کیونکہ

علم اور تقلید میں تضاد ہے۔ آپ ان کو کبھی نیچے سے اوپر کو لے جاتے ہیں کہ وہ مقلد بڑے عالم تھے' محقق تھے' ولی اللہ تھے' عارف باللہ تھے۔ پھر نیچے گرا دیتے ہیں کہ وہ مقلد تھے یعنی بے علم اماموں پر حسن ظن رکھ کر ان کے اقوال کو بلا دلیل اور معرفت حق ماننے والے تھے۔ کیونکہ تقلید کی تعریف میں بے علمی داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ **طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم (او کما قال)** جو شخص تقلید کو فرض کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ علم حاصل کرنا حرام ہے۔ کیونکہ فرض کی ضد حرام ہے۔ بس تمام مقلدین تقلید بھی کرتے رہے جو ہمارے نزدیک حرام ہے اور علم بھی مدارس میں پڑھتے پڑھاتے رہے' جو مقلد پر حرام ہے' **فتذکر۔**

حنفی: امام صاحب تو خود محقق تھے' مجتہد تھے۔ اگر کسی کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہو تو اس کو تقلید کی کیا ضرورت؟ اور سچ پوچھو تو امام صاحب بھی ایک درجہ میں مقلد تھے۔

اہلحدیث: یہاں بھی جناب نے دو رنگی بات کی ہے جو باہم متضاد ہے اور دونوں باتوں سے ایک ضرور جھوٹی ہے یا تو امام صاحب مقلد تھے یا مجتہد تھے۔ اگر مقلد تھے تو مجتہد نہیں ہو سکتے اور اگر مجتہد تھے تو مقلد نہیں ہو سکتے' آپ ایک بات کہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ حجتہ اللہ میں فرماتے ہیں: **وکان ابوحنیفة الزمهم بمذهب ابراهیم واقرانه لایجاوزه الا ماشآء اللّٰه وکان عظیم الشان فی التخریج علیٰ مذهبه۔** اس سے ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی وغیرہ فقہاء کوفہ کے مقلد تھے۔ چنانچہ لکھا ہے: **لایخرج عما ذهب الیه فقهآء کوفة۔**

باقی یہ آپ نے جھوٹ بولا ہے کہ امام صاحب صحابہ کے مقلد تھے' کیونکہ صحابہ کے مقلد بالکل نہ تھے۔ چنانچہ یہ مسئلہ تمام صحابہ اور سلف ائمہ کا مسلمہ ہے کہ مذبوح جانور کے پیٹ سے جو بچہ مردہ نکلے تو وہ حلال ہے۔ اس کو کھا لینا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تلخیص میں فرماتے ہیں: **قال ابن المنذر انه لم یرو عن احد من الصحابه ولا من العلمآء ان الجنین لایوکل الا باستئناف الذکاة فیه الا ما روی عن ابیحنیفة۔**

تمام اکابر دیوبند بلکہ عرب و عجم کے مقلدین حنفیہ ایڑی سے چوٹی تک زور لگا لیں' کسی ایک صحابی کا بھی قول اور فتویٰ نہیں لا سکتے جس میں یہ ذکر ہو کہ مذبوح کا بچہ

جنین حرام ہے' کھانا جائز نہیں۔ تمام جہاں کے خلاف صرف امام ابو حنیفہ ہی متفرد ہو کر اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ ان کے دونوں شاگرد بھی اس مسئلہ میں ان کو خلاف حدیث سمجھ کر ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ بھی حلت کے قائل ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے امام ابو حنیفہ کو جو مقلد کہا ہے' یہ ٹھیک ہے۔ مگر فقہاء کوفہ کا مقلد کہنا تھا' آپ نے صحابہ کا کہہ دیا اور آپ نے جو ان کو مجتہد کہا ہے یہ بھی غلط ہے۔ امام غزالی منخول میں لکھتے ہیں کہ **اما ابوحنیفة فلم یکن مجتهد الانه کان لا یعرف اللغة** اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مجتہد کے لیے علم حدیث میں علم کامل اور مہارت تامہ چاہیے۔ جیسے امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد اور امام بخاری وغیرہم کو تھی کہ یہ سب محدث تھے۔ امام ابو حنیفہ محدث نہ تھے' فقہاء کے آراء و اقوال یاد کر کے فقیہ بن گئے تھے۔ اس لیے رؤس محدثین نے ان سے کوئی حدیث کتب حدیث میں روایت نہیں کی۔

چنانچہ شاہ صاحب مصفی میں فرماتے ہیں کہ "آں یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث ازوے در کتابہائے خود روایت نکردہ اندورسم روایت حدیث ازوے بطریق ثقات جاری شد۔"

نہ امام ابو حنیفہ نے کوئی کتاب حدیث لکھی اور نہ ان کے نام سے ان کے کسی شاگرد نے اور نہ وہ سب محدث تھے' صرف امام محمد نے مؤطا وغیرہ لکھی تو اس میں بھی امام مالک سے زیادہ روایتیں لی ہیں اور امام ابو حنیفہ سے کم۔ کیونکہ ان کے پاس علم حدیث نہ تھا۔ امام محمد بن نصر مروزی نے "قیام اللیل" میں ان کو یتیم فی الحدیث قرار دیا ہے۔

محدثانہ اور مقلدانہ رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ محققانہ اور واعظانہ رنگ بھی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب نے ایک کتاب نشرالطیب کے نام سے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر لکھی ہے جو مقلدانہ اور واعظانہ ہے۔ جس میں اکثر روایات موضوعہ اور ضعیفہ درج کی ہیں۔ خصوصاً نور نبوی کے متعلق سب جھوٹی روایتیں لکھیں ہیں جو ناقابل اعتبار ہیں اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے سیرت نبوی لکھی ہے

حالانکہ وہ حنفی ہیں لیکن انہوں نے محدثانہ رنگ اختیار کیا ہے اور سیرت نبوی جلد ثالث میں مولانا اشرف علی صاحب کی تمام روایات پر تنقید کر کے ان کو ناقابل اعتبار ثابت کر دیا ہے۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ حکیم الامت کو علم حدیث میں مہارت نہ تھی، وہ امت کے حکیم نہیں تھے۔

حنفی: امام صاحب کا یہ فرمانا کہ حدیث کے مقابلہ میں میرے قول و فتویٰ کو دیوار پر مارو۔

اہلحدیث: اس سے مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی ظاہر ہو گئی اور تقلید شخصی باطل ٹھہری اور درمختار والے کا یہ شعر عبث ثابت ہوا۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علیٰ من رد قول ابی حنیفه

اور یہ لعنت خود ان پر عود کر گئی کیونکہ امام صاحب خود دیوار پر مارنے کا حکم دے رہے ہیں اور رشیدی مذہب کہ اجتہادات امام احکام منزل من السماء ہیں، صاف جھوٹا ہو گیا۔ ورنہ احکام منزل من السماء کا دیوار پر مارنا لازم آئے گا جو کفر ہے اور امام صاحب نے کفر کا حکم نہیں دیا۔

حنفی: یہ کتنی بڑی دلیل ہے امام صاحب کے حدیث پر عمل کی۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب بھی حدیث ہی پر عمل کرانا چاہتے تھے۔

اہلحدیث: بس پھر آپ اہلحدیث ہو جائیں اور کتب حدیث سامنے رکھ کر امام صاحب کے فرمان کے بموجب احادیث پر عمل کرتے جائیں اور کتب فقہ کے اقوال نکال کر دیوار پر مارتے جائیں اور امام صاحب کی ہدایت پر عمل کریں ورنہ وہ تو بری ہو گئے اور ان کی خواہ مخواہ تقلید کرنے والے قابل سزا مجرم ہوئے۔

حنفی: جہاں صریح حدیث نہیں ملتی تھی وہاں اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

اہلحدیث: علم حدیث چونکہ ان کو بہت کم تھا، اس لیے زیادہ قیاسات سے کام لیتے تھے۔ جب علم حدیث مدون ہو کر علماء کے سامنے آگیا تو ان کے خیالات کی حقیقت کھل گئی کہ وہ خلاف شرع تھے۔ اس لیے علماء اہلحدیث نے ان کو رد کر دیا اور مقلدین نے احادیث مخالف قیاس چھوڑ کر قیاسات کو گلے ڈال لیا اور وہ امت رسول سے

خارج ہو کر امت ابوحنیفہ ہو گئے۔ اگر امام ابوحنیفہ کو علم حدیث پورا ہوتا تو ان کے قیاسات بہت کم ہوتے۔

میزان شعرانی جلد ۱، ص ۵۵ میں ہے: **فھذا کان سبب کثرۃ القیاس فی مذھبه وقلته فی مذاھب غیرہ۔** مولانا عبدالحی حنفی نافع کبیر ص ۴۹ میں لکھتے ہیں: **اعتقادنا واعتقاد کل منصف فی ابی حنیفة انه لو عاش حتّٰی دونت احادیث الشریفة لاخذبھا وترک کل قیاس کان فاسدا۔**

حنفی: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ روانہ فرمایا (تاآخر) اگر حدیث میں بھی مسئلہ نہ ملا تو اجتہاد کروں گا۔

اہلحدیث: بس حنفیہ کے پاس قیاسات پر عمل کرنے کی یہ بڑی زبردست دلیل ہے جس کو تقلید کے ثبوت میں ہر مقلد پیش کرتا ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ اول یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس کو امام ترمذی بخاری، دار قطنی، ابن مہدی، ابن حزم، عبدالحق، ابن جوزی، ابن طاہر، بدر المیر، جلال الدین سیوطی، ذہبی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مرقاۃ الصعود میں ہے کہ جوزقانی نے اس کو موضوعات میں نقل کیا ہے اور باطل کہا ہے۔ دوم یہ کہ یہ اجتہاد حدیث نہ ملنے پر مشروط ہے۔ مگر اب احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں پھر ان کو چھوڑ کر کتب فقہ پر عمل کرنا سراسر باطل ہے اور ایسے مقلد مشرک فی الرسالت ہیں۔

سوم بخاری میں واقعہ ہے کہ ایک امیر لشکر نے قیاس سے اپنے لشکر کو آگ میں پڑنے کا حکم دیا تھا۔ جس کے اتباع کا بالخصوص حکم صادر ہو چکا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ **لو دخلتموھا لم تزالوا فیھا الی یوم القیامة۔** اس سے تقلید قیاس کی کرنے والے کا جہنمی ہونا ثابت ہوا۔ چہارم دارمی میں بروایت مجاہد آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ڈرو تم قیاس کرنے سے۔ پنجم یہ کہ اجتہاد اور قیاس کا ماخذ کتاب و سنت و اجماع امت سے معلوم کر کے لینا ہو گا۔ چنانچہ ملا علی قاری نے تزئین العبادۃ میں امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے پس تقلید پر استدلال باطل ہوا۔

حنفی: یہاں تو وہی اجتہاد کرے گا جو دین اور قرآن و سنت کا عالم ماہر فقیہہ النفس مجتہد ہو گا۔

اہلحدیث : ایسے مجتہد اب بھی محدثین میں ہیں لیکن مقلدین میں نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے تقلید کر کے اپنی قوت اجتہاد کو زائل کر لیا۔ اب اجتہاد کرتے ہیں تو اقوال ائمہ سے کرتے ہیں۔ یہ اجتہاد شرعی نہیں ہے بلکہ قیاس در قیاس ہے جو خلاف نصوص ہے۔ ایسا قیاس اور تقلید مردود ہے۔

حنفی : روزہ میں انجکشن لیا جا سکتا ہے یا نہیں' لامحالہ قواعد اساسیہ اصولیہ سے اجتہاد کریں گے۔

اہلحدیث : ایسا اجتہاد محدثانہ طریق سے اہل حدیث کریں گے جو اقتضاء النص اور دلالتہ النص اور اشارۃ النص سے ایک قسم کا استدلال بالنص ہو گا۔ مقلدین تو کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ان میں تو تقلید کا طوق گلے میں ڈال لینے سے یہ درجہ ختم ہوا' فتدبر۔ اگر وہ اجتہاد کریں گے تو تقلید باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اجتہاد سے معرفت دلائل ہوتی ہے۔

حنفی : برخوردار ہم بھی قرآن و حدیث ہی پر عمل کرتے ہیں۔

اہلحدیث : یہ جھوٹ ہے' مقلدین کتب فقہ پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقتہ الفقہ میں دیوبند کے مفتی کا فتویٰ درج ہے کہ کتب حدیث میں کئی قسم کی احادیث ہیں۔ مقلدین کو چاہیے کہ اپنی کتابوں پر عمل کریں' حنفیوں کو عمل بالحدیث نصیب نہیں ہے۔

حنفی : مگر قرآن حدیث کا مطلب ماہروں سے پوچھ کر سمجھ کر جن پر اطمینان ہے۔

اہلحدیث : ماہرین حدیث تو محدثین ہیں۔ ان کی تشریحات و تصریحات سے عمل کیجئے۔ آپ اہل رائے کے اقوال کو احادیث کا مطلب سمجھتے ہیں جو سراسر باطل ہے۔ کیونکہ اقوال فقہا احادیث کے مخالف ہیں۔ ان میں احادیث کی تکذیب ہے' مطلب نہیں ہے۔ آپ مقابلہ کر لیں۔

حنفی : ورنہ ویسے ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ قرآن و حدیث کا جو مطلب ہم نے سمجھا وہی درست ہے۔

اہلحدیث : پس ایسے اختلافات میں جو معیار صداقت ہے وہ طحطاوی و ابن طاہر نے بیان کیا ہے جو یہ ہے کہ طحطاوی حاشیہ درمختار جلد۔۴' ص۔۱۳۰ کتاب الذبائح میں لکھا

ہے۔ عربی کا اردو ترجمہ لکھتا ہوں "اگر تو کہے کہ تجھے اپنا صراط مستقیم پر ہونا کیسے معلوم ہوا حالانکہ ان تمام فرقوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے تو میں جواب دوں گا کہ یہ دعویٰ صرف کر لینے اور اپنے وہم و گمان کو سند بنا لینے سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ حق پر وہ ہے جو منقول ہو۔ اس فن کے ماہر علماء اہل حدیث سے جن بزرگوں نے آنحضرت ﷺ کی احادیث جمع کیں جو آپ کے امور اور احوال اور حرکات و سکنات میں مروی ہیں اور جنہوں نے صحابہ مہاجرین اور انصار کے حالات جمع کیے۔ جنہوں نے ان کی احسان کے ساتھ پیروی کی جیسے کہ حضرت امام بخاری و حضرت امام مسلم وغیرہ جو ثقہ لوگ تھے اور مشہور تھے۔ جن بزرگوں کی وارد کی ہوئی مرفوع اور موقوف احادیث کی صحت پر کل اہل مشرق و اہل مغرب متفق ہیں۔ اس نقل کے بعد دیکھا جائے گا کہ ان کے طریقے کو مضبوط تھامنے والا اور ان کی پیروی کرنے والا اور تمام کلی جزئی چھوٹے بڑے کاموں میں ان کی روش پر چلنے والا کون ہے؟ اب جو فرقہ اس پر ہو گا (یعنی بلا قید مذہبی بطریق صحابہ احادیث پر عمل کرنے والا) اس کی نسبت کہا جائے گا کہ وہ یہی ہیں جو صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اور یہی وہ کسوٹی ہے جو ان لوگوں میں جو کہ صراط مستقیم پر ہیں اور ان میں جو اس کے دائیں بائیں ہیں تمیز کر دیتی ہے۔ ایسا ہی ابن طاہر حنفی نے مجمع البحار جلد۔۱، ص۔۳۵۶ میں لکھا ہے۔ عبارتیں دونوں کی قریب قریب ہیں۔ یہ دو گواہ حنفی مذہب کے ہمارے حق میں جو صحیح شہادت دے رہے ہیں کہ بشکل محدثین احادیث مندرجہ کتب حدیث پر عمل کرنے والے صراط مستقیم پر ہیں اور وہی قرآن و حدیث کا مطلب صحیح جانتے ہیں اور حق پر ہیں۔

اب بخاری شریف کا ایک باب ملاحظہ کر لیں۔ اس میں ہے: **باب مایذکر من ذم الرای وتکلف القیاس**۔ پھر اس کے تحت احادیث لا کر رائے اور اہل الرائے کی تردید کی ہے۔ سہل بن حنیف سے لائے ہیں کہ **یاایھا الناس اتھمو رائیکم علیٰ دینکم** یعنی "اے لوگو! دین میں رائے پر عمل نہ کرو۔" اس پر امام المحدثین فرماتے ہیں کہ **مالم یکن فیہ کتاب ولا سنۃ ولا ینبغی لہ ان یفتی** یعنی قرآن و حدیث کے بغیر فتویٰ نہ دیں۔ پھر دوسرا باب اس سے آگے ہے۔ اس میں ہے کہ **ولم یقل برای**

ولا بقیاس لقوله بما ارک اللہ یعنی آنحضرت ﷺ جو امام المجتہدین تھے۔ رائے اور قیاس سے فتوے نہ دیتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی تو اس طرح فیصلہ اور حکم دے جس طرح تجھے اللہ نے سمجھایا ہے۔ بس اس سے ثابت ہو گیا کہ کتب فقہ جن میں قیاس ہی قیاس بھرا ہوا ہے' پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے۔

حنفی : اہل حدیث' مودودی' اہل قرآن' خارجی' رافضی' بدعتی' جبری' قدری' مرجیہ' معتزلہ' خاکسار' نیچری' مقلدین سرسید حتیٰ کہ قادیانی بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

اہلحدیث : پس وہ معیار جو حدیث میں ماانا علیہ واصحابی کے جملہ میں وارد ہے جس کی حنفیہ کے امام طحاوی اور علامہ ابن طاہر نے تشریح کی ہے کہ کتب صحاح کی احادیث پر عمل کرنے والا فرقہ حق پر ہے۔ اس سے ان تمام فرقوں کی تردید ہو گئی' صرف اہلحدیث حق پر ثابت ہوئے۔ آپ نے ان فرقوں میں حنفیہ' شافعیہ کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ علامہ یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ یالھا من مصیبة عظمت فی الاسلام وھی التفرق بالحنیفة والشافعیة ونحوھما وتعصب کل فرقة للمذھب الذی تمذھب بہ بحیث ینصر کل نساق مذھبہ علی صلحاء غیر مذھبہ ویرون ذالک نصرة الحق وھو خلاف اوامر الشرع ونواھیہ قال تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا وقال عزوجل ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعالست منھم فی شئی ولقد عمت ھذا البلوی طمت فی زماننا فی اکثر البلدان فالی اللہ عزوجل الشکوی۔ باقی فرقوں کے فتنے تو باہر کام کرتے رہے ہیں۔ ان چار فرقوں کا فتنہ ایسا ترقی کر گیا کہ بیت اللہ کے بھی چار ٹکڑے کر دیئے کہ وہاں چار مصلے قائم ہو گئے جن کی بابت فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ لاریب یہ امر زبون ہے۔ شاید آپ نے حنفی مذہب کا نام اس لیے نہیں لیا کہ وہ مرجیہ کے ضمن میں آگیا کیونکہ سلطان المشائخ حضرت جیلانیؒ نے مرجیہ کے بارہ فرقے لکھے ہیں جن میں ایک حنفیہ کو شمار کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مرجیہ کے لیے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا حنفیہ کو اپنے اسلام کی خیر منانی چاہیے۔

حنفی : غرض جو فرقہ اٹھتا ہے یہی کہتا ہے کہ واقف اسرار اسلام میں ہی ہوں۔
(انتھی ملخصا)

اہلحدیث : آپ سچے ہیں۔ حنفی فرقہ کے لوگ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرقہ تمام گمراہ فرقوں کا مجموعہ (کھچڑی) ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی الرفع والتکمیل میں فرماتے ہیں: وبالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة' الخ۔

زمخشری مصنف کشاف معتزلہ ہیں' جس کی تفسیر دیوبند وغیرہ میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ وہ ذیل آیت لاینال عهدی الظلمين لکھتے ہیں کہ كان ابوحنيفة يفتى سرا بوجوب نصرة زيد بن على وحمل المال اليه والخروج معه۔ فرقہ زیدیہ اصول میں معتزلہ اور فروع میں حنفی ہے۔ آپ کے علامہ زمخشری امام ابوحنیفہ کو اس فرقہ کا حامی بتلاتے ہیں' فتفكر۔

حنفی : تمہارے کراچی میں ایک فرقہ اسلم جیراج پوری کا بھی ہے' اس کا فتنہ علیحدہ ہے۔

اہلحدیث : یہ فرقہ بھی حنفیہ کے اصول پڑھ کر پیدا ہوا ہے۔ حنفیہ بھی حکمی طور پر منکرین حدیث میں شمار ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عزیزی جلد اول' ص۔۱۴۳ میں اصول مذہب ابی حنیفہ سے منقول ہے کہ السادسة قول ابن همام فى بعض كتبه ماصححه البخارى ومسلم ونظراهما لايجب علينا قبوله' الخ۔ فاذن لا اعتماد لنا الا ماذكره اصحابنا- السابعة قال بعض اصحاب الفتوى اذا كان فى المسئلة قول لابى حنيفة وصاحبيه وخالفه حديث يحكمون بصحته وجب اتباع قولهم دون الحديث' الخ۔ الثامنة كل حديث لم يروه الا من ليس فقيها فان انسد فيه باب الراى لايجب قبوله۔

جب حنفیہ نے باب الرائے مسدود نہ کیا بلکہ مفتوح کر دیا تو اس دروازہ سے اسلم جیراج پوری وغیرہ داخل ہو گئے۔ انہوں نے حدیث کے ساتھ فقہ کو بھی جواب دے دیا کہ یہ بڑی ذلت ہے کہ ہم حدیث نبوی کو تو طرح طرح کے شبہات سے چھوڑ دیں اور اقوال الرجال و آراء کو بلا چون و چرا لے لیں۔ یہ من سلویٰ چھوڑ کر پیاز لہسن قبول

کرنا ہے۔ لہٰذا ہم سب کو ہی چھوڑتے ہیں۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ چکڑالوی' نیچری' مرزائی' مرجیہ' معتزلہ وغیرہ سب حنفی اصولوں کو پڑھ کر بگڑے ہیں اور فقہی مسائل سے بدظن ہوئے ہیں۔ کتب اصول میں قرآن اور احادیث کو باہم لڑایا گیا ہے۔ یہاں گنجائش نہیں ہے ورنہ جنگ کا نمونہ دکھلاتا۔ آپ نے جو لکھا تھا کہ السنة قاضية على القرآن۔ یہ سب ہاتھی کے دانت ہیں۔ حقیقت مذہبی یہ ہے کہ فقه ابی حنیفة قاضیة على القرآن والسنة۔ نعوذ باللّٰه تعالٰی مٖن هذا المذهب الباطل۔

حنفی : ہم بھی ماشاء اللہ وحدہ کے قائل ہیں۔ ما ادری مایفعل بی ولا بکم پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اور اس کلمہ طیبہ کے لوازم جانتے اور مانتے ہیں' الخ۔

اہلحدیث : میں کہتا ہوں کہ جس قدر شرک و کفر حنفی مذہب میں ہے' اس قدر کسی دوسرے فرقہ میں نہیں ہے۔ توحید اور کلمہ طیبہ پر شرعی ایمان نہیں ہے اور یہ لوازم کلمہ کے نہیں مانتے۔ اول تقلید شخصی کرتے ہیں جو شرک ہے' تفسیر کبیر ملاحظہ ہو۔ پھر غیروں کو پکارتے ہیں اور ان کے نام کا وسیلہ پکڑتے ہیں اور غیروں کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ تمہید خواجہ عبدالشکور سالمی میں ہے کہ والكفر كلمة بالتقليد۔ ردالمختار عرف شامی جلد۔۳' ص۔۳۰۷ میں وظیفہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا اللّٰه کی دو توجیہیں کر کے ایک توجیہ سے جائز رکھا ہے۔ لکھا ہے کہ یمکن ان یقول اردت اطلب شیئا اکراما للّٰه تعالٰی۔ اور مولوی انور شاہ کشمیری نے بلدہ لاہور میں اس مشرکانہ وظیفہ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا ــــــــ جو اخبارات میں طبع ہوا۔ واشتهر فی الناس فتواه۔ اور فیض الباری جلد۔۴' ص۔۱۸۰ میں غیراللہ کے لیے پکاری گئی چیز کو حلال لکھا ہے اور ایک رسالہ بنام فتویٰ جواز یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للّٰه شائع ہوا ہے۔ اس میں اس وظیفہ کو اکابر علماء حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے' جن کے نام یہ ہیں:

مولانا ارشاد حسین صاحب رام پوری' جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی' جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی' جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری' جناب

مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی' جناب مولانا عین القضاۃ صاحب حیدر آبادی' مولانا مسعود احمد صاحب نقشبندی دہلوی' وغیرہم۔

حنفیہ کے حکیم الامت نے اشرف السوانح میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مولانا رشید احمد صاحب کو ایک عربی خط لکھا جس میں یہ اشعار مشرکانہ لکھے تھے

یامرشدی یاموئلی یا مفزعی
یا ملجائی فی مبدی ومعادی

ارحم علی ابا غیاث فلیس لی
کھفی سوی حبیبکم من زاد

فاذ الانام بکم وانی ھائم
فانظر لی برحمة یاھاد

یاسیدی للّٰہ شیئا انه
انتم لی المجدی وانی جادی

یہ غیراللہ کو خدائی منصب دیا گیا ہے جس سے کفرو شرک ظاہر ہے' فتفکر فی معانیھا۔

حنفی : من انکر من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا اله الا اللّٰه کی احتیاط جانتے ہیں۔

الحدیث : ونحن نقول التلفظ بکلمة التوحید سبب یقتضی دخول الجنة والنجاة من النار بشرط ان یاتی بالفرائض ویجتنب الکبائر فان لم یات بالفرآئض ولا اجتنب الکبائر لم یمنعه التلفظ بکلمة التوحید من دخول النار فالتقلید من الکبائر کما ذکرنا سابقا۔ فتدبر ؎

فاھرب عن التقلید فانه ضلالة
ان المقلد فی سبیل الھالک

حنفی : ہم بھی اس شعر کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔ ؎

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا

به موقنات ان ماقال واقع

اہلحدیث : یہ شعر تو اس شخص کا ہے جو اہل بصیرت اور ہدایت یافتہ عالم باللہ و عارف ہے۔ اگر آپ اس شعر کو حرز جاں بنائیں تو تقلید چھوڑ دیں کیونکہ ہدایت اہل بصیرت کو حاصل ہوتی ہے' اہل تقلید کو نہیں۔ چنانچہ امام احمد کا فرمان ہے کہ ولا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرة ۔

پس مقلد مانند کور ہست
اندر آں شادی کہ اورا رہبر است

حنفی : ہم بھی قرآن و حدیث کے مقابلہ میں قول صحابی و مجتہد کو نظر انداز کرتے ہیں۔

اہلحدیث : یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ نہ مقلد کی یہ حیثیت ہے اور نہ تحقیق اس کی شان ہے اور نہ فقہاء کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔ بس اس کے لیے تو قول امام ہی دلیل شرعی ہے۔ اما المقلد فمستنده قول مجتهده لا ظنه۔ اگر آپ ایسا کام کرتے ہیں تو پھر اہل سنت ہیں لیکن اہل اصول اور مذہب حنفی کی رو سے آپ کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ ادھر یہ بندوبست ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفة

پس آپ نے ملعون ہونا ہو تو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں قول امام نظر انداز کریں۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ ولا ینظر الٰی قول من خالفهم (ای الفقهاء) ولا یقبل حجته۔ (توضیح مصری ص-۱۳۶) میں ہے کہ فان تحقیق المقلد ان یقلد مجتهد یعتقد حقیقة رای ذالک المقلد۔ اسی بنا پر مقلدین نے جابجا قرآنی آیات و احادیث کو جواب دے دیا ہے۔ تفسیر کبیر وغیرہ ملاحظہ ہو۔

بشنو ایں قصہ پئے تہدید را
تابدانی آفت تقلید را

حنفی : قول صحابی و مجتہد کو قبول کرتے ہیں تو دو گواہوں کی گواہی کے بغیر قبول

نہیں کرتے اور وہ دو گواہ ہیں قرآن و سنت' الخ۔

اہلحدیث : جناب بزرگوار! یا تو آپ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں یا پھر آپ تقلید مذہبی سے واقف نہیں ہیں اور اصول فقہ سے بالکل نابلد ہیں۔ آپ نے جو یہ بات کہی ہے یہ تو مذہب اہلحدیث ہے۔ حنفی مذہب تو یہ ہے جو خیرالتنقید ص-۴۵ پر ہے کہ **فعلی العامی تقلیدہ وان کان المفتی اخطا**۔ اور ص-۳۸ تا ص-۴۵ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بغیر دلیل (شاہد) کے لوگ قول پکڑا کرتے تھے۔

اب آپ یا تقیہ کر رہے ہیں کہ مذہب تقلیدی کو عامل بالقرآن والحدیث ثابت کرتے ہیں اور تقلید بے دلیل سے نفرت ظاہر کر رہے ہیں یا اپنے مذہب کی کتابوں سے ناواقف ہیں۔ مولوی خیر محمد صاحب جالندھری نے تعریفات تقلید کے معنوں میں تحریف سے کام لینے کے باوجود تمام تعریفوں کا حاصل یہ لکھا ہے کہ مجتہد کے قول و فعل کو معلوم کر کے محض حسن ظن و عقیدت کی بنا پر عمل کرے اور تسلیم و عمل کے وقت مجتہد کی دلیل کی فکر نہ کرے اور نہ اس سے دلیل طلب کرے۔" (خیرالتنقید ص-۱۲)

اب آپ نے اس کے خلاف یہ لکھا ہے کہ ہم بغیر دو گواہی کے نہ صحابہ کا قول قبول کریں اور نہ مجتہد کا اور گواہ قرآن و حدیث۔ تو پھر آپ پورے غیر مقلد ہوئے کیونکہ اس اصول کی بنا پر آپ کو امام ابوحنیفہ کے بعض اقوال لینے پڑیں گے اور بعض چھوڑنے پڑیں گے' کیونکہ امام ابوحنیفہ معصوم نہ تھے۔ یہ ضروری بات ہے کہ ان سے بعض مسائل میں غلطی ہوئی ہے۔ مثلاً یہ کہ مدت رضاعت ڈھائی سال ہے' یہ خلاف قرآن و حدیث ہے۔ ورنہ دو شاہد پیش کیجئے۔ اسی طرح دارالحرب میں کافروں سے سود لینا جائز ہے۔ یہ بھی خلاف قرآن و حدیث ہے۔ اسی طرح تمام قسم کی شراب حرام ہے لیکن آپ کے امام جو' گندم' شہد وغیرہ کی شرابیں حلال کہتے ہیں' جو خلاف قرآن و حدیث ہے' ورنہ دو شاہد لائیے۔ بس اسی طرح سب مسائل فقیہ کو قیاس کر لیں کہ جن پر دو شاہد نہ ہوں ان کو پھینکتے جائیں تو آپ اہلحدیث ہو جائیں گے۔ پھر میں یہ گاؤں گا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حنفی: ہم بھی نص کے مقابلہ میں نص کو اور فتوحات مدینہ کے مقابلہ میں فتوحات مکیہ کو قبول نہیں کرتے' الخ۔

اہلحدیث: لیکن آپ نے یہ نہیں کہا کہ احادیث نبویہ کے مقابلہ میں اراء اہل کوفہ کو بھی قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ متنازع فیہ مسئلہ یہی تقلید آراء ہے۔ اگر یہ کہہ دیتے تو فیصلہ ہو جاتا لیکن آراء کوفہ تو آپ کے گھر کا خزانہ ہے۔ آپ اس بیت المال کو ضائع نہیں کر سکتے کیونکہ آنجناب کے امام جی نے اس کو نہ چھوڑا۔ چنانچہ حجتہ اللہ سے ثابت ہو چکا کہ لا یخرج عما ذھب الیہ فقھاء کوفۃ اور خود امام صاحب کا اقرار ہے کہ "فلزمت الفقه" یعنی میں نے قرآن' حدیث' علم نحو وغیرہ سے اعراض کر کے فقہ کو لازم پکڑا اور وہ فقہ آراء فقہاء کوفہ تھی۔ جب اہل کوفہ کی حدیث معتبر نہیں تو رائے کس طرح معتبر ہو گی۔ ابوداؤد میں امام احمد کا فرمان ہے جو رشتہ مذہبی کے لحاظ سے آپ کے چچا ہیں۔

یقول لیس لحدیث اهل الکوفة نور

تدریب الراوی میں قول امام زہری ہے کہ ان فی حدیث اهل الکوفة کثیرا۔ یہی وجہ ہے کہ معتبر کتب حدیث درسیہ میں حنفیہ کے اکابر سے روایات اخذ نہیں کی گئی ہیں کیونکہ سب علم حدیث میں نااہل تھے۔

حنفی: واولی الامر منکم کو سمجھتے ہیں' الخ۔

اہلحدیث: اگر سمجھتے ہیں تو اپنا امیر کیوں نہیں بناتے۔ بغیر امیر کے تو زندگی گزارنی حرام ہے۔ حدیث میں ہے: لایحل لثلاثة یکونون بفلاة من الارض الا امروا علیهم احدهم۔ آپ زندہ امیر کے بغیر حرام زندگی گزار کر مردہ شخص ساکن کوفہ کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟

حنفی: "والطاعة فی معروف" کے قائل ہیں اور "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" پر ایمان رکھتے ہیں۔

اہلحدیث: مقلد کو کیا علم ہے کہ فلاں کام طاعت ہے اور فلاں کام معروف ہے اور یہ کام معصیت ہے اور یہ منکر ہے اور اس کام کی یہ دلیل ہے۔ اگر علم ہو تو پھر

تقلید کیوں کرے۔ اس بے علمی اور جہالت ہی سے تو تقلید کے بھنور میں پڑ کر ڈوب رہا ہے اور لاتعلمون کی صفت نے تو اسے فاسئلوا کے حکم سے مامور کیا ہے ورنہ دوسرے دروازہ سے اس کو بھیک مانگنے کا کیوں حکم ہوتا؟ جس کے پاس علم ہو اور پھر وہ بھیک تقلید کا عادی بنے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ کسی کے پاس مال ہو اور پھر وہ گداگری کرے جس کے متعلق حدیث میں وعید آئی ہے کہ وہ آگ کے انگارے جمع کرتا ہے۔ مسائل کے متعلق بھی قرآن و حدیث میں یہ ہدایت ہے کہ بے جا سوال نہ کرو اور خداداد علم و عقل سے کام لو۔ علماء دیوبند جب تعلیم کا نصاب پورا کرتے ہیں اور علم حدیث' علم اصول حدیث' فقہ اور اصول فقہ' معانی' ادب' صرف و نحو' علم کلام' علم لغت وغیرہ تمام علوم حاصل کرتے ہیں اور پھر عربی' فارسی زبانوں میں کتابیں لکھتے ہیں تو پھر ان اماموں کی تقلید کیوں کرتے ہیں جو صدیوں پہلے گذر چکے ہیں اور اپنے اپنے علم کے مطابق وہ عمل کر چکے اور فتوے دے چکے ہیں اور ان تمام اماموں کے علوم اور فتوے اور ان کے ماخذ ان عالموں کو معلوم ہو چکے ہیں اور علم اتنا ترقی کر گیا ہے کہ ہر امام کے عہد میں اتنے علوم مجموعی طور پر موجود نہ تھے' جتنے آج درس گاہوں میں موجود ہیں اور اتنی معلومات ان کو حاصل نہ تھیں' جتنے آج ایک عالم فاضل محدث کامل کو حاصل ہیں۔ تمام ممالک کے اماموں اور محدثوں کی معلومات درسگاہ دیوبند میں موجود ہیں۔ پھر ان سب پر لات مار کر ایک کوفہ کے امام اہل رائے' قلیل الحدیث شخص کی تقلید کرنا جو خود کو کوفہ کی چار دیواری سے باہر نہ نکل سکے' نہایت بدنصیبی' بے وقوفی' کفران نعمت اور ضلالت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے **"ان کنتم لا تعلمون"** کی شرط پر **"فاسئلوا"** کا حکم رکھا تھا تو پھر انہوں نے عالم ہو کر **"فاسئلوا"** پر کیوں عمل کیا؟

اس سوال کا جواب دینا آپ کے ذمہ ہے کہ علماء دیوبند جن کے آپ مداح ہیں' وہ جاہلوں کے زمرہ میں داخل ہو کر مقلد کیوں ہوئے؟ جس علم اور فراست سے انہوں نے تمام اماموں میں سے ایک امام ابوحنیفہ کو قابل اور جامع علوم اور اہل حق جان کر منتخب کیا ہے' اسی علم اور فراست سے وہ اعتقادی' اصولی' فروعی مسائل میں کام لے کر عمل کریں اور کوفہ کے شہر سے بھیک نہ مانگیں' یہ حرام ہے۔ کیونکہ ہر مسئلہ کی قرآن

و حدیث سے دلیل معلوم کرنا تو آسان ہے۔ تمام ائمہ دین کے مذاہب اور مسائل اعتقادی و اصولی و فروعی پر عملی تحقیق کر کے ایک امام ابوحنیفہ کے مذہب اور اصول اور مسائل کو راجح معلوم کرنا مشکل ہے کیونکہ ہر ہر امام کے مقلد اور معتقد اپنے اپنے اماموں کی تعریفوں اور مناقب میں رطب اللسان ہیں اور تواریخ اور اسماء الرجال میں بھی احوال اماموں کے مختلف ہیں اور دلائل بھی مذاہب مختلفہ کے متعارض ہیں پھر کون سی علمی مہارت ہے کہ اس کے ذریعہ وہ امام ابوحنیفہ کو سب پر ترجیح دیں گے؟ جس علمی مہارت سے یہ کام لیں گے' اسی سے مسائل کی تحقیق کر کے جس جانب حق معلوم ہو عمل کرتے رہیں۔ نہ تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور نہ امام مالک کا اور نہ امام احمد کا اور نہ امام شافعی کا بلکہ کسی مسئلہ میں کوئی حق پر ہے اور کسی مسئلہ میں کوئی حق پر ہے۔ تمام مسائل میں ایک کے حق ہونے پر کوئی آسمانی شہادت نہیں ہے بلکہ حق علیٰ سبیل الدوران ہے۔ تو بس اس تحقیق سے کام لے کر عمل کرنے کا نام غیر مقلدی ہے اور محض ایک ہی پر قبضہ کر کے اس کا غلام ہو رہنے کا نام مقلدی ہے۔ مقلدی میں خطا کی تقلید لازم آئے گی' جس سے گنہگار ہو گا اور تحقیق والے کو خطا کی پیروی کرنی لازم نہیں آتی' وہ گنہگار نہیں ہے۔

جمع الجوامع جلد۔۲' ص۔۲۵۱ میں تقلید کی تعریف یوں لکھی ہے کہ **التقلید اخذ القول من غیر معرفة دلیله**۔ اس کی شرح میں علامہ محلی فرماتے ہیں کہ **واخذ قول الغیر مع معرفة دلیله اجتهاد وافق اجتهاد القائل** یعنی کسی غیر کے قول کو دلیل جانچ کر لینا بھی اجتہاد ہے جو قائل کے اجتہاد کے موافق ہے۔

پس اس اصول مقررہ کی بنا پر اہلحدیث علماء مجتہد ہیں اور عوام اہلحدیث عاملین بالحدیث ہیں اور حنفی علماء مقلدین بلاوجود علم کے بے علموں میں شمار ہیں اور ان کے عوام کا کوئی مذہب نہیں ہے کیونکہ شامی میں ہے کہ "عامی شخص کا کوئی مذہب نہیں ہے۔" اس کا مذہب وہی ہے جو ہر مسئلہ میں اس کے مفتی کا ہے۔ اگر وہ کسی مسئلہ میں اہلحدیث سے فتویٰ لیتا ہے تو اہلحدیث ہے اور اگر حنفی سے فتویٰ لیتا ہے تو حنفی ہے لیکن مؤلف شامی یہ کہتے ہیں کہ عامی شخص کا حنفی شافعی کہلانا ایسا ہے جیسے کوئی ناخواندہ شخص صرفی نحوی کہلائے۔ **فتدبر ولا تکن من الغابرین**۔

اچھا اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تقلید واجب بعینہ یا واجب لغیرہ ہے جیسے احناف علیٰ اختلاف الاقوال کہتے ہیں اور اس کے لیے تمام ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ ہی مخصوص بالتقلید ہیں اور وہی بے مثل عالم اور معصوم عن الخطا ہیں تو پھر بھی ان کی تقلید بالکل بیکار اور فضول ہے کیونکہ نہ تو روئے زمین پر امام صاحب کی کوئی کتاب جامع الاصول والفروع ہے اور نہ کسی اور عالم ان کے شاگرد یا شاگردان شاگرد کی کوئی ایسی کتاب جامع المسائل الاصولی والفروعی ہے کہ جس میں ہر مسئلہ کی کامل تحقیق مالہ وما علیہ ہو اور اس کی اسناد امام صاحب تک بسند صحیح پہنچتی ہو اور امام صاحب نے خوب بحث سے ہر مسئلہ بتا دیا ہو۔ صرف فقہ کی کتابیں بعد کے علماء کی ہیں جو امام صاحب سے صدیوں پیچھے پیدا ہوئے ہیں اور ان میں بھی محض مسئلہ درج ہے اور قال ابوحنیفۃ یا "کذا عند ابی حنیفۃ" لکھا ہے۔ نہ سند متصل ہے نہ مرسل۔ پھر کس طرح امام ابوحنیفہ کی تقلید کی جا سکتی ہے؟ اور کس طرح ہر مسئلہ کتاب فقہ کا ان کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ کتب فقہ تو سب اختراعی ہیں جن میں بڑا اختلاف ہے اور ایک ایک مسئلہ میں امام صاحب کے کئی کئی قول ہیں۔ کوئی کسی پر فتویٰ دیتا ہے اور کوئی کسی پر علیہ الفتویٰ کہتا ہے۔ پھر امام صاحب کے شاگردوں کی کتابیں جن کو درسی نہیں بنایا گیا ہے امام صاحب کے خلاف ہیں۔ دو ثلث مسائل میں صاحبین نے امام صاحب کا خلاف کیا۔ اس اختلاف سے مذہب حنفی میں بڑے شبہات اور خدشات پیدا ہو گئے ہیں۔

جو شبہات مقلدین احادیث میں پیدا کر کے تقلید شخصی میں امن حاصل کرنے اور اطمینان لینے کو آئے تھے' ان سے کئی گنا بڑھ کر کتب فقہ اور اقوال بلا سند میں قائم ہیں بلکہ ابوحنیفہ نام کے کئی شخص ہوئے ہیں' جن میں بعض گمراہ فرقوں کے امام تھے۔ کتب فقہ میں کوئی ایسا امتیاز اور علامت فارقہ نہیں رکھی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ قول بالیقین امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا ہے۔ نہ مسلسل سند ہے اور نہ نام کے ساتھ کوئی امتیازی لفظ ہے۔ پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کتب فقہ میں تمام مسائل امام ابوحنیفہ کے ہیں اور یہی ان کا پورا مذہب ہے۔ اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔ مثلاً فتاویٰ عالمگیری جس کو پانچ سو علماء مقلدین نے جمع ہو کر لکھا اور تصدیق کیا ہے'

اس کے ص-۹۳' جلد سوم میں ہے کہ اذا ذبح کلبا وباع لحمه جاز" یعنی "کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچا تو یہ جائز ہے-"

اب ذرا غور و فکر کیجئے کہ کتاب و سنت میں اس کا کہاں ثبوت ہے؟ یہ محض رائے سے مسئلہ بنایا گیا ہے' جو سراسر جھوٹا ہے- لیکن مقلدین اس کو صحیح جان کر عمل کرتے ہوں گے- (پاکستان کے دارالسلطنت کراچی میں گوشت کی ہڑتال کے دنوں میں مقلدین قصاب اپنے اس فقہی مسئلہ پر عمل کر چکے ہیں) بہت ممکن ہے کہ تمام شہروں کے ہوٹلوں میں کتے ذبح کر کے مسلمانوں کو کھلاتے ہوں؟ کون پڑتال کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی اس مذہب کے لوگوں اور مولویوں اور ان کے ایسے مسائل تقیہ سے پناہ دے' آمین-

امام صاحب کی طرف ایسے مسائل منسوب کرنا باطل ہے- شاہ صاحب نے حجتہ اللہ میں حنفیت کی کشتی ڈبوتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ان ذالک من تخریجات الاصحاب ولیس مذهبا فی الحقیقة-

اگر نکسیر پھوٹے تو پیشانی پر پیشاب یا خون سے سورہ فاتحہ استشفاء کے لیے لکھنا جائز ہے- (شامی مصری جلد-۱' ص-۱۹۳) کیا آپ کا ایمان یہ کہتا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے- پس اسی طرح حنفیہ کے اصول اور فروع سب اختراعی اور مشکوک اور مشتبہ ہیں- شاہ صاحب نے اختراعی اصول کو "غیر فقیہ کی روایت قیاس کے مقابلہ میں نہیں لی جائے گی اور قیاس لیا جائے گا-" حجتہ اللہ میں خوب تردید کر دی ہے- (جلد-۱' ص-۱۴۰ مصری) اور خیر کثیر اردو ص-۲۷۳ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ مذاہب اربعہ میں امام شافعی کا مذہب اقرب الی السنة ہے-

عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث کراچی جلد ۳۶، ۳۷ شمارہ ۲۳ تا شمارہ ۱۳ جلد ۳۷

مورخہ یکم ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ تا یکم ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ

فرقہ بندی کی تشریح

کیا اہل حدیث بھی ایک فرقہ ہے؟ اور کیا یہ فرقہ تمام احادیث نبویہ پر عمل کر سکتا ہے؟

جواب پہلے فرقہ کا معنی اور مطلب سمجھ لیں کہ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی' دوم شرعی اصطلاحی۔ لغوی معنی یہ ہیں "آدمیوں کا ایک گروہ" لوگوں کی ایک جماعت' تفسیر کبیر میں ہے کہ ہر تین کس ایک فرقہ ہیں یعنی جن لوگوں پر فرقہ کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے وہ کم از کم تین ہوں۔ ان سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ پس ایک یا دو پر فرقہ کا اطلاق ٹھیک نہیں ہے۔ ہاں طائفہ کا اطلاق ایک پر بھی درست ہے۔ قرآن کریم میں ہے **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة (الآیه)** یعنی دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے ہر گروہ سے ایک طائفہ کیوں نہیں نکلا؟ امام رازی نے اس سے خبر واحد کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کہ فرقہ تین شخصوں سے قائم ہوا تو طائفہ ان سے ایک ایک یا دو دو نکل سکیں گے' یہ خبر واحد ہے۔ جن سے **تفقه فی الدین** حاصل کرنا درست ہے۔

امام ابن حزم نے الاحکام فی اصول الاحکام ج-۱' ص-۱۰۹ میں لکھا ہے کہ **والطائفة فی لغة العرب یقع علی الواحد فصاعدا** یعنی طائفہ کا اطلاق محاورہ عرب میں ایک شخص یا ایک سے زیادہ پر آتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اور ایک سے زائد طائفہ ہے۔ امام مجاہد نے کہا کہ ایک سے ہزار تک طائفہ ہے۔ زجاج نے کہا کہ میرے نزدیک اقل طائفہ دو ہیں' زائد کی کوئی حد نہیں۔ حدیث میں ہے **لاتزال طائفة من امتی علی الحق منصورین الی یوم القیامة** یعنی ہمیشہ میری امت سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا' تاقیامت جن کی اللہ کی طرف سے مدد ہو گی۔ حجتہ اللہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ایک گروہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان کا ساتھ چھوڑے گا تو ان کو کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ وہ گروہ زمین میں اللہ کی حجت ہے یعنی ان کے ذریعہ اللہ کا دین قائم رہے گا۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ اہل حدیث ہیں اور یہی فرقہ ناجیہ ہے اور وہ ایک ہے' دو یا چار نہیں ہیں۔

غنیہ میں ہے' **فاھل السنة طائفة واحدة** اور فرقہ ناجیہ اور اہل سنت کی تعریف بھی اہل حدیث ہی پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ مرحوم نے یہ تعریف کی ہے' **ھم الآخذ ونفی العقیدة والعمل منھما بما ظھر من الکتاب والسنة وجری علیه جمھور الصحابة والتابعین** یعنی اہل السنت والجماعت وہ ہیں جو عقیدہ اور عمل میں ان چیزوں کو مضبوط پکڑتے ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور ان پر جمہور صحابہ اور تابعین قائم رہے ہیں۔ قرآن و حدیث میں تقلید شخصی اور تقلید کی بنا پر فرقہ بندی کا کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ اس پر صحابہ اور تابعین کا عمل رہا ہے۔ **لہذا** مقلدین مذاہب اربعہ فرقہ بندی میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح ہی دیگر فرقوں کا حال ہے۔ فرقہ اہلحدیث لغوی معنی کی رو سے تو فرقہ ہے اور طائفہ ہے۔ چنانچہ حدیث افتراق میں ہے کہ ایک فرقہ ناجیہ ہے **قالوا وما ھی تلک الفرقة**؟ صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا **ماانا علیه الیوم واصحابی** (معجم صغیر طبرانی ص-۱۵۰) یعنی وہ فرقہ ہے جو اس طریقہ پر قائم ہو گا جس پر میں اور میرے اصحاب آج میری زندگی و عہد میں قائم ہیں۔ پس عہد نبوی میں آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کا طریقہ عمل بالکتاب و تمسک **بالسنة** تھا۔

حافظ خطیب بغدادی نے شرف اصحاب الحدیث میں بالسناوہ ایک روایت ذکر کی ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں **من الفرقة الناجیة من ثلاث وسبعین فرقة** کہ تہتر فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ کون ہے؟ **قال انتم یااصحاب الحدیث** فرمایا اے اہل حدیثو! وہ تم ہو۔ (یہ روایت رؤیا صالحہ کی ہے) ایک حدیث میں ہے **ثم جعلھم فرقتین فجعلتی فی خیرھم فرقة** یعنی اللہ نے انسانوں کے دو فرقے بنا دیئے (ایک عرب دوم عجم) مجھے اللہ نے ان میں سے بہتر فرقہ میں پیدا کیا (جو عرب ہے) ان محاورات سے ظاہر ہوا کہ فرقہ کا لغوی معنی گروہ کا ہے۔ پس اس لحاظ سے لفظ فرقہ کا اطلاق اہل سنت' اہل حدیث' گروہ ناجیہ پر درست ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ جو لوگ صراط مستقیم' جماعت اہل حق سے اپنے عقائد و اعمال محدثہ کی رو سے جدا ہو گئے اور انہوں نے علیحدہ گروہ بندی کر لی اور اپنا طرز عمل اہل سنت سے الگ بنا لیا' وہ فرقہ ہے جس نے اسلام میں تفرقہ افتراق پیدا کیا۔

اس طرح سے جو لوگ اہل سنت کی لائن سے اپنی ہیئت اعتقادیہ و عملیہ تبدیل کرتے ہوئے جدا لائن اختیار کرتے گئے' وہ فرقہ بندی میں مبتلا ہوتے گئے اور گمراہ ہوئے اور انہوں نے اس حکم کی نافرمانی کی اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ دین کو قائم کرو اور اس میں افتراق نہ کرو۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا سب اکٹھے ہو کر اسلام کو مضبوط پکڑو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔ یہودی' عیسائی اسی طرح اہل حق سے جدا ہو کر فرقے فرقے ہوئے۔ جن کو عذاب عظیم ہو گا۔ اس لیے ہمیں اس کی ممانعت کر دی اور فرمایا ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ہم البینات واولئک لہم عذاب عظیم یعنی اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ' جنہوں نے دلائل واضحہ آنے کے بعد اختلاف اور تفرقہ پیدا کیا اور وہ فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ان کو بڑا سخت عذاب ہو گا۔

پس اس لحاظ سے اہل حدیث فرقہ نہیں ہے کیونکہ گروہ اہلحدیث بالکل قدیم ٹھیٹھ اسلام پر اسی طرح قائم ہے' جس طرح ہمارے سلف صالحین قائم تھے' یعنی قرآن و حدیث پر اپنا عقیدہ و عمل رکھتے ہیں جو لوگ ان کو اس لحاظ سے دوسرے فرقوں کی طرح فرقہ کہتے ہیں وہ جھوٹے اور سراسر باطل خیال رکھتے ہیں۔

ہم نے امام ابن تیمیہ اور ابن حزم کی شہادت سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل سنت صحابہ کرام اور تابعین اور اہلحدیث ہیں اور یہ مذہب قدیم ہے' ومن اہل السنۃ والجماعۃ مذہب قدیم معروف قبل ان یخلق اللہ ابا حنیفۃ ومالکا والشافعی واحمد فانہ منہب الخ' (منہاج السنہ) یعنی اہل سنت سے ایک مذہب قدیم مشہور چلا آتا ہے جبکہ ابوحنیفہ' مالک اور شافعی' احمد بن حنبل ائمہ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

نیز منہاج السنہ میں ہے فاعتقاد اہل الحدیث ہو السنہ الحضنۃ لا نہ ہو الاعتقاد والثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پس اہل حدیث کا اعتقاد و سنت محض ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حدیث اور سنت کی حقیقت ایک ہی ہے۔ صرف لغوی فرق ہے۔ جیسے اسلام اور ایمان کی حقیقت ایک ہے کہ شرعاً ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن ہے۔ ایسے ہی سنت اور حدیث کی حقیقت ایک ہی ہے کوئی سنت بغیر حدیث کے ثابت نہ ہو سکے گی۔ شرح مسلم میں ہے کہ امام احمد نے

فرقہ حقہ کی بابت فرمایا کہ ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری منھم یعنی اگر طائفہ حقہ قائمہ بامراللہ اہل حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون سا گروہ ہے۔ اس پر قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اراد احمد اھل السنة والجماعت اور ساتھ ہی فرماتے ہیں ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث یعنی امام احمد کی مراد اہل سنت ہیں جو مذہب اہل حدیث رکھتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اہل سنت و اہل حدیث ایک ہی گروہ کے دو نام ہیں۔ اس لیے حضرت شیخ جیلانی پیر حقانی نے یہ فرمایا ہے کہ فاھل السنة طائفة واحدة کہ اہل سنت ایک ہی طائفہ ہے یعنی اس میں تفریق و تقسیم نہیں ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ اہل سنت چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں' یہ فقہاء اہل تقلید کا قول ہے جو بالکل باطل ہے۔ فرقہ اہل سنت میں کبھی افتراق نہ ہو گا۔ وہ ایک ہی رہے گا۔ اور یہ کہنا کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے' یہ بھی سراسر باطل ہے۔ اول تو اجماع ہوا نہیں' من ادعی الاجماع فھو کاذب (امام احمد) اگر ہوا تو مقلدین کا آپس میں ہوا جو بیت اللہ میں بھی چار مصلے اور اسی کے چار حصے کر کے بیٹھ گئے تھے۔ اصول فقہ میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ اجماع علماء مجتہدین کا معتبر ہے' اگر کسی کا اجماع میں اعتبار نہیں ہے تو امام شافعی کی یہ شہادت ہے کہ اھل الحدیث فی کل زمان کالصحابة فی زمانھم اہل حدیث کا ہر زمانے میں وہی درجہ ہے جو صحابہ کا اپنے اہل زمانہ میں تھا کیونکہ یہ صحابہ ہی کی طرح عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔ تواریخ سے اہل حدیث کا ہر زمانہ میں پایا جانا ثابت ہے۔ تاریخ اہل حدیث عربی مولفہ شیخ احمد صاحب مدنی مطالعہ کرنا چاہیے' فانه کتاب نفیس جدا۔

دوسرے استفسار کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث گروہ تمام احادیث نبویہ معمول بہا پر عامل ہو سکتا ہے اور اس کے لیے عمل بالحدیث بالکل آسان ہے کیونکہ یہ گروہ خود شارع علیہ السلام کا مطیع اور تابع ہے' کسی غیر شارع کا نہیں ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ شارع کا ہر قول و فعل واجب القبول ہے اور غیر شارع کا قول و فعل واجب القبول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیر معصوم ہے اور اس سے خطا ممکن ہے۔ اس لیے امام مالک نے یہ فرمایا کہ مامن احد الا وما خوذ من کلامه ومردوده علیه الا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جس کا سارا کلام قابل عمل ہو بلکہ وہ ماخوذ

بھی اور کسی وقت مردود بھی ہو سکتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات ہی ایسی ہے کہ آپ کا سارا کلام امت کے لیے واجب القبول ہے' کبھی مردود نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اہل حدیث بالکل حق و صواب ہے' جس میں خطا کا احتمال ہی نہیں ہے اور دیگر مذاہب محتمل الخطا والصواب ہیں۔ کیونکہ ان میں حق علی سبیل الاوزان ہے۔ درمختار' شامی وغیرہ کتب فقہ میں فقہا کا یہ قول مشہور ہے کہ **مذهبنا صواب يحتمل الخطاء** یعنی ہمارا مذہب درست ہے مگر اس میں خطا کا احتمال ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ غیر کا مذہب خطا ہے مگر صواب کا احتمال رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تمام حق ایک مذہب میں بالکمال دائر نہیں ہے۔ ہاں ان کے فقہاء کے نزدیک حق چاروں مذہب میں دائر ہے۔ فتاوی عزیزی میں ہے کہ "نزد اہل سنن وجمیع فقہا محققین در ہر چہار مذہب حق دائر است" یعنی کسی مسئلہ میں کسی امام کا قول حق ہے اور دوسروں کا خطا اور کسی میں کسی کا قول خطا ہے اور دوسروں کا حق ہے۔ یعنی صورت اختلاف میں جب سب اقوال متعارض اور متضاد ہوں تو حق ایک ہو گا' سب حق نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن ناطق ہے' **فماذا بعد الحق الا الضلال** حق کے خلاف گمراہی ہے۔ مثلاً تین امام یہ کہیں کہ گھوڑا حلال ہے اور ایک کہے گا کہ حرام ہے تو ان دونوں سے ایک حق اور صحیح ہو گا' دونوں کو حق کہنا سفسطہ ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے مقلدین تمام احادیث نبویہ پر عمل کرنے سے سراسر قاصر ہیں۔ میزان شعرانی کے مؤلف کو اس کا اعتراف ہے۔ چنانچہ ص۔۲۳ میں یہ لکھا ہے کہ **لا يمكن لمومن العمل بالشريعة كلها وهو متقلد بمذهب واحد ابدا** یعنی ایک مذہب کا مقلد تمام شریعت محمدیہ پر کبھی عمل نہیں کر سکتا۔ کشف الغمہ میں بھی یہی فرمایا ہے **والمذهب الواحد بلا شك لا يحتوى على كل احاديث الشريعة**۔ اسی بنا پر ہر امام نے **اتركوا قولى بخبر الرسول** فرما دیا تھا۔ اگر ہر امام کے تمام اقوال و مسائل عین احادیث نبویہ کے مطابق ہوتے اور ان کے خلاف ہونے کا احتمال نہ ہوتا تو یہ کبھی نہ فرماتے۔ اس لیے کسی نے **اتركوا قولى بآية القران** نہیں کہا کیونکہ قرآن تو بکمالہ سب کے پاس موجود تھا پھر کوئی امام صریح آیت کے خلاف کیوں فتویٰ دیتا؟ ہاں تمام احادیث نبویہ پر کوئی امام حاوی نہیں ہو سکا کہ کئی احادیث ہر امام سے مخفی رہ گئیں کیونکہ علم حدیث

اس وقت سینوں میں تھا' بعد میں ہر امام نے اپنے سینہ کے علم کو کتابی صورت میں مدون کر دیا۔ اب تمام احادیث مدون ہو کر ہر ملک میں آگئی ہیں تو اب ہر امام کے اقوال و مسائل کا موازنہ احادیث سے کیا جا سکتا ہے' جس سے کسی نہ کسی امام کا کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور احادیث کے خلاف پڑ جاتا ہے تو اس کو چھوڑ کر حدیث نبوی کو لیا جاتا ہے۔

پس مذہب اہلحدیث میں کلی عمل بالحدیث پایا جاتا ہے تو اس مذہب میں حق متعین ہے' حق دائر نہیں ہے ہاں اگر کوئی اہلحدیث اپنے قصور علم یا قصور فہم سے کسی حدیث کا خلاف کرے تو وہ اس کا ذاتی قصور متصور ہو گا۔ مذہب اہلحدیث کا نہیں۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۱۰' شمارہ۔۳۷ و ۳۸' یکم و ۸ر اکتوبر سنہ۔۱۹۵۸ء

سواد اعظم کی تشریح

اخبار الاحناف میں سواد اعظم پر ایک مضمون نکلا ہے جس میں حدیث کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حنفی مذہب برحق ہے کیونکہ ان کی کثرت ہے۔ وہابی جھوٹے ہیں' اس لیے کہ تھوڑے ہیں۔ پس اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احناف اور مقلدین کا چالیس کروڑ کی تعداد کو سچائی کی دلیل شرعی یا عقلی قرار دینا باطل ہے اور یہ ایک عامیانہ خیال ہے کیونکہ حدیث افتراق امت میں اکہتر بہتر تہتر فرقوں کی تعداد بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے صرف ایک طائفہ کو ناجیہ اور جنتی فرمایا ہے اور باقی تمام فرقوں کو جن کی اکثریت صاف ظاہر ہے۔ غیر ناجی اور جہنمی قرار دیا ہے۔ **والطائفة فی لغة العرب یقع علی الواحد فصاعدا** (الاحکام فی اصول الاحکام جلد-۱' ص-۱۰۹) کہ طائفہ کا اطلاق ایک شخص یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس واسطے امام سفیان ثوری کا فرمان صحیح ہے جو یہ فرما گئے کہ **المراد بالسواد الا عظم من کان من اهل السنة والجماعة ولوواحد** (میزان شعرانی ص-۴۳) اور مرقاۃ جلد-۱' ص-۲۰۶ میں مولانا ملا علی قاری نے فرمایا کہ **اتبعوا السواد الاعظم یدل علی ان اعاظم الناس العلماء وان قل عددھم ولم یقل الاکثر کان العوام والجهال اکثرھم عدوا** یعنی حدیث سود اعظم کی پیروی کرو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عظمت والے لوگ علماء مراد ہیں۔ اگرچہ ان کی گنتی قلیل ہو اور حدیث میں اکثر کا لفظ وارد نہیں ہوا کیونکہ عوام اور جاہل لوگوں کی تعداد علماء سے زیادہ ہے۔ (جو ناقابل اعتبار ہیں) اور شرح نخبۃ الفکر میں ملا علی قاری نے سود اعظم کی تفسیر یہ کی ہے **ای الا ورع الا سلم** کہ اس سے پرہیزگار سلامتی والا گروہ مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس دور پرفتن میں اہل حق اور پرہیزگاروں کی اکثریت نہیں ہے بلکہ بے دینی' دہریت' مذہبی آزادی' فواحش' منکرات کی اکثریت ہے۔ **کما لا یخفی علی الماھر المتفطن المنصف۔**

اچھا ہم برسبیل **التسلیم** یہ کہتے ہیں کہ اکثریت ہی صداقت کی دلیل ہے لیکن حنفیہ کی اکثریت ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مذہب حنفی تمام گمراہ فرقوں کی کھچڑی ہے جن کے عقائد اور اصول مختلف ہیں اور وہ سب ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں تو پھر یہ

تمام اہل حق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی اپنی کتاب الرفع والتکمیل میں تحریر فرماتے ہیں وبالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کی باعتبار عقیدہ کے کئی شاخیں ہیں۔ بعض ان میں شیعہ ہیں' بعض معتزلہ ہیں' بعض مرجیہ ہیں۔ یہی وجہ ہے محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں مرجیہ کے بارہ فرقے لکھے ہیں۔ ایک ان میں سے فرقہ حنفیہ کو شمار کیا ہے۔ پس ہم الاحناف دہلی کے اڈیٹر سے استفسار کرتے ہیں کہ آپ کی پیش کردہ تعداد چالیس کروڑ حنفیہ تمام کی تمام متفق العقائد اور متحد الاصول والفروع ہیں یا باہم مختلف العقائد والاعمال ہیں؟ اگر شق اول ہے تو واقعات اور مشاہدات اور تاریخ ولائل سے ثبوت دیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اگر ان چالیس کروڑ کا حال یہ ہے کہ کوئی حنفی زیدیہ ہے' کوئی شیعہ حنفی ہے' کوئی مرجیہ حنفی ہے' کوئی معتزلہ حنفی ہے' کوئی جہمیہ حنفی ہے' کوئی دیوبندی حنفی ہے' کوئی بریلوی حنفی ہے' کوئی جماعت اسلامی کا حنفی ہے۔

پھر بدکردار قومیں' کنجر حنفی' ڈوم حنفی' بھنڈ حنفی' مراثی حنفی' قبرپرست حنفی' تعزیہ پرست حنفی' وجودی حلولی حنفی' بھنگ نوش مست قلندر حنفی' خانقاہوں اور گدیوں میں عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے والے حنفی' مداری حنفی۔ پھر ان سب کو بے دین کہنے والے وہابی حنفی' پھر طریقت کے لحاظ سے مختلف حنفی مثلاً قادری حنفی' چشتی حنفی' سہروردی حنفی' نوشاہی حنفی' پھر مختلف ممالک کے احناف بھی عقائد اور اعمال میں مختلف ہیں۔ ہندوستانی حنفی' پاکستانی حنفی' ایرانی حنفی' افغانستانی حنفی' حجازی حنفی' عراقی حنفی' شامی حنفی' یمنی حنفی' مصری حنفی' رومی حنفی' بخدی حنفی' کوفی حنفی' بصری حنفی وغیرہ وغیرہ۔ سب مختلف الخیال والاعمال ہیں اور ایک دوسرے کو گمراہ اور باطل پرست کہتے ہیں۔ پس مدیر الاحناف بتائیں کہ ان سب قسم کے حنفیوں میں سے حق پر کون ہے؟ اور ان کی تعداد کیا ہے؟ اور اگر سب حق پر ہیں تو پھر مخالف کیوں؟ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوکان من عند غیراللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنی اگر قرآن غیراللہ کی طرف احکام شرعی لے کر آتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا' جیسے حنفی مذہب اختراعی

ہے۔ اس میں رات اور دن کا اختلاف ہے اور گمراہی اور ضلالت کا اختلاف ہے۔ مثلاً بریلوی حنفی' دیوبندی حنفیوں کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں اور ان کی تصنیفات سے یہ امر صاف ظاہر باہر ہو رہا ہے۔

حررہ العبد العاجز' عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ' جلد۔۴' شمارہ۔۲۷' بتاریخ ۱۴؍ جولائی سنہ۔۱۹۵۴ء

کیا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہے؟

عام علماء کی یہ اصطلاح اور محاورہ ہے کہ دین اور مذہب میں فرق ہے۔ دین مجموعہ عقائد اوز اصول کا نام ہے۔ مذہب اور مسلک مجموعہ فروعی اعمال کا نام ہے۔ اس لیے اہلحدیث ہو یا حنفی ہو یا شیعہ یا مرزائی ہو' اس سے سوال کیا جائے تو ہر ایک یہ جواب دے گا کہ میرا دین اسلام ہے اور اگر یہ پوچھا جائے کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟ تو جس کا جو مذہب ہو گا' وہ اس کا نام لے گا۔ مثلاً حنفی ہو گا تو کہے گا کہ میں حنفی ہوں اور اگر شیعہ ہوا تو کہہ دے گا کہ میں شیعہ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جب سے اسلام میں فرقہ بندی ہوئی ہے' تب سے دین اور مذہب میں فرق ہو گیا ہے۔ جب فرقہ بندی نہ ہوئی تھی تو اسلام مجموعہ تھا عقائد و اصول و اعمال کا نام تھا۔ چونکہ اسلام میں فرقہ بندی ممنوع اور حرام ہے' اس لیے اسلام میں مذہب بنانا بھی حرام ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: **ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ** یعنی "سب مل کر اپنے دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ نیز ارشاد ہے: **واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا** یعنی "تم سب مل کر اللہ کی رسی اسلام کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو۔" اور جن لوگوں نے اسلام میں اختلاف پیدا کر کے فرقہ بندی کی' ان کے لیے عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی۔

چنانچہ قرآن میں فرمان رحمان وارد ہے: **ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم** یعنی "نہ بنو تم مثل ان لوگوں کی جنھوں نے فرقہ بندی کی اور دلائل ظاہر ہو جانے کے بعد اختلاف کیا۔ ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔" پس اس وقت جو فرقہ بندی ہو کر مختلف مذہب بن گئے ہیں۔ مثلاً شیعہ' رافضی' خارجی' حنفی' دیوبندی' حنفی بریلوی وغیرہ یہ سب ناجائز ہیں۔۔۔ ہاں اپنے طرز عمل کو وحی آسمانی کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا حدیث نبوی یا اپنے پیشوا صادق و مصدوق محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اس سے فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ مثلاً اہل حدیث' اہل سنت اور محمدی کہلانا درست ہے کہ ان میں سب کا اشتراک عمل ہے۔ اسلام کا ہر مسئلہ اصولی ہو یا فروعی' اعتقادی ہو یا

عملی' سب دین اسلام ہے۔ رسالہ شمس الضحیٰ کے ص-۱۰ پر مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص مجوسی دین کا دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ جس کی واڑھی منڈی ہوئی تھی اور مونچھیں دراز تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: **ما ھذا** "یہ کیا کر رکھا ہے؟" اس نے جواب دیا: **ھذا دیننا** یعنی "یہ ہمارے دین کا طرز عمل ہے" کہ ہم مجوسی اس طرح عمل کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لکن فی دیننا ان نحفی الشوارب وان نعفی اللحیة** یعنی "لیکن ہمارا دین ہے کہ ہم مونچھوں کو کاٹ دیں اور داڑھی کو بڑھائیں۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ لفظ دین کا اطلاق جیسے اصول اسلام پر آتا ہے' ایسے اعمال پر بھی آتا ہے۔ باوجود فرقہ بندی کی ممانعت وارد ہونے کے فرقہ بندی لوگوں نے پھر بھی کر لی۔ کوئی مرجیہ بنا' کوئی قدریہ ہوا' کوئی حنفی ہوا' کوئی مالکی ہوا۔ ہر فرقہ نے اپنی حد بندی کر لی۔ کوئی اس مذہب کی حدود سے باہر نہ جائے۔ چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ ہمارا مذہب (یعنی حنفی) حق ہے اور دوسرے کا خطا' (مترجم جلد-۱' ص-۱۸) پس شافعی' مالکی' حنبلی وغیرہ سب خطا پر مبنی ہوئے۔ درمختار جلد-۳' باب التعزیر میں ہے: **ارتحل الی مذھب الشافعی یعزر** یعنی "جو شخص حنفی سے شافعی بن گیا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔" مقدمہ ہدایہ مترجم جلد-۱' ص-۱۱۰ میں ہے۔ "امام ابوحنیفہ و صاحبین کا قول صحیح حدیث کے خلاف آجائے تو اپنے ائمہ کے قول پر عمل ہو گا' حدیث پر نہیں۔" بلکہ درمختار میں یہ شعر لکھا ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفه

(ہمارے رب کی لعنت ریت کے ذروں برابر اس شخص پر ہو جو ابوحنیفہ کا قول رد کر دے)

مترجم درمختار جلد-۴' ص-۲۴۴ میں لکھا ہے' اگر فتویٰ طلب کرنے والا پوچھے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا قول کیا ہے تو مفتی جواب میں ابوحنیفہ کا قول بیان کر دے۔ مذہبی دیانتداری اس کا نام ہے کہ دوسرے مذہب کے نام سے اپنا مذہب بیان کر دے۔ یہ صریح فریب کاری ہے۔ اسی طرح انتقال مذہب حنفی سے دوسرے مذہب

شافعی و اہلحدیث وغیرہ کی طرف جرم ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ درج ذیل ہے:

علامہ شامی باب التعزیر جلد۔۳' ص۔۲۴۳ میں لکھتے ہیں' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ منقول ہے کہ شیخ ابوبکر جوزجانی کے عہد میں ایک حنفی نے کسی اہلحدیث کی طرف اس کی لڑکی کا رشتہ لینے کے لیے خطبہ کا پیغام بھیجا تو اس اہل حدیث نے اس شرط پر اپنی لڑکی کا نکاح دینا منظور کیا کہ وہ اپنا مذہب حنفی چھوڑ کر اہلحدیث ہو جائے' فاتحہ خلف الامام پڑھے اور رفع یدین وغیرہ شروع کر دے۔ حنفی نے منظور کیا۔ اہلحدیث نے لڑکی کا اس سے نکاح کر دیا۔ پھر شیخ ابوبکر جوزجانی سے فتویٰ پوچھا گیا کہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے سرنگوں ہونے کے بعد فرمایا' نکاح جائز ہے لیکن نزع کے وقت اس حنفی اہلحدیث بننے والے کے ایمان کا خطرہ ہے کہ دور نہ ہو جائے۔ کیونکہ جو مذہب اس کے اعتقاد میں حق تھا۔ اس کو گندے مردار کی خاطر چھوڑ کر مذہب کی اس نے توہین کی۔ اس واقعہ سے کئی امور ظاہر ہوئے۔ اول یہ کہ قاضی ابوبکر جوزجانی تیسری صدی کے قاضی تھے۔ (تاریخ اہلحدیث سیالکوٹی ص۔۱۳۲)

جس سے یہ ظاہر ہوا کہ مذہب اہلحدیث اس وقت سے چلا آتا ہے دوسرا یہ امر ظاہر ہوا کہ مذہب اہلحدیث کے لوگ قدیم زمانہ میں نہایت غیور تھے اور اپنے مذہب کی ترقی میں جان و مال اور اولاد کا ایثار کرتے تھے اور حق کی ایسی حمایت کرتے تھے کہ "غیر فرقوں سے مناکحت نہ کرتے تھے" آج کل کے نام کے اہلحدیث نہ تھے کہ بدعتیوں اور مشرکوں سے رشتہ داریاں کر رہے ہیں' یہ مناکحت حرام ہے۔ اس کی تفصیل میرے رسالہ مسمی "سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اھل الایمان" میں ہے' تیرا یہ امر ظاہر ہوا کہ رشتہ دینے کی شرط کر کے کسی گمراہ شخص کو صحیح العقائد کر لینا جائز ہے۔ گو اس وقت وہ لالچ سے یہ انتقال مذہبی کر رہا ہے لیکن جب مذہب میں داخل ہو گیا تو اس حق سے متاثر ہو جائے گا۔ اب اس کا ثبوت سنئے! مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "الطاہر" اس کے ص۔۱۸ پر ذکر کرتے ہیں کہ بعض جگہ نماز نہ پڑھنے پر امراء نے لوگوں کو پٹوا دیا۔ بس بغیر کوئی عذر کسی کو مانع نہیں رہا' یہاں کوئی شاید یہ شبہ کرے کہ ایسی نماز سے کیا فائدہ جو بجبر و اکراہ پڑھی جائے۔

میں کہتا ہوں' اس سے بھی فائدہ ہے۔ اول تو یہ کہ بے نمازی کم ہو جاتے ہیں

اور گناہ کی نحوست رفع ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تو وہ جبر ہے مگر نماز میں اثر یہ ہے کہ وہ خود دل میں گھر کر لیتی ہے۔ پھر آدمی واقعی نمازی ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی شہادت صدہا واقعات سے ملتی ہے کہ نماز شروع تو کی گئی' کسی کے ڈر سے اور دباؤ سے یا شرما شرمی سے یا دیکھا دیکھی یا کسی لالچ سے۔ مگر چند ہی روز میں وہ اصلی نماز اور واقعی نماز ہو گئی اور ڈر اور دباؤ بھی جاتا رہا۔ مگر نماز بدستور رہی۔ اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی عہد نبوی کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں ایمان جب لاؤں کہ مجھے فلاں پہاڑوں کے درمیان جو بکریاں چرتی ہیں وہ دے دیجئے۔ حضور ﷺ نے فوراً عطا فرما دیں۔ (الی قولہ) حضور ﷺ نے اس کو بکریاں دے دی' یہ تالیف قلب تھی۔ یہاں بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان کیا ہوا جو بکریوں کے لالچ سے ہوا۔ اصل یہ ہے کہ بکریاں صرف ابتداء میں اس کے لیے ایک ذریعہ ہیں۔ پھر وہ ایمان خود ایسی چیز ہے کہ اس کے پاس پہنچنے کی دیر ہے' وہ خود اڑ کر لپٹتا ہے اور آدمی اس سے پھر الگ ہو ہی نہیں سکتا۔ جملہ طاعات کی یہی حالت ہے کہ جب تک آدمی ان سے علیحدہ ہے' تب ہی تک وحشت ہے اور ایک دفعہ جبرو اکراہ لالچ سے ہو یا کہ بطور ہنسی مخول دل لگی کے جی کسی کے پاس آجائے' پھر ممکن نہیں کہ وہ اس کو چھوڑ سکے اور وہ اپنے دیگر رسالہ مسمی بہ فان الجنۃ ھی الماوی کے ص-۳۸ پر لکھتے ہیں کہ:

"میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طمع سے ہوتا ہے۔ مال کی طمع ہو یا اور کسی چیز کی۔ مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کر لیتا ہے۔"

اب میں کہتا ہوں کہ جس اہلحدیث نے کسی حنفی کو اس کے مانگنے پر رشتہ دیا اور اس سے مذہب اہلحدیث قبول کر کے رشتہ لے لیا۔ اس واقعہ پر بھی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی یہ تقریر مذکورہ پورے طور پر چسپاں ہو سکتی ہے تو پھر ابوبکر جوزجانی کیوں سرنگوں ہوئے اور کیوں رجما بالغیب یہ کہا کہ نزع کے وقت ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہے اور مولوی اشرف علی نے جو یہ واقعہ حنفی کے اہلحدیث ہونے کا اپنے رسالہ اسباب امت کے ص-۹ پر یوں لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی عالم کا واقعہ بیان

کیا جو حنفی تھے کہ انہوں نے ایک محدث کو اس کی لڑکی کے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا کہ میں پیام منظور کر سکتا ہوں مگر تم حنفی ہو اور میں محدثین کے طریقہ پر ہوں۔ اس طرح نباہ نہیں ہو گا۔ اگر تم امام ابوحنیفہ کی تقلید ترک کر کے محدثین کا مذہب اختیار کر لو تو پھر مجھے کچھ عذر نہ ہو گا۔ چنانچہ اس عالم نے اس شرط کو مان لیا اور نکاح ہو گیا۔ سائل نے ان بزرگ سے پوچھا کہ اس صورت میں ترک تقلید جائز تھی؟ فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ مرتے وقت اس شخص کا ایمان سلب نہ ہو جائے کیونکہ جس مذہب کو یہ اب تک حق سمجھے ہوئے تھے اور حق سمجھ کر ہی اس کی تقلید کرتا تھا' اس کو محض ایک ہوائے نفس کے لیے ترک کر دیا' اس کا ایمان بچنا بہت مشکل ہے۔ اعاذنا الله منه اللّٰهم انا نعوذبک من الحور بعد الکور و من العمی بعد البصر ومن الضلالة بعد الهدی یعنی "اس سے ہم کو اللہ پناہ میں رکھے۔ اے اللہ! ہم پناہ مانگتے ہیں آپ سے نقصان سے کمال کے بعد' نابینائی سے بینائی کے بعد' گمراہی سے ہدایت کے بعد۔ اے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے جو دعا کی ہے' اس سے ان کی محدثین کے ساتھ عقیدت اور مذہبی عصبیت واضح ہو گئی ہے۔ اب ذرا مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم کی محدثین سے حسن عقیدت ملاحظہ فرمایئے' جس کا علم و تفقہ مولوی اشرف علی سے کئی درجہ فائق اور عرب و عجم میں مسلم تھا۔ آنجناب اپنی کتاب امام الکلام کے ص-۲۱۶ میں لکھتے ہیں:

ومن نظر بنظر الانصاف وغاص فی بحار الفقه والاصول مجتنبا عن الاعتساف یعلم علم یقینا" ان اکثر المسائل الفرعیة والاصلیة التی اختلف العلماء فیها فمذهب المحدثین فیها اقوی من مذهب غیرهم وانی کلما اسیر فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثین فیه قریبا" من الانصاف فللّٰه درهم وعلیه شکرهم کیف لا وهم ورثة النبی صلی الله علیه وسلم حقا و نواب شرعه صدقا حشرنا الله فی زمرتهم واماتنا علی حبهم وسیرتهم۔ یعنی "جس شخص نے انصاف کی نظر سے دیکھا ہے اور فقہ اور اصول کے دریاؤں میں غوطے لگائے ہیں' اگر اس میں کجروی نہیں ہے تو وہ یقیناً یہ جانتا ہے کہ اکثر مسائل اصلیہ اور فرعیہ جن میں علماء کا

اختلاف ہوا تو محدثین کا ہی مذہب ان میں اوروں کے مذہب سے بہت قوی تھا اور میں جہاں تک اختلافی مسائل کو دیکھتا ہوں اور اختلافی گھاٹیوں میں پھرتا ہوں' محدثین ہی کا مسلک صحیح پاتا ہوں۔ اللہ ہی کے واسطے خوبی ان کی اور اسی کے ذمہ ہے جزا ان کی۔ کیوں نہ ہوں وہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے سچے وارث اور شریعت محمدیہ کے سچے نواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرا حشر ان کے زمرے میں کرے اور مجھ کو ان کی محبت اور خصلت میں دنیا سے اٹھائے۔"

اب دیوبندی علماء بتا دیں کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا ایمان سلب ہو گیا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس عالم کا ایمان کیسے سلب ہوا؟ اور سنئے! اور عصبیت سے دور ہو کر سنئے! کیدانی حنفی نے ایک رسالہ نماز کے بارہ میں لکھا ہے' جو کیدانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اس نے تشہد کے وقت رفع انگشت کو حرام لکھا ہے۔ حالانکہ رفع سبابہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ عبارت اس کی یوں ہے: **العاشر من المحرمات الاشارة کاهل الحدیث** یعنی "دسواں حرام کام نماز میں اہلحدیث کی طرح انگلی سے اشارہ کرنا ہے۔"

اس باطل قول کی تردید مولانا ملا علی قاری حنفی نے بصورت رسالہ لکھی ہے اور وہ یہ لکھتے ہیں کہ **ومن القواعد المقررة ان تحریم المباح کفر فکیف تحریم السنة الثابتة عنه صلعم مع انه یکفی فی موجب تکفیر الکیدانی اهانة المحدثین الذین هم عمدة ائمة الدین المفهومة من قول کاهل الحدیث المفضیة الی قلة الادب المفضی بسوء الخاتمة** یعنی "یہ قواعد مقررہ میں سے ایک قاعدہ ہے کہ مباح چیز کو حرام کہنا کفر ہے' پھر سنت نبویہ ثابتہ کو حرام کہنا کفر کیوں نہ ہو گا۔ باوجود اس بات کے کہ کیدانی کی تکفیر اس بات پر ہونی کافی ہے کہ اس نے محدثین کی توہین کی ہے' جو ائمہ دین کے سردار ہیں اور یہ توہین اس کلمہ سے سمجھی گئی جو اس نے یہ کہا کہ جیسے اہلحدیث یہ حرام فعل کرتے ہیں۔ یہ کلمہ بے ادبی کی طرف مفضی ہے۔ جس سے اندیشہ سوء خاتمہ کا ہے۔"

پھر علامہ قاری لکھتے ہیں: **او من المعلوم ان اهل القران اهل الله واهل الحدیث اهل رسول الله صلی الله علیه وسلم وانشدوا فی هذا المعنی** - "اہل

الحدیث ھم اھل النبی وان' لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا" یعنی "یہ کلمہ خلاف ادب سوء خاتمہ کی طرف اس لیے مفضی ہے کہ یہ بات سب کو معلوم اور مسلم ہے کہ اہل قرآن یعنی عاملین بالقرآن اہل اللہ ہوتے ہیں (یعنی اللہ والے اور اہلحدیث آل رسول ہوتے ہیں) اسی معنی پر یہ شعر دال ہے کہ اہلحدیث آل نبی ہیں اگرچہ ان کو آنحضور ﷺ سے جسمانی صحبت حاصل نہیں ہے لیکن آپ کی احادیث سے شغل اور شغف رکھنے کی وجہ سے روحانی صحبت حاصل ہے۔"

ہم نے محدثین اہلحدیث کی شان میں حنفی مذہب کے دو مسلمہ بزرگوں کے ارشادات پیش کر دیئے ہیں کہ اہلحدیث آل رسول ہیں اور ان کی توہین کرنا کفر ہے۔ اب مقلدین حضرات خود فیصلہ کریں کہ مولوی اشرف علی صاحب نے مذکورہ بالا بیان میں محدثین کی توہین کی ہے یا نہیں؟ اگر کی ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟

اہل حدیث کی شان میں دو حنفی بزرگوں کا فرمان پیش ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں دیوبندی حنفی مولوی صاحبان امام عبدالسلام بن یزید بن غیاث شبلی محدث کے قصیدے کے ان چند اشعار پر غور کریں۔

ولولم یقم اھل الحد یث بد یننا
فمن کان یروی علمه ویفید
ھم ورثوا علم النبوۃ واحتووا
من الفضل ما عنه الانام رقود
وھم کمصابیح الد جی یھتد ی بھم
ونارھم بعد الممات وقود
علیک ابن غیاث لزوم سبیلھم
فحالھم عند الا له حمید
(بستان المحدثین اردو ص۔۱۱۱)

ان اشعار کا ترجمہ یوں درج ہے:

"اگر ہمارے دین کی سنبھال کے لیے اہل حدیث کھڑے نہ ہوتے تو آج کون ہوتا جو علم کی روایت کرتا اور فائدہ دیتا' وہی علم نبوت کے وارث ہوئے اور وہ فضل حاصل

کیا جس سے مخلوق غافل ہے۔ محدثین اندھیری راتوں کے چراغوں کی طرح ہیں کہ ان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور ان کی آگ مرنے کے بعد شعلہ زن ہے۔ اے ابن غیاث تو ان کے طریق کو اختیار کر کیونکہ ان کا حال اللہ کے نزدیک بہت اچھا ہے۔

اور ص۔۲۴۵ میں عبدالمومن دمیاطی کا شعر یہ ہے۔

علم الحدیث له فضل و منقبه
نال العلاء به کان مقبنا

یعنی "علم حدیث کو وہ فضیلت و خوبی حاصل ہے کہ جو شخص اس میں لگا' اس نے بلندی حاصل کی۔"

دوسرے قطعہ کا یہ شعر دیوبندیوں کے لیے قابل عبرت ہے۔

وما العلم الا فی کتاب و سنة
وما الجهل الا فی کلام ومنطق

یعنی "علم شرعی کتاب و سنت میں ہے اور جہالت کا علم کلام اور منطق میں ہے۔"

اچھا ایک بات تحقیقی طور پر سمجھ لیں کہ اہل حدیث اور اہل سنت دونوں ایک ہی مسلک کے دو نام ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ المشائخ جناب عالم ربانی پیر جیلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب غنیة الطالبین جلد اول مصری ص۔۹۵ میں فرماتے ہیں: اما الفرقة الناجیة فهی اهل السنة والجماعة الملقب به یعنی "فرقہ ناجیہ اہل سنت ہے جن کا لقب اہلحدیث ہے۔

حدیث و سنت دو لفظ اصطلاحا" مترادف ہیں اور ان سے مراد وہ جماعت ہے جو منظم ہو کر کتاب و سنت پر عقیدہ و عمل رکھے۔ چونکہ کتاب و سنت پر عقیدہ و عمل رکھنا منصوص شرعی ہے۔ اس لیے یہ مسلک منصوص شرعی ہے تو نام بھی بمطابق مسمی مشروع ہے جو سلف صالحین کے وقت مروج تھا۔ یہی جماعت حق ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

رسالہ شرف اصحاب الحدیث عربی ص۔۵۷ میں باسناد متصل خلیفہ ہارون رشید سے

یہ روایت ہے: وطلبت الحق فوجدته مع اهل الحديث یعنی "میں نے حق کو تلاش کیا تو اہلحدیث میں پایا۔

امام الائمہ شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: عليكم باهل الحديث فانهم اكبر صوابا عن غيرهم وذكره ابن حجر فى توالى التاسيس والاداب الشرعية لابن مفلح (جلد-۱' ص-۲۳۸) یعنی "لازم پکڑو تم مسلک اہلحدیث کو کیونکہ بہ نسبت غیروں کے یہی مسلک اقرب الی الصواب ہے۔"

علامہ سیوطی مفتاح الجنتہ ص-۹۴ شرف اصحاب الحدیث ص-۵۸' تلبیس ابلیس ابن الجوزی ص-۸۴ میں ہے کہ احمد بن سنان نے کہا کہ ولید کرابسی میرے ماموں تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ تم جانتے ہو کہ مجھ سے زیادہ علم کلام کی کون مہارت رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا ہم کو علم نہیں۔ پھر کہا کیا تم مجھ پر کسی بات کی تہمت لگاتے ہو اور جرح کرتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تب ولید کرابسی نے کہا میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں' کیا تم اس کو قبول کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم قبول کریں گے۔ تب انہوں نے فرمایا: عليكم بما عليه اهل الحديث فانى رايت الحق معهم یعنی "تم اہل حدیث مذہب کو لازم پکڑ لو۔ میں نے دیکھا ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے۔

الاتقان ص-۲۲۸ میں ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا: صدقنى ان اهل الحديث افضل الناس فى مدارج الايمان وهم على صراط مستقيم یعنی "مجھے یہ تصدیق ہے کہ سب لوگوں سے افضل اہل حدیث ہیں۔ مدارج ایمان میں اور یہی لوگ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔

شیخ جیلانی رحمہ اللہ غنیہ جلد-۱' ص-۷۵ میں فرماتے ہیں: اما الفرقة الناجية فهى اهل حديث یعنی "فرقہ ناجیہ اہل حدیث ہے"

اب ان لوگوں کو ڈوب مرنا چاہیے کہ جو کسی وجہ سے مسلک اہلحدیث قبول کرنے والے کو گمراہ کہتے ہیں۔ ایسا کہنے والے خود گمراہ ہیں۔ اب دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے۔ طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں ہے: ووجوب تقليد مجتهد معين لا حجة عليه لا من جهة الشريعة ولا من جهة العقل یعنی "ایک مجتہد معین کی تقلید کے واجب

ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ شریعت کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔

علامہ شامی حنفی درمختار کی شرح ردالمختار جلد اول' ص۔۵۳ میں فرماتے ہیں:
لیس علی الانسان التزام مذهب معین یعنی "انسان پر ایک مذہب معین کا لازم پکڑنا واجب نہیں ہے۔"

علامہ ابن الہمام جو حنفیہ کے مسلمہ مجتہد ہیں۔ تحریر شرح تقریر جلد۔۳' ص۔۳۵۰ میں فرماتے ہیں: ولم یوجب الله ولا رسوله علی احد من الناس ان یتمذهب بمذهب رجل من الامة فیقلده فی دینه فی کل مایاتی ویذررون غیره یعنی "اللہ اور رسول نے کسی شخص پر یہ واجب نہیں کیا کہ کسی ایک شخص کا مذہب اختیار کر لے اور اپنے ہر دینی کام میں اس ایک کی تقلید کرتا رہے۔"

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری
تنظیم اہلحدیث جلد۔۲۶' شمارہ۔۱۹' ۲۰' ۲۱

کیا اہلحدیث اور دیوبندی احناف میں اتحاد ہو سکتا ہے؟

الاعتصام مطبوعہ ۲۲ر نومبر سنہ ۱۹۵۷ء میں اس خادم الاسلام کا ایک مضمون "فرقہ ناجیہ اور اصحاب تقلید" شائع ہوا تھا۔ وہ مضمون مکمل شائع نہیں ہوا تھا، اگر پورا شائع ہو جاتا تو میرے سب دلائل اخبار کے صفحات پر آجاتے لیکن جس قدر شائع ہوا' اس سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ تقلید شخصی شریعت محمدیہ میں نہیں ہے اور اس کا ایجاب شرع جدید ہے جو فرقہ بندی کا موجب ہے اور مذاہب اربعہ اسی تقلید شخصی کی پیداوار ہیں جن سے فرقہ ناجیہ کی ہیئت اور ماہیت تبدیل ہو گئی۔ ایک تو طرز عمل بدل گیا' دوم افتراق ہو گیا حالانکہ فرقہ ناجیہ میں ہمیشہ وحدت رہے گی۔ اس مضمون پر ہمارے ایک خاندانی بزرگ حضرت مولانا محمد صاحب لکھوی مدظلہ العالی نے تبصرہ کرتے ہوئے اہلحدیث اور دیوبندی حضرات میں اتحاد کرنے اور کرانے کی سعی بلیغ فرمائی ہے جو باعث شکریہ ہے۔

لوگ تو مذاہب اربعہ کے افتراق پر یہ شعر پڑھا کرتے ہیں کہ ؎

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

اور آپ اس کو صحابہ کرام کے اختلاف کی طرح فروعی اختلاف قرار دے رہے ہیں۔ مولانا سید عبدالحی مرحوم فتح پوری الہ آبادی اپنی کتاب حدیث الغاشیہ عن الفتن الخالیہ والغاشیہ کے ص-۴۴ میں امام یافعی سے نقل فرماتے ہیں۔ چنانچہ عربی عبارت کا ترجمہ حاشیہ پر یہ لکھا ہے۔ "افسوس ہے اس بڑی مصیبت کا جو اسلام میں واقع ہوئی' وہ عداوت جدائی حنفیہ کی شافعیہ کے ساتھ اور سوا ان کے اور فرقے والے نے اپنے مذہب کا سخت تعصب کیا یہاں تک کہ فاسق فاجر اپنے غیر مذہب کے صلحا سے لڑتا ہے اور اپنے مذہب والوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کو نصرت حق سمجھتا ہے' حالانکہ یہ بالکل خلاف شرع کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' "تم سب مل کر اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور فرقہ فرقہ مت بنو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا' "بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو

متفرق کیا وہ علیحدہ علیحدہ فرقے تھے تو ان میں سے کسی شے میں نہیں ہے" اور یہ فتنہ ہمارے زمانہ میں اکثر شہروں میں عام ہو گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکایت ہے۔"

نیز لکھا ہے کہ "سنہ۔۵۵۴ھ میں شافعیہ و حنفیہ نیشاپور میں لڑ مرے۔ یہ فتنہ اتنا بلند ہوا کہ مدرسہ حنفیہ جلا دیا گیا۔" اسی افتراق ہی کی بنا پر مکہ مکرمہ میں چار مصلے تجویز کر کے بنائے گئے جو لاریب امر زبوں ہوا۔ طحطاوی جلد۔۴، ص۔۱۵۳ کتاب الذبائح میں لکھا ہے کہ هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعه یعنی "فرقہ ناجیہ چار مذہبوں میں منحصر ہو گیا ہے" پھر آگے جو لکھا ہے اس کو مولانا خیر محمد صاحب نے نقل فرما کر اس کا یوں ترجمہ کیا ہے کہ "اس زمانہ میں جو شخص ان چار مذہبوں سے (استخفافا") باہر ہوا، وہ بدعتی اور ناری ہے، بہتر (۷۲) فرقوں کے لوگوں میں سے ہے۔" (خیر التنقید ص۔۴۹) چونکہ اہلحدیث مقلدین کو بوجہ تقلید اہل رائے خفیف جانتے ہیں، اس لیے اہلحدیث دیوبندی علماء کے نزدیک گروہ ناجیہ سے خارج اہل ہوئی ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب جن کو امت حنفیہ میں حکیم الامت قرار دیا گیا ہے، اپنے ایک مجموعہ رسائل کے عشرہ طروس ص۔۱۷۰ میں فرمایا ہے کہ اما المذاهب فاهل الحق منهم اهل السنة والجماعة المنحصرون باجماع من يعتد بهم فى الحنفية والشافعية والمالكية والحنبلية یعنی "مذاہب میں سے اہل حق صرف اہل سنت ہیں اور وہ معتبر علماء کے اجماع سے چار فرقوں میں منحصر ہو چکے ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔"

پھر آگے لکھتے ہیں واهل الاهوى منهم غير المقلدين الذين يدعون اتباع الحديث وانى لهم ذالك یعنی "اہل ہوئی فرقوں میں سے غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کے مدعی ہیں مگر یہ ان کو کہاں نصیب ہے؟" پھر علماء کی تصنیفات کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک انفع، دوم اضر۔ مولانا عبدالحی لکھنوی و مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ علماء احناف کی تصنیفات کو انفع قرار دیا ہے۔ اور نیچریوں اور غیر مقلدین وغیرہ کی تصنیفات کو اضر بنا دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں واضرلهم تصنيفا النيچريون وغير المقلدين والمبتدعون

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سبیل الرشاد ص-۲۲ میں تقلید کی دو قسمیں شخصی اور غیر شخصی بنا کر پھر فرماتے ہیں کہ دونوں فرد تقلید کے داخل مطلق تقلید میں ہیں جو آیت فاسئلوا سے فرض ہوئی کہ مطلق کے سب افراد فرضیت میں تساوی ہوتے ہیں- مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے شخصی کا مطلب خیر التنقید میں یہ لکھا ہے کہ "تقلید شخصی یہ ہے کہ ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب منسوب ہے اس کے جملہ مسائل مفتی بہا کو دلیل کے طلب کرنے پر بعینہٖ قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھنا عام اس سے کہ ان مسائل مفتی بہا میں سے بعض مسائل خود اس امام مجتہد کے ہوں اور بعض اس کے شاگردوں کے اور بعض اس کے علماء مقلدین کے مگر سب کا مجموعہ ایک مذہب معین کہلاتا ہو کہ جس کی نسبت ایک خاص امام کی طرف کی جاتی ہو" (ص-۱۴)

جو اس طرح کی تقلید کرے گا امام ابوحنیفہ کی تو اس کو حنفی کہا جائے گا- اس لیے غنیہ میں حنفیہ کی تعریف یہ لکھی ہے کہ **اماالحنفیة فهم اصحاب ابی حنیفة** یعنی "حنفی وہ لوگ ہیں جو اپنے امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں-" رفع و التکمیل میں ہے کہ **ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد اباحنیفة فی المسائل الفرعیة** یعنی "حنفیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جو فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے-" مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے رسالہ ص-۲۹ پر یہ لکھا ہے کہ خیرالقرون میں تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں بلا نکیر جاری رہی" پھر ترک تقلید شخصی کو باعث مفسدہ و تخریب دین کا بتایا ہے اور ص-۲۶ میں یہ کہا ہے کہ اقوال مفتی بہا امام ابوحنیفہ کا رد عین قول باری تعالیٰ یا قول رسول اللہ ﷺ کا رد ہو گا" اور ص-۲۴ میں ہے کہ "قیاس علماء مجتہدین کا قیاس رسول اللہ ﷺ کی نوع میں داخل ہے" اور اسی صفحہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "پس تقلید مفروض کو شرک کہنا' خود مشرک بننا ہے" نورا لہدایہ ص-۱۱ میں شرح عین العلم سے منقول ہے کہ **فلو التزم احد مذهبا کابی حنیفة والشافعی فلزم علیه الاستمرار فلا یقلد غیره فی مسئلة من المسائل** یعنی "اگر کسی نے کسی ایک امام مثلاً ابوحنیفہ یا شافعی کا مذہب اس کی تقلید کر کے اپنے اوپر لازم کر لیا تو ہمیشہ اسی مذہب پر قائم رہنا اس پر لازم ہوا-"

تفسیر احمدی ملاجیون میں ہے: **اذا التزم مذهبا يجب عليه ان يدوم على مذهب التزامه ولا ينتقل عنه الى مذهب آخر** یعنی "جب کسی ایک مذہب کا کسی نے التزام کر لیا تو ہمیشہ اسی مذہب پر رہنا اس پر واجب ہوا اور وہ اس مذہب سے دوسری مذہب کی طرف انتقال نہ کرے۔" ایسا مقلد حنفی امام ابوحنیفہ کے کسی قول کو رد کرے گا تو وہ ملعون قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ درمختار مصری جلد اول' ص-۴۷ میں یہ شعر ہے۔

فلعنة ربنا اعداد رمل
على من رد قول ابى حنيفه

یعنی جو شخص ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے گا' اس پر ریت کے ذروں برابر لعنت اللہ تعالٰی کی برسے گی۔ (نعوذ باللہ) اگر ایسا مقلد حنفی اپنا مذہب چھوڑ کر مذہب شافعی قبول کرے گا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ چنانچہ درمختار مصری جلد سوم کے باب التعزیر میں ہے کہ "**ارتحل الى مذهب الشافعى يعزر**" فتاویٰ قاضی خان کی پہلی جلد میں ہے کہ **يفتى بقولهم ولا يخالفهم برايه وان كان مجتهدا متقنا ولا ينظر الى قول من خالفهم ولا يقبل حجة** یعنی "اپنے مذہب کے فقہاء کے قول پر ہی فتویٰ دینا چاہیے' اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہ کرے۔ اگرچہ عالم مجتہد ہو اور ان فقہاء کے مخالف علماء کے اقوال کی طرف نہ دیکھے اور نہ ہی ان کی کسی مسئلہ میں دلیل قبول کرے۔"

اب ان تمام عبارتوں کا خلاصہ سنئے۔ تقلید شخصی فرض اصول اسلام سے ہے اور وہ خاص امام مجتہد کے اقوال اور اس کے شاگردوں پھر شاگردان شاگردوں کے نیچے تک تمام فقہاء کے اقوال کو بلا دلیل قبول کر کے ان کا التزام کر لینا ہے۔ اگر ابوحنیفہ کا اس طرح مقلد ہو گا تو اس کو حنفی کہیں گے۔ اس مقلد کا اپنے امام کے قول کو رد کرنا موجب لعنت ہو گا اور اگر یہ دوسرے مذہب میں جائے گا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ اس کو چاہیے کہ اپنے سلسلہ کے فقہاء کے اقوال کا پابند رہے' دوسرے کی بات بھی نہ سنے نہ دیکھے اور نہ اس کی دلیل پیش کردہ قبول کرے۔ ان فقہاء کی باتوں کو عین اللہ و رسول کی بات تصور کرے۔ اگر ان کو رد کرے گا تو ایسا ہے جیسا کہ اللہ اور رسول کی بات کو رد کر دیا کیونکہ مجتہدوں کا قیاس رسول اللہ ﷺ کے قیاس میں داخل

ہے۔ اگر تقلید شخصی چھوڑے گا تو اس کا دین خراب ہو جائے گا۔ چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا اس طرح ہو کر رہنا اہل سنت اور گروہ ناجیہ میں داخل ہونا ہے۔

اہل حدیث وہ ہے جو بلا تقلید کتاب و سنت پر اپنا عقیدہ و عمل اس طرح رکھے جس طرح آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام نے رکھا تھا اور اگر التزام ایک مذہب کا کر لیا تو تمام احادیث نبویہ پر عمل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ایک مذہب شخصی تمام احادیث نبویہ پر حاوی نہیں۔ چنانچہ میزان شعرانی ص۔۲۳ میں ہے: **لایکمل لمومن العمل بالشریعة کلها وهو تقلید بمذهب واحد ابدا** یعنی مومن جب ایک مذہب معین کا مقلد رہے تو وہ تمام شریعت محمدیہ پر پورا عمل نہیں کر سکتا۔ (اگر مذہب چھوڑ کر کرے گا تو مقلد نہ رہے گا غیر مقلد ہو جائے گا پھر اتفاق ہو سکتا ہے)

کشف الغمہ میں امام شعرانی نے یہ لکھا ہے کہ **والمذهب الواحد بلاشک لا یحتوی علی کل احادیث الشریعة** یعنی ایک مذہب مثلاً حنفی یا مالکی وغیرہ بلاشبہ تمام احادیث نبویہ پر حاوی نہیں ہے۔ اگر کوئی عامی عالم کتب حدیث پڑھ کر کسی حدیث کے خلاف مذہب کو لے گا تو واجب کا تارک ہو گا۔ چنانچہ نورا لہدایہ میں ہے جو تقریر شرح تحریر سے منقول ہے: **لیس للعامی الاخذ بظاهر الحدیث لجواز کونه مصروفا عن ظاهره او منسوخا بل علیه الرجوع الی الفقهاء لعدم الاهتداء فی حقه الی معرفة صحیح الاخبار وسقیمها وفاسخها ومنسوخها فاذا اعتمد کان تار کاللواجب علیه** یعنی "غیر مجتہد عامی عالم کے لیے ظاہر حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حدیث ظاہر سے پھیری گئی ہو یا منسوخ ہو بلکہ اس کو اپنے مذہب کے فقہاء کی طرف ہی رجوع رکھنا چاہیے کیونکہ خود اس کو صحیح حدیث اور ضعیف، ناسخ اور منسوخ کی پہچان نہیں۔ جب اس نے فقہاء پر اعتماد کر لیا تو اب وہ اس طرح کرنے سے واجب کا تارک ہو گا۔"

یہ اصولی اختلاف ہے یا فروعی؟ ان کے نزدیک تو اتفاق و اتحاد کی اصولی صورت صرف تقلید شخصی ہے۔ چنانچہ رسالہ القاسم دیوبند مطبوعہ جمادی الثانی سنہ۔۳۸ھ ص۔۲ میں ہے کہ "یہ ایک کھلا مسئلہ ہے کہ کوئی قوم بلااتفاق و اتحاد کے نہ ترقی کر سکتی ہے اور نہ اس کی ترقی قائم رہ سکتی ہے اور اتحاد و اتفاق بھی کسی قوم میں اس

وقت تک نہیں ہو سکتا جس وقت تک تمام قومی دائرہ کی حرکت ایک مرکز کے گرد نہ ہو اور اس کی تمام علمی جنبشوں کے تاروں کا ایک محور نہ ہو۔ اس لیے مسلمانوں کے اس اتحاد و اتفاق کی بقاء کے لیے لازم تھا کہ ان کو ایک مرکز کے گرد جمع کیا جائے۔"

تمام اہلحدیث علماء اس حنفی عالم کی تقریر پر غور کریں کہ اتفاق کی کس قدر خوبیاں بیان کر رہے ہیں اور اس کی حقیقت عیاں کر رہے ہیں لیکن اس اتفاق و اتحاد کی جو صورت بتلاتے ہیں وہ عجیب ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا والی حدیث پیش کر کے ان کی خلافت کے زمانوں کا اتحاد بیان کرتے ہوئے آخر منزل مقصود پر پہنچ کر یہ کہتے ہیں کہ "اس تقلید شخصی کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم محض اس لیے تھا کہ مسلمانوں سے اس اتفاق و اتحاد کی عمارت متزلزل نہ ہونے پائے ورنہ اگر مسلمانوں کو یہ اختیار دیا جاتا کہ وہ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے جو کچھ اپنی رائے سے سمجھیں اس پر عمل کریں اور اس میں تقلید نہ کریں تو پھر مسائل اور احکام میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے کیونکہ سمجھ کا اختلاف اور اس سے مذہب کا اختلاف انسانی سرشت کا لازم ہے"

پس میں کہتا ہوں کہ اہل حدیث حضرات اگر دیوبندی حضرات سے اتفاق کرنا چاہیں تو امام ابوحنیفہ کے مقلد ہو جائیں ورنہ قرآن و حدیث پر عمل کرنے سے کبھی اتحاد نہ ہو سکے گا۔ کما قال مدیر الرسالۃ۔ افسوس ہے کہ اس مقلد عالم کی فطرت تقلید شخصی نے کس قدر بے حس کر دی کہ قرآن و حدیث کی اتباع کی بجائے اقوال غیر کی تقلید حبل فی الجید کرنے کو اتفاق کا موجب قرار دے رہا ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا ان کو پاس نہیں

میزان شعرانی میں خود امام ابوحنیفہ کا یہ فرمان ہے کہ لم یزل الناس فی صلاح ما دام فیھم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا (جلد۔۱ ص۔۵۴) یعنی "لوگ ہمیشہ ہدایت اور صلاحیت پر رہیں گے جب تک ان میں حدیث کے طلبگار ہوں گے۔ جب حدیث چھوڑ کر اور علم طلب کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔" چنانچہ مقلدین نے قرآن و حدیث چھوڑ کر جب اقوال الرجال کا علم حاصل کرنا

شروع کیا اور مقلد ہوئے تو گمراہ ہو گئے۔

حجتہ اللہ البالغہ جلد۔۱' ص۔۱۴۲' ۱۴۳' ۱۴۴ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں عبارتوں کا خلاصہ لکھا جاتا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد دوسری قسم کے لوگ پیدا ہو گئے جو دائیں بائیں نکل گئے۔ وہ تقلید پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور تقلید شخصی ان کے دلوں میں چیونٹی کی سی ہلکی چال سے جا لگی اور وہ بے سمجھ تھے۔ تقلید پر ایسے اڑے کہ حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ یہ مذاہب (حنفی' شافعی وغیرہ) اور ان کے سخت متعصب مقلدین پیدا ہوئے جو ہر حالت میں اپنے امام کے مذہب پر تقلیدی رنگ میں چلتے رہے۔ اگرچہ مذہب امام کا دلائل شرعیہ سے دور ہوا' تاہم اس کا مقلد اس کی تقلید کرتا رہا۔ گویا وہ اس کو نبی مانتا ہے اور یہ دین حق سے دور رہنے کی صریح علامت ہے۔ ایسے رویہ کو کوئی صاحب عقل قبول کرنے پر رضامند نہ ہو گا۔"

میں کہتا ہوں کہ پہلے تو خود حنفی مذہب کے فقہاء متقدمین و متاخرین پر غور کریں کہ پہلے صاحبین کا امام ابوحنیفہ سے دو ثلث مذہب میں اختلاف ہے پھر زفر کا اختلاف ہے پھر متاخرین کا متقدمین سے اختلاف ہے پھر ایک ایک مسئلہ پر درجنوں قول ہیں جو باہم متضاد ہیں۔ کسی کا کسی قول پر فتویٰ ہے اور کسی کا کسی قول پر ہے۔ پھر کوئی شیعہ حنفی ہے اور کوئی مرجیہ حنفی ہے' کوئی جھیہ ہے اور کوئی معتزلہ حنفی ہے۔ جیسے اب کئی دیوبندی ہیں اور کئی بریلوی حنفی ہیں۔ کئی وجودی اتحادی ہیں' کئی نقشبندی قادری ہیں۔ کئی سہروردی' مجددی ہیں۔ سب کے عقائد اور اعمال میں فرق ہے۔ یہ سب تقلید شخصی کا کرشمہ ہے کہ پہلے امام پرستی ہوئی تو پھر پیر پرستی' ملا پرستی' نفس پرستی شروع ہوتے ہوئے تمام جہاں پر گمراہی چھا گئی۔ اس لیے مولانا رومی کے یہ شعر قابل غور ہیں۔

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آن خبیث
اگرچہ تقلید است استون جہاں
ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں

لیکن یہ یاد رہے کہ صاحبین وغیرہ ائمہ متقدمین کا اختلاف تو امام ابوحنیفہ سے

دلائل کی بنا پر ہوتا تھا اور چہارم صدی میں جب تقلید نے جمود پکڑا تو اختلاف فقہاء اہل رائے کے اقوال مختلفہ کی تقلید سے ہوا کہ کسی نے کسی کے قول پر فتویٰ دیا اور کسی نے کسی کے قول پر لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگردی سلسلہ سے باہر نہ گئے اور محور سب کا امام ابوحنیفہ ہی رہے۔ اس لیے تقلید قائم رہی لیکن اس تقلید سے باہمی اختلاف رفع نہ ہوا۔ پھر تقلید شخصی کا یہ انجام ہوا کہ مکہ مکرمہ میں چار مصلے بنے اور نمازوں میں افتراق پیدا ہوا۔ تقلید ہی کا یہ کرشمہ ہوا کہ حنفیوں نے اپنی کتابوں میں شافعیوں کی تردید کی اور شافعیوں نے حنفیوں کی اور محدثین نے ان سب کی تردید کر کے اصل حق کو چھان لیا۔ تقلید کے ظہور ہی سے یہ دستور ہوا کہ ہر ہر مذہب کے جدا جدا قاضی اور جدا فتوے اور جدا کتابیں تجویز کی گئیں اور جدا جدا مسجدیں اور جدا جدا ہر مذہب کے مدارس تعمیر کیے گئے۔ پھر ہر مذہب والوں نے اپنے اپنے اماموں کے ناموں سے ان کے مناقب میں روایات اختراع کیں اور رائے قیاس کے مسائل کو ثابت کرنے کے لیے موضوع روایتیں کتب فقہ میں داخل کیں۔ چنانچہ کتب فقہ مکروہ مسائل اور موضوع روایتوں سے بھرپور ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ کتب فقہ کے پڑھنے کا بڑا ثواب بیان کیا جاتا ہے۔

ہدایہ کے حق میں ان الهداية كالقرآن قد نسخت شعر لکھا گیا۔ درمختار و عالمگیری میں کتب فقہ کا سیکھنا قرآن سیکھنے سے افضل قرار دیا گیا اور درمختار کی بابت یہ لکھا گیا کہ باذن نبوی یہ تالیف ہوئی ہے اور آنحضور ﷺ نے اپنی زبان محمد علاؤ الدین مصنف درمختار کے منہ میں دی۔ اس کے بعد یہ کتاب لکھی گئی۔ (درمختار) اور یہ بھی لکھا ہے کہ درمختار کی اسناد آنحضور ﷺ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے۔ حالانکہ کتب فقہ کے کسی مسئلہ کی سند آنحضور ﷺ تو کیا امام ابوحنیفہ تک بھی نہیں پہنچتی۔ کیونکہ کتب فقہ مروجہ امام صاحب کے صدیوں بعد قال ابوحنيفة كذا عند ابی حنیفة لکھ کر تیار کی گئی ہیں جو بلا اسناد ہیں اور ناقابل استناد ہیں۔

اسی تقلید شخصی کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ کتب حدیث میں مقلدین نے ناجائز تصرف کیا کہ کہیں کسی باب کا اضافہ کر دیا' کہیں کوئی لفظ بڑھا دیا۔ کہیں سند میں تحریف کر دی' کہیں متن میں خیانت کی۔ یہ سب تقلید شخصی کو قائم رکھنے کے لیے پاپڑ بیلے گئے

ہیں۔ اب، انصاف سے بتایا جائے کہ مقلدین کا اختلاف اہلحدیث سے فرقہ بندی کا مستقل اختلاف ہے یا مثل صحابہ کے چند مسائل میں فروعی اختلاف ہے۔ صحابہ کے اختلاف کی مثل تو علماء اہلحدیث کا باہمی اختلاف ہے کہ بعض مسائل میں صرف فروعی ہے۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ زیور میں زکوۃ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔ لیکن اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں ہمارا اور مقلدین حنفیہ کا اصولی اور فروعی' اعتقادی اور عملی ہر طرح کا اختلاف ہے' جس کی تفصیل دوسرے مضمون میں انشاء اللہ کی جائے گی۔ اس مضمون میں صرف تقلیدی اختلاف نمایاں کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہمارا ان سے اتحاد نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اتحاد اسلامی کمیٹی کی طرح ایک عارضی اتفاق کر لیا جائے کہ باہمی تنازعات میں کچھ کمی ہو جائے اور مشترکہ امور دینی اور ملکی مسائل میں اشتراک عمل کر کے کوئی کام کیا جائے تو یہ ممکن ہے لیکن حقیقی اتفاق ہونا دشوار ہے۔

چنانچہ خود مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے ایک رسالہ "الاخوۃ" میں یہ فرمایا ہے کہ آج کل لوگوں نے اتفاق کا نام یاد کر لیا ہے اور اس کو مطلق محمود سمجھتے ہیں۔ حدود کی رعایت نہیں کرتے' یہ بالکل غلط ہے۔ پھر لکھا ہے کہ "ہم میں جو اخوت کا تعلق ہے' اس کی علامت ایمان ہے اور وہی اخوت مطلوب ہے۔ جس کی بنیاد ایمان پر ہو۔ صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق کو بقا نہیں' اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہے بلکہ ہوائے نفس یا معاصی پر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بہت جلد ہوا ہو جاتا ہے۔" اس کے حاشیہ پر جامع مضامین صاحب فرماتے ہیں کہ "یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو آج کل علماء دیوبند اور جماعت رضائیہ میں اتفاق کرانا چاہتے ہیں اور دونوں جماعتوں پر باہمی نااتفاقی کا الزام دہراتے ہیں کہ اسلام کو ضرر پہنچ رہا ہے۔ سبحان اللہ! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ایک شخص کے گھر پر چور ڈاکہ ڈالیں اور وہ ان پر دعویٰ کر دے تو دونوں فریق کو مجرم قرار دے کر دونوں کو اتفاق پر مجبور کیا جائے بلکہ اس صورت میں ہر عاقل چوروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مالک کا مال واپس کر کے اس سے اتحاد کریں۔ مالک کو اتحاد پر کوئی مجبور نہیں کرتا' نہ اس کو دعویٰ دائر

کرنے سے مجرم قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں علماء دیوبند کو جس جماعت سے اختلاف ہے' وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ دین پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور احکام میں تحریف کرتے ہیں۔ ان دونوں میں اتفاق کران کی صورت بھی ہے کہ اول حق و ناحق کو معلوم کیا جائے پھر جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے۔ یہ طریقہ نہایت غلط ہے کہ حق و باطل کی تعیین سے پہلے ہی دونوں فریق کو اتفاق پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہر ایک کو دبایا جاتا ہے۔ یہ اتفاق ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔" ص-۱۹ حاشیہ) پس ہمارے علماء اہلحدیث کو بھی اس اصول سے سبق حاصل کرنا چاہیے' یہ بالکل صحیح ہے۔ اب اگر آپ دیوبندی حضرات سے اتفاق کرنا چاہتے ہیں تو غور کرلیں کہ عمل بالحدیث بلا تقلید شخصی حق ہے یا تقلید شخصی کے واسطہ سے؟ اگر شق اول ہے تو علماء دیوبند کو ترک تقلید کی تلقین کر کے عمل بالحدیث کی طرف دعوت دیں کہ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم اور اگر تقلید شخصی حق ہے تو پھر آپ ان میں جذب ہو کر اتفاق کرلیں۔ اگر دونوں صورتوں پر عمل ناممکن ہے تو پھر امتیاز کرلیں کہ ٹھیٹھ اسلام اور فرقہ ناجیہ کے حقیقی مسلک پر کون فریق قائم ہے اور کون نہیں ہے۔

میں یہ دعویٰ سے کہتا ہوں کہ علماء دیوبندی بریلویوں سے تو اتفاق کر سکتے ہیں کیونکہ یہ فروع میں سب حنفی ہیں اور عقائد بھی ان کے آخر انجام قریب قریب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حنفی مذہب میں پہلے گمراہ فرقے مل کر فقہی مسائل کو ترقی دیتے رہے ہیں۔ تفسیر کشاف کا مؤلف معتزلی تھا۔ ناصر بن عبدالسید معتزلی تھا۔ مؤلف قنیہ معتزلی تھا۔ امام زاہدی معتزلی تھا۔ عالم ربانی نے غنیہ میں حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے۔ اس مذہب میں کئی لوگ مرجیہ بھی ہوئے ہیں' جہمیہ بھی ہوئے ہیں' شیعہ بھی ہوئے ہیں۔ جیسے مولانا لکھنوی نے اس کی تصریح کی ہے تو دیوبندی اور بریلوی باہم اتفاق کر سکتے ہیں اور اہلحدیث کے مقابلہ میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ شغار میں ہمارے مقابلہ میں ڈیرہ نواب ریاست بہاولپور میں دیوبندی اور بریلوی حضرات نے مل کر اتفاق قائم کیا اور مقدمہ لڑا اور عدالت میں مولانا خیر محمد صاحب دیوبندی جالندھری نے یہ بیان دیا کہ ہم دیوبندی اور بریلوی ایک مذہب حنفی کی دو شاخیں ہیں۔ ہمارا فروعی کچھ اختلاف ہے۔ ہم میں جو لوگ تکفیر کرتے ہیں یہ غلو اور تعصب ہے۔

دراصل ہم آپس میں مذہبی بھائی ہیں اور اہلحدیث ہندوستان میں کل کی پیداوار ہیں۔ جب سے ان کا مولوی سید نذیر حسین دہلی میں آیا تھا' ہمارا مذہب قدیم ہے۔ جب دیوبندیوں کے یہ خیالات ہیں تو پھر اتحاد کس طرح ہو سکے گا۔ آپ اس کی صورت تجویز فرمائیں' والسلام

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

الارشاد جدید کراچی جلد۔۸' شمارہ۔۱۹ بمطابق یکم اگست ۱۹۶۰ء

اتفاق و اتحاد کی حقیقت

قابل توجہ علمائے کرام

الاعتصام مطبوعہ ۱۱؍ اپریل سنہ۔۱۹۵۸ء میں ایک مضمون بعنوان "اہل حدیث اور دیوبندی حضرات میں اتحاد کی ضرورت" شائع ہوا ہے۔ جس کے مضمون نگار مولانا محمد صاحب لکھوی مدظلہ العالی ہیں جو میرے لیے نہایت ہی واجب الاحترام بزرگ ہیں۔

مولانا نے اس خادم سے خطاب فرماتے ہوئے جو ارشادات تحریر فرمائے ہیں' ان کا بے حد شکر گذار ہوں۔ مجھے آپ سے حسن عقیدت ہے لیکن بندہ کا شرعی مسلک تحقیق ہے۔ محض حسن عقیدت سے کسی کی ہر بات کو بلا غور و فکر اور بغیر دلیل کے قبول کر لینا میرا مسلک نہیں بلکہ یہ تقلید ہے۔

مولانا نے اہلحدیث اور دیوبندی حضرات کے مابین اتحاد کی ضرورت ظاہر فرمائی ہے جو نفس مسئلہ کی رو سے بالکل صحیح اور صواب ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ دن لائے کہ دونوں میں کامل اتحاد ہو جائے اور پھر ہم ایک دوسرے سے یہ کہیں کہ۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

لیکن پہلے آپ اور دیگر علماء اتحاد کا معنی اور اس کی حقیقت اور پھر اصول اتحاد پر ذرا غور کر لیں کہ یہ پہلے ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ پس پہلے میں اتحاد اور اتفاق کا فرق ظاہر کرتا ہوں تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو سکے کہ اتحاد کسے کہتے ہیں اور اتفاق کسے؟ عرف عام میں اگرچہ یہ ہر دو لفظ مترادف سمجھ کر ایک ساتھ بولے جا رہے ہیں لیکن لغت اور اصطلاح میں ان دونوں میں فرق ہے۔ اتفاق کا معنی ہے موافقت کرنا اور ایک دوسرے کے قریب ہونا۔ اتفق الرجلان علی الشئی وفیہ یعنی دو مردوں نے کسی شئی پر باہم موافقت کر لی۔

پس اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ چند شخصوں کا اپنی اپنی نوعیت یا شخصیت پر قائم رہ کر کسی مشترک غرض میں ملنا۔ اس کی مثال آزادی حاصل کرنے کی غرض سے مسلمان

اور ہندو کا اتفاق کرنا ہے اور پاکستان بنانے کے لیے تمام اسلامی فرقوں کا باہم اتفاق کر کے کام کرنا ہے کہ سب لوگ اپنی اپنی نوعیت پر قائم رہ کر مشترک غرض میں مل گئے اور کام کر کے کامیاب ہو گئے اور اس مشترکہ غرض میں ایک دوسرے کے ایسے قریب ہوئے کہ کسی نے کسی سے کوئی مذہبی تعرض نہیں کیا۔ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے مسلک پر عمل بھی کرتے رہے اور باہم اتفاق کر لیا۔ مثلاً تمام فرقے پاکستان کو ترقی دینے اور تنزل سے بچانے اور مخالف کے حملہ کو روکنے پر اتفاق کر سکتے ہیں اور اپنے اپنے مذہب پر قائم بھی رہ سکتے ہیں تو اس کا نام اتفاق ہے۔ اس طرح اہلحدیث اور دیوبندی حنفی مشترکہ مسائل میں اتفاق کر کے شرک و بدعت اور اہل شرک و اہل بدعت کی تردید کر کے توحید و سنت کی اشاعت کریں تو یہ ممکن ہے اور اس کا نام فریقین کا اتفاق ہے۔

اس کی مثال ایک واقعہ سے سنئے کہ عدالت ڈیرہ نواب ریاست بہاولپور میں نکاح بٹہ کا ایک مقدمہ سنہ ۵۱ء و سنہ ۵۲ء میں چلتا رہا ہے' جس میں دونوں فریق مقابلہ کرتے تھے۔ ایک اہل حدیث' دوسرا حنفی۔ علماء اہلحدیث کے مقابلہ میں جو حنفی علماء آئے' وہ آٹھ دس ہوں گے' جن میں بعض دیوبندی تھے۔ جیسے مولانا خیر محمد صاحب جالندھری وغیرہ اور بعض بریلوی تھے' جیسے مولانا محمد صادق صاحب احمد پور شرقیہ وغیرہ۔ دیوبندی و بریلوی تخالف سب دنیا پر ظاہر ہے۔ مگر انہوں نے ایک غرض مشترک میں اتفاق کر لیا کہ نکاح بٹہ حنفی مذہب میں حلال ہے۔ لہٰذا زوجین متخاصمین کا نکاح قائم رہنا چاہیے۔ چونکہ ہماری حکومت حنفی ہے' اس لیے اسی کے موافق فیصلہ ہونا چاہیے۔ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے جو مذاہب اربعہ کے بعد فلاں سن میں پیدا ہوا ہے۔ علماء اہل حدیث کی طرف سے سوال کیا گیا کہ دیوبندی اور بریلوی یہ ایک فرقہ ہیں یا دو فرقے ہیں اور یہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں یا نہیں؟ تو مولانا خیر محمد جالندھری' دیوبندی مہتمم خیرالمدارس ملتان نے جواب دیا کہ دونوں گروہ ایک ہی مذہب کی دو شاخیں ہیں۔ صرف فروعی اختلاف ہے جو چند مسائل میں ہے۔ ہم ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے۔ یہ صرف بعض غالیوں کا غلو ہے جن کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ روایت بالمعنی ہے۔ اصل بیانات مسل مقدمہ میں بالفاظہ درج ہیں جن کا مفہوم یہی ہے۔ بندہ

اس مقدمہ میں شریک تھا اور میرے اس بیان پر علما روپڑ شاہد عدل ہیں۔ بس اس طرح مولانا محمد صاحب اور علماء جمعیت اہل حدیث اگر دیوبندی حنفیوں سے اتفاق رکھ کر کسی مشترک غرض میں کام کریں تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ بلکہ اگر تعصب اور جوش تکفیر کو ختم کر کے علماء بریلوی بھی آپ ہر دو حضرات (اہل حدیث اور دیوبندی حنفیہ) سے اتفاق پیدا کر لیں تو ہمارا اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اگرچہ شرکیہ اور بدعیہ امور میں موحدین کو اور مسئلہ توحید اور مسنونہ امور میں اہل بدعت بریلویوں کو مداہنت فی الدین اختیار کرنی پڑے گی لیکن اس کو ضرورت اتفاق کی خاطر برداشت کر لیں اور یہ قانون مسلمہ پیش کر دیں کہ الضرورت تبیح المحظورات ایسے اتفاق پر شاید علماء بریلوی تو تیار نہ ہوں کیونکہ ان کو اپنے مذہب پر جمود سے کامل ہے۔ ہاں ہمارے علماء اہلحدیث تو تیار ہو جائیں گے، کیونکہ بعض تو پہلے ہی بریلویوں کو ان کے شرکیہ عقائد و کفریہ اعمال کی وجہ سے خارج از اسلام نہیں کہتے۔ صرف اہل بدعت اور گمراہ کہتے ہیں۔ مگر ان سے مناکحت جائز اور ان کی اقتداء درست کہتے ہیں اور ان کو ابتداء" ناجی نہیں کہتے اور انتہاء" ناجی جانتے ہیں اور بعض گو ان کی تکفیر کرتے ہیں، مگر اتفاق کے لیے وہ بھی نرم ہو جائیں گے۔ ہاں ایک جماعت غربا اہلحدیث ہے، جو بہت متشدد ہے۔ شاید وہ کسی سے بھی نہ کریں مگر وہ معدودے چند ہیں۔ بہرحال اتفاق کا معنی یہ ہے کہ اپنی نوعیت پر ہر ایک کا قائم رہ کر دوسروں سے غیر مشترکہ میں مل جانا اور مل کر کام کرنا لیکن اس میں بھی اپنے اپنے مسلک سے کچھ کچھ ہٹ کر ایک دوسرے کے قریب ہونا پڑتا ہے۔

اتحاد کا معنی ⇦ اتحاد کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز سے گھل مل کر ایک ہو جانا، کہا جاتا ہے کہ اتحد الشیئان یعنی دو چیزیں مل کر ایک بن گئیں۔ ایک چیز جب دوسری سے مل گھل کر ایک ہو گئی تو اب اس کو دو چیزیں نہ کہیں گے۔ ایک کہیں گے، جیسے آٹا اور پانی کو ملا کر گوندھا اور اس کی روٹی پکا دی تو اب روٹی ایک چیز ہے، اس کو آٹا اور پانی نہ کہیں گے۔ اس میں ہر چیز کے اجزاء فنا ہو کر دوسری چیز سے ایسے مل جاتے ہیں کہ وحدت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور وہ باہم کر یوں پکارتے ہیں کہ۔

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا ہرڑ، بھیڑہ، آملہ، نمک وغیرہ کو ملا کر کوٹا اور خوب پیس کر سفوف بنا لیا اور وہ ایک چیز ہو گئی تو یہ ان کا اتحاد ہے۔ آج جو ایک دوسرے سے اتحاد کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ اس مطلب کی رو سے غلط ہے۔ دو فرقے اپنے اپنے مسلک پر قائم رہ کر اتحاد کبھی نہیں کر سکتے۔ ہاں اتفاق کر سکتے ہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ اہل حدیث دیوبندی حنفیوں سے اتحاد کریں۔ وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ اہل حدیث اپنا مسلک اور نوعی امتیاز چھوڑ کر حنفی مقلد بن جائیں۔ ایسا اتحاد سراسر باطل ہے جس کو کوئی حقیقی معنوں میں اہل حدیث کہلانے والا قبول نہ کرے گا۔ مذہب اہل حدیث اور دیوبندی حنفیوں میں بہت فرق ہے اور ان میں اصولی اور فروعی اختلاف کثیر ہیں۔ خصوصاً تقلید شخصی اور التزام تعیین مذہب وہ حد فاصل ہے جو اتحاد کو سخت مانع ہے۔ غالباً ایسا اتحاد علماء دیوبند بھی کبھی منظور نہ کریں گے کیونکہ یہ اصول کے خلاف ہے۔

چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے وعظ المسمی بالاخوۃ کے ص-۱۶ تا ص-۲۰ میں اصول اتحاد و اتفاق پر بحث کی ہے، جس میں راقم الحروف بھی ان سے متفق الرائے ہے۔ چنانچہ چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"آج کل لوگوں نے اتفاق کا نام یاد کر لیا ہے اور اس کو مطلقاً" محمود سمجھتے ہیں۔ حدود کی رعایت نہیں کرتے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ شریعت میں نماز تک کے لیے تو حدود ہیں تو اتحاد کے لیے حدود کیوں نہ ہوں گی اور ان حدود کے خلاف جو اتحاد ہو، وہ مذموم کیوں نہ ہو گا۔ پس اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں، اس کو علی الاطلاق محمود کہنا اتحاد کا بیضہ ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول و حدود بیان نہیں کئے جاتے۔ پس خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ سے نااتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا مذموم اور نہایت مذموم ہے۔ پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جائے۔ جس میں اتحاد کے لیے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے۔

صاحبو! جیسے اتفاق مستحسن ہے، ایسے ہی کبھی نااتفاقی بھی مستحسن ہے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام چھوڑنے پر اتفاق کریں، ان کے ساتھ نااتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود

ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح بھی ہو صلح کرا دو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ۔

بعض لوگ صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہوا' فوراً دونوں کا مصافحہ کرا دیا' چاہے فریقین کے دل میں کچھ ہی بھرا ہوا ہو' میں کبھی ایسا نہیں کرتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو' ورنہ بدوں اصلاح معاملہ کے مصافحہ محض بیکار ہے۔ اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد مکافحہ شروع ہو جاتا ہے یعنی مقاتلہ۔ بہرحال اصلاح کے نہ یہ معنی ہیں کہ صاحب حق کو دیا جائے' نہ یہ معنی ہیں کہ محض مصافحہ کرا دیا جائے بلکہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کیا جائے۔ اس پر فریقین اتفاق کر لیں تو خیر' ورنہ اس اتفاق کی طرف لانے کے لیے فریق مبطل سے نااتفاقی اور قتل کا حکم ہے۔

پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں انما المؤمنون اخوۃ "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت و صفت مومن پر مرتب فرمایا ہے' تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت کا تعلق ہے' اس کی علت ایمان ہے اور وہی اخوت مطلوب ہے' جس کی بنیاد ایمان پر ہو۔

صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق کو بقا نہیں' اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس یا معاصی پر ہوتی ہے' وہ بہت جلد ہوا ہو جاتا ہے' انتہٰی۔

ان ملفوظات میں اتفاق بمعنی اتحاد ہے' ورنہ ظاہری اتفاق تو علماء دیوبند نے کانگریس کے ہندو مشرکین کے ساتھ بھی قائم رکھا ہے۔ اس تقریر سے یہ امور ظاہر ہوئے کہ ہر اتحاد و اتفاق محمود نہیں۔ بعض محمود اور بعض مذموم ہے' جو اتحاد حدود شرعی کے اندر اصولی لحاظ سے ہو' وہ محمود ہے اور جو اس کے خلاف ہو' وہ مذموم ہے۔ اتفاق محمود کو بقاء ہے اور اتفاق مذموم عارضی ہوتا ہے' جو بالآخر فنا ہو جاتا ہے۔ اس کو بقاء نہیں ہے۔

دوسرا امر یہ کہ جس اتفاق و اتحاد میں احکام کتاب و سنت کو چھوڑنا پڑے وہ مذموم ہے۔ ایسی حالت میں نااتفاقی ہی مستحسن بلکہ واجب ہے۔ پس جو لوگ عمل بالحدیث کے

مقابلہ میں عمل بالتقلید رکھیں گے' ان سے اتفاق ناممکن ہے اور نااتفاقی لازمی ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ دو فریق میں اتفاق و اتحاد قائم کرنا ہو تو بنائے مخاصمت پر غور کر کے اصل معاملہ کی اصلاح کرنی چاہیے۔ مثلاً ایک تقلید کو فرض کہتا ہے اور دوسرا ناجائز قرار دیتا ہے تو پہلے فریقین کا مسئلہ تقلید میں تصفیہ کرا دیں ورنہ بدوں اس اصلاح کے فریقین کے دلوں کا غبار دور نہ ہو گا۔ جب مسائل حدیث و فقہ کا ٹکراؤ ہوا اور تعارض پیش آیا تو بقول مولانا اشرف علی صاحب یہ اتفاق کا مصافحہ مکافحہ بن جائے گا اور دونوں میں مقاتلہ شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائی کا طرز عمل اب تک جدا جدا چلا آیا ہے اور بیان مسائل میں ان کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ معیار الحق شائع ہوئی تو اس کا رد کیا گیا۔ ظفر المبین شائع ہوئی تو فتح المبین میں اس کا رد کیا گیا۔ اسی طرح آپ اکابر اہل حدیث اور اکابر حنفیہ مقلدین کی کتابیں پڑھ کر دیکھیں کہ اتحاد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کا اختلاف کیوں چلا آیا ہے اور بنائے مخاصمت کیا ہے؟ اور کیا اس بنائے مخاصمت کو منہدم کئے بغیر دونوں فریق میں مصالحت اور اتحاد ہو سکتا ہے؟

پس پہلے آپ دیوبندی اور بریلوی نزاع اور اتفاق کی حقیقت سن لیں اور اس سے سبق حاصل کر لیں۔ پھر اہلحدیث اور دیوبندی اتحاد پر غور کر لیا جائے گا۔ مولانا اشرف علی صاحب کے اس مضمون پر ناشر رسالہ نے ص-۱۹ پر حاشیہ دیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> "یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو آج کل علماء دیوبند اور جماعت رضائیہ میں اتفاق کرانا چاہتے ہیں اور دونوں جماعتوں پر باہمی نااتفاقی کا الزام دھرتے ہیں کہ اسلام کو ضرر پہنچ رہا ہے۔ سبحان اللہ! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ایک شخص کے گھر پر چور ڈاکہ ڈالیں اور وہ ان پر دعویٰ کر دے تو دونوں فریق کو نااتفاقی کا مجرم قرار دے کر دونوں کو اتفاق پر مجبور کیا جائے بلکہ اس صورت میں ہر عاقل چوروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مالک کا مال واپس کر کے اس سے اتحاد کریں' مالک کو اتحاد پر کوئی مجبور نہیں کرتا' نہ اس کو دعویٰ دائر کرنے سے مجرم قرار دیتا ہے۔ اسی طرح

اس صورت میں علماء دیوبند کو جس جماعت سے اختلاف ہے' وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ دین پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور احکام تمین تحریف کرتے ہیں۔ ان دونوں میں اتفاق کرانے کی صورت یہی ہے کہ اول حق و ناحق کو معلوم کیا جائے پھر جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے۔ طریقہ نہایت غلط ہے کہ حق و باطل کی تعیین سے پہلے ہی دونوں فریق کو اتفاق پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہر ایک کو دبایا جاتا ہے۔ یہ اتفاق ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔"

یہ بات سولہ آنہ صحیح ہے۔ پس اسی طرح اہل حدیث کا مسلک سلف صالحین کی طرح بلا تعیین مذہبی و تقلید شخصی کتاب و سنت پر عقیدہ و عمل رکھنا ہے۔ قرون ثلاثہ میں اسی پر اجماع رہا۔ بعد میں تقلید شخصی پیدا ہو کر چوتھی صدی میں فرقہ بندی ہو گئی' جس سے اتفاق و اتحاد نہ رہا بلکہ فتنہ عظیم پیدا ہو کر بیت اللہ کے چار حصے کئے گئے جو فعل زبوں اور مذموم تھا۔ پس مقلدین سے اتحاد قائم کرنے کے لیے پہلے تقلید شخصی کا صفایا کرنا' پھر اہل حدیث کی طرح کتاب و سنت کو مشعل راہ بنانا ضروری ہے'

تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم۔

میری اس تقریر و توضیح سے صرف اتفاق و اتحاد کا مطلب اور مقصد اور اس کا امکان و غیر امکان اور اس کا اصول معلوم ہوا ہے۔ اب بندہ اختلاف مذہبی کے اقسام اصولی اور فروعی' اختلاف حقیقی و غیر حقیقی اور فریقین میں جو بنائے مخاصمت ہے' اس کی تفصیل اور فریقین کے مسلمہ اصولی و فروعی مسائل امتیازی اور ان پر اتفاق کی صورت اور مولانا محمد صاحب کے مضمون پر ریمارک کرنا چاہتا ہے۔ یہ مضمون مفصل ہو گا جو کئی قسطوں پر درج ہو سکے گا لیکن علمی اور دلچسپ ہو گا۔ اب اس کے لیے حضرت مدیر مدظلہ العالی کی اجازت درکار اور مطلوب ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۰' شمارہ ۲۵' ۲۶' بمطابق ۲۷ جون و ۸ جولائی سنہ ۱۹۵۸ء

احناف دیوبندی فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں ہیں؟

قابل توجہ مولانا ابوالقاسم صاحب قدسی

نائب مدیر توحید امرتسر دام اقبالہ

اخبار تنظیم مطبوعہ ۱۴؍ ذیقعد سنہ۔۱۳۵۲ھ میں عنوان "الاستفتاء" کے تحت چند سوالات کے جوابات درج تھے۔ جو اکثر میرے نزدیک صحیح ہیں۔ صرف ایک دو میں مجھے کلام ہے۔ میں ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ دوسرے کے ضمن میں آجائے گا۔ مولانا ابوالقاسم صاحب سلمہ ربہ نے جماعت حنفیہ دیوبندیہ کو فرقہ ناجیہ میں داخل کیا ہے اور ان کے اختلاف کو سلف صالحین کے بعض واقعات اختلافیہ کے مشابہ قرار دیا ہے اور جماعت حنفیہ کے متعصب افراد کو جو حدیث شریف سے انتہائی بے اعتنائی کرتے ہیں۔ اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ مولانا ممدوح نے فرقہ ناجیہ کی تعریف اور فرقہ بندی کی حقیقت پر بامعان نظر غور نہیں فرمایا۔ کمترین راقم الحروف مولانا موصوف کی خدمت بابرکت میں نہایت ادب سے گذارش کرتا ہے کہ اس مسئلہ پر دوبارہ سہ بارہ غور فرمائیں اور مندرجہ ذیل امور کو ضرور پیش نظر رکھیں۔ تاکہ اصل مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالی جاسکے۔ (رایت احد عشر کوکبا)

(ا) یہ کہ فرقہ حنفیہ سے مراد وہ جماعت ہے جو احکام منصوصہ اور غیر منصوصہ میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتی ہے۔ تمام جماعت کا یہ اعتقاد اور عمل ہے کہ قرآن و حدیث پر بلا واسطہ ہمارے امام کے ہم کو عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قرآن و حدیث سے بلا توسط امام مسئلہ لیا گیا تو ترک کرنا تقلید کا لازم آئے گا اور ترک کرنا تقلید کا ناجائز ہے۔ کیونکہ تقلید واجب ہے اور ترک تقلید شیطان کا مذہب ہے جو حرام ہے۔ چنانچہ اخبار العدل میں مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی کی طرف سے اس کی تصریح ہو چکی ہے۔ جس پر تمام علماء دیوبند نے سکوت کیا ہے اور کتب فقہ میں بھی علی الاطلاق امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو "درمختار" وغیرہ۔ بلکہ جو شخص مذہب سے خروج کرے اس پر تعزیر کا حکم عائد کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے **فلعنة ربنا اعداد رمل، علی من رد قول ابی حنیفة** یعنی جو شخص ابوحنیفہ کا قول رد کرے

اس پر بقدر شمار ریت کے لعنت ہمارے رب کی نازل ہو۔ (درمختار) اعاذنا اللّٰہ منہ پھر علماء حنفیہ نے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی بلکہ شاگردان شاگرد لوگوں کی فہرست کتب فقہ میں تیار کی ہے اور کہا ہے کہ اصول اور فروع میں ان ائمہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ پھر کہا ہے کہ جو کچھ کتب فقہ میں امام صاحب اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے وہ سب امام صاحب ہی کا مذہب ہے۔ اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ ان سے خروج کرنا جرم ہے۔ پس جو لوگ نبی ﷺ کے سوا کسی ایسے شخص کی بات کو جس کی تابعداری پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو۔ اس حیثیت سے مانتے ہوں کہ اس کی بات ہمارے لیے مسئلہ اسلامی ہے۔ یہ جو کہتا ہے حق ہے۔ اسی ایک کی ہر بات ماننا ہم مقلدین پر ضروری ہے۔ ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ قرآن و حدیث پر بغیر واسطہ اپنے امام کے عمل درآمد کریں۔ اس ہمارے پیشوا کے سوا کسی اور میں یہ درجہ نہیں ہے کہ ہم اس کو چھوڑ کر اس کی تقلید کریں بلکہ اس ایک کے سوا دوسرے کی بات ماننا غیر مقلدی ہے۔ بس وہ فرقہ ناجیہ میں ہرگز داخل نہیں ہیں۔ **کما لا یخفٰی علی اھل الحدیث فمن ادعی خلاف ذالک فعلیه البیان بالبرھان** ہاں جو لوگ یہ اعتقاد اور عمل نہیں رکھتے' ان کو ہم فرقہ ناجیہ میں داخل جانتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات ہے کہ ہم ان کو حنفی اور مقلدین شخص واحد کے نہیں جانتے۔ **فتنکر**۔

(۲) اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ احناف دیوبندی تقلید شخصی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ تقلید ایک ہی امام کی جمیع مسائل شرعیہ میں واجب بلکہ فرض ہے اور اجتہاد ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا۔ اب ان کے بعد کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کی تقلید چھوڑنا یا ان کے سوا کسی اور امام کی تقلید کرنا خرق اجماع ہے اور فرقہ ناجیہ ان چار اماموں کے مذاہب میں منحصر ہے جو شخص ان چاروں سے باہر ہے وہ فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں ہے بلکہ اہل ہواء ہے۔ چنانچہ جماعت حنفیہ دیوبندیہ کے رکن اعظم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جن کے ہاتھ پر اکثر علماء دیوبند بیعت کر کے دیہات میں جمعہ ترک کر رہے ہیں' وہ اپنے رسالہ مجموعہ کے طرس عاشر میں فرماتے ہیں: **واما المذاھب فاھل الحق منھم اھل السنة والجماعته المنحصرون باجماع من یعتدبھم فی الحنفیة والشافعیة والمالکیة والحنابلة واھل الاھواء منھم غیر**

المقلدين يدعون اتباع الحديث وانى لهم ذالک انتہٰی یعنی مذاہب میں سے اہل حق اہل السنت والجماعت ہیں جو اجماعاً" حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلیہ میں منحصر ہیں۔ اہل ہواء میں سے غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کے مدعی ہیں۔ لیکن اتباع حدیث ان کو کہاں نصیب! پس جو لوگ یہ عقیدہ اور عمل رکھیں وہ بلا شک گمراہ ہیں' کیونکہ تقلید شخصی قرون ثلاثہ کے بعد قرن رابع میں حادث ہوئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم حجتہ اللہ میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان الناس کانوا قبل المامه الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه انتہٰی یعنی جان لے یہ بات کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ مذہب معین کی تقلید خالص پر جمع نہ تھے۔

اعلام الموقعین میں ہے' انما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع المذمومة على لسانه صلعم انتہٰی یعنی یہ تقلیدی بدعت چوتھی صدی میں جاری ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس کی مذمت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی بستان المحدثین کے ترجمے میں لکھا ہے کہ امام مالک کے زمانہ تک ایک مذہب کی تقلید راسخ نہ ہوئی تھی۔ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ تقلید شخصی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔ جس کا ظہور چہارم صدی میں ہوا ہے تو پھر اس بدعت کے مرتکبین فرقہ ناجیہ میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں؟ ان هذا لشئی عجاب۔

(۳) فرقہ حنفیہ ایک مستقل فرقہ ہے۔ ان کا اختلاف محدثین سے اصولاً" اور فروعاً" چلا آرہا ہے۔ یہ کہنا کہ ان کا اختلاف سلف صالحین کے باہمی اختلاف کے مشابہ ہے' سخت غلطی ہے۔ صحابہ کا اختلاف یا تو اجتہادی تھا یا عدم بلوغ حدیث کی وجہ سے تھا یا ترجیح دلائل کی وجہ سے تھا۔ صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ تقلید شخصی کے مرتکب ہو کر ادلہ شرعیہ کو ترک نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی وہ حمایت مذہب کرتے ہوئے احادیث صحیح کی تاویلیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی وہ مسائل میں کسی ایک انسان کے مقلد تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص-۶۰ پر فرماتے ہیں: وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطا انتہٰی۔ یعنی صحابہ اور تابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان

کو حدیث پہنچتی تو اس پر عمل کر لیا کرتے تھے۔ بغیر اس کے کہ کسی شرط کی رعایت کریں۔ پھر شاہ صاحب ممدوح عقد الجید میں فرماتے ہیں: وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم عن اخرهم واجماع التابعين اولهم عن اخرهم واجماع تبع التابعين اولهم عن اخرهم على الامتناع والمنع من ان يقصد احد الى قول انسان منهم او من قبلهم فياخذه كله انتهى یعنی بیشک تمام صحابہ کا اجماع اول سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اور تبع تابعین کا اجماع اول سے آخر تک۔ اس بات سے روکنے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا اپنے سابقین میں سے کسی انسان کے قول کی طرف رجوع کرے۔ پھر آپ کے تمام قول لے لے۔ اب احناف دیوبندی اصول فقہ اور کتب فقہ پڑھ کر بغیر اس کے کہ اپنے مذہب کی رعایت کریں' عمل حدیث کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جہاں تک ان کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا گیا ہے اور مواعظ اور مباحث میں ان کی اعتقادی اور عملی حالت کا مشاہدہ کیا گیا ہے' یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ حدیث صحیح پر بلا شرط عمل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خبر واحد وغیرہ کا عموم قرآن سے مقابلہ کر کے ترک کرنے پر بلکہ قیاس کے مقابلہ میں بھی صحابہ کی روایت کو غیر فقیہ کی قرار دے کر چھوڑ دینے پر حنفیہ کا ہمیشہ سے عمل در آمد چلا آتا ہے اور وہ ایسے اصول مقرر کر چکے ہیں جن کی تردید محدثین قرناً" بعد قرن کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پھر اس فرقہ کو فرقہ ناجیہ میں داخل کرنا خواہ مخواہ کی سینہ زوری ہے جو اپنے ہمعصر لوگوں کی رعایت پر مبنی ہے۔

(۴) نہ یہ کہ فرقہ حنفیہ کا اہلحدیث سے فروعی اختلاف ہے بلکہ اعتقادی اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر اور شرح فقہ اکبر اور دیگر کتب فقہ میں یہ مسئلہ درج ہے کہ ایمان اہل آسمان اور اہل زمین کا یکساں برابر ہے۔ نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ ملائکہ اور انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا ایمان اور فساق و فجار تارکین ارکان اسلام جو محض توحید و رسالت کا زبانی اقرار اور تصدیق رکھتے ہیں' ان کا ایمان برابر ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان فاسق عام فرشتوں سے افضل ہے۔ جو اہل قبلہ صحابہ کو گالی دینا جائز سمجھے وہ کافر نہیں۔ جو لوگ اللہ کی صفات اور دیدار کے منکر ہیں وہ کافر نہیں اور حدیث مشہور کا منکر کافر نہیں' وغیرہ وغیرہ۔ (درمختار)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام عقیدہ اہل سنت ہے۔ اس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں کہ هذا مذاهب اهل العلم واصحاب الاثر واهل السنة المتسكين بعروتها المعروفين بها المقتدى بهم فيها من لدن اصحاب النبى صلعم الى يومنا هذا و ادركت من علماء الحجاز والشام وغيرهم عليها فمن خالف شيئا من هذا لمذاهب او طعن فيها او عاب قائلها فهو مخالف مبتدع وخارج عن الجماعة زائل عن منهج السنة وسبيل الحق انتهٰى یعنی جملہ اہل علم اور اہلحدیث اور اہل سنت کا جو کہ سنت کی رسی مضبوط پکڑنے والے ہیں اور اس کے ساتھ مشہور ہیں، جن کی اس بارے میں اقتداء کی جاتی ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک یہ مذہب ہے اور اسی مذہب پر میں نے حجاز اور شام اور دوسری جگہ کے علماء کو پایا ہے۔ پس جو کوئی شخص ان عقیدوں میں سے کسی ایک عقیدہ کا بھی خلاف کرے یا اس پر طعنہ دے یا اس کے قائل کو عیب لگائے تو وہ مخالف بدعتی ہے اور اہل حدیث اور اہل سنت سے خارج ہے۔ پھر امام صاحب ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے سب عقائد سے اول نمبر مسئلہ ایمان بیان کیا ہے کہ ان الايمان قول و عمل نية وتمسك بالسنة والايمان يزيد وينقص فقد قال بقول المرجئة ومن زعم ان ايمانه كايمان جبرائيل او الرسول صلعم او الملائكة فهو جهمى یعنی جو شخص کہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں، اس نے مرجیہ کی بات کہی اور جو شخص یہ کہے کہ اس کا ایمان اور جبرائیل کا ایمان یکساں برابر ہے یا اس کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فرشتوں کے برابر ہے وہ جہمیہ ہے۔

ایک نسخہ میں یہ عبارت بھی ہے: ومن زعم ان الايمان قول بلا عمل فهو مرجئى یعنی جو شخص یہ کہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے، بغیر عمل کے وہ مرجیہ ہے پھر ایک جگہ لکھا ہے والمرجئة وهم الذين يرعمون ان الايمان مجرد تصديق وان الناس لا يتفاضلون فى الايمان وان ايمانهم وايمان الملائكة والانبياء صلوات الله وسلامه عليهم واحد وان الايمان لا يزيد ولا ينقص وان الايمان ليس فيه استثناء وان من امن بلسانه ولم يعمل فهو مؤمن حقا هذا كله قول المرجئة وهو اخبث الاقاويل انتهٰى یعنی مرجیہ وہ فرقہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان نام ہے محض

تصدیق کا اور لوگ ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتے اور ان کا ایمان اور فرشتوں اور انبیاء اللہ کا ایمان یکساں اور برابر ہے اور ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور ایمان میں انشاء اللہ نہیں کہہ سکتے اور جو شخص زبان سے ایمان لائے اگرچہ کوئی سا عمل نہ کرے' تاہم وہ سچا مومن ہے۔ یہ کل عقیدہ مرجیہ کا ہے اور نہایت خبیث قول ہے۔"

اسی طرح ایک عقیدہ امام احمد نے استواء علی العرش کا لکھا ہے **وهو سبحان بائن من خلقه لا يخلو من علمه مكان والله عزوجل على العرش وللعرش حملة يحملونه** یعنی "اللہ تعالیٰ اپنی خلقت سے مبائن ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے اور اللہ عرش پر ہے اور عرش کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔" پھر اہل رائے (جن سے مراد عموماً حنفیہ ہوتے ہیں) کے متعلق یہ لکھا ہے **واصحاب الرائی وهم مبتدعة ضلال اعداء السنة والاثر يبطلون الحديث انتهى** یعنی اہل رائے بدعتی گمراہ ہیں جو سنت اور اثر کے دشمن ہیں۔ حدیث کو رد کر دیتے ہیں۔ اصحاب الرائے سے مراد حنفیہ ہیں۔ چنانچہ کتاب الملل والنحل میں ہے: **اصحاب الرائی وهم اهل العراق هم اصحاب ابی حنيفة علمنا هذا رائی انتهى** یعنی اہل رائے سے مراد اہل عراق ہیں جو ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں' ہمارا علم رائے ہے۔

بہرحال فرقہ حنفیہ اہل سنت سے الگ چلا آرہا ہے' جن کی محدثین نے اہل رائے کا لقب دے کر مذمت کی ہے اور فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دیا ہے۔ چنانچہ محبوب سبحانی شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کو صاف طور پر فرقہ مرجیہ کا قرار دیا ہے۔ جو فرقہ ہائے ضالہ سے ہے۔ چونکہ فرقہ حنفیہ ایک مستقل فرقہ ہے جن کا مذہب اور مذہب کی کتابیں بھی جدا ہیں اور عقیدہ اور عمل بھی اہل سنت سے جدا ہے۔ اس لیے یہ فرقہ ناجیہ نہیں ہے کیونکہ فرقہ ناجیہ کی تعریف حدیث شریف میں یہ ہے: **ما انا عليه واصحابى** یعنی وہ مذہب جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تھے۔" پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس مذہب پر نہ تھے۔ جو رائے اور تقلید پر مبنی ہے اور نہ ہی ان کا یہ عقیدہ تھا اور نہ ہی ان کتب موضوعہ پر ان کا عمل تھا۔ **فافهم وتذكر ولا تكن من القاصرين۔**

(۵) صحابہ کرام کا باہمی اختلاف فرقہ کی صورت میں نہ تھا اور وہ نہایت قلیل تھا۔ اس اختلاف پر حنفیہ وغیرہ فرقوں کے اختلافات کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ورنہ تمام فرقے ہی فرقے ناجیہ میں داخل ہو جائیں گے اور فرقہ ناجیہ کئی قسموں پر منقسم ہو جائے گا۔ حالانکہ فرقہ ناجیہ کی تقسیم وحدت کے خلاف ہے اور اس تعریف کے بھی خلاف ہے جو حدیث میں وارد ہے۔

اگر مولوی ابوالقاسم صاحب قدسی اور ان کے ہم خیال علماء کی اس بات کو درست خیال کیا جائے تو فرقہ ناجیہ مندرجہ ذیل فرقوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اہل حدیث' ظاہریہ' اشاعرہ' حنفیہ' شافعیہ' مالکیہ' حنبلیہ۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام میں فرقہ بندی نہ تھی۔ ان کا اختلاف ایسا تھا جیسا کہ محدثین میں بعض مسائل کا ہے۔ لیکن وہ فرقہ بندی سے محفوظ ہیں۔ الغرض صحابہ کا اختلاف کچھ اور صورت رکھتا ہے اور مقلدین کے فرقے کچھ اور صورت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" ولا تفرقوا** یعنی اللہ کی رسی کو سب مضبوط پکڑ لو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔"

آنحضرت ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ درمیانی لکیر تو ہے اللہ تعالیٰ کا راستہ اور دائیں بائیں جانب کی چاروں لکیریں تفرقہ پیدا کرنے والے راستے ہیں۔ جو باعث ضلالت ہیں۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی تھی۔ **وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ** یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اس کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے راستوں پر نہ جاؤ ورنہ متفرق ہو جاؤ گے۔ دوسری حدیث میں دائیں بائیں جانب کئی لکیروں کا ذکر ہے۔ یہ احادیث بطور پیشین گوئی تھیں جو حرف بحرف پوری ہو چکی ہیں۔ چار فرقے بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا طرز عمل بدل کر جدا ہو گئے ہیں اور دیگر فرقہ ہائے ضالہ بھی صراط مستقیم سے ہٹ کر دوسری شکل اختیار کر چکے ہیں۔ پس جو جماعت نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کے طرز عمل کو اپنا مذہب سمجھتی ہے' وہ ناجیہ ہے۔ دوسرے سب سبل الشیطان ہیں جو ناری ہیں۔

امام احمد سے ترمذی وغیرہ میں اور امام علی بن مدینی سے فتح الباری وغیرہ میں منقول

ہے کہ طائفہ حقہ سے مراد اہل حدیث ہیں اور یہی اہل سنت ہیں اور رئیس الکاملین محبوب رب العالمین شاہ جیلانی قدس سرہ نے بھی غنیہ میں تصریح کر دی ہے کہ طائفہ حقہ سے مراد اہل حدیث ہیں اور یہی اہل سنت ہیں۔

(۶) مولانا ابوالقاسم صاحب خود ہی تو فرماتے ہیں کہ تقلید و عدم تقلید مدار نجات نہیں اور خود ہی آخر میں فرماتے ہیں کہ آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم کے متعلق جو حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی ہے اس سے سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس میں صریح تعارض ہے۔ جب مقلدین کا اصول ہے کہ اما المقلد مستندہ قول مجتھدہ لا ظنہ (مسلم الثبوت) یعنی مقلد کا اعتماد صرف مجتہد کے قول پر ہونا چاہیے۔ اس کے اپنے ظن پر نہیں۔ توضیح میں ہے فالمقلد یقول ھذا الحکم واقع عندی لانہ ادی الیہ راء ابی حنیفۃ یعنی یہ حکم میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ہمارے امام کی یہی رائے ہے تو پھر ان کے گمراہ ہونے میں کیا شک رہا؟ حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اپنے متبوع کی تمام اوامر و نواہی وغیرہ میں بلا دریافت دلیل اطاعت کیے جانا اور تقلید کی ماہیت بھی یہی ہے۔ مولانا ابوالقاسم صاحب نے چند احناف اہل انصاف کا رویہ خلاف تقلید دیکھ کر سب جماعت کو فرقہ ناجیہ میں داخل کر دیا۔ حالانکہ اکثر افراد کی روش مقلدانہ ہے۔ اور یہی ان کا زبانی اقرار اور دعویٰ ہے اور اسی کے مطابق عمل ہے۔ للاکثر حکم الکل۔

(۷) مولانا ابوالقاسم صاحب نے جو صحابہ کے اور دیگر ائمہ متقدمین کے بعض اختلافات نقل کیے ہیں' وہ تو ترجیح دلائل پر مبنی ہیں اور جو فرقہ حنفیہ کے اختلافات ہیں وہ اکثر مذہبی ہیں جن کی بنا قیاس در قیاس پر ہے۔ اسی واسطے ان کے مذہب کی کتابیں ہی جدا ہیں' جن کے اکثر مسائل قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کے علاوہ صحابہ کرام کے طرز عمل کے بھی خلاف ہیں۔ پھر یہ مقلدین دیوبندیہ جو ان کتابوں کو دینی مدارس میں پڑھ پڑھا کر قابل عمل جانتے ہیں۔ فرقہ ناجیہ کے افراد کس طرح ہو سکتے ہیں۔

ہم کو ہر چیز کی ہیئت کذائیہ پر غور کرنا چاہئے' محض اجزاء پر نہیں۔ مثلاً شراب کے اجزاء تو حلال ہیں لیکن اس کی ہیئت کذائی پر غور کر کے حرمت کا حکم لگایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ سکر کو مستلزم ہے۔ اسی طرح بعض بدعات مثلاً عرس' ختم' ساتا' چہلم وغیرہ

کے نفس اجزاء تو ممنوع نہیں ہیں لیکن ان کی صورت مجموعی پر نظر کر کے بدعت کا حکم لگایا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح حنفیہ مقلدین کے بعض اختلافی مسائل پر غور نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس فرقہ کی خواہ وہ دیوبندیہ ہو یا بریلویہ ہیئت حاصلہ پر غور کرنا چاہیے۔ جس میں شخص واحد کی تقلید کا التزام جملہ امور شرعیہ میں کیا گیا ہے جو غیر مشروع ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک مذہب معین کر کے اس کے سب مسائل پر عمل کرتا ہے اور دوسرے مذہب کے مسائل خواہ قوی دلائل سے ثابت ہوں' عمل نہیں کرتا تو وہ بعض ما اتٰی به الرسول کا انکار کرتا ہے۔ اس لیے کہ حق علیٰ سبیل الدوران تمام ائمہ میں ہے۔ چونکہ ترک بعض ما اتی به الرسول کا حرام (اور انکار کفر) ہے۔ پس مذہب معین کرنا بھی حرام ہے اور خود ائمہ سلف پر ترک بعض ما اتی به الرسول کا الزام بایں وجہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اپنی دقتی فرعی تحقیق کی وجہ سے معذور تھے۔ اسی طرح ایسا شخص بھی معذور ہے جو بوجہ استطاعت کسی عالم کے مسائل پر اجتہادیہ پر اتفاقیہ عمل کرتا رہا ہو کیونکہ اس کا یقین بھی بالجزم نہیں ہے۔ اس کی نظیر حدیث ابن مسعود ﷜ ہے۔ جس میں نماز فرضی کے بعد امام کا دائیں بائیں جانب منہ پھیرنے کا ذکر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر داہنی طرف معین بالوجوب کرے گا تو حرام ہے۔ اگر بلا تعیین کرے گا تو نہیں۔ اسی طرح اصرار امر مباح پر اور اصرار امر مستحب پر کہ جس میں اندیشہ وجوب سمجھا جانے کا ہونا جائز ہے۔ چنانچہ خود حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے کہ **کل مباح یودی الیه فمکروہ**۔

علاوہ بریں یہ کہ تعیین مذہب اجماع صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے خلاف ہے' کیونکہ ان قرون ثلاثہ میں تعیین مذہب کی نہیں ہوئی تھی۔ اب مقلدین فرقہ حنفیہ کا انحصار مذاہب اربعہ میں اعتقاد رکھ کر ایک مذہب کو معین بالوجوب کرتے ہیں جو اجماع سلف صالحین کے بالکل خلاف ہے۔ پھر یہ لوگ فرقہ ناجیہ میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔ در آں حالیکہ ان کی ہیئت حاصلہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی طرز عمل یعنی ہیئت حاصلہ کے خلاف ہے۔

(۸) مولانا ابوالقاسم صاحب قدسی نے سلف کے اختلافات کا پہلو دکھا کر سکوت کر لیا جو مقلدین کی حمایت پر مبنی ہے۔ کسی غیر نبی کے اقوال کو مستند قرار دے کر ہمیشہ ان

پر عمل کرنے کے متعلق اور حدیث کو رائے سے تاویل کر کے چھوڑ دینے پر جو سلف نے سرزنش کی ہے اس پر غور نہیں فرمایا' جس کو بیان کرنا اب ہمارا فرض ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک جنگ میں ملک روم میں موجود تھے۔ وہاں لوگ سونے اور چاندی کے ٹوٹے پھوٹے برتنوں کے ٹکڑوں کو دینار اور درہموں سے فروخت کرتے تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم سود کھاتے ہو' کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ سونے کو سونے کے ساتھ اور چاندی کو چاندی کے ساتھ برابر برابر بیچا کرو۔ نہ کم زیادہ کرو اور نہ ادھار کرو۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالولید یہ تو ادھار کی صورت میں سود ہو گا' نقد کی صورت میں نہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا **احدث عن رسول الله صلعم وتحدثني عن رايك لئن اخرجني الله منها لا اسكن بارض لك علي فيها امرة** یعنی میں تو تجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو مجھے اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ایک دفعہ یہاں سے نکال دے تو میں ایسی جگہ ہرگز نہ رہوں گا۔ جس جگہ تیری مجھ پر حکومت ہو۔ چنانچہ جب مدینہ واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ قصہ بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کا برا کرے جس میں تیرے جیسے علماء نہ ہوں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ آئندہ کے لیے تیری عبادہ رضی اللہ عنہ پر کوئی حکومت نہیں ہے اور مسئلہ اسی طرح درست ہے جس طرح عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور لوگوں کو اس مسئلہ پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔"

اس فیصلہ سے معلوم ہوا کہ حدیث کا مطلب رائے سے بیان کرنا مذموم ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کریں تو تم قبول کر لیا کرو کیونکہ تقویٰ اور ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے زیادہ لائق ہے۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں احادیث بیان کروں تو ان احادیث کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے لیکن اس شخص نے کچھ پرواہ نہ کی تو فرمایا **لا اكلمك ابدا** "میں تجھ سے کبھی کلام

نہیں کروں گا۔"

حضرت ابن سیرین نے ایک شخص کو حدیث نبوی بیان کی تو اس نے کہا قال فلان و فلان کذا وکذا۔ تو حضرت ابن سیرین نے فرمایا: احدثک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقول قال فلان و فلان کذا وکذا۔ لا اکلمک ابدا یعنی میں تجھے آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو فلاں و فلاں کا قول پیش کرتا ہے۔ میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے سے برتاؤ کیا تھا اور مارا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم جو کہا کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا اور فلاں یوں کہتا ہے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذابوں اور اپنے زمین میں دھنسائے جانے سے نہیں ڈرتے ہو؟ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا تو اس نے کہا کہ اس منع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مغرب تک نماز نہ پڑھتا رہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فلا ادری تعذب علیها ام توجر لان اللہ تعالیٰ یقول وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم یعنی میں نہیں جانتا کہ تجھے ان رکعات کے پڑھنے سے عذاب کیا جائے یا اجر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ کسی مومن مرد اور عورت کی شان یہ نہیں ہے کہ باوجود فیصلہ باری تعالیٰ اور فرمان نبوی کے پھر بھی اسے کوئی اختیار باقی رہے۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی احادیث بیان کریں تو لے لیا کرو اور جو مسائل اپنی رائے سے بتائیں' ان کو کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا کرو۔"

علاوہ ازیں خود ائمہ متقدمین کی وصایا بھی یہی ہیں کہ صحیح حدیث آجائے تو ہمارے اقوال کو پھینک دو لیکن تاہم مقلدین حدیث شریف سے انتہائی بے اعتنائی کرتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ سلف کی تنبیہہ اس زمانہ کی تھی جبکہ شخصی مذہبوں کی بنیاد پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اسی طرح مذاہب مقرر کر کے حدیث سے بے پرواہی کی جاتی تو شاید وہ کیا ہی حکم جاری کرتے۔

باقی رہا مولانا ابوالقاسم صاحب کا یہ کہنا کہ مقلدین کی ترک حدیث عداوت حدیث کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کا معیار جماعت اہلحدیث کے علاوہ ہے۔ سو بجا اور درست ہے لیکن یہ معیار تقلیدی مذہب مستحکم کرنے کے لیے قائم کئے گئے ہیں اور اسی طرح ہر فرقہ کے معیار ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ جن کی بنا پر نصوص قطعیہ کو ترک کیا جا رہا ہے اور یہ ایک ہی معیار نہیں ہے بلکہ حنفیہ نے ہزاروں معیار کتب اصول میں بیان کئے ہیں جو محدثین کے خلاف ہیں۔ وہ سب اپنے فرقہ کی حدود اربعہ کی حفاظت کے لیے اختراع کردہ ہیں۔ مثلاً ایک معیار حدیث موضوع کی بنا پر کتب اصول میں یہ ہے کہ حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرنا چاہیے۔ اگر موافق ہو تو قبول کی جائے ورنہ متروک اور مردود قرار دی جائے حالانکہ حدیث قرآن پر قاضی نہیں ہے۔ چنانچہ امام شعرانی نے منہج میں فرمایا ہے۔ قد اجتمعت الامة علی ان السنة قاضية علی الکتاب ولیس الکتاب بقاض علی السنة کذا نقله صاحب الدراسات یعنی امت کا اجماع ہے۔ اس بات پر کہ سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے اور کتاب اللہ سنت پر قاضی نہیں ہے۔

الغرض اسی طرح حنفیہ کے حدیث کو قبول کرنے کے معیار ہیں۔ سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر فقیہ کی روایت قیاس مجتہد کے مقابلہ میں ترک کی جائے گی اور قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ نعوذ باللہ من هذا المعیار۔ ان ہی معیاروں اور مسئلوں سے ان مقلدین کی ہیئت حاصلہ فرقہ ناجیہ کی ہیئت حاصلہ کے برعکس ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں کئے جا سکتے۔ فتذکر۔

(۹) حنفیہ میں قدیماً و حدیثاً ایسے علماء مقلدین چلتے آرہے ہیں جو اصول عقائد میں کوئی تو مرجیہ ہے اور کوئی جہمیہ ہے۔ کوئی شیعہ ہے' کوئی معتزلہ ہے اور فروع میں حنفی کہلاتے ہیں۔

اسی طرح علماء دیوبند کے مختلف عقائد ہیں جو محدثین کے سراسر خلاف ہیں۔ اگر احناف دیوبندی باوجود اختلاف عقائد فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے کیا ظلم کیا ہے کہ علماء اہلحدیث نے ان کو اہل سنت سے خارج قرار دیا ہے حالانکہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی دیوبندی تعلیم سے متاثر ہوئے ہیں'

فافہم۔

(۱۰) مولانا ابوالقاسم صاحب نے سلف صالحین کے بعض واقعات جو درج کئے ہیں' وہ نصوص شرعیہ کو تاویل یا اجتہادی طریق سے ترک کر دینے کی مثال تو بن سکتے ہیں لیکن ان واقعات کی مثال نہیں بن سکتے جو کتب فقہ میں مندرج ہیں اور محض قیاس پر مبنی ہیں۔ کیونکہ اول تو اجتہاد اور قیاس میں فرق بین ہے جو اجتہاد طریق ولالات نصوص و اشارات و اقتضاءات ہو۔ اس سے تو ہم کو انکار نہیں ہے۔ لیکن جو حکم معطل العلۃ اصل سے فرع کی طرف متعدی کیا جائے' درآں حالیکہ وہ حکم فرع میں منصوص العلۃ عقد الشارع نہ ہو یا ایک حکم میں محض اپنے خیال سے ایک علت پیدا کرنا جو شارع کی جانب سے منصوص نہ ہو پھر اس کو فرع کی طرف متعدی کرنا اور اس فرع میں بھی وہی حکم ثابت کرنا یہ قیاس بے اساس ہے جو مردود ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ حدیث صحیح کے خلاف ہو۔ اگر بایں طور حدیث کو ترک کرنے کے واقعات سلف صالحین میں موجود ہیں تو ضرور بیان فرمائیں۔

(۱۱) آنجناب نے اعمال صالحہ کو داخل الایمان قرار دیا ہے اور یہی محدثین کا مذہب ہے لیکن حنفیہ اس کو نہیں مانتے یا آپ علماء حنفیہ سے اس کی تصدیق کرا دیں ورنہ محدثین کی یہ تصریح بھی آپ کو ماننی پڑے گی کہ جو اعمال کو ایمان میں داخل نہ سمجھے' وہ مرجیہ ہے۔ آنجناب نے یہ فرمایا ہے کہ محدثین کے نزدیک اعمال کے ترک سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ جن اعمال کے ترک پر حدیث میں کفر کا لفظ وارد ہے' ان کے ترک پر محدثین کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ مثلاً بے نماز کو اکثر علماء حدیث کافر کہتے ہیں۔

بالآخر عرض ہے کہ مولانا ابوالقاسم صاحب ندوی کو ان امور مذکورہ بالا پر غور کر کے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے تاکہ اصل امر منکشف ہو جائے اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا یہ فیصلہ بھی ملاحظہ کرنا چاہیے جو عقد الجید میں درج ہے۔ ان -----

خوالوا علٰی ذالک یسئالون من اتفق من العلماء من غیر تقلید بمذهب ولاانکار اهدی السائلین الی ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدون فان احدهم یتبع امامه مع بعد مذهبه عن الاولة مقلد اله فیما قال فکانه بنی ارسل

الیه وهذا نای عن الحق وبعد عن الصواب لا یرضٰی به احد من اولی الالباب انتهٰی۔ یعنی ان مذاہب اور متعصب مقلدین کے ظاہر ہونے سے پہلے تمام دنیائے اسلام کا یہ طریقہ تھا کہ جس عالم سے اتفاق ہوا' مسئلہ دریافت کر لیا لیکن بغیر تقلید مذہب کے ایسا کیا اور مخصوص عالم کی پابندی نہ کی۔ حتیٰ کہ اس زمانہ کے مقلدین نے اپنے اپنے اماموں کی طرح مان لیا۔ اگرچہ ائمہ کے اقوال ادلہ شرعیہ سے کوسوں دور کیوں نہ ہوں۔ مگر ان کی گردنوں سے تقلید کی پھانسی نہیں نکلتی۔ اس طرز عمل پر کوئی عقلمند راضی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ حق راستہ سے دور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اب اکثر مقلدین کی یہی روش ہے۔ الا قلیل والقلیل کالمعدوم هذا ما عندی واللّٰه اعلم بالصواب۔

رقمہ العاجز محمد عبدالقادر الحصاری عفااللہ عنہ ۔ تعلمہ

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد۔۳' شمارہ۔۶'۷ مورخہ ۵ و ۱۲ اپریل سنہ۔۱۹۳۴ء

فرقہ ناجیہ سے متعلق سوالات کے جوابات

۲۴ر اگست سنہ-۱۹۵۶ء کے الاعتصام میں حضرت مولانا صاحب کھنڈیلوی مدظلہ العالی نے بطور مذاکرہ علمیہ فرقہ ناجیہ سے متعلق چند سوالات کئے تھے اور علماء سے اس کا جواب طلب کیا تھا لیکن ہمارے اکابر علماء کی طرف سے اب تک اس کا جواب نہیں دیا گیا- میرے خیال میں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے اور بتانا چاہیے کہ فرقہ ناجیہ کی تعریف کیا ہے اور اس کا مصداق کون لوگ ہیں؟ چنانچہ میں اس کی جرات کر رہا ہوں-

سوال اول کا جواب ⇦ یہ ہے کہ حدیث افتراق امت سند کے لحاظ سے حسن یا صحیح ہے' ضعیف نہیں ہے- اگر اس کا کوئی طریق سند ضعیف ہے- تو اس حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا- صحت حدیث کے لیے اس کے تمام طریق پر غور کرنا اور نفس مسئلہ جو اس حدیث سے ظاہر ہے- اس کو دیگر احادیث صحیحہ کی رو سے جانچنا ضروری ہے- سو اس اعتبار سے یہ حدیث حسن یا صحیح ہے- امام ترمذی نے اس حدیث کے بیان کرنے والے چار صحابی ذکر کیے ہیں- ابوہریرہ' عبداللہ بن عمر' حضرت سعد بن وقاص' عوف بن مالک رضی اللہ عنہم اور شارح سفرالسعادت نے گیارہ اور بتائے ہیں- پس یہ حدیث کل پندرہ صحابہ سے مروی ہے اور مجموعی طرق کے اعتبار سے صحیح ہے اور دیگر احادیث صحاح اس کی موید ہیں- حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور حافظ سخاوی نے اس کی صحت کو مقاصد حسنہ میں تسلیم کیا ہے اور علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام جلد-۲' ص-۲۴۳ میں اس کی صحت کو برقرار رکھا ہے اور امام ذہبی نے اس کو شرط مسلم پر بتایا ہے- (مستدرک حاکم جلد-۱' ص-۶'۱۲۸)

موضوعات کبیر ص-۳۱ میں ہے **قال الحاکم انه حدیث کبیر فی الاصول** کہ یہ حدیث اصول دین کے لحاظ سے بہت بڑی ہے اور تذکرۃ الموضوعات ص-۱۵ میں حدیث افتراق امت نقل کی ہے جس میں جملہ "**ما انا علیه واصحابی**" وارد ہے- اس پر یہ لکھا ہے: **حسن صحیح روی عن ابی هریرة و سعد و ابن عمر و انس و جابر وغیرهم** یعنی یہ حدیث حسن صحیح ہے جو ابوہریرہ' سعد' ابن عمر' انس و جابر وغیرہ

رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ تنقیح الرواۃ جلد-۱، ص-۴۱ میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور روایت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حسن کہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ورواہ ایضا الحاکم باسناد حسن وفیہ زیادۃ ما انا علیہ واصحابی الیوم یعنی اس حدیث کو امام حاکم نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں یہ جملہ زائد ہے "ما انا علیہ واصحابی الیوم یعنی وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس عقیدہ و عمل پر قائم رہا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عہدی نبوی میں قائم تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت پر امام حاکم فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث صحیح علی شرطا الشیخین کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک جلد-۴، ص-۴۳۰) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یہ لکھتے ہیں: ھذا اسانید تقام بھا الحجۃ فی تصحیح ھذا الحدیث یعنی یہ سندیں ایسی ہیں کہ اس حدیث کو صحیح کہنے پر ان سے حجت لی جا سکتی ہے۔ امام ذہبی نے بھی ان احادیث پر سکوت فرمایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان کا بھی اس پر صاد ہے اور پھر وہ حدیث صحیح جس پر یہ جملہ وارد ہے: لا یزال طائفۃ من امتی قائمین علی الحق لا یضرھم من خالفھم حتی یاتی امراللّٰہ (رواہ البخاری و مسلم) یعنی میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ تاقیامت حق پر قائم رہے گا جس کو مخالفین کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ اس کی موید ہے۔ عزیزی نے سراج منیر میں علامہ علقمی سے حدیث افتراق امت نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام بیہقی نے بھی اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ (تاریخ اہل حدیث عربی ص-۴۹) اس تصریح سے یہ واضح ہوا کہ اس حدیث کے مجموعہ اسناد کا اعتبار کیا جائے تو یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سوال دوم کا جواب ⇦ دخول نار سے مراد یہ ہے کہ وہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد و اعمال کی رو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے خلاف ہیں اور ان کے عقائد و اعمال میں بدعت پائی جاتی ہے اور اس بدعی عقائد و اعمال کے اعتبار سے ہی وہ فرقہ ناجیہ سے علیحدہ شمار ہیں۔ ان کے اوصاف اور ان فرقوں کی ہیئت کذائی گروہ ناجیہ کے بالکل منافی ہے، وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ صراحت ہے: اثنتان وسبعون فی النار و واحد فی الجنۃ یعنی بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک

جنت میں جائے گا۔ دوزخ اور جنت کے تقابل سے تمام تاویلیں بے کار ہو گئیں اور اس سے ثابت ہو گیا کہ اس دخول سے مراد حقیقی جنت اور دوزخ میں جانا ہے۔ پس جو شخص جنت کا داخلہ منظور کرانا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مسلک سنت کو لازم پکڑے اور بدعت سے کلی پرہیز کرے۔

حدیث ناطق ہے: من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (مشکوۃ) یعنی جو شخص میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے وہ میرے ساتھ محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ تنقیح الرواۃ میں اس حدیث کے تحت یہ لکھا ہے: معنی حب السنة العمل علی وفق السنت یعنی سنت کی محبت یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

سوال سوم کا جواب ⇦ باقی رہا یہ سوال کہ حدیث "کلھم فی النار" سے دخول خلود ہے یا غیر خلود؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہ جن فرقوں کے عقائد و اعمال حد شرک و کفر کو پہنچ گئے ہیں' ان کے لیے تو خلود فی النار ہے اور جن کے عقائد و اعمال حد شرک و کفر کو نہیں پہنچے' ان کے لیے خلود نہیں ہے۔ صرف ابتداء" دوزخ میں جائیں گے اور سزا بھگت کر انتہاء" نجات پا جائیں گے۔

سوال چہارم کا جواب ⇦ دیگر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر غیر خلود مراد ہے تو فرقہ ناجیہ اور غیر ناجیہ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دخول نار کے مختلف اسباب اور موجبات ہیں۔ مثلاً ایک غیر مسلم کا دوزخ میں داخلہ اور سبب سے ہے اور ایک مسلمان چور' سود خوار' زانی' عاق والدین' قاتل نفس وغیرہ گنہگار کا داخلہ اور وجہ سے ہے۔ بعض لوگ غیر اسلام دین رکھنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے' ان کے لیے جہنم کا طبقہ اور ہو گا اور جو مسلمان گنہگار بن کر جائیں گے' ان کا طبقہ جہنم میں اور ہو گا۔ کفار کے لیے تو خلود ہے اور مسلمان فساق کے لیے خلود نہیں ہے۔ حالانکہ دونوں گروہ دوزخ میں داخل ہیں لیکن اعتبار اور حیثیت کا فرق ہے۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے کہ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کے کہنے والوں میں سے بعض لوگ بسبب اپنے گناہوں کے جہنم میں جائیں گے۔ پس لات و عزیٰ کے پجاری ان سے کہیں گے کہ تمہارے لا الہ الا اللہ کے کہنے نے تمہیں کیا نفع دیا؟ تم تو

ہمارے ساتھ ہی جہنم میں جل رہے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا اور اللہ تعالیٰ ان سب کو وہاں سے نکال لے گا اور نہر حیات میں غوطہ دے کر انہیں ایسا کر دے گا جیسے چاند گہن سے نکلا ہو۔ پھر یہ سب جنت میں جائیں گے۔ وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا۔ (ابن کثیر اردو ص-۲' پارہ-۱۴)

اب دیکھئے کفار مشرکین اور گنہگار مسلمین جہنمی کہلاتے ہیں لیکن اسباب دخول میں اور ان کی میعاد میں فرق ہے اور دوزخ میں ان کے درجات و طبقات میں بھی فرق ہے۔ اسی طرح کفار اور منافقین کے درجات اور طبقات میں بھی فرق ہے۔ پس اسی طرح فرقہ ناجیہ کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو مطلقاً ہی دخول نار سے محفوظ ہوں گے' وہ تو وہ لوگ ہیں جو من حیث الاعتقاد اور من حیث العمل بطریق نبوی و صحابہ پورے پابند رہے۔ جیسے صحابہ کرام و محدثین تھے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو تقصیرات اعمال سے گنہگار اور مجرم ہیں۔ ان کو اللہ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو کچھ میعاد تک عذاب کرے اور پھر نکال لے۔

اور غیر ناجیہ فرقہ کے لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے عقائد اور اعمال کے اعتبار سے کفار مشرکین کے جرم تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ تو ان کے ہمراہ مطلق دائمی جہنمی ہوں گے اور جو حد کفر تک نہیں پہنچے' صرف احداث اور افتراق سے گنہگار ہو گئے ہیں تو ان کو گنہگار مسلمانوں کی طرح میعادی عذاب ہو گا لیکن گنہگار مسلمان کا جرم یہ ہے کہ اس نے ایک چیز کو گناہ جان کر پھر خواہش نفس سے عمداً" وہ گناہ کیا اور ایک غیر مشروع کو مشروع ٹھہرایا اور ایسا کام کیا جس کا ثبوت شرع میں نہ تھا اور پھر اس کے کرنے کا ثواب اللہ سے چاہا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک پر اس کے ثواب دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ یہ ابتداء" ناجیہ نہیں ہے لیکن انتہاء" ناجیہ ہے کیونکہ گنہگار مسلمانوں کی حد میں داخل ہے اور اس نے یہ گناہ کیا ہے کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کی جماعت اہل اتفاق کا طرز عمل چھوڑ کر یہود وغیرہ گمراہ اقوام اہل افتراق کا طریقہ اختیار کر لیا اور حکم الٰہی تھا۔ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کہ دین کو اکٹھے ہو کر اتفاق سے بصورت جماعت قائم رکھو اور اس میں باہم تفرقہ پیدا نہ کرو۔ نیز ارشاد ہے: ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم

البینات واولئک لھم عذاب عظیم یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور انہوں نے باوجود دلائل شرعیہ کے پھر اختلاف کیا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

مسلمانوں میں جو گنہگار ہیں' وہ بھی دوزخ کی سزا کے مستحق ہیں۔ اب ان کو کفار کے مقابلہ میں تو ناجیہ کہیں گے کیونکہ انتہاء" نجات پائیں گے اور جو ابتداء" نجات پا کر جنت کو گئے ہیں' ان کے مقابلہ میں دوزخی کہہ سکتے ہیں اور غیر ناجیہ بھی۔ صرف اعتبارات اور حیثیات مختلف ہیں۔

اب جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے جوابات سنئے۔ انہوں نے حدیث ستفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ جلد۔ا' ص۔۲۴' ۲۵ پر لکھ کر یہ سوال کیا ہے کہ جمیع فرقوں کے فی النار ہونے سے کیا مراد ہے؟ خلود یا غیر خلود؟ اور ناجیہ کے ناجی ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا مطلقاً ہی جہنم میں نہ جائیں گے یا بعض گنہگار جائیں گے؟ اس کا جواب شاہ صاحب نے مختلف علماء سے کئی طرح نقل کیا ہے:

اول یہ کہ مراد دخول من حیث الاعتقاد ہے۔ فرقہ ناجیہ کو اعتقاد کی جہت سے دخول نار بالکل نہیں ہو گا۔ اگرچہ کچھ میعاد تک تقصیرات اعمال کی جہت سے دخول نار ہو گا۔

دوم جواز امام غزالی ہے جس کو محدثین اور محققین نے بھی پسند کیا ہے کہ مراد ناجیہ سے وہ لوگ ہیں کہ جن کو من حیث الاعتقاد اور من حیث الاعمال دخول نار مطلق نہ ہو گا۔ اور وہ ابتداء میں ہی داخل بہشت ہوں گے اور تفسیر فرقہ ناجیہ کی جو یہ ہے کہ ھم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی جو لوگ اس عقیدہ و عمل پر ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ ناجی ہے۔ اس گروہ پر خوب چسپاں ہے کیونکہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں عقیدہ اور عمل میں کوئی بدعت ظاہر نہ ہوئی تھی۔

تیسرا جواب یہ دیا کہ تمام فرقے باطل پر ہیں۔ اگرچہ ان کا ایک عقیدہ باطل ہے یا دو عقیدے۔ ایک عمل باطل ہے یا دو عمل اور فرقہ ناجیہ وہ ہے کہ جن کے عقیدہ اور عمل میں کوئی بطلان نہ ہو۔

اور پھر جواب اول کو ارجح اور اقوی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تعریف فرقہ ناجیہ کی یہ عبارت الذین هم علی ما انا علیه واصحابی دلالت کرتی ہے ایسی چیز پر کہ وہ فرقہ ناجیہ اور رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کے درمیان مشترک ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ سوائے عقائد کے دوسری کوئی چیز مشترک نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا عقائد کی رو سے فرقہ ناجیہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آنحضور ﷺ نے حدیث افتراق میں جب کلام شروع فرمایا تو یہ فرمایا کہ میری امت پر ایک دور ایسا آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کی روش پر چلنے لگیں گے اور بالکل ان کے مطابق ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے ناجائز فعل کیا ہے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا برا فعل کریں گے۔ بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے تھے۔ میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی اور وہ سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک فرقہ سلامت رہے گا۔ صحابہ نے کہا کہ وہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (مشکوۃ)

اس میں ماں سے بدکاری کرنے کا ـــــ ذکر کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ میری امت کی عملی حالت نہایت حیا سوز ہو جائے گی اور بنی اسرائیل کے افتراق سے یہ ظاہر کر دیا کہ میری امت کئی فرقوں میں بٹ جائے گی۔

سوال پنجم کا جواب ⇦ دیگر سوال یہ ہے کہ صحابہ کا سوال فرقہ ناجیہ کے متعلق تھا تو جواب میں صرف ما انا علیه کافی تھا کیونکہ شریعت الٰہی کا کامل نمونہ اور اسوہ حسنہ صرف آنحضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آنجناب ﷺ کے اقوال و افعال ہی تمام امت کے لیے حجت ہیں' اور کسی کا قول و فعل خواہ صحابی ہو یا تابعی حجت شرعیہ نہیں ہے پھر اپنے ساتھ صحابہ کو فرقہ ناجیہ کی تعریف میں شامل کیوں کیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعریف میں واصحابی کے الفاظ سے اصحاب کا کوئی جداگانہ طریقہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سوا کوئی اور طریق تھا کہ اس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہوتی۔ بلکہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کا طریقہ بالکل واحد تھا۔ آپ نے جو اپنی ذات کے ساتھ اپنے صحابہ کو رکھا ہے تو اس کی معقول وجہ اور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سائل نے اس دور پرفتن میں جماعت حقہ کی تعیین

اور تعریف طلب کی ہے جس کی برائی کی۔ آپ نے خبر دی تھی۔ تب آپ نے جواب میں صرف کتاب و سنت پر عمل کرنا معیار نہیں بتلایا۔ حالانکہ حقیقت میں معیار یہی ہے لیکن یہ جواب اس نازک دور پرفتن کے مناسب حال نہ تھا کیونکہ اس دور پر فتن میں ہر باطل فرقہ کا یہ دعویٰ ہو سکتا تھا کہ ہم ہی کتاب و سنت کے حامل اور عامل ہیں۔

چنانچہ اب اس زمانہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس لیے آپ نے اس زمانہ کے مناسب حال تعریف فرمائی اور یہ واضح کر دیا کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جس کا تعامل کتاب و سنت پر اس عملی تصویر اور مکمل نقشہ کے مطابق ہو جس کو نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے باہمی تعامل سے تیار کیا ہے۔ آپ نے صحابہ کے تعامل کو بھی اپنے ساتھ ذکر کیا تاکہ امت کو صحابہ کا وقار و احترام بھی ملحوظ رہے اور ان سے بغض و عناد رکھ کر ان پر زبان درازی نہ کریں اور رسول اور صحابہ کے درمیان عملی اور مذہبی تفریق نہ کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں جو اپنے نبی کی اقتداء کرتے ہیں اور ان پر فداکار اور جان نثار ثابت ہوتے ہیں اور وہ مقاصد شریعت جو نبی نے بیان کئے ہوتے ہیں۔ ان کو بلاواسطہ نبی سے سمجھا جاتا ہے جن کو انہوں نے اپنے اقوال و افعال سے دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے اور وہ اپنے نبی کریم اور دیگر لوگوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں جن پر نبی کو پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے فرقہ ناجیہ کی تعریف میں صحابہ کے تعامل کو بھی ساتھ رکھا۔

اب اگر آنحضور ﷺ کے کسی قول و فعل کے سمجھنے میں شبہ پیدا ہو تو صحابہ کے تعامل میں اس کا نمونہ دیکھ لیا جائے کیونکہ صحابہ کا مجموعی عمل بھی عین شریعت تھا اور وہ نور نبوت سے کامل طور پر منور تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک موقع پر حیوانات کے کلام کرنے کے مسئلہ میں یہ فرمایا تھا **آمنت انا وابوبکر و عمر** کہ میں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما حیوانوں کے کلام کرنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس وقت موجود ہی نہ تھے تو ان کی غیر حاضری میں یہ بیان فرمانا اس مسئلہ کی مزید تصدیق اور ان پر کامل اعتماد ظاہر کرنے کے لیے تھا اور اسی بناء پر **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین** فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آیت **محمد رسول اللہ والذین معه** میں صحابہ کے اوصاف اور تعامل حمیدہ کی تعریف کی ہے۔ اس لیے کہ وہ

انحضور ﷺ کی تعلیم کا عملی نمونہ تھے۔ جس طرح کہ آنحضور ﷺ تعلیم و ہدایت الٰہی کے عملی نمونہ تھے۔ پس جب عہد نبوی میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا شریعت کا عملی نقشہ کھینچنے میں اشتراک تھا تو آپ کا ان کو اپنے عملی نمونہ پیش کرنے میں ساتھ کرنا عین انصاف تھا۔

نیز یہ واضح ہو کہ اقوال صحابہ کے حجت ہونے میں تو اختلاف ہے۔ بعض حجت قرار دیتے ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن صحابہ کے مجموعی تعامل کو جس کو اجماع صحابہ کہتے ہیں' اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔ **کما لا یخفی علی اهل العلم** بلکہ علامہ ابن حزم باوجود اہل ظاہر ہونے کے طائفہ اہل حق کے اجماع کو حجت قطعی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جلد۔۱' ص۔۴۷ پر حدیث **لاتزال طائفة** نقل کرکے یہ فرماتے ہیں: **فصح ان اهل كل عصر لا يخلوا من ان يكون فيهم قائل بالحق فاذا صح اجماعهم على شئى فهو حق مقطوع بذالك اذا يتقن انه لا مخالف فى ذالك وقطع به** یعنی یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی زمانہ اہل حق سے خالی نہیں ہے۔ جب طائفہ اہل حق کسی شئی پر اتفاق کرلیں تو وہ حق قطعی ہے بشرطیکہ یہ یقینی طور پر ظاہر ہو جائے کہ اہل حق تمام اس چیز پر متفق ہیں اور کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔ یہی مطلب **لا تجتمع امتی علی ضلالة** کا ہے۔

العاجز عبدالقادر عارف الحصاری

الاعتصام جلد۔۹' شمارہ۔۸ و ۹' مورخہ ۲۰ر و ۲۷ر ستمبر سنہ۔۱۹۵۷ء

فرقہ ناجیہ اور اصحاب تقلید

۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء کو میری ملاقات جمعیتہ اہل حدیث کے حسب ذیل اکابر علماء کرام سے ہوئی:

جناب حضرت مولانا المحترم سید محمد داؤد صاحب غزنوی صدر الجمعیتہ' جناب مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف' جناب محترم المقام حضرت مولانا محمد حنیف ندوی' جناب داعی اتفاق مولانا محمد اسحاق صاحب مدیر الاعتصام مداللہ ظلالھم علی رؤس المسترشدین۔

ان بزرگان ملت سے شرف زیارت حاصل کرنے پر جو نور میرے دل پر قصور میں پیدا ہوا' اس کا سرور اب تک سینہ میں بھرپور ہے۔ فللّٰہ الحمد زاد اللہ فیوضھم وبرکاتھم۔

اثنائے ملاقات میں بعض مضامین پر گفتگو ہوئی تو حضرت مولانا مدیر الاعتصام نے فرمایا کہ مقلدین کو آپ نے فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دیا ہے۔ یہ میرے لیے محل تامل ہے کیونکہ مذاہب اربعہ میں بڑے بڑے اولیاء اور فقہاء گزرے ہیں' جن کی بزرگی اور تقویٰ علماء میں مسلم ہے۔

کمترین نے اس وقت تو جو مناسب حال تھا جواب دیا لیکن وہ مجمل اور مختصر تھا۔ اب مضمون ہذا میں اس اجمال کی تفصیل کرتا ہوں اور جناب مدیر سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس خادم العلماء کے مضمون ہذا کو اخبار میں درج فرما کر دل بے قرار کو استقرار بخشیں۔

تمام اسلامی دنیا پر یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکا ہے کہ تقلیدی مذاہب حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی زمانہ مشھولھا بالخیر کے بعد کے ہیں۔ جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اپنی اپنی تصنیف میں اس کی صاف تصریح کر دی ہے۔ حجتہ اللہ و تفسیر مظہری ملاحظہ ہو۔

دوم یہ کہ تقلید شخصی اور تعیین مذہب کو واجب جان کر اس کا التزام کرنا شریعت اسلامی سے ثابت نہیں ہے۔ یہ چیز بعد میں پیدا ہو کر فرقہ بندی کا موجب ہو

گئی ہے۔

مسلم الثبوت مع شرح بحرالعلوم ص۔۲۲۸ میں ہے: **اذلا واجب الا ما اوجبه الله تعالیٰ والحکم له ولم یوجب علی احد ان یتمذهب بمذهب رجل من الائمة فایجابه تشریع شرع جدید**۔ یعنی کوئی چیز واجب نہیں ہوتی مگر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ واجب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا ہے کہ وہ اماموں میں سے کسی امام کا مذہب پکڑے۔ پس اس کو اپنے پر واجب ٹھہرانا اپنی طرف سے نئی شرع ایجاد کرنا ہے۔

جناب علامہ ملا علی قاری وغیرہ اکابر حنفیہ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو حنفی' شافعی وغیرہ بننے کا حکم نہیں دیا ہے۔ یہ قصور ائمہ اربعہ کا نہیں ہے' بلکہ وہ اس سے منع فرما کر بری الذمہ ہو چکے ہیں۔

دیکھئے کسی عالم سے یا امام سے مسئلہ پوچھنا یا کسی امام کے قول پر اس کو درست سمجھ کر عمل کرنا اور چیز ہے اور ایک امام کا انتخاب کر کے اس کی تقلید بالوجوب کرنا اور اس کا التزام کرلینا اور اس کے نام پر فرقہ بنانا اور اپنے امام کے تمام مسائل جمع کر کے ان کو مستند سمجھ لینا اور اپنی کتابیں جدا رکھنا اور ان پر ہمیشہ فتویٰ دینا اور چیز ہے۔ اور احادیث نبویہ کا بٹوارہ کر کے ان میں سے اپنے اپنے اماموں کے اقوال کے موافق تلاش کرنا اور باقی کو متروک کر دینا اور چیز ہے۔ مقلدین کا یہی تعامل ہے لیکن سلف میں یہ طریقہ تھا کہ جس سے اتفاق پڑتا تھا۔ اس سے اللہ اور رسول کا حکم دریافت کر لیتے تھے اور جو بے علم ہوتا' وہ عالم سے پوچھ لیتا تھا۔ کسی ایک کا التزام نہ رکھتے تھے کیونکہ جب سب مبین احکام ہیں اور علم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے اور خطا بھی غیر نبی سے ممکن ہے تو پھر ایک کا التزام کیوں کیا جائے؟

ہاں اگر کوئی شخص قرآن و حدیث پر دارومدار رکھ کر ائمہ کے اقوال سے استفادہ کرتا رہا ہے یا اب کرتا ہے اور کثرت موافقت کی وجہ سے کسی امام کی طرف منسوب ہے یا کسی اور تعلق تلمذ کے سبب سے حنفی' شافعی نام سے موسوم کیا گیا ہے اور وہ اس فرقہ بندی کو پسند نہیں کرتا' البتہ مسائل غیر منصوصہ میں کسی امام کے مسائل کو لے لیتا ہے لیکن قصداً محض حسن ظنی پر بنا رکھ کر اس کے اقوال اور مذہب کا تقید

کرتا ہے تو وہ صحیح ہے لیکن ایسا آج کون ہے؟ رہا یہ امر کہ ان مذاہب میں بڑے بڑے اولیاء ہوئے ہیں۔ سو اس کے متعلق امام شعرانی میزان کبریٰ جلد ۱، ص ۲ مصری میں فرماتے ہیں: ان الولی الکامل لا یکون مقلدا انما یاخذ علمه من العین التی اخذ منها المجتهدون یعنی "جو شخص ولی کامل ہے وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ وہ علم اس چشمہ سے حاصل کرتا ہے جس سے مجتہدین نے کیا ہے۔"

علامہ شیخ کروی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: ان طریقة المشائخ الصوفیة عموما وطریقة الاکابر النقشبندیة خصوصا اتباع السنة النبویة وعدم التقلید بمذهب معین یعنی "طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور طریقہ اکابر نقش بندیہ کا خصوصاً اتباع سنت تھا اور وہ کسی مذہب معین کے مقلد نہ تھے۔

اور ملا جیون تفسیر احمدی میں اولیاء کا تعامل یہ بیان فرماتے ہیں: یجوز له ان یعمل بمذهب ثم ینقل الی آخر کما نقل عن کثیر من الاولیاء ویجوز له ان یعمل علی مذهب وفی اخری علی آخر کما هو مذهب الصوفیة۔ یعنی "یہ جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے جیسے بہت سے اولیاء اس طرح کرتے رہے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک مسئلہ میں کسی مذہب پر عمل کرے اور دوسرے میں دوسرے مذہب پر، جیسا کہ صوفیہ کا طریقہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ طائفہ صوفیہ اور مشائخ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے: فان رایت الطائفة الصوفیة والمشائخ الحنفیة تراهم یستحسنون قراة الفاتحة للمؤتم یعنی "اگر تم طائفہ صوفیہ اور مشائخ حنفیہ کو دیکھو کہ وہ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن جانتے تھے۔"

مرزا مظہر جان جاناں کو بھی حنفیہ اولیاء اور صوفیہ سے شمار کرتے ہیں۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ چنانچہ معمولات مظہریہ میں ہے: "دوست برابر سینہ مے بستند و مے فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف۔"

محبوب سبحانی پیر جیلانی کے متعلق بهجة الاسرار میں ہے: انه کان یفتی علی مذهب الشافعی و احمد بن حنبل یعنی "وہ امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔"

یعنی مقلد نہ تھے' جس امام کا قول مطابق قرآن اور حدیث ہوا' اس پر فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ غیر مقلد تھے۔ اس لیے انہوں نے غنیہ میں تہتر(۷۳) فرقے شمار کرتے ہوئے حنفیہ کو مرجیہ اور اہل حدیث کو ناجیہ قرار دیا ہے۔

حررہ ابوالشکور عبدالقادر عارف الحصاری

الاعتصام لاہور جلد ۹' شمارہ ۱۷' ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۵۷ء

تمییز الطیب والخبیث بتخالف الفقہ والحدیث

فقہ کے معنی اور اس کی تعریف

فقہ کا معنی ہے سمجھنا۔ جیسے کہا جاتا ہے فلان لا یفقہ کہ فلاں شخص نہیں سمجھتا ہے۔ نیز لکھا ہے لا یفقہ العبد کل الفقہ ..... حتّٰی یمقت الناس فی ذات اللّٰہ۔ (انوار اللغتہ) یعنی بندہ پورا سمجھدار نہیں ہوتا یہاں تک کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے برا سمجھے۔ نیز انوار اللغتہ میں ہے: انہ نزل علٰی نبطیۃ بالعراق فقال لھا ھل ھٰھنا مکان نظیف اصلی فیہ فقالت طھر قلبک وصل حیث شئت فقال فقھت۔ یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک نبطی عورت کے پاس ملک عراق میں اترے۔ اس سے پوچھا یہاں کوئی پاک صاف جگہ ہے جہاں میں نماز پڑھوں۔ اس عورت نے کہا کہ تم اپنا دل پاک کرو اور جہاں چاہو وہاں نماز پڑھ لو۔ تب سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حق بات سمجھ گیا۔

نیز حدیث میں ہے لم یفقہ من قرا القرآن فی اقل من ثلاث یعنی جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا' اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔ ان محاورات سے معلوم ہوا کہ فقہ کا معنی ہے سمجھنا۔ جیسے علم کا معنی ہے جاننا۔ دونوں ایک ہی باب فعل یفعل کے، وزن پر ہیں اور ایک ہی دونوں کا معنی ہے۔ ہر عالم فقیہ ہے اور ہر فقیہ عالم ہے۔ یہ تو فقہ کا معنی لغوی تھا۔ اصطلاحی یہ ہے کہ مسائل شرعیہ عملیہ کا ان کے دلائل تفصیلی سے معلوم کرنا۔ اسی لیے مقلد کو فقیہ نہیں کہہ سکتے۔ کبھی فقہ کہتے ہیں نفس کی مفید اور مضر باتیں معلوم کرنا تو وہ علم کلام اور عقائد کو بھی شامل ہو گا۔ (انوار اللغتہ پارہ-۲۰' ص-۹۶)

توضیح میں ہے معرفۃ النفس مالھا وما علیھا عملا وقیل العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ یعنی انسان کے ذمہ جو فرائض عملی ہیں ان کو پہچاننے کا نام فقہ ہے۔ بعض علماء نے یوں کہا ہے کہ احکام شرعیہ عملیہ کو مفصل دلائل سے جاننے کا نام فقہ ہے۔ ابجد العلوم میں علم فقہ کی تعریف اصطلاحی یوں درج ہے معرفۃ النفس مالھا وما علیھا ھکذا نقل عن ابی حنیفۃ والمراد والمعرفۃ ادراک الجزئیات عن دلیل یعنی جو فرائض انسان کے ذمہ واجب ہیں ان کو پہچاننے کا نام فقہ ہے۔ یہ تعریف امام ابوحنیفہ سے بھی مروی ہے۔ پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جزئی مسئلہ کو دلیل کے ساتھ جان لے۔ اس

تعریف لغوی اور اصطلاحی سے یہ امر روشن ہو گیا ہے کہ فقہ سے مراد وہ علم ہے جس سے دلائل شرعیہ کے ساتھ مسائل معلوم کئے جائیں۔ اس سے وہ علم فقہ خارج ہوا جس میں صرف اقوال علماء کے مذکور ہوتے ہیں اور اس میں مسائل اقوال کے ماتحت بیان کئے جاتے ہیں۔ جیسے قدوری، عالمگیری، قاضی خاں، شرح وقایہ، کنز، درمختار وغیرہ کتب فقہ کا حال ہے۔ ان میں جو علم ہے وہ شرعی علم فقہ نہیں ہے بلکہ شرعی علم فقہ کتاب اللہ وکتب حدیث میں ہے جن کو پڑھنے سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے والے کو عالم اور فقہ مروجہ پڑھنے والے کو مقلد کہا جاتا ہے جو جہالت کے مرتبہ میں ہے۔

امام شافعی اپنی فقہ اکبر میں فرماتے ہیں ان کل مکلف مامور بمعرفة اللہ وبالظن والتقلید لا یحصل العلم والمعرفة لان معنی الظن تجویز الامرین ومعنی التقلید قبول قول من لا یدری ماقال من این قال وذالک لا یکون علما۔ (مطبوعہ مصر ص ۱) یعنی ہر ایک انسان اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا مامور ہے اور ظن اور تقلید سے علم اور معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ظن کا معنی تجویز الامرین ہے اور تقلید کا معنی یہ ہے کہ ایسے شخص کے قول کو قبول کرنا جس کی بابت یہ معلوم نہیں کہ اس نے کہاں سے یہ کہا ہے اور یہ علم نہیں ہے۔ نیز مسلم الثبوت جلد ۲، ص ۳۵۱ میں ہے لان الاخذ عن المئوید بالوحی لیس تقلیدا یعنی صاحب الوحی کی بات لینا تقلید نہیں ہے۔ اس تصریح سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ قرآن و حدیث کا ماننا اور اس کا پڑھنا تو علم ہے اور فقہ مروجہ جس میں اقوال غیر ہیں ان کا پڑھنا اور ماننا تقلید ہے اور یہ شرعی علم نہیں ہے۔

شرعی علم فقہ کی فضیلت

قرآن مجید میں ہے ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا جو شخص دین کی سمجھ دیا گیا ہے پس تحقیق وہ بہت بھلائی دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین جس شخص کو اللہ تعالیٰ بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین میں سمجھ دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی واسطے یہ دعا فرمائی اللھم فقھہ فی الدین یعنی یااللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ دے۔ دارمی شریف میں حدیث ہے کہ مسجد نبوی میں ایک مقام پر صحابہ کرام کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی تھیں، آنحضرت ﷺ مسجد میں گذرے تو فرمایا کلاھما علی الخیر واحدھما افضل من صاحبہ اما

ھئولاء فیدعون اللّٰہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھئولاء فیتعلمون الفقہ اوالعلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیھم یعنی دونوں گروہ بھلائی پر ہیں لیکن ایک دوسرے سے افضل ہے۔ یہ گروہ تو رغبت سے اللہ کو پکار رہا ہے وہ چاہے ان کو ان کا مقصود دے یا نہ دے یہ دوسرا گروہ علم فقہ سیکھتا ہے اور جاہلوں کو سکھاتا ہے پس یہ ان سے افضل ہیں اور میرا منصب بھی تعلیم دینے کا ہے' یہ فرما کر آپ علم سیکھنے والوں اور سکھلانے والوں میں بیٹھ گئے۔

اس حدیث سے کئی امور معلوم ہوئے۔ اول یہ کہ ان عابدوں' زاہدوں' صوفیوں سے جو گوشہ نشین ہیں وہ علماء افضل ہیں جو قرآن و حدیث لوگوں کو پڑھاتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ اسی واسطے دوسری حدیث میں ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی) یعنی ایک دین کا عالم شیطان پر ہزار عبادت کرنے والوں سے زیادہ بھاری ہے۔

دوسری یہ کہ مسجد میں علم شرعی پڑھانا سنت ہے۔ تیسرا یہ کہ آنحضور ﷺ بھی معلم کی حیثیت سے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ معلمی کا منصب سب سے افضل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تعلیم اسی چیز کی دی جائے جس کی آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ قرآن میں ہے یعلمھم الکتاب والحکمۃ یعنی نبی قرآن اور حدیث ان کو سکھلاتا ہے۔ پس انہی چیزوں کی تعلیم صحابہ کرام دیتے رہے اور لیتے رہے اور کسی فقہ کا علم مروج کا اس وقت وجود ہی نہ تھا۔

علم فقہ قرآن و حدیث ہے اور سب صحابہ فقہاء تھے'

مروجہ فقہ بدعت ہے

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ خود فقیہ بلکہ اعلیٰ درجہ کے افقہ تھے۔ پس جس چیز کو آپ پڑھتے اور پڑھاتے رہے' وہی علم فقہ ہے جو قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ قرآن میں ہے قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللّٰہ وما انا من المشرکین○ یعنی اے نبی کہہ دے کہ میں اللہ کے دین کی طرف دلائل واضحہ سے بلاتا ہوں اور جو شخص میرا تابعدار ہے وہ بھی اسی طرف بلاتا ہے' اللہ پاک ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام دین اسلام کی طرف دلائل واضحہ کے ساتھ بلاتے تھے' جن سے حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔ بس یہی آپ کا علم فقہ تھا۔ اقوال غیر کی نقل نہ تھی' جیسے کتب فقہ مروجہ میں ہے۔ مدارک میں آیت بالا کی تفسیریوں ہے ای ادعوا الی دینه مع حجة واضحة غیر عمیاء یعنی میں تم کو اللہ کے دین کی طرف دلیل واضحہ کے ساتھ بلاتا ہوں جس میں کوئی اندھاپن نہیں ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے ادعوا الی اللّٰہ علٰی بصیرة وحجة وبرهان یعنی میں تم کو اللہ کی طرف دلیل اور برہان سے بلاتا ہوں۔ تفسیر خازن میں ہے یعنی علٰی یقین ومعرفة والبصیرة هی المعرفة التی یمیز بین الحق والباطل یعنی میں تم کو یقین اور معرفت پر بلاتا ہوں' بصیرت سے مراد وہ معرفت ہے جو حق و باطل میں امتیاز کر دے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی میں ہے۔ اس سے یہ بات منجلی واضح ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام مقلد نہ تھے' سب بصیرت پر تھے اور اس بصیرت کے ساتھ ہی لوگوں کو دین کی طرف بلاتے تھے اور وہ بصیرت دلائل واضحہ ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ علاوہ ان کے اور کسی کتاب میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی بصیرت کی تفصیل نہیں ہے۔ اس بصیرت کا نام ہی معرفت ہے۔ اس کا نام ہی علم ہے' اس کا نام ہی فقہ ہے' اسی کا نام طریقت و شریعت ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مہر کے بارے میں ایک غلطی ہو گئی تو ایک بڑھیا عورت نے قرآن پیش کر کے آگاہ کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا کل الناس افقه من عمر یعنی سب لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ص-۲۰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ومن اراد ان یسئل عن الفقه فلیات معاذا یعنی جو شخص فقہ چاہتا ہے وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔ اس سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مدح کر دی کہ ان کو قرآن و حدیث کی بہت سمجھ ہے ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سب فقیہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے پر ایک شخص نے شکایت کی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا دعه فانه فقیه معاویہ کی برائی کرنا چھوڑ دے وہ فقیہ ہے یعنی قرآن و حدیث کا عالم ہے۔ حنفیوں نے اصول شاشی وغیرہ کتب اصول فقہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ قرار دیا ہے حالانکہ دیگر کتب میں اس کی تردید ہے۔ شرح مسلم الثبوت ص-۴۳۲ میں ہے ان اباهریرة فقیه مجتهد لا شک فی فقاهته ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ مجتہد تھے اس کی فقاہت میں کچھ شک نہیں ہے۔

قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص-۱۵۰ میں ہے ان اباھریرۃ فقیہ صرح بہ ابن الھمام فی التحریر یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ تھے جیسے ابن الہمام نے تحریر میں تصریح کی ہے- اسی طرح چلپی حاشیہ توضیح' ظفر الامانی لمولانا عبدالحی حیوۃ الحیوان فصول الحواشی شرح اصول شاشی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ تسلیم کیا گیا ہے- امام ابن الجوزی تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کان الفقہاء فی قدیم الزمان ھم اھل القرآن والحدیث یعنی قدیم زمانہ میں قرآن حدیث والوں کو فقہاء کہا جاتا تھا-

ایقاظ ہمم میں علامہ فلانی لکھتے ہیں اسم الفقہ عند السلف انما یقع علی علم الکتاب والسنۃ (الی قولہ) اما من اشتغل بآراء الرجال واتخذہ دینا ومذھبا (الی قولہ) فلا یطلق علیہ اسم الفقیہ بل باسم الھوی والعصبیۃ انتہی یعنی فقہ کا نام سلف کے نزدیک قرآن و حدیث پر صادق آتا ہے جو لوگ رائے قیاس کے ساتھ مشغول ہیں اور اس کو اپنا مذہب اور دین بنا لیا ہے' ان پر فقیہ کا اطلاق صحیح نہیں ہے- ان کو اھل ھوٰی والعصبیت کہنا چاہیے- علامہ محمد طاہر فتنی فرماتے ہیں کانوا (ای الصحابۃ) فقہاء یعرفون الفقہ من معانیہ اکثر مما یعرفہ من بعدھم بالکسب انتہی یعنی صحابہ کرام فقہاء تھے جو فقہ کو معانی سے جانتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ جانتے تھے جو بعد میں کسب کے ساتھ اس علم کو جاننے لگے- مجمع البحار-

امام غزالی احیاء العلوم مطبوعہ نولکشور ص-۲۱۳ میں فرماتے ہیں بل جمیع دقائق الفقہ بدعۃ لم یعرفھا السلف واما ادلۃ الاحکام فیشتمل علیھا علم المذھب وھو کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفھم معانیھما واما حبل الجدل من الکسر والقلبوفساد الوضع والترکیب والتعدیۃ فانما ابدعت لاظھار الغلبۃ والافحام واقامۃ سوق الجدل بھا انتہی- یعنی فقہ کی تمام باریکیاں بدعت ہیں جن کو نہیں جانتے تھے سلف صالحین لیکن احکام شرعی کی دلیلیں جن پر مذہب کا جاننا موقوف ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے اور ان کے معانی کو سمجھنا ہے لیکن یہ چالبازیاں' کسر' قلب' فساد وضع' ترکیب' تعدیہ یہ سب بدعت ہیں' جن کی رعایت سے مقابل پر غالب ہوتے ہیں- یہ اس لیے ایجاد ہوئی ہیں کہ جھگڑے کا بازار گرم ہو اور غلبہ حاصل ہو- اس تصریح سے یہ امر صاف مبرہن ہو چکا کہ اصل فقہ قرآن و حدیث کا جاننا ہے- قدیم زمانہ میں کتاب اللہ اور

سنت کا ہی نام فقہ تھا اور اس علم کو جاننے والے کا نام ہی فقیہ تھا۔

اس واسطے حدیث شریف میں ہے کہ من حفظ علی امتی اربعین حدیثا بعثه الله فقیها عالما جو شخص میری امت میں سے چالیس احادیث یاد کرلے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو فقیہ عالم کر کے اٹھائے گا۔ یعنی چالیس احادیث بمع معنی مطلب کے یاد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقیہ عالم کا درجہ پائے گا گو کامل فقیہ نہیں تھا کیونکہ کامل فقیہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ضروری احکام شرعیہ عملیہ کو دلائل کے ساتھ جان لے۔

یہی مطلب اس حدیث کا ہے جس سے حنفیہ فقیہ غیر فقیہ کا فرق اپنے طور سے نکالا کرتے ہیں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تروتازہ فرمائے اللہ تعالیٰ اس بندہ کو جو میری حدیث سنے اور اس کو یاد رکھے اور دوسرے کو پہنچائے کیونکہ بعض اٹھانے والے فقہ کے خود فقیہ نہیں ہوتے اور بعض ایسوں کو پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فہیم ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ فہم و فراست مختلف ہے کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ بعض وہ ہیں جو جلد مطلب کو سمجھ لیتے ہیں' بعض دیر کے بعد یا سمجھانے سے' بعض اکثر عمیق باتوں کو سمجھ لیتے ہیں اور بعض کسی کو سمجھ لیتے ہیں کسی کو نہیں غرضیکہ فہم عطاء الٰہی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کوئی ایسا درخت بتاؤ جو مومن کی مثال ہو۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا حالانکہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے حالانکہ اس وقت چودہ سال کے تھے تو اس سے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا غیر فقیہ ہونا مطلقاً لازم نہیں آتا۔ صرف اس بات میں وہ غیر فقیہ رہے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ فقیہ ہوئے۔ غرض یہ ہے کہ فہم مطلب سے یہاں بحث نہیں ہے یہ تو لغوی بات ہے۔ یہاں اطلاق شرعی پر نظر ہے کہ فقہ نام احکام شرعیہ نصیہ کا ہے۔ آراء رجال اور قیاسات کا نام فقہ شرعی نہیں ہے۔ ہاں مجازا کہہ لیا جائے تو جدا بات ہے۔

دیکھئے اسی حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں غیر فقیہ کو حامل فقہ بھی قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ فقہ قرآن و حدیث ہی کا نام ہے۔ جن مسائل کو کوئی بادلائل سمجھ لے گا وہ

ان مسائل میں فقیہ کہلائے گا اور جن مسائل کا کسی کو علم نہ ہوا' ان میں وہ غیر فقیہ رہا۔ جیسے امام ابوحنیفہ وغیرہ بعض آئمہ کو بعض مسائل کا علم نہ ہوا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہ کتاب و سنت کا نام ہے اقوال رجال کا نام نہیں ہے۔ اگرچہ متاخرین ان کو مجازاً فقہ کہتے ہیں لیکن شرعاً معتبر نہیں۔

شامی ص-۴۹ میں ہے تسمیة علم الفروع فقها تسمیة حادثة یعنی علم فروعی کا نام فقہ رکھنا نیا نام ہے۔ (شرع میں اس کا ثبوت نہیں) امام غزالی نے اسی وجہ سے مسائل فقہ مروجہ کو بدعت کہا ہے' کَمَ مَرَّ - نیز جلد-۳' ص-۲۴۲ احیاء العلوم میں فرمایا ہے فمنهم فرقة اقتصروا علی علم الفتاویٰ فی الحکومات والخصومات وتفاصیل المعاملات الدنیویة الجاریة بین الخلق لمصالح المعایش وخصوا اسم الفقه بها وسموه الفقه وعلم المذاهب (الی قوله) وظن انه علم الدین وترک علم کتاب اللّٰه وسنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وربما طعن المحدثین وقال انهم نقلة اخبار وحملة اسفار لا یفقهون وترک ایضا علم تهذیب الاخلاق وترک الفقه عن اللّٰه تعالٰی وهو العلم الذی یورث الخوف والهیبة والخشوع ویحمل علی التقویٰ' انتهٰی یعنی ان میں سے ایک فرقہ تو رک گیا علم فتاویٰ پر جو جھگڑے اور قضیہ کے متعلق حکم ہیں اور امور دنیوی کی تفصیل ہے جو اصلاح تمدن کے لیے لوگوں میں جاری ہیں۔ انہوں نے ان فتووں کا نام فقہ رکھ لیا اور علم مذاہب کے نام سے منسوب کیا۔ اور یہ خیال کر لیا کہ علم دین یہی ہے اور قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا۔ اور محدثین پر طعن کرنے لگے کہ یہ تو صرف احادیث کے ناقل ہیں۔ ان کو سمجھتے نہیں اور کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اور انہوں نے وہ علم بھی چھوڑ دیا جن سے اخلاق درست ہوتے ہیں اور فقہ الٰہی کو بھی چھوڑ دیا اور وہ ایسا علم ہے کہ جس سے دل میں خوف الٰہی اور ہیبت اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ کا وہ موجب ہے۔

اس تصریح سے بھی معلوم ہو گیا کہ فقہ الٰہی قرآن و حدیث ہے اور علم الفتاویٰ کچھ اور چیز ہے جس کا نام مقلدین نے فقہ رکھ لیا ہے اور سب صحابہ کرام فقیہ تھے۔ چنانچہ ابن حجر مکی اپنی کتاب الخیرات الحسان میں لکھتے ہیں ان کل صحابی مشهور بالفقه۔

علم فقہ کی اقسام: جیسے صحیح اور سچی حدیث کے مقابلہ میں موضوع (جھوٹی) حدیث ہے۔ اسی طرح علم فقہ شرعی کے مقابلہ میں علم فقہ اختراعی ہے۔ علم شرعی تو کتاب و سنت ہے اور

علم اختراعی قیاسات و آراء ہیں جن میں ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کے مشابہہ بنا کر حکم لگائے گئے ہیں- پہلی قسم کے عالموں کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور دوسرے اختراعی علم کے عالموں کو اہل رائے کے نام سے پکارا گیا ہے- چنانچہ تاریخ ابن خلدون جلد-۱' ص-۳۷۲ میں ہے انقسم الفقه فیهم الی طریقین طریقة اهل الرائی والقیاس وهم اهل العراق وطریقة اهل الحدیث وهم اهل الحجاز وکان الحدیث قلیلا فی اهل العراق لما قدمناه فاستکثروا من القیاس ومهروا فیه فلذلک قیل اهل الرای ومقدم جماعتهم الذی استقر المذهب فیه واصحابه ابو حنیفة' انتهٰی یعنی متقدمین میں فقہ دو طریقوں پر منقسم ہو گئی- ایک طریقہ اہل رائے والقیاس کا اور وہ ملک عراق والے ہیں اور ایک طریقہ اہل حدیث کا اور وہ اہل حجاز یعنی مکہ و مدینہ والے ہیں- اہل عراق (جن کا مرکز کوفہ تھا) میں علم حدیث کم تھا جس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں تو انہوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور اسی فن میں زیادہ ماہر ہوئے- اسی وجہ سے ان کو اہل رائے کے لقب سے پکارا گیا- اہل رائے کے سردار جن میں اور جن کے شاگردوں میں یہ مذہب قائم ہوا ابوحنیفہ ہیں-

میزان الاعتدال (جلد-۳' ص-۲۳۷ مصری) میں امام ابوحنیفہ کو امام اہل رائے لکھا ہے- جن کا دستور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ ص-۱۴۹ میں یہ بیان کیا ہے فکان اکثر امرهم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار یعنی ان کا اکثر دستور یہ ہے کہ مسئلہ میں اس کے مشابہہ مسئلہ کا جو حکم ہوتا ہے وہی حکم اس مسئلہ پر لگا دیتے ہیں اور مسئلہ کو شخص متقدم کے قواعد کی طرف پھیر پھار کر لے جاتے ہیں- احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ تلاش نہیں کرتے یعنی قیاس سے فتویٰ دیتے ہیں حدیث اور اقوال صحابہ کی ان کو غرض نہیں ہے-

کتاب الملل والنحل مصری ص-۲۲ میں ہے اصحاب الرای وهم اهل العراق هم اصحاب ابی حنیفة النعمان (الی قوله) وانما سموا اصحاب الرای لان عنایتهم بتحصیل وجه من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناء الحوادث علیها وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی اصحاب الرای سے مراد عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ نعمان کے مقلد ہیں ان کو اہل رائے اس وجہ سے کہا گیا کہ ان کی توجہ قیاس کے طریق حاصل کرنے پر ہوتی تھی اور معانی مستنبط پر جن کا تعلق روزمرہ کے احکام سے

ہے بارہا انہوں نے قیاس جلی کو احادیث پر مقدم کیا جن کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے رسالہ انصاف کے ص-۷۷ پر فرماتے ہیں اشتغالهم بعلم الحديث قليل قديما وحديثا یعنی حنفیوں کا شغل حدیث کے ساتھ بہت کم رہا ہے پہلے زمانہ میں بھی اور اب بھی۔

تاریخ خمیس جلد-۲، ص-۳۲۸ میں ہے قولنا هذا راى ہمارا قول تو محض رائے ہے۔ تاریخ الخلفاء مصری ص-۱۰۱ میں ہے وصنف ابوحنيفة الفقه والراى یعنی امام ابوحنیفہ نے فقہ و رائے تصنیف کی تھی۔ طحاوی مطبوعہ کلکتہ جلد-۱، ص-۳۵۰ میں ابویوسف سے بہت لمبی روایت نقل کرتے ہیں جس میں امام موصوف کا قرآن و حدیث و علم نحو و علم شعر سے اعراض فرما کر فقہ کو لازم کر لینا لکھا ہے۔ قلت ليس لى فى العلوم انفع من هذا فلزمت الفقه وتعلمته یعنی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے (بعد از مشورہ) یہ کہا کہ تمام علموں میں فقہ سے بڑھ کر کوئی علم زیادہ فائدہ مند نہیں ہے، پس میں نے فقہ کے علم کو لازم پکڑا اور اس کی تعلیم حاصل کی یعنی وہ فقہ جو اقوال الرجال اور لوگوں کے قیاسات ہیں۔ اسی واسطے آپ کو امام اہل الرای کہا گیا اور اہل رائے سے مراد آپ اور آپ کا گروہ ہیں۔

بس اس تحقیق سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ فقہ دو قسم ہے۔ ایک قرآن و حدیث، یہ تو مکہ و مدینہ کے علماء نے لازم کر لی تھی جو کتب حدیث میں مدون ہے اور دوسری رائے و قیاس، یہ عراق والوں نے لازم کر لی تھی جو کتب فقہ مروجہ میں مدون ہے۔ بس اب حق و باطل میں امتیاز کرنا نہایت آسان ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں جو فقہ کا علم معمول بہ تھا، وہ عین دین ہے اور شریعت الٰہی ہے اور جو علم فقہ بعد میں ظہور پذیر ہوا، وہ اس کے مقابلہ میں مردود مطرود ہے۔ اب یہ دیکھ لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے وقت میں کون سا علم جمع کیا گیا اور عمل میں لایا گیا۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

کتاب و سنت کا زمانہ نبوی و صحابہ میں جمع ہونا اور ان کی حفاظت: مخفی نہ رہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ رب العالمین نے دو چیزیں نازل فرمائیں ہیں قرآن اور حدیث۔ صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن وحی جلی ہے یعنی یہ کلام اور معنی اور مراد سب اللہ کے ہیں اور حدیث وحی خفی ہے یعنی اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے نہیں ہیں۔ (بہت سی

احادیث کے الفاظ بھی منجانب اللہ ہیں جن کو احادیث قدسیہ کہا جاتا ہے) معنی مراد اور اس سے جو مسئلہ ثابت ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ میں خود آنحضرت ﷺ صادق مصدوق کی شہادت موجود ہے۔ فرمایا ہے الا انی اوتیت القرآن ومثله معه خبردار میں قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز اللہ کی طرف سے دیا گیا ہوں۔ اب اس جیسی یعنی قرآن جیسی چیز کیا ہے؟ اس کے متعلق دارمی میں حدیث ہے عن حسان قال کان جبرائیل ینزل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن یعنی حضرت حسان رضی اللہ عنہ شہادت دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جبرائیل علیہ السلام جیسے قرآن لے کر اترتے تھے' حدیث بھی لے کر اترتے تھے۔ چنانچہ اس حدیث کی تائید خود قرآن بھی کرتا ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی نبی ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے۔ وہی بیان کرتے ہیں جو آپ کو وحی کی جاتی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے ویعلمهم الکتاب والحکمة یعنی نبی ان کو قرآن اور حدیث سکھلاتا ہے۔ صرف یہی دو چیزیں صحابہ کرام سیکھتے سکھلاتے رہے۔

دارمی میں ہے عن الحسن عن ابی موسیٰ انه قال حین قدم البصرة بعثنی الیکم عمر بن الخطاب اعلمکم کتاب ربکم وسنتکم وانظف طرقکم یعنی حسن کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تاکہ میں تم کو اللہ کی کتاب اور تمہارا شرعی طریقہ سکھلاؤں اور تمہارے چال چلن درست کروں۔

دارمی میں دوسری جگہ ہے عن عکرمة قال ابن عباس یضع فی رجلی الکبل ویعلمنی القرآن والسنن یعنی عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ میرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر مجھے قرآن و حدیث سکھاتے تھے۔ پہلے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شہادت گذر چکی ہے کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی ان قال ونعلم الناس السنن یعنی ہم کو آنحضور ﷺ نے تین چیزوں پر کسی کو غالب نہ آنے دینے کا حکم فرمایا ہے۔ ان میں ایک یہ کہ ہم لوگوں کو احادیث سکھلائیں۔ ان دلائل سے صاف یہ واضح ولائح ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن و حدیث ملا اور اسی کو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو پڑھایا اور صحابہ نے آگے لوگوں کو یہی سکھایا۔

علاوہ اس کے یہ بدیہی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا

تھا' وہی آنحضرت ﷺ نے اپنی امت مرحومہ کے لیے چھوڑا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی اور چیز دے اور آپ امت کے لیے کچھ اور چھوڑیں۔ قرآن میں تو یہ حکم تھا کہ بلغ ما انزل الیک من ربک یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے وہی پہنچا دو۔ اور یہ بھی اللہ نے فرمایا کہ وما ھو علی الغیب بضنین یعنی وہ نبی کسی پوشیدہ چیز پر بخیل نہیں ہے سب کچھ بیان کر دیتا ہے۔ نیز جب آنحضرت ﷺ کے متعلق اللہ رب العالمین اور تمام انسانوں مومنوں اور کافروں کی یہ شہادت ہے کہ آپ امین تھے تو پھر آپ اپنی امت کو وہی چیز دے کر جائیں گے جو آپ کو منجانب اللہ ملی ہے' سو وہ قرآن و حدیث ہی ہے۔ چنانچہ مؤطا میں حدیث وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ یعنی میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑ رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن و حدیث پر عمل کرتے رہے اور یہی امت کے لیے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور یہ فرما گئے کہ اگر تم ان کو مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ جب دو چیزیں منجانب اللہ آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئی ہیں تاکہ ان پر تمام انسان عقیدہ و عمل رکھ سکیں تب یہ ضروری امر تھا کہ ہر دو چیزیں (قرآن و حدیث) اسلام کے ابتدا سے انتہا تک محفوظ ہو کر باقی رہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ان ہر دو چیزوں کی حفاظت اپنے زبردست ہاتھوں میں لی اور فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنی ہم نے ذکر کو اتارا اور اس کی ہم خود ہی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ذکر کا اطلاق قرآن اور رسول ہر دو پر وارد ہے۔ ایک جگہ فرمایا وانہ لذکر لک ولقومک یعنی یہ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت نامہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یعنی اے انسانو! اللہ نے تمہاری طرف ذکر رسول نازل کیا یعنی رسول نصیحت کرنے والا بھیجا۔ پس نہ تو قرآن کے آس پاس غلطی پھٹک سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید یعنی یہ قرآن حکمت والے تعریف والے کی طرف سے نازل ہوا ہے نہ تو اس کے سامنے ہی باطل آسکے اور نہ پیچھے سے آسکے۔ اور نہ حدیث پیغام نبوی میں باطل کی ملاوٹ ہو سکتی ہے۔ فرمایا اللہ نے فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم یعنی نبی کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر ہوتے ہیں تاکہ

یہ معلوم کرلیں کہ رسول نے رسالت پہنچادی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی حفاظت اس لیے تھی کہ وہ پیغام و احکام الٰہی پہنچا دے۔ پس بعد از وصال بھی حفاظت رہے گی تاکہ وہ احکام تمام انسانوں کو قیامت تک پہنچتے رہیں کیونکہ ان پر ہی دارومدار نجات کا ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی حفاظت ابتداء اسلام سے اب تک ہوتی چلی آئی ہے جس کی وجہ سے بعینہٖ ہردو دنیا میں موجود ہیں اور اسی طرح انشاء اللہ آخر تک موجود رہیں گے۔ قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ نے حفاظ کو پیدا کردیا اور حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کے گروہ کو کھڑا کردیا جنھوں نے بشکل اسناد مسلسل و تعامل متواتر محفوظ کیا۔ جیسے قرآن مجید سینوں اور کاغذوں میں محفوظ چلا آیا ہے' اسی طرح حدیث بھی چلی آئی ہے۔

تذکرۃ الحفاظ جلد۱' ص۵ اور منتخب کنزالعمال جلد۔۴' ص۔۵۸ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جمع ابی الحدیث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکانت خمس مائۃ حدیث کہ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث لکھ کر جمع کی تھیں۔ مجتبیٰ میں ہے ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الٰی اھل الیمن کتابا فیہ فرائض والسنن والدیات وبعث بہ مع عمرو بن حزم (الحدیث) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک کتاب لکھ کر عمرو بن حزم کی معرفت روانہ کی جس میں فرائض اور سنن اور دیت وغیرہ کے مسائل تھے۔ اس کتاب کے متعلق زاد المعاد جلد اول ص۔۳۰ کانپوری میں ہے ھو کتاب عظیم فیہ انواع کثیر من الفقہ والزکٰوۃ والدیات والاحکام وذکر الکبائر والطلاق والعتاق واحکام الصلٰوۃ ومس المصحف وغیر ذالک قال الامام احمد لاشک ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتبہ یعنی یہ ایک بڑی کتاب تھی' اس میں بہت سے شرعی مسائل لکھے تھے مثلاً زکوٰۃ' دیات' احکام' ذکر کبائر' طلاق' عتاق' نماز کے مسائل۔ قرآن کو ہاتھ لگانے کے مسائل اور ان کے علاوہ اور بہت تھے۔ امام احمد نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے لکھوائی تھی۔

اسی طرح منتخب کنزالعمال حاشیہ مسند احمد جلد۔۴' ص۔۵۸ میں رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ قلت یارسول اللّٰہ انا نسمع منک اشیاء فنکتبھا قال اکتبوا ولا حرج یعنی میں نے کہا یارسول اللہ آپ سے ہم کئی چیزیں سنتے ہیں کیا ان کو لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا لکھ

لیا کرو کچھ حرج نہیں ہے۔ بخاری وغیرہ میں ہے وفد عبدالقیس کو آنحضرت ﷺ نے احکام دین سکھلا کر فرمایا احفظوہ واخبروہ من ورائکم - دوسری روایت میں ہے ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم یعنی ان احکام کو خوب یاد کر لو اور گھر جا کر اپنے اہل و عیال کو بھی سکھلاؤ۔

قرآن و حدیث کے متعلق یہ آپ نے ہدایت کر دی تھی کہ جیسے سنے ویسے بلاکم و بیش آگے پہنچا دے۔ ترمذی میں ہے نضر اللہ امرا سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعی من سامع یعنی اللہ اس شخص کو سرسبز و شاداب کرے جو ہم سے کوئی مسئلہ سن کر بعینہٖ اسی طرح دوسروں تک پہنچا دے کیونکہ بعض وہ لوگ جن کو مسئلہ پہنچایا جاتا ہے' سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ سے احادیث سن کر آگے اپنے ان دوستوں کو جو کھیتی باڑی کرنے یا اونٹ بکری چرانے اور تجارت دکانداری کرنے میں مصروف رہنے کی وجہ سے حاضر مجلس نہ ہو سکتے تھے' وہ احادیث سکھلاتے تھے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ جو نہ سکھلائے گا اسے ہم سزا دیں گے اولا عاجلنھم بالعقوبۃ (طبرانی کبیر و مسند احمد) نیز طبرانی کبیر میں ہے واللہ ماکل ما نحدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعناہ ولکن لم یکن یکذب بعضنا بعضا یعنی اللہ کی قسم تمام وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے ہم روایت کرتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ سے بذات خود ہم نے سنی ہیں بلکہ ایک دوسرے صحابی سے سن کر بھی روایت کرتے تھے کیونکہ ہم سے کوئی شخص بھی ایک دوسرے کو جھوٹ نہیں بیان کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ جھوٹ کیسے بیان کرتے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص میرے ذمہ ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں یقین کر لے۔ (بخاری) بخاری میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ خرید کر ایک مہینہ کا سفر طے کر کے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث حاصل کی اور کہا حدیث بلغنی عنک انک سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فخشیت ان اموت قبل ان اسمعه مجھے ایک حدیث معلوم ہوئی تھی کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے' مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کو سننے سے پہلے میں فوت ہو جاؤں۔

الغرض کتب حدیث اور تاریخ بتا رہی ہیں کہ صحابہ کرام نے احادیث نبویہ کی حفاظت کا

اہتمام اس طریق پر کر رکھا تھا کہ قرآن کریم کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا کہ وہ اس التزام سے قلمبند اور حفظ ہوتی رہی ہو' جس التزام سے صحابہ کرام نے حدیث نبوی کو حفظ کیا تھا۔ صعوبتیں اٹھائیں' سینکڑوں میل کے سفر اختیار کیے لیکن حدیث نبوی کو نہ چھوڑا۔ حفظ و تبلیغ سے کام لیا' تحریر و تدوین سے حفاظت کی۔ غرضیکہ ہر ممکن طریقہ سے اس وراثت نبویہ کو حاصل کیا اور آگے جوں کا توں پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت میں کم و بیشی کے بارے میں زجرو توبیخ کرتے ہوئے حکم فرمایا تھا کہ قیدو العلم بالکتاب یعنی علم حدیث کی کتابیں تیار کرو۔ منتخب کنزالعمال جلد-۴' ص-۵۷ میں ہے عن علی قال اذا کتبتم الحدیث فاکتبوہ باسنادہ رواہ الحاکم یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے منشیوں کو حکم دیا تھا کہ احادیث کو مع سند کے لکھا کرو یعنی جس سے کوئی حدیث سنو اس کا نام بھی لو۔ بس یہی حدیث کے صحیح اور موضوع ہونے کا معیار ہے یعنی اسناد کا ہونا۔ اگر سند نہ ہوتی تو پھر علم حدیث میں جھوٹ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے عبداللہ بن مبارک نے فرمایا الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء یعنی اسناد میرے نزدیک دین سے ہے اگر اسناد نہ ہو تو جو کچھ چاہے کوئی کہہ دے۔

شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے صاف لکھ دیا ہے العلم ماکان فیہ قال حدثنا وما سوی ذالک وسواس الشیاطین یعنی علم وہ ہے جس میں سند ہو اور جو اس کے سوا ہے وہ وسواس شیطانی ہے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے الاسناد سلاح المومن فاذا لم یکن معہ سلاح لم یقدر ان یقاتل (شرح نخبہ) یعنی اسناد مومن کا ہتھیار ہے جب اس کے پاس یہ ہتھیار نہ ہو گا تو وہ مقابلہ کرنے کی قدرت نہ رکھے گا۔ الغرض اسناد کا ہونا ضروری ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی امر کے ثبوت کے لیے باب باندھا ہے باب قول المحدث حدثنا واخبرنا وانباء نا وسمعت واحد یعنی اہل حدیث جو حدیث بیان کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں حدثنا ہم کو بیان کیا' ہم کو خبر دی' ہم کو بتایا' میں نے سنا۔ ان سب کا مطلب ایک ہے سماع ثابت ہو جائے گا۔ یہی اسناد ہے جس کا رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ سے لے کر محدثین مؤلفین کتب حدیث کے زمانہ تک رہا بلکہ بعض روایتوں میں یہ اسناد پروردگار عالم تک بھی پہنچائی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری)

اسی وجہ سے غیر قوم اسناد اہل اسلام پر رشک کرتے ہیں اور بطور انصاف اپنی کتابوں میں

تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا کہ "علم رجال پر مسلمان جتنا فخر کریں بجا ہے۔ نہ ایسی قوم گذری اور نہ اب ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک کے علماء کے حالات زندگی لکھے ہوں۔ ہم کو پانچ لاکھ مشہور عالموں کا تذکرہ ان کی کتابوں سے مل سکتا ہے' انتہی۔ غرضیکہ اسناد کی خوبی اور اس کی مشروعیت پر کوئی مسلم بلکہ اہل انصاف غیر مسلم بھی انکار نہیں کر سکتا بلکہ تمام محققین یورپ محدثین کی تحقیقات دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں۔

اسناد کے معنی ہیں "متن حدیث کے طریق کی حکایت" اور متن حدیث وہ ہے جس پر اسناد کا کلام ختم ہوتا ہے۔ مثال اس کی بخاری کی یہ حدیث ہے حدثنا مکی بن ابراھیم قال ثنا یزید بن ابی عبید عن سلمۃ بن الاکوع قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار۔ یعنی امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم کو بیان کیا مکی بن ابراہیم نے' اس نے کہا کہ ہم کو بیان کیا یزید بن ابوعبید نے' انہوں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بیان کیا' سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جو کوئی شخص میرے ذمہ وہ بات لگائے جو میں نے نہیں کہی ہے' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ یہ امام بخاری کی ثلاثی حدیث ہے یعنی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں۔ اس سے زیادہ واسطے بھی امام بخاری سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آجاتے ہیں۔ اس میں حدثنا سے لے کر یقول تک تو اسناد ہے اور من یقل سے آخر حدیث تک متن ہے اور اس حدیث کے بیان کرنے والوں کو "راوی" کہا جاتا ہے۔ اب ان کے حالات زندگی الگ کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے اعتبار پر حدیث کا دارومدار ہے۔ یہ ہے اسناد کا مقصد جس سے قرآن و حدیث کا محفوظ ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ قرآن کا ثبوت تو تواتر اسناد سے ہے اور احادیث کا ثبوت کسی جگہ مشہور سے' کسی جگہ خبر واحد سے۔ بہرکیف مسلسل اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ راویوں پر جرح و تعدیل کی نوبت بھی آتی ہے تو ان کے قواعد علیحدہ مرتب ہیں۔

حدیث کی چھ کتابیں: بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ شہرہ آفاق ہیں جن کا نام "صحاح ستہ" مشہور ہے۔ ان کتابوں کی تدوین گو بانی دین کے بعد ہوئی ہے لیکن اسناد کے التزام اور صحت کے التزام اور ان کتابوں کے مؤلفین کے معتبر و معتمد علیہ و ماہرین

فن حدیث ہونے نے ان کتابوں کو مثل قرآن مقبول بنا دیا ہے- اب اہل اسلام کا مشرق سے مغرب تک اتفاق چلا آرہا ہے کہ یہ حدیث کی معتبر و مقبول کتابیں ہیں- اسی لیے ہر مدرسہ اسلامیہ میں خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں' ان کتابوں کا درس دیا جاتا ہے- حتیٰ کہ حنفیہ کے مسلم بزرگوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ صحیح و غلط مسئلہ کا مدار کتب حدیث صحاح ستہ ہیں-

چنانچہ علامہ طحطاوی شرح درمختار ص-۱۵۳ میں فرماتے ہیں فان قلت ما وقوفک علی انک علی صراط مستقیم وکل واحد من هذه الفرق یدعی انه علیه قلت لیس ذالک بالادعاء بل بالنقل عن جهابذة الصنعة وعلماء اهل الحدیث الذین جمعوا صحاح الحدیث فی امور رسول الله صلی الله علیه وسلم واحواله وافعاله وحرکاته وسکناته واحوال الصحابة والمهاجرین والانصار والذین ابتعوهم باحسان مثل الامام البخاری ومسلم وغیرهما من الثقات المشهورین الذین اتفق اهل المشرق والمغرب علی صحة ماروره فی کتبهم من امور النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه ثم بعد النقل ینظر الی الذی تمسک بهدیهم واقتفی اثرهم واهتدی فی الاصول والفروع فیحکم بانه من الذین هم هم وهذا هو الفارق بین الحق والباطل' انتهٰی- یعنی اگر تو یہ کہے کہ تجھے کیسے معلوم ہے کہ تو سیدھے رستہ پر قائم ہے' یہاں تو تمام فرقوں کے افراد ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا فرقہ سچا ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات دعویٰ سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ علماء ماہرین فن اور اہل حدیث کی نقل سے ثابت ہو گی اور اہل حدیث وہ ہیں کہ جنہوں نے صحیح احادیث جمع کیں جو رسول اللہ ﷺ کے امور میں آئی ہیں جو آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی نشست و برخواست میں وارد ہیں اور صحابہ مہاجرین و انصار اور تابعین کے متعلق آئی ہیں- جیسے امام بخاری و مسلم اور ان کے سوا اور بھروسہ کے لائق مشہور محدثین کہ ان کی روایتوں پر جو ان کی کتابوں میں ہیں' اہل مشرق و مغرب نے اتفاق کر لیا ہے اور ان کو صحیح مان لیا ہے- اب بعد اس نقل کے ملاحظہ کیا جائے کہ کون فرقہ ان کے طریقے اور نقش قدم پر چلتا ہے اور اصول و فروع میں کون ان کے رستہ پر ہے- پس یہ بات دیکھ کر حکم لگایا جائے گا کہ یہ فرقہ صراط مستقیم پر ہے اور اس گروہ حقہ میں شامل ہے- یہ حق و باطل کا معیار ہے-

اسی طرح مجمع البحار میں طیبی سے نقل کیا ہے۔ فان قلت ما وثوقک انک علی الصراط المستقیم فان کل فرقة تدعی انها علیه قلت بالنقل عن الثقات المحدثین الذین جمعوا صحاح الاحادیث فی اموره صلی اللّٰه علیه وسلم واحواله وافعاله وفی احوال الصحابة مثل الصحاح الستة التی اتفق الشرق والغرب علی صحتها وشراحها کاالخطابی والبغوی والنووی اتفقوا علیه بغور ملاحظة بنظر من الذی تمسک بهدیهم واقتفی اثرهم' انتهٰی۔ خلاصہ مطلب اس عبارت کا بھی وہی ہے جو بیان ہوا۔ اس میں بھی صحاح ستہ کا نام لیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ عبارت سابقہ میں علماء اہل حدیث ثقات ماہرین فن مشہورین سے کتب صحاح ستہ کے مؤلفین مراد ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتب صحاح ستہ کو اپنا دستور العمل بنانے والے لوگ فرقہ ناجیہ' اہل حق' اہل سنت' اہل حدیث کے مصداق ہیں کیونکہ ان کتابوں میں وہ فقہ مدون ہو چکی ہے جو قرون ثلاثہ میں بطور شریعت رائج تھی۔ شریعت بھی دراصل خطابات شارع ہی کا نام ہے۔ اقوال غیر اور رائے کا نام شریعت نہیں ہے۔ توضیح تلویح مصری ص-۱۶ میں ہے الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع یعنی شریعت وہ چیز ہے جو شارع کے بتلائے بغیر نہیں جانی جا سکتی۔ جب یہ امر محقق ہو چکا کہ شریعت خطاب شارع کا نام ہے اور خطاب شارع قرآن و حدیث ہے جو ابتداء اسلام سے اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ پس اس کی تابعداری فرض ہے۔ علاوہ اس کے کسی تیسری چیز کو شریعت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جنھوں نے اس کو قرار دیا ہے ان کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ یعنی کیا لوگوں نے ایسے شریک (معبود) مقرر کر رکھے ہیں جو ان کے لیے دین میں وہ باتیں مشروع کر دیں جو اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی نہیں ہیں۔ فافهم وتذکر ولا تکن من الغافلین۔

(عود الی المقصود) اس تصریحات سے قرآن و حدیث کا علم فقہ ہونا اور اس علم کو سمجھنے والے کا نام فقیہ ہونا ثابت ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہی علم شریعت ہے جو ابتداء اسلام سے اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ اب اس سے کتب فقہ اور جو علم اس میں مدون ہے' اس کی حقیقت بھی آشکارا ہو چکی ہے کیونکہ الاشیاء تعرف باضدادھا یعنی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں لیکن ہم ذرا بالتفصیل مقابلہ کر کے حقیقت کو ظاہر کر دیتے ہیں تاکہ عوام کو

بھی پتہ لگ جائے (فقہ حنفیہ کی حالت) مذکورہ بالا تقریر کو مدنظر رکھنے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ فقہ حنفیہ مروجہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر باطل اور مردود ہے۔

وجہ اول: یہ کہ کتب فقہ مروجہ میں اکثر رائے اور قیاس مقلدین اہل رائے ہے' قرآن و حدیث نہیں ہے۔ چنانچہ شامی مطبوعہ دارالکتب مصر جلد اول ص۵۱ میں ہے اعلم ان مسائل اصحابنا الحنفیة علٰی ثلاث طبقات الاولٰی مسائل الاصول وھی مسائل مرویة عن اصحاب المذاھب وھم ابوحنیفة وابو یوسف ومحمد ویلحق بھم زفر والحسن بن زیاد وغیرھما ممن اخذ عن الامام والثانیة مسائل النوادر وھی المرویة عن اصحابنا المذکورین لم ترو عن محمد بروایات ظاھرة ثابتة صحیحة الثالثة الواقعات وھی مسائل استنبطھا المجتھدون المتاخرون لما سئلوا عنھا ولم یجدوا فیھا روایة وھم اصحاب ابی یوسف ومحمد واصحاب اصحابھما وھلم جرا وھم کثیرون ومن بعدھم' انتھٰی۔ یعنی ہمارے حنیفہ کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔ اول مسائل اصول ہیں جن سے مراد امام ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد' زفر' حسن بن زیاد وغیرہ جو لوگ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے ان سب کے احکام میں دوسرے مسائل نوادر ہیں۔ یہ مسائل ویسے تو انہی حضرت سے منقول ہیں لیکن ظاہر اور صحیح اور ثابت روایت سے نہیں (ضعیف طریق سے ہیں) تیسرے واقعات ہیں یہ وہ مسائل ہیں جن کو ان کے بعد والے مجتہدین متاخرین نے استنباط کیا جبکہ ان سے سوالات ہوئے اور کوئی حکم ان کے جواب میں امام صاحب سے منقول نہ تھا تو اس جماعت متاخرین نے اپنے قیاس اور استنباط سے وہ مسائل بیان کر دیئے۔ اس جماعت کا حلقہ اتنا وسیع ہے کہ امام صاحب کے شاگرد اور شاگردان شاگرد اور پھر ان کے شاگرد غرض نیچے تک سب شامل ہیں۔

حنفی مذہب کی مملکت کے آزاد حکام اہل رائے فرمانروا لاکھوں کروڑوں ہیں جن کے قیاسات و آراء کتب فقہ میں بھرے ہوئے ہیں۔ حنفی رعایا ان سب کی مقلد بن کر جو مسئلہ موقعہ و محل کے مناسب ہوتا ہے اور جو کسی کو پسند آتا ہے لے لیتے ہیں۔

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ سب خانہ ساز باتیں ہیں اور بعض الناس کی خوش عقیدگی ہے کہ یہ مسئلہ فلاں امام سے مروی ہے' یہ مسئلہ فلاں امام سے' ثبوت باسناد صحیح کسی کا بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے' اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ کتب فقہ مروجہ

میں قرآن و حدیث کے مسائل نہیں ہیں۔ اہل رائے اماموں کی روایات ہیں جو متقدمین و متاخرین گذر چکے ہیں۔

رائے اور قیاس کی مذمت اور اس کی تشریح: اجتہاد دین میں دو طرح پر ہے۔ ایک بطریق دلالات نصوص و اشارات و اقتضاءات۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ اس دلیل کا مدلول علیہ ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی نے تلویح میں لکھا ہے الاجتھاد قد یکون بغیر القیاس المتنازع فیه کالاستنباط من النصوص الخفیة الدالة اوالحکم بالبراۃ الاصلیة او القیاس المنصوص بعلة انتھی۔ یعنی اجتہاد کبھی بغیر قیاس تنازع فیہ کے ہوتا ہے جیسے نصوص خفیہ سے کوئی حکم بذریعہ اس کی دلالت کے استنباط کیا جائے یا کوئی مسئلہ اباحت اصلیہ کی بناء پر استنباط کیا جائے یا قیاس منصوص بعلت سے کوئی مسئلہ نکالا جائے۔ یہ سب اجتہاد درست اور جائز ہے البتہ اگر کسی شرعی دلیل کے یہ مخالف ہوا تو ترک کیا جائے گا۔ آئمہ مجتہدین محدثین میں یہ اجتہاد رائج تھا' اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

دوسرا طریق اجتہاد کا یہ ہے کہ شارع کی طرف سے کوئی حکم منصوص العلۃ نہ ہو' محض اپنے خیال سے ایک علت پیدا کر کے اس کو فرع کی طرف متعدی کرنا اور وہی حکم ثابت کرنا جو اصل نص میں تھا یا حکم معلل بعلت اصل سے فرع کی طرف متعدی کیا جائے درآں حالیکہ وہ حکم فرع میں شارع کی جانب سے منصوص العلۃ نہ ہو یا کلام آئمہ سے قواعد تخریج کر کے ان سے مسائل نکالنا یہ سب قیاسات و آراء باطلہ ہیں' کتب فقہ انہی سے بھری پڑی ہیں۔ پھر یہ اکثر نصوص شرعیہ کے صریح خلاف ہیں' کما سیاتی نظائرہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔ ایسے قیاس ورائے کی برائی حدیث میں بہت آئی ہے اور سلف نے اس پر سختی سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ مختصر طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے عن عوف بن مالک قال قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اعظمھا فتنة علی امتی قوم یقیسون الامور برایھم رواہ الطبرانی فی الکبیر (مجمع الزوائد جلد ۱' ص ۱۷۹) یعنی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا فتنہ میری امت میں وہ لوگ برپا کریں گے جو دینی مسائل میں اپنی رائے سے کام لیں گے۔

فتح الباری انصاری پارہ ۲۹' ص ۲۱۹ میں ہے قال عمر ایاکم واصحاب الرای فانھم

اعداء السنن حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ تم اہل رائے سے بچو کیونکہ یہ احادیث کے دشمن ہیں۔

حجتہ اللہ البالغہ ص-۱۵۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جابر بن زید رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم فقہاء بصرہ سے ہو فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة ماضية فانك ان فعلت غير ذالك هلكت واهلكت یعنی فتویٰ قرآن و حدیث سے دینا' اگر ان کے سوا کسی اور چیز سے فتویٰ دیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے۔

میزان شعرانی ص-۴۷ جلد-۱ میں ہے' امام جعفر صادق فرماتے تھے من اعظم فتنة تكون على الامة قوم يقيسون فى الامور برايهم فيحرمون ما احل الله ويحلون ما حرم الله یعنی سب سے بڑھ کر فتنہ امت پر یہ ہے کہ ایک قوم امور دین میں قیاس کرے گی۔ حرام کرے گی اس چیز کو کہ حلال کیا اللہ نے اور حلال کرے گی اس چیز کو کہ حرام کیا اللہ نے۔ امام جعفر نے امام ابو حنیفہ کو بھی روکا تھا کہ قیاس نہ کیا کریں۔ دراسات اللبیب ص-۳۳ میں ہے روی عن الامام ابی جعفر الصادق لابی حنیفة بلغنی انک تقیس لا تقس فان اول من قاس ابلیس مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم قیاس کرتے ہو؟ قیاس مت کرنا کیونکہ اول جس نے قیاس کی بنیاد رکھی ہے وہ ابلیس ہے۔

میزان شعرانی جلد-۱' ص-۴۸ میں ہے کہ امام شعبی جو امام ابو حنیفہ کے استاد تھے' فرماتے تھے کہ سيجيى قوم يقيسون الامور برايهم فينهدم الاسلام وينثلم یعنی عنقریب ایسے لوگ ہونے والے ہیں جو دین میں اپنی رائے سے مسائل بیان کریں گے' پس اس وقت اسلام گر جائے گا اور ٹوٹ جائے گا۔ امام سفیانی ثوری نے فرمایا انما الدین بالاثار لیس بالرای - شرف اصحاب الحدیث بس اس مختصر تصریح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیاس و رائے کے مسائل دین میں بہت برے ہیں جب یہ مسائل پھیل جائیں گے تو اسلام میں فتنہ برپا ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب سے فقہ حنفیہ پھیلی ہے فتنہ اور اختلاف اہلسنت میں جاری ہے اور قیاسی مسائل لیے جا رہے ہیں۔ اب اس سے اہل انصاف اندازہ کرلیں کہ کتب فقہ کا دین میں پایہ کیسا ہے؟

آئمہ اہل رائے کا مختصر ذکر: بعض لوگ ہر استنباط کرنے والے اور مسئلہ کی تخریج کرنے والے کو اہل رائے کہہ دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ

انصاف ص-۸۹ میں فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ رائے سے مراد نفس فہم اور عقل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سے تو کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں ہے اور نہ وہ رائے مراد ہے جس کا اعتماد سنت پر نہ ہو کیونکہ مسلمان محض اپنی طرف سے عمداً کوئی بات نہیں گھڑتا اور نہ استنباط اور قیاس پر قدرت مراد ہے- کیونکہ امام احمد اور امام اسحاق بلکہ امام شافعی بلاتفاق اہل رائے نہیں ہیں حالانکہ استنباط و قیاس (اجتہاد شرعی) وہ بھی کرتے ہیں بلکہ اہل رائے سے مراد وہ قوم ہے جو اجماعی و جمہوری مسائل کے بعد باقی مسائل دینی میں متقدمین میں سے کسی ایک شخص کے اصول کے پابند ہیں اور اکثر کام ان کا ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنا ہے اور ان اصولوں سے کسی اصول کے مطابق کرنا بغیر جستجو احادیث اور آثار سلف کے انتہی-

علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی کتاب الملل والنحل مصری ص-۱۲۲ میں فرماتے ہیں اصحاب الرای وهم اهل العراق هم اصحاب ابی حنیفة النعمان بن ثابت ومن اصحابه محمد بن الحسن وابو یوسف یعقوب بن محمد ن القاضی وزفر بن هزیل والحسن بن زیاد اللولوی وابن سماعة وعافیة القاضی وابو مطیع البلخی وبشر المرایسی وانما سموا اصحاب الرای لان عنایتهم بتحصیل وجه من القیاس والمعنی المستبط من الاحکام وبناء الحوادث علیها وربما یقلمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی اصحاب الرائی عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن حسن' ابویوسف یعقوب بن محمد قاضی' زفر بن الہذیل' حسن بن زیاد لولوی ابن سماعہ' عافیہ قاضی' ابو مطیع بلخی' بشر مریسی ہیں- ان کا نام اہل رائے اس وجہ سے ہے کہ ان کی توجہ قیاس کے طریق حاصل کرنے پر تھی اور معانی مستنبط پر جن کا تعلق احکام سے ہے بارہا انہوں نے قیاس جلی کو واحد احادیث پر مقدم کیا ہے-

امام ابوبکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام ابوحنیفہ کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو السائب نے کہا کہ امام وکیع کہتے تھے وجدنا اباحنیفة خالف مائتی حدیث یعنی ہم نے معلوم کیا ہے کہ ابوحنیفہ نے دو سو احادیث کا خلاف کیا ہے- (امام محمدی ص-۱۰۶)

میں کہتا ہوں کہ امام وکیع کا یہ فرمان درست ہے- امام حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب الرد علی ابی حنیفہ" ہے- اس میں ان احادیث کا

بیان ہے جن کی امام صاحب موصوف نے مخالفت کی ہے۔ نیز امام محمدی ص-۱۰۶ میں ہے عن مومل سمعت حماد بن سلمة یقول وذکر ابا حنیفة فقال ان اباحنیفة استقبل الاثار والسنة فردھا برایه یعنی حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے پاس اقوال صحابہ اور احادیث بیان ہوتی تھیں تو وہ رائے کے ساتھ ان کا رد کر دیتے تھے۔

امام محمدی کے ص-۱۱۴ میں ہے' علامہ خطیب باسنادہ ذکر کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن مہدی نے کہا کہ ما علم فی الاسلام فتنة بعد فتنة الدجال اعظم من رای ابی حنیفة یعنی میرے علم میں دجال کے فتنہ کے بعد ابوحنیفہ کی رائے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہے۔ امام محمدی ص-۳۱ میں ہے کہ امام شافعی نے امام مالک سے دریافت کیا کہ ھل رایت اباحنیفة قال نعم رایت رجلا لو کلمک فی ھذہ الساریة ان یجعلھا ذھبا لقام بحجة یعنی کیا آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے وہ ایسا آدمی دیکھا کہ اگر وہ اس لکڑی کے ستون کے بارہ میں آپ سے کلام کرتا کہ یہ سونے کا ہے تو وہ اس کے سونے کے ہونے پر بھی اپنی عقل اور رائے سے دلیل قائم کر دیتا۔

تاریخ صغیر امام بخاری ص-۱۵۸ مطبوعہ انوار احمدی میں ہے' امام بخاری فرماتے ہیں قال الحمیدی فرجل لیس عندہ سنن عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولا اصحابه فی المناسک وغیرھا کیف یقلد احکام اللّٰہ فی المواریث والفرائض والزکٰوة والصلٰوة وامور الاسلام یعنی امام حمیدی نے فرمایا کہ ابوحنیفہ وہ آدمی ہیں جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث نہیں ہیں اور نہ صحابہ کے اقوال ہیں۔ مناسک وغیرہ میں ایسے آدمی کی احکام میں مثل میراث و زکوٰۃ و نماز وغیرہ امور اسلام میں کیسے تقلید کی جائے یعنی اگر کرے گا تو گمراہی پر ہو گا کیونکہ علم حدیث سے تو وہ خالی ہے۔

امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین ص-۳۵ میں فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث وھو کثیر الغلط والخطاء علی قلة روایته یعنی ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہ ہونے کے باوجود قلیل الروایت ہیں اور بہت غلطی اور خطا کرتے ہیں۔ نیز امام نسائی فرماتے ہیں والضعفاء من اصحابه یوسف بن خالد السمتی کذاب والحسن بن زیاد اللؤلؤی کذاب خبیث ومحمد بن الحسن ضعیف یعنی ابوحنیفہ کے تلامذہ یوسف بن خالد اور حسن بن زیاد دونوں کذاب اور خبیث ہیں اور محمد بن حسن بھی ضعیف ہے۔

امام بخاری کتاب الضعفاء میں فرماتے ہیں کان مرجیئا سکتوا عن رایه وحدیثه یعنی ابوحنیفہ مرجیہ تھے' علماء حدیث ان کی رائے اور حدیث لینے سے خاموشی اختیار کر گئے۔ اس تصریح سے یہ معلوم ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اہل رائے تھے۔ علم حدیث اول تو ان کے پاس کم تھا' دوئم جو تھا وہ ناقابل قبول تھا۔ کیونکہ وہ ضعیف اور کمزور تھے۔ ان کے علاوہ تمام اہل کوفہ کے اہل رائے ناقابل اعتبار ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت : چنانچہ ابوداؤد جز چہارم میں ہے قال ابوداؤد سمعت احمد یقول لیس لحدیث اهل الکوفة نوڑ یعنی کوفہ والوں کی حدیث میں نور نہیں ہے۔ (اندھیرا ہی اندھیرا ہے) یہ امام احمد کی شہادت ہے۔ قیام اللیل ص۔۱۲۴ میں ہے' امام احمد نے فرمایا هئولاء اصحاب ابی حنیفة لیس لهم بصر شئی من الحدیث ما هو الا الجراة یعنی ابوحنیفہ کی جماعت کا علم حدیث میں کچھ دخل نہیں ہے' صرف دلیری کرتے ہیں۔ جب چاروں امام معتبر خیال کئے جاتے ہیں تو امام احمد کی یہ شہادت بھی معتبر خیال کر لینی چاہیے۔

مناقب الشافعی للرازی ص۔۱۴۲ میں ہے' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لا رای ولا حدیث یعنی ابوحنیفہ کی نہ رائے کام کی ہے اور نہ حدیث کام کی ہے۔ رائے تو اس وجہ سے کام کی نہیں ہے کہ اس کی بناء حدیث پر نہیں ہے بلکہ علم حدیث ان کے پاس بہت کم تھا اور حدیث اس وجہ سے کام کی نہیں ہے کہ آپ سئی الحفظ اور لیس بالقوی ہیں اور علم حدیث آپ نے ملک عراق بالخصوص کوفہ سے اخذ کیا ہے' جس کی بابت کتب محققین میں یہ لکھا ہے۔ امام سیوطی اسعاف المبطا برجال الموطا میں فرماتے ہیں قال ابو مصعب قیل لمالک لمالم تاخذ عن اهل العراق فقال رایتهم یقلمون هاهنا فیاخذون عن اناس لا یوثق بهم فقلت انهم هکذا فی بلادهم یاخذون عمن لا یوثق بهم یعنی ابومصعب کہتے ہیں کہ کسی نے امام مالک سے دریافت کیا کہ آپ عراقیوں کی احادیث کو کیوں نہیں لیتے؟ فرمایا کہ وہ لوگ جب یہاں آتے ہیں تو غیر معتبر راویوں سے احادیث جمع کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کی اپنے شہروں میں بھی یہی حالت ہے کہ غیر معتبر راویوں سے احادیث جمع کرتے ہیں۔

جامع ترمذی میں امام وکیع سے منقول ہے کہ لولا جابر الجعفی لکان اهل الکوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اهل الکوفة بغیر فقه یعنی اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والوں کو حدیث نہ ملتی اور اگر حماد نہ ہوتا تو کوفہ والوں کو فقہ نہ ملتی۔ اور مقدمہ صحیح مسلم میں جابر

جعفی کا خود اقرار ہے کہ میں نے پچاس ہزار جھوٹی احادیث گھڑی ہیں۔

تدریب الراوی ص-۲۳ میں امام طاؤس نے فرمایا ہے کہ اذا حدثک العراقی مائة حدیث فاطرح تسعة وتسعین یعنی اگر عراق والا سو احادیث بیان کرے تو ان میں ننانوے کو پھینک دو۔ اگر مروجہ کتب فقہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے اقوال تسلیم کئے جائیں تو یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ محدثین نے ان کی رائے اور مسئلہ کو مسترد کر دیا ہے بلکہ امام مالک نے یہاں تک کہہ دیا کہ کانت فتنة ابی حنیفة اضر علٰی ھذہ الامة من فتنة ابلیس فی الوجھین جمیعا فی الارجاء وما وضع من نقض السنن یعنی دو باتوں میں ابوحنیفہ کا فتنہ ابلیس کے فتنوں سے برا ہے۔ ایک تو مرجیہ پن میں' دوسرا احادیث کی وقعت گھٹانے میں۔ اور امام شریک نے حنفیہ یعنی ان کے شاگردوں اور مقلدین کا فیصلہ کر دیا ہے یقول لان یکون فی کل حی من الاحیاء خمار خیر من ان یکون فیه رجل من اصحاب ابی حنیفة (امام محمدی ص-۱۱۵) یعنی ہر ہر قبیلہ میں ایک ایک شرابی ہو تو بہتر ہے' اس سے کہ ابوحنیفہ کے خیال کا کوئی آدمی ہو۔ الغرض کتب محققین میں آئمہ اہل رائے اور ان کی رائے اور ان کے ملک اور ان کے شہر کی برائی بہت کی ہے جہاں کہ علم حدیث کی بجائے علم رائے کی قدر کی گئی۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کتب فقہ غیر معتبر ہیں۔

وجہ دوئم' مسائل کتب کا باسناد نہ ہونا: دوسری وجہ کتب فقہ کے غیر معتبر ہونے کی یہ ہے کہ کتب فقہ ائمہ اہل رائے کے بعد تیار کی گئی ہیں۔ یہ ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابیں نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ سنہ-۸۰ھ میں پیدا ہو کر سنہ-۱۵۰ھ میں انتقال کر گئے اور امام محمد علی الاختلاف سنہ-۱۳۱ھ یا سنہ-۱۳۲ھ یا سنہ-۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ قاضی ابویوسف سنہ-۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور امام زفر سنہ-۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی طرح حنفیہ کی تمام پارلیمنٹ جن کے احکامات و مسائل کتب فقہ میں موجود ہیں' کتب فقہ کے مؤلفین سے صدیوں پہلے گذر چکی ہے۔ نہ اس سے ان کی ملاقات ہوئی ہے اور نہ درمیان کے واسطے ذکر کئے ہیں۔ پھر صدیوں بعد کی تصنیفات کے مسائل خاص ان ائمہ کے مسائل کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ بعض کتب فقہ مروجہ کی تاریخ تصنیف حسب ذیل ہے۔

۱- قدوری مؤلف احمد بن محمد بن احمد بغدادی سنہ-۴۲۸ھ تالیف پانچویں صدی بحوالہ تراجم حنفیہ صفحہ-۳۵

۲- ہدایہ مؤلف برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی سنہ۔۵۹۳ھ تالیف چھٹی صدی بحوالہ کشف الظنون جلد۔۲، ص۔۴۲۸

۳- منیۃ المصلی مؤلف سدید الدین کاشغری تالیف تقریباً ساتویں صدی۔

۴- کنزالدقائق مؤلف ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین نسفی سنہ۔۷۱۰ھ تالیف آٹھویں صدی بحوالہ کشف جلد۔۲، ص۔۳۳۳

۵- شرح وقایہ مؤلف عبداللہ بن مسعود المحبوبی سنہ۔۷۴۵ھ تالیف آٹھویں صدی بحوالہ کشف الظنون جلد۔۲، ص۔۴۱۰

۶- درمختار مؤلف محمد علاؤ الدین بن شیخ علی حصنی سنہ۔۱۰۷۱ھ تالیف گیارھویں صدی بحوالہ درمختار جلد۔۴، ص۔۵۱۷

۷- فتاویٰ عالمگیری مؤلف پانچ صد علماء حنفیہ بعہد شاہ اورنگ زیب عالمگیر سنہ۔۱۱۱۸ھ تالیف مابین گیارھویں بارھویں صدی بحوالہ مراۃ الانساب ص۔۱۳۶۔

اسی طرح دیگر کتب فقہ مروجہ اور ضخیم فتاوے ائمہ مذکورین کے صدیوں بعد تالیف ہوئے۔ ناظرین ہر ایک کی تاریخ ملا کر دیکھ لیں۔ جب شریعت کے مسائل دریافت کیے جاتے ہیں تو انہی کتابوں کا تحریرا و تقریرا حوالہ دیا جاتا ہے اور یہی دارالافتاء میں موجود ہیں اور انہی کا مدارس حنفیہ میں درس دیا جاتا ہے۔ لیکن جب ان مسائل کی اسناد طلب کی جائے تو مقلدین جھانکنے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان کتابوں کے ایک مسئلہ کی سند بھی باقاعدہ ائمہ متبوعین کی طرف نہیں پہنچتی۔ ہاں زیادہ تنگ ہو کر عدم اسناد تسلیم کرتے ہوئے استادی سند کا عذر پیش کرتے ہیں کہ یہی کافی خیال کی گئی ہے۔ حالانکہ علماء اہل رائے شاگرد ہونے سے جو کچھ لکھیں استاد کا قول بعینہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی واسطے بعض علماء نے یہ لکھا ہے ان الاقیسۃ الغیر الجلیۃ التی کتب الحنفیۃ مشحونۃ بھا غالبھا لا یستند الی ابی حنیفۃ یعنی وہ قیاسی مسائل جو صاف کھلے ہوئے نہیں ہیں جن سے فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اکثر ان کی سند امام ابوحنیفہ تک نہیں پہنچتی۔ دراسات اللبیب ص۔۲۹۱۔

حجۃ اللہ میں ہے انی وجدت بعضھم یزعم ان جمیع ما یوجد فی ھذہ الشروح الطویلۃ وکتب الفتاوی الضخیمۃ ھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ ولیس منھا فی الحقیقۃ (جلد۔۱، ص۔۱۲۸) یعنی میں نے بعض لوگوں کو یہ خیال کرتے ہوئے پایا کہ فقہ کی ان

ضخیم کتابوں اور موٹے فتووں میں جتنے مسائل ہیں' وہ سب امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے- حقیقت میں یہ ان کے مسائل نہیں ہیں- نیز اسی کتاب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں بعضهم یزعم ان بناء المذاهب علی هذه المحاورات الجدلية المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذالک ولا یعلم ان اول من اظهر ذالک فیهم المعتزلة (ص-۱۲۵) یعنی بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ کتب فقہ مبسوط' تبیین وغیرہ میں جو لمبی چوڑی بحثیں ہیں' وہ حنفی مذہب کی بناء ہیں حالانکہ یہ غلط بات ہے بلکہ اول ان باتوں کو معتزلہ نے ظاہر کیا ہے- ناظورۃ الحق میں علامہ مرجانی لکھتے ہیں وقول الفقهاء يحتمل الخطاء في اصله وغالبه خال عن الاسناد یعنی فقہاء کے قول میں خطا کا احتمال ہے کیونکہ اکثر وہ اسناد سے خالی ہیں-

غرض اس تصریح سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ کتب فقہ میں محض امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں (ابویوسف' محمد' زفر وغیرہ) کے مسائل نہیں ہیں اور نہ ان تک بلسناد یہ مسائل پہنچتے ہیں بلکہ بعد کے لوگوں نے اپنے اقوال و آراء ان میں داخل کر دیئے ہیں- خاص کر معتزلہ کا بھی ان میں دخل ہے اور کتب فقہ کے اکثر مسائل ان کے مذہب سے ملتے جلتے ہیں- صرف امام ابوحنیفہ کی شہرت سے یہ ناجائز فائدہ حاصل کیا گیا کہ مسائل ان کی طرف منسوب کر دیئے ورنہ خاص ان کے نہیں ہیں- پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ کتب فقہ بالکل غیر معتبر ہیں' ان پر عمل نہ کرنا چاہیے-

وجہ سوم: کتب فقہ مروجہ کے غیر معتبر ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس غیر مستند ذخیرہ میں اہل بدعت و ضلالت کا پورا پورا دخل ہے- اس کا وجود کسی ایک متشرع اور متدین شخص یا کسی ایک مذہب حنفہ میں محدود نہیں ہے کہ اس پر بلا چون و چرا عمل کیا جائے- چنانچہ منہاج السنۃ جلد-۴' ص-۲۶ میں ہے وکذالک الحنفي يخلطه بمذهب ابی حنيفة شيئا من اصول المعتزلة والكرامية والكلابية ويضيفه الى مذهبه وهذا من جنس الرفض اور اسی طرح حنفیہ نے ملا دیا ہے ساتھ مذہب ابوحنیفہ کے بہت اشیاء عقائد اصول معتزلہ اور کرامیہ اور کلابیہ سے اور نسبت کیا ان عقائد کو اور اصول باطلہ کو طرف مذہب امام ابوحنیفہ کے اور یہ جنس رفض شیعہ سے ہے- اسی طرح امام طحاوی نے اپنی کتاب عقیدہ ابوحنیفہ میں امام صاحب کی صفائی کرتے ہوئے لکھا ہے: "معلوم ہو کہ کتب فقہ میں نہ

صرف تمام ابوحنیفہ کے اقوال جمع ہیں بلکہ معتزلہ' قدریہ' شیعہ' روافض' خوارج وغیرہ کے اقوال سے کتب فقہ مملو ہیں۔"

مولانا عبدالقادر بدایونی حنفی نے بوارق شیخ نجدی میں لکھا ہے: "اندراج خوارج ومعتزلہ وقدریہ در کتب حنفیہ از حد است ہزاران ہزار خوارج ومعتزلہ وقدریہ در فروع فقہ حنفی مذہب بودہ اند۔"

مولانا عبدالحی لکھنوی اپنے رسالہ الرفع والتکمیل مطبوعہ انوار محمدی ملحقہ میزان الاعتدال ص-۲۷ میں فرماتے ہیں فکم من حنفي حنفي في الفروع معتزلي عقيدة كالزمخشري جار الله مئولف الكشاف وغيره كمئولف القنية والحاوى والمجتبى شرح مختصر القدوري نجم الدين الزاهدى وكعبد الجبار وابى هاشم والجبائي وغيرهم وكم من حنفي حنفي فرعا مرجي او زيدى اصلا وبالجملة والحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة انتهى۔ یعنی پس کتنے حنفی فروع میں حنفی ہیں اور عقیدہ میں معتزلی جیسے زمخشری جار اللہ مئولف کشاف وغیرہ اور جیسے نجم الدین زاہدی مئولف قنیہ وحاوی و مجتبیٰ شرح مختصر قدوری اور جیسے عبدالجبار اور ابوہاشم اور جبائی وغیرہ ہیں اور کتنے حنفی فروع میں حنفی ہیں اور اصول میں زیدی یا مرجیہ ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کی باعتبار اختلاف عقیدہ کئی شاخیں ہیں۔ بعضے ان میں شیعہ ہیں' بعضے معتزلہ ہیں' بعضے مرجیہ ہیں۔ راقم آثم عرض کرتا ہے کہ غنیہ میں حنفیہ کو اسی واسطے مرجیہ قرار دیا گیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے استاد امام حماد کے متعلق تقریب ص-۴۴ میں ہے کہ صاحب اوہام اور متہم بالارجاء ہیں اور تاریخ کبیر جلد-۴' ص-۹۳ میں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو مرجیہ لکھا ہے۔ اور تاریخ خطیب بغدادی میں امام مذکور کے حالات میں بہت ائمہ حدیث و فقہ کی یہ شہادت درج ہیں کہ آپ مرجیہ تھے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ فقہ حنفیہ مختلف الخیال اور متفرق عقائد کے لوگوں کے اقوال کا ذخیرہ ہے جو قرآن و حدیث کی رو سے گمراہ ہیں' کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس مختلف عقائد کی پارلیمنٹ کے اقوال کو ابوحنیفہ کی طرف نسبت کر کے قبولیت کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اہل تحقیق بعد از غور و انصاف کبھی بھی کتب فقہ مروجہ کی طرف التفات نہ فرمائیں گے کیونکہ اس مذہب میں گمراہ فرقوں کی ملاوٹ ہے۔ آپ زمانہ کے موجودہ دور ہی کو لیجئے کہ

اکثر اہل بدعت و ضلالت جن کا عقیدہ باہم متضاد ہے' حنفی مذہب کا دعویٰ رکھتے ہیں اور ہر عقیدہ و عمل اپنا اس مذہب کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ کوئی وجودی ہے' کوئی حلولی ہے' کوئی الحادی ہے' کوئی مرجیہ ہے' کوئی شیعہ ہے' کوئی جہمیہ ہے۔ کئی منڈے فقیر ہیں' کئی خانقاہی عرسیہ ہیں۔ آپ دیوبندی اور بریلوی جماعتوں کے افرادوں کے عقائد دریافت کر کے دیکھیں کہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ باہم ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق بھی کرتے ہیں اور بایں ہمہ سب مختلف العقائد والعمل کے لوگ حنفی بھی کہلاتے ہیں۔

اس فقہ کے بے کنارہ دریا سے سب فرقے ہی اپنے اپنے موتی نکال کر اپنے اپنے مریدوں کو پہناتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی طرف اپنی نسبت رکھتے ہیں۔ فتذکر واعتزل تلک الفرق کلها واعمل بالقرآن والحدیث واجتنب کتب الفقه والمجموعات۔

وجہ چہارم: یہ کہ کوفہ اور حوالی کوفہ میں کئی ایک ابوحنیفہ گذر چکے ہیں۔ مثلاً

۱-- ابوحنیفة الکوفي والد عبدالاکرم مجهول من الثالثة (تقریب ص-۴۱۷)

۲-- ابوحنیفة الواسطي (میزان الاعتدال ص-۳۷۳)

۳-- ابوحنیفة النعمان بن ابی عبدالله بن منصور احمد بن حیوان احد الائمة (ذکر المیر المختار ابن خلقان ص-۱۹۹ جلد ثاني)

۴-- ابوحنیفة بن سماک ابن الفضل روی عنه الشافعي (مسند امام شافعي ص-۱۴۳)

۵-- ابوحنیفة فقیه فاضل اسمه عبدالکریم (کتاب الاسماء والکنی)

۶-- ابوحنیفة جعفر بن احمد (روح الایمان في مناقب نعمان)

۷-- ابوحنیفة بریة من الرجال الشیعة ومن مصنفي کتبهم (ملل والنحل شهرستاني قلمي ص-۱۵۶)

اسی طرح بعض محققین نے بیس تک ابوحنیفہ کی تعداد ثابت کی ہے۔ ناظرین تفصیل کے لیے مولانا محمد حسین صاحب ہزاروی ہمراج پوری جزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر الموحدین کا رسالہ "انکشاف جدید در تحقیق تقلید" ملاحظہ فرمائیں۔

جب اس قدر ابو حنیفہ ہو چکے ہیں تو نامعلوم کتب فقہ مروجہ میں کون سے ابو حنیفہ مراد ہیں نہ تو سند سلسلہ وار کسی ایک ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے تاکہ اس کی تعیین ہو جائے اور نہ ہی کتب مذکورہ میں کنیت کے ساتھ نام امام کا اور ان کے باپ کا مذکور ہے۔ اگر اس طرح ہوتا قال ابو حنیفة النعمان بن ثابت الکوفی تو تعیین ہو جاتی۔ لیکن اس طرح منیہ سے لے کر ہدایہ تک بھی نہیں لکھا۔ اس سے اہل علم خود ہی اندازہ کر لیں کہ کتب فقہ کہاں تک قابل اعتبار اور لائق وثوق ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ اقوال اہل فسوق ہیں۔ یہ کسی شیعہ ابو حنیفہ کا تصرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی تو بڑے پارسا، متقی، عابد زاہد، متورع بتلائے جاتے ہیں اور کتب فقہ کے مسائل قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہیں جو ان کی پارسائی کے متضاد ہیں پھر کس طرح ظن کیا جائے کہ یہ ان کے ہی مسائل ہیں۔ ہاں البتہ بعض مسائل کا مقابلہ کیا جائے تو کسی رافضی ابو حنیفہ کا تصرف ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ مسائل ذیل پر جو ابو حنیفہ کے ہاں مسلم ہیں غور کیا جائے۔

مسئلہ نمبر ۱: شیعہ خلفاء اربعہ (ابوبکر، عمر، عثمان علی رضی اللہ عنہم) میں سے صرف ایک خلیفہ کی تقلید واجب کہتے ہیں، باقی تین خلیفوں کے مسائل کو لینا جائز نہیں جانتے۔ کما ہو مذکور فی کتب الشیعة ومسلم عندھم۔

اسی طرح مقلدین حنفیہ آئمہ اربعہ (مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد رحمتہ اللہ علیہم) میں سے صرف ابو حنیفہ کی تقلید کو واجب لکھتے ہیں اور بغیر ان کے دوسرے امام کے مسئلہ کو لینا موجب تعزیر جانتے ہیں۔ درمختار مصری جز اول میں ہے لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم(ص۔۵۴) یعنی نہ فتویٰ دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے مگر صرف امام اعظم کے قول پر۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے ارتحل الی مذھب الشافعی یعزر یعنی جو حنفی ہو کر شافعی ہو جائے گا، اس کو تعزیر دی جائے گی۔ درمختار میں ہے کہ لو قیل لحنفی ما مذھب الامام الشافعی فی کذا وجب ان یقول قال ابو حنیفة کذا یعنی اگر کوئی شخص کسی حنفی سے امام شافعی کا مذہب کسی مسئلہ میں دریافت کرے تو اس پر واجب ہے کہ یہ کہے کہ ابو حنیفہ کا قول یہ ہے۔ (اس سے حنفیہ کی دیانتداری کا موازنہ کر لیں) چونکہ واجب کا ترک حرام ہے، لہٰذا امام شافعی کا مسئلہ بتلانا حرام ہے۔ پس یہ شیعہ کے مشابہت تامہ ہے اور ابو حنیفہ شیعہ کے معتقدین نے اپنے اصول سے اپنے مذہب کی پابندی کروائی ہے۔

مسئلہ نمبر-۲: شیعہ کا مذہب ہے کہ ہمارے آئمہ کو حرام و حلال کا اختیار ہے یعنی جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں اور جس چیز کو چاہیں حرام بنائیں- اسی طرح حنفیہ کا اصول ہے کہ کل شیئی قضٰی به القاضی فی الظاهر بتحریمه فهو فی الباطل کذالک عند ابی حنیفة وکذالک اذا قضٰی باحلال (ہدایہ جلد-۲' ص-۱۵۲ قاضی خاں ص-۱۰' درمختار ص-۳۸۴) یعنی قاضی کا فیصلہ ظاہر میں اور باطن میں نافذ ہے' خواہ غلط ہو- جس چیز کے حرام ہونے کا وہ فیصلہ کر دے تو وہ باطن میں بھی حرام ہی ہو گی اور جس کے حلال ہونے کا فیصلہ کر دے وہ باطن میں بھی حلال ہی ہو گی- مثلاً کسی نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری منکوحہ عورت ہے اور جھوٹے ہی گواہ دے اور عورت انکار کرتی ہے تو قاضی نے اگر وہ عورت اس شخص کو دے دی تو اس سے وہ عورت اس شخص پر عنداللہ بھی حلال ہے' صحبت کرے تو کچھ گناہ نہیں ہے- یہی مذہب شیعہ کا تھا' طابق النعل بالنعل-

مسئلہ نمبر-۳: جمعہ کے لیے مصر' سلطان یا نائب سلطان شرط ہیں- تبصرہ رسالہ صمدیہ ص-۳۰ میں ہے انما السلطان والمصر شرطان لصحتها عند الرفضة والزيدية وبعض المعتزلة یعنی جمعہ کے لیے بادشاہ اور شہر کی شرطیں رافضی فرقہ زیدیہ اور بعض معتزلہ کے نزدیک ہیں یہی کتب فقہ میں ہے-

مسئلہ نمبر-۴: ظہر احتیاطی پڑھنا پورب کے رافضیوں اور شیعہ کا معمول ہے- رسالہ جلالیہ و رسالہ اسدیہ مصنفہ مولوی محمد شریف صاحب حنفی نقشبندی قصوری میں لکھا ہے کہ لا يعيد فرض الظهر الا معتزلي بسبب ظلم السلطان او رافضي بسبب كون الامام علی زعمهم غائبا یعنی نہیں دوبارہ پڑھتا ہے فرض ظہر کو مگر معتزلی بہ سبب ظالم بادشاہ کے یا رافضی بسبب غائب ہونے امام کے- یہی اکثر حنفیہ کا معمول ہے اور کتب فقہ عالمگیری و شامی وغیرہ میں درج ہے-

مسئلہ نمبر-۵: کتب شیعہ میں یہ مذکور ہے کہ نیت وضو اور ترتیب وضو اور اطمینان نماز میں فرض نہیں ہے- اسی طرح حنفیہ کا یہ مشہور مسئلہ ہے کہ نیت اور ترتیب اور طمانیت فرض نہیں ہیں- فتح القدیر جلد-۱' ص-۲۸' عالمگیری جلد-۱' ص-۲۶' اسی طرح ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مندرج ہے- پس یہ عقیدہ ابوحنیفہ شیعہ کا تھا جو کتب فقہ میں داخل ہو گیا' انا للہ- ورنہ قرآن و حدیث کی رو سے یہ سب امور فرض اور ضروری ہیں-

مسئلہ نمبر-۶: منہاج السنۃ جلد-۳، ص-۴۴ میں ہے کہ روافض اور شیعہ جمعہ نہیں پڑھتے اور نماز میں آمین نہیں کہتے اور اوقات نماز کو تنگ کر کے پڑھتے ہیں۔ سو یہی عمل در آمد حنفیہ کا ہے۔

مسئلہ نمبر-۷: محمد رمضان فہمی اپنے رسالہ برق لامعہ میں لکھتے ہیں کہ کلینی کہ در مذہب شیعہ معتبر است در آداب الحج مسطور است کہ اگر پسر با مادر خود برائے حج رود و در راہ پسر را شہوت غلبہ کند باید کہ پارچہ نہایت باریک بر آلت پیچیدہ بلا در جماع کند تا در گناہ نیفتند (دروغ برگردن راوی)

یعنی شیعہ مذہب کی کتاب کلینی کے آداب الحج میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ حج کو چلا درمیان میں شہوت نے غلبہ کیا تو اس کو چاہیے کہ نہایت باریک کپڑا آلت (عضو تناسل) پر لپیٹ کر ماں کے ساتھ صحبت کرے تاکہ گناہ میں نہ پڑے۔ اسی کے مشابہ حنفیہ کا یہ مسئلہ مشہور ہے کہ محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے صحبت کرنے پر کوئی شرعی حد نہیں ہے عورت محل عقد ہے۔ (ہدایہ وغیرہ کتب فقہ)

مسئلہ نمبر-۸: محمد رمضان فہمی اپنے رسالہ برق لامعہ میں لکھتے ہیں کہ وافیہ میں جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ اگر کسی در روزہ ماہ رمضان لواطت کند اور ایچ نقصان نہ شود۔ اس کے مشابہ فتاویٰ برہنہ حنفیہ جلد-۲، ص-۱۸ میں ہے کہ اگر خرقہ بر ذکر پیچیدہ و در آورد اگر نرم باشد قضاء است و کفارت و اگر درشت بود قضا و غسل نہ۔ یعنی اگر ذکر پر لتہ لپیٹ کر ذکر کو اندر کر دیا اگر نرم لپیٹا تھا تو روزہ کی قضا اور کفارہ ہے اگر سخت تھا تو نہ قضا ہے اور نہ غسل لازم ہے۔

مسئلہ نمبر-۹: فروع کافی جلد-۲، ص-۲۳۴ میں ہے، راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ مشت زنی کرنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح محیط میں لکھا ہے لو ان رجلا عزبا به فرط الشهوة له ان يستمني بعلاج تسكن شهوته (بحرالرائق موجبات غسل) یعنی اگر کوئی شخص مجرد ہو اور اسے شہوت زیادہ تنگ کرے تو کسی طرح منی نکال ڈالے تاکہ شہوت موقوف ہو جائے۔ شامی جلد-۲، ص-۱۲۰ میں ہے یجب لو خاف الزنا یعنی اگر زنا کا خوف ہو تو مشت زنی کرنی واجب ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فقہ

مروجہ میں بھی شیعہ کی مداخلت ہے۔

مسئلہ نمبر-۱۰: فروع کافی جلد-۲' ص-۳۲ میں ہے کہ شیعہ مذہب میں کنجریوں (زانیہ) کی کمائی حلال ہے- اسی طرح حنفیہ کے نزدیک ہے- چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے ان ما اخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلال عند الاعظم لان اجر المثل طيب وان كان السبب حرام (چھاپہ نو لکشوری حاشیہ ص-۲۵۸ یعنی جو چیز کہ لے عورت زنا کرنے والی بدلے زنا کرنے کے- اگر لیا ہے مقرر کر کے جس طرح کہ کسبیاں اپنی خرچی زنا کی مقرر کر لیتی ہیں تو یہ امام اعظم کے نزدیک حلال ہے- اس لیے کہ مزدوری یعنی مثل کی حلال ہے- اگرچہ سبب جس کے بدلے مزدوری لی ہے حرام ہے- ان دس مسائل سے صاف ثابت ہو گیا کہ کتب فقہ مروجہ میں شیعہ کا تصرف ہے- فتامل-

وجہ پنجم: یہ کہ کتب فقہ میں جو احادیث درج ہیں جن کی بناء پر مسائل لکھے ہیں اور ان سے استدلال کیا ہے' وہ اکثر ضعیف اور موضوع ناقابل اعتبار ہیں- جب ان احادیث ہی کا اعتبار نہیں تو ان مسائل کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے جو ان کے سانچہ میں ڈھالے گئے ہیں-

چنانچہ مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص-۱۲ میں ہے فكم من احاديث ذكرت في الكتب المعتبرة وهي موضوعة ومختلفة یعنی کتنی احادیث جو فقہ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں' وہ بناوٹی اور مختلف ہیں-

ملا علی قاری کی موضوعات کبیر ص-۴۷ میں ہے لا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين یعنی نہایہ والے اور دیگر شارحین ہدایہ کسی حدیث کو اپنی کتاب میں وارد کریں تو وہ معتبر نہیں کیونکہ وہ حدیث کے جاننے والوں میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی کسی دیگر محدث تک حدیث کو پہنچاتے ہیں-

ملا علی قاری تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں ان نقل الاحاديث النبوية لا يجوز الا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها یعنی آنحضرت ﷺ کی احادیث کو حدیث کی معتبر کتابوں (بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ) سے لینا چاہیے کیونکہ ان کے سوا اور کتابیں بھروسے کے لائق نہیں ہیں-

الفوائد البہیہ ص-۳۲ میں لکھا ہے في طبقات القارى قد وقع في كتاب الهداية

اوھام کثیرۃ قد نقلھا العلامۃ الفھامۃ الشیخ عبدالقادر القرشی الحنفی فی کتابہ المسمّٰی بالعنایۃ یعنی ملا علی قاری طبقات میں فرماتے ہیں کہ ہدایہ میں بہت بہت غلطیاں ہیں' علامہ شیخ عبدالقادر قریشی نے اپنی کتاب عنایہ میں ان کو ذکر کیا ہے۔ یہ حنفیہ کی وہ کتاب ہے جس کو مقدمہ ہدایہ میں مثل قرآن کہا گیا ہے۔ جب اس میں بہت غلطیاں ہیں تو اوروں کا کیا اعتبار ہے۔ چند احادیث کے متعلق سنئے جو ہدایہ میں ہیں۔

(۱) تنقید الہدایہ ص-۹ میں ہے کہ صاحب ہدایہ نے جو حدیث من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یجمعن ماء ہ فی رحم اختین ذکر کی ہے۔ لم یوجد فی شئی من کتب الحدیث یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں پائی گئی ہے۔

(۲) تنقید الہدایہ ص-۲۹ میں ہے کہ ہدایہ کا مصنف جو حدیث النکاح الی العصبات لایا ہے لم یوجد فی شئی من کتب الحدیث یعنی یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(۳) تنقید الہدایہ ص-۲۱۵ میں ہے' صاحب ہدایہ نے جو یہ حدیث لکھی ہے فی روایت عمر سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلاث النفقۃ والسکنٰی یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں پائی گئی ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر افتراء ہے۔

(۴) اسی طرح ہدایہ مجتبائی نصف اول ص-۲۰۳ میں ہے کہ کان یاکل انحر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدقہ میں سے کھاتے تھے۔ حالانکہ یہ نبی کے ذمہ بہتان ہے۔ ایسی حدیث کسی کتاب میں نہیں ہے۔ یہ مشت نمونہ از خروارے ہے۔ اسی طرح کتب فقہ ہدایہ وغیرہ ضعیف اور موضوع احادیث سے پر ہیں جن کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ نافع کبیر ص-۱۳ میں مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں فکم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلۃ الفقھاء مملو من الاحادیث الموضوعۃ یعنی کتنی ہی فقہ کی معتبر کتابیں ہیں جن پر بڑے بڑے فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور وہ بناوٹی احادیث سے بھری ہوئی ہیں۔

لطیفہ: توضیح تلویح اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے جس کو حنفیہ ہر درس میں پڑھاتے ہیں۔ اسی طرح اصول شاشی بھی اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے جس کو سب مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان میں ایک مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث فاعرضوا علی کتاب اللّٰہ یعنی میرے بعد احادیث بہت پھیل جائیں گی جب تم کو کوئی حدیث بیان کرے تو اس کو قرآن پر پیش کر کے

دیکھ لینا۔ سو یہ حدیث کسی معتبر کتاب میں نہیں پائی گئی ہے بلکہ محدثین نے اس کو موضوع بتلایا ہے۔ اصول شاشی کے حاشیہ پر بھی یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ زندیقوں نے اس کو گھڑا ہے لیکن صاحب تلویح کا علم حدیث دیکھئے کہ اس کو بخاری کی حدیث قرار دیا ہے۔ حالانکہ نہ یہ بخاری میں ہے اور نہ امام بخاری اس کو صحیح کہتے ہیں اور نہ امام بخاری کی یہ شان ہے کہ وہ ایسی حدیث بخاری میں لائیں۔ کیونکہ ان کی شرط کے خلاف ہونے کے علاوہ موضوع ہے۔ جب بڑے بڑے فقہاء حنفیہ کا یہ حال ہے تو آج کل کے مقلدین حنفیہ علم حدیث میں کس باغ کی مولی شمار ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کتب فقہ مروجہ کی تمام وہ احادیث جو کتب حدیث متداولہ کے خلاف ہیں۔ ضعیف اور مردود ہیں' انہی سے مسائل کی تخریج در تخریج کرتے چلے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ سب باطل ہیں' ان کی عادت ہے لقولہ علیہ السلام یا روی کہہ کر حدیث لکھ دیتے ہیں' اسناد بیان نہیں کرتے۔

وجہ ششم: یہ ہے کہ کتب فقہ مروجہ کے مسائل قرآن مجید و حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ چند مسائل بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں جو صریح کتاب اللہ کے خلاف ہیں اور کتب فقہ میں پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱: ایمان اہل آسمان و اہل زمین کا بڑھتا گھٹتا نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ہدایہ مترجم جلد ۱' ص ۲۰ مومن ایمان و توحید میں سب برابر ہیں۔ (ص ۲۱)

شرح فقہ اکبر میں ہے وایمان اھل السمآء ای من الملائکۃ واھل الجنۃ والارض ای من الانبیاء والاولیاء وسائر المومنین من الابرار والفجار لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان آسمان والوں یعنی فرشتوں اور جنت والوں کا اور ایمان زمین والوں یعنی نبیوں' ولیوں اور تمام مومنوں نیکوں اور بدوں کا نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ والمومنون مستوون ای متساوون فی الایمان یعنی سب ایمان والے باہم ایمان میں برابر ہیں۔ اسی طرح شرح عقائد نسفی میں ہے۔ غرضیکہ حنفیہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں ہے اور ایمان اہل جنت اور فرشتگان اور انبیاء اور اولیاء صالحین کا اور ایمان فساق فجار یعنی بدکاروں کا برابر ہے کچھ فرق نہیں ہے۔ سو یہ مسئلہ حنفیہ کا قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن میں ہے اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا یعنی جب ایمان والوں پر آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان

کے ایمان کو بڑھاتی ہیں- دیگر فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا یعنی مومنوں کے ایمان کو بڑھا دیا-

مقاصد حسنہ میں ہے لو وزن ایمان ابی بکر الصدیق مع ایمان الناس لرحج ایمان ابی بکر یعنی اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام لوگوں کے ایمان سے تولا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بھاری ہو گا-

مسند احمد میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الایمان یزید وینقص یعنی ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے- حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ خردل من الایمان یعنی جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہو گا وہ جہنم میں ہمیشہ داخل نہیں رہے گا-

مجمع البحار میں ہے الایمان یزید وینقص علی قول اھل السنۃ من السلف والخلف یعنی ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے- سلف اور خلف اہل سنت کا یہی مذہب ہے- اس سے معلوم ہوا ایمان ہر ایک مومن کا ان کے مدارج و عمل و عقیدہ کے موافق کم و زیادہ ہوتا ہے- اس کے ثبوت میں صحاح ستہ میں احادیث بکثرت موجود ہیں اور قرآن میں بہت آیات وارد ہیں- حنفیہ اہل سنت سے خارج ہیں' اس لیے ان کا یہ مذہب ہے کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا- یہ لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں جانتے- صرف اقرار اور تصدیق کو ایمان کامل کہتے ہیں' یہ مذہب مرجیہ کا ہے- اسی واسطے شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے غنیہ میں حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے اور یہ گذر چکا ہے کہ حنفیہ میں کئی لوگ مرجیہ ہوئے ہیں-

مسئلہ نمبر-۲: ہدایہ میں ہے مدۃ الرضاع ثلاثون شھرا عند ابی حنیفۃ یعنی ابوحنیفہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینہ یعنی ڈھائی سال ہے- اسی طرح کتب فقہ میں ہے کہ ان کے امام زفر کے نزدیک تین سال ہے- سو یہ خلاف قرآن و حدیث ہے- قرآن میں ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ یعنی مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں- اور ایک جگہ قرآن میں ہے وفصالہ فی عامین یعنی بچہ کی دودھ کی جدائی مل سے دو سال کی ہوتی ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لا رضاع الا فی الحولین یعنی دودھ پلانے کا اعتبار دو سال ہی میں ہے- امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں تمام صحابہ و تابعین اور علماء شہروں کا یہی مذہب ہے-

مسئلہ نمبر-۳: ہدایہ میں ہے ومن غرق صبیا او بالغا فی البحر فلا قصاص عند ابی حنیفۃ اگر کوئی شخص بچہ نابالغ یا بالغ کو دریا میں ڈبو کر مار دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا قصاص نہ لیا جائے۔ نیز ہدایہ میں ہے ولا قصاص بین الرجل والمراۃ یعنی مرد عورت کو مار دے تو قصاص نہیں ہے۔

نیز ہدایہ میں قصاص کے بیان میں لکھا ہے لا یقتل الرجل بعبدہ یعنی آدمی اپنے غلام کو مارنے کے بدلے نہ قتل کیا جائے۔ یہ سب قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے۔ قرآن میں مطلق حکم ہے کتب علیکم القصاص فی القتلی یعنی تمہارے پر قتل کرنے میں قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ اور جگہ قرآن میں ہے ولکم فی القصاص حیاۃ یعنی تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے تاکہ خونریزی سے بچو۔ اور جگہ قرآن میں ہے ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف الایہ۔ یعنی نفس بدلے نفس کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے۔

حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا انس کتاب اللّٰہ القصاص یعنی اے انس اللہ کی کتاب میں قصاص ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے المسلمون تتکافا دماوھم یعنی مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔ دیگر حدیث میں ہے من قتل عبدہ قتلناہ یعنی جو شخص غلام کو قتل کر دے گا' اس کو ہم قتل کر دیں گے۔

مسئلہ نمبر-۴: ہدایہ میں ہے ومن تزوج امراۃ لا یحل لہ نکاحھا فواطئھا لا یجب علیہ الحد عند ابی حنیفۃ یعنی جس شخص نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو شرعاً اس کے لیے حلال نہ تھی' (جیسے ماں' بیٹی' بہن) پھر اس سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے۔ قرآن میں ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدۃ منھما ماتہ جلدۃ یعنی مرد و عورت زنا کرنے والے کو سو درے مارنے چاہئیں۔ اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ یعنی جو شخص اپنی محرمہ سے ناجائز کام کرے' اس کو قتل کر دو۔

غرضیکہ قرآن و حدیث کی رو سے اسپر حد ہے۔ اسی طرح درمختار جلد-۲' ص-۴۰۲ میں ہے کہ اگر اندھا زنا کرے اور وہ انکاری ہو جائے تو اس پر حد نہیں ہے۔ خواہ بذریعہ شہادت اس کا زنا ثابت ہو جائے۔

اسی طرح درمختار مترجم جلد-۲' ص-۴۱۴ میں ہے کہ اگر غیر منکوحہ سے نکاح کر کے صحبت کرے اور حلال جانے تو اس پر حد نہیں- درمختار کی اس جلد کے ص-۴۰۱ میں ہے کہ اگر گونگا زنا کرے اور اس پر گواہ گذر جائیں تو اس پر بھی حد نہیں ہے-

مسئلہ نمبر-۵: ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں جمعہ کی بابت لکھا ہے لا تجوز فی القرٰی یعنی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ہے- یہ مسئلہ خلاف قرآن و حدیث ہے- فرمایا اللہ تعالیٰ نے یاایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکر اللہ الایہ یعنی اے مومنو! جمعہ کے دن اذان ہو جائے تو تم ذکر الٰہی کی طرف چلو- حدیث میں ہے رواح الجمعۃ واجب علٰی کل محتلم یعنی جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ پر ضروری ہے- مسلم کی حدیث میں ہے ثم ھذا الیوم الذی کتبہ اللہ علینا یعنی جمعہ وہ دن ہے جس کو اللہ نے ہم مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے- جو بیمار' غلام' مسافر' عورت' بچہ فرضیت جمعہ سے مستثنٰی ہیں- جمعہ پڑھنا ان کے لیے بھی ناجائز نہیں ہے جو کوئی پڑھے سب کے لیے جائز ہے-

مسئلہ نمبر-۶: کنزالدقائق وغیرہ فقہ کی کتابوں میں ہے ولو استاجر امراۃ لیزنی بھا فزنٰی لا یحد فی قول ابی حنیفۃ یعنی اگر مزدوری دی عورت کو زنا کرنے کے لیے پس اگر زنا کیا تو اس پر بموجب قول ابوحنیفہ کے حد نہیں ہے- اسی طرح فتاویٰ قاضی خاں جلد چہارم ص-۴۰۶ میں ہے-

یہ خلاف قرآن ہے- فرمایا الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدۃ منھما مائۃ جلدۃ یعنی مرد عورت زنا کرنے والوں کو سو درے لگاؤ- حدیث میں ایسی عورت کو زانیہ اور اس کی خرچی کو حرام قرار دیا گیا ہے-

مسئلہ نمبر-۷: شامی شرح درمختار میں ہے (مطبوعہ مجتبائی دہلی ص-۱۵۶) اما اذا غلبتہ الشھوۃ ولیس لہ زوجۃ ولا امۃ ففعل ذالک لتسکینھا فالرجاء ان لا وبال علیہ کما قال ابو اللیث ویجب لو خاف الزنا یعنی جس شخص کو شہوت غلبہ کرے اور اس کی زوجہ اور لونڈی نہ ہو وہ شہوت میں تسکین حاصل کرنے کو مشت زنی کر لے تو امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر زنا کا خوف ہو تو پھر یہ واجب ہو گی- یہ خلاف قرآن ہے' فرمایا فمن ابتغٰی وراء ذالک فاولئک ھم العادون یعنی جو لوگ بیوی اور لونڈی کے بغیر کوئی راستہ ڈھونڈیں وہ حد سے نکل جانے والے ہیں- حدیث میں ایسے مجرد جوان کے لیے روزہ

رکھنے کا حکم ہے۔

مسئلہ نمبر۔۸: ہدایہ مطبوعہ نو لکشور جلد۔۳' ص۔۹۶ مترجم فارسی میں ہے لا بین المسلم والحربی فی دار الحرب یعنی مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بیاج لینا دینا منع نہیں ہے۔ اسی واسطے کئی حنفی ملک ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر بیاج لیتے دیتے ہیں اور اس بارہ میں رسالے بھی لکھ چکے ہیں۔ قرآن میں عام حکم ہے وذروا مابقی من الربوٰ ان کنتم مومنین یعنی اگر تم مومن ہو تو بیاج چھوڑ دو۔ دوسری جگہ ہے احل اللّٰہ البیع وحرم الربوٰ یعنی بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں عام اور مطلق ممانعت وارد ہے پھر اس کو خاص اور مقید کرنا صریح قرآن و حدیث کی مخالفت کرنا ہے۔ پس یہ مسئلہ بھی مردود ہے۔

مسئلہ نمبر۔۹: ہدایہ کتاب العتق میں ہے ومن اعتق عبدا للشیطان او للصنم عتق یعنی اگر کسی شخص نے غلام کو شیطان یا بت کے لیے آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا' یہ خلاف قرآن ہے۔ فرمایا وما اھل لغیر اللّٰہ بہ یعنی جو غیر اللہ کے لیے پکاری جائے وہ حرام ہے۔ کیونکہ اللہ کے لیے غلام آزاد کرنا ثواب ہے۔ لہٰذا غیر کے لیے آزاد کرنا شرک ہوا اور ایسا شخص مشرک ہے۔

مسئلہ نمبر۔۱۰: رد المختار شرح درمختار جلد۔۳' ص۔۱۹۳ اور عالمگیری ص۔۳۱ میں ہے فلا قطع بنقرۃ وزنھا عشرۃ لا تساوی عشرۃ مضروبۃ ولا بدینار قیمتہ دون عشرۃ یعنی ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ہے بسبب چرانے چاندی کی اس ڈلی کے جو بوزن دس درہم ہے۔ مگر دس درہم مضروب کے برابر نہیں ہے اور ہاتھ کاٹنا جائز نہیں' اس دینار سے جس کی قیمت دس درہم سے کم ہو۔ یہ مذہب ابوحنیفہ کا قرار دیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی مردود ہے اور خلاف ہے' قرآن اور حدیث کے۔ قرآن میں ہے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما یعنی چوری کرنے والے مرد عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قطع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ید سارق فی مجن ثمنہ ثلاثۃ دراھم متفق علیہ۔ یعنی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ کہا اس نے کاٹا نبی ﷺ نے ہاتھ چور کا بیچ چرانے ایک ڈھال کے کہ قیمت اس کی تین درہم تھی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔

چوری کے متعلق حنفیہ کے عجیب مسائل ہیں- ہدایہ میں ہے کہ چور نے نقب لگا کر کسی کے گھر میں گیا اور وہاں سے مال لے کر دوسرے چور کو دیا جو گھر کے باہر کھڑا تھا تو اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے- اسی طرح ہدایہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے چوری کی اور دو گواہوں نے گواہی دے دی لیکن اس نے بلا ثبوت یہ کہہ دیا کہ یہ میرا مال ہے تو سقط القطع عنہ یعنی اس سے ہاتھ کے کاٹنے کا حکم گر جائے گا- یہ سب مسائل مردودہ خلاف قرآن و حدیث ہیں-

وجہ ہفتم: ساتویں وجہ کتب فقہ کے مردود ہونے کی یہ ہے کہ ان میں صریح احادیث کے خلاف مسائل پائے جاتے ہیں- چنانچہ چند بطور ثبوت دعویٰ عرض کرتا ہوں-

مسئلہ نمبر-۱: درمختار نو لکشوری کے ص-۶۷ اور عالمگیری جلد-۱، ص-۴۱ میں ہے ولو تکلم بین السنة والفرض لا یسقطھا ولکن ینقص ثوابھا وقیل تسقط یعنی اگر کلام کرے درمیان سنت اور فرض کے تو یہ کلام سنتوں کو توڑتا نہیں ولیکن ثواب کو توڑ دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سنتوں کو ہی توڑ دیتا ہے- سو یہ مسئلہ مردود ہے اور مخالف ہے صریح صحیح حدیث کے- چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہا صدیقہ نے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلّی رکعتی الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع یعنی نبی ﷺ جس وقت کہ پڑھ چکتے دو رکعتیں فجر کی یعنی سنتیں پس اگر ہوتی میں جاگتی تو مجھ سے بات کرتے- اگر میں سوتی ہوتی تو لیٹ رہتے-

دارمی میں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الرکعتین قبل الفجر فان کانت لہ حاجة کلمنی بھا الا خرج الی الصلوة یعنی جب آنحضرت ﷺ فجر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تو اگر ضرورت ہوتی تو مجھ سے کلام کرتے ورنہ نماز کو چلے جاتے- اس سے معلوم ہوا سنت فجر کے بعد کلام مباح ہے- حنفیہ کا اس سے سنت کو باطل ٹھہرانا یا ثواب کو ضائع سمجھنا مردود ہے ورنہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کی سنتیں بھی ضائع ہو گئیں اور آپ کو خبر نہ ہوئی، حنفیہ کو خبر ہو گئی- سو یہ عقیدہ کفر ہے اور نہ کوئی دلیل ناطق ہے کہ سنت کے بعد کلام کرنے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے- من ادعٰی فعلیہ البیان بالبرھان-

مسئلہ نمبر-۲: ہدایہ جلد-۱، ص-۲۳۶ میں ہے لا یصوم عنہ الولی ولا یصلی یعنی میت

کی طرف سے وارث کو نہ روزہ رکھنا چاہیے اور نہ نماز پڑھنی چاہیے۔ یہ مخالف ہے اس حدیث کے جو بخاری و مسلم میں ہے۔ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من مات وعلیه صوم صام عنه ولیه یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص کہ مرجائے اور اس پر روزہ ہو تو روزہ رکھے اس کی طرف سے ولی اس کا یعنی اگر فرضی روزے اس کی مرض بیماری میں آئے اور وہ رکھ نہ سکا اور مرگیا تو اس کی طرف سے وارثوں کو روزے رکھنے چاہئے۔ جناب نبی ﷺ تو روزہ رکھواتے ہیں اور حنفیہ روکتے ہیں گویا نبی ﷺ سے لڑائی کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۔۳: ہدایہ جلد اول مترجم فارسی ص۔۱۹۷ میں ہے قال ابو حنیفة فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر یعنی ابوحنیفہ نے کہا کہ زمین سے خواہ تھوڑی پیداوار ہو یا بہت بہرصورت دسواں حصہ لازم ہے۔ یہ خلاف ہے اس حدیث کے جو نسائی میں ہے عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقة حتّٰی یبلغ خمسة اوسق یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دانے اور کھجوروں میں جب تک پانچ وسق نہ ہوں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ وسق کے بیس من ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۔۴: ہدایہ جلد اول ص۔۵۷ نو لکشوری میں ہے ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض لما فیه من تاخیر المغرب یعنی غروب آفتاب کے بعد فرض نماز سے پہلے نفل نہ پڑھے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کو دیر ہوتی ہے۔ یہ مخالف ہے حدیث نبوی قولی اور فعلی کے۔ بخاری میں ہے فرمایا آنحضرت ﷺ نے صلوا قبل صلٰوۃ المغرب یعنی مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔ بلوغ المرام میں ہے ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلّٰی قبل المغرب رکعتین یعنی نبی ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی۔

مسئلہ نمبر۔۵: من امتنع من الجزیة او قتل مسلما او سب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم او زنٰی بمسلمة لم ینتقض عهده (ہدایہ جلد اول مترجم فارسی ص۔۵۷۸) یعنی ذمی کافر جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو مار ڈالے یا نبی ﷺ کو گالی دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ نعوذ باللّٰہ حنفی مذہب کیسا مردود ہے کہ ذمی کافر جزیہ بھی نہ دے اور مسلمان کو بھی مار دے اور اکرم الاولین والآخرین جناب

رسول اللہ ﷺ کو گالی بھی نکالے اور مسلمانوں کی عورت سے زنا بھی کرے تو اس کا عہد ایسا لوہے کا لٹھ ہے کہ ٹوٹے گا نہیں۔ حالانکہ ذمی سے جزیہ حقیر سمجھ کر لیا جاتا ہے۔ جب اس نے یہ کام کیے تو مسلمانوں کو عاجز کر دیا اور ذلیل کر دیا تو عہد کہاں رہا۔ ایسا ذمی واجب القتل ہے۔

ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت یہودیہ نے نبی ﷺ کو گالی دی اور عیب و طعن کیا تو ایک شخص نے گلا گھونٹ کر مار دیا۔ جناب نبی ﷺ کے پاس یہ مقدمہ آیا تو آپ نے اس کا خون باطل کر دیا۔ خون کے رائیگاں کرنے سے ثابت ہوا کہ ایسا ذمی قتل کا مستحق ہے۔ لیکن حنفی لوگ جناب نبی ﷺ کی تعظیم نہیں جانتے' اسی واسطے آپ کی حدیث کے ہوتے ہوئے اقوال و آراء امت پر گرتے ہیں ورنہ حدیث نبی پر قربان ہو جاتے اور آپ کو گالی دینے پر جان فدا کر دیتے۔ الٹا ہم کو بہتان لگاتے ہیں کہ یہ وہابی نبی کی قدر نہیں جانتے' نعوذ باللہ۔

<u>مسئلہ نمبر-۶</u>: ہدایہ میں لکھا ہے وھو مخیر فی الاخریین معناہ ان شاء سکت وان شاء قرا وان شاء سبح کذا روی عن ابی حنیفۃ۔ (ہدایہ جلد اول ص-۱۰۹) یعنی پچھلی دو رکعتوں میں اختیار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آخر کی دو رکعتوں میں خواہ چپکا رہے خواہ پڑھ لے' خواہ سبحان اللہ کہے۔ امام ابوحنیفہ سے اسی طرح منقول ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے' جس کے آخر میں وارد ہے ویقرا فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب یعنی آنحضرت ﷺ پچھلی دو رکعتوں میں ضرور سورہ فاتحہ پڑھتے تھے' گاہے سورۃ بھی ملا لیا کرتے تھے۔

<u>مسئلہ نمبر-۷</u>: شرح وقایہ ص-۶۰ اور فتاویٰ قاضی خاں جلد-۱' ص-۹۳ میں ہے ویدعو فی صلوٰۃ الجنازۃ بالادعیۃ المعروفۃ ولا یقرا بفاتحۃ الکتاب یعنی نماز جنازہ میں مشہور دعائیں پڑھے اور سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ یہ مسئلہ حنفیہ کا صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا جان لو کہ یہ سنت ہے۔ اسی طرح اور احادیث میں ہے۔ حنفیہ کو سورہ فاتحہ سے کچھ ایسی عداوت ہے کہ نہ تو جنازہ میں پڑھنے دیتے ہیں اور نہ ہی نماز میں مقتدی کو اور نہ اس کو فرض جانتے ہیں۔

مسئلہ نمبر-۸: یعنی ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے ولا یجوز الرکعۃ الواحدۃ یعنی ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے- یہ خلاف صحیح احادیث کے ہے- منجملہ ان کے ایک یہ ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوتر رکعۃ من آخر اللیل (رواہ مسلم) یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے-

مسئلہ نمبر-۹: فتاویٰ عالمگیری چھاپہ دہلی جلد-۵' ص-۳۶ میں ہے ذکر فی الجامع الصغیر ولا یعق عن الغلام ولا عن الجاریۃ وانہ اشارۃ الی الکراھیۃ کذا فی البدائع فی کتاب الاضحیۃ یعنی جامع صغیر جو امام محمد کی تصنیف ہے' اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ نہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے اور نہ لڑکی کا کیا جائے- اسی طرح بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے جو خلاف ہے صریح صحیح احادیث کے منجملہ ان کے ایک ترمذی میں ہے- ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امرھم عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں جن کی عمر برابر ہو اور لڑکی کے لیے ایک بکری ہے- دوسری حدیث ابوداؤد' ترمذی وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل غلام مرتھن بعقیقتہ یعنی ہر بچہ اپنے عقیقہ میں گروی ہے- اس کے علاوہ اور احادیث ہیں لیکن حنفیہ کو کچھ پرواہ نہیں خواہ لاکھ احادیث ہوں وہ اپنی فقہ کو ہی سچی کہیں گے-

مسئلہ نمبر-۱۰: ہدایہ جلد دوم ص-۳۲۶ میں ہے ان یزوجہ المتزوج بنتہ او اختہ لیکون احد العقدین عوضا عن الآخر فالعقدان جائزان یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس شرط سے کر دے کہ عوض اس کے وہ اپنی بیٹی یا بہن نکاح میں دے تو یہ دونوں نکاح جائز ہیں- مطلب یہ ہے کہ شغار یعنی بٹہ کا نکاح حنفیہ کے نزدیک جائز ہے- لیکن یہ مسئلہ ان کا مردود ہے اور خلاف ہے صحیح احادیث کے منجملہ ان کے ایک مشہور حدیث ہے کتب صحاح میں کہ لا شغار فی الاسلام یعنی اسلام میں بٹہ جائز نہیں ہے- دوسری حدیث میں ہے کہ نکاح بٹہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا- تیسری حدیث ابوداؤد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نکاح بٹہ میں بلا طلاق تفریق کر دی تھی اور فرمایا کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہے- مگر حنفیہ کو ان احادیث کی پرواہ نہیں ہے' ان کی تاؤ تو الٹی چلے گی- یہ چند

مسائل بطور نمونہ ہیں ورنہ حنفیوں کے ہزاروں مسائل مخالف حدیث ہیں۔
حاصل مطلب اس بحث کا یہی ہے کہ کتب فقہ غیر معتبر ہیں۔ ان پر آنکھ بند کر کے عمل نہ کرنا چاہیے۔ خوب جانچ پڑتال کر لینا چاہیئے کہ کون سا مسئلہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور کون سا مخالف ہے۔ مخالف کو چھوڑ کر قرآن و حدیث پر عمل کرنا اور کرانا یہی اہلحدیث کا مسلک ہے۔

وجہ ہشتم: آٹھویں وجہ کتب فقہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہ ہے کہ ان میں خلاف تہذیب اور خلاف اخلاق حسنہ گندے مسائل اختراعی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ چند مسائل بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کرتا ہوں۔

مسئلہ نمبر۱: ردالمختار چھاپہ دہلی جلد اول ص-۱۴۰ میں ہے وبالبول ایضا ان علم فیه شفاء لا باء س به یعنی اگر نکسیر پھوٹے تو پیشاب کے ساتھ پیشانی پر سورۂ فاتحہ لکھنی جائز ہے' اگر جانا جائے کہ اس میں شفاء ہے۔ اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ شاباش! حنفی (بے غیرت) دوستو! قرآن کی تعظیم ہو تو ایسی ہو۔

مسئلہ نمبر-۲: غایۃ الاوطار نو لکشوری جلد-۲' ص-۲۴۰ میں ہے کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما مسافة فولدت لستة اشهر منذ تزوجها لتصوره کرامة واستخداما یعنی بلا دخول ثبوت نسب کی صورت یوں ہے کہ جیسے مرد منتہائے مغرب میں رہنے والے نے عورت منتہائے مشرق میں رہنے والی سے بوساطت کے نکاح کیا درمیان میں سال بھر کا فاصلہ تھا۔ منکوحہ مشرقیہ نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا تو یہ ثابت النسب ہو گا یا تو اس کی کرامت تصور کی جائے گی یا جن خادم خیال کیا جائے گا۔ کرامت اور استخدام ہو تو ایسا ہی ہو۔

مسئلہ نمبر-۳: فتاویٰ قاضی خاں جلد-۲' ص-۳۳۳ میں ہے وان اولج بهیمة اومیتة ولم ینزل لا یفسد صومه ولا یلزم الغسل یعنی اگر کوئی چارپائے اور مردے میں دخول کرے اور انزال نہ ہو تو اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا اور غسل بھی واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر-۴: فتاویٰ قاضی خاں نو لکشوری جلد اول ص-۱۱ میں ہے عن محمد اذا صلّی علی جلد کلب اوذئب قد ذبح جازت صلوٰته یعنی امام محمد سے روایت ہے کہ جب نماز پڑھی جائے اوپر کتے کے چمڑے کے یا بھیڑیے کے چمڑے کے تو جائز ہے' اگر وہ ذبح کئے

گئے ہیں۔ یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر کتا وغیرہ ذبح کیا جائے تو گوشت اور چمڑا پاک ہے۔ یہ حنفی مذہب کا مسئلہ ہے' اسی بناء پر چمڑے پر نماز جائز کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۔۵: بہشتی زیور حصہ دوئم ص۔۱۳ میں ہے کہ ہاتھ میں کوئی نجس چیز لگی تھی اس کو کسی نے زبان سے تین دفعہ چاٹ لیا تو بھی پاک ہو جائے گا۔ مثلاً پاخانہ ہاتھ پر لگا تھا کسی حنفی نے تین بار چاٹ لیا تو اس حنفی کا ہاتھ پاک ہو گیا۔ باقی زبان منہ اللہ کے حوالے۔

مسئلہ نمبر۔۶: عینی شرح ہدایہ جلد۔۲' ص۔۶۷۸ میں ہے ولو فعل هذا بعبده او امته او منكوحته لا يحد بلا خلاف یعنی اگر وطی کرے اپنے غلام کی دبر میں یا اپنی لونڈی کی دبر میں یا اپنی منکوحہ کی دبر میں تو اس پر حد نہیں ہے۔ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ شرم شرم

مسئلہ نمبر۔۷: فتاویٰ عالمگیری جلد اول کتاب النکاح ص۔۹۹ میں ہے فمن انتشرت آلته فطلب امراته واولجها بين فخذى ابنتها لا تحرم عليها امها مالم تزداد انتشارا كذا في التبيين یعنی مرد کا آلہ منتشر ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو طلب کیا اس درمیان میں اسے نے اپنی بیٹی کی ٹانگوں میں داخل کیا تو اگر حرکت انتشار کی بڑھ گئی تو بیوی حرام ہے اگر نہ بڑھے تو بیوی حرام نہیں ہوئی۔ کیسا مہذبانہ مسئلہ اور قیاسی ایجاد ہے اور پھر ایک ہی کی نہیں ہے بلکہ پانچ سو علماء حنفیہ کا مصدقہ ہے۔ فیا للعجب۔

مسئلہ نمبر۔۸: عالمگیری کتاب النکاح ص۔۱۰۰ میں ہے اذا قال الرجل لامراة هذه امى من الرضاعة ثم ارادان يتزوجها بعد ذالك فقال اخطات في ذالك فله ان يتزوجها استحسانًا یعنی کسی شخص نے کسی عورت کی بابت یہ کہہ دیا کہ یہ تو میری دودھ کی یعنی رضائی ماں ہے' اس نے مجھے دودھ پلایا ہے پھر اس کا ارادہ ہوا کہ میں نکاح کر لوں اور کہہ دیا کہ میں نے تو غلطی سے یہ کہا تھا پس استحسانا یہ فتویٰ ہے کہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کر لے۔ یہ ہے حنفیوں کا استحسان' جو انہی کو مبارک رہے۔

مسئلہ نمبر۔۹: فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۔۳۷ میں ہے ولو نظر الى فرج المطلقة طلاقا رجعيا عن شهوة يصير مراجعا ولا تفسد صلوته في رواية هو المختار كذا في الخلاصة یعنی کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تھی۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے اس

عورت کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنے لگا تو طلاق سے رجوع ثابت ہو جائے گا اور نماز بھی فاسد نہ ہو گی۔ نماز ہو تو ایسی ہو اور حنفیوں ہی کو مبارک ہو۔

مسئلہ نمبر۔۱۰: ہدایہ میں ہے ان تعمد الحدث فی هذه الحالة او تکلم تمت صلوته (مطبوعہ یوسفی جلد اول ص-۱۴۱) یعنی اگر آخری تشہد کے بعد جان بوجھ کر گوز مار کر یا پیشاب کر کے یا پاخانہ پھر کر بے وضو ہو جائے یا عمداً کلام کرے اور سلام نہ پھیرے تو نماز پوری ہو جائے گی۔ گویا گوز اور سلام کا حکم برابر ہوا۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ کتب فقہ میں واہیات بیہودہ' گندے گھناؤنے مسائل بکثرت ہیں جن کو پڑھنے سے دل متلانے لگتا ہے اور قے آنے لگتی ہے بلکہ شرم و حیا والا آدمی اور مہذب انسان تو ایسے مسائل سن لے یا دیکھ لے تو ایسی کتابوں پر نظر ہی نہیں کرتا۔ الا تردیدا او تنفرا۔

وجہ نہم: کتب فقہ کے غیر معتبر ہونے کی نویں وجہ یہ ہے کہ ان کا مدار تقلید پر ہے۔ قرآن و حدیث کی اتباع پر نہیں ہے۔ چنانچہ درمختار مصری جز اول ص-۵۳ میں ہے لا یفتی الا بقول الامام الاعظم یعنی نہ تو کوئی فتویٰ دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے مگر صرف امام ابوحنیفہ کے قول پر۔ مسلم الثبوت ص-۵ میں ہے اما المقلد فمستنده قول مجتهده یعنی مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے۔ توضیح مصری ص-۸۱ میں ہے قول المجتهد دلیلا له یعنی مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقلدین فقہ کے مسئلوں پر اڑ جاتے ہیں اور قرآن و حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی واسطے شامی جز اول مصری ص-۴۷ پر لکھا ہے فلعنة ربنا اعداد رمل' علی من رد قول ابی حنیفة یعنی ہمارے رب کی لعنتیں ریت کے ذروں کے برابر ان لوگوں پر وارد ہوں جو امام ابوحنیفہ کا قول نہ مانیں۔ اگرچہ امام صاحب کے قول کی دلیل نہ معلوم ہو تب بھی ماننا واجب ہے۔

چنانچہ شامی ص-۵۳ میں ہے یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من این قال یعنی امام کے ہر قول پر فتویٰ دینا حلال بلکہ واجب ہے۔ اگرچہ یہ نہ جانے کہ امام صاحب نے کس دلیل سے کہا ہے' بس یہی تقلید ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت میں ہے التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة یعنی بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ کتب فقہ میں اقوال ائمہ اہل رائے اسی واسطے جمع کیے گئے ہیں کہ

لوگ آنکھ بند کر کے بغیر دلیل پڑتال کئے ان پر عمل کرتے رہیں تو ان کتابوں کا مردود ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ ایسی تقلید شرک ہے۔ اور یہ طریقہ یہود کا ہے۔ قرآن میں ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ یعنی اہل کتاب نے اپنے عالموں اور درویشوں کو معبود بنا لیا۔

ترمذی میں اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جس چیز کو ان کے پیشوا بلا دلیل حلال بتلاتے ان کے قول کی وجہ سے اس کو وہ حلال جانتے اور جس کو حرام بتلاتے اس کو حرام جانتے۔ دلیل کی پرواہ نہ کرتے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب فوزالکبیر ص۵ میں مقلدین کی برائی کرتے ہیں فان شئت ان تریٰ انموذج الیھود فانظر الی علماء السوء من الذین یطلبون الدنیا وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الکتاب والسنۃ (الی آخرہ) یعنی اگر یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان بدترین علماء کو دیکھ لو جو دنیا میں مشغول ہو کر پہلوں کی تقلید کے عادی ہو گئے اور قرآن و حدیث سے منہ موڑ گئے اور ایک ہی امام کے نرم گرم مسئلے کے پیچھے لگے گئے اور شارع معصوم علیہ السلام کے کلام کو چھوڑ دیا اور موضوع احادیث اور فضول تاویلوں سے تمسک کرنے لگے گویا کہ بالکل وہی یہودی ہیں۔ سو یاد رکھو ایسا شخص مقلد دین اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ فتوحات مکیہ میں ہے لایجوز ترک آیۃ او خبر بقول صاحب وامام ومن یفعل ذالک فقد ضل ضلالا وخرج عن دین اللّٰہ یعنی جو شخص کسی آیت یا حدیث کو امام کے قول کے خلاف جان کر چھوڑ دے تو وہ پکا گمراہ ہے اور دین الٰہی سے خارج ہوا۔

چنانچہ کتب فقہ کے مسائل اکثر قرآن و حدیث اور تہذیب کے خلاف ہیں کما تقدم اور ان کے بیان کرنے والے اہل رائے ہیں جو سنت کے اعداء ہیں۔ لہٰذا کتب فقہ پر چلنے والے بدعتی اسلام سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان کا ان خلاف شرع کتابوں پر ایسا جمود ہے کہ ان کے خلاف چلنے والوں پر وہ لعنت بھیجتے ہیں پھر وہ خود کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں جو ایسی تقلید پلید کے مرتکب ہیں۔

وجہ دہم : دسویں وجہ کتب فقہ کے غیر معتبر ہونے کی یہ ہے کہ ان کے مسائل میں تناقض و تعارض وباہم مخالفت ہے۔ چنانچہ بعض مسائل بطور نمونہ بیان کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ جمعہ در دیہات

مسئلہ جمعہ در دیہات: کتب فقہ میں عام طور پر یہ مسئلہ مشہور ہے کہ شہروں کے سوا کہیں جمعہ جائز نہیں۔ ہدایہ وغیرہ میں صاف لکھا ہے لایجوز فی القریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ لیکن عینی شرح بخاری اور دیگر کتب فقہ میں ہے ان الامام ای موضع حل جمع یعنی امام جہاں اتر پڑے وہاں ہی جمعہ پڑھ لے۔ شامی میں ہے فان فی فتاوی الدیناری اذا بنی مسجد فی الرستاق بامر الامام فھو امر بالجمعة اتفاقا علی ماقال السرخسی یعنی فتاویٰ دیناری میں ہے کہ جس وقت گاؤں میں امام المسلمین کے حکم سے مسجد بنائی جائے تو یہ جمعہ ہی کا حکم ہے وہاں اتفاقاً جمعہ جائز ہے۔ اسی طرح تعریف مصر میں فقہ کی کتابوں میں اختلاف مشہور ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے' کوئی کچھ کہتا ہے۔

مسئلہ نمبر-۲: ظہر احتیاطی کے بارے میں بحر الرائق میں ہے وما فی القنية مبنی کله علی القول الضعیف المخالف للمذھب یعنی قنیہ میں احتیاطی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کی بناء ضعیف قول پر ہے جو مذہب کے مخالف ہے اور تاتارخانیہ میں ہے فھذا مذھب اھل الاعتزال یعنی یہ معتزلہ کا مذہب ہے پھر فتاویٰ عالمگیری' ظہیریہ' شامی' قنیہ' محیط وغیرہ میں احتیاطی نماز جائز بلکہ واجب لکھی ہے۔ اسی واسطے بعض حنفی احتیاطی کو بدعت کہتے ہیں اور بعضے پڑھتے ہیں کیونکہ کتب فقہ میں اختلاف ہے پس مقلدین میں بھی اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر-۳: ہدایہ جلد اول باب الماء میں ہے عن ابی حنیفة ھو طاھر یعنی امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے۔ پھر اس باب میں ہے ھو نجس یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ پانی ناپاک ہے۔

مسئلہ نمبر-۴: ہدایہ کے اسی باب میں ص-۲۲ پر ہے عن ابی حنیفة نجاسة غليظة یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مستعمل پانی کی ناپاکی غلیظ ہے یعنی پاخانہ کی طرح ہے پھر اسی باب میں اسی صفحہ پر لکھتے ہیں ھو قوله نجاسة خفيفة یعنی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ ہلکی نجاست ہے۔ کیسا تعارض ہے پلید بھی ہے نہیں بھی۔ پلیدی سخت بھی ہے اور ہلکی بھی ہے۔ یہ سب کچھ ابوحنیفہ کا فرمان ہے۔

مسئلہ نمبر-۵: ہدایہ باب الانجاس میں ہے فاذا جفہ علی الثوب اجزا فیہ الفرک یعنی منی جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے- یہ امام صاحب سے منقول ہے- پھر اسی باب میں ہے وعن ابی حنیفۃ انہ لا یطھر یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ منی کپڑے پر سوکھ جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا-

مسئلہ نمبر-۶: ہدایہ باب المواقیت میں ہے وآخر وقتھا عند ابی حنیفۃ اذا صار ظل کل شیئی مثلیہ یعنی ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے- یہ ابوحنیفہ سے مروی ہے- پھر اسی باب میں لکھا ہے اذا صار الظل مثلہ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ یعنی ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ برابر ہو جانے تک ہے یہ بھی امام صاحب کا فرمان ہے- اسی طرح وقت عصر میں دو مخالف قول ہیں-

مسئلہ نمبر-۷: ہدایہ باب المواقیت میں ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت سرخی کے بعد جو سفیدی کناروں پر ہوتی ہے اس کے چلے جانے پر ہے یعنی سرخی کے بعد وقت رہتا ہے پھر اسی باب میں لکھا ہے ھو الحمرۃ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ یعنی شفق سرخی کو کہتے ہیں سرخی چلے جانے پر مغرب کا وقت نہیں رہتا- یہ بھی ابوحنیفہ کا قول ہے-

مسئلہ نمبر-۸: ہدایہ جلد اول ص-۷۴ باب الاذان میں ہے یکرہ ان یقیم علی غیر وضوء یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے- پھر اسی صفحہ اور باب میں ہے ویروی انہ لا تکرہ الاقامۃ ایضا یعنی بے وضو اقامت کہنا مکروہ نہیں ہے- یہ بھی ابوحنیفہ کا فرمودہ ہے- کیا عجب بات ہے کہ مکروہ ہے بھی اور نہیں بھی-

مسئلہ نمبر-۹: ہدایہ باب صفتہ الصلوۃ ص-۹۰ میں ہے فان اقتصر علی احدھما جاز عند ابی حنیفۃ یعنی اگر سجدے میں صرف ناک یا صرف پیشانی لگائے تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے- پھر اسی صفحہ میں لکھا ہے لایجوز یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں سجدہ دونوں پر کرنا چاہیے-

مسئلہ نمبر-۱۰: کنز، شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہ میں گھوڑے کی بابت لا یحل لکھا ہے یعنی حلال نہیں ہے- اور درمختار میں ہے کہ ان اباحنیفۃ رجع عن حرمتہ قبل موتہ بثلاثۃ ایام وعلیہ الفتویٰ یعنی ابوحنیفہ نے گھوڑے کی حرمت سے موت سے تین دن پہلے رجوع کر

لیا تھا۔ اب اسی پر فتویٰ ہے لیکن شامی میں ہے فھو مکروہ کراھة تنزیه وھو ظاھر الروایة یعنی ظاہر روایت یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس کے برعکس ہدایہ اور خلاصہ اور محیط میں کراہت تحریمی وارد ہے۔

الغرض صرف اقوال امام ابوحنیفہ میں بسیار اختلاف ہے پھر اگر صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ کے دو شاگردوں ابویوسف اور محمد کے اقوال کا مقابلہ امام ابوحنیفہ کے اقوال سے کیا جائے تو مذہبی دنگل قائم ہو جاتا ہے۔ ردالمختار میں ہے فحصل المخالفة من الصاحبین فی نحو ثلث المذھب یعنی امام صاحب کے شاگردوں ابویوسف اور محمد نے اپنے استاد کے ایک تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے اور باوجود اختلاف کے پھر لکھتے ہیں روی عن جمیع اصحابه من الکبار کابی یوسف ومحمد وزفر والحسن انھم قالوا ما قلنا فی مسئلة قولا الا وھو روایتنا عن ابی حنیفة واقسموا علیه ایمانا غلاظا فلم یتحقق فی الفقه جواب ولا مذھب الا له (شامی جلد اول ص-۴۸) یعنی امام ابوحنیفہ کے تمام بڑے بڑے شاگردوں مثلاً ابویوسف' محمد' زفر' حسن سے یہ منقول ہے کہ ہم نے کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا۔ وہی کہا ہے جو ہمیں امام صاحب سے روایت ملی تھی۔ اپنے اس بیان پر انہوں نے بڑی پکی قسمیں بھی کھائی ہیں۔ لہٰذا اب فقہ حنفی میں سوائے امام ابوحنیفہ کے جواب اور مذہب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ دوسروں کی طرف نسبت مجازی ہو گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ شاگرد بھی امام صاحب کے موافق ہے۔ چنانچہ مولانا احمد علی لاہوری نے اپنے رسالہ اصلی حنفیت میں اس طرح لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام ابویوسف' امام محمد وغیرہ کے اقوال خواہ وہ امام ابوحنیفہ کے مخالف ہوں وہ بھی دراصل امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال ہیں۔ سب ایک امام کے اقوال بنیں گے تو تقلید شخصی برقرار رہے گی ورنہ یہ تقلید جمہوری ہو جائے گی یا ہزاری کہہ لو۔ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے اقوال بھی دراصل امام صاحب کے اقوال ہیں تو پھر مذہبی دنگل عجیب واقع ہو گا کیونکہ ان کے اقوال سب ہی مخالف اور متعارض ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی طبقات جلد ا' ص-۲۴۳ میں فرماتے ہیں فانھما (ای ابا یوسف و محمدا) یخالفان اصول صاحبھما یعنی امام ابویوسف اور محمد اپنے امام کے اصول میں بھی مخالف ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مقدمہ شرح وقایہ ص-۸ میں لکھتے ہیں فان مخالفتھما

لاما مهما فی الاصول غیر قلیلة حتّٰی قال الامام الغزالی فی کتابه المنخول انهما خالفا اباحنیفة فی ثلثی مذهبه یعنی صاحبین کی مخالفت اپنے امام سے اصول میں بھی بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ امام غزالی نے اپنی کتاب منخول میں تصریح کر دی ہے کہ دو تہائی مذہب میں انہوں نے مخالفت کی ہے۔ ایک تہائی کا اقرار علامہ شامی کو بھی ہے۔ بہرکیف ادھر ان لوگوں کی شہادت کو ناظرین ملاحظہ کریں اور ادھر شاگرد صاحبان کے حلفیہ بیان کو بھی ملحوظ رکھیں اور ادھر کتب فقہ میں مخالف اور متعارض اقوال پر بھی نظر ڈال لیں پھر انصاف کریں کہ یہ فقہ کیا بلا ہے اور یہ کیا گورکھ دھندہ ہے؟ چنانچہ چند مسائل کا نمونہ دیکھئے۔

مسئلہ نمبر-۱: بوجہ شہوت منی نکل کر اپنی جگہ سے نہ بڑھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک غسل فرض نہیں لیکن امام ابویوسف ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ غسل فرض ہے۔ (ہدایہ جلد اول مطبوعہ مجتبائی ص-۴۰)

مسئلہ نمبر-۲: اگر جنبی کسی کوئیں میں ڈول نکالنے کے لیے اترے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کنوئیں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور محمد اور ابویوسف دونوں شاگرد کہتے ہیں کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (ہدایہ جلد اول ص-۴۲)

مسئلہ نمبر-۳: حلال جانوروں کا پیشاب بطور دوا پینا ابوحنیفہ کے نزدیک حلال نہیں ہے اور دونوں شاگرد مذکورہ کہتے ہیں کہ حلال ہے۔ (ہدایہ جلد اول ص-۴۹)

مسئلہ نمبر-۴: جنبی شخص اگر اپنے شہر میں ہے اور نہانے کی وجہ سے اسے بوجہ سردی کے مر جانے کا ڈر ہے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے تو اس کو تیمم کر لینا ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحبین یعنی دونوں شاگرد ابویوسف اور محمد کہتے ہیں جائز نہیں۔ (ہدایہ جلد اول مطبوعہ مجتبائی ص-۳۲)

مسئلہ نمبر-۵: اگر امام یا مقتدی کا نماز عید میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ تیمم کر لیں اور نماز پوری کر لیں۔ یہ ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے۔ دونوں شاگرد کہتے ہیں کہ وہ تیمم نہ کریں۔ (ہدایہ جلد اول ص-۳۸)

مسئلہ نمبر-۶: جرابوں پر ابوحنیفہ کے نزدیک مسح جائز نہیں اگرچہ بہت موٹی ہوں۔ صاحبین کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ (ہدایہ جلد اول ص-۴۴)

مسئلہ نمبر۔۷: اگر کپڑے کو گائے وغیرہ کا گوبر وغیرہ ہتھیلی کی چوڑائی سے زیادہ لگ گیا تو ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جائز نہیں۔ محمدؒ ابویوسفؒ زفر تینوں شاگرد کہتے ہیں کہ نماز جائز ہے۔ (ہدایہ جلد اول ص۔۵۸)

مسئلہ نمبر۔۸: ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امام ربنا ولک الحمد نہ پڑھے اور صاحبین کہتے ہیں کہ چپکے سے پڑھ لے۔ (ہدایہ جلد اول ص۔۸۹)

مسئلہ نمبر۔۱۰: امام اگر قرآن دیکھ کر نماز میں قرات پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے اور ان کے دونوں شاگرد محمد اور ابویوسف کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہو گی۔ (ہدایہ جلد اول ص۔۱۲۱) تلک عشرۃ کاملۃ۔

یہ دس مسائل نمونہ کے طور پر دکھائے ہیں جو صرف ہدایہ سے منقول ہیں۔ اسی طرح تمام کتب فقہ مروجہ میں ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی اکھاڑہ بندی ہے۔ امام کچھ کہتا ہے اور شاگرد کچھ کہتے ہیں۔

اب میں تمام بحث کو ختم کرتا ہوں' عاقل کو اسی قدر کافی ہے۔

خلاصتہ البحث: یہ ہے کہ کتب فقہ مروجہ شرعی کتابیں نہیں ہیں اور نہ یہ فقہ شرعی فقہ ہے بلکہ اختراعی اور قیاسی ہے۔ اس سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے۔ صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور حکم الٰہی بھی یہی ہے کہ اختلاف اور نزاع کے وقت محض اللہ اور رسول کی طرف جانا چاہیے۔ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسولہ۔ محکمہ تحقیق و تنقید کی رو سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ غوامض فقہیہ اور مضامین قیاسیہ قرآن و حدیث کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ پس قرآن حدیث کی وہ جگہ جو امتیوں کی رائے قیاس کو دے رکھی ہے' خالی کرالی جائے اور جن فقہی کتابوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جا رہا ہے' ان کو چھوڑ کر قرآن اور کتب حدیث صحاح ستہ وما وافق بہا کو قابل علم و عمل جان لیا جائے۔ اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کتب فقہ کے مسائل کو لینا کفر تصور کر لیا جائے۔ تمہید خواجہ ابوشکور سالمی رحمہ اللہ کے ص۔۱۴۹ میں ہے والکفر کلہ بالتقلید یعنی سب کفر تقلید ہی سے جاری ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں موحدوں کو تقلید شخصی سے بچائے' آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

الراقم العبد الضعیف ابوالشکور عبدالقادر الحصاری

ماہنامہ صحیفہ اہل حدیث دہلی

جلد۔۱۸' شمارہ۔۷ تا ۱۱ سنہ۔۵۷ھ

بیان محققانہ بجواب تحریر مقلدانہ

سواد اعظم کی محدثانہ بحث

آں مقلد صد دلیل و صد بیاں
بر زباں آرد ندارد ہیچ جاں

حضرات! میرا ایک مضمون بعنوان "مسئلہ تقلید کی توضیح" کوئی ولی کامل مقلد نہیں ہوا۔ بجواب "ترجمان اسلام" ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" لاہور کے تین شماروں میں قسط وار شائع ہوا ہے۔ مضمون ہر طرح مدلل ہے۔ جس سے کوئی اہل انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی تقلیدی گوشہ میں اعتکاف بیٹھا ہوا حق سے انحراف کرے تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے۔ چنانچہ ۱۵ر صفر سنہ ۱۳۸۸ھ کو ضلع گجرات کے کسی شخص بشیر احمد نامی کا ایک مکتوب ملا' جس میں مکتوب نگار نے میرے مضمون پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے ایسے نازیبا الفاظ سے خطاب کیا ہے جو قابل جواب نہیں ہے۔ مگر بندہ اصلاح کی نیت سے جواب باصواب عرض کرتا ہے' تاکہ معترض تقلید کی حقیقت کو بے نقاب پا کر غوروخوض کرے اور ہدایت یاب ہو جائے۔ شرط یہ ہے کہ عصبیت سے علیحدہ ہو کر میرے جواب کو انصاف سے پڑھے۔ امام طحاوی کا فرمان ہے کہ ھل یقلد الا عصبی اوغبی یعنی "تقلید وہی شخص کرتا ہے جو متعصب اور کند ذہن ہو۔" (مفاتیح الاسرار التراویح مطبوعہ لاہور ص-۶۵)

میرے مضمون پر معترض کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ دونوں صفات موجود ہیں۔ امام طحاوی کا فرمان تجربہ سے صحیح ثابت ہوا۔ اس مقلد کا خط مع جواب بطور مکالمہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین اہل علم کو اس کی اور اس کے خط کی حقیقت کا علم ہو جائے۔

مقلد گجراتی: بخدمت جناب مینجر صاحب سلام مسنون۔ معروض آنکہ آپ کے جریدہ میں مذہب حنفی اہل سنت وجماعت پر حملے ہو رہے ہیں۔

عارف حصاری: خط کی ابتدا کا طریقہ خلاف سنت ہے اور دعویٰ اہل سنت ہونے کا

ہے۔ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

قرآن پڑھیے جس میں خط سلیمانی درج ہے کہ انه من سليمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحيم' الخ۔ یعنی "خط سلیمان کی طرف سے ہے جو اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع ہے۔"

اپنا نام لکھ کر بسم اللہ سے شروع کرنا بھی جائز ہے اور بسم اللہ لکھ کر پھر نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا نام پھر سلام لکھے اور پھر امابعد لکھ کر اپنا مقصود شروع کرے۔ چنانچہ خط نبوی جو ہرقل کو لکھا گیا اس کی ابتداء یوں ہے: بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الىٰ هرقل عظيم الروم سلام علىٰ من اتبع الهدىٰ' امابعد' الخ۔

اسی طرح دیگر خطوط نبویہ ملاحظہ کرو۔ نیز صحابہ کرام کے مکاتیب کا مطالعہ کرو اور امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب مستطاب ادب المفرد پڑھو کہ سب میں بسم اللہ اور مرسل اور مکتوب الیہ کا نام اور پورا سلام اور لفظ امابعد ان میں موجود ہے۔ لفظ سلام مسنون سے سلام کی صحیح سنت ادا نہیں ہوتی۔ پس جب گجراتی مقلد کا خط خلاف سنت ہے تو ان کا نام اہل سنت والجماعت کیسے صحیح ہو گا؟

مقلد گجراتی: مذہبی حنفی اہل سنت و جماعت پر حملے ہو رہے ہیں' یہ نہایت نازیبا اور ناروا ہے۔"

عارف حصاری: یہ بات سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ مضمون میں کوئی ناجائز ناروا اور دل آزار لفظ نہیں ہے۔ صرف مسئلہ تقلید کی توضیح اولیاء اللہ کاملین کا درجہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تقلید نہ کرتے تھے۔ ان کو کتاب و سنت کا علم اور معرفت الٰہی حاصل ہوتی تھی۔ تقلید جہالت کا درجہ ہے۔ مقولہ التقليد وظيفة الجاهل (تقلید کرنا جاہل کا وظیفہ ہے) علماء میں مشہور ہے۔ چنانچہ مثنوی میں مولانا روم فرماتے ہیں۔

پس مقلد مانند کور است
اندراں شادی کہ اورا رہبرست

یعنی "مقلد کی مثل نابینے شخص کی ہے' وہ اس بات پر خوش ہے کہ اس کے لیے

رہبر ہے۔" گجراتی مقلد نے یہ بات نہایت کند ذہنی سے لکھی ہے کہ حنفی اہل سنت و جماعت ہے۔ کیونکہ حنفی اس مذہب کا نام ہے جو امام ابوحنیفہ نعمان کوفی کو اپنا رہبر مقرر کر کے ان کی تقلید کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں: ان الحنفية عبارة عن فرقة تقلد الامام اباحنيفة فی المسائل الفرعية وتسلک مسلكه فی الاعمال الشرعيه' الخ۔ یعنی "حنفیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے اور اعمال شرعیہ میں ان کے طریقہ پر چلتا ہے۔ خواہ اصول و عقائد میں ان کے موافق ہو یا مخالف۔ اگر موافق ہوا تو حنفی کامل ورنہ حنفی ناقص کہلائے گا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ مذہب حنفی تقلید شخصی کی وجہ سے شخصی مذہب ہے جماعتی نہیں ہے۔ اور اہل سنت والجماعۃ کی تعریف یہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ جلد ا' ص-۱۷۰ میں فرماتے ہیں: هم الاخذون فی العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين یعنی "اہل سنت والجماعت وہ فرقہ ہے جو عقیدہ اور عمل سب میں ان مسائل کو لیتا ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوں اور ان پر جمہور صحابہ کرام اور تابعین قائم رہے ہوں۔"

امام بخاری رحمہ اللہ اپنے رسالہ خلق افعال العباد میں فرماتے ہیں: هم الذين ادروا الكتاب والسنة بعد النبی صلی الله عليه وسلم قرنا بعد قرن یعنی "اہل سنت والجماعت وہ ہیں جنہوں نے کتاب و سنت کو جانا اور ان سے علم و عمل حاصل کیا اور عہد نبوی سے لے کر اب تک زمانہ در زمانہ اسی طرح عمل کرتے چلے آئے"

توضیح تلویح میں ہے: اهل السنة والجماعة هم الذين طريقتهم طريقة الرسول واصحابه دون اهل البدع یعنی "اہل السنۃ والجماعۃ وہ لوگ ہیں جن کا طرز عمل اور طریقہ وہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا اور وہ اہل بدعت کا طریقہ نہیں ہے۔"

غنیۃ الطالبین میں شیخ جیلانی محبوب سبحانی کا ارشاد یہ ہے کہ: السنة ماسنه رسول الله صلی الله عليه وسلم والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله صلی

اللّٰہ علیہ وسلم' الخ۔ یعنی "سنت سے مراد وہ طریقہ شرعیہ ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے مشروع ٹھہرایا اور جماعت سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے کہ جس طریقہ پر وہ متفق ہو کر قائم رہے۔"

پس ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ فرقہ حنفی بحیثیت حنفی اہل سنت والجماعت کے مصداق نہیں ہے کہ وہ شخصی مذہب ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نہ حنفی تھے اور نہ انہوں نے حنفی بننے کا حکم دیا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حنفی' شافعی وغیرہ بننے کا حکم دیا ہے۔ یہ مذاہب مقلدین نے خود اختراع کیے ہیں۔ شریعت میں ان مذاہب کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت خطاب شارع کا نام ہے اور خطاب شارع میں حنفی مذہب کا نام نہیں پایا گیا۔ چنانچہ توضیح تلویح اصول حنفیہ کی معتبر کتاب مطبوعہ مصر کے ص۔۱۶ میں ہے: الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع یعنی "شریعت وہ چیز ہے جو بغیر خطاب شارع کے معلوم نہ ہو سکے۔"

نورالانوار کے ص۔۶ میں ہے: والاولی ان یکون الشرع اسما للدین فلا یحتاج الی التاویل یعنی "شرع دین کا نام ہے جو تاویل کا محتاج نہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ شریعت مقرر کرنا بذریعہ فرشتہ کے' اپنے رسول کریم ﷺ پر یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو شریعت مقرر کی ہے وہ کتاب و سنت میں موجود ہے جس میں حنفی' شافعی وغیرہ مذاہب بنانے کا کوئی حکم وارد نہیں ہے۔ یہ مذاہب بغیر اذن الٰہی بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ کتاب شرح عین العلم مطبوعہ عامرہ استنبول ص۔۳۲۶ میں ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: ومن المعلوم اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ ماکلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفھم ان یعملوا بالسنة یعنی "یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی بنے یا شافعی بنے یا مالکی بنے یا حنبلی بنے۔ بلکہ سب لوگوں کو یہ تکلیف دی ہے کہ وہ سنت کے مطابق عمل کریں۔"

القول السدید مطبوعہ بنگلور کے ص۔۴ میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں: اعلم انہ لم یکلف اللّٰہ تعالیٰ احدا من عبادہ بان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل اوجب علم الدین بما بعث بہ سیدنا محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم والعمل

بشریعتہ یعنی "جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے۔ بلکہ ان پر اس بات پر ایمان لانا واجب کیا ہے جس کے لیے ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور واجب کیا ہے عمل کرنا ان کی شریعت پر۔"

اس تصریح سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ حنفی بننے کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہ مذہب لوگوں نے خود بنایا ہے اور یہ اہل سنت نہیں ہیں۔

دین حق را چہار مذہب ساختند

رخنہ در دین نبی انداختند

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں صراحت کر دی ہے کہ "چہارم صدی سے پہلے ان چار مذاہب کا نام و نشان تک نہ تھا۔" جس سے ظاہر ہے کہ یہ چار مذہب قرون ثلاثہ کے بعد کی پیداوار ہے۔ پس جو مذہب شریعت سے ثابت نہ ہو، وہ قرون مشہودلہا بالخیر کے بعد کی پیداوار ہو، وہ اختراعی اور بدعت ہے۔

ہم نے اپنے مضمون میں کوئی حملہ نہیں کیا۔ آپ ذرا شیخ جیلانی محبوب سبحانی رحمہ اللہ کی کتاب غنیۃ الطالبین میں ملاحظہ فرمایئے، انہوں نے حنفیہ کو مرجیہ قرار دے کر کن فرقوں میں شمار کیا ہے۔ اب تمام حنفیہ مل کر حضرت شیخ جیلانی کا نام اولیاء کی جماعت سے کٹوا دیں۔ اگر ایسا نہ کر سکیں تو مذہب حنفی ترک کر کے اصل اہل سنت ہو جائیں۔

مقلد گجراتی: "مسلک حق کی آپ تکذیب کر رہے ہیں۔ یہ ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں ہے کہ صحیح راستہ کے سالک کو برا بھلا کہے۔"

عارف حصاری: میزان شعرانی جلد۱، ص۱۰ میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **ولا تقنعوا بالتقلید فان ذالک عمی فی البصیرۃ** یعنی "تقلید پر قناعت اور بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ تقلید انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔"

مسلک حق کی تکذیب کو میں کفر سمجھتا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ مذہب حنفی مسلک حق نہیں ہے۔ مسلک حق اہلحدیث کا ہے، جس کی آپ تکذیب کر

رہے ہیں۔ آپ نے شاید عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہو گا' وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اس حدیث نبوی کی یہ تفسیر کی ہے: عن ابن المبارک فی تفسیر حدیث لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق قال هم اهل الحدیث (مفتاح الجنة للسیوطی ص-۴۸' شرف اصحاب الحدیث ص-۲۶ للخطیب) یعنی "حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ایک طائفہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا وہ طائفہ اہلحدیث ہے۔"

مشکوۃ کا آخری صفحہ دیکھو اور مفتاح الجنۃ کا صفحہ مذکور کہ امام علی بن المدینی جو امام بخاری کے شیخ ہیں' فرماتے ہیں کہ وہ طائفہ اہلحدیث کا ہے۔ اسی طرح امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرف اصحاب الحدیث کے ص-۵۷ میں باسنادہ یہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید خلیفہ نے یہ کہا ہے: وطلبت الحق فوجدته مع اهل الحدیث یعنی "میں نے جس بات میں حق کو تلاش کیا تو اس کو مذہب اہلحدیث میں پایا۔"

میں کہتا ہوں کہ گجراتی صاحب غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حنفی مذہب کو حق اور اہل سنت سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اصلیہ کی رو سے اور اکابر ائمہ محدثین و فقہا اور مشائخ کی شہادت سے ثابت ہے کہ اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں' اس کے کئی نام ہیں۔ مثلاً

☆ اصحاب الحدیث

☆ اهل الاثر

☆ اهل حدیث

☆ اهل سنة

مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ غنیة الطالبین میں فرماتے ہیں: اما الفرقة الناجیة فهی اهل السنة والجماعة الملقب به اهل الحدیث یعنی "ناجی فرقہ جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ اہل سنت ہیں' جن کو اہلحدیث کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔" (مطبوعہ مصر جلد-۱' ص-۹۵)

ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں: وما اسمهم الا اصحاب الحدیث واهل السنة یعنی "مخالفین گمراہ فرقے ان کا کچھ نام رکھیں' ان کا نام اہلحدیث اور اہل سنت ہے۔"

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں جناب ملا علی قاری حنفی باب ثواب ھذہ الامۃ کی تشریح کرتے ہوئے حدیث لا تزال طائفۃ من امتی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ھم اصحاب الحدیث (الخ) فالمراد بھم اھل السنۃ والجماعۃ یعنی "طائفہ منصورہ اہلحدیث ہیں۔ مراد ان سے اہل سنت والجماعت ہیں۔"

شواہد تو بہت ہیں بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ اہل انصاف کے لیے یہ کافی ہے اور ان کا طریقہ عمل اور مسلک اس کا مثبت ہے کہ وہ کتاب و سنت پر اپنے عقیدہ اور عمل کا دارومدار رکھتے ہیں کہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ یہی مسلک نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا تھا کہ وہ مقلد نہ تھے۔ گجراتی مقلد کوئی عامی آدمی ہے، جس کو علمی تحقیق سے مس نہیں ہے۔

این بہ تقلید از پدر بشنید نہ
از حماقت اندراں پیچیدۂ
(روم)

مقلد گجراتی: بہرحال گذارش ہے کہ آئندہ گریز کریں۔ امید ہے تعصب میں نہیں آئیں گے۔

عارف حصاری: ماشاء اللہ چشم بددور! کیا فصیح کلام ہے کہ آپ ہمیں گریز کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ خوبی آپ کے علماء میں ہے کہ وہ تحقیق سے گریز کرتے ہیں۔ مناظرہ کی تحریک کر کے میدان مناظرہ میں آنے سے گریز کر جاتے ہیں۔ اظہار حق سے گریز کر کے کتمان حق کر جاتے ہیں۔ الحمدللہ علماء اہلحدیث اس قسم کا گریز نہیں جانتے۔ ایسے ہی گریز کا سبق آپ ہمیں دیتے ہیں۔ لیکن بفضل الٰہی علماء اہلحدیث اس گریز سے مبرا ہیں۔

شاید اس سے مراد پرہیز ہے۔ لیکن آپ کے حنفی علماء کی روش اور مسلک سنئے:
فیض الباری جلد-۲، ص-۱۹۶ میں مولانا انور شاہ صاحب جو دیوبندی علماء میں شہرۂ آفاق ہستی ہو گذری ہے، یہ لکھتے ہیں: ان لو حنفیا ناظر شافعیا فی رمضان ورای ان الصوم یضعفہ جاز لہ الافطار یعنی "اگر رمضان میں کوئی حنفی مولوی کسی شافعی

مولوی سے مناظرہ کر رہا ہو اور وہ یہ دیکھے کہ روزہ مجھے بحث کے وقت کمزور کر دے گا تو اس مناظر کو روزہ افطار کر دینا جائز ہے۔"

اب میں گجراتی مقلد سے پوچھتا ہوں کہ آپ غیر مقلدوں کو تو گریز کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ یہ مقلدین کا مناظرہ آپس میں کیسے جائز ہو گا؟ اور پھر مناظرہ بھی جنگ کفار کی مثل کہ اس میں روزہ رمضان کا افطار کرنا بھی جائز کر دیا جو فرض عین ہے۔ مناظرہ حنفی کا شافعی سے خواہ کسی مسئلہ میں ہو' کرنا فرض عین نہیں ہے۔ من ادعی فعلیه البیان۔

اچھا گجراتی صاحب! اپنے علماء سے دریافت کر کے یہ بتائیں کہ کیا مقلد مناظرہ کر سکتا ہے؟ اگر کہیں کہ کر سکتا ہے تو اصولا" اس کا ثبوت دیں۔ کیونکہ مناظرہ وہ کر سکتا ہے جو ادلہ شرعیہ سے استدلال کر سکے۔ مقلد ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نامی شرح حسامی میں ہے کہ انما الاستدلال فعل المجتهد "دلائل شرعیہ سے استدلال کرنا مجتہد کا منصب ہے۔"

توضیح میں یہ لکھا ہے: فالادلة الاربعة انما یتوصل بها المجتهد لا المقلد "ادلہ اربعہ سے مسئلہ ثابت کرنا اور مطلب کا سمجھنا مجتہد کا کام ہے' مقلد کا نہیں۔" کیونکہ تقلید کی تعریف علمائے اہل اصول نے یہ لکھی ہے کہ التقلید اخذ قول الغیر من غیر حجة (مسلم الثبوت) "کسی غیر (نبی) کی بات بغیر دلیل جاننے کے قبول کرنا یہ تقلید ہے۔"

جمع الجوامع علامہ سبکی کی جلد-۲' ص-۲۵۱ میں ہے کہ التقلید اخذ القول من غیر معرفة دلیله یعنی "کسی کے قول کو بغیر دلیل معلوم کئے لے لینا تقلید ہے۔" پس مقلد مناظرہ نہیں کر سکتا۔

اچھا پھر میں یہ پوچھتا ہوں کہ (۱) چاروں مذہب حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی مل کر کے مجموعی طور پر حق پر ہیں؟ (۲) چاروں علیحدہ علیحدہ مستقل حق پر ہیں؟ (۳) یا ان میں سے ایک حق پر ہے اور تین باطل ہیں؟

اگر شق اول ہے تو پھر چاروں پر عمل کرنا چاہیے۔ پھر حنفی کو شافعی سے روزہ افطار کر کے مناظرہ کرنا حرام ہوا۔ اور اگر شق دوم ہے تو حق میں تعدد لازم آیا' یہ

باطل ہے۔ کیونکہ قرآن ناطق ہے کہ فماذا بعد الحق الا الضلال یعنی "حق کے خلاف گمراہی ہے۔" نیز حنفی کو شافعی سے روزہ افطار کر کے مناظرہ کرنا حرام ہو گا۔ کیونکہ یہ حق سے حق کو لڑانا ہے۔ اگر شق سوم ہے کہ چاروں مذہبوں میں اختلاف شدید ہے۔ ان میں سے ایک حق پر ہے' باقی تین باطل پر ہیں۔ اس لیے مناظرہ ضروری ہے۔ تو پھر یہ کہنا جھوٹ ہو گیا کہ چاروں مذاہب پر امت کا اجماع ہے۔ ان چاروں میں سے ایک میں داخل رہنا چاہیے کہ حق ان چاروں میں دائر ہے۔ جب حق چاروں میں ہے تو پھر مناظرہ حرام ہے۔

مقلد گجراتی: اپنے نظریات کو بالائے طاق رکھ کر اگر سوچا جائے تو مذہب حنفی ہی صدق و صواب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اتبعوا السواد الاعظم۔ آگے فرمایا: من شذ شذ فی النار یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو جو اس سے الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا۔

عارف حصاری: مولانا روم نے مثنوی میں کیا خوب کہا ہے۔

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث!

تم مقلد ہو کر حدیث نبوی سے استدلال کرنے لگے۔ یہ تمہاری حیثیت سے بالاتر کام ہے جو تمہارے حسب حال نہیں بلکہ بالکل نامناسب اور نازیبا ہے۔ اس لیے بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہوئے۔ تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تقلید کی ماہیت میں عدم علم دلیل داخل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد جب تک تقلید کے بھنور میں ہے' جاہل ہے۔

چنانچہ اہل علم کہتے ہیں: المقلد جاھل مادام مقلد۔ اور جاہل کو حکم شرعی یہ ہے کہ ولا تقف مالیس لک بہ علم یعنی "جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔" تم جاہل ہو کر حدیث سے استدلال کرنے لگے تو گمراہی میں پڑے۔ اب اس دلیل کے نمبروار جوابات پڑھیے۔ کیونکہ اکثر مقلدین بوجہ جہالت اس حدیث کو پیش کر کے حنفی مذہب کی صداقت ثابت کیا کرتے ہیں۔

(۱) اول تو آپ نے اپنے اصول کے خلاف حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ مقلد کا منصب نہیں ہے۔ چنانچہ توضیح تلویح جلد۔۱' ص۔۱۳۶ میں ہے: فاما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد "مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے۔
تو اب گجراتی صاحب کو چاہیے کہ اول اپنے امام کا قول پیش کرے کہ حنفی مذہب حق ہے۔ جب امام کا قول نہ لیا اور حدیث کی طرف دوڑا تو یہ غیر مقلدی پائی گئی اور امام صاحب کا قول کہاں سے لا سکتے ہیں کہ اس وقت حنفی مذہب کا وجود ہی نہ تھا۔ حنفی مذہب تیسری چوتھی صدی میں امام صاحب کے بعد مقلدین نے تیار کیا ہے۔
(۲) حدیث مذکور ان لفظوں میں مشکوۃ میں درج ہے۔ مگر مؤلف مشکوۃ نے اس کا ماخذ نہیں بتایا۔ اصل مشکوۃ میں بیاض تھا پھر میرک شاہ نے یہ عبارت الحاق کر دی: رواہ ابن ماجه من حدیث انس یعنی "اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت انس کی حدیث سے۔" (مرعاۃ المفاتیح جلد۔۱' ص۔۲۶۸)
اب ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ سنیئے: ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم "بلاشک میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو گی۔ جب تم میری امت میں باہم اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کو لازم پکڑنا ہو گا۔"
اب میں گجراتی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ امت محمدی صرف حنفی مذہب میں محصور ہے یا تمام امت اجابت' اہل حدیث' شافعی' مالکی اور حنبلی وغیرہ مراد ہے۔ اگر امت محمدی صرف حنفی مذہب میں محصور ہے' باقی سب فرقے امت محمدی سے خارج ہیں تو اس کا ثبوت پیش کریں اور اگر سب فرقے اہل ایمان امت محمدی ہیں تو پھر سواد اعظم سے مراد علماء ہیں یا جہلا۔ اگر جہلا مراد ہیں تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ جہلاء عوام کا کوئی مذہب نہیں ہے۔
میزان شعرانی ص۔۳۴ میں ہے: لکنه عامی لا یعرف الفقه ولیس له من المذاهب سوی الاسم یعنی "عامی شخص علم فقہ نہیں جانتا۔ اس کو مذاہب سے کچھ سروکار نہیں ہے' صرف نام ہی نام ہے۔" اعلام الموقعین جلد۔۲' ص۔۲۷۳ میں ہے کہ فالعامی لامذهب له لان المذهب انما یکون لمن له نظر واستدلال یعنی "عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ کیونکہ مذہب اس شخص کا ہوتا ہے جو دلیل کا واقف

ہو۔"

اگر سواد اعظم سے علماء مراد ہیں تو پھر علماء محدثین اور علماء شافعیہ اور علماء مالکیہ' علماء حنبلیہ کی تعداد بمقابلہ علماء حنفیہ کے زیادہ ہے تو جس مسئلہ پر یہ سب علماء متفق ہیں تو حنفیہ کو اس سواد اعظم امت محمدی کی اتباع کرنی چاہیے۔ مثلاً مسئلہ رفع یدین پر یہ سب علماء متفق ہیں اور احادیث صحیحہ' متواترہ اس بارہ میں وارد ہیں۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ممالک اسلامیہ اور علاقوں کا دورہ کیا۔ حجاز' شام' عراق' یمن' مصر وغیرہ میں گیا تو سب علماء کو رفع یدین کرتے پایا ہے۔ اب حنفیہ کے چند علماء اور ان کے جہلاء رفع یدین نہ کریں تو کس شمار میں ہیں۔

(۳) جس وقت آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی کہ تم سواد اعظم کی پیروی کرو تو وہ کون تھے؟ اگر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سواد اعظم تھے اور دیگر منافقین مخاطب تھے تو پھر اب بھی یہی سواد اعظم قابل اتباع ہے۔ چنانچہ فرقہ ناجیہ کی تعریف میں یہ آیا ہے کہ **ماانا علیہ واصحابی** یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو فرقہ اس چیز پر اپنا عقیدہ و عمل رکھے گا جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں' وہ ناجیہ ہے۔" پس جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی روش پر قائم ہیں وہ متبع سواد اعظم ہیں۔ حدیث: "**فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**" کا بھی یہی مطلب ہے کہ میرے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ پس یہ عظمت درجہ کے لحاظ سے مراد ہے' تعداد مراد نہیں ہے۔ تنقیح الرواۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

المراد ما علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم واصحابه ومن بعدهم من السلف

یعنی "سواد اعظم سے مراد آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اور سلف صالحین کی وہ جماعت ہے جو ان کی روش پر قائم تھی۔" پس مقلدین حنفیہ سواد اعظم کے متبع نہیں ہیں۔ یہ لوگ امام ابوحنیفہ کوفی کے مقلد ہیں جو سواد اعظم کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ سواد اعظم میں حنفیت کا نام و نشان نہ تھا۔ البتہ اہلحدیث اس سواد اعظم کے متبع ہیں' **فللہ الحمد**۔

(۴) اگر سواد اعظم سے مراد حنفیہ ہیں تو حنفیہ عہد نبوی میں موجود نہ تھے تو پھر آنحضرت ﷺ کو کیسے علم ہوا کہ مقلدین حنفیہ سواد اعظم ہیں۔ دیگر لوگ ان کی پیروی

کریں۔ حکم اتبعوا کا خطاب کس کو ہوا؟

(۵) تقلید پر یہ دلیل عجیب و غریب ہے کہ کسی مقلد حنفی سے پوچھا جائے کہ تو مقلد حنفی کس دلیل سے ہوا تو وہ روایت اتبعوا السواد الاعظم پیش کرے۔ یہاں تک کہ اول حنفی سے لے کر آخری حنفی تک تو پھر خود ہی مخاطب اور خود ہی سواد اعظم۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہوا کہ حکم اتبعوا کے مخاطب بھی مقلدین اور سواد اعظم بھی مقلدینؒ

اس کا جواب جو کچھ دو گے ہمیں
ہماری طرف سے ملے گی مبارک تمہیں

(٦) اگر سواد اعظم سے لوگوں کی کثرت مراد ہے تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید نہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے مقابلہ میں یزید کی رعایا اور لشکر زیادہ تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی اتباع کرنی چاہیے تھی کہ یہ قلیل تھے اور یزیدی سواد اعظم (کثیر) تھے۔ اگر تمام حنفیہ اس بات کا جواب تلاش کریں تو نہ ملے گا۔

(۷) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طرف اور آپ کا اکثریتی سواد اعظم چچا نار میں حضرت حنیف علیہ السلام کو ڈالنے والا دوسری طرف تھا۔ لیکن ہمارا سواد اعظم نصرت الٰہی سے کامیاب ہوا۔ تو طائفہ اہلحدیث بحکم حدیث لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق' آپ کی اکثریت پر غالب چلا آرہا ہے۔ مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

گرچہ تقلید است استون جہاں
ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں

(۸) اگر آپ کا معیار اکثریت درست ہے تو پھر پاکستان کے باشندگان کو بھارت کے باشندگان کے تابع ہو جانا چاہیے۔ لیکن ہمارا معیار حق اور صداقت ہے۔ پس کونوا مع الصادقین پر عمل کرو۔ خواہ صادقین کی اقلیت ہو۔ اس لیے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ عن سفیان لو ان فقیها واحدا علی راس جبل لکان هو الجماعة یعنی "اگر ایک شخص بھی پہاڑ کی چوٹی پر دین کا علم اور سمجھ رکھنے والا ہو تو وہ

بھی جماعت کا حکم رکھتا ہے۔"

پس اتبعوا کے مخاطب عوام ہیں اور سواد اعظم سے مراد علماء ہیں تو عوام اپنے علماء کے ماتحت رہنا چاہیے۔ چنانچہ مرقاۃ ہی میں لکھا ہے کہ المراد اجماع العلماء ولا غیرہ باجماع العوام لانہ لایکون عن علم یعنی "سواد اعظم سے مراد علماء کا اجماع ہے۔ عوام کا اجماع قابل اعتبار نہیں کہ ان کو شرعی علم نہیں ہوتا۔" مقلدین عوام میں داخل ہیں کہ ان کو علم شرعی نہیں ہوتا۔ اس لیے تقلید علم نہیں بلکہ جہل ہے۔ کما بیناہ سابقا۔

(۹) حنفیہ کا یہ عقیدہ کہ اہل سنت چار مذہبوں میں تقسیم ہو گئے اور وہ یہ ہیں: حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ یہ چاروں مذہب حق پر ہیں۔

اب میں گجراتی صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ ان میں سے سواد اعظم کون سا مذہب ہے؟ پہلے آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ حنفی مذہب ہے تو پھر باقی تین کو حنفی ہونا لازم ہو گیا۔ کیونکہ سواد اعظم یہی ہے اور یہ کہنا باطل ہو گا کہ چار مذہب حق ہیں۔ کیونکہ حق پر سواد اعظم ایک ہی ہے۔ اگر کہو کہ چاروں اپنی اپنی جگہ سواد اعظم ہیں تو یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ اس طرح سواد اعظم میں تعدد لازم آیا اور وہ چار سواد اعظم ہو گئے۔ اب کس سواد اعظم کی پیروی لازم ہو گی جبکہ چاروں کی اتباع ناممکن ہے۔ کیونکہ چاروں میں باہم اختلاف ہے۔ اگر کہو ایک کی تو وہ کون سا ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ نیز پھر باقی تین کو اس ایک کے تابع ہونا لازم ہو گا۔ پھر چار مذہب کو حق کہنا باطل ہو جائے گا تو پھر یہ حدیث کس طرح قابل عمل ہو سکتی ہے۔

عجب کش مکش میں تیرا بیمار محبت ہے
شفا کچھ اور کہتی ہے قضا کچھ اور کہتی ہے

(۱۰) گجراتی صاحب نے قطعی طور پر کہہ دیا کہ مذہب حنفی حق و صدق ہے۔ حالانکہ کتب فقہ در مختار وغیرہ میں یہ لکھا ہے: مذھبنا صواب یحتمل الخطاء یعنی "ہمارا مذہب درست ہے مگر اس میں خطا کا احتمال ہے۔" اور مخالفین، شافعی وغیرہ کے متعلق یہ لکھا ہے: مذھب خصمنا خطاء یحتمل الصواب یعنی "ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہے لیکن احتمال صواب کا رکھتا ہے۔" اسی طرح ہر مذہب والا (شافعی، مالکی

اور حنبلی) اپنی اپنی کتابوں میں لکھتا ہے۔

اس سے ایک تو گجراتی صاحب کا قطعی طور پر حق کہنا غلط ہو گیا کہ حنفی مذہب میں خطا کا احتمال ہے۔ اصول فقہ میں یہ قاعدہ ہے کہ کسی دلیل میں دوسرا احتمال پیدا ہو جائے تو اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔ پس اس اصول سے حنفی مذہب کی صداقت ساقط ہو گئی۔ دوم مقلدین کا یہ دعویٰ غلط ہو گیا کہ "چاروں مذہب حق ہیں۔" کیونکہ ہر مذہب میں خطا کا احتمال ہے۔ مذہب حق وہ ہے جس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اسلام دین حق ہے۔ تو اب جو شخص یہ کہے گا کہ اسلام میں خطا کا احتمال ہے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔

جب حنفی مذہب میں حق قطعی اور متعین نہیں تو یہ "سواداعظم" نہیں۔ جس سے الگ ہونے کو شذ شذ فی النار کہا جائے۔ ہاں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سواد اعظم ہیں۔ ان سے جو الگ ہوا وہ شذ شذ فی النار کا مورد بن گیا۔ فتذکروا۔

(۱۱) بعض علماء نے حق کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک متعین، جیسے اسلام بمقابلہ دیگر ادیان۔ دوم دائر، یعنی حق کئی مذہبوں میں علیٰ سبیل الدوران ہو۔ کسی مسئلہ میں کوئی مذہب حق پر ہو اور کسی مسئلہ میں کوئی۔ مثلاً رفع یدین کہ تین مذہب والے اس کو سنت موکدہ سمجھتے ہیں اور حنفی مذہب والے اس کو مکروہ کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ پس حق تین مذہبوں میں ہے اور حنفی مذہب اس مسئلہ میں باطل پر ہے۔

اسی طرح فاتحہ خلف الامام کو شافعی فرض کہتے ہیں اور حنفی حرام اور مالکی، حنفی، ظہر و عصر میں ضروری کہتے ہیں۔ باقی جہری نمازوں کے سکنات میں جائز اور حالت قراۃ میں ناجائز، تو اس مسئلہ میں حق پر شافعی ہیں۔ باقی تینوں خطا پر ہیں۔ جب حق چاروں میں علی سبیل الدوران ہے تو سواد اعظم کوئی بھی نہ ہوا، جس کی اتباع کا حکم ہے۔ کیونکہ سواد اعظم میں حق متعین ہے اور وہ فرقہ ناجیہ اہل حدیث ہے جو ما انا علیہ واصحابی پر عامل ہے۔ مذہب اہلحدیث میں خطا کا احتمال نہیں ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن

پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

مقلدین حنفی' شافعی وغیرہ سے کوئی مذہب حق متعین ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ایک امام معین کے مقلد ہیں اور ہر امام کو تمام احادیث نبویہ کا علم نہ ہو سکا۔ بعض احادیث پہنچ گئی تھیں اور بعض کسی کو نہ پہنچیں کیونکہ تمام احادیث کا ذخیرہ جیسے اس وقت کتب حدیث میں جمع اور مدون ہے' اماموں کے زمانے میں ایسا نہ تھا۔ اس وقت ہر امام کو جو احادیث پہنچیں وہ سینہ بسینہ چلی آئیں اور سینہ میں ہی محفوظ رہیں پھر علماء اہلحدیث نے احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کی حفاظت یوں کی کہ سب اماموں سے پھر پھرا کر ان کو جمع کیا اور کتب حدیث تالیف کر دیں۔ چنانچہ صحاح ستہ' بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ عرب و عجم کی درس گاہوں میں قرناً" بعد قرن زمانہ قدیم سے پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔

ان احادیث کے پیش نظر ہر مذہب کے مقلدین کی خطا مسائل میں عیاں ہو رہی ہے اور علمائے اہلحدیث نے ان مذہبی مقلدوں کے مسائل کا احادیث نبویہ و اقوال صحابہ سے مقابلہ کر کے تمام راز طشت ازبام کر دیا اور یہ بتا دیا کہ ایک مذہب کے مقلدین خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی تمام احادیث نبویہ پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ ان کو اپنے امام کا قول خلاف حدیث چھوڑنا واجب ہے۔

کشف الغمہ ص۔۱۳ میں امام شعرانی فرماتے ہیں کہ **والمذهب الواحد بلا شك لا يحتوى على كل احاديث الشريعة** یعنی "ایک مذہب تمام احادیث شرعیہ پر بلاشبہ حاوی نہیں ہے۔"

میزان شعرانی ص۔۲۳ میں امام شعرانی یوں رقمطراز ہیں: **لا يكمل لمومن العمل بالشريعة كلها وهو متقلد بمذهب واحد ابد**"ا یعنی "کسی مومن کا تمام شریعت محمدی پر کبھی عمل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ وہ ایک مذہب کا مقلد رہے گا۔"

مقلدین ایک مذہب حنفی پر قائم ہیں تو یہ شریعت پر عامل نہیں ہو سکتے۔ جب شریعت محمدیہ پر عامل نہیں تو یہ مقلدین سواد اعظم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لیے حنفی مذہب کی سواد اعظم جان کر اتباع کرنا قطعاً حرام ہے۔

(۴) گجراتی صاحب نے اپنی طرف سے یہ لکھ دیا کہ مذہب حنفی حق اور سواد اعظم

ہے۔ اس کی اتباع کرو ورنہ اس سے الگ ہونے والے جہنم میں جائیں گے۔ لیکن فقہا حنفیہ نے یہ فتویٰ دے رکھا ہے کہ ایک مذہب معین کر کے اس کی تقلید کرنا شریعت سے ثابت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ **تحفة الاخیار فی سنة سید الابرار** کے ص-۴ میں لکھا ہے: **وقال الامام ابوحنیفة لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا" ولا غیره وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة کذا فی المیزان وغیره** یعنی "امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نہ میری تقلید کرو اور نہ امام مالک کی اور نہ کسی اور امام کی تقلید کرو۔ بلکہ احکام و مسائل قرآن و حدیث سے لو جہاں سے ان اماموں نے لیے ہیں۔"

اسی طرح ہر امام نے اپنی تقلید سے روکا ہے۔ جیسا کہ عقد الجید وغیرہ میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے نقل کیا ہے: "جب تقلید شخصی سے اماموں نے روک دیا ہے کہ اس سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے تو مذہب ان کے نام پر مقرر کرنا اور اس کی تقلید کرتے رہنا ناجائز ہوا۔"

حنفی سواد اعظم یہ کام کر رہا ہے جو ناجائز ہے تو ایسے ناجائز سواد اعظم کی ہم اتباع نہیں کریں گے کیونکہ یہ بدعت پر قائم ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: **فعلیکم بالاثار وطریقة السلف وایاکم وکل محدث فانه بدعة** یعنی "احادیث نبویہ کو لازم پکڑو اور سلف صالحین و صحابہ کرام و تابعین کے طریقہ پر چلو کہ وہ احادیث نبویہ پر عامل تھے اور دین میں نئے کاموں سے بچو کہ یہ بدعت ہیں۔"

چونکہ سلف صالحین تقلید کے عادی ہو کر حنفی' شافعی نہ بنے تھے تو یہ التزام مذہب بدعت ہے۔ چونکہ موجودہ سواد اعظم خلاف امام صاحب کے بدعت پر قائم ہے تو ہم اس سواد اعظم کی اتباع نہیں کرتے۔ ورنہ ہم بھی مقلدین اور مبتدعین میں شمار ہوں گے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین جلد-۱' ص-۲۶۲ میں فرماتے ہیں: **انما حدث هذه البدعة فی القرن الرابع المذمومة علی لسانه (صلی الله علیه وسلم)** یعنی "تقلید کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کی مذمت زبان نبوی سے صادر ہو چکی ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ مطبوعہ دہلی کے ص-۱۵۷ میں یہ فرماتے ہیں: **اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی**

التقلید الخالص لمذھب واحد یعنی "یہ بات جان لو کہ چوتھی صدی سے پہلے ۔
لوگ ایک معین مذہب کی تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے۔"

جب قرون ثلاثہ میں تقلید مذہب کی سلف صالحین میں نہ تھی بلکہ بعد میں پیا
ہوئی تو حسب فتویٰ امام ابوحنیفہ یہ بدعت ثابت ہوئی تو اس بدعت کے سواد اعظم کو ؛
قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں بلکہ حسب ہدایت امام صاحب ہم احادیث نبویہ اور طریۃ
سلف صالحین کو لازم پکڑیں گے۔ امام ابوحنیفہ نے خود بھی یہ اعلان کر دیا کہ اذا صح
الحدیث فھو مذھبی یعنی "جس کو صحیح حدیث مل جائے میرا مذہب وہی ہے (خو
مخالف میرے قول کے ہو)"

شاہ صاحب محدث دہلوی نے عقد الجید کے ص-۴۲ میں فرمایا ہے: فان ھولا
الفقہاء کلھم قد نھوا عن تقلیدھم وتقلید غیرھم یعنی "ان تمام ائمہ اور فقہا ۔
اپنی تقلید اور غیروں کی تقلید سے منع کر دیا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ چودھویں صدی کا سواد اعظم مقلدین کا ممنوع اور حرام چیز
قائم ہے۔ پھر اس کو کون مانتا ہے اور کون اس کی اتباع کرتا ہے اور ایسے باطل سوا
اعظم سے الگ رہنے والا جہنم میں نہیں جائے گا۔ وہ اہل حق کا سواد اعظم مراد ہے جو
احادیث نبویہ اور طریقہ سلف پر قائم ہے۔ ملاحظہ ہو غنیہ للجیلانی رحمہ اللہ مذہب معین
کرنا اور تقلید شخصی کسی صحیح حدیث یا ضعیف سے ثابت نہیں۔ چنانچہ امام شعرانی
میزان کے ص-۴۳ میں فرماتے ہیں: وکان یقول ایضالم یبلغنا حدیث صحیح ولا
ضعیف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر احدا من الائمۃ بالتزام مذھب
معین یعنی "امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم کو کسی صحیح حدیث یا ضعیف سے یہ
ثابت نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ حکم فرمایا ہو کہ تم اماموں میں
سے کسی امام کا مذہب معین لازم کر لینا ہو گا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ مذہب معین کرنا کسی امام کے نام کا بے دلیل ہے اور جس
چیز کی دلیل نہ ہو وہ بدعت ہے۔ شرح درمختار جلد-۱' ص-۵۳ مصری میں یہ لکھا ہے:
لیس علی الانسان التزام مذھب معین یعنی "انسان پر مذہب معین کرنا واجب نہیں
ہے۔"

فتح القدیر جلد-۳' ص-۳۴۷ میں علامہ ابن ہمام جو حنفیہ میں شہرہ آفاق فقیہ ہیں یہ فرماتے ہیں: فلا دلیل علی وجوب اتباع المجتهد المعین بالتزام نفسه ذالک قولا او شرعا" یعنی "اپنے نفس پر ایک مجتہد معین کی اتباع واجب کر لینے پر شرعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔"

اسی طرح دیگر فقہاء لکھتے ہیں تو پھر اس بے دلیل سواد اعظم کی اتباع کا حکم کیوں دیا جاتا ہے۔ دیگر فقہاء کو تو کوئی دلیل ملی نہیں' ان سے بڑھ کر عالم بننے والے گجراتی نے دلیل تلاش کر لی کہ ہمارا مذہب سواد اعظم ہے۔ اس کی پیروی اور تقلید کرو ورنہ جہنم میں جاؤ گے لیکن فقہاء کے مقابلہ میں گجراتی کا کیا اعتبار ہے۔ ان کی روش عامیانہ ہے۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے۔

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دارد بحث و باریک دلیل

(۱۳) اچھا اگر گجراتی دلیل سے مراد کثرت تعداد لے لیں اور یہ بھی مان لیں کہ مقلدین کی تعداد سب سے زیادہ ہے' تب بھی یہ دلیل اور اس سے استدلال کرنا بے کار ہے کیونکہ قرآن نے کثرت کو معیار صداقت نہیں رکھا بلکہ یہ فرمایا: ولا تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ یعنی "زمین میں جن لوگوں کی اکثریت ہے ان کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ اکثریت تم کو اللہ کے راستے گم کر دے گی۔"

اور یہ ارشاد ہے: وما یومن اکثرهم باللہ الا وهم مشرکون یعنی "اکثر لوگ جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ حقیقت میں مشرک ہیں۔" کثرت سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے قلیل ہی ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے: وقلیل من عبادی الشکور یعنی "میرے شکرگزار بندے قلیل ہیں۔"

تمام انبیاء پر "فردا" نظر کرو وہ قلیل تھے اور اکثریت ان کے خلاف تھی۔ پس اس روایت کو اس معنی سے معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ ورنہ حدیث قرآن کے معارض ہو جائے گی' یہ جائز نہیں ہے۔ اصول شاشی اور نورالانوار وغیرہ کتب اصول فقہ حنفیہ میں یہ اصول لکھا ہے کہ "حدیث کو قرآن سے ملا کر دیکھو' اگر مطابق ہو تو ٹھیک ورنہ مسترد کر دو۔"

(۱۴) صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو حکم دیں گے کہ تیری اولاد میں سے ایک ہزار کے حساب سے نو سو ننانوے تو جہنم کا حصہ اور ایک جنت کے لیے ہے۔ اسی طرح ہر ہزار میں سے ایک کے حساب سے اپنی اولاد کو ٹھکانے لگا دو۔

اکثریت پیدا ہی جہنم کے لیے ہے: **ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس (الآیہ)** قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت اس پر ناطق ہے۔

(۱۵) اچھا! ہم گجراتی صاحب کی بات ماننے کو تیار ہیں مگر پہلے وہ یہ بتائیں کہ آپ کے سواد اعظم کے پاس شریعت الٰہی کی کیا چیز ہے' جس کو ہم پسند کر سکیں۔ اگر کہو قرآن و حدیث ہے تو یہ ہمارے پاس بھی ہے۔ تمہارے پاس امتیازی چیز کیا ہے؟ جس پر عمل کر کے سواد اعظم بنا ہے؟ تو تم کہو گے کہ وہ کتب فقہ کا ذخیرہ ہے' تو میں کہتا ہوں کہ وہ وحی الٰہی منزل من اللہ سے تیار نہیں ہوئی بلکہ وہ آراء رجال و اقوال علماء کا ذخیرہ ہے جو قیاس در قیاس کر کے تیار کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: **ولم نومن بفقيه ايما كان انه اوحى الله اليه الفقه وفرض علينا طاعته وانه معصوم** یعنی "ہمارا کسی امام پر یہ ایمان نہیں ہے خواہ وہ کوئی بھی بڑے سے بڑا امام کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے اس پر فقہ بذریعہ وحی نازل فرمائی ہے اور وہ امام معصوم غلطی سے پاک ہے۔"

امام غزالی احیاء العلوم ص۔۲۱۳ میں فرماتے ہیں: **دقائق الفقه بدعة لم يعرفها السلف واما ادلة الاحكام فيشتمل عليها علم المذهب وهو كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وفهم معانيهما** یعنی "فقہ کے جتنے باریک مسائل ہیں سب بدعت ہیں۔ سلف صالحین میں اس طومار کا نام و نشان نہ تھا اور احکام شرعیہ کے دلائل جن پر مذہب کا دارومدار ہے وہ صرف قرآن و حدیث ہیں اور ان دونوں کے معانی کو سمجھنا ہے۔"

پس اس صراحت سے ظاہر ہوا کہ وہ مسائل کتب فقہ کے بدعت ہیں جن کا قرآن و حدیث میں نام و نشان نہیں ہے۔

(۱۶) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی' ان

میں سے بہتر (۷۲) تو دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔"

اب گجراتی صاحب بتائیں کہ امت کی اکثریت بہتر (۷۲) میں ہے یا ایک میں؟ بہتر (۷۲) کی اکثریت سواد اعظم ایک کے سراسر خلاف ہے تو ایک کو ان کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔ مگر اس کا کوئی قائل نہیں تو اکثریت کو معیار بنانا ہی غلط ہے۔

(۱۷) سواد اعظم کی مراد میں اختلاف اور نزاع ہے۔ کوئی کچھ مفہوم لیتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسی صورت میں ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ **فلا وربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم** (الایہ) یعنی "فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ اے نبی! تیرے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے مابین کے جھگڑوں میں تجھے اپنا منصف حاکم نہ بنائیں گے۔" پھر جو آپ ان کا فیصلہ صادر کریں اس کو بلاچون و چرا اور دل کی تنگی کے تسلیم نہ کر لیں گے۔

تو آؤ سب مل کر آنحضرت ﷺ سے دریافت کر لیں کہ سواد اعظم سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ مجمع الزوائد جلد-۱، ص-۲۲ میں بروایت طبرانی کبیر حدیث منقول ہے کہ صحابہ کرام نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا **ما السواد الاعظم؟** "سواد اعظم کون ہیں؟ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **من کان علٰی ما انا علیه واصحابی** یعنی "سواد اعظم وہ لوگ ہیں جو اس طریقہ پر ہوں گے جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

بلاشک، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تقلید شخصی، مذہب معین یعنی حنفیت وغیرہ کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ وحی الٰہی منزل من السماء یعنی قرآن و حدیث پر عمل کرتے تھے۔ کتب فقہ کا طومار اس وقت تک تیار نہ ہوا تھا تو اس مسلک پر بفضلہ تعالٰی اہلحدیث قائم ہیں۔ تو اب اس فیصلہ کے بعد ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اہلحدیث کے ساتھ شامل ہو جائے۔ یہی لوگ وہ سواد اعظم ہیں جن میں شامل ہونے کا حکم ہے۔

قرآن و حدیث کی اتباع تقلید نہیں ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت جلد-۲، ص-۳۵۱ میں ہے کہ **لان الاخذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیدا** یعنی "صاحب الوحی کی بات ماننا اور لینا تقلید نہیں ہے۔"

(۱۸) اگر یہ فیصلہ نبوی آپ اور دیگر حنفیہ کو منظور ہے تو **فھو المراد** ورنہ ہم

آپ کی پیش کردہ روایت اتبعوا سواد الاعظم کا اڈہ ہی اٹھا دیتے ہیں کہ "نہ رہے بانس' نہ بجے بانسری"

سنیئے! یہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ابوخلف اعمی ضعیف راوی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کے حاشیہ پر علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: فی اسنادہ ابوخلف الاعمیٰ واسمہ حازم بن عطاء وھو ضعیف۔

میزان میں امام ذہبی نے اس راوی کے متعلق یہ لکھا ہے: ضعفوہ یعنی "محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے"

اور میزان کی تیسری جلد کنیت کے بیان میں لکھتے ہیں: اسمہ حازم کذبہ یحییٰ بن معین و قال ابوحازم منکر الحدیث یعنی "ابوخلف راوی کا نام حازم ہے اور اس کو یحییٰ بن معین نے جھوٹا کہا ہے اور امام ابوحاتم نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔"

یعنی محدثین نے اس کی حدیث قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ جب یہ روایت ضعیف ہے تو اس سے وہی مذہب دلیل لے سکتا ہے جو ضعیف ہے۔ قوی مذہب والے ایسی روایتوں کا سہارا نہیں لیتے کہ اصولاً" ضعیف روایت احکام میں حجت نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں: ان کان یعرف ضعفہ لم یحل لہ ان یحتج بہ فانھم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحکام (شرح نووی جلد۔۱' ص۔۲۱)

یعنی "اگر اس حدیث کا ضعف معلوم ہو چکا ہو تو اس سے دلیل لینا حرام ہے کیونکہ سب محققین اس بات پر متفق ہیں کہ احکام شرعیہ میں حدیث ضعیف سے دلیل نہ لی جائے گی۔" جب یہ متفقہ اصول ثابت ہو چکا تو حدیث سواد اعظم والی سے تقلید کے وجوب پر دلیل لینا حرام ہے۔ یہ اٹھارہ جوابات میں نے گجراتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔ (عارف)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اپنی کتاب "الرفع والتکمیل" ص۔۱۷۸ مطبوعہ حلب میں فرماتے ہیں کہ "کتنے حنفی فروع میں حنفی ہیں اور عقائد میں معتزلہ' جیسے زمخشری مؤلف کشاف اور جیسے مؤلف قنیہ اور جیسے نجم الدین زاہدی وغیرہ معتزلہ ہیں اور کتنے حنفی ہیں جو فروع میں حنفی اور عقائد میں مرجیہ ہیں یا زیدی شیعہ ہیں۔"

میں کہتا ہوں ہندوپاک میں غور کر لو کہ کوئی دیوبندی ہے اور کوئی بریلوی اور سب

ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ پھر ملکوں کے لحاظ سے حنفیت بدل جاتی ہے کہ ایرانی حنفی' افغانی حنفی میں بڑا فرق ہے۔ ترکی حنفی اور عراقی حنفی میں بعد المشرقین ہے۔ اسی طرح یمنی' شامی اور مصری وغیرہ حنفیوں میں فرق سمجھ لیں۔ وجودی اتحادی حنفی تو پاک و ہند میں بھی موجود ہیں۔

اسی طرح طریقت کے بھی کئی فرقے ہیں۔ کوئی نقش بندی ہے' کوئی قادری ہے' کوئی قلندریہ فرقہ ہے' کوئی نوشاہی ہے' کوئی مجددی ہے' کوئی سہروردی ہے۔ مذہبی طور پر جہمیہ' قدریہ' حلولیہ' قبرپرست اور تعزیہ پرست سب حنفی کہلاتے ہیں۔ پھر رذیل پیشہ کی رذیل قومیں حنفیت میں سما رہی ہیں جو اہلحدیث نہ ہو اسے اپنے ساتھ شمار کر لیتے ہیں اور مردم شماری کے وقت سب سنی حنفی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ پس ایسی غیر شرعی اکثریت کو سواد اعظم شرعی قرار دینا سراسر باطل ہے جس کو کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مقلد کو یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ ہر قسم کے حنفیوں سے حنفی سمجھ کر ملا جلا رہتا ہے۔ چنانچہ مجالس الابرار ص-۴۵ میں ہے: "لان المقلد لا يقين له اصلا"

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی جلد-۱' ص-۲۴ میں حدیث افتراق امت کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے: "مراد دخول نار من حیث الاعتقاد کہ فرقہ ناجیہ را اصلا" از جہت اعتقاد دخول نار نخواہد شد" یعنی "حدیث میں جو آیا ہے کہ بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں تو یہ فیصلہ حسب اعتقاد ہو گا کہ جن فرقوں کے اعتقاد فاسد اور باطل ہیں وہ داخل نار ہوں گے اور فرقہ ناجیہ اعتقاد صحیحہ کی رو سے دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔" دیگر تقصیرات مثلاً ذاتی گناہ' زنا وغیرہ سے جہنم میں جائے تو یہ ہو سکتا ہے۔

مذہب حنفی میں چونکہ کئی فرقے بے راہ ہیں جو اعتقاد میں باہم متضاد ہیں۔ اس لیے حنفیت کو صداقت پر سمجھنا سراسر غلط ہے۔ باقی رہا گجراتی صاحب کا یہ کہنا کہ "اہلحدیث اپنی زبان سے اہلحدیث بنتے ہیں لیکن ہیں تارک حدیث۔"

یہ کلیۃً کہنا غلط ہے۔ اگر کوئی ایسا بدبخت شخص ہے جو تارک حدیث رسول ہے تو اس کو ہم بھی اہلحدیث نہیں سمجھتے۔ وہ ہمارے مذہب سے خارج ہے۔ بشرطیکہ

اعتقاداً" حدیث کو ٹھکرا دے۔ ہاں عملی غلطی اور گناہ ہو جائے تو یہ اور بات ہے۔ ایسا سلف سے بھی بعض سے ہو جاتا تھا لیکن یہاں بحث ذاتی عملیات کی نہیں ہے بلکہ مذہب اور اعتقاد اور اصول شرع کی رو سے بحث ہے کہ اس بارہ میں مذہب اہلحدیث حق پر ہے۔ باقی تمام فرقے باطل پر ہیں۔ اب اصول مذہب کی رو سے جانچئے کہ ہمارا اصول یہ ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

یہی دو چیزیں آنحضرت ﷺ اپنی امت کے لیے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم جلد۔۱' ص۔۹۳ میں ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **یاایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابداً کتاب اللّٰه وسنه نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم۔**

اسی حوالہ میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً" یہ روایت ہے: **ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما کتاب اللّٰه وسنتی کذا فی المؤطا** یعنی "اے میری امت کے لوگو! میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ اگر تم ان دونوں کو اعتقاد اور عمل میں مضبوط تھامے رہو گے تو کبھی گمراہی میں نہ پڑو گے' وہ دو یہ ہیں۔ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور سنت رسول حدیث نبوی۔

بس یہی اہلحدیث کا مذہب ہے جو ہمیشہ سے کتابوں' رسالوں اور اخباروں میں لکھتے آرہے ہیں۔ اب حنفی مذہب کا حال سنئے:

فتاویٰ عزیزی جلد۔۱' ص۔۴۳ میں اصول حنفیہ لکھے ہیں جن میں سے چھٹا اصول یہ لکھا ہے: **السادسة قول ابن همام فی بعض کتبه ما صححه البخاری و مسلم و نظیرهما لا یجب علینا قبوله** یعنی "امام ابن ہمام نے اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جن احادیث کو امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر ان جیسے محدثین صحیح قرار دیں تو ہمارے حنفیوں پر ان کا قبول کرنا شرعاً" واجب نہیں ہے۔"

ساتواں اصول یہ لکھا ہے: **والسابعة قال بعض اصحاب الفتوی اذا کان فی المسئلة قول لابی حنیفة وصاحبیه وخالفه حدیث یحکمون بصحة وجب اتباع**

قولهم دون الحدیث یعنی ساتواں اصول ہمارے بعض مفتیوں نے یہ لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ' ابویوسف اور محمد کا قول آجائے اور اس کے خلاف حدیث نبوی ہو' جس کو محدثین نے صحیح کہا ہو تو ہم مقلدین حنفیہ پر ان اماموں کے قول کی اتباع واجب ہے' حدیث نہ لی جائے گی۔"

گجراتی صاحب! ع

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

اب بتایئے! اہل حدیث' حدیث کے تارک ہیں یا حنفی؟ ایسی تقلید کو اہلحدیث شرک کہتے ہیں۔ عارف حصاری کے خیال میں اس قسم کے مقلدین حنفیہ کے مشرک فی الرسالت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان کی کتاب میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

فلعنة ربنا اعداد رمل
علٰی من رد قول ابی حنیفة

یعنی "جو امام ابوحنیفہ کا قول رد کرے اس پر ریت کے ذروں برابر لعنت ہے۔" مقلدین لعن طعن میں رافضیوں سے بھی بڑھ گئے۔ اب واقعہ کے لحاظ سے معتبر شہادت سنیئے کہ یہ قول امام کے مقابلہ میں ارشادات نبویہ کو کس طرح رد کرتے رہے ہیں۔

علامہ ابن عربی نے فتوحات مکیہ جلد۔۳' ص۔۹۱'۹۲ میں لکھا ہے کہ مقلدین کا یہ حال ہے: یرد الاحادیث النبویة ویقول لو ان هذا الحدیث صحیح لقال به الشافعی ان کان هذا الفقیه شافعیا او قال به ابوحنیفة ان کان حنفیا وهکذا قول اتباع هؤلاء الائمة کلهم (الی قوله) وان عارضت اقوالهم الاخبار النبویة فالاولی الرجوع الٰی اقوالهم وترک الاخذ بالاخبار والکتاب والسنة یعنی "مقلد احادیث نبویہ کو رد کر دیتا ہے۔ اگر شافعی ہو تو یہ کہتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارا امام شافعی اس کو ضرور لیتا اور اگر حنفی ہو تو یہ کہتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارا امام ابوحنیفہ اس کو ضرور لے لیتا۔ اسی طرح اماموں کے مقلدین یہ کہہ کر احادیث کو ترک کرتے رہتے ہیں اور کتاب و سنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔"

میزان کبریٰ مصری جلد۔۱' ص۔۲۳ میں ہے: ومن قال لا اعمل بحدیث الا ان اخذ به امامی فاته خیر کثیر کما علیه کثیر من المقلدین لائمة المذاهب یعنی

"جس شخص نے یہ بات کہی کہ میں کسی حدیث پر عمل نہیں کروں گا جب تک میرا امام اس حدیث کو نہ لے گا تو اس سے دین کی بہت سی بھلائیاں فوت ہو گئیں۔ اکثر مذہبی مقلدین کا یہی حال ہے۔"

نیز میزان کے ص۔۹ میں امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "بعض مقلدین نے مجھے کہا کہ اگر میں بخاری اور مسلم میں کوئی حدیث نبویہ پالوں اور اس کو میرے امام نے نہیں لیا تو میں اس حدیث پر عمل نہ کروں گا۔" **وذالک جهل منه بالشريعة و اول من يتبراء منه امامه** یعنی "یہ اس کی شریعت محمدیہ سے جہالت کی بات ہے' قیامت کے دن سب سے پہلے اس کا امام ہی اس سے بیزار اور ناراض ہو گا۔"

میں کہتا ہوں کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اور علامہ عز بن عبدالسلام نے کتاب القواعد میں مقلدین خصوصاً حنفیہ کا تقلیدی رویہ یہی لکھا ہے۔ اب گجراتی صاحب کو یہ مصرعہ پڑھنا چاہیے: ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مقلد گجراتی: معلوم نہیں آپ پر کہاں سے بھوت سوار ہو گیا ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ اس کو ٹھکرا کر اتباع شیطان کرتے ہیں۔

عارف حصاری: آپ کا یہ الزام محض معاندانہ ہے' جس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس پر کسی محدث اور علامہ محقق کی شہادت ہے اور نہ مسائل اہلحدیث میں اس کی کوئی نظیر ہے۔ بلکہ مسلک اہلحدیث ہی کتاب و سنت ہے اور ہم کہتے ہیں۔

ما اهلحد يثم دغارا نه شناسيم
با قول نبي چون و چرا نه شناسيم

البتہ مقلدین پر یہ بھوت سوار ہے کہ وہ تقلید شخصی کے جال میں گرفتار ہو کر کتاب و سنت کو اپنے اماموں کے اقوال کے مقابلہ میں ٹھکرا دیتے ہیں جیسا کہ محققین کی شہادتوں سے میں نے ثابت کر دیا ہے۔

اب اس کی نظیر سنئے کہ حدیث میں آیا ہے: **عن ثوبان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سيكون اقوام من امتى يتعاطون فقهائهم عضل المسائل اولئك**

شرار امتی- (رواه الطبرانی کذا فی مجمع الزوائد) یعنی "ثوبان ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسی قومیں ظاہر ہوں گی جن کے فقہا مشکل مسائل بیان کریں گے وہ میری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔"

اس حدیث کے مصداق فقہائے احناف ہیں جنہوں نے فرضی صورتیں گھڑ گھڑ کر مسائل اختراع کئے جو عضل المسائل شرعی محاورہ میں مسائل مشکلہ کو کہتے ہیں جن کا حل ہونا مشکل ہو۔ نادر الوقوع ہو بلکہ ناممکن العمل ہو۔ عوام ان کو سن کر حیران ہوں اور مغالطہ میں پڑیں۔ حنفیہ کی کتب فقہ ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ مسئلہ مشہور ہے جو درمختار میں ہے: کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما ستة فولدت لستة اشهر منذ تزوجها یعنی "کسی مغرب کی طرف رہنے والے مرد نے مشرق کی طرف رہنے والی عورت سے نکاح کیا اور ان میں چھ ماہ کی مسافت کا فاصلہ تھا پھر اس عورت نے چھ ماہ کے بعد بچہ جن دیا اور اس عورت کی مرد کی طرف رخصتی نہ ہوئی تھی تو یہ بچہ اس مرد ہی کا قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ان میں سے ایک ولی ہے جس کی کرامت ظاہر ہوئی ہے۔"

یہ مسئلہ مشکل مسائل میں سے ہے جس کو کرامت پر محمول کیا گیا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ایسا واقعہ روئے زمین پر نہیں ہوا۔ یہ محض خیالی اور اختراعی ہے۔ اس لیے شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ترجمان السنہ جلد۔۱' ص۔۲۹ میں ہے کہ خرج عمر علی الناس فقال احرج علیکم ان تسئلونا عما لم یکن فان لنا فیما کان شغلا یعنی "حضرت عمر ﷺ اپنے گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں تم کو منع کرتا ہوں کہ تم ہم سے ایسے مسائل نہ پوچھو جو وقوع میں نہیں آئے کیونکہ ہم تو ان مسائل میں مشغول ہیں جو ہو چکے ہیں۔"

نیز تحقیق کمل میں یہ روایت حضرت عمر ﷺ سے یوں منقول ہے: لا یحل لکم ان تسئلوا عما لم یکن فانه قد قضی فیما هو کائن یعنی "لوگو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ تم ہم سے ایسے مسائل دریافت کرو جن کی صورتیں واقع نہیں ہوئی ہیں کیونکہ ہونے والے واقعات کا فیصلہ شریعت میں ہو چکا ہے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب رسول ﷺ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ سائل سے دریافت کرتے کہ کیا واقعہ پیش آچکا ہے؟ اگر سائل کہتا کہ نہیں تو فرماتے کہ اچھا جب تک یہ صورت وقوع میں نہ آئے تب تک خاموش رہو۔ مگر فقہائے احناف نے ان احادیث کی نافرمانی کی اور مسائل مشکلہ اختراع کر کے شرار امت سے ملقب ہو گئے۔ چنانچہ ہدایہ مترجم میں ہے کہ: "اگر بغیر جماع کے منی فرج میں داخل ہو گئی اور عورت حاملہ ہو گئی تو اس وقت غسل لازم ہو گیا۔" (جلد-۱، ص-۵۱)

اچھا ہم از روئے حدیث ثابت کر دیتے ہیں کہ بھوت کن لوگوں پر سوار ہے؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے دربار میں حاضر تھے کہ آنجناب نے اپنے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ تو اللہ کا رستہ ہے پھر دو لکیریں دائیں اور دو لکیریں بائیں کھینچ دیں اور فرمایا **ھذہ سبل الشیطان** "یہ راستے شیطان کے ہیں" پھر درمیان کی لکیر پر ہاتھ رکھ کر یہ آیت پڑھی: **وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (الآیہ)** یعنی "فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ یہ میرا سیدھا رستہ ہے تم اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تم کو فرقہ فرقہ کر کے اس سیدھے راستہ سے پھسلا دیں گے۔"

پہلی سیدھی لکیر کو سیدھا رستہ اور صراط مستقیم فرمایا گیا ہے اور باقی چاروں کو شیطان کے رستے قرار دیا گیا ہے۔ سیدھے راستہ پر چلنا یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اتباع کرے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی زندگی میں قرآن و حدیث پر عقیدہ و عمل رکھتے تھے اور باقی چار لکیوں سے مراد وہ مذہب ہیں جو لوگوں نے از خود ایجاد کئے ہیں۔

دین حق را چہار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے بطور پیشگوئی وارد ہے جو ظاہر ہو کر رہی۔ سیدھی لکیر اہلحدیث کا راستہ ہے اور باقی چار لکیریں چار فرقوں میں متفرق کر کے ہر فرقہ کی فقہ الگ الگ تیار کرا دی جو ہر مذہب میں رائج ہے اور ہر مذہب والا اس کا پابند ہے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔

پس ایسے تفرقے اور ایسی فرقہ بندی کو ہم صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے سمجھتے ہیں۔ ہمارے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو جمع الجوامع سیوطی میں درج ہے: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیکون فی امتی رجال یدعون الناس الی اقوال احبارھم ورھبانھم ویعملون بھا ویحسدون المسلمین علی التامین خلف الامام کما حسدتکم الیھود علی ذالک الا انھم یھود ھذہ الامۃ ثلاثا رواہ ابن القطان وصححہ ابن السکن یعنی "فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو اپنے علماء اور پیروں کے اقوال کی طرف بلائیں گے کہ تم ان کی تقلید کرو اور وہ امام کے پیچھے آمین پکار کر کہنے پر حسد کریں گے جیسے یہود کرتے ہیں' اور وہ اس امت محمدیہ کے یہود ہوں گے۔ تین بار یہ فرمایا۔ اس حدیث کو امام ابن القطان نے روایت کیا اور امام ابن السکن نے صحیح کہا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز میں آمین بالجہر کہتے تھے تو یہود حسد کرتے اور چڑتے تھے۔ اسی طرح آج کل کے بعض مقلدین اہل حدیث کی آمین سے چڑتے اور حسد کرتے ہیں بلکہ بعض جگہ حسد اور بغض سے آمین کہنے والے اہلحدیث نمازی کو زدوکوب کیا گیا اور بعض مقلدین نے اہلحدیث نمازی کو مسجد سے بے دخل کر دیا۔ بالآخر اس پر مقدمہ چلا تو انگریزی حکومت نے آمین بالجہر کا ثبوت طلب کیا۔ علمائے اہلحدیث نے فریقین کی مسلمہ کتب حدیث سے عدالت میں ثبوت پیش کیا تو عدالت نے اہلحدیث کے حق میں فیصلہ دے کر آمین بالجہر کی عام اجازت دے دی۔ تب متحدہ ہندوستان کی تمام مساجد میں خواہ وہ اہلحدیث کی ہوں یا حنفیہ کی' آمین بالجہر کی عام اجازت ہو گئی۔

ان مقدمات کی تفصیل دیکھنی ہو تو کتاب "فتوحات اہلحدیث" مصنف مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سری کا مطالعہ کیجئے' اس میں کلکتہ' الہ آباد بلکہ لندن تک کے فیصلے درج ہیں۔ آج کل کے حکام پاکستان بھی اگر مسائل اختلافیہ میں نزاع ہونے پر انگریزی حکام کی طرح کتب شرعیہ منگوا کر فیصلہ کریں تو ان شاء اللہ اہلحدیث کو فتوحات حاصل ہوں گی مگر انگریز غیر جانبدار رہتا تھا' اس لیے فیصلہ غیر جانبدارانہ اور عموماً" صحیح ہوتا

تھا۔ پاکستانی حکام میں اکثریت خود غیر مقلدین کی ہے' اس لیے حق فیصلہ مشکل ہے۔ ورنہ تمام مذاہب پر مذہب اہلحدیث کی صداقت نمایاں ہو جائے۔ اب سب مذاہب کو یکساں مسلمان سمجھا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ سب فرقوں کے عقائد و اعمال اور مسائل متضاد ہیں اور حق میں نہ تعدد ہوتا ہے نہ تضاد۔ حق ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کے خلاف سب گمراہی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: **فماذا بعد الحق الا الضلال** یعنی "حق کے خلاف صرف گمراہی ہے۔" اس لیے سب مذاہب یکساں حق پر نہیں ہیں۔ اہل مذاہب میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ سب مذاہب حق پر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہلحدیث پر بھوت سوار نہیں' نہ یہ متبع شیطان ہیں۔ متبع شیطان وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف قیاس اور اقوال الرجال کی پیروی کرتے ہیں۔ کتب فقہ قیاسی دقائق سے بھرپور ہیں۔ اسی لیے امام غزالی نے کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے: **جمیع دقائق الفقہ بدعۃ لم یعرفھا السلف** یعنی "فقہ کے تمام دقیق مسائل بدعت ہیں' سلف صالحین ان کو نہیں جانتے تھے۔" یہ سب قیاس سے بنائے گئے ہیں۔

مقلد گجراتی: دور نہ جایئے! اپنے لاہور ہی میں دیکھئے کیا حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ مقلد نہ تھے۔ اگر تھے تو کیا ولی کامل نہ تھے؟ سچ کہا ہے کسی نے کہ جب خدا دین لے لیتا ہے تو حماقت آہی جائے۔

عارف حصاری: ہم کسی خاص ہستی کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے۔ ہم نے اصولاً" اور مسلمہ علماء کے اقوال سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "ولی کامل مقلد نہ ہو گا اور مقلد ولی نہ ہو گا۔" اس پر علماء کا اجماع ہے۔ ورنہ آپ یہ ثابت کریں کہ کسی محقق عالم نے یہ لکھا ہو کہ "مقلد ولی ہو سکتا ہے" ورنہ ہم سے سنئے' علامہ شعرانی میزان کبریٰ مصری جلد۔۱' ص۔۲۰ میں فرماتے ہیں: **ان الولی الکامل لا یکون مقلدا انما یاخذ علمہ من العین التی اخذ منہ المجتھدون۔** یعنی "کامل ولی کسی کا مقلد نہیں ہوتا' وہ وہاں سے ہی علم حاصل کرتا ہے جہاں سے مجتہدوں نے حاصل کیا ہوتا ہے۔"

کتاب الارشاد ص۔۲۳۸ میں علامہ شیخ کروی کے رسالہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے: **ان طریقۃ المشائخ الصوفیۃ عموما" وطریقۃ الاکابر النقشبندیۃ خصوصا"**

اتباع السنة النبوية وعدم التقليد یعنی "مسلک مشائخ صوفیہ کا عموما" اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصا" یہ تھا کہ وہ سنت نبوی کی اتباع کرتے تھے اور کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں کہ شخص واحد کا مقلد ولی تو کیا کامل مسلمان ہونا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور کے ص-۱۲۵ میں ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے: "جو شخص رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی خاص ایک ہی شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور یہ سمجھے کہ اسی کی بات صحیح اور واجب الاتباع ہے۔ پس وہ گمراہ جاہل ہے۔ بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔"

کیونکہ جب اس نے اس بات کا اعتقاد رکھا کہ لوگوں پر ایک خاص امام کی باقی ائمہ کے سوا پیروی واجب ہے تو ٹھہرا لیا اس نے اس امام کو بمنزلہ نبی کے اور یہ کفر ہے۔ تفسیر کبیر جلد-۲' ص-۸۷ میں لکھا ہے: لا فرق بين متابعة الشيطان وبين متابعة التقليد یعنی "تقلید کی پیروی اور شیطان کے وسواس کی پیروی کرنا برابر ہے۔"

جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ "حدیث نبوی کے مقابلہ میں تقلید کرنا حماقت جلی اور شرک خفی ہے۔" (حجتہ اللہ البالغہ)

بیچارہ گجراتی مقلد جو عیب اور الزام اہلحدیث کے حق میں لکھتا ہے وہی اس کے مذہب میں پایا جاتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی بوادر النوادر میں لکھتے ہیں: "ہم ایک حسن ظن سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں ولی ہے۔ اصل میں قیامت کو حساب کتاب کے بعد پتہ چلے گا کہ ولی کون ہے؟"

مقلد گجراتی: سچ کہا ہے کسی نے کہ:

خدا جب دین لیتا ہے تو حماقت آہی جاتی ہے

عارف حصاری: ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ حماقت کس مذہب میں آئی اور دین مقلدین کا گیا یا عاملین بالحدیث کا۔ نور الہدایہ ص-۱۱ میں بحوالہ شرح عین العلم میں لکھا ہے: (ترجمہ) "اگر کسی نے کسی امام کا مذہب لازم کر لیا مثلاً حنفی ہو گیا یا شافعی بن گیا کہ ہمیشہ اسی مذہب پر قائم رہے اور کسی مسئلہ میں کسی دوسرے امام کی تقلید نہ کرے۔"

تفسیر احمدی میں ملا جیون مصنف نور الانوار لکھتے ہیں: (ترجمہ) "جس وقت لازم کر

لیا کسی ایک مذہب کو (مثلاً حنفی کو) تو اس پر واجب ہو گیا کہ ہمیشہ اسی ایک مذہب پر رہے کہ جس کو اختیار کیا ہے اور اس سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل نہ ہو۔" اگرچہ اس اصول اور قاعدہ پر مقلدین قائم نہ رہے کہ کئی شافعی حنفی بن گئے اور کئی حنفی شافعی ہو گئے مگر تمام حنفیہ مقلدین اس اصول پر قائم رہے کہ دوسرے امام کی طرف سے خواہ کیسی حدیث صحیح پیش کی گئی' انہوں نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ اس سے انتقال مذہب لازم آتا تھا۔ اس پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجتہ اللہ مترجم جلد۔ا' ص۔۳۶۳ میں فرمایا: (ترجمہ) "ایسی حالت میں حدیث نبوی کی مخالفت کا سبب سوائے نفاق خفی اور حماقت جلی کے اور کچھ نہیں ہے۔" پس یہ حماقت مقلدین پر سوار ہے کہ وہ اپنے امام کے اقوال کے مقابلہ میں احادیث نبویہ کو صاف جواب دے رہے ہیں کیونکہ ایک امام کے مذہب کا التزام کر چکے ہیں اور ہم ایسے التزام کو شرک فی الرسالتہ کہتے ہیں۔

مقلد گجراتی: شائم امدادیہ کے ص۔۱۴۳ میں لکھا ہے کہ "غیر مقلدین انکار تقلید کرتے ہیں اور اپنی تقلید کا حکم کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ تقلید کوئی چیز نہیں۔ ہم تقلید نہیں کرتے' تم بھی نہ کرو۔ مستلزم اس کا ہے کہ ہمارے طریقہ پر چلو۔"

عارف حصاری: اس متضاد کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اور مصنف شائم سفہاء سے ہو' فقہاء سے نہیں ہو ورنہ متضاد کلام نہ کرتے۔ جب غیر مقلدین تقلید کا علی الاطلاق انکار کرتے ہیں تو اپنی تقلید کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔ یہ صریح افتراء ہے۔ ہم (اہلحدیث) تقلید کو حرام جانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ: "تقلید بغیر دلیل کے پیروی کرنے کا نام ہے۔" جیسا کہ اصول فقہ میں لکھا ہے: "بغیر دلیل کے ہماری بات یا امام ابوحنیفہ وغیر کسی کی بات نہ مانو۔ جس کی بات دلیل شرعی کے مطابق ہو اس کی مان لو۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ شیر خوار بچہ کی مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔ یہ قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے۔ اس پر کوئی دلیل شرعی ناطق نہیں ہے اور ان کے شاگرد امام زفر کہتے ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے۔ یہ قول سراسر ہی خلاف شرع ہے۔ یہ دونوں قول جھوٹے اور بے دلیل ہیں۔

ہم (اہلحدیث) کہتے ہیں کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ یہ مسئلہ قرآن و حدیث

کے مطابق ہے اور دلیل شرعی اس پر ناطق ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: **والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (الایۃ)** یعنی "مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔" دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے: **حملہ وفصالہ ثلثون شھرا** یعنی "حمل اور بچہ کے ماں سے جدا ہونے تک تمام مدت تیس ماہ ہے۔" اور سورہ لقمان میں ہے: **وفصالہ فی عامین** یعنی "بچہ کی جدائی ماں سے دو سال کے بعد ہے۔"

یہ آیات اس مسئلہ پر قطعی نص ہیں کہ مدت رضاعت دو سال ہے اور دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ **لا رضاع الا ما کان فی الحولین** یعنی "رضاعت صرف دو سال کے اندر اندر ہے۔"

پس اہلحدیث کا مذہب قرآن و حدیث کے موافق ہوا اور حنفیہ کا خلاف شرع ہے تو اب سب امت پر مذہب اہلحدیث کا قبول کرنا واجب ہے۔ اہل علم ان سفیہوں کے اس لزوم کو خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ تقلید شخصی مطلقاً" حرام ہے' اس کو ترک کر دو۔ یہ لزوم کون سی قسم کا ہے؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا اور رسول' قرآن و حدیث کی اتباع کرو تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ ہماری تقلید کرو۔ تقلید تو ہماری ہو یا تمہاری' بہرحال حرام ہے۔ اتباع قرآن و حدیث ہم پر اور تم سب پر فرض ہے۔ اب بتایئے اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ **الا من سفہ نفسہ۔**

مقلد گجراتی: تقلید واجب ہے ہر اس شخص پر جو مجتہد نہ ہو' ہر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔ کیا آپ کے جاہل عوام جو بزعم خویش اہلحدیث ہیں وہ بھی مجتہد ہیں؟

عارف حصاری: یہ گجراتی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ پہلے کہتا ہے کہ ہر اس شخص پر تقلید واجب ہے' جو مجتہد نہ ہو۔ پھر لکھتا ہے کہ ہر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

اس عبارت میں پہلا جملہ دوسرے کی تردید کرتا ہے اور دوسرا پہلے کی تو ایسا کلام وہی کرتا ہے جو علم اصول سے بے خبر ہو۔ شاید اس منطق کو کوئی حنفی عالم بھی پسند اور قبول نہ کرے گا۔ اچھا تم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ تقلید واجب ہے ہر اس شخص پر جو مجتہد نہ ہو۔ اس کی دلیل شرع میں کون سی ہے؟

تقلید کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث میں۔ بلکہ یہ لفظ حیوانوں کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ شرح وقایہ کتاب الحج میں ہے: **المراد بالتقلید ان تربط قلادة علیٰ عنق البدنة** یعنی "تقلید سے مراد یہ ہے کہ اپنے اونٹ کی گردن پر جوتوں وغیرہ کا ہار بنا کر باندھ دے۔"

پھر جب انسانوں میں حیوانوں ایسے بے سمجھ پیدا ہوئے اور انہوں نے بغیر دلیل شرعی کے کسی امام کے اقوال اپنے گلے کا ہار بنا لیے تو یہ لفظ تقلید کا ان کے حق میں استعمال ہونے لگا۔ جس کی مناسبت ملا علی قاری شرح قصیدہ امالی میں یوں بیان کرتے ہیں: **والتقلید قبول قول الغیر بلا دلیل فکانه بقبوله جعله قلادة فی عنقه** یعنی "تقلید قبول کرنا ہے قول غیر کا بغیر دلیل شرعی کے۔ گویا اس مقلد نے بوجہ قبول کرنے اقوال امام کے ان کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ حیوان اور مقلد یکساں ہیں' ان میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے حیوان **لا یعقل** اور بے علم ہوتا ہے' تقلید علم نہیں جہالت کا نام ہے۔ چنانچہ امام شافعی اپنی کتاب فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے ص-۱۰ میں لکھتے ہیں: **معنی التقلید قبول قول من لا یدری ما قال من این قال وذالک لا یکون علما دلیله قوله تعالیٰ: فاعلم انه لا اله الا اللّٰه فامر بالمعرفة له بالظن والتقلید** یعنی "کسی ایسے شخص کے قول کو اندھا دھند قبول کرنا' جس کا کوئی پتہ نہ ہو کہ کیا کہا اور کہاں سے ثبوت لے کر کہا' یہ تقلید ہے اور تقلید کے جہالت ہونے پر یہ آیت دلیل ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے معرفت کا حکم فرمایا ہے' ظن اور تقلید کا نہیں فرمایا۔"

"المنجد" جو عربی لغت کی کتاب ہے' اس میں بھی یہ لکھا ہے: **قلادة فی کذا ای تبعه من غیر تامل ولا نظر** "تقلید کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی بات کو بغیر سوچے سمجھے اور غور و فکر کیے بغیر مان لینا۔"

اور اصول کی کتاب "مسلم الثبوت" جلد-۲' ص-۲۵۱ میں ہے: **لان الاخذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیدا** یعنی "ایسی بات کو لینا جس کی تائید وحی الہٰی سے ہوتی ہو تقلید نہیں ہے۔"

اب لوگوں کی تین حالتیں ہیں:

(ا) ایک تو وہ ماہر علماء ہیں جو جامع العلوم اور واقف فروع و اصول اور کتاب و سنت کے ایسے ماہر جو مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں اور سلف صالحین کے اقوال و افعال اور ان کے باہمی اختلاف سے واقف کار ہیں' وہ تو مجتہد ہیں اور جو کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ دین کے عالم ہیں' وہ عامل بالحدیث ہیں۔

(۲) اور جو ناخواندہ عوام ہیں وہ علماء سے مسائل شرعیہ دریافت کر کے عمل کر لیتے ہیں اور علماء ان کو بتا دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں یوں آیا ہے اور اللہ اور رسول نے اس طرح فرمایا ہے تو یہ لوگ بھی اجمالی معرفت اور علم سے سمجھ کر عمل کرتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے: **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** یعنی "اگر تم کو علم نہ ہو تو علماء سے دریافت کر کے عمل کر لیا کرو۔" پس تقلید کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ یہ تو احمقوں کا جو مثل چارپایوں کے ہیں' پیشہ ہے کہ وہ اندھا دھند تقلید بے دلیل کر رہے ہیں' جو حرام ہے۔ اس سے بچو!

(۳) جو شخص کہتا ہے کہ تقلید واجب ہے' وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ جاہل رہنا واجب ہے۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ **طلب العلم فريضة على كل مسلم** یعنی "ہر مسلمان کو بقدر حاجت علم حاصل کرنا فرض ہے۔" پس علماء اور طلباء درس گاہوں میں صرف و نحو' علم معانی' علم لغت و ادب' علم فقہ و اصول فقہ' علم قرآن و علم تفسیر' علم حدیث و اصول حدیث وغیرہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور مسائل کے دلائل جانتے ہیں اور بحث و مناظرے کرتے ہیں۔ یہ سب غیر مقلد ہیں۔ ان کا اپنے آپ کو مقلد کہلانا محض تجاہل عارفانہ اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو احمق ظاہر کرنا ہے اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی مال دار اور غنی ہو اور پھر یہ کہے کہ میں مفلس فقیر اور کنگال ہوں۔

مقلد گجراتی: جوش تعصب کو دور رکھئے اور اولیاء عظام کی گستاخی کے مرتکب نہ بنئے۔

عارف حصاری: یہ بات بھی حماقت پر مبنی ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ مقلد اور حیوان یکساں لایعقل ہیں۔ بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اولیاء عظام کتاب و سنت کے عالم اور توحید و سنت کے عارف تھے۔ مقلد و جاہل نہ

تھے۔ یہ گستاخی نہیں بلکہ عظمت اور رفعت شان ہے۔ اسی طرح علمائے کرام نے لکھا ہے۔ جس کی میرے مضمون میں تفصیل ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ سب اولیاء مقلد تھے' یہ بہت بڑی گستاخی اور صریح توہین ہے۔ گویا تم یہ کہتے ہو کہ سب اولیاء جاہل تھے کیونکہ تقلید کی تعریف میں جہالت داخل فی الماہیت ہے' جو اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پس اولیاء کرام کو مقلد کہنا ان کو جاہل اور قرآن و حدیث سے ناواقف ٹھہرانا ہے۔ یہ ڈبل گستاخی ہے۔

مقلد گجراتی: خاص کر حضرت سراج الامت امام ہمام' امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں نازیبا اہل رائے و قرآن و حدیث کے خلاف وغیرہ نہ لکھتے۔

عارف حصاری: یہ بھی سراسر جھوٹ ہے کہ ہم (اہلحدیث) اولیاء یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ہاں علمائے متقدمین کے اقوال اظہار حقیقت کی نیت سے نقل کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ نے امام نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کو سراج الامت لکھا ہے۔ یہ لقب ایک موضوع اور جھوٹی روایت سے ماخوذ ہے کہ کسی مقلد نے امام موصوف کی تعریف میں ان کے مذہب کا سکہ جمانے کے لیے یہ حدیث گھڑی ہے:

یکون من امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علٰی امتی من ابلیس ویکون من امتی رجل یقال له ابوحنیفة هو سراج امتی یعنی ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص محمد بن ادریس کے نام سے ہو گا جو ابلیس سے زیادہ میری امت کو ضرر پہنچائے گا اور ایک شخص ابو حنیفہ کے نام سے پکارا جائے گا' وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔''

یہ روایت سراسر جھوٹی اور محدثین اور خود علمائے احناف نے اس کی تکذیب کر کے تردید کی ہے۔ مگر کسی مقلد نے امام شافعی رحمہ اللہ کی توہین کرنے کے لیے یہ گھڑی ہے تاکہ شافعی مذہب سے لوگ متنفر ہو جائیں اور حنفی مذہب کو فروغ حاصل ہو۔ یہ روایت گھڑی کہ ابو حنیفہ امت کا چراغ ہے۔

جھوٹی حدیث بنانے والے کے لیے سخت وعید آئی ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ مقلدین احناف نے اپنے امام کی فوقیت ظاہر کرنے اور دیگر ائمہ خصوصاً امام شافعی رحمہ اللہ کی توہین کرنے کی نیت سے بہت سی روایات اختراع کر کے جہنم میں اپنے گھر بنائے

ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ابلیس سے بڑھا دیا ہے۔ اس سے بڑا کفر کیا ہو گا۔ موضوعات قاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔ تو ایسے مقلدین جو جھوٹی روایتیں گھڑ کر ائمہ محدثین کی توہین کرتے ہیں کافر خبیث ہیں۔

مقلد گجراتی نے اس موضوع حدیث سے لقب سراج الامت اخذ کیا ہے۔ حالانکہ یہ لقب اختراعی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف دنیا بھر میں نہیں ہے۔ سوائے "فقہ اکبر" کے کہ اس میں بھی اختلاف ہے۔

پھر دنیا میں سراج امت کیسے ہوئے؟

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری۔

تنظیم اہل حدیث لاہور۔ جلد۔۲۱، شمارہ۔۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱۔ مورخہ ۷ر جون و ۲۱، و ۲۸ جون و ۵ و ۱۲ و ۱۹ جولائی و ۹ و ۱۶ و ۲۳ و ۳۰ر اگست و ۶ و ۱۳ ستمبر سنہ۔۱۹۶۸ء

یہود کی مذمت اور امت محمدیہ میں یہودیت کا ظہور!

قرآن کریم میں اگرچہ امم گذشتہ کی کئی قوموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہیں قوم نوح کا ذکر ہے' کہیں عاد کا قصہ ہے' کہیں ثمود کا' لیکن بنی اسرائیل کا جس قدر ذکر ہے اتنا کسی اور قوم کا نہیں ہے' جس کی کئی وجوہات ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) یہ کہ اس قوم میں انبیاء کرام بکثرت ہوئے ہیں۔ (۲) آسمانی کتابیں اور صحیفے اس قوم میں زیادہ نازل ہوئے ہیں۔ (۳) ملک میں اکثریت ان کی تھی۔ (۴) ان کا زمانہ نزول قرآن اور امت محمدیہ کے قریب تھا۔ (۵) قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی یہ لوگ سامنے موجود تھے' جو قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کا مقابلہ کرتے تھے۔ (۶) آسمانی علم اور دین انبیاء کے یہی لوگ زیادہ دعویدار تھے۔ (۷) ان کے واقعات عجیب و غریب ہیں جو عبرتناک ہیں اور امت محمدیہ کے آخری دور ضلالت کے مناسب حال ہیں۔ (۸) اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ امت محمدیہ بھی آخرکار یہود و نصاریٰ کے چال چلن اختیار کرے گی' اس لیے ان کے حالات اور واقعات بیان کر کے ان کو عبرت دلانا ضروری ہے۔ (۹) کتابی علم' درس گاہیں اور حکومت و سیاست ان کے پاس تھی۔ (۱۰) اس قوم کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت محمدیہ کی تصدیق و تائید اور تجویز کے لیے آنا تھا اور اہل کتاب کو مسلمان بنانا تھا۔ (تلک عشرۃ کاملہ)

اس لیے تمام امت محمدیہ کا یہ مذہبی فرض ہے کہ اہل کتاب کے حالات' واقعات اور ان کے کارناموں کو کتاب و سنت کی روشنی میں معلوم کر کے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔ اہل کتاب کی اصطلاح شریعت میں یہود و نصاریٰ ہر دو قوموں کے لیے ہے لیکن نصاریٰ کی بہ نسبت یہود کا ذکر قرآن کریم میں زیادہ ہے کیونکہ یہ قوم نصاریٰ سے زیادہ سرکش اور شرع کی باغی تھی۔ خصوصاً امت محمدیہ کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو انہوں نے زہر دیا اور قتل کرنے کی بڑی کوشش کی اور منافقین جو مستحق درک اسفل ہوئے وہ انہی سے پیدا ہوئے۔ اس لیے

قرآن مجید میں ان کو ملعون، مغضوب قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے۔ "**لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیهود والذین اشرکوا۔ ولتجدن اقربهم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصاری**" یعنی اے میرے مخاطب! پائے گا تو مومنوں کے ساتھ بہت سخت عداوت رکھنے والے یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور پائے گا تو ازروئے محبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ان لوگوں کو جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ اگرچہ نصاریٰ عیسائی گمراہ اور کافر ہیں لیکن قرآن میں برتاؤ کی رو سے فرق بتایا گیا ہے کہ بلحاظ نصاریٰ کے یہود زیادہ سرکش اور متعصب ہیں کہ ان کا مقابلہ مدینہ منورہ میں ہمیشہ ہوتا رہا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان سے اللہ تعالیٰ نے زیادہ نفرت دلائی ہے۔ اس لیے یہود کی صورتوں، سیرتوں اور مذہبی عملوں سے بچنا واجب ہے۔

یہود کے جرائم کا تذکرہ ⇦ قوم یہود نے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں، جرائم کا ارتکاب کیا اور بغاوتیں کیں، ان میں سے اہم امور کا ذکر ملاحظہ کریں جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ ہر جرم پر ذکر آیات و احادیث مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا اور میرا موضوع امت محمدیہ کی یہودیت بیان کرنا ہے یہ صرف تمہید ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ کے بندہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اس کا بیٹا قرار دینا۔ (۲) گو سالہ پرستی کرنا۔ (۳) حق و باطل کو ملا کر پیش کرنا۔ (۴) لوگوں کو نیک عمل کی دعوت دینا اور خود عمل نہ کرنا۔ (۵) ایمان لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی شرط کرنا۔ (۶) طمع نفسانی سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ذریعہ مال حاصل کرنا۔ (۷) اپنے نبیوں کی احادیث سے انکار کرنا۔ (۸) حق مسئلہ کو چھپانا۔ (۹) حق گو علماء اور انبیاء کو قتل کرنا۔ (۱۰) ہفتہ کو حیلہ سازی سے شکار ممنوعہ کرنا۔ (۱۱) جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کلام اور امتوں میں تحریف کرنا۔ (۱۲) کتاب اللہ کے صحیح معنوں کو تاویل اور ہیر پھیر سے بگاڑنا۔ (۱۳) جو لفظ بولنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس کو تبدیل کر کے بولنا، جیسے حطة کو حنطة کہنا۔ (۱۴) ملک میں منافقانہ باتوں سے فساد کی آگ پیدا کرنا۔ (۱۵) شریعت کے حکم کو حیلہ بہانا اور حجت بازی سے ٹال دینا۔ (۱۶) قانون الٰہی کو بدل کر فیصلے کرنا۔ (۱۷) اپنی طرف سے رائے قیاس دوڑا کر اور اجتہاد کر کے فقہ تیار کرنا اور اسی کو من عنداللہ قرار دینا۔ (۱۸) اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ نعمتوں کی ناشکری کر کے ادنیٰ نعمتوں

کا طلب کرنا۔ (۱۹) توحید و سنت سے اعراض کر کے شرک و بدعت میں مبتلا ہونا۔ (۲۰) شریعت الٰہی کے ان احکام کو جو ان کی خواہشات کے موافق ہوتے مان لینا اور جو خلاف ہوتے ان کو نہ ماننا اور سمعنا اور عصینا کہہ دینا۔ (۲۱) گناہوں پر اصرار کر کے اپنے دلوں کو پتھر کی طرح سخت کر لینا۔ (۲۲) شریفانہ قول سے اعراض کر کے گستاخانہ کلام کرنا اور بے ادب ہو جانا۔ (۲۳) مسلمانوں کو زبان سے' ہاتھوں سے ایذا دینا۔ (۲۴) والدین کی نافرمانی اور اپنے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنا۔ (۲۵) فضائل الٰہی نماز روزہ اور زکوۃ وغیرہ سے غافل ہو جانا۔ (۲۶) اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دینا اور اس پر عمل نہ کرنا۔ (۲۷) برائی اور گناہ کو اپنا پیشہ اور ذریعہ معاش بنا لینا۔ (۲۸) دنیا میں زندہ رہنے کو بھلا دینا۔ (۲۹) اپنی قوم سے شریکہ بازی اور مصیبت سے گھروں سے نکال دینا۔ (۳۰) باہم پارٹی بازی کر کے کینہ بغض رکھنا۔ (۳۱) اپنے دین میں فرقہ بندی کر کے کئی مذہب بنانا۔ (۳۲) قبرپرستی اور شرک کرنا۔ (۳۳) عدالتی فیصلے آئین اسلام پر نہ کرنا' اپنے اختراعی قانون پر کرنا۔ (۳۴) لوگوں کے اموال ناجائز طریقوں سے کھانا۔ (۳۵) عہد شکنی' وعدہ خلافی' امانت میں خیانت کرنا۔ (۳۶) پیروں' فقیروں اور بزرگوں کی تقلید کرنا۔ (۳۷) اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اختلاف پیدا کر کے باہم جھگڑنا اور بحث کرنا۔ (۳۸) حرام کو حیلہ سازی سے حلال کر لینا۔ (۳۹) خود بخیل بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو تنگ کہنا۔ (۴۰) انبیاء اولیاء کو شرعی حد سے بڑھا کر ان کی تعریف کرنا۔ (۴۱) سلام کہنے' جمعہ پڑھنے اور آمین پکارنے اور صف باندھنے پر حسد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ یہودیوں کے جرائم کا خلاصہ ہے۔

ان جرائم کی وجہ سے دریا عبور کرنے کے بعد جنگل میں چالیس سال حیران و سرگردان پھرتے رہے اور ان جرائم کی وجہ سے وقتاً" فوقتاً" ان پر عذاب الٰہی آتا رہا۔ کسی گروہ پر طاعون' کسی پر غضب اور لعنت' کسی کو بندر خنزیر بنایا گیا۔ چنانچہ ان عذابوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے یا بعض کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے۔ قرآن ایک مقام پر یوں ناطق ہے جہاں یہود کا ذکر ہے: "**من لعنه الله وغضب عليه وجعل منهم القردة والخنازير**" یعنی بعض وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور غضب کیا ہے اور بعض وہ لوگ جن کو اللہ نے بندر اور خنزیر بنا دیا ہے اور بعض گروہ پر بجلی کا

عذاب آیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں ان کے پسماندگان کو یہ کہا گیا "فاخذتکم الصاعقه وانتم تنظرون" یعنی تم کو بجلی نے پکڑا اور تم اس عذاب کو دیکھ رہے تھے۔ کسی جگہ پر یہ فرمایا: "فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون" یعنی ان یہودی ظالموں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا بسبب اس بات کے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ ان لوگوں پر وبائی مرض طاعون نازل ہوا' وقت دوپہر کے قریب ستر ہزار ہلاک ہو گئے۔ بعض جگہ یہ وعید ہے: "وضربت علیهم الزلة والمسکنة وباؤ بغضب من الله" یعنی ان سرکشوں پر ذلت اور مسکینی ماری گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر پھرے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اعلیٰ نعمتوں سے متنفر ہو کر ادنیٰ کی طرف مائل ہوئے۔ بہرحال یہود کی شقاوت' گمراہی' فسق و فجور' شرک و کفر عیاں اور سب مسلمانوں کو مسلم ہے۔ اس لیے ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سخت تاکید فرمائی کہ یہود کے اعتقادات' اعمال' بدعات' غلو' شعار وغیرہ سے بچو اور ان کی مشابہت نہ کرو اور ان کی طرح فرقہ بندی اور مذہب بنانے سے بچو۔ لیکن ناظرین اہل انصاف! ذرا یہود کی اکتالیس برائیوں پر طائرانہ نظر فرما کر اس امت کے حالات کا جائزہ لیں کہ کیا وہ تمام امور شنیعہ جو ذکر ہو چکے ہیں اس زمانہ کے مدعیان اسلام میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ میں کہتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حسب پیشین گوئی جناب نبی کریم ﷺ کے اس امت میں وہ تمام امور پائے جاتے ہیں۔

امت محمدیہ میں یہودیت کا ظہور ⇦ مشکوۃ میں یہ حدیث موجود ہے: "عن عبدالله بن عمر وقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذوالنعل بالفعل حتی ان کان منهم من اتی امة علانیة لکان فی امتی من یصنع ذالک" یعنی عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا البتہ ضرور میری امت پر ایک نازک دور آنے والا ہے' جیسا کہ قوم بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ عین بعینہ اس امت کی حالت اسرائیلیوں کی طرح ہو جائے گی جیسے ایک پاؤں کا جوتا دوسرے پاؤں کے جوتا کے عین مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کسی شخص بدکار نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں

بھی کوئی ایسا بدکار نالائق نمودار ہو جائے گا جو اپنی ماں سے بدفعلی کرے گا۔ یہ نبوی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے جو اہل علم اور دانش مندوں پر مخفی نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس پیشین گوئی کی صداقت معلوم کرنی ہو تو اس وقت جتنے فرقے مدعیان اسلام ہیں' ان کے اعتقادات اور اعمال کا جائزہ لے لیں اور پھر میری مرقومہ اور مذکورہ فہرست کے یہودیانہ امور کے مطابق کر کے معائنہ کرلیں تو خوب ظاہر ہو جائے گا کہ امت محمدیہ میں یہودیت کا ظہور ہو چکا ہے۔ اب بندہ اس کے اثبات کے لیے ان یہودیانہ افعال کو احادیث نبویہ کی روشنی میں بیان کرتا ہے تاکہ ناظرین کو میری بات کی تصدیق ہو جائے کہ امت محمدیہ میں یہودیت داخل ہو چکی ہے۔ لیکن یہ بات جان لیں کہ امت تین قسم کی ہے۔ ایک امت اتباع یعنی امت مطیعہ جو کتاب و سنت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ ان میں یہودیت کا وجود قلیل سا ہے۔ دوسری امت اجابت ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے اسلام کو قبول کر کے کلمہ پڑھ لیا اور اسلام میں داخل ہو گئے لیکن پھر کئی فرقوں میں منقسم ہو کر مختلف عقائد اور اعمال اختیار کر گئے اور ٹھیٹھ اسلام پر قائم نہ رہے۔ کسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا وہ مرزائی ہو گئے' کسی نے حدیث نبوی ﷺ کا مطلقاً" انکار کر دیا وہ چکڑالوی اور پرویزی ہو گئے۔ کسی نے قبروں اور بزرگوں کی پرستش شروع کر دی' کسی نے ہر چیز میں ذات الٰہی کا عقیدہ رکھ لیا' وہ وجودی ہو گئے' کسی نے ہر چیز کو عین خدا ہونے کا اعتقاد کر لیا' کسی نے اہل بیت کے بارہ میں اماموں میں شریعت کو مقید کر دیا وہ اثنا عشری ہو گئے' کسی نے تعزیہ پرستی شروع کر دی وہ رافضی ہو گئے' بعض لوگوں نے تمام ائمہ سے چار اماموں کو منتخب کر کے ان میں سے ایک ایک کی الگ تقلید شروع کر کے اپنا فرقہ جدا بنا لیا' وہ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی ہو گئے۔

تیسری امت دعوت ہے۔ آنحضرت ﷺ تمام انسانوں' جنوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے سب کو اسلام کی دعوت دی اور کلمہ توحید پیش کیا اور قرآن سنایا اور پہنچایا۔ جنہوں نے قبول نہ کیا جیسے مشرکین' بت پرست' مجوس' یہود' نصاریٰ اور دہریہ وغیرہ جو ادیان ماسوائے اسلام ہیں۔ یہ سب امتیں دعوت میں شامل ہیں۔ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ خواہ خود نبی کریم ﷺ نے دعوت دی یا آپ

کے خلفاء نے دعوت دی۔ یہ سب لوگ امت دعوت میں شامل ہیں۔ حدیث میں آیا ہے "العلماء ورثة الانبیا" کہ علماء کرام سب نبی کریم ﷺ کے وارث ہیں۔ ان کے ذریعہ سے سب لوگوں کو دعوت پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ نے جنوں کو تبلیغ کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں بھی تین امتیں بن گئیں۔ امت داعیہ' امت اجابت' امت اتباع۔ جنوں میں بھی علماء ہیں اور ان میں بھی فرقے ہیں۔ ان کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں ہے اور نہ امت دعوت اور امت اجابت کا ذکر کرنا ہمارا موضوع ہے۔ ہم نے صرف امت اجابت میں یہودیت کے داخلہ کا ذکر کرنا ہے۔ یہاں پر بندہ اپنی اربعین شروع کرتا ہے۔ اس میں ہر حدیث نمبروار درج ہو گی۔ جس کے ساتھ مختصر سی تشریح بھی ہو گی۔

(اربعین قادری)

حدیث (۱) ⇦ مشکوۃ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں اس امت کے یہودیانہ طریقہ اختیار کرنے کی پیشین گوئی کا ذکر ہے۔ اس کا دوسرا حصہ فرمان نبوی کا یہ ہے۔ "**ان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یارسول الله قال ما انا علیه واصحابی**" یعنی اسرائیلی لوگ بہتر(۷۲) فرقوں میں متفرق ہوئے اور میری امت تہتر(۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سب جہنم کو جائیں گے لیکن اس امت کا ایک گروہ باقی رہ جائے گا جو فرقہ بندی نہ کرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا' وہ کون سا طائفہ ہے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ طائفہ وہ ہے جو اپنے طرز عمل سے اس راستہ پر چلے گا جس پر آج میں اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم چل رہے ہیں یعنی وہ تفریق کر کے فرقہ نہیں بنائے گا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح صحیح اسلام پر کتاب و سنت کی ہدایت کے مطابق قائم رہے گا۔ حدیث میں اس کو دیگر فرقوں کے مقابلہ میں علیحدہ ہونے کی وجہ سے فرقہ ناجیہ کہا گیا ہے۔ انہوں نے خود کوئی نیا فرقہ نہیں بنایا ہے جس طرح کئی دوسرے فرقوں نے تقلید کی نسبت کی ہے اور اپنی اصلی کیفیت تبدیل کر دی ہے۔ اہل حدیث نے ایسی نسبت سے احتراز کیا ہے۔ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہے اور اس کی مذہبی و

دینی کیفیت وہی ہے جو عہد نبوی میں تھی۔ چنانچہ وہ حدیث نبوی اس کیفیت پر دال ہے جو درج ذیل ہے۔

حدیث (۲) ⇦ طبرانی ص-۲۰۶ میں ہے "**عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تفترق ھذہ الامۃ علی ثلاث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا وما ھی تلک الفرقۃ؟ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی**" یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امت محمدیہ تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی' یہ سب فرقے دوزخ میں جائیں گے صرف ایک فرقہ بچ کر جنتی ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ ان میں سے کون سا ہے؟ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرقہ وہ ہے جو اس طریقہ پر قائم ہو جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ سو کچھ شک نہیں ہے کہ عہد نبوی میں صرف قرآن مجید اور حدیث شریف میں تعامل تھا۔ بس آج جس کا یہ تعامل ہے وہی فرقہ ناجیہ ہے' ہمارا دین یہ ہے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

یہ حدیث پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمرو' حضرت سعد' عوف بن مالک' انس بن مالک' جابر' ابو امامہ' ابن مسعود' ——— علی' عمرو بن عوف' عویمر' ابوالدرداء' ابومعاویہ ابن عمر' واثلہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

شارح سفر سعادت نے یہ پندرہ امام ذکر کر کے اس حدیث کی صحت کو ثابت کیا ہے۔ پس جو بھی وہ طائفہ ہے جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشین گوئی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔

حدیث (۳) ⇦ شرف اصحاب الحدیث ص-۱۴ میں امام خطیب نے یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی ہے۔ ایک طریق محمد بن شعبہ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں "**اخبرنی معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ**" یعنی معاویہ بن قرہ

نے اپنے باپ قرۃ صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا' انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے ایک طائفہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی' کوئی مٹانے والا اس کو نہیں مٹا سکے گا۔

اس حدیث اور سابقہ حدیث کے پیش نظر محدثین ماہرین ائمہ دین کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ طائفہ اہل حدیث ہے۔ امام بخاری' امام احمد' عبداللہ بن مبارک' یزید بن ہارون' علی بن مدینی' احمد بن مستان رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی خیال ہے۔
(شرف اصحاب الحدیث ص-۱۰)

ان جملہ معتبر اور مسلم ائمہ کے علاوہ جناب محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانی تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا **غنیۃ الطالبین** میں یہ فیصلہ درج ہے جو انہوں نے فرقہ شماری کے بعد لکھا ہے "**وما اسمہم الا اصحاب الحدیث واھل السنۃ**" (**غنیۃ الطالبین**) اس فرقہ ناجیہ کا نام اہل حدیث ہے اور انہی کو اہل سنت کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ چار فرقوں کو اہل سنت کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے' اس فرقہ ناجیہ میں تقسیم نہیں ہے' وحدت ہے۔ چنانچہ حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر یہ فرماتے ہیں "**فاھل السنۃ طائفۃ واحدۃ**" کہ اہل سنت ایک طائفہ ہے۔ تیسرے مقام پر حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث افتراق کا آخری جملہ یوں نقل کیا ہے "**من کان علی مثل ما انا علیہ واصحابی**" یعنی اصحاب نے جب پوچھا کہ اس فرقہ کی صفت کیا ہے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وہ لوگ جو اس طرح شریعت پر عمل کریں گے جس طرح میں اور میرے اصحاب عمل کر رہے ہیں۔

ترمذی شریف ج-۲' ص-۱۳۶ میں ہے: "**عن عدی قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمعتہ یقرا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم اذا احلوالھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ**" یعنی عدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں اسلام لانے سے پہلے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ (قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے) میں نے سنا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "**اتخذوا احبارھم**" آخر تک تلاوت کی کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ربوبیت کا درجہ دے دیا ہے۔

خبردار! یہ بات سمجھ لو کہ وہ ان کی بطریق معروف عبادت تو نہیں کرتے لیکن انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب ان کے وہ علماء اور بزرگان دین کسی چیز کو ان کے لیے حلال کر دیتے ہیں تو وہ (تحقیق نہیں کرتے) اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور جب حرام کر دیتے ہیں تو (بلا تحقیق ان پر حسن عقیدت رکھ کر) حرام جان لیتے ہیں۔ (یہی درجہ ربوبیت کا ہے) واضح ہو کہ اس طریقہ عمل کو تقلید کہتے ہیں۔ چنانچہ کتب اصول فقہ میں اور کتب لغت میں بطور اصطلاح تقلید کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی کے قول کو بدون اس کی دلیل کے قبول اور معمول کر لیا جائے' یہ حرام ہے۔ کفار نے جب بلا دلیل باتیں کہیں تو اللہ تعالٰی نے ان کو یہ فرمایا: "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" اگر تم اپنے مذہب و دین کی باتوں میں سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں ایک یہ کہ بے دلیل قول سچا نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ مذہبی اور دینی مسائل کی دلیل طلب کرنی اور پیش کرنی چاہیے۔ بغیر دلائل شرعیہ کے کسی شخصیت پر محض عقیدت رکھ کر اس کے مسائل مانتے رہنا یہ تقلید ہے جو حرام ہے لیکن آج امت محمدیہ کے لوگوں میں کثرت سے عمل اس طرح جاری ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرحوم اپنی کتاب فوزالکبیر طبع مصری ص-۲۷ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں: "ان شئت ان تری انموذج الیھود فانظر الی الذین اعتادوا تقلید السلف" یعنی اگر تم یہود کا نمونہ عمل دیکھنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو دیکھ لے' جنہوں نے پہلے علماء کی تقلید اختیار کر رکھی ہے۔ جمع الجوامع للسیوطی میں یہ حدیث درج ہے۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکون فی امتی رجال یدعون الناس الی اقوال احبارھم ورھبانھم ویعملون بھا ویحسدون المسلمین علی التامین خلف الامام الا انھم یھود ھذہ الامۃ ثلاثا" (رواہ ابن القطان وصححہ وابن السکن بحوالہ تاریخ اھل حدیث عربی للشیخ احمد المدنی ص-۵۵) یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے مرد پیدا ہوں گے جو لوگوں کو اپنے علماء اور پیروں کے اقوال کی طرف بلائیں گے اور ان پر خود بھی عمل کریں گے (اور لوگوں کو بھی کرائیں گے) (جن کی علامت یہ ہے) کہ وہ امام کے پیچھے

(بلند آواز سے) آمین کہنے پر حسد کریں گے۔ خبردار! وہ اس امت کے یہود ہیں' یہ تین بار فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن میں حکم یہ ہے: "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه" کہ اے لوگو! تم دین میں متفق ہو کر عمل کرو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ تاہم دین میں لوگوں نے فرقہ بندی کر لی۔ چنانچہ لوگوں نے چار اماموں کی تقلید میں چار مذہب بنا لیے۔ درمختار ص-۲۶۰ شامی جلد-۳' ص-۱۹ میں ہے: "ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر" کہ اگر کوئی حنفی مقلد مذہب شافعی کی طرف منتقل ہوا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔

مقریزی نے اپنی کتاب الخطط ج-۲' ص-۳۴۴ میں لکھا ہے کہ سنہ-۶۶۵ھ میں ملک ظاہر بیرس نے اپنی سلطنت میں یہ انتظام کیا کہ چار مذہبوں کے چار قاضی مقرر کر دیے اور یہ حکم جاری کیا کہ سب رعایا ان چار فرقوں میں داخل رہے۔ جو شخص ان سے باہر رہا اس کی نہ گواہی قبول اور نہ اس کو کسی مسجد کا امام اور خطیب بنایا جائے گا اور نہ ہی کسی درس گاہ کا مدرس رکھا جائے گا۔ ان چار فرقوں کے چار قاضی اپنے اپنے مذہب پر فتوے اور فیصلے کریں۔ تمام لوگوں کو حکومتی حکم سے ان چار مذہبوں میں رہنے کی پابندی کر دی اور ان کے ماسوا کسی مذہب پر عمل کرنا حرام قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ "وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاءتهم البینه" یعنی نہیں فرقہ فرقہ ہوئے اہل کتاب مگر بعد آجانے دلیل ظاہر کے۔ یہی امت محمدیہ میں ہو رہا ہے کہ قرآن و حدیث آجانے کے باوجود امت محمدیہ فرقوں میں بٹ رہی ہے۔ جو شخص ان فرقوں میں داخل نہ ہو' اس کو غیر مقلد لامذہب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرقے قرون ثلاثہ کے وقت موجود نہ تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب پر متفق نہ تھے۔ (حجتہ اللہ ص-۱۵۷)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انما حدثت هذه --- البدعة فی القرن الرابع المذمومة علی لسانه صلی الله علیه وسلم" یعنی تقلید شخصی کی بدعت (جس سے فرقہ بنتا ہے) چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس کی مذمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث تذکرہ قرون ثلاثہ میں

خبریت کے ذکر کے بعد یہ ارشاد ہے: "ثم یفشوا الکذب" کہ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔
دیکھا بادشاہ ظاہر نے کس طرح چار مذہبوں کے چار امام اور عدالتوں میں چار قاضی مقرر کر کے حد بندی کر دی کہ کوئی ان سے باہر نہ جائے ورنہ سزا پائے گا۔ خبیۃ الاکوان فی افتراق الامم علی المذاھب والادیان مصری ص-۲۳۴ میں ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب حکومت سلطان ظاہر --- بند قداری کا دور ہوا تو مصر و قاہرہ میں چار قاضی چاروں مذاہب کے مقرر کئے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی پس یہ طریقہ سنہ-۶۶۰ھ میں جاری ہوا یہاں تک کہ تمام اسلامی ممالک ان کے علاوہ کوئی مذہب والا معلوم نہ ہوتا تھا۔ یہ چار مذہب سرکاری تھے۔ آخر سلطان فرح بن برقوق نے جو ملوک چراکہ میں سب سے اشر تھا، اول نویں صدی میں کعبہ شریف کے اندر چار مذہبوں کے چار مصلے جدا جدا مقرر کر دیئے کہ ایک وقت میں یکے بعد دیگرے چار اماموں کی چار جماعتیں قائم ہو کر نمازیں متفرق طور سے ادا ہونے لگیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حکومت سعودیہ کو جس نے بیت اللہ سے یہ مصلے اٹھا کر سب مسلمانوں کو صرف ایک مصلے ابراہیمی پر قائم کر دیا۔

الغرض تقلید شخصی نے جس طرح یہود میں تاثرات پیدا کئے کہ وہ اپنے اماموں اور اماموں کے بزرگوں کے اقوال کو احکام منزل من السماء کی طرح مانتے تھے، جس کی تردید میں آیت "اتخذوا" نازل ہوئی، اس طرح مقلدین اقوال ائمہ کو قرآن و حدیث کی طرح منزل من السماء تصور کر بیٹھے کہ میرا کوئی مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی کتاب "سبل الرشاد" کے ص-۲۳ میں لکھتے ہیں: "استنباطات مجتہدین علیہ الرحمۃ (کذا فی الاصل) کے بھی منزل من السماء ہیں ..... پس جو کچھ مجتہد نے استنباط فرمایا وہ عین حکم الٰہی ہے اور جب اقوال امام کو منزل من السماء عین حکم الٰہی سمجھا گیا تو وہ کسی آیت و حدیث کے خلاف ہوا تو مقلد اس کو کبھی ترک نہ کرے گا۔

جناب مولانا شہید اپنی کتاب تنویر العینین کے ص-۳۸ میں فرماتے ہیں: "فان لم یترک قول امامه فقیه --- لشائبة من الشرک" یعنی اگر مقلد اپنے امام کے قول کو ترک نہیں کرتا تو اس کے عقیدہ میں شرک کی آمیزش ہے۔ اسی طرح مبتدعین اپنے پیروں سے برتاؤ کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب اپنی کتاب بشرنامہ میں لکھتے ہیں ؎

نال شراب دے رنگ مصلّی جے مرشد فرماوے
کیونکہ واقف کار قدیمی غلطی کدے نہ کھاوے!

اہل بدعت کا طریقہ یہی ہے۔ فرقہ ناجیہ کی یہی تعریف حدیث میں آتی ہے۔ "ما انا علیہ واصحابی" یعنی آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس طریقہ پر قائم رہے گا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب قرآن و حدیث پر قائم تھے۔ انہی پر ان کا عقیدہ و عمل تھا یعنی آج اہل حدیث کا مسلک ہے کہ وہ مقلد نہیں ہیں، متبع رسول ہیں۔

"عن عبداللّٰه بن عمرو قال سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا حتی نشاء فیهم المولدون ابناء سبایا الامم فافتوا بالرای فضلوا واضلوا" (ابن ماجہ ص-۷) یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ قوم بنی اسرائیل کا دینی کام ہمیشہ حد اعتدال پر رہا، یہاں تک کہ ان کے قبیلوں میں ان کے قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی تو انہوں نے دین میں رائے قیاس سے فتوے دینے شروع کئے جن سے وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو بھی ان فتووں سے گمراہ کر دیا۔

دیگر حدیث یوں آئی ہے: "عن عوف بن ملک مرفوعا تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقة اعظمها فتنة قوم یقیسون الدین برایهم یحرمون به ما احل اللّٰه ویحللون به ماحرم اللّٰه" یعنی عوف بن مالک نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کچھ اوپر ستر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں بہت بڑا فتنہ اس گروہ کا ہو گا جو دین اسلام میں اپنی رائے قیاس سے کام لیں گے۔ اس سے حرام کریں گے، اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور حلال کریں گے اس رائے سے اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (رواه ابن القیم فی الاعلام و ابن عبدالبر فی کتاب العلم والبیهقی فی المدخل والطبرانی فی الکبیر والبزار والهیثمی فی مجمع الزوائد وقال رجال اسناد الحدیث ثقات کلهم)

واضح ہو کہ یہ حدیث بطور پیشین گوئی بیان [illegible] صداقت رسالت کی مظہر ہے۔ حقیقتاً یہ واقع ظہور میں آیا ہے جو حدیث میں [illegible] ہے کہ عہد نبوی کے بعد

صحابہ کا زمانہ جب ختم ہوا تو فرقہ اہل رای ظہور میں آیا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلدون جلد۱، صفحہ۳۷۲ میں ہے:
"انقسم الفقه فيهم الى طريقين طريقة اهل الراى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز" یعنی ان متقدمین میں فقہ دو طریقہ پر بٹ گئی۔ ایک طریقہ اہل رائے قیاس کا اور وہ عراق والے ہیں، (کوفہ کے لوگ) اور اس کے ماحول میں اور دوسرا طریقہ اہل حدیث کا ہے، (مکہ مدینہ) ـــــ اور ان کے ماحول میں جو اہل حجاز ہیں۔ پھر دونوں طریقوں کی مذہبی حالت یوں لکھی ہے:
"وكان الحديث قليلة من اهل العراق مما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذالك قيل اهل الراى ومقدم جماعتهم الذى استقر المذهب فيه واصحابه ابوحنيفة" یعنی علم حدیث اہل عراق میں کم تھا، جس کی وجہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس لیے انہوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور اس فن میں خوب ماہر ہوئے۔ اس لیے ان کا لقب اہل الرای رکھا گیا۔ اس جماعت کے سردار جن کے شاگردوں میں، (اور مقلدوں میں) یہ طریقہ جاری ہو کر مذہب قائم ہوا، وہ امام ابوحنیفہ ہیں۔

اسی طرح کتاب الملل والنحل مصری ص۔۱۲۲ میں لکھا ہے، علامہ شہرستانی فرماتے ہیں: "اصحاب الرائى وهم اهل العراق هم اصحاب ابى حنيفة الخ" یعنی اہل الرای عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن، ابویوسف قاضی، زفر، حسن بن زیاد، ابن ملبہ عافیہ قاضی، ابو مطیع بلخی، بشر مریسی وغیرۃ اصحاب الرائی ان کو اس وجہ سے کہا گیا کہ ان کی توجہ قیاس کی طرف زیادہ تھی۔ بارہا انہوں نے احادیث احاد پر قیاس کو مقدم رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب یہ اہل الرای ظاہر ہوئے تو انہوں نے رائے قیاس کی کتب تیار کی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کی بابت تاریخ الخلفاء مصری ص۔۱۰۱ میں یہ لکھا ہے:
"وصنف ابوحنيفه الفقة والراى" یعنی ابوحنیفہ نے فقہ اور رائے کی کتاب تصنیف کی۔

تاریخ خمیس، جلد۔۲، صفحہ۔۳۲۸ میں ہے، ابوحنیفہ نے فرمایا: "قولنا هذا الر

یعنی ہمارا قول رائے ہوتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان ص-۱۸۴ میں امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے: "هذا الذی نحن فیه رای" یعنی ہم جس علم میں مشغول ہیں' وہ رائے قیاس ہے۔ اعلام الموقعین ص-۷۵ میں ہے: "عن ابی حنیفة انه قال علمنا هذا رای" یعنی ابوحنیفہ نے کہا کہ ہمارا علم رائے قیاس ہے۔

حجتہ اللہ البالغہ ص-۱۴۶ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اہل رائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے متفقہ مسائل نماز روزہ' حج' زکوٰۃ' فرائض حدود کے بعد کسی شخص متقدم کے قوائد پر تخریج مسائل کی طرف توجہ کی۔ ان کا اکثر دستور یہ رہا کہ کسی مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ میں جو حکم ہوتا' وہی حکم اس مسئلہ میں قیاس سے لگا دیتے اور مسئلہ کو ان قواعد مرتبہ کی طرف پھیر پھار کر لے جاتے۔ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کی تلاش نہ کرتے' انتہی مترجمہ۔ جب قیاس اور رائے میں مہارت حاصل کر کے فتوے دیئے تو انہوں نے اپنے شاگردوں (ابویوسف' محمد' زفر وغیرہ) کو بھی یہی علم رائے قیاس اور قواعد کا علم پڑھایا تو محدثین نے ان کو امام اہل الرای قرار دیا۔

میزان الاعتدال' اسماء الرجال کی مشہور کتاب مطبوعہ مصر کے ص-۲۳۷ میں ہے: "ابوحنیفة الکوفی امام اهل الرای" (ابوحنیفہ جو کوفہ کے رہنے والے تھے اہل رائے طبقہ کے امام تھے۔) امام اہل الرائے کی تقلید کر کے جنہوں نے ان کا مذہب اختیار کیا اور ان کے نام کی طرف اپنی نسبت کر کے حنفی مذہب بنایا' انہوں نے بھی اپنے امام کے مسلک رائے و قیاس کو اپنایا اور ترقی دی۔

غنیة الطالبین میں ہے: "اما الحنفیة فهم اصحاب ابی حنیفة النعمان بن ثابت" (یعنی حنفیہ وہ فرقہ ہے جو ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔) مولانا عبدالحی لکھنوی کی اپنی کتاب الرفع والتکمیل میں ہے: "ان الحنفیه عبارة عن فرقة یقلد الامام ابا حنیفة فی المسائل الفرعیة" (یعنی حنفیہ وہ فرقہ ہے جو مسائل فرعیہ میں امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے) جب یہ فرقہ امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوا تو اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہوا کیونکہ اہل سنت کی تعریف توضیح تلویح مطبوعہ نولکشور ص-۳۵۴ میں یوں درج ہے: "اهل السنة والجماعة وهم الذین طریقتهم طریقة الرسول علیه السلام واصحابه دون

اھل البدعۃ" (یعنی اہل سنت والجماعۃ وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔)

احادیث نبویہ و اقوال صحابہ اور اقوال محدثین میں رائے و قیاس کی نہایت مذمت آئی ہے۔ جناب مولانا محمد بدر العالم صاحب میرٹھی حنفی نے ایک کتاب "ترجمان السنہ" کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کی ہے۔ جلد اول ص۔۵۹ میں لکھتے ہیں۔ حدیث افتراق امت کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: "الذین یقیسون الامور برایھم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال" (یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے مسائل میں صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور حرام کو حلال کرتے ہیں اور حلال کو حرام بناتے ہیں۔) ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ابن معین نے اس زیادتی کو بے اصل قرار دیا ہے مگر صاحب الاعتصام بعض علماء سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن معین کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ ٹکڑا دیگر ثقہ راویوں سے بھی منقول ہے۔ لہٰذا اس کی اسناد بے غبار ہے۔

اور میں کہتا ہوں' امام شوکانی عالم ربانی نے اپنی کتاب "القول المفید" کے ص۔۳۱ پر حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے باسنادہ یہ روایت' عوف بن مالک (اشجعی) سے نقل کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن قیم نے کئی طرق سے ذکر فرما کر یہ لکھا ہے۔ "رجال اسنادہ کلھم ثقات" (کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں) لیکن مقلد اہل الرائے مولانا سرفراز خاں گکھڑوی صاحب نے حسب عادت تعصب سے کام لے کر اپنی کتاب "مقام حضرت امام ابوحنیفہ" کے صفحہ۔۱۷۸ میں اس حدیث اور دیگر روایت مذمت کی تضعیف کی ہے۔(ا۔ب)

(ا۔ب) لیکن خود بریلوی کی تردید میں اپنی کتاب راہ سنت کے ص۔۱۲۸ میں اسی حدیث عوف بن مالک کو بحوالہ مجمع الزوائد لکھ کر اس سے استدلال کر کے اپنے بریلوی بھائیوں کی تردید کرتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے کہ وہ اہل رائے کو سنت کا دشمن کہتے ہیں' پیش کرتے ہیں اور کتاب مقام ابوحنیفہ کے ص۔۱۸۰ پر اس کی تردید کی ہے۔ اس کا نام تعصب ہے۔ کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون)

مگر بایں ہمہ ص۔۱۳۶ پر یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہ

امام اہل رائے تھے اور یہ بھی مان لیا ہے کہ کتب تاریخ اسلام طبقات رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا لقب امام اہل رائے مذکور ہے۔ اور مولانا بدر عالم صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ اہل حدیث نے امام صاحب کے بارہ میں جو لکھا ہے وہ صرف دو باتیں ہیں۔ ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا۔ دوسری ارجاء کی نسبت۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو ان کو محدثین' اہل حدیث اور اہل سنت سے علیحدہ کر گئی ہیں۔ امام شوکانی نے القول المفید میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم تعمل هذه الامة برهة بكتاب الله وبرهة بسنة رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم يعملون بالرای فاذا فعلوا ذالک فقد ضلوا" (ص۔۳۱' بحوالہ روایت ابن عبدالبر) (یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ امت زمانہ دراز تک تو قرآن پر عامل رہے گی اور زمانہ طویل تک حدیث پر عمل کرتی رہے گی پھر دین میں رائے سے مسائل نکال کر اس پر عمل کرے گی تو اس وقت گمراہ ہو جائے گی۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا تو یہ فرمایا: **"يايها الناس انما الرای انما كان من رسول الله صلی الله عليه وسلم يقينا لان الله يريه وانما هومنا بالظن والتكلف"** (یعنی اے لوگو! تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تو یقیناً درست ہوا کرتی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھا دیتا تھا اور ہماری طرف سے جو رائے ہو گی وہ محض اٹکل پچو اور تکلف ہے۔) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت اس صفحہ پر امام شوکانی نے نقل کی ہے کہ امام بیہقی نے مدخل میں اور ابن عبدالبر نے اپنی اسناد سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل رائے احادیث کے دشمن ہیں کہ احادیث یاد کرنے سے تو عاجز ہوتے ہیں' اس لیے ان کو روایت کرنا چھوڑ دیا ہے اور رائے میں مشغول ہوئے۔ **فاتقوا الرائی**۔ ان کی رائے قبول کرنے سے بچو۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ نہایت صحیح طور پر فرمایا ہے: **"نعمان بن ثابت ابوحنيفه الكوفی (الٰی اخر قوله) كان مرجئا سكتوا عن**

رایه وحدیثه" (کہ ابوحنیفہ کوفی نعمان بن ثابت مرجیہ تھے' ان کی حدیث اور رائے قبول کرنے سے اہل علم نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔)

(کتاب الضعفاء بحوالہ تحقیق الکلام ص۔۱۳۸' ۲)

دوسری شہادت امام احمد رحمہ اللہ کی ہے۔ چنانچہ مناقب الشافعی للرازی ص۔۱۳۲ میں ہے' امام احمد فرماتے ہیں: "ولا رای ولا حدیث" (کہ ابوحنیفہ کی نہ رائے کام کی تھی نہ حدیث)

یہ بات صحیح اور مسلم ہے کہ رائے دو قسم کی ہے۔ ایک محمود' دوسری مذموم۔ رائے محمود اجتہاد و استنباط بطریق شرع کا نام ہے۔ جس کو محدثین نے اختیار کیا۔ اس کا دارومدار نصوص شرعیہ پر ہوتا ہے۔

کتبہ عبدالقادر عاجز الحصاری

ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد۔۲' شمارہ۔۲۹' ۳۰' جلد۔۱' شمارہ۔۴' ۸' ۱۳ بمطابق ۶ر و ۲۵ر اپریل و ۳۰ر مئی سنہ۔۱۹۷۵ء

دور حاضر میں نام کی اہلحدیثی!

آج اصلی پابند اسلام لوگ بہت کم ہیں۔ اکثر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اس لیے کسی عارف نے یہ کہا کہ۔

مسلمان در کتاب و مسلمانان در گور

ایسے ہی جو بعض لوگ آج کل اہل سنت کہلاتے ہیں اور حقیقت میں وہ اہل بدعت ہیں۔ یہی حال اس دور میں بعض اہلحدیث مذہب رکھنے والوں کا ہے کہ وہ زبانی دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ تہتر فرقوں میں سے صرف ایک طائفہ جنتی ہے اور وہ طائفہ "اہلحدیث" ہے۔ مگر عقائد' اعمال اور اقوال ان کے "کتاب و سنت" کے سراسر خلاف اور مسلک محدثین کے برعکس ہیں۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اپنے بھائیوں سے مخالفت اور عناد ہے اور گمراہ فرقوں کے لوگوں سے اچھا برتاؤ اور میل جول ہے۔ اگر ان کو کوئی شخص حق بات کہہ دے یا لکھ دے تو اس کو حقیر سمجھتے اور کینہ و بغض رکھتے ہیں اور اظہار حق کی تکذیب کرتے ہیں اور اہل بدعت بلکہ اہل شرک سے خوب ملتے اور ان سے اظہار محبت کرتے ہیں اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کو مرحوم کہتے' لکھتے اور دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر ان کے پاس جاتے ہیں یا وہ ان کے پاس آتے ہیں تو ان کی خوب عزت کرتے ہیں اور ان سے میٹھی گفتگو کرتے ہیں۔ سلام اور مصافحہ کرتے ہیں۔ بول چال میں مداہنت سے کام لیتے اور چاپلوسی کرتے ہیں اور علماء اہلحدیث سے ملتے ہیں تو تیوری چڑھاتے ہیں اور گفتگو میں خود پسندی' لا ابالی ظاہر کرتے اور آخر اس سے اعراض کر جاتے ہیں۔ خانقاہوں پر عرس' میلوں کو حرام اور گناہ بلکہ شرک سمجھتے ہیں مگر سجدے کرنے' غیر اللہ کو عالم الغیب جاننے' انبیاء و اولیاء کو خود مختار سمجھنے اور ان سے استغاثہ' استمداد کرنے کو جائز کہنے والوں کو اور تیجہ' دسواں' چالیسواں اور گیارہویں کرنے والوں کو اپنا بھائی کلمہ گو مسلمان سمجھتے ہیں اور ایسا کوئی پیر' عالم' مولوی' لیڈر مرجائے تو اس کے حق میں دعا کرتے ہیں اور دعاء بھی وہ جو کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کے لیے کی تھی اور نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے پر اظہار افسوس کرتے' اس کو مرحوم قرار دیتے ہیں۔ مگر دعویٰ اہلحدیثی کا رکھ کر

تقریروں، تحریروں میں غیر اللہ کی ندا کو شرک، غیر اللہ کو غیب داں جاننا شرک، غیر اللہ سے استمداد شرک، نبی کریم ﷺ کو اللہ کے نور سے مجسم نور کہنا شرک کہتے ہیں لیکن جب ایسے مشرکوں سے ملتے ہیں تو خوب سلام و کلام کرتے ہیں اور وہ مرجائیں تو ان کی تعریفوں سے اپنے اخباروں کے کالم سیاہ کر دیتے ہیں اور ان کو دعائیں دیتے ہیں۔ اہلحدیث کوئی ننگے سر نماز پڑھے تو اس کو یہودی، عیسائی، منافق قرار دیتے ہیں اور کوئی قبر پرست، بدعتی مرجائے تو اس کی مدح کرتے، خوب حسن عقیدت کا اظہار کرتے اور اپنا حسن اخلاق ظاہر کرتے ہیں جو حقیقت میں مداہنت فی الدین ہے۔

یہ نام کے اہلحدیث تقلید شخصی اور فرقہ بندی اور احادیث کے مقابلہ میں اقوال ائمہ کو ترجیح دینے کو حرام "گناہ" بدعت بلکہ شرک قرار دیتے ہیں مگر جب ایسے مذہب کے علماء اور امراء سے ملتے ہیں تو خوب ان کی خوشلد کرتے ہیں اور نہایت چاپلوسی سے کام لیتے ہیں اور ان کو اپنا مذہبی بھائی سمجھتے ہیں اور ان کے اختلاف کو مثل اختلاف صحابہ کرام قرار دیتے ہیں اور ان کو فرقہ ناجیہ کی ایک قسم گردانتے ہیں جو صریح مداہنت اور خرابی عقیدہ پر دال ہے۔

یہ نام کے اہلحدیث محدثین کی تعریف کرتے ہیں تو ائمہ اہل رائے کی مدح سرائی بھی کرتے ہیں اور اپنے زعم فاسد میں اس اختلاف کو رحمت قرار دے کر ان کی تقلید کرنے والوں کو رحمت کا حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

یہ نام کے اہلحدیث مرزائیوں کو تو مشرک فی الرسالت کہہ کر نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور ختم نبوت کا ڈھونگ بنا کر جلوسوں کا سانگ بناتے ہیں——! مگر مشرکین فی الالوہیت کو اپنے دینی بھائی قرار دے کر ان کو اپنی لڑکیاں نکاح میں دیتے ہیں اور ان کے جنازے پڑھتے ہیں اور ان کے حق میں دعا کرتے ہیں اور ان کو مرحوم و مغفور لکھتے ہیں۔

یہ نام کے اہلحدیث بے نمازوں کو ترک نماز سے کفر لازم آنے کی احادیث کو سنا کر پھر ان کو اپنی لڑکیاں نکاح میں دے دیتے ہیں اور اگر وہ بے نماز مرجائیں تو ان کے جنازے پڑھ دیتے ہیں۔

یہ نام کے اہلحدیث ان لوگوں کو اپنے مذہبی دینی بھائی تصور کرتے ہیں جن کو

قرآن و حدیث کافر' مشرک' منافق قرار دے رہے ہیں اور اس مسلک کو وہ جناب گرونانک صاحب کی طرح صلح کل کا مسلک کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ گو کو کافر کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث بہت سے کلمہ گو اور ایمان کے مدعیان کو کافر' مشرک و منافق قرار دیتے ہیں' جس سے نام کے اہلحدیث ملا مولوی اغماض کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس کو اللہ اور رسول کافر و مشرک کہیں اس کو مسلمان کہنے والا بھی کافر ہے۔ وہ تکفیر مسلمانان کا مضمون لکھ کر یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ کسی کلمہ گو کو بھی کافر نہ کہو ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔ خواہ وہ قبرپرست' تعزیہ پرست ہو۔ بس ان کے نزدیک کلمہ کا منکر بت پرست ہی کافر ہے یا یہودی' عیسائی ہے۔ کلمہ گو کفروشرک کرے تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا مگر مرزائیوں سے مقابلہ ہو تو ان کلمہ گو قادیانیوں کو کافر خارج از اسلام کہنے کو سب تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دعویٰ نبوت قبرپرستی اور تعزیہ پرستی سے بڑا گناہ نہیں ہے۔ مگر جس گناہ کا رواج عام ہو جائے' اس کا احساس نہیں رہتا۔ جیسے کنجروں کے خاندان میں زنا کا احساس نہیں اور بیاج کا بنک والوں کو احساس نہیں ہے اور جس گناہ کا رواج عام نہ ہو' وہ اگر کسی سے ہو جائے تو اس کے خلاف تمام عام و خاص ڈھول پیٹنے لگیں گے کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا۔

یہ نام کے اہلحدیث تعزیہ کو پوجنا شرک و کفر کہہ دیں گے۔ فتویٰ بھی لکھ دیں گے مگر کوئی تعزیہ پرست مر جائے گا تو اس کی تعریفیں کریں گے۔ اس کو اپنا مسلمان بھائی سمجھیں گے اور اگر ملے گا تو خوب سلام و مصافحہ کریں گے اور اس کی عزت کریں گے اور جب بدعات کی تردید اور اہل بدعت کا رد کریں گے تو **فسحقا فسحقا لمن غیر بعدی** اور **من وقر صاحب بدعة فقد اعان علٰی ھدم الاسلام** وغیرہ احادیث سنائیں گے اور کہیں گے **اصحاب البدع کلاب النار** میں کہتا ہوں کہ پھر بھی ان کو مرحوم کہے' وہ کون ہے؟

یہ نام کے اہلحدیث قبرپرست' غیر اللہ کو غیب داں' مختار کل جاننے والے اور ان کے نام کے وظائف کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کی اقتدا کرنا جائز جانتے ہیں اور وہ ان کو وہابی کافر کہتے ہیں اور یہ ان کو اپنے بھائی خاطی قرار دیتے ہیں' کافر و مشرک نہیں کہتے۔ مگر وہ ان کو مردود کہتے ہیں' ان کی یہی سزا ہے۔

یہ نام کے اہلحدیث قبروں کو' پیروں کو سجدہ تعظیمی کرنا شرک و کفر نہیں کہتے۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہے۔ اس مسئلہ میں تو خان صاحب بریلوی کا عقیدہ ان سے اچھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ قریب بہ کفر ہے اور اجماعی حرام ہے اور جو اس کو جائز و عبادت سمجھتے ہیں وہ کافر ہیں۔" اگر ان سے اچھا نہیں تو اس میں ان کا یکساں اور متحد ہونا صاف ظاہر ہے اور حق یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا مطلقاً" شرک ہے اور سجدہ کرنے والا مشرک ہے۔

یہ نام کے اہلحدیث نکاح بٹہ مروجہ کو حرام قرار دے کر پھر اس کو حلال کہنے والوں کے اشتہار اپنے اخبار میں بلا تردید شائع کرتے اور ان کی تائید کرتے ہیں۔ یہ نام کے اہلحدیث ایک مسئلہ میں متضاد فیصلے کرتے ہیں تاکہ سب کی دل جوئی ہو جائے۔

ان نام کے اہلحدیثوں کی ایک یہ نشانی بھی ہے کہ وہ کتمان حق کر جاتے ہیں۔ خالص اہلحدیث کبھی ایسا نہیں کرے گا کہ کتمان حق باعث لعنت ابدی ہے۔ ان نام کے اہلحدیثوں کا ایک خلق یہ ہے کہ جب ان کو ان کی غلطی سمجھائی جائے اور ان کی اصلاح کی جائے تو فوراً چڑ کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور سمجھانے والے کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو تکبر اور خودپسندی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ تکبر اور خودپسندی حق بات نہ ماننا اور اپنی غلطی کا اقرار نہ کرنا ہے۔

ان نام کے اہلحدیثوں کا کوئی شرعی نظام نہیں ہے۔ سب ہی آزاد اور خودمختار ہیں۔ ایک کا فتویٰ دوسرے کے خلاف ہے اور سب ہی مجتہد بنے بیٹھے ہیں۔ محدثین سابقین رحمہم اللہ کی تحقیق قبول نہیں کرتے' خود رائے ہیں۔

ان نام کے اہلحدیثوں کی ایک یہ علامت ہے کہ احادیث امارت کو صحیح قابل عمل کہیں گے مگر ان پر عمل نہیں کریں گے اور نہ امیر ہوں گے اور نہ مامور ہوں گے اور دوسرے کی اطاعت کو عار سمجھیں گے۔ ان نام کے اہلحدیثوں کی ایک عادت یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر یہ نزاع کر کے اس کے فیصلے کے لیے اجتماع کریں گے تو لڑ جھگڑ کر اٹھ جائیں گے' اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کا ایک نشان یہ ہے کہ تنظیم کو تسلیم کریں گے اور تنظیم جماعت کو لازم اور واجب قرار دیں گے اور اس کے

ثبوت میں وہ احادیث پیش کریں گے جو امارت کے بارے میں وارد ہیں مگر عمل کے وقت صدر' انجمن' جمعیت وغیرہ نام رکھیں گے۔ امارت اور جماعت کے نام سے سخت گھبرائیں گے اور شرمائیں گے۔ حالانکہ امارت سفر و حضر میں مشروع ہے۔

ان نام کے اہلحدیثوں کا ایک کام یہ ہے کہ ایک کام کو بدعت قرار دے دیں گے مگر پھر خود ہی اس کام کو معمول ٹھہرا کر سرانجام دینے لگیں گے۔ جس سے بدعت اور اہل بدعت کو تقویت ہو جائے گی۔ مثلاً رجب میں معراج نبوی کے نام سے جلسے کرنا' رجب میں زکوٰۃ دینے لینے کی تعیین کرنا' میلاد کے جلسوں کے وقت سیرت کے نام سے (اگر توحید کی تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں) جلسے کرنا اور لیلتہ القدر میں قیام کی بجائے جلسے شروع کرنا وغیرہ۔ ان نام کے اہلحدیثوں کا یہ حال ہے کہ زکوٰۃ کے تارک' حج کے تارک' صوم و صلوٰۃ کے تارک کو اپنا کلمہ گو مسلمان بھائی سمجھتے ہیں اور ان کا جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔

ان نام کے اہلحدیثوں کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ اسلام کی درس گاہوں سے اعراض کر کے اپنی اولاد کو سکولوں کی تعلیم دلا رہے ہیں تاکہ دنیا میں عزت ہو اور سرکار میں ملازمت مل جائے اور معاش کی صورت بن جائے۔ کتاب و سنت سے یہ غافل ہیں اور کہتے ہیں کہ اس علم کی اب قدر نہیں ہے۔ بڑے بڑے خاندانی علماء کی اولاد کتاب و سنت سے جاہل ہے اور وہ نصاریٰ کے مشابہ بن رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلک اہلحدیث بالکل حق اور صواب ہے جس کے خلاف سراسر گمراہی ہے۔ مگر اب اس دور میں بعض اہلحدیث لوگ مصلحت پرست ہو گئے ہیں۔ خالص اور مخلص اہلحدیث پابند شرع و کتاب و سنت بہت اقل قلیل ہیں جو بلا خوف لومتہ لائم قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حق کی اشاعت کرتے ہیں اور غیر مذہب کی ملونی سے بچتے ہیں۔

یہ چند الفاظ صرف اپنے بھائیوں کی اصلاح کے لیے لکھے گئے ہیں تاکہ ہمارے بھائی غور کریں اور سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب اہلحدیث حضرات کو کتاب و سنت پر استقامت بخشے' آمین۔

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ۴۱' شمارہ ۱۷۔۱۸' بمطابق یکم و ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

جلد نمبر دوم

مضامین — صفحات